بر فنیکہ ہے عجز کا اقرار قلم کو ۔ ہر چند کہ ہے حوصلۂ فکر رسا تنگ
اس پر کرم حضرت بلطف عطا ہے [illegible]

یونس قنوجی

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

ماہنامہ
رگِ سنگ کانپور

سال : سوم
شمارہ : ۳۶ و ۳۷

سیرت نمبر

اپریل و مئی سنہ ۱۹۷۳ء مطابق صفر و ربیع الاول ۱۳۹۳ھ

عام شمارہ : ایک روپیہ
سالانہ : بارہ روپے

دفتر اشاعت : پتہ برائے ترسیل زر
۹۷/۴۲ کھنیا بازار کانپور

فون : ۶۰۳۸۲
۶۳۵۸۳
۶۸۸۲۰

طابع، ناشر، مالک : فیروزالدین بوہچہ
مطبوعہ لتھو برقی پریس، [illegible] سڑک، کانپور

مدیر

فیروزالدین بوہچہ

معاون مدیر

شاہد سرور

سرورق ——— آرٹیکو

تزئین ——— ابن یونس

خطاط ——— رفیق احمد

سلام

بحضور خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم

السّلام! اے حاملِ وحی و خطاب
السّلام! اے شارحِ اُم الکتاب
السّلام! اے مرکزِ پرکارِ حق
السّلام! اے مظہرِ معیارِ حق
السّلام! اے صاحبِ خلقِ عظیم
السّلام! اے چشمۂ فیضِ عمیم
السّلام! اے وجہِ بزمِ کائنات!
السّلام! اے بندۂ مولا صفات
السّلام! اے صدرِ بزمِ عرشیاں
السّلام! اے تاجِ فرقِ انس و جاں
السّلام! اے پیشوائے مرسلیں
السّلام! اے سرورِ دنیا و دیں
السّلام! اے غم گسارِ دوستاں
السّلام! اے پاسدارِ دشمناں

اے چراغِ بزمِ حکمت السّلام
اے سراجِ طورِ وحدت السّلام
اے امینِ شانِ رحمت السّلام
اے گُلِ باغِ مشیت! السّلام
اے بشیرِ باغِ رضواں! السّلام
اے نذیرِ جرم و عصیاں، السّلام
اے طبیبِ دردِ حرماں! السّلام
اے حیات آموزِ انساں! السّلام
اے رسولِ حضرتِ حق: السّلام
رہنمائے دینِ برحق: السّلام

آپ ہیں اُمیدگاہِ بے کساں
اور ہم خوار و نزار و نیم جاں
آپ ہیں سرچشمۂ لطف و عطا
اور ہم بے برگ و ساماں بے نوا
آپ کے زیرِ قدم عرشِ برین
ہم ولیکن تنگ پہنائے زمیں
آپ کے زیرِ نگیں لوح و قلم
ہم گرفتارِ طلسمِ بیش و کم
آپ ہیں رونق فزائے کائنات
اور ہم محتاجِ چشمِ التفات
عرش مسند آپ، ہم بے بال و پر
یا رسول اللہ! سوئے ما یک نظر
سخت تر ہیں زندگی کے راستے
رہبری وہ دستگری [illegible]

ابرِ رحمت.........!
ہندتیل
کی شکل میں
جسکا
قطرہ قطرہ
شفا سے
بھرا ہوا ہے
درد بدن کے کسی حصہ میں ہو — جوڑوں، کمر پشت
کولھے، سینہ گردن وغیرہ میں اور ریاحی ہو یا سردی کے
باعث — ہر طرح کے جسمانی درد سے جلد اور مکمل
آرام پانے کیلئے ہر جگہ لوگ "ہندتیل" استعمال کرتے ہیں
ہندتیل: ہر طرح کے زخم چوٹ ورم آگ سے جلنے جسمانی
کمزوری ذکر
بنانے والے: ہندسی بی ورکس بیونا تھ بھنجن 375/10 U.P.
ایجنٹ: ماسٹر محمد حفیظ محمد نصیر نیا گنج۔ کانپور

TRADE MARK
نہایت ہی
آرام دہ اور
پائیدار
سینڈل
ایلورا
پلاسٹکس کی پیشکش
تبریزی اینڈ کمپنی
بساطی بازار - کانپور ۱
چیپ چپل کمپنی
حسرت موہانی روڈ - کانپور
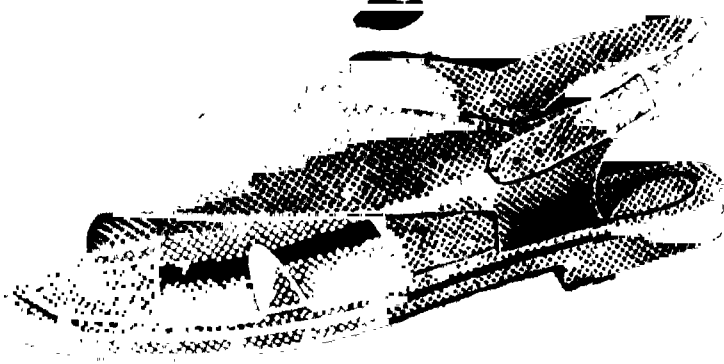
ربیع الاوّل

کے مہینہ میں دنیا بھر کے مسلمان خاص طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک یاد تازہ کرتے ہیں۔ آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ آپ کی سیرت پاک کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ اور مختلف طریقوں سے روح اقدس کے حضور میں عقیدت کا خراج پیش کرتے ہیں جس سے ہر مسلمان کا دل لبریز ہے۔ یہ سب کچھ اپنی جگہ قابل قدر ہے مگر ایک چیز ایسی ہے جس سے بالعموم غفلت برتی جا رہی ہے اور وہ یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بھیجنے والے نے صرف خراج عقیدت وصول کرنے کے لئے نہیں بھیجا تھا بلکہ خراج اطاعت اور خراج اتباع وصول کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ اگر یہ خراج ادا کیا جائے تو اس کے ساتھ عقیدت کا خراج جتنا بھی ادا ہو اس بارگاہ میں قابل قبول ہے۔ ورنہ اندیشہ اور قوی اندیشہ ہے کہ اطاعت و اتباع سے عاری، اور نافرمانی سے آلودہ عقیدت نہ حضور ہی کی بارگاہ میں قابل قبول ہوگی۔ نہ حضور کے بھیجنے والے اللہ عزوجل کی بارگاہ میں!

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

اس شمارے میں!

اداریہ

★

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ ـــــــــــ یوں تو چند الفاظ کا ایک مختصر مجموعہ ہے۔ لیکن معنویت کے لحاظ سے یہی چند الفاظ اپنے اندر ترغیب و تہدید کی ایک دنیا سمیٹے ہوئے ہیں۔ پھر اسکی اہمیت یوں بھی مسلم ہے کہ اس جملہ کے ذریعہ خالق کائنات و رب العالمین نے اپنے پسندیدہ و برگزیدہ اور محبوب پیغمبر حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو نمونۂ عمل قرار دیتے ہوئے تمام انسانوں کو آپ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ اور دنیا و آخرت کی فلاح اور کامیابی و کامرانی کو اس پیروی میں مشروط کر دیا ہے۔ اسی کیساتھ یہ اشارہ بھی کر دیا ہے کہ اس پاک و مطہر زندگی کے نمونۂ عمل سے سرتابی و گریز کرنے والے سب کچھ پا سکتے ہیں۔ لیکن پروردگار عالم کی خوشنودی اور رضا اور رحمت و رافت کے مستحق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں زندگی گزارنے کا پسندیدہ ترین نمونہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کا نمونہ ہے۔

پھر کیا کوئی شخص جو عقل سلیم بھی رکھتا ہو۔ انگارے اور گلاب کے فرق سے بھی واقف ہو۔ قہر و غضب اور عفو و رحمت کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھتا ہو۔ اور عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے عجز و قدرت کے مابین خط امتیاز کھینچنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ اس بات کی جرأت و جسارت کر سکتا ہے کہ اس ذات گرامی کی پیروی سے انکار و اعراض کر کے راہ نجات پا لینے کا دعویٰ کرے۔ جو اپنے رب کی طرف سے خاتم المرسلین کے منصب جلیل پر فائز۔ اور رحمۃ للعالمین کی خلعت سے آراستہ و پیراستہ کر کے لوگوں کی ہدایت کیلئے بھیجا گیا ہو۔ جسکا دین مکمل اور خاتم الادیان ہو جسکی شریعت محکم اور حرف آخر ہو۔ اور جس کا ہر قول و فعل قرآن کریم کی مکمل تشریح و تفسیر ہو۔

اب رہا یہ سوال، کہ اسوۂ محمدی اور سیرت نبوی کیا ہے؟ ـــــ تو اس ایک سوال کے جواب کیلئے، جہاں بڑے بڑوں نے بہت کچھ لکھنے کے بعد بھی بالآخر اعتراف عجز کے دامن میں ہی پناہ ڈھونڈھنے میں عافیت سمجھی ہو۔ وہاں ہم جیسے بے بضاعت اور تہی دامن لوگ تو اعتراف عجز کے ذیل میں بھی نہیں آتے۔ غور کیجئے کہ مندرجہ بالا فقرہ قرآنی میں آنحضرت صلعم کی مکمل زندگی کو نمونۂ عمل قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے آپکی زندگی صرف ایک پیغمبر اور داعی الی الحق ہی کی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک فرمانبردار و عبادت گزار بندے، ایک مہربان آقا، ایک رفیق و غمگسار دوست، ایک دیانتدار تاجر، ایک پاکباز معلم، ایک متوازن سیاست داں، ایک مستقل مزاج سپہ سالار، ایک عادل سربراہ، ایک شفقت و رحیم صفت ایک شفیق باپ، ایک حلیم شوہر اور ایک درد مند انسان کی زندگی ہے۔ مومن و کافر، صدیق و زندیق، دوست و دشمن، یگانہ و بیگانہ

[illegible] وشیعہ، محتاج و غنی، فاتح و مفتوح، ظالم و مظلوم اور پست و بلند، ہر ایک کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کے سلسلہ میں آپ نے امتیازی خطوط واضح فرمائے ہیں۔ ان تمام خطوط اور سارے گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کوئی آسان بات نہیں، کیونکہ:

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم   کرشمہ دامن دل می‌کشد کہ جا اینجاست

کس موضوع کو چھیڑا جائے اور کس کو چھوڑا جائے، جب یہ عالم ہو کہ کسی ایک موضوع کو چھیڑتے ہوئے اُسکی عظمت و برتری اور اپنی کوتاہ دستی کے تصور سے قلم کانپ اُٹھے اور چھوڑتے ہوئے اسکی لذت اور حلاوت کے خیال سے دل بے قرار ہو جائے تو ایسی صورت میں ——— بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر ——— کے بغیر چارہ ہی کیا ہو سکتا ہے۔

لیکن چونکہ خدائے تعالیٰ کے فضل و کرم کی بدولت، ذات گرامی جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے دامانِ رحمت و ہدایت سے وابستگی و غلامی کا شرف حاصل ہے ؎

ذرہ ام لیک بایں بخت رسا می نازم   کز کفِ پائے فروزان تو نسبت دارم
تنگ دامانی من لائق گلچینی نیست   تاہم از دستِ گل افشانِ تو حسرت دارم

کے مصداق ایک اُمید کا سہارا لے کر عقیدت کے پھول نذر کئے ہیں کہ شاید توشۂ آخرت کے طور پر کام آسکیں، کسی سمندر سے اُٹھائے ہوئے قطرہ کا ہزارواں حصّہ بھی تو نہیں ہے کہ جو رگ سنگ کے صفحات پر پیش کیا جا رہا ہے۔ تاہم کوشش کی گئی ہے کہ جو کچھ بھی پیش کیا جائے، افراط و تفریط سے مبّرا اعتدال و توازن کے دائرہ میں ہو۔ اس حقیر پیش کش کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں، کہ رگ سنگ میں شائع شدہ مضامین نظم و نثر کی کسی ایک سطر، یا سطر کے کسی ایک لفظ کو پڑھ کر تاثر پذیری کے طور پر کسی ایک دل کے تاروں میں بھی ارتعاش کی کیفیت پیدا ہو گئی، تو صاحب مضمون کے ساتھ ہم بھی اجر و ثواب کے مستحق ٹھہرنے کی توقع کر سکتے ہیں۔

دراصل یہ سب کچھ ترسیل و ابلاغ کے فریضے کی ادائیگی کی ایک کوشش ہے، اس فریضہ کی ادائیگی میں ہمیں کہاں تک کامیابی حاصل ہوسکی ہے، اسکا فیصلہ قارئین کرام کو کرنا ہے۔

اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کے سلسلہ میں، ان تمام اہل قلم حضرات کا شکریہ ادا کرنا، ہماری اخلاقی ذمہ داری ہے۔ جنھوں نے اپنی نگارشات کے ذریعہ رگ سنگ کے سیرت نمبر کی اشاعت میں تعاون فرمایا۔ ساتھ ہی ان حضرات سے معذرت خواہی بھی ضروری ہے کہ جن کی قلمی نگارشیں صفحات کی تنگ دامانی، یا ترتیبی نزاکتوں کے باعث شریک اشاعت نہ ہو سکیں۔ ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ اگلے شماروں میں موقع و محل کے اعتبار سے ایسی تمام رہ جانے والی تخلیقات ضرور شائع کی جائیں گی، جو واقعی قابل اشاعت ہونگی۔

رُوداد شمسی بیت المال

ترجمان بیت المال

اللہ رب العزت کا شکر و احسان ہے کہ شمسی بیت المال کانپور اپنے مقاصد کی تکمیل کی منزلیں، قدم بقدم طے کرتے ہوئے برابر آگے بڑھ رہا ہے اور جیسے جیسے اسکی کارکردگی کی روشنی میں اسکی افادیت واضح ہوتی جارہی ہے، تعاون کرنے والوں کا حلقہ بھی وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ مزید برآں اس تحریک کا سب سے زیادہ روشن اور تابناک پہلو یہ ہے کہ اسکی کارگزاریوں کی اشاعت سے جو رگ سنگ کے صفحات پر باقاعدگی سے شائع ہوتی رہتی ہیں، متأثر ہو کر متعدد دوسرے مقامات پر بھی تحریک پیدا ہوئی ہے۔ کہیں بیت المال قائم کرلئے گئے ہیں اور کہیں ان کے قیام کی لگن پیدا ہوچکی ہے۔ تحریک کی اس تأثر پذیری سے بجا طور پر توقع کیجا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں جگہ جگہ ایسی تنظیمیں کارفرما ہوکر ملت کی اقتصادی و معاشی اُلجھنوں کو سلجھانے کی قابل قدر خدمات انجام دے کر فریضۂ زکوٰۃ کے بنیادی مقاصد کو پورا کریں گی۔ کیونکہ زکوٰۃ کی اجتماعی ادائیگی و خرچ ہی معاشی عدم توازن کا مؤثر اور مجرب علاج رہا ہے۔ اور آج بھی سرمایہ و محنت کی آویزش کی بیماری کے لئے یہی نسخہ شفا کا کام کرسکتا ہے۔

حسب قاعدہ مورخہ ۲۲؍مارچ ۲۰۰۳ء کو بعد نماز عشاء رفعت منزل میں اراکین شمسی بیت المال کمیٹی کی مجلس کا انعقاد ہوا جسمیں سبھی اراکین شریک ہوئے الّا جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب جو اپنی انتہائی ضروری مصروفیات کی بنا پر تشریف نہ لاسکے۔ جلسہ کی کارروائی کا آغاز جناب حافظ محمد عقیل صاحب حجری کی والہانہ و پُرسوز دُعا سے ہوا، جسکی کیفیت سے کچھ دیر مجلس پر پُراثر کیف عالم طاری رہا۔ بعد ازاں آئی ہوئی درخواستوں پر غور و خوض کر کے حسب ذیل متفقہ فیصلے کئے گئے۔

- وقتی امداد کے سلسلہ میں دو درخواستوں کو امداد کا مستحق قرار دیتے ہوئے منظور کیا گیا۔
- تین درخواستیں کاروبار سے متعلق قابل اعتناء سمجھی گئیں اور اُن کے بارے میں اثباتی رویّہ اپنایا گیا۔
- ادائگی قرض سے متعلق ایک درخواست مستحق پذیرائی ٹھہری، چنانچہ مد عطیہ کے تحت اس کے لئے منظوری دیگئی۔
- دیگر مدات کے تحت چار درخواستوں کو ہمدردی اور قبولیت کا مستحق قرار دیا گیا۔
- پانچ درخواستیں جن کے لئے تحقیق مزید ضروری تھی آخری فیصلہ کیلئے روک لی گئیں۔ بقیہ درخواستیں چند در چند وجوہات کے پیش نظر مسترد کر دی گئیں۔

کارروائی مجلس بحسن و خوبی اختتام ہوئی تو پھر جناب حافظ محمد عقیل صاحب نے نہایت مؤثر انداز میں اختتامی دعا فرمائی۔ ازاں بعد جناب حاجی محمد انیس صاحب منیجر نے اپنی روایتی مہمان نوازی کا مخلصانہ مظاہرہ فرماتے ہوئے ہم سب کو مزید شکریہ کا موقع عطا فرمایا۔

فیروزی قلم سے

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں منعقدہ "مسلم یونیورسٹی کنونشن" میں شریک ہونے کا دعوت نامہ ہم کو بھی ملا تھا. جہاں تک اجتماع کی کامیابی کا تعلق ہے، ہم کو عرض کرنے دیجئے، شاید یہ ایک کامیاب ترین اجتماع تھا. جس میں اسلامیان ہند کے تقریباً ہر طبقے و مسلک کی نمائندگی کرنے والے مجتمع ہوئے تھے. ایک مقرر نے بجا طور پر کہا تھا کہ "بمبئی کے پرسنل لا کنونشن کے بعد یہ ہمارا دوسرا سنگ میل ہے". الاّ ناگالینڈ؛ ہندوستان کے ہر صوبہ کی نمائندگی تھی. حتیٰ کہ منی پور، تری پورہ اور آسام جیسے دور دراز صوبوں کے نمائندے بھی موجود تھے. اس سے کم از کم اس کنونشن کی اہمیت اور ہمہ گیری کا اندازہ تو کیا ہی جاسکتا ہے.

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی (علی میاں) کا پُرمغز خطبہ افتتاحیہ اور وہ خصوصی جملہ کہ "ملت جماعتوں سے زیادہ اہم ہوتی ہے" دوروزہ اجلاس پر چھایا رہا. صدر اجلاس جناب بشیر سعید کا بے انتہا طویل مگر سارے حقائق کا احاطہ کرنے والا خطبہ صدارت جس کو حقیقتاً ایک دستاویز کہنا چاہیئے، ذہنوں میں گونجتا رہا. شیخ محمد عبداللہ کی بصیرت افروز تقریر. پیلو مودی اور راج نرائن کے پُرمزاح جملے. نارسی داس اور شیام لال یادو کی سلجھی ہوئی اور کسی قدر محتاط تقریریں. علی گڑھ کا مشہور ترانہ، وہ چہل پہل، وہ ہماہمی. ایک ہی پلیٹ فارم پر مختلف الخیال جماعتوں کا اجتماع. اتحاد کا رُوح پرور نظارہ. مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، سید کلب عباس، جیسے بزرگوں کی سرفروشانہ جدوجہد، جو نوجوانوں کا حوصلہ بڑھاتی تھی. محمد یوسف و محمد مسلم صاحبان کی پاکیزہ مگر خاموش شخصیتیں جن کو دیکھ کر یہ اندازہ کچھ بھی مشکل نہ تھا کہ کچھ لوگ باتوں سے زیادہ کام کرنے پر یقین رکھتے ہیں. سب ہی کچھ تو تھا. کیا نہیں تھا ــــ؟

سیاست سے قطع نظر ایسے خوشگوار نظارے بھی دیکھنے کو ملے جن سے یقین جانیے دل پر ایک خاص تاثر قائم ہوگیا. پاس شدہ رزولیوشن میں مظاہرے کا بھی ذکر تھا. مسلم مجلس، اتحاد المسلمین تعمیر ملت اور دیگر جماعتیں پارلیامنٹ کے سامنے مظاہرہ کرنے کو تیار تھیں. مگر مسلم لیگ، حسب معمول جس طرح قائد اعظم جناح مرحوم کا مخصوص طریقہ تھا کہ وہ کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اپنی ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھنے کے لئے وقت مانگ لیتے تھے. اسی طرح محترم ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب نے بھی وقت مانگ لیا. گو یہ طریقہ کار ایک طرح سے مناسب بھی ہے کہ سوچنے سمجھنے کیلئے وقت مل جاتا ہے. مگر

جب بہت سی جماعتوں کا پلیٹ فارم بنانا مقصود ہو تو یہی چیز دوسری جماعتوں کیلئے کوفت اور اُلجھن کا سبب بن جاتی ہے۔

اسمیں کوئی شبہ نہیں کہ کسی بھی جماعت کا جمہوری طریق کار یہی ہونا چاہیئے کہ اپنی پارٹی سے کسی بھی کام کے سلسلہ میں مشورہ لینا چاہیئے ڈاکٹر فریدی نے سبجکٹ کمیٹی کے اجلاس کے فوراً بعد وقفۂ طعام کے دوران فوراً اپنے حامیوں کے ایک خصوصی اجلاس میں، جسمیں تقریباً مجلس کی ساری ورکنگ کمیٹی موجود تھی، مظاہرے کے سلسلہ میں اپنی پارٹی کی حمایت حاصل کرلی۔

چونکہ لیگ فی الوقت مظاہرے کیلئے تیار نہیں تھی لہذا مدت بڑھادی جاناتھی۔ مگر اجلاس میں آکر مندوبین و مدعوئین اور خصوصاً طلباء علی گڑھ کے سامنے مظاہرہ ملتوی رکھنے کا اعلان کرنا ایک ٹیڑھی کھیر تھا۔ جماعت کو نکتہ چینی سے بچانے کیلئے ظاہر ہے، سیٹھ صاحب کیلئے بھی یہ مشکل بات تھی۔ اویسی اور فریدی صاحبان کیلئے اور زیادہ نامناسب ہوتا کیونکہ اتحاد بین المسلمین کا مقصد ہی فوت ہوجاتا تھا۔ سیاسی بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے شیخ عبداللہ کو سامنے لایا گیا ظاہر ہے ان کے لئے جماعتی زبان کا کوئی سوال ہی نہیں تھا ویسے بڑی خوش اسلوبی اور مہارت سے اُنھوں نے اس عظیم ذمہ داری کو نبایا۔

مظاہرہ کے سلسلہ میں تاخیر کا اعلان، طلبائے علی گڑھ کیلئے خصوصاً بہت ہی زیادہ مایوس کن تھا۔ جس کی وجہ سے اُنھوں نے ایک بار سے زیادہ واک آوٹ کیا۔ مگر صاحب، ان کے واک آوٹ کا نظارہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک لڑکا اُٹھا، اُسنے جلسہ گاہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالی۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا۔ طلباء ایک ایک کرکے اُٹھے اور قطار بناکر جلسہ گاہ سے باہر چلے گئے۔ نہ کسی قسم کی افراتفری تھی، نہ کسی قسم کا انتشار۔ چہرے جذبات کی زیادتی سے ضرور سرخ۔ مگر کیا مجال! جو کسی کے منہ سے کوئی آواز نکلی ہو پانچ منٹ کے بعد چپ چاپ پلٹ آکر انھوں نے اپنی نشستیں سنبھال لیں دوبارہ یہی منظر سامنے آیا۔

بہر حال اختتام پر طلباء کے لیڈروں نے ڈائس پر آکر واضح طور پر اعلان کیا کہ گو ہماری خواہش تھی کہ اسوقت ہی پارلیامنٹ کے سامنے مظاہرے کا پروگرام بنالیا جائے۔ کیونکہ ہندوستان بھر کے نمایندوں کے ساتھ ساتھ طلباء علی گڑھ بھی اتنی بڑی تعداد میں دلی میں موجود ہیں مگر ہم پوری طرح اور کھلے ذہن کیساتھ اپنے رہنماؤں کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرتے ہیں:

ان طلباء کے مقابلہ پر جب میں دیگر یونیورسٹیوں کے طلباء کے ڈسپلن کا موازنہ کرتا ہوں، تو سچ مانیے سینہ فخر سے پھول جاتا ہے مگر اس کے ہمراہ ان کے ساتھ کی گئی ناانصافی پر دل بھی بھر آتا ہے۔ جوش کے ساتھ ہوش کے اس مظاہرہ نے بہتوں کی طرح مجھکو بھی یقین دلایا ہے کہ یہ تحریک یقیناً کچھ نہ کچھ رنگ لائے گی۔

کام دکھائیں گے ٹوٹے ہوئے بازو بھی بہم
دل میں کچھ جرأت پرواز اگر باقی ہے

★

بیت المال، الحمدللہ ایک معتدل ومتوازن رفتار سے یوں تو رواں دواں ہے، مگر چند مسائل ایسے ہیں جو ہمارے بنیادی مقصد سے میل نہیں کھاتے۔ اور جس کے نتیجہ میں ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر کے سلسلہ میں ہماری راہ میں چند مشکلات ہیں اور اس کے لئے ظاہر ہے ہمیں علماء کرام سے ہی مدد کی اُمید کرنی چاہیئے۔ مگر اس کے لئے شرط یہی ہے کہ اجتہادی نقطۂ نگاہ رکھنے والے علماء ہی ہم کو مدد دے سکتے ہیں جنکی حالات حاضرہ پر بخوبی نگاہ ہے اور جو ملت اسلامیہ کی کشتی کو بھنور سے واقعی نکالنے کیلئے کوشاں ہیں۔

مولانا علی میاں مسلم یونیورسٹی کنونشن میں موجود تھے۔ ہم نے موقع غنیمت جانا۔ احاطہ مہندیان کی درگاہ میں نماز فجر کے وقت ملاقات کی مسائل کے سلسلہ میں اُنھوں نے مشورہ دیا کہ لکھنؤ آکر ندوہ میں فقہی معاملات کے ماہر علماء کرام سے ہم لوگ ملیں۔ موصوف محترم بھی ہمارے ہمراہ ہونے لگے مولانا نے اس بات کی بھی خوشخبری دی کہ لکھنؤ میں بھی بیت المال قائم

ڈاکٹر اشتیاق حسین صاحب قریشی جو لکھنؤ بیت المال کے روح رواں ہیں، مولانا نے اُن سے ہمارا تعارف کرایا۔ ڈاکٹر صاحب ہم کو الگ لے گئے اور شمسی بیت المال کے سلسلہ میں ہم سے تفصیلی معلومات حاصل کرتے رہے۔ ہم بھی بیت المال کے دستور کے سلسلہ میں ان کے کامیاب تجربہ کا فائدہ اُٹھانے کی سعی کرتے رہے۔

محمد مسلم صاحب (مدیر محترم دعوت دہلی) پہلے دن تو دکھائی نہیں دیئے، دوسرے دن یعنی ۱۱ مارچ کو ملاقات ہوئی۔ چھوٹتے ہی بولے "کب جا رہے ہو؟" ہم نے عرض کیا "آج ہی شام کو روانگی ہے۔" بولے "ہرگز نہیں! آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس ہو رہی ہے اسمیں تم کو ضرور شریک ہونا ہے۔" ہم نے بسلسلۂ کاروبار اپنی مصروفیت کا عذر کیا، تو بولے نہیں بالکل نہیں تم دوپہر کے وقفہ میں مجھ سے ملنا۔

میں نے اخبار دیکھا تو ایڈیٹرس کانفرنس کی تاریخ ایک دن اور بڑھ گئی تھی۔ کیونکہ ۱۲ مارچ کو مشاورت کا جلسہ تھا اور ایڈیٹرس کانفرنس ۱۳-۱۴ کو ہونا تھی۔ مجھ کو دو دن کانپور میں اپنی کاروباری ضروریات کو ہوا کر کے بسلسلہ توسیع اشاعت رگ سنگ آگرہ بھی جانا تھا دوپہر کے وقفہ میں مولانا سے ملاقات کا شرف نہیں حاصل ہو سکا۔ اجلاس کے اختتام پر پریس کانفرنس سے پہلے ملاقات ہوئی۔ میں نے اپنی کاروباری مجبوریوں کا ذکر کیا تو مان گئے۔ بولے آؤ پریس کانفرنس میں شریک ہو لیں۔ میں نے معذرت کی کہ میں مدعو نہیں ہوں۔ بولے آؤ میرے ساتھ آؤ۔ آخری لمحات میں میں بھی شریک ہو گیا۔

پریس کانفرنس میں ڈاکٹر فریدی کی حاضر جوابی اور بذلہ سنجی زیادہ تر چھائی رہی۔ یو این آئی کے نمائندے نے انگریزی میں بڑا چبھتا ہوا سوال ابراہیم سلیمان سیٹھ سے کیا کہ مسلم یونیورسٹی کنونشن میں آپ نے قرارداد پاس کی ہے کہ کانگریس کا ہر سطح پر بائیکاٹ کیا جائے جبکہ کیرالا میں آپ کانگریس کیساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ اور حکومت میں شریک ہیں۔ سیٹھ صاحب کوئی شافی جواب نہیں دے پائے تو ڈاکٹر فریدی نے بڑی خوبصورتی سے اپنی حاضر جوابی کو کام میں لاتے ہوئے جواب دیا کہ کیرالا میں مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ کہاں تعاون کر رہی ہے بلکہ وہاں تو کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کر رہی ہے۔ سارے نمایندے اور حاضرین ہنس پڑے اور بات ختم ہو گئی۔ اکثر میں نے سوچا ہے غیر مسلموں سے معاملت کیلئے شاید فریدی کی شکل میں ہم کو بہترین شخصیت ودیعت کی گئی ہے۔ اگر ہم ہی اسکی قدر نہ کریں تو قدرت کیا کرے اور مسائل کا رونا روتے ہوئے حالات کا شکوہ کیوں کریں۔

محترم مولوی فدا حسنین صاحب اٹاوہ والوں سے ملاقات ہوگئی۔ موصوف اٹاوہ کی شمسی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ قارئین رگ سنگ ان سے بخوبی واقف ہیں۔ ان کے صاحبزادے محمد احمد نے تعارف کرایا۔ بے اختیار گلے سے لگا لیا۔ بڑی پُرخلوص اور اس عمر میں بھی فعال شخصیت ہے۔ شمسی کانفرنس کی تجویز (رگ سنگ مارچ [illegible]) کیلئے مبارکباد دینے لگے۔ ہم نے عرض کیا، توسیع اشاعت و کانفرنس کی تجویز کا ردعمل جاننے کیلئے ہم دو دن بعد آگرہ جانے والے ہیں۔ فہمائش کرتے ہوئے بولے "میاں اٹاوہ تو تمھارے بہت قریب ہے، اسکو چھوڑ کر آگرہ جا رہے ہو، پہلے اٹاوہ آؤ۔" ہم نے عرض کیا فی الحال تو آگرہ جانے کی اجازت دیجئے، آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ اگر حالات نے اجازت دی تو اٹاوہ ضرور آؤنگا۔ بصد مشکل مان گئے۔

ایک اور شخصیت، ہم جس سے ملنے کے متمنی تھے اُن سے بھی ملاقات ہوگئی۔ "حاجی محمد عمر صاحب لیس والے"۔ گو خط و کتابت تو عرصہ سے تھی مگر صورت آشنا نہیں تھے۔ میں نے محترم مفتی عتیق الرحمن صاحب (مدیر الجمعیۃ ٹائمز دہلی) سے اپنی دشواری کا ذکر کیا تو ہنس کر پاس کھڑے ایک خوبرو حسین چہرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے "وہ کیا سامنے کھڑے ہیں"۔ عمر صاحب کے متعلق کیا عرض کریں، بس یوں سمجھئے کہ دہلی کی ایک مرنجاں مرنج شخصیت ہیں۔ دارالسلطنت کا کونسا ایسا فنکشن ہے جس کے یہ روح رواں نہ ہوتے ہوں؟ کونسی ایسی کانفرنس ہے جسمیں یہ اگلی صفوں میں موجود نہ ہوں۔ دیانتداری اور ایمانداری کا یہ عالم ہے کہ درجنوں کمپنیوں کے خازن ہیں۔

میں نے اپنا تعارف کرایا تو بے اختیار گلے سے لگ گئے، بولے میاں تم تو توقع سے کہیں کم عمر لگ رہے ہو۔ میں نے بھی ہنسکر عرض کیا آپ بھی توقع سے کہیں زیادہ نہیں لگ رہے ہیں۔ کانفرنس کے متعلق چھوٹتے ہی سوالات کرنا شروع کر دیے۔ سچ مانیے اُن کا جذبہ اور جوش و خروش دیکھ کر میرا تو کلیجہ ہاتھ بھر کا ہو گیا۔

رگِ سنگ کی بڑھتی ہوئی ظاہری و معنوی خوبیوں کے بہت معترف تھے۔ مگر اُن کو خوشگوار تعجب تھا کہ متواتر چار سال سے یہ نکل کیونکر رہا ہے۔ پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے بولے غالباً اسکی وجہ یہ ہے کہ تم اکیلے ہی اسکے ذمہ دار ہو۔ ورنہ ابتک کی تاریخ تو یہی ہے کہ دو چار شماروں سے زیادہ کہیں بھی گاڑی نہیں چلی۔

بتاتے رہے کہ سنہ ۱۹۳۹ء میں دہلی شمسی برادری کی ایک کانفرنس ہوئی تھی۔ قطب روڈ پر، جسمیں برادری کے صنعت کاروں نے اپنی صنعتوں کی نمایش بھی کی تھی۔ پوچھنے لگے کہ تمھارے مقاصد کیا ہیں؟ میں نے سرسری جواب دیا کہ اوّل تو باہم مل بیٹھنا۔ دوّم تجارتی روابط وسیع کرنا۔ سوّم اصلاح رسوم کے سلسلہ میں کل ہند پیمانہ پر یک متحدہ قدم اُٹھانا۔ اور اس سادگی سے پیداشدہ بچت کو ساری قوم مسلم کے فائدے کیلئے استعمال میں لانا۔ باہم رشتہ داریوں کے مسائل غور و خوض کرکے کوئی لائحہ عمل بنانا۔ موصوف بہت خوش ہوئے۔ اپنے تعاون کا یقین دلایا۔ اور یہ بھی مشورہ دیا کہ یہ کانفرنس کانپور ہی میں ہونا چاہیئے۔ باعث کہ کانپور میں ماشاءاللہ آبادی کافی ہے اسکے بعد مراد آباد پر بھی غور کیا جاسکتا ہے۔ پوچھنے لگے کہ کب تک ممکن ہے؟ ہم نے عرض کیا سال چھ مہینے سے کیا کم مدت لگے گی۔ بظاہر ہے کہ تقریباً آدھے ہندوستان کا دورہ کرنا پڑے گا کیونکہ جب تک سب جگہ کی نمائندگی نہ ہو، ہم کانفرنس سے مطلوبہ مقاصد حاصل کر سکیں گے۔ دہلی و کلکتہ کے کئی حضرات کے نام پتے لکھوائے اور ہدایت کی کہ حوالے سے ان حضرات کو رگِ سنگ بھیجا جائے! ؎

ہے عزم تو راہ طلب میں چلنے
نشانِ منزلِ مقصود پا ہی جائینگے

پُرخلوص و پاکیزہ محبت کے درخشاں و تابندہ شاہکار تاج محل کی سرزمین آگرہ کے لوگوں سے ملنے کی دیرینہ تمنا بالآخر اُسوقت پوری ہوئی جب ہم شمسی برادری کی مجوزہ کانفرنس نیز برادری کے تحت کانپور میں چلنے والی مفید اور دور رس تحریکوں کے بارہ میں، باہمی تبادلۂ خیالات کیلئے ۱۵ مارچ کی شام کو آگرہ پہنچے۔

جناب محمد وارث صاحب ہمارے رفیقِ سفر ہی نہیں، رفیقِ کار بھی تھے۔ اور موصوف کی رفاقت ہی کا نتیجہ تھا کہ ہمیں آگرہ کے سرگرم اور مخلص و پُرجوش حضرات سے رابطہ قائم کرنے میں کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ ۱۶ مارچ کو ہم وارث بھائی کی معیت میں اپنے مشن کیلئے نکلے۔ سب سے پہلے ایرا پلاسٹک والے محمد عادل صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ایک بامذاق اور زندہ دل نوجوان ہیں۔ رسمی گفتگو کے بعد جب اُن کو رگِ سنگ اور اُس کی اشاعت کے مقصد سے روشناس کرایا تو موصوف نے نہایت گرمجوشی سے اسکی پذیرائی فرمائی۔ بعد ازاں تاج اسٹور کے مالک، جناب عبدالمالک صاحب سے شرفِ ملاقات حاصل ہوا۔ مختصر سی صحبت کے باوجود ہم اُن کے خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ بعد ازاں وارث صاحب نے ہمیں جناب محمد صادق صاحب فرنیکو فٹ ویر۔ جناب محمد ہاشم صاحب جمیس فٹ ویر اور جناب محمد شاکر صاحب ایرا شو کمپنی سے ملایا۔ اور ہم نے محسوس کیا کہ ان حضرات کے سینے میں اصلاحی، تعمیری اور بامقصد جذبات کا ایک طوفان پوشیدہ ہے، جس کو صرف متحرک کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ ہمارے سفر کی غرض و غایت اور ماہنامہ رگِ سنگ کی اشاعت کے مقصد کو سُن کر نہ صرف یہ کہ ان سب نے پذیرائی فرمائی بلکہ اپنی بیش بہا مصروفیات کے بہترین لمحات فارغ کرکے ہمیں برادری کے دوسرے حضرات سے متعارف کرانے کیلئے ایک وفد کی شکل میں ساتھ نکل پڑے۔

برادری کی تنظیم کے علاوہ دوسرے موضوعات خصوصاً قیام بیت المال پر خاص تفصیلی گفتگو کا دور چلتا رہا۔ اور ایسا محسوس ہوتا تھا

کانپور اور آگرہ کے مابین میل دو فرسنگ کا جو بھی فاصلہ ہو، لیکن دونوں جگہ کے حضرات کے خیال و فکر میں کوئی فاصلہ نہیں بمقصد سے لگن اور جذبہ کا خلوص، دونوں جگہ یکساں طور پر کارفرما نظر آتا ہے۔ ذہن میں بار بار اقبال کا یہ مصرعہ گونج اٹھتا تھا۔

"تو ذرا چھیڑ تو دے تشنۂ مضراب ہے ساز"

ہمیں بتایا گیا کہ وہاں کی محترم اور باحوصلہ خواتین نے بیت المال قائم کر رکھا ہے اور اگرچہ فی الحال اسکا دائرہ کار محدود ہے، لیکن خدا کے فضل سے کارکردگی قابل اطمینان ہے، اسی کے ساتھ متعدد حضرات نے وسیع بنیادوں پر بیت المال قائم کرنے کی ضرورت سے اتفاق ظاہر فرمایا۔ خصوصاً جناب محمد یوسف صاحب مالک وائی۔ ایم سی۔ فٹ ویر کی گفتگو ہمارے لئے انتہائی حوصلہ افزا اور متاثر کن تھی۔

ہماری خواہش پر جناب محمد طاہر صاحب نے یہ ذمہ داری قبول فرمائی کہ آگرہ میں برادری کے تحت ہونے والی اصلاحی و تعمیری کارروائیوں اور کارگزاریوں کی رپورٹ رگ سنگ میں اشاعت کے لئے ارسال فرماتے رہیں گے۔

آگرہ کا یہ دورہ، ہماری توقعات سے کہیں بڑھ کر کامیاب رہا۔ اور اس کامیابی کے لئے وہ تمام حضرات شکریہ اور مبارکباد کے مستحق ہیں جنھوں نے ہماری بات کو توجہ سے سنا۔ ہمیں کچھ مفید مشورے دیئے اور ہم سے مخلصانہ تعاون فرمایا

سفر ہے شرط، مسافر نواز بہتیرے
ہزار ہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

★

۲۰ فروری ۱۹۶۳ء کو ہمیں بیگم تہذیب نصیر کا ایک خط "تجویز محرکہ" کے عنوان سے اور اسی کیساتھ فیض عام نسواں کمیٹی کی روداد بصول ہوئی، جو رگ سنگ کے اس شمارہ میں شائع ہوئی ہے۔ اس تجویز پر ہماری رائے بھی دریافت کی گئی ہے۔ جہانتک ہماری رائے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہمارے نزدیک تجویز محرکہ نہایت بہترین اور افادیت سے بھرپور تجویز ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ہر حلقہ سے تعاون دیکر اسے رو بہ عمل لایا جائے۔ خواتین کا یہ جذبہ انتہائی قابل قدر ہے اور اگر خاطر خواہ طریقہ پر ان کی حوصلہ افزائی کی گئی، تو مستقبل میں ان سے بہترین توقعات وابستہ کی جا سکتی ہیں۔

جہانتک بیت المال کا تعلق ہے وہ ماضی میں بھی فیض عام ڈسپنسری کی مدد کرتا آیا ہے اور موجودہ تجویز محرکہ کی افادیت کے پیش نظر ہمارا ذاتی خیال ہے کہ بیت المال خاطر خواہ تعاون سے دریغ نہ کرے گا۔ کیونکہ یہ تجویز خود بیت المال کے بنیادی مقصد سے ہم آہنگ ہے۔ شمسی بیت المال جو اسپتال کھولنے جا رہا ہے۔ اسمیں زچہ و بچہ کے شعبہ کی تجویز بھی شامل تھی۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ادارہ فیض عام نسواں کمیٹی اور دیگر سرگرم و مخلص خواتین اپنے طور پر زچہ و بچہ کے اسپتال کا انتظام کر جا رہی ہیں۔ تو اس خیال کو ترک کر دیا گیا۔ چنانچہ اب جو اسپتال بیت المال کے تحت قائم ہونے جا رہا ہے، اسمیں پیتھالوجی ڈپارٹمنٹ قائم کر کے بلغم، خون، پیشاب اور پاخانہ کے ٹسٹ کا انتظام ہوگا۔ اور اگر حالات نے یاوری کی تو ایکسرے مشین بھی لگائی جائے گی۔

قابل مبارکباد ہیں، فیض عام نسواں کمیٹی کی اراکین! اور محترم خواتین جنھوں نے اس راہ میں ابتدائی قدم اٹھا کر اولیت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اور تعمیری مرحلوں سے گزرنے والوں کیلئے ایک شمع روشن کی ہے۔ ہم بارگاہ ایزدی میں ان کی کامیابی کے لئے دست بدعا ہیں ساتھ ہی مرحومہ اہلیہ حاجی نصیح الدین پانی والوں کی طرف سے پچاس روپیہ کی ایک حقیر پیشکش کرتے ہیں:

گر قبول افتد زہے عز و شرف

پیمبرانہ انقلاب!

از شاہد مسرور

انقلاب اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے، چشم فلک نے نہ جانے کتنے انقلاب اس معمورۂ ہستی میں رونما ہوتے ہوئے دیکھے ہیں۔ تاریخ عالم اپنے سینہ میں ہزارہا انقلابات کی داستانیں اور ان سے پیدا ہونے والے واقعات و نتائج کو ایک امانت کی طرح چھپائے ہوئے ہے۔ جو اپنے اندر حکمت و موعظت اور عبرت و بصیرت کا پورا سامان لئے ہوئے ہیں۔ لیکن ان سے استفادہ کرنے کے لئے چشم بینا اور دل بیدار کی ضرورت ہے۔

انقلاب کی خاصیت ہے کہ وہ جاری و ساری نظام کے مقابل کسی دوسرے اس سے بہتر ماحول و نظام کو قائم کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اور چونکہ اسکی تحریک پرانے نظام سے ناآسودہ انسانوں کے ایک بڑے طبقہ کے خیالات، جذبات و احساسات کی ترجمانی کرتی ہے اسلئے وہ اسکے ہمنوا حامی او مددگار ہوجاتے ہیں اور بالآخر اس تحریک کے مقابل پرانا نظام دم توڑ دیتا ہے۔

تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دنیا میں برپا ہونے والے بیشتر انقلابات زر، زن اور زمین کی بنیادوں پر رونما ہوئے اور انکی کارفرمائی اپنے جلو میں انسانی خون کی ارزانی اور تباہی و بربادی کی ہولناک طویل داستانیں رکھتی ہے۔ باایں ہمہ کوئی انقلاب ہمہ گیر انقلاب کہلانے کا مستحق نہیں۔ موجودہ صدی کو انقلابات کی صدی کہا جاتا ہے۔ اسی صدی کے [illegible] کی پہلی دہائی میں کمیونسٹ انقلاب رونما ہوا۔ اس انقلاب نے دنیا کے بہت بڑے حصہ اور انسانوں کے بہت بڑے طبقے کو ذہنی اور فکری طور پر متاثر کیا اور اپنے سے پہلے ماضی قریب میں رونما ہونیوالے انقلابات کے مقابلہ میں زیادہ دوررس ثابت ہوا۔ لیکن اگر اسکا تجزیہ کیا جائے تو اس نتیجہ پر بآسانی پہنچا جاسکتا ہے کہ یہ انقلاب محض سرمایہ دارانہ عیش کوشی کے مقابلہ میں مزدور اور محنت کش طبقہ کا ایک انتقامی ردعمل ہے اور صرف روٹی روزی اور شکم پُری کے محور کا طواف کرتا ہے۔ اعلیٰ روحانی قدروں کی نگرانی و نگہبانی سے اسے کوئی دلچسپی نہیں اور ذہنی ناآسودگی کا اس کے پاس بھی کوئی علاج نہیں۔ یہ انقلاب جو بظاہر کمزور طبقوں کے تحفظ کا دعوے دار ہے اپنے حصول مقصد کیلئے ہر قسم کے جبر و تشدد کو جائز رکھتا ہے، اور اپنے نظریات کو تسلیم کرانے کیلئے فرد کی شخصی و فکری آزادی کا گلا گھونٹ دیتا ہے، ذہن انسانی سے خدا کا تصور مٹا کر کسی ایک فرد یا کسی ایک گروہ کو خدا ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ روس میں لینن، اسٹالن اور خود کمیونسٹ پارٹی اور چین میں ماؤ کی شخصیت اسکی واضح مثالیں ہیں۔ اس انقلاب نے اپنی ابتداء سے لیکر اب تک اپنے نظریے کی بالادستی تسلیم کرانے اور اپنے خود ساختہ خداؤں کے سامنے دوسروں کو سرنگوں کرانے کے لئے کتنے انسانوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔ اسکی تفصیل ایک الگ باب کی متقاضی ہے۔

تازہ ترین انقلاب جو ہمارے گرد و پیش رونما ہوا، ہندوستان کا انقلاب ہے۔ بڑے فخر کیساتھ یہ بات کہی جاتی ہے کہ یہ انقلاب غیر خونی ہے۔ سچائی کی پرستش اور عدم تشدد کا اصول اس انقلاب کیلئے حربے کے طور پر استعمال کئے گئے۔ صبر، برداشت تیاگ قربانی ایثار اور مقصد سے وابستگی و شیفتگی کے اصول پر قوم کے ذہن کی نشو و نما کی گئی۔ جس کے نتیجہ میں اجنبی غلبہ کا خاتمہ ہوگیا۔ اور قومی امنگوں کو ابھرنے اور پھولنے کا موقع ملا۔ لیکن ایک غیر جانبدار مبصر مجبور ہے کہ ان دعووں کی صداقت کا انکار کرے۔

کیا کوئی شخص پوری ایمانداری سے تجزیہ کرکے، حالات و واقعات اور مشاہدات کی روشنی میں اس بات کا اعلان کرسکتا ہے کہ اس انقلاب کو برپا کرنے کیلئے کسی ایک قدم پر بھی اخلاقی گراوٹ کا سایہ نہیں پڑا کیا سچائی کا دامن کسی ایک موقع پر بھی انقلاب کی رہنمائی کرنے والوں کے ہاتھ سے نہیں چھوٹا؟ کیا حصول مقصد کیلئے سیاسی بازیگری اور لفظی ہیرپھیر کا سہارا نہیں لیا گیا؟ کیا واقعی تشدد اور طاقت کا کسی موقع پر بھی قولاً و عملاً استعمال نہیں ہوا؟ اور پھر کیا تیاگ قربانی، ایثار، سچائی اور عدم تشدد کے اصولوں کے زیر سایہ پرورش پائی ہوئی یہ وہی قوم ہے جو گزشتہ پچیس سال سے ہندوستان کے سیاہ و سپید کی مالک ہے اور اپنے رہنما اصولوں کو جاری و ساری کرنے میں مطلقاً آزاد؟

غالباً کوئی شخص بھی جسکا ضمیر مردہ نہ ہوگیا ہو، جسکی بصیرت و بصارت ختم نہ ہوگئی ہو، اور جو اندھیرے اجالے میں تمیز کرنے کی صلاحیت سے محروم نہ ہوگیا ہو۔ ایسے اعلان کی جرأت نہیں کرسکتا۔ کیونکہ گزشتہ پچیس سال کا ایک ایک دن، اور اسکا ایک ایک لمحہ واقعات و حقائق کی پوری قوت کیساتھ اعلان کررہا ہے کہ عدم تشدد کے اصولوں پر اعتماد کا اظہار کرنے والی یہ قوم، اپنے قول و فعل کے تضاد کی منھ بولتی تصویر ہے۔ تیاگ اور قربانی اور ایثار کے مقابلہ میں حرص و ہوس مفاد پرستی گروہی عصبیت، تنگ نظری، عیش پرستی، اخلاقی گراوٹ، غیر ذمہ داری، سیاسی بازی گری، لفظوں کی شعبدہ بازی، قومی خیانت و غداری، بے ایمانی اور دغابازی آج اس قوم کا طرۂ امتیاز ہے اس انقلاب کے نتیجہ میں یہ ضرور ہوا کہ اقتدار گوری چمڑی والے اجنبی لوگوں کے بجائے اجلے کھدر پوش ہندوستانیوں کے ہاتھوں میں آگیا ہے۔ لیکن اس تبدیلی کے ساتھ قومی پیمانے پر اوپر سے نیچے تک جتنی بے ایمانی، جتنی انصاف و قانون کی پامالی اور جتنی انسانی خون کی ارزانی اس مختصر مدت میں ہوئی وہ غلامی کے طویل ترین دور میں ہونے والی تمام بدعنوانیوں اور برائیوں پر بھاری ہے، اور جسکے نتیجہ میں یہ کتنی دلخراش حقیقت ہے کہ برپا ہونے والے اس انقلاب کی برکتوں سے فیضیابی کی توقع رکھنے والے پرانے لوگ بڑی حسرت سے دور غلامی کو یاد کرا ٹھتے ہیں۔

مختصر یہ کہ انقلاب فرانس کا ہو روس کا! ہندوستان و پاکستان کا ہو یا عرب ممالک کا۔ دنیا کے کسی خطہ میں سیاسی و قومی رہنماؤں کے مرتب کردہ خطوط پر برپا کیا ہوا انقلاب تجربات کی کسوٹی پر نامکمل ہے۔ ادھورا ہے، بلکہ بیشتر حالتوں میں بنی نوع انسان کے لئے نت نئی پریشانیوں اور الجھنوں کا باعث بنا ہے چاہے پروپیگنڈے کے طور پر اسکی شان میں کتنی ہی قصیدہ خوانی کیوں نہ کی جائے اور مرعوبیت خوشامد اور چاپلوسی کی دھن میں اسے کتنا ہی کیوں نہ سراہا جائے۔

اس کے برخلاف اس آسمان کے نیچے، اس خاکدان ہستی پر ایک امی یتیم، ایک نادار گلیم پوش گر ترجمان وحی (فداہ ابی و امی) کے ہاتھوں برپا کئے ہوئے انقلاب کا نظارہ بھی دنیا نے کیا ہے۔ اور اس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے اثرات کی کارفرمائی بھی دیکھی ہے۔ اور تقریباً چودہ سو سال گزرنے کے باوجود۔ اس انقلابی کی زندگی کا ایک ایک پہلو، اور اس کے برپا کئے ہوئے انقلاب و نتائج کی ایک ایک جزئیات تاریخ و سیر کی کتابوں کے صفحات پر کسی ایک حرف، حرف کے کسی ایک نقطے، کی کمی بیشی کے بغیر آج بھی محفوظ ہے

اور اسلئے محفوظ ہے کہ درد و غم کی ماری ہوئی دنیا، ضلالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹکتی ہوئی دنیا، اور تباہی و ہلاکت کی زہریلی فضاؤں میں دم توڑتی ہوئی دنیا جب چاہے اس ترجمانِ رحمیٰ انقلابی کا طریقہ کار اپنا کر اپنے سارے دکھوں کا علاج کر سکتی ہے —!!

تاریخ شاہد ہے کہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے، جزیرہ نمائے عرب جہالت و ضلالت کی تاریکی میں غرق تھا۔ انسانوں کے عقیدہ و عمل پر خالق کائنات و پروردگار عالم کے بجائے شیطان کی حکمرانی تھی۔ ہر بات کی سچائی و صداقت، ہر کام کا جواز اور ہر اصول و آئین کی برتری و بالا دستی کا معیار طاقت اور غلبہ تھا۔ خود سچائی و صداقت فی نفسہ کوئی حیثیت نہ رکھتی تھی۔ دنیا کی ساری برائیاں، وہاں کے سماج اور سوسائٹی میں جاری و ساری تھیں۔ احترام انسانیت اور تحفظ عزت و ناموس کے لئے کسی ایک گوشے سے، کوئی ایک آواز بھی اٹھانے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا۔ کمزوروں، بے کسوں، بے نواؤں اور مظلوموں کی نگاہیں کسی محسن کسی محافظ، کسی فریاد رس، اور کسی دردمند ہمدرد کی تلاش میں فضاؤں اور خلاؤں میں بھٹک رہی تھیں اور پھر جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں، بلکہ اسکے گرد و پیش کا سارا ماحول بھی جہالت، اور ضلالت کا شکار تھا۔ رومی و ایرانی شہنشاہیت کے زیر سایہ پرورش پانے والے ظلم و استبداد۔ بدکرداری و بداطواری نے، تہذیب و تمدن کی صورتیں مسخ کر ڈالی تھیں، محبت، شرافت اور انسانیت کے معنی بھی بدل ڈالے تھے۔

ایسی دنیا، ایسے ماحول، ایسے معاشرہ میں یتیم عبد اللہ کی آنکھیں کھلتی ہیں۔ سن و سال کے مدارج طے کرتا ہوا اسکا شعور جوان ہوتا ہے۔ اور وہ ایک ایسے خاندان کا فرد ہے جو خانہ کعبہ کا متولی ہے۔ دنیا والے عزت و احترام اس خاندان کی قدم بوسی کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھتے ہیں۔ لیکن اس سلیم نوجوان کی نگاہ میں دنیا کی عزت و احترام جو اسے خاندانی ورثہ میں ملا تھا کوئی حیثیت نہیں رکھتا، کیونکہ وہ دیکھتا ہے کہ یہ ساری چیزیں ایک ایسے ماحول کا عطیہ ہیں، جو کمزوروں کے استحصال بیجا ظلم و زبردستی اور باطل پرستی پر یقین رکھتا ہے۔

اس نوجوان کے یہ خیالات کسی درسگاہ کی تعلیم و تربیت یا کسی دوسرے اکتسابی ذریعہ کے رہین منت نہیں بلکہ علامت ہیں، طبیعت کی اس پاکیزگی، دل کے اس اضطراب، اور ضمیر کی اس معصومیت کی، جو وہ خالق و پروردگار عالم کی طرف سے ایک عظیم منصب پر فائز ہونے، اور ایک عظیم الشان انقلاب برپا کرنے کے لئے لیکر پیدا ہوا تھا۔ وہ دیکھتا ہے کہ انسان، اشرف المخلوقات ہوتے ہوئے جہالت اور گمراہی کی بدولت ارذل ترین مخلوقات کے سامنے سربسجود ہے۔ مفاد پرست، اقتدار پسند اور سرکشی و تمرد کے نشے سے چور لوگوں کے ایک گروہ نے عقیدہ و مذہب کے نام پر بیہودہ رسم و رواج اور جابرانہ اصول و قواعد کی زنجیروں میں سارے انسانوں کو جکڑ دیا ہے۔ وہ ان سارے اصول و قواعد اور رسم و رواج سے متنفر اور بیزار ہو کر اپنے لئے جداگانہ راستہ منتخب کرتا ہے اور اس راستہ کا پہلا نشان وہ معاہدہ ہے جس کے ذریعہ قریش کے دوسرے نوجوانوں کو آمادہ کرتا ہے کہ اس شہر مکہ میں، آئندہ کسی پر کسی کا مال زبردستی چھینا نہ جا سکے۔

اس طرح جنگجویانہ ماحول کی تاریکی میں امن و آشتی، صلح و صفائی اور محبت و ہمدردی کی روشنی پھیلاتا ہوا، خاندان بنی ہاشم کا یہ شریف نوجوان، مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں سے اپنی صداقت و امانت کا لوہا منواتا ہوا عمر کی چالیس منزلیں طے کر لیتا ہے۔ اور بالآخر اپنے رب کی طرف سے خلعت نبوت سے آراستہ اور منصب رسالت پر فائز کر دیا جاتا ہے۔ اور پھر اپنے انقلابی مشن کی ابتدا کرنے کیلئے کوئی پروپیگنڈائی لٹریچر فراہم کئے بغیر، دولت و سرمایہ اکٹھا کئے بغیر خفیہ مجلسیں منعقد کئے بغیر، بلند بانگ دعوے اور مسحور کن وعدے

کے بغیر ہر قسم کے اندیشۂ سود و زیاں سے بے نیاز ہوکر، سماج کی سب سے نازک اور دکھتی ہوئی رگ پر اُنگلی رکھ دیتا ہے۔ اور دعوت دیتا ہے کہ (ایہا الناس قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا) اے لوگو آؤ اور اعلان کر دو کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ کوئی معبود اور کوئی رب نہیں ہے تاکہ تم فلاح پاؤ۔ یہ سارے لوگ اور یہ ساری چیزیں جن کو تم نے اُلوہیت اور رُبوبیت کا درجہ دے رکھا ہے، جھوٹے ہیں۔ اللہ کے سوا کسی کا حکم نہ مانو۔ کسی کی سرداری و سیادت قبول نہ کرو۔ اور کسی کے آگے اظہارِ بندگی کے طور پر سر نہ جھکاؤ۔

یہ ایک ایسا اعلان تھا جسکی گونج مکہ کے ایک ایک گھر اور ایک ایک کوچہ میں سُنی گئی، جسکی گرج دلوں کی گہرائیوں میں محسوس کی گئی۔ اور جسکی دھمک نے پورے معاشرے کی بنیادوں کو ہلا ڈالا۔ پُرانے نظام کی چیرہ دستیوں سے اُکتائے ہوئے لوگوں نے اس اعلان کو وسیلۂ نجات سمجھا۔ اور خود ساختہ خداؤں، حرص و ہوس کے پجاریوں، اور سرکشی کے دیوتاؤں نے اپنی ہلاکت اور بربادی کا پیغام!

حوصلہ مند، غیور مگر اصلاح پذیر لوگوں کی ٹولیاں ایک ایک دو دو افراد کی تعداد میں ہادیٔ برحق صلعم کی دعوت پر لبیک کہتی ہوئی آگے بڑھیں۔ اور ان کے مقابل جہالت اور ضلالت کے دیوتاؤں کے چہرے غضبناک تر ہوتے گئے۔ کشمکش کا آغاز ہوگیا۔ تضحیک، تذلیل مخالفت اور ایذا رسانی کے سارے اسلحہ خانوں کے دروازے کھول دیے گئے۔ دھمکی، تشدد، دشنام طرازی اور زر، زمین، زن کی ترغیبات کے سارے حربے آزمائے گئے۔ ایک دن نہیں، ایک مہینہ نہیں، ایک سال نہیں، مسلسل تیرہ سال تک اس انقلابی آواز کو دبانے کی مختلف کوششیں کی جاتی رہیں۔ لیکن تحریک اسلامی کے رہنما اور اُسکے پیرووں کے پائے استقلال ہلکی سی جنبش و لغزش اور عقائد و ایمان میں ایک معمولی سی لچک بھی نہ پیدا کر سکیں۔ درس گاہ نبوت سے تربیت پانے والوں نے جان دینا گوارا کر لیا مگر اپنے ایمان اور اُصولوں سے دستبردار نہ ہونے دیا۔

پھر اس ساری مدت میں اس انقلابی تحریک کے داعیٔ برحق نے اپنے ایک ایک فعل اور ایک ایک قول سے زندہ نمونہ کے طور پر تحریک کے خدوخال کو واضح کیا۔ اسکی گھریلو زندگی سے لیکر معاشرتی زندگی تک کوئی پردہ حائل نہ تھا۔ کوئی آڑ نہ تھی۔ آج کے سیاسی و سماجی رہنماؤں کی طرح وہ پبلک زندگی اور پرائیوٹ زندگی کا دوہرا کردار نہ رکھتا تھا۔ اس کی عملی زندگی کی یہ خصوصیت اُس وقت بھی قائم و برقرار رہی۔ جب وہ اپنے اہل وطن کے ظلم و جور کے پیش نظر اپنے رب کے حکم سے مدینہ کو ہجرت کر جاتا ہے۔ وہاں پہونچ کر فتوحات اُسکا استقبال کرتی ہیں۔ کامیابی و کامرانی اُس کے قدم چومتی ہے۔ دس سال کے قلیل عرصہ میں سارا عرب اُسکا کلمہ پڑھنے لگتا ہے۔ وہ کلمہ جس نے ایک ہی وقت میں سیاست، سیادت، عقیدت اور معاشرت کی ساری غلط بنیادوں کو اُکھاڑ پھینکا۔ باطل پرستی کے سارے بتوں کو پاش پاش کر ڈالا۔ اور اُن کے مقابل اُخوت محبت شرافت، معصومیت اور خدا کی ربوبیت کا پرچم بلند کیا۔ انسانی زندگی کا کوئی ایک گوشہ بھی باقی نہ تھا جسمیں اس انقلابی کلمہ کے داعی نے رنگ نہ بھرا ہو۔ انتہائی متوازن، انتہائی معتدل اور انتہائی حسین رنگ۔

نتیجہ کے طور پر، انسانی افکار و خیالات میں، اقوال و اعمال میں ایسی زبردست تبدیلی رونما ہوئی۔ کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ وہ لوگ جو دوسروں کا مال زبردستی چھین کر کھا جانا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس قدر محتاط ہو گئے کہ دوستوں کے گھر دعوت قبول کرنے میں محض اس خیال سے پہلوتہی کرتے تھے کہ کہیں اس پر مفت خوری کا اطلاق نہ ہوجائے۔ وہ لوگ جو دوسروں کی بہن بیٹیوں کی عزت و ناموس کا دامن تار تار کر کے برسرعام اس کا اعلان کرنا بڑی شان کی بات سمجھتے تھے دوسروں کی عزت و عصمت کے ایسے محافظ بن گئے کہ اغیار تک ان کی معصومیت و پاکدامنی کی قسمیں کھانے لگے۔ وہ لوگ جن کے نزدیک سیادت و قیادت کا معیار طاقت اور غلبہ تھا اب انہیں کی نگاہ میں تقویٰ و پرہیزگاری معیارِ فضیلت ٹھہری۔ وہ لوگ جو نسلی برتری اور خاندانی شرافت میں یقین رکھتے تھے انسانی مساوات کے اس درجہ معتقد ہوگئے کہ ایک حبشی غلام کو بھی [illegible]

قلبی طمانیت محسوس کرتے تھے، وہ لوگ جو سنگدلی اور قساوت قلبی کی ایسی منزل پر پہونچ چکے تھے کہ اپنی جھوٹی آن کی خاطر بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، ایسے رقیق القلب ہو گئے کہ غمزدہ نگاہوں کی اُداسی اور مصیبت زدہ چہروں کی زردی دیکھ کر بیتاب ہو جاتے تھے۔ وہ لوگ جو ضعیفوں پر زور آزمائی کرنا، کمزوروں کو تختۂ مشق ستم بنانا اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے، ساری دنیا کے مظلوموں، کمزوروں اور ضعیفوں کی محافظت اور نجات کے علم بردار بن گئے۔ وہ لوگ جنہوں نے دنیاوی علوم کے اعلیٰ مدارج طے نہیں کئے تھے، کسی کالج یا یونیورسٹی کے ڈگری یافتہ نہیں تھے، فلسفہ و منطق کی باریکیوں سے ناآشنا تھے، صرف آستانۂ نبوت سے تربیت، مشکوٰۃ رسالت سے ہدایت، اور وحیٔ الٰہی سے رہنمائی حاصل کی تھی، ان ہی لوگوں نے دنیا کے سامنے اپنی زندگی کا ایک قابل تقلید اور عدیم المثال نمونہ پیش کیا ــــ ایسا نمونہ جو ان سے پہلے انسانی ذہن کو چھو کر بھی نہیں گزرا تھا۔

انھوں نے سیاست میں صالح اقدار، حکومت میں عدل و انصاف، معاشرت میں اُخوت و مساوات، دوستی اور دشمنی میں اعتدال و توازن۔ انفرادی زندگی میں احساس فرض، تقویٰ و پرہیزگاری اور اجتماعی زندگی میں حق کے ساتھ تعاون اور ناحق کے ساتھ عدم تعاون کے اُصول عام کئے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی نے کہ "تم سب کے سب ایکدوسرے کیلئے راعی اور محافظ کی حیثیت رکھتے ہو اور ہر ایک راعی اپنے رعایا کے سامنے اپنے ہر قول و فعل کے سلسلہ میں جوابدہ ہے"۔ ان کے سامنے احتیاط اور احتساب کی راہیں کھولدی تھیں۔ اور اس پیغمبرانہ تربیت نے ایسے ذہن تیار کئے کہ اس معاشرہ کے ایک ادنیٰ فرد نے ایک موقع پر اُس وقت کے سب سے باجبروت حکمران خلیفہ دوّم حضرت سیدنا عمر فاروق رضؓ کو بھری مسجد میں برسر منبر خطبہ دیتے ہوئے محض اس وجہ سے ٹوک دیا تھا کہ اس کی نظر میں مال غنیمت میں آئی ہوئی چادروں کی تقسیم کے سلسلہ میں خلیفۃ المسلمین کا عمل مشکوک تھا۔ پھر اس احتساب پر ہلکی سی ناگواری یا ناراضگی کا اظہار کئے بغیر اسی مجمع عام میں حضرت عمر فاروقؓ کو صفائی دے کر اسے مطمئن کرنا پڑا۔ آج کی مہذب و متمدن اور انسانی فکر و خیال کی آزادی کی دعویدار جمہوریتوں کی طرح اس ادنےٰ شخص کے سوال و اعتراض کو گستاخی پر محمول نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ کوشش کی گئی کہ سربراہ مملکت کی ذات کو قانون و احتساب سے بالاتر ثابت کیا جائے۔ یہ اور اسی قسم کی ہزارہا ناقابل تردید اور روشن مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ جن سے پورے طور پر یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا برپا کیا ہوا انقلاب ایک ہمہ گیر انقلاب تھا۔ اس انقلاب نے انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو بدل ڈالا تھا۔ تمام گوشوں کو متاثر کیا تھا۔ اور اسکے زیر سایہ انسانی فکر و خیال کو حقیقی آزادی اور مکمل تحفظ نصیب ہوا۔ سوشلزم اور سماج واد قائم کرکے، عوام کی روٹی کی ذمہ داری کا دعوےٰ کرنیوالوں اور ان ازموں کی ظاہری چمک دمک پر جان دینے والوں کے سامنے ایک مثال اور پیش کی جاتی ہے۔

کافی رات بیت چکی ہے۔ دنیا محو استراحت ہے۔ لیکن خلیفۃ المسلمین حضرت عمر رضؓ بالکل ایک معمولی شہری کی طرح کسی محافظ یا باڈی گارڈ کو ساتھ لئے بغیر عام لوگوں کی خبر گیری کے لئے مدینہ کی گلیوں میں تنہا گشت فرما رہے ہیں۔ ایک مکان سے بچوں کے رونے اور ایک عورت کے تسلی دینے کی آواز آتی ہے۔ آپ رک جاتے ہیں حالات دریافت کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ گھر میں فاقہ ہے۔ کوئی چیز موجود نہیں، چولھے پر خالی پتیلی چڑھا کر آگ اسلئے روشن کر رکھی ہے کہ بچے اس کے سہارے بہل کر سو جائیں۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت کانپ اُٹھتے ہیں۔ اس واقعہ کو خلافت کی ذمہ داری سے کوتاہی تصور فرماتے ہیں۔ فوراً بیت المال واپس آتے ہیں۔ ضروری چیزوں کی گٹھری بنا کر اپنے دوش مبارک پر رکھتے ہیں۔ غلام اٹھا لے جانے کے لئے خود کو پیش کرتا ہے، جواب دیتے ہیں کہ کل قیامت کے دن

اپنے گناہوں کا بوجھ مجھے ہی اُٹھانا ہوگا۔ اسلئے آج اپنی اس ذمہ داری کا بوجھ بھی خود ہی اُٹھانا چاہیئے۔

واپس جاکر سامان اس بیوہ کے حوالے کرتے ہیں، آگ جلاتے ہیں ہدد دیتے ہیں۔ تا آں کہ کھانا تیار ہو جاتا ہے۔ اور بچے کھا کر اطمینان کا سانس لیتے ہیں۔ اس ہمدردانہ طرز عمل سے متاثر ہو کر وہ بیوہ حضرت آپ کو مخاطب کر کے جو جملہ کہتی ہے وہ انتہائی معنی خیز ہے۔ اور اس ایک جملہ سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ اس پیغمبرانہ انقلاب نے عوام کے روبرو حکومت کے فرائض اور ذمہ داری کا کیا تصور پیش کیا تھا۔ وہ کہتی ہے:

"اے شخص حکومت و خلافت کے لائق تو تھے نہ کہ عمر"

سوال کیا جا سکتا ہے کہ کیا آج کی متمدن و مہذب حکومتیں، اعداد و شمار کی مدد سے ملک میں قومی ترقی و خوشحالی کو ناپنے والی حکومتیں، اس سے ملتی جلتی کوئی ایک مثال بھی پیش کر سکتی ہیں۔ اور کیا ان بلند بانگ دعوے کرنے والی حکومتوں کے سربراہ اور ذمہ دار کارکن حساب فرض اور اداء ذمہ داری کی اس کسوٹی پر پورا اُترنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا وہ عوامی احتساب کا اس خندہ پیشانی سے سامنا کرنے اور برسر عام اپنے ذاتی اعمال کے بارے میں کئے گئے اعتراضات کی صفائی دینے کا حوصلہ رکھتے ہیں! اگر نہیں رکھتے اور یقیناً نہیں رکھتے تو بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگوں کا برپا کیا ہوا انقلاب، اس پیغمبرانہ انقلاب کے مقابلہ میں ناکمل ہے ادھورا ہے۔ انسانی دکھ درد کا مداوا کرنے سے قاصر اور انسانیت کا مرتبہ بلند کرنے سے معذور ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

با ایں ہمہ، یہ کتنا دردانگیز اور افسوسناک پہلو ہے کہ آج اس پیغمبرانہ انقلاب کے تقاضوں اور اس سے حاصل ہونے والی سعادتوں اور برکتوں کی طرف اُن لوگوں کو بلانا اور غور و فکر کی دعوت دینا، سب سے زیادہ ضروری ہو گیا ہے، جو داعیٔ انقلاب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ تو پڑھ لیتے ہیں۔ اور اپنے ان اسلاف کے عظیم الشان کارناموں پر فخر بھی کرتے ہیں۔ جنھوں نے اس انقلابی تحریک کا علمبردار بن کر دنیا کی کایا پلٹ دی تھی۔ لیکن خود اُن کی زندگی سے آج اس کلمہ کی حرارت نکل چکی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان دوسروں سے رہنمائی حاصل کرنے کے بجائے خود ہی دنیا کے رہنما ہوتے!

دراصل جب سے ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہم ترین ذمہ داری سے پہلو تہی اختیار کی جب سے تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان کے زریں اصول کو فراموش کر دیا۔ جب سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہوئے غیر اللہ کو اپنی اُمیدگاہ بنا لیا۔ اور جب سے قوانین شریعت اور اتباع رسالت کو زندگی کے چند مخصوص گوشوں میں مقید کر کے بقیہ معاملات میں اپنی یا اپنے جیسے دوسرے لوگوں کی خواہشات کی پیروی اختیار کی۔ خدائی احکام کے بجائے انسانی قوانین کی بالادستی قبول کی۔ اُس وقت سے ذلت و نکبت اور ادبار و بدبختی ہم پر مسلط ہو گئی۔

وقت کے بڑھتے ہوئے قدم کسی کے انتظار میں نہ رکے ہیں اور نہ رکیں گے ——— اگر اب بھی ہم نے اپنی موجودہ زندگی کا ایماندارانہ جائزہ لے کر اپنی اصلاح کی کوشش نہ کی، اور اپنے آپ کو کلمہ طیبہ کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ کیا، تو عام قاعدے کے مطابق وقت کا سیلاب ہمیں خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائیگا!

سیرت کے چند پہلو

ندیم الواجدی

سیرت کیا ہے ؟

سیرت کے معنی طریقے اور راستے کے ہیں۔ پھر اسکا استعمال لوگوں کے حالات کیلئے ہونے لگا۔ لیکن بعد میں اسکا اطلاق خاص طور سے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے حالاتِ زندگی پر ہوا۔ سیرت کی جمع "سیر" آتی ہے۔ (١)

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م ١٢٣٩ھ) نے سیرت کی رلیف بیان کی ہے

نچہ متعلق بوجود باجود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم و صحابۂ کرام و ل عظام است و از ابتدا ئے لد آنجناب تا غائت وفات آں اسیرت گویند (٢)

جو کچھ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہؓ اور آل عظام کے مبارک وجود کیساتھ متعلق ہو اور آنجناب کی پیدائش سے وفات تک کے واقعات پر مشتمل ہو اُسے سیرت کہتے ہیں

محدثین اور فقہاء کے یہاں لفظ سیرت مغازی اور جہاد کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چنانچہ امام مسلم (م ٢٦١ھ) کی جامع میں کتاب السیر والجہاد (٣) اور حافظ ابن حجر کی فتح الباری میں کتاب المغازی والسیر ہے (٤) یہی استعمال فقہی کتابوں میں بھی موجود ہے (٥) اسی وجہ سے ابن اسحاق م ١٥١ھ) اور واقدی (م ٢٠٧ھ) کی کتب مغازی کو کتب سیر کہا سکتے ہیں۔ اور غالباً اسی لئے اولین سیرت نگاروں نے سیرت کی جو کتابیں لکھیں اُن میں غزوات ہی زیادہ ذکر کئے ہیں۔ لیکن بعد میں یہ فن غزوات کے ساتھ ہی خاص نہیں رہا۔ بلکہ سیر میں غزوات کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوسرے تمام پہلوؤں پر بھی تفصیل کیساتھ لکھا جانے لگا۔ مثلاً ابن سعد (م ٢٣٠ھ) کی الطبقات الکبریٰ میں آنحضرت کے دوسرے احوال بھی لکھے گئے ہیں۔

حدیث اور سیرت کا فرق :

محدثین اپنے فن میں ان تین چیزوں سے بحث کرتے ہیں : رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا ؟ کیا کیا ؟ اور آپ کے سامنے کیا کیا گیا ؟ اسی کو قول فعل اور تقریر کے اصطلاحی [illegible]

تعبیر کیا جاتا ہے(۷) ارباب سیر بھی اپنی کتابوں میں یہ تین چیزیں پیش کرتے ہیں(۵) اس لحاظ سے حدیث اور سیرت میں اشتراک ہے۔ مگر بظاہر دونوں فن یکساں ہونے کے باوجود الگ اور ممتاز ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ محدثین کا مقصد، احکام و مسائل کا علم اور اُن کا بیان ہوتا ہے۔ ذات رسول صلے اللہ علیہ وسلم اُن کے یہاں التزامی موضوع نہیں ہے۔ اس کے برخلاف اہل سیر ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث کرتے ہیں۔ احکام کی بحث ان کے یہاں ضمنی ہوتی ہے۔

سیرت کی کتابوں میں جس قدر تفصیل اور شرح و بسط کیساتھ واقعات ذکر کئے جاتے ہیں۔ حدیث میں عموماً اُن کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر ایک ہی جنگ کا حال دونوں بیان کر رہے ہیں۔ لیکن ایک کے یہاں ایجاز ہوگا۔ دوسرے کے یہاں تفصیل۔ اہل سیر اس جنگ کے اسباب و عوامل، نتائج۔ اثرات، شرکاء کی تعداد وغیرہ پر خاص روشنی ڈالیں گے، جب کہ اہل حدیث کے یہاں یہ بات نہیں ہے

حدیث اور سیرت میں یہ فرق بھی ہے کہ اسمیں درجۂ صحت سے کم روایات بھی اعتبار کے لائق ہوتی ہیں۔ حدیث میں اسکی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن یہ صرف اُن احادیث کے لئے جن کا تعلق احکامات اور مسائل سے ہوتا ہے حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اسی مسئلے پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے کہ ایک اچھا خاصا گروہ (علماء) اس بات کا قائل ہے کہ حدیث ضعیف سے کام لیا جا سکتا ہے جبکہ اس کا تعلق احکام و عقائد سے نہ ہو۔ بلکہ فضائل، اعمال اور قصص وغیرہ سے ہو۔ اس گروہ میں امام احمدؒ، امام ابوداؤد، امام ابوحنیفہؒ۔ امام شافعیؒ۔ امام نوویؒ۔ اور ابن تیمیہؒ جیسے حضرات شامل ہیں(۸)

سیرت و حدیث کے مابین فرق صرف اتنا ہی نہیں ہے، بلکہ بعض واقعات میں ان دونوں فنون سے متعلق لوگوں کی آراء جداگانہ ہوتی ہیں اس فرق کو سمجھنے کے لئے ذیل میں کچھ واقعات درج کئے جا رہے ہیں۔

غزوات میں، غزوۂ ذات الرقاع مشہور غزوہ ہے۔ اس کے بارے میں اکثر اہل سیر کا قول یہ ہے کہ اس غزوہ کا وقوع جنگ خیبر اور غزوۂ خندق سے قبل ہوا ہے(۹) لیکن محدثین جنگ خیبر کے بعد واقع ہونے کے قائل ہیں۔ چنانچہ امام بخاری (م ۲۵۶ھ) نے اپنی جامع میں تعلیقاً اسکی تصریح کی ہے:

وھی بعد خیبر (۱۰) اور غزوۂ ذات الرقاع خیبر کے بعد ہے۔

اسی طرح مسلمؒ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی جو روایت غزوۂ ذات الرقاع کے ذیل میں ذکر کی ہے۔ اس سے بھی امام بخاریؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے(۱۱) خود امام بخاری بھی اسی روایت سے استدلال کرتے ہیں بات اصل میں یہ ہے کہ جو روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے منقول ہے اُسی میں واضح لفظوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع میں، میں بھی (ابوموسیٰ) شریک تھا۔ اور یہ ثابت ہے کہ حضرت ابوموسیٰ غزوۂ خیبر کے بعد مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ اسکی تصریح امام بخاریؒ نے بھی فرمائی ہے (۱۲)

اگر ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سامنے رکھی جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ غزوۂ ذات الرقاع غزوۂ خیبر سے پہلے ہوا ہے تو اس میں ابوموسیٰ اشعریؓ کیسے شریک ہو سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ امام بخاریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایت بھی بیان فرمائی ہے جسمیں بیان کیا گیا ہے کہ اس غزوہ میں آپ نے صلوٰۃ خوف بھی ادا فرمائی تھی (۱۳) اور مسند احمد بن حنبلؒ میں حضرت ابوعیاش زرقیؓ کی یہ روایت موجود ہے کہ صلوٰۃ خوف آپؐ نے پہلی مرتبہ غزوۂ عسفان میں پڑھی ہے (۱۴) اور یہ ثابت ہے کہ غزوۂ عسفان، غزوۂ خندق اور غزوۂ خیبر کے بعد واقع ہوا ہے۔ تو اس صورت میں یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ غزوۂ ذات رقاع غزوۂ خندق اور خیبر کے بعد ہے۔

اصحاب سیر و حدیث میں دمیاطیؒ (م ۷۰۵ھ) کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے سیرت کے موضوع پر ایک نہایت محققانہ تصنیف کی تھی۔ اسمیں انہوں نے اصحاب سیر کے اتفاق کو

شیخین (بخاری ومسلم) کی روایات پر ترجیح دی تھی۔ غزوۂ ذات رقاع کے موقع پر قسطلانی (مؤلف ارشاد الساری الی شرح البخاری (م ۹۲۳ھ) اور عسقلانی (مؤلف فتح الباری شرح البخاری (م ۸۵۲ھ) نے ان کا ذکر کیاہے۔ خاص طور پر عسقلانی رح نے دمیاطی رح کے اس نقطۂ نظر پر سخت تنقید کی ہے اور غزوۂ ذات رقاع کے سلسلہ میں دمیاطی رح نے جو بخاری رح اور دوسرے محدثین سے اختلاف کیاہے اُسے باطل کیاہے (۱۵)

یہاں یہ ذکر کردینا بھی فائدے سے خالی نہیں ہوگا کہ زرقانی رح نے شرح مواہب اللدنیہ میں دمیاطی سے یہ قول نقل کیاہے کہ انہوں نے اپنی سیرت کی کتاب میں اہل سیر کے اتفاق کو صحیحین کی روایات کے مقابلے میں راجح قرار دیا تھا۔ وہ غلط تھا۔ زرقانی کے مطابق دمیاطی چاہتے تھے کہ وہ اپنی کتاب میں ترمیم کردیں۔ اور صحیحین کی روایت کو راجح قراردیں۔ مگر کتاب کے نسخے عام ہوچکے تھے اس لئے وہ اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ (۱۶)

اسی قسم کا اختلاف غزوۂ ذات قرد کے سلسلہ میں بھی ہے۔ اصحاب سیر یہ کہتے ہیں کہ اسکا وقوع صلح حدیبیہ سے پہلے ہوا ہے (۱۷) جبکہ محدثین حدیبیہ کے بعد کے قائل ہیں (۱۸)۔ ان کا استدلال سلمہ بن الاکوع کی اس طویل روایت سے ہے جو اُن کے بیٹے ایاس بن سلمہ سے منقول ہے۔ اور جسمیں اُنھوں نے واضح الفاظ میں ذکر کیاہے کہ غزوۂ ذی قرد کے وقت خیبر میں تین راتیں باقی تھیں (۱۹)

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں قرطبی کا یہ قول نقل کیا ہے

لا یختلف اهل السیران غزوة ذی قرد کانت قبل الحدیبیة — اہل سیر کا اتفاق ہے کہ غزوۂ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے ہے۔

اور سلمہ ابن الاکوع رض کی حدیث کا جواب قرطبی نے یہ دیاہے

فیکون ما وقع فی حدیث سلمة من وهم بعض الرواة — حدیث سلمہ میں جو واقع ہے وہ بعض راویوں کا وہم ہوسکتاہے۔

لیکن اس جواب پر حافظ ابن حجر نے تنقید کرتے ہوئے کہاہے کہ

حدیث سلمہ ابن الاکوع کی یہ صحیح روایت ہے اور اہل سیر کی رائے کے مقابلہ میں راجح ہوگی۔ (۲۰)

غزوۂ روطاس کہاں واقع ہواہے؟ اس کے سلسلہ میں بھی محدثین اور اصحاب سیر مختلف ہیں۔ حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں غزوۂ روطاس کے موقع پر یہ تفصیل بیان کی ہے کہ بعض اہل سیر کی رائے یہ ہے کہ غزوۂ روطاس اُس مقام پر واقع ہواہے جہاں غزوۂ حنین واقع ہواہے۔ لیکن حافظ رح نے اس رائے کو مرجوح قرار دیاہے۔ اور دلیل میں محدث ابن اسحاق کا یہ قول نقل کیاہے کہ وادی اوطاس وادئ حنین کے علاوہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین سے فراغت کے بعد فوجی صحابہ رض کی تین جماعتیں ترتیب دی تھیں۔ ایک جماعت کو طائف روانہ فرمایا تھا۔ دوسری کی روانگی نخلہ کی طرف ہوئی تھی اور تیسری جماعت اوطاس بھیجی گئی تھی (۲۱) جماعت اوطاس کی کمانڈری جیساکہ بخاری میں ابوموسیٰ کی روایت سے معلوم ہوتاہے، ابوعامر اشعری فرمارہے تھے (۲۲)

یہ چند واقعات بطور مثال ذکر کئے گئے ہیں۔ یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتاہے کہ اہل سیر اور محدثین کے درمیان آخر یہ اختلاف پیدا کیوں ہوتاہے؟ تو اسکا جواب کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے بات یہ ہے کہ جب ایک ہی واقعہ کو متعدد اشخاص ذکر کرتے ہیں۔ تو کچھ نہ کچھ بیان میں یا واقعہ میں فرق ضرور پیدا ہوجاتاہے۔ یہ چیز عام طور سے مشاہدے میں آتی رہتی ہے کہ ایک سلسلے میں متعدد لوگ بیان کرتے ہیں۔ لیکن وہ سب اس قصہ کو یکساں بیان کریں، ایسا کم ہوتاہے۔ لیکن بیان کرنے والوں کا تعدد خود نفس واقعہ میں اختلاف کا سبب بن جاتاہے۔

اسی طرح چند راوی ایک روایت کرتے ہیں۔ محدثین کو جن لوگوں سے روایت پہنچی ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہی راوی اہل سیر سے بھی روایت بیان کریں، چنانچہ ایک روایت کو چند راوی ذکر کرتے ہیں اور مختلف راویوں کی وجہ سے روایت میں کمی ہوجاتی ہے زیادتی

مقامات اور سنین کا اختلاف بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اب یہ علماء کی ذمہ داری اور اُن کے ذہن و دماغ کا کمال ہے کہ وہ مختلف و متضاد روایات میں مطابقت کی کوشش کریں۔ یا صحیح و سقیم کا امتیاز کریں۔ مختلف روایات کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کا کام۔ حدیث، فقہ، سیر اور دوسرے دینی علوم کی کتابوں میں ضمناً ملتا ہے اور ابن قتیبہ (م ۲۷۶ھ) نے تو اس سلسلہ میں تاویل مختلف الحدیث کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی ہے۔

اُردو میں ائمہ اور فقہاء کے درمیان اختلاف کے اسباب پر حضرت مولانا زکریا مدظلہم نے اختلاف ائمہ کے نام سے کتاب لکھی ہے جو اگرچہ محققانہ یا حرف آخر نہیں ہے تاہم مفید ثابت ہو سکتی ہے۔

اہل سیر اور محدثین کے مابین اختلاف روایات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم کسی ایک پر اعتبار کریں اور دوسری کو ضعیف کہہ کر رد کر دیں۔ یہ درست ہے کہ جو حدیث بخاری و مسلم کی شرطوں کے مطابق ہوگی وہ اہل سیر کے اتفاق کے باوجود راجح قرار دی جائے گی اور اصح احادیث میں اسکا شمار ہوگا۔ اسکے مقابلہ میں دوسری روایات کو غیر راجح تو کہا جائے گا۔ مگر موضوع یا غیر صحیح نہیں۔ چنانچہ جو اختلافی واقعات ہم نے گزشتہ سلسلہ میں ذکر کئے ہیں۔ ان کے سلسلے میں محدثین میں سے کسی نے بھی بخاری و مسلم کی بیان کردہ احادیث کو راجح قرار دے کر دوسری حدیث کو غیر صحیح یا موضوع نہیں کہا۔ اگر یہ صورت ہوتی تو بعد کے آنے والے اہل سیر اپنے سابقین کی روایت زندہ نہ رکھتے۔ اور جو محدثین نے ذکر کیا ہے اُسی کو تسلیم کرتے ہوئے اسکی اتباع اور پیروی کو ناگزیر قرار دیتے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ بعد کے سیرت نگار اپنے سے پہلوں کی اتباع کرتے ہوئے واقعات کو اسی ترتیب و طرز کیا تھ بیان کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ سیرت نگار اہل سیر کی رائے کے مقابلے میں محدثین کے بیان کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ لیکن واقعات کی ترتیب ان کے یہاں بھی اہل سیر کی سی رہتی ہے۔ محدثین کی سی نہیں۔

اُردو میں اسکی مثال مولانا حکیم داناپوری صاحب اصح السیر ہیں۔ اگرچہ اہل سیر کی رائے کو ترجیح نہیں دیتے، تاہم تصنیف کا انداز اور واقعات کے بیان میں وہی ترتیب ہے۔ جو سابقہ سیرت نگاروں کے یہاں ہے۔ مولانا داناپوری خود بھی "غزوۂ ذی قرد" کے ذیل میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ (۲۳)

ہم نے بخاری و مسلم کی شروط کے مطابق، روایات کی ترجیح و فوقیت کی جو بات کی ہے اُسے بھی کلیہ نہ سمجھا جائے۔ اسلئے کہ ہمارے سامنے ایسے نظائر بھی موجود ہیں کہ محدثین اپنی رسانید کے علو کے باوجود اہل سیر کی رائے کو ترجیح دیتے ہیں۔

صحیح مسلم میں یہ روایت موجود ہے کہ ابوسفیانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا ہے کہ میں حبیبہؓ (اُم المومنین) کو آپ کے عقد میں دیتا ہوں۔ اور آپ نے اسے قبول فرمالیا (۲۴) اس کے برعکس اصحاب سیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت اُم حبیبہؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حبشہ میں ہوا تھا۔ اور آپ کی جانب سے نجاشی (شاہ حبشہ) م ۹ھ کے مقرر کردہ حضرت خالد ابن سعید بن العاصؓ نے ایجاب و قبول کیا تھا (۲۵) اور جن ابوسفیان کا مسلم کی روایت میں ذکر ہے وہ حضرت اُم حبیبہؓ کی شادی کے وقت تک اسلام بھی نہ لائے تھے۔ بلکہ یہ فتح مکہ کے سال (۸ھ) میں مشرف باسلام ہوئے ہیں۔ (۲۶) اسکی تائید امام بخاری کی بیان کردہ روایت سے بھی ہوتی ہے (۲۷)۔

حافظ ذہبی نے بھی امام مسلم کی روایت کے بارہ میں ما تضح (صحیح نہیں ہے) کہا ہے۔ اس کے بعد شارحین کی رائے ذکر کی ہے کہ وہ لوگ اس حدیث کو عقد جدید کے التماس پر محمول کرتے ہیں۔ ذہبی نے یہ بھی کہا ہے کہ ابوسفیان اُم حبیبہؓ سے نہیں بلکہ اپنی دوسری بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے تھے۔ (یاد رہے کہ اُم حبیبہؓ ابوسفیانؓ کی صاحبزادی اور حضرت معاویہؓ کی ہمشیرہ ہیں) ذہبیؒ نے اس دوسری بیٹی کے نام کا ذکر نہیں کیا، بلکہ صرف اسمها کہہ کر رہ گئے۔ ذہبیؒ کی سیر اعلام النبلاء کے محقق اور محشی ڈاکٹر صلاح الدین المنجد نے حاشیے میں لکھا ہے کہ اصل نسخے

اسی طرح ہے (۲۸)

سیرت اور تاریخ میں فرق

سیرت تاریخ کی ایک نوع ہونے کے باوجود فن تاریخ سے الگ اور ممتاز ہے۔ اوران دونوں میں جو فرق ہے وہ واضح ہے

تاریخ کی چند تعریفیں مشہور ہیں۔ مثلاً مشہور ماہر تاریخ کافیجی نے (م ۸۷۹ھ) اپنی کتاب "المختصر فی علم التاریخ" میں یہ تعریف کی کہ تاریخ، زمانے، زمانے کے احوال، اوران احوال کے متعلقات کا تعیین وقت کیساتھ تلاش کرنا ہے۔ سخاوی (م ۹۰۲ھ) نے اپنی مشہور تصنیف الاعلان بالتوبیخ لمن ذم علم التاریخ میں کہاہے کہ زمانہ کے واقعات کی موقت جستجو کانام تاریخ ہے۔ دور وسطیٰ کے مغربی مفکرین کہتے ہیں کہ تاریخ زندہ مطالعہ کانام ہے (۲۹)

اس فرق کے علاوہ یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیئے کہ سیرت کے ماخذ جس قدر مستند اور قابل اعتبار ہیں، تاریخ کو اسکا دسواں حصہ بھی نہیں ملا۔ تاریخ کا مدار صحت سند ماخذ کے بجائے قیاس پر زیادہ ہوتاہے۔ لیکن سیرت میں قیاس کو دخل نہیں ہے بلکہ جس طرح روایتیں پہنچیں من وعن ذکر کردینا سیرت نگار کا پہلا فرض ہے اور ان روایتوں میں بھی جس قدر کاوش اور چھان پھٹک سے کام لیاجا ہے وہ الگ قابل غور ہے۔ اس کا ذکر آگے کرینگے۔

سیرت کی ابتدا

لوگ جس طرح حدیث کے فن پر اعتراض کرتے ہیں۔ اُسی طرح یہ اعتراض سیرت پر بھی ہے کہ اس کا بہت کچھ دارومدار زبانی روایتوں اور سنی سنائی باتوں پر ہے اور اس طرح وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حدیث یا سیرت سے متعلق جس قدر بھی مواد اور ذخیرہ موجود ہے سب بنیاد و بے اصل ہے۔

اول تو دیکھنا یہ ہے کہ محدثین نے روایتوں کے قبول ورد کیلئے کتنے سخت اصول وضوابط مقرر کئے۔ اسکی تفصیل آگے آرہی ہے اور صرف حدیث کی صحت یا عدم صحت کا پتہ لگانے کے لئے متعدد علوم معرض وجود میں آئے۔ اس صورت میں احادیث وسیرت کے ذخیرے کو بے بنیاد اور بے اصل کہہ دینا کوئی جاندار الزام یا انکشاف ہرگز نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم سے حضرات صحابہ کو کس قدر عشق اور تعلق تھا، جسکی تفصیل ہمیں کتابوں میں مل جاتی ہے اس محبت اور عشق ولگن کا تقاضا یہی ہے کہ وہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ہر قول ہر ہر فعل کو یاد رکھیں اور آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کا کوئی پہلو بھی ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے کیونکہ سچے عشق اور لگن کا پہلا تقاضا یہی ہے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سخت وعید کہ جس نے عمداً مجھ سے متعلق کوئی کذب بیانی کی اُسنے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لیا ہے (۳۰) یہ ارشاد مبارک خود اس بات کا متقاضی ہے کہ صحابہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹ بھی منسوب نہ کریں۔

پھر ان چیزوں سے قطع نظر ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ الزام کہ مدار حدیث وسیرت زبانی روایات اور سُنی سنائی باتوں پر ہے کہاں تک صحیح ہے؟

دراصل جن لوگوں نے یہ الزام لگایاہے اُن کے پیش نظر ایسی روایات ہیں جن میں کتابت حدیث سے روکا اور منع کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام مسلم نے اپنی جامع میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے اس حدیث کی تخریج کی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتکتبوا عنی و من کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ وحدثوا عنی ولا حرج (۳۱)	آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے کچھ مت لکھو اور اگر کسی نے قرآن کے علاوہ مجھ سے کچھ لکھا ہے چاہیئے کہ مٹادے ہاں حدیث بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں

اسی قسم کی روایات سعد بن مالکؓ، ابوہریرہؓ اور زید بن ثابت سے مسند ابن حنبل میں بھی موجود ہیں (۳۲) لیکن اصل میں یہ اجازت

روایات اُس وقت کی ہیں، جب کہ قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کا اندیشہ تھا کہ صحابہ حدیث کے شوق میں قرآن پاک کی طرف توجہ کم کریںگے۔ یہی توجیہہ ابن قتیبہ نے توجیہ مختلف الحدیث کے اندر بیان کی ہے (۳۳) اور امام نووی نے یہ توجیہ کی ہے کہ مخالفت اُن لوگوں کیلئے تھی جن کے حافظے اچھے تھے اور اُن سے نسیان کی توقع نہ تھی۔ البتہ جو لوگ سوء حفظ کے شکار رہتے اُن کے لئے کتابت کی اجازت تھی (۳۴) بلکہ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی کی رائے تو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے کتابت واجب اور ضروری ہے وہ لوگ صرف حفظ پر اکتفاء نہ کریں (۳۵)

یہ تو ہم بعد میں دیکھیں گے کہ اگر کتابت کی اجازت تھی، تو صحابہ نے لکھا بھی ہے یا نہیں۔ پہلے ہم ایک اہم چیز پر مختصر سی گفتگو کریں گے۔

آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کی وہ احادیث جو مانع عن الکتابت ہیں اُن کی وجہ سے لوگ کہتے ہیں کہ آپ کتابت کو ناپسند فرماتے تھے حالاں کہ ہمیں ایسے تاریخی شواہد ملتے ہیں، جن سے اس الزام کی تردید ہوتی ہے۔ ابن الاثیر نے حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص کے ترجمے میں یہ تعریف کی ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے انہیں اہل مدینہ کو فن کتابت کی تعلیم کے لئے مقرر فرمایا تھا (۳۶) اسی طرح شفاء بنت عبداللہ کو اُم المومنین حضرت حفصہ رض کیلئے مقرر کیا تھا کہ انہیں کتابت سکھا دیں (۳۷)

جو لوگ اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں، وہ جانتے ہونگے کہ اسلام نے فن کتابت کو ترقی دی اور لوگوں میں اس کا رواج ہوا اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔ اسلام سے پہلے پورے مکہ میں صرف سترہ آدمی کتابت کے فن کو جانتے تھے (۳۸) اور مدینہ میں اس فن کے واقفین کی تعداد صرف نو تھی (۳۹) اور اس قلت رواج کی وجہ یہ ہے کہ لوگ اس فن کو شنیع سمجھتے تھے (۴۰)، لیکن اسلام کی آمد نے اس فن کو ترقی دی اور کاتبوں کی کثرت ہوگئی۔ کتابت کی اس قدر اہمیت ہوئی کہ جو لوگ فن کتابت، تیر اندازی اور تیراکی سے واقف ہوتے تھے انہیں الکامل کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ (۴۱) اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کاتب یا کتابت کے مخالف نہ تھے۔ اسی لئے احادیث اور سیر کی کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہ نے احادیث لکھی ہیں۔

چنانچہ بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے کہ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنا خطبہ ابوشاہ کو لکھ کر دیدینے کا حکم دیا تھا۔ بخاری کی روایت میں ابوشاہ کی صراحت نہیں کی گئی صرف ابی فلاں کہا گیا ہے لیکن دوسری روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ابوشاہ تھے (۴۲) ابن حجر نے حضرت ابو رافع رض کے ترجمے میں لکھا ہے کہ اُنھوں نے آنحضور سے کتابت حدیث کی اجازت حاصل کی تھی۔ (۴۳) بخاری میں حضرت ابوہریرہ سے ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بھی احادیث لکھا کرتے تھے (۴۴) غالب خیال یہ ہے کہ جو احادیث حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص لکھا کرتے تھے وہ اس صحیفہ میں ہونگی، جس کا ذکر کتابوں میں ملتا ہے (۴۵) اور جس کے بارے میں یہ تصریح موجود ہے کہ اسکا نام الصادقہ تھا۔ اور اسمیں ایک ہزار احادیث جمع تھیں (۴۶)

اس قسم کی روایتیں بھی موجود ہیں کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں صحابہ کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، صدقات اور دیت کے احکامات املا کروا دیے تھے (۴۷) اسی طرح آپ کی وفات کے بعد صحابہ کو ایک ایسا فرمان بھی ملا تھا، جس میں صدقات کے احکام مرقوم تھے (۴۸)، حضرت علیؓ کے پاس بھی احادیث کا ایک صحیفہ موجود تھا (۴۹)، بخاری میں مذکور ابو جحیفہ رض کی روایت سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے (۵۰) حضرت ابوہریرہ کے پاس بھی ایک صحیفہ ہمام کے نام سے موجود تھا (۵۱) سعید ابن عبادہ ابن صامت کے پاس بھی احادیث کا مجموعہ تھا۔ ربیعہ لکھتے ہیں کہ مجھے اسکی اطلاع ان کے بیٹے نے دی تھی (۵۲)

عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس بھی احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مجموعے موجود تھے (۵۳) عتبان ابن مالکؓ کے پاس بھی لکھی ہوئی احادیث موجود تھیں (۵۴)۔

اس تفصیل سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لکھی گئی ہیں۔ اور یہ کہنا غلط ہے کہ احادیث و روایات کا مدار صرف حافظوں پر رہا ہے۔

اب ہم صاحب اصح السیر کی وہ تحقیق نقل کریں گے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ احکام کے متعلق آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحریری مواد اتنا نہ تھا جتنا کہ سیرت سے متعلق۔ اس سلسلہ میں انہوں نے ابن قیم صاحب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد اور زرقانی محشی مواہب اللدنیہ للقسطلانی کے حوالے سے حسب ذیل صحابہ کے اسماء شمار کئے ہیں جنہوں نے آنحضور کی تحریری خدمت انجام دی ہے۔ حضرت ابو بکرؓ۔ حضرت عمرؓ۔ حضرت عثمانؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت زبیرؓ۔ حضرت فہیرہؓ۔ حضرت عمرو بن العاصؓ۔ حضرت اُبیّ ابن کعبؓ۔ حضرت عبداللہ ابن الارقمؓ۔ حضرت ثابت ابن قیسؓ۔ حضرت حنظلہؓ ابن الربیع الاسدی۔ حضرت مغیرہ ابن شعبہ۔ حضرت عبداللہ ابن رواحہؓ۔ حضرت خالد ابن الولیدؓ۔ حضرت خالد ابن سعید ابن العاصؓ۔ حضرت معاویہ ابن ابی سفیانؓ۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ حضرت طلحہ ابن عبیداللہ۔ حضرت سعید ابن العاص۔ حضرت خالد۔ حضرت ابان۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص۔ حضرت شرحبیل ابن حسنہ۔ حضرت العلاء الحضرمی۔ حضرت معیقب دوسی۔ حذیفہ ابن ریحان۔ حویطب ابن عبد العزیٰ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین (۵۵)

یہ فہرست ان لوگوں کے لئے بھی قابل ذکر ہے جو یہ الزام لگاتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کاتب اور کتابت سے نفرت فرمایا کرتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کاتب یا کتابت سے نفرت تھی تو ان صحابہؓ سے بھی ہوتی۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے کیلئے آنحضور سے کلمات خیر منقول ہیں۔

اب ذرا اس پہلو سے بھی نظر ڈالئے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق روایات کرنے والوں کی تعداد کیا ہے؟ اس سلسلہ میں علامہ ابن عبدالبر کا حوالہ دیں گے۔ انہوں نے بیان کیا ہے، کہ سیرت نبوی کے راوی تقریباً تیرہ ہزار ہیں (۵۶)

آیئے! اب یہ بھی دیکھیں کہ سیرت کی ابتدا اور تدوین کب اور کیسے ہوئی؟

ہم نے مستند حوالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ احکام اور سیرت سے متعلق تحریری سرمایہ موجود تھا۔ لیکن تصنیف تالیف کا ذوق نہیں تھا۔ لیکن بعد میں اُمراء اور حکام کی وجہ سے اس کا ذوق پیدا ہوا اور اہل علم تصنیف و تالیف کی طرف متوجہ ہونے لگے۔ چنانچہ سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے عبید ابن شریہ کو یمن سے بلا کر قدماء کے حالات تحریر کرائے تھے۔ اس پورے سرمایہ کا نام اخبار الماضیین تھا (۵۷)، اس کے بعد عبدالملک بن مروان نے حضرت سعید ابن جبیرؓ سے قرآن پاک کی تفسیر لکھوائی تھی۔ جس کے بارے میں ذہبیؒ نے کہا ہے کہ وہ تفسیر عطاء ابن دینار کی تفسیر کے نام سے مشہور ہے (۵۸)

اُمراء اور ملوک کا تصنیف و تالیف کے لئے علماء کو مجبور کرنے کا اندازہ مشہور محدث حضرت ابن شہاب زہریؒ کے اس قول سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہم علوم لکھنا مکروہ سمجھتے تھے لیکن اُمراء نے ہمیں لکھنے پر مجبور کیا۔ (۵۹) لیکن اصل علوم اسلامیہ کا سہرا حضرت عمر ابن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے سر ہے۔ انہوں نے حدیث و سیر اور فن درایت و روایت کے سلسلہ میں علماء کو متوجہ کیا۔ مشہور مورخ ابو نعیم اصبہانی نے اپنی تاریخ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے اپنے عہد کے محدثین کو حدیث کی تدوین کا حکم دیا تھا (۶۰)

ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمر ابن عبدالعزیزؒ نے عالم، مدینہ کے قاضی، ابن شہاب زہری کے اُستاذ ابو بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم الانصاریؒ کو بھی احادیث لکھنے کا حکم دیا تھا۔ (۶۱)

ابن سعد کے بیان کی تائید امام بخاری کی باب کیف یقبض العلم کے

ت ذکر کردہ سطور سے بھی ہوتا ہے۔

عمر بن عبد العزیز الی ابی بکر بن حزم انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاکتبہ (۶۲)	حضرت عمر ابن عبد العزیز نے ابو بکر ابن حزم کو یہ لکھا کہ جہاں کہیں بھی آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث دیکھیں انہیں نوٹ کریں۔

علامہ ابن عبد العزیزؒ نے سعد ابن ابراہیم سے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر ابن عبد العزیز نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم حضور کی سُنن کو جمع کریں (۶۳) تو گویا حضرت عمر ابن عبد العزیز کے زمانہ میں احادیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تدوین ہوئی۔ اور ابن حجر کی تصریح کے بموجب ابن شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) نے پہلی مرتبہ احادیث کو مدون کیا۔ علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندیؒ لکھتے ہیں۔

اول من دون علم الحدیث بامر عمر بن عبد العزیز محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن شہاب الزہری	حضرت عمر ابن عبد العزیز کے حکم سے سب سے پہلے علم حدیث کو ابن شہاب زہری نے مدون کیا ہے۔

چند سطر بعد علامہ عثمانی نے حافظ ابن حجر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ ابن شہاب زہری کی تدوین بحیثیت مجموعی تھی۔ فقہی ترتیب یا باب وار بیان کرنے اور لکھنے میں شعبی فوقیت لیگئے ہیں (۶۴) اسی طرح روایت کے جانچنے اور اس کی چھان پھٹک کے لئے جو فن علم روایت کے نام سے وضع کیا گیا اُس کے بانی بھی ابن شہاب زہری ہیں اور اس کا حکم بھی حضرت عمر ابن عبد العزیز ہی نے دیا تھا (۶۵)

حضرت عمر ابن عبد العزیز نے مغازی کی طرف بھی توجہ کی۔ اور عاصم ابن عمر ابن قتادۃ الانصاری (م ۱۲۱ھ) کو حکم دیا کہ وہ حلقہ درس قائم کریں۔ اور مغازی (سیر) کا درس دیا کریں (۶۶) حضرت عمر ابن عبد العزیز کی ان کوششوں کی وجہ سے علماء کا مغازی کی طرف رجحان بڑھا۔ اور اسمیں تصانیف و تالیفات کی ابتدا ہوگئی۔

محققین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف ہے کہ مغازی یا سیر کے اندر سب سے پہلی تصنیف کس شخص نے کی ہے۔ چنانچہ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں:

اول من صنف فیہ الامام المعروف بمحمد بن اسحاق بن یسار رئیس اھل المغازی المتوفی ۱۵۱ھ (۶۷)	مغازی میں سب سے پہلے امام محمد بن اسحاق ابن یسار رئیس اہل مغازی (م ۱۵۱ھ) نے تصنیف کی ہے۔

عصر حاضر کے محقق ڈاکٹر مصطفےٰ صبری کی تحقیق یہ ہے کہ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت سب سے پہلے امام ابن عثمان نے لکھی ہے۔ موصوف نے موقف العقل والعلم میں لکھا ہے۔ "سیرت نگار بہت سے ہیں۔ ابن ہشام (م ۲۱۳ھ) مقدم نہیں ہیں۔ سیرت نگاری کا آغاز حضرت ابان ابن عثمان سے ہوا ہے۔ پھر عروہ ابن زبیر اور شرحبیل بن سعد نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ پھر زہریؒ نے۔ یہ بخاری کے اُستاد اور بڑے ائمہ میں سے ہیں۔ ممکن ہے کہ انھوں نے حضرت عمر ابن عبد العزیز کے اشارے پر قلم اٹھایا ہو (۶۸)

اور سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ سیرت کے موضوع پر سب سے پہلے امام زہریؒ نے قلم اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں۔

ھی اول سیرۃ الفت فی الاسلام (۶۹)	یہ پہلی سیرت ہے، جو اسلام میں تالیف کی گئی ہے۔

ڈاکٹر صبری کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ کچھ لوگ سیرت ابن ہشام کو سب سے پہلی تالیف مان رہے ہیں۔ خود اُردو میں مولانا شبلی نعمانی، ابن شہاب کو سہیلی کے حوالے سے پہلا سیرت نگار قرار دیتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

ملّتِ اسلامیہ کا سفر!

یونس قنوجی

گو مری فکر و نظر محدود ہے
ذہن کا آئینہ گرد آلود ہے
گو تہی دستی ہے میری کائنات
شاخِ آہو پر ہے برسوں سے برات
گلستاں میں برگِ آوارہ ہوں میں
گردشِ ایّام کا مارا ہوں میں
طمطراقِ زندگی سے دور ہوں
فُضلۂ افسردۂ انگور ہوں
لیکن اندازِ جنوں رکھتا ہوں میں
سرد سانسیں، گرم خوں رکھتا ہوں میں
رومی و اقبال کا پیرو ہوں میں
راہِ محسوسات کا رہرو ہوں میں
ملّتِ اسلامیہ کا فرد ہوں
کاروانِ رفتگاں کی گرد ہوں
ہاں! وہی ملت، جسے اُم الکتاب
دے چکا ہے خیرِ اُمت کا خطاب
جس کو تاجِ قدس پہنایا گیا
"اخرجت للناس" ٹھہرایا گیا

امر بالمعروف کا پرچم ملا
رُوحِ پُرسوز و دلِ پُرغم ملا
لا الٰہ کی دھوپ میں پالا گیا
ظرفِ اِلّا اللہ میں ڈھالا گیا
اُسوۂ پیغمبری بخشا گیا
جذبۂ حفظِ خودی بخشا گیا
جرأتِ اعلانِ حق بخشی گئی
قوتِ تسخیرِ عالم دی گئی
چشمِ بینا، قلبِ مستغنی ملا
گوہرِ گنجینۂ ہستی ملا
ذہن کو پاکیزہ کرداری ملی
نطق کو اعجازِ گفتاری ملی
فقر کے آداب سکھلائے گئے
خسروی کے راز سمجھائے گئے
جوہرِ صدق و صفا بخشا گیا
ناخنِ عقدہ کشا بخشا گیا
کوہسارانہ عزیمت دی گئی
آبشارانہ طبیعت دی گئی

کارسازانہ ہنر بخشے گئے!
عرش پیما بال و پر بخشے گئے
قہرمانی کی حرارت دی گئی!
مہر و حلم و عفو و رحمت دی گئی
دست ظلم انکسار و جبر افگن ملا
گل فشان و خونچکاں دامن ملا

اور بھی یہ ملت گردوں وقار
سینۂ گیتی پہ باصد افتخار
معجزہ کی طرح جلوہ گر ہوئی
خود ہی صورت! خود ہی صورت گر ہوئی
انقلاب آور ہوا چلنے لگی!
سیل جمود و جہل کی گلنے لگی
ظلمت شب راستہ دینے لگی
صبح نو انگڑائیاں لینے لگی
چہرۂ ہستی پہ لالی آ گئی!
موت کے رخ پر سیاہی چھا گئی
عبد اور معبود کے رشتے جڑے
درمیانی واسطے توڑے گئے
شرح عند اللہ اتقاکم ہوئی
خود تراشیدہ سیادت گم ہوئی
عصبیت کے بت کدے ویراں ہوئے
خود سری کے راستے ویراں ہوئے
امتیاز اسود و احمر مٹا!
تیرہ دل آقائیت کا شر مٹا
خاندانی برتری کے بت گرے
کینہ پرور دیوتا روندے گئے

نخل بدعت کی جڑیں کاٹی گئیں
نفرتوں کی کھائیاں پاٹی گئیں
خواجگی کے زاویے بدلے گئے
بندگی کے دائرے بدلے گئے
اس قدر عظمت غلاموں کو ملی
تاجداروں کی نظر للچا گئی
سنگریزوں کو وہ تابانی ملی
آبگینوں کو حیا آنے لگی!
ٹوٹ کر برسا اخوت کا سحاب
پتہ پتہ کھل اٹھا مثل گلاب
ایک اک ذرہ منور ہو گیا
ایک اک گوشہ معطر ہو گیا
بے کسوں کے رخ کی زردی دھل گئی
بے بسوں نے عافیت کی سانس لی
اک نئی تہذیب کا پرچم اڑا
اک نئی تاریخ کا دفتر کھلا!

صدق کی تشریح فرمائی گئی
عدل کی توضیح فرمائی گئی
حلم کا مفہوم سمجھایا گیا
علم کا مفہوم سمجھایا گیا
فرض کی شکلیں نمایاں کی گئیں
حق کی قندیلیں فروزاں کی گئیں
منزلت محنت کی، دولت کا مزاج
روح کی خواہش، شکم کی احتیاج
دین کے اسرار، دنیا کے نکات
کامرانی کی حدیں، راہِ نجات

حکم کے پہلو، اطاعت کے اصول
جہد کی ترغیب، اور شانِ نزول
ربطِ انساں، ربطِ ملت، ربطِ دیں
ربطِ جسم و جان با جان آفریں
حق پرستی، حق گزاری، حق رسی
حق روی، حق مشربی، حق آگہی
ایک اک عنوان چمکایا گیا
ضابطے کی شکل میں لایا گیا

ہو کے پھر اس ضابطے سے فیضیاب
پی کے تعلیم نبوت کی شراب
بادیہ گردانِ آشفتہ مزاج
بڑھ کے ٹھکرانے لگے شاہوں کے تاج
تند طوفانوں سے ٹکرانے لگے!
آستیں کانٹوں سے اُلجھانے لگے
بجلیوں کے رُخ پہ ڈیرے ڈالکر
آندھیوں میں ہو کے سرگرم سفر
کجروی آسماں پر چھا گئے!
گردشِ دوراں پہ حاوی آ گئے
روم و ایراں انکی سطوت کے شکار
نیل و گنگا انکی ہیبت سے فگار
دشت و دریا وادیاں کوہ و کمر
خندقیں میداں فصیلیں بام و در
ہر کہیں اُنکی نظر کے فیض سے
تازہ اُمیدوں کے گل بوٹے کھلے
امن و آزادی کے میخانے کھلے
علم و حکمت کے پرستانے کھلے

بادۂ توحید کے ساغر چلے
رُوح کی تسکین کے ساماں ہوئے
معرفت کی مشعلیں روشن ہوئیں
زندگی کی منزلیں روشن ہوئیں
عقل اور ادراک کے جوہر کھلے
عشق اور عرفان کے شہپر کھلے
جھک گئے قدموں پہ ان کے تاجور
چھا گئے پہنائے شرق و غرب پر

اور پھر دولت کی ارزانی ہوئی
عیش و عشرت کی فراوانی ہوئی
پیروانِ طرزِ بوبکرؓ و عمرؓ
چل پڑے دارا و جم کی راہ پر
دیں سمٹ کر مدرسوں میں رہ گیا
خانقاہی دائروں میں رہ گیا
زندگانی کے مکمل ضابطے
رہ گئے پڑھنے پڑھانے کیلئے
غازیانِ تیغ زن، خیبر شکن
ہو گئے دل دادگانِ انجمن
ہو گیا اوجھل نگاہوں سے مصاف
چڑھ گئے تیغوں پہ مخمل کے غلاف
شاہبازانہ تھا جن کا طمطراق
ہو گئے محصورِ ایوان و اطاق
جن سے گرمی تھی رگِ سیماب میں
جم گئے خس خانۂ و برفاب میں
کھیلنے والے دمِ شمشیر سے!
فلسفے کی زلف سلجھانے لگے

زیرِ فرماں جن کے تھے لوح و قلم
ہوگئے مسحورِ یونان و عجم
رہ گیا جوشِ عمل چوگان تک
آگیا ذوقِ نظر گلدان تک
برق آسا، کوہ پیما حوصلے
زر نگاریں مسندوں پر سوگئے
جو بگولوں میں پلی تھی وہ خودی
عُود و عنبر کے دھوئیں میں کھوگئی
چھیدتے تھے پتھروں کو جن کے تیر
ہوگئے سنجاب و قاقم کے اسیر
تھا جنھیں تیغوں کی جھنکاروں سے پیار
ہوگئے بربط کے تاروں کا شکار
جن پہ قرباں تھی نویدِ فتحِ باب
آگیا اُن شوخ ہاتھوں میں رباب
نبض داروں پر جن کی اُنگلیاں
اُن کو بہلانے لگیں شہنائیاں
جن کی تکبیریں تھیں صورِ زندگی
لوریوں سے اُن کو نیند آنے لگی

گاہے گاہے کوئی حق پرواز تیر
ڈالدیتا تھا فضاؤں میں لکیر
کچھ مبلّغ، کچھ مفکّر، کچھ حکیم
رہنمایانِ صراطِ مستقیم
نیند کے ماتوں کو چونکاتے رہے
سرِ ایوانوں کو گرماتے رہے
لیکن ان کی ہر صدائے دلفروز
حق نما، حق آفریں و کفر سوز
بَرف میں مدفون ہوکر رہ گئی
صرف اک مضمون ہوکر رہ گئی

دین و دنیا دائروں میں بٹ گئے
مرکزِ پرکارِ حق سے ہٹ گئے
ترک و ایران و عرب کے نام پر
غالب آئی قومیت اسلام پر
اور اس سیلابِ نسل و رنگ نے
اس ہوائے افتراق آہنگ نے
توڑ ڈالا رشتۂ حبل المتین!
کاٹ ڈالی شہ رگِ دینِ مبین
ربطِ ملت، ربطِ دیں، ربطِ نظر
ہوگیا اک اک ستوں زیر و زبر
سطوتِ بغداد کا پرچم گرا
آفتابِ قرطبہ گہنا گیا
بجھ گئی شمعِ شبستانِ جلال
رہ گئی باقی بساطِ قیل و قال
انفرادی فکر کی آندھی چلی
اجتماعی ذہن کی مشعل بجھی
آبجُو میں بٹ گیا دریائے نور
ہوگیا الماسِ وحدت چور چور
آئینہ کردار کا دھندلا ہوا
صرف لفظوں میں اُجالا رہ گیا
اُٹھ گئے غازی، مسلماں رہ گئے
اصطلاحوں کے رجز خواں رہ گئے
رفعتِ پرواز سے اُکتا گئے!
خاک بازی میں سکوں [illegible]

چل پڑی رسمِ فسادات و عناد
آ گئے تا فی سبیل اللہ فساد!
اسقدر پھیلی وبائے حرص و آز
آ گئی محمودؐ میں خوئے ایاز
مصر و ایران و عراق و ہند و شام
مختلف اقسام کے ٹھہرے غلام
اپنی غیرت کا لہو پینے لگے!!
لقمۂ اغیار پر جینے لگے
سہل انگاری کے عادی ہو گئے
حکم برداری کے عادی ہو گئے
قومیت، محکومیت، خود پروری
ساتھ لائی اپنے خوئے آذری
کعبۂ دل کو بنا کر سومنات
خواہشوں نے گڑھ لئے لات و منات
بغض و نفرت، کینہ توزی، افتراق
بن گئے زینت دہ محراب و طاق
کبر و نخوت افترا غیبت فساد
چند گوشوں میں سمٹ آیا جہاد
حرص و خود غرضی خوشامد، اقتدار
آج ہیں جہد و عمل کے شاہکار
حیلہ جوئی، بزدلی، دوں ہمتی
کامرانی کی علامت بن گئی
خود فروشی، خود فریبی، خود کشی
آج ہیں جزوِ کمالِ زندگی

اعتقاد افزا ہے دینِ اہرمن
دینِ فطرت پر مقدّم ہے وطن
خانقاہ و مکتب و تاج و نگیں
کوئی بھی اس رنگ سے خالی نہیں
عقل کو جذبات نے شل کر دیا
ذہن کو خوابوں نے بوجھل کر دیا
مٹ گیا ہے امتیازِ خیر و شر
ہو گئی ہے سخت آوارہ نظر!
دوستانِ باصفا معتوب ہیں
دشمنانِ دین و دل محبوب ہیں
رہبروں کو راہزن کہتے ہیں لوگ
صحنِ زنداں کو چمن کہتے ہیں لوگ
ہر مسیحِ وقت، ہر مردِ خدا
راہ میں مصلوب کر ڈالا گیا
کارواں مفلوج، بےحس ہے جرس
اک غبارِ گمرہی ہے پیش و پس
لڑنے والے گردشِ تقدیر سے
کھیلنے والے خمِ تدبیر سے!
با دلِ مایوس و چشمِ سوگوار
کر رہے ہیں معجزوں کا انتظار
پر نہیں یہ دور، دورِ معجزات
اور ہی کچھ ہے تقاضائے حیات
عصرِ نو دانہ زبانِ رستخیز
اے خنک آسودۂ چوبِ حشر خیز

جشنِ عیدِ میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

سید اظہر حسین ہاشمی
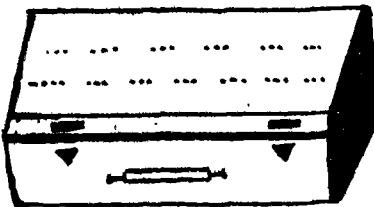
آج پیغمبر اسلام، مصلح اعظم، ہادیٔ برحق، سید الانام، امام الاولیا محبوب کبریا، ختم المرسلین، رحمۃ للعالمین، محمد مصطفےٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے جشن ولادت کا یوم مقدس ہے۔ آج وہ روز سعید ہے کہ جس روز تمام عالم کے انسانوں کو ایک رشتے میں مربوط کرنے والا دنیا میں تشریف لایا ہے۔ گھر گھر چراغاں ہے۔ گوشہ گوشہ ضیا رباری انوار قدسی سے منور ہے۔ مجالس و محافل آرایش و زیبائش سے نظر افروز ہیں۔ عطر کی لطافت خیز خوشبو سے معطر و معنبر ہیں۔ درود و سلام ورد زبان ہے۔ مدح و نعت کے خوش الحان ترانے ہیں۔ نظم و نثر اور تحریر کے گلہائے شگفتہ عقیدت کے نذرانہ ہیں۔ اخبارات و رسائل خاص نمبر شائع کرکے عقیدت مندی کا ہدیہ پیش کر رہے ہیں۔ مصور و مجلد عبارتیں۔ اوراق سنہرے نقش و نگار سے مزین۔ سیرت پاک کے مدح و ستائش سے معمور ہیں۔ غرض دل مئے حسن عقیدت سے سرشار ہیں۔ دماغ ایمان پرور رفعت خیال سے عرش پر ہیں۔ جس پر خود پروردگار عالم سلام بھیجے۔ اس کے فرشتے بھیجیں۔ اسکی جاہ و منزلت کا تصور بھی ممکن نہیں! ان اللہ وملٰئکتہ یصلون علی النبی یاایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (اللہ اور اللہ کے فرشتے اُس کے رسول پر درود و سلام بھیجتے ہیں۔ اے مومنو! تم بھی اُس پر درود و سلام بھیجو!)

پھر بھلا انسان اُس ذات مقدس کی مدح و نعت کیلئے الفاظ کہاں سے لائے؟ کس منہ سے ادا کرے آخر میں چپ ہو کر کیوں نہ رہ جائے؟ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جس کی عظمت و فضیلت خود اُسکا پیدا کرنے والا بیان کرے اُسکی رفعت و عظمت کا کیا کہنا؟ انسان ہر حیثیت سے ہیچ ہے ؎

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی ست

رسول گرامی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک خود جامع قرآن ہے۔ آپ کی حیات مبارک کا ایک ایک لمحہ کلام الٰہی کی تشریح اور مکمل تفسیر ہے۔

کان خلقہ القرآن — آپ کا خلق (سیرت) مطابق قرآن کے ہے۔

گویا حضورؐ کی پیروی خدائے عزوجل کی پیروی ہے۔ خداوند تعالےٰ کو راضی کرنا ہے، تو ایسے عمل کریں جن کو پیغمبر اسلام صلعم نے اپنایا ہے۔

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم — اطاعت کرو تم اللہ کی۔ اور اللہ کے رسول کی اور اُس کی جو تم میں سے تمہارا سردار ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ اپنے محبوب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض قرار دیدی ہے۔ بغیر رسول کی اطاعت کے پروردگار عالم کی اطاعت و رضا کا تصور بھی قائم نہیں ہو سکتا۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اللہ اور اُسکے رسول کی اطاعت کا بس ایک ہی پیمانہ ہے اور وہ پیمانہ ایک عہد ہے، اقرار بالصدق، اور اقرار باللسان ہے وہ کلمۂ طیبہ ہے۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(نہیں ہے کوئی معبود۔ عبادت و بندگی کے لائق بجز اللہ کے۔ اور محمدؐ اُسکے رسول ہیں اور پیغام لانے والے ہیں)

طلوعِ اسلام!

عرب میں آفتاب رسالت ۱۱ ربیع الاوّل مطابق ۲۲ اپریل ۵۷۱ء مطابق ۲۵ بیساکھ سمبت ۶۲۸ بکرمی روز دوشنبہ بوقت صبح صادق بمقام مکہ طلوع ہوا۔ اس وقت عرب کی حالت انتہائی پست اور ناگفتہ بہ تھی۔ عرب ریگستانی علاقہ اور صحرائی خطہ ہے۔ باشندے خانہ بدوشانہ زندگی کے سوا کچھ اور نہ جانتے تھے۔ ظلوم وجہول کے خوگر۔ اُن کی وحشت و بربریت کے سامنے وحشی جانور تک شرمائیں انسانیت و شرافت سے ناآشنائے محض۔ بات بات پر جنگ و جدل۔ قدم قدم پر فساد۔ کسی کے اونٹ نے پہلے پانی پی لیا تو میان سے تلواریں نکل آئیں۔ جنگ شروع ہوگئی۔ اور انتقام کا سلسلہ پشتوں تک جاری رہا۔ لڑکیوں کو زیادہ تر زندہ درگور کردیتے تھے عصمت و عفت کو کون کہے؟ جُوا شراب تو گویا گھٹی میں پڑے تھے شرک کا یہ عالم کہ ہر مافوق الفطرت معبود تھا۔ ۳۶۵ بُتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ یہی بُت اُن کے حاجت روا تھے۔ انہیں سے دعا مانگتے تھے۔ قزاقی و لوٹ مار ذریعۂ معاش تھا۔ رنگ و نسل، قبیلہ ذات، فرقہ، اونچ نیچ کے امتیازات عروج پر تھے۔ تہذیب و تمدن اُن سے دور ہو کر بھی نہیں گزرا تھا۔ غرض انسانوں کے بھیس میں درندے آباد تھے۔ جن کا نہ کوئی اُصولِ زندگی تھا، نہ مقام نہ قیام۔

ایسے ملک اور ایسی قوم میں حضور اکرم صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا ظہور قدسی ہوا۔ ایک طرف تپتا جھُلستا ریگستان تھا جس کے ذرّے شعلہ بار تھے۔ دوسری طرف درندہ صفت انسان تھے اس پر یہ کہ شرک اور بُت پرستی کا انتہائی زور۔ اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی کو تبلیغ رشد و ہدایت کیلئے مبعوث کیا۔

نزُولِ وحی!

رسول مقبول صلعم نے جب عمر کے چالیسویں سال میں قدم رکھا۔ اُسوقت خلعت نبوت سے مشرف ہوئے اور وحی آنا شروع ہوئی۔ بارہ سال بعد جب ۵۲ سال کا سِن ہوا اُس وقت آپ کو معراج کا درجہ تفویض ہوا ایک رات آپ کو حضرت جبرئیلؑ بیت المقدس لے گئے۔ بیت المقدس میں آپ نے تمام سابقین انبیاء کرام کی امامت فرمائی۔ وہاں سے آسمانوں کی سیر کو گئے۔ جنت و دوزخ کا معائنہ کیا اور اللہ ربّ العزّت نے اپنے انوار کی تقریب سے سرفراز کیا۔ اسی لئے آپ سیّد المرسلین امام الاولیاء اور خاتم النبیین ہیں۔ حضورؐ کی جب ۵۳ سال کی عمر تھی۔ اُس وقت آپ نے مکّے سے مدینہ طیبہ کو ہجرت فرمائی۔ مسلمانوں کا سال آپ کی ہجرت کے سال سے شروع ہوتا ہے۔ دس سال مدینہ طیبہ میں رہے اس طرح صرف ۲۳ سال منصب رسالت پر مامور رہے۔ سنہ ۱۰ ہجری میں حجۃ الوداع میں، عرفہ کے روز جمعہ کو [illegible]۔

عصر کے وقت، میدان عرفات میں تکمیل دین کی آیت نازل ہوئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و	آج ہم نے پورا کر دیا تمہارے لئے
اتممت علیکم نعمتی و رضیت	تمہارا دین اور پورا کیا احسان تم پر
لکم الاسلام دینا ط	اور پسند کیا ہم نے تمہارے لئے دین
	اسلام کو۔

اس آیت کی شان نزول میں یہ بات بھی مضمر ہے کہ رسالت کا کام بھی پورا ہو چکا۔ اور آپؐ کی زندگی کا یہ آخر وقت ہے۔ چنانچہ ماہ صفر ۱۱ھ مطابق جون ۶۳۲ء۔ روز دوشنبہ۔ ۶۳ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ اور بارگاہ مالک حقیقی میں پہونچ گئے۔ آفتاب رسالت رشد و ہدایت کے ۲۳ سال پورے کر کے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ط

اللّٰھم صل علی محمد و علی آل محمد و بارک وسلم ط

پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے، جو پیغمبر انسانیت بھی تھے، تمام دنیا پر گہرا اثر چھوڑا۔ کرۂ ارضی کا نقشہ ہی بدل گیا۔ وہ عرب جسکی خانہ بدوشانہ زندگی کا معمول تھا اور جو ہر اعتبار سے پستی و گمراہی کے غار میں پڑا تھا، اسی عرب سے علم و عرفان کے چشمے اُبل پڑے اور ساری دنیا سیراب ہوئی۔ فتوحات اسلامی کا یہ عالم کہ تین چوتھائی دنیا کے نقشہ پر چھا گئے۔ آدمی زاد بھیڑیے متمدن و مہذب بن گئے، اور دوسروں کے لئے نقش قدم چھوڑ گئے۔ ایک ایسی مشعل روشن کر گئے جو تا قیامت اپنی روشنی سے راہ ہدایت و ترقی دکھاتی رہے گی۔ جو خود اصلاح پر نہ تھے وہ دوسروں کے ہادی و مصلح بن گئے۔ جن کے پاس ایک چپہ زمین بھی نہ تھی وہ ملک و سلطنت کے مالک بن گئے۔ ان کے غلام تک تاج و تخت کے وارث بن گئے۔ اونٹ اور بکریوں کے ریوڑ چلانے والے تمام دنیا کے خزانوں پر قابض ہو گئے۔ اپنے علم و فن میں تاریخ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ ایجاد و اختراع میں، صنعت و حرفت میں، تجارت میں دنیا کو انگشت بدنداں کر گئے۔ علم و معلومات میں، فلسفہ میں، ہیئت و نجوم میں، طب میں، جراحی میں، ادب و انشاء میں، تاریخ میں اپنی مثال آپ قائم کر گئے۔

غرض عرب کے وحشی بدو، ایسے مہذب و شائستہ، اور ایسے متمدن و شہرت گیر ہوئے کہ ساری دنیا نے اُن کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ اُن سے زندگی کا درس لیا اور ترقی و فلاح کے راز کو معلوم کیا۔ کل تک جو ۳۶۵ بتوں کی پوجا کرتے تھے توحید و رسالت کے پروانے بن گئے۔ اس راہ میں اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ بلکہ شجاعت و بہادری میں بھی نام پیدا کر گئے۔ اُنہوں نے دنیا والوں کو جہاں بینی و جہاں بانی کے آداب سکھائے۔ مجلس شوریٰ قائم کی، جمہوریت کا نظام بنایا۔ اونچ نیچ کا فرق مٹایا عالمگیر برادری کی بنیاد اُستوار کی۔ تمام انسان ایک نظام میں منسلک ہوئے اور حیات اجتماعی کا بے مثل نمونہ چھوڑ گئے!

یہ ہیں اسلام کے تمام دنیا پر احسانات! اور یہ ہیں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرور اور حیرت انگیز اور انقلاب پذیر تعلیم!

مگر آج عرب کے زمانۂ جاہلیت کی تاریخ پھر سے دوہرائی جا رہی ہے۔ ظلم و جور کا وہی دور ہے، وہی بربریت ہے کہ جس کے سامنے انسانیت پناہ مانگے۔ وہی عصمت ریزی اور آبرو باختگی ہے مکانوں سے شعلے بلند ہیں۔ مکین تباہ حال ہیں۔ در در کی ٹھوکریں ہیں۔ کل تک جو دولت و املاک کے مالک تھے، خدم و حشم رکھتے تھے۔ آج دوسروں کے دست نگر ہیں اور نان جویں کے محتاج ہیں۔ اثاث البیت لٹ رہا ہے۔ تعلیم گاہیں مسمار ہیں۔ مسجدیں جلائی جا رہی ہیں۔ مفتی و امام زندہ نذر آتش کئے جا رہے ہیں۔ مگر یہ بات بھی واضح رہے کہ جس طرح تاریخ نے عرب کے دور جہالت کو معاف نہیں کیا۔ اسی طرح اس دور کے ظالموں کو بھی بخشنے والی نہیں ہے۔ دنیا دار مکافات ہے۔ آج صلح و آشتی کے دروازے اُنہیں پر بند ہیں جو صلح و آشتی کے سب سے زیادہ ماننے والے ہیں اور جنہوں نے صلح و آشتی سے ایک زمانہ کو گرویدہ کر لیا

ہم ہر سال جشن عید میلاد النبی کی تقریب مناتے ہیں۔ اس کا مقصد ظاہری تزئین و آرائش کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کے ذہن و فکر کی بھی تزئین و آرائش ہے۔ جشن عید میلاد النبی کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد خدا کی وحدانیت کا اقرار ہے۔ اور پیغمبر آخر الزماں صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کا ایقان و سیرت کی تکمیل ہے۔ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اتباع کا عزم ہے ظلم و طغیان سے نفرت، مظلوم کی حمایت، تقوے و پرہیزگاری کی نشر و اشاعت ہے۔

آج کا دن سوچنے کا دن ہے کہ وہ کس منزل میں ہیں؟ اپنے بزرگان دین اور سلف صالحین سے کتنے دور اور اُن کی کتنی یادگار رہ گئے ہیں؛ کیا کسی قسم کی مشابہت و مماثلت پائی جاتی ہے؟ کہیں عرب کے زمانۂ جاہلیت کی بت پرستی کی طرح اُنھوں نے جاہ و منزلت کے نئے نئے بت تو نہیں تراش لئے جنکے سامنے سجدہ ریز ہیں! اللہ سے حاجت روائی کے بجائے لات و منات جیسے بتوں سے حاجت روائی چاہتے ہوں خود غرضی اور اقتدار کے لات و منات تیار کر لئے ہوں، دن رات انکی پوجا کرتے رہتے ہوں، ان کے دل میں خوف خدا کی بجائے دوسرے خداؤں کے خوف سما گئے ہوں۔ ان کے دل میں اکثریت کا خوف ہو یا اکثریت کے مدعل کے خوف نے گھر تو نہیں کر لیا ہے؟

غرض جشن میلاد النبی کا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک جگہ مل بیٹھ کر محاسبہ کریں۔ لائحہ عمل بنائیں اور منزل کی طرف بڑھیں۔ اس کے لئے ہمیں آگے بڑھنے کے بجائے پھر قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرف لوٹنا ہوگا۔ اس راہ میں خواہ کتنی دشواری پیش آئے کتنا ہی صبر و استقامت کی راہ سے گزرنا پڑے مگر پختہ عزم کو نہ چھوڑیں۔ اور

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا — اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو

پس مسلمانوں کیلئے اللہ کی مضبوط رسی کافی ہے اس کو اگر عزم صمیم اور نیک نیتی سے پکڑے رہیں، تو وہ آج بھی قرون اولیٰ جیسی حالت اور سلف صالحین کی جیسی عظمت و فضیلت کے مالک بن سکتے ہیں۔

اللہ! اللہ!

عمر انصاری

اتنا دُنیا سے نرالا ہے کہ اللہ اللہ — وہ محمدؐ کا سراپا ہے کہ اللہ اللہ!

دیکھ لے ایک نظر جو، مہِ کامل ہو جائے — ایک اک نقشِ کفِ پا ہے کہ اللہ اللہ!

نام سے اُسکے نہ کیونکر ہو دلوں کو تسکیں — نام ہی جس کا کچھ ایسا ہے کہ اللہ اللہ!

دوست دشمن میں کرے فرق کوئی کِسکی مجال — موجزن فیض کا دریا ہے کہ اللہ اللہ!

رنگ اور نسل میں تقسیم، اسی دُنیا نے! — اک بشر ایسا بھی دیکھا ہے کہ اللہ اللہ!

ابرِ رحمت کا طلب گار کوئی ہو تو سہی — جھوم کر ایسا برستا ہے کہ اللہ اللہ!

ایک ہم، اپنی بھی جو آپ مدد کر نہ سکیں — اک وہ اللہ کا بندا ہے کہ اللہ اللہ!

دیکھ کر عرش پہ انساں کے قدم کیا کہئے — خود فرشتوں کا یہ کہنا ہے کہ اللہ اللہ!

ٹکڑے ہو جائے قمر، ڈوبتا سُورج لوٹ آئے — ایک اُنگلی کا اشارا ہے کہ اللہ اللہ!

ٹک نہیں سکتے کسی دشمن جاں کے بھی پاؤں — کرم و جُود کا دھارا ہے کہ اللہ اللہ!

اکدن بھی جو کوئی راہ میں کانٹے نہ بچھائے — دل میں یوں خار سا چُبھتا ہے کہ اللہ اللہ!

جمع ہوں لاکھ حسیں، آنکھ اُسی پر ٹھہرے — اتنا دلکش قدِ بالا ہے کہ اللہ اللہ!

کہیں ہیرا، کہیں مُوتی، کہیں انجم، کہیں پھول — گردِ پائے شہِ والا ہے کہ اللہ اللہ!

اک زمانہ، جسے بس اپنے بھلے سے مطلب — اک مرا گیسوؤں والا ہے کہ اللہ اللہ!

ہم کہیں بھی ہوں غلام آپکے کہلاتے ہیں
اتنا مضبوط یہ رشتہ ہے کہ اللہ اللہ!

تدوین حدیث

احمد علی خان کرستی
متعلم ــــ دارالعلوم دیوبند

موجودہ زمانہ میں جو پوری طرح فتنوں سے ہم آہنگ ہے، اسلام کے خلاف نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں۔ کہیں فتنۂ انکارِ حدیث، کہیں ختم نبوت کا فتنہ اور کہیں ضبط تولید اور کثرۃ الازدواجی پر الزام کا اور کہیں مسلم پرسنل لا میں ترمیم کا۔

اسلام اور اسکے ماننے والوں کو ہر ایک دور میں ان فتنوں کا استقبال کرنا پڑا ہے۔ عصر حاضر کا سب سے خطرناک و مہیب فتنہ 'انکارِ حدیث' ہے۔ بیچارے غریب و کم خواندہ مسلمانوں کو یہ باور ویقین کرایا جارہا ہے کہ حدیث کی کتابی تدوین آنحضرت صلعم کے دو سو سال، یا سو سال بعد ہوئی۔ یہی کیا بلکہ بعض پڑھے لکھے لوگ بھی بے جھجک اس سلسلہ میں امام بخاری وامام مسلم کی تاریخ پیدائش پیش کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح سے حدیث کی کتابی تدوین دو سو سال بعد بتاتے ہیں۔ محدثین کے بیانات کے مطابق بعض ارباب واقفیت بھی حدیث کا مدوّن اول ابن شہاب زہری کو بتاتے ہیں جنکا زمانہ سنہ کے اختتام کا ہے۔ اور اس طرح سے حدیث کی تدوین کو ایک سو سال بعد تک پیچھے ہٹا کر پیش کرتے ہیں۔

لیکن میرا دعویٰ ہے کہ حدیث کی کتابی تدوین دورِ نبوی و عہد صحابہ میں وجود پذیر ہو چکی تھی۔ اس دعوے کے ثبوت میں میرے پاس جو دلائل ہیں وہ اس مختصر مقالہ میں سپرد صفحۂ قرطاس کر کے نذر قارئین کرونگا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بتاؤنگا کہ تدوین حدیث کو کن کن دوروں سے گزرنا پڑا۔

اگرچہ دورِ نبوی و عصر صحابہ میں حدیث کی تدوین مرتب و مہذب طریقہ پر نہیں ہوئی تھی بلکہ سنت کو لوگ اپنے سینوں میں محفوظ رکھتے تھے جسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے صحابۂ کرام کو کتابت حدیث سے منع کر دیا تھا۔ جیسا کہ بعض صحیح احادیث اس پر دال ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ لا تکتبوا عنی شیئًا الا القرآن ومن کتب عنی شیئًا غیر القرآن فلیمحہ

حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول ؐ نے فرمایا کہ تم لوگ علاوہ قرآن کے میری جانب سے کچھ بھی نہ لکھو اور جس شخص نے علاوہ قرآن

کے میری جانب سے کچھ لکھ لیا ہے اسکو چاہیئے کہ اسے مٹا دے۔

اکثر علماء کرام نے اسکی تشریح کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ قرآن کا نزول ہو رہا تھا۔ اگر آپ حدیث کی کتابت کی اجازت دیدیتے تو التباس و اختلاط کا قوی اندیشہ تھا۔ اسی لئے آپ نے صحابہ کو کتابت حدیث سے منع کیا۔ پھر جب قرآن اختلاط و التباس سے محفوظ ہو گیا تو آپ کی جانب سے کتابت حدیث کی اجازت بھی صادر ہوئی جیسا کہ آپ نے ابوشاہ یمنی کیلئے عام فتح میں فرمایا۔

اکتبوا لابی شاہ — تم لوگ ابوشاہ کیلئے لکھ دو

نیز مرض وفات میں آپ نے فرمایا:

ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا فلا تضلوا بعدہ — تم لوگ میرے پاس کاغذ لے آؤ تاکہ میں تمہارے لئے ایک پرزہ لکھ دوں جس کی وجہ سے تم اس کے ہوتے ہوئے گمراہ نہ ہوگے۔

تو اس سے اتنی بات معلوم ہو گئی کہ ابتداء میں آپ نے کتابت سے منع فرما دیا تھا۔ پھر اسکے بعد اجازت دیدی تھی [1]

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ عہد صحابہ میں حدیث صرف سینوں میں موجود تھی اور اسکی تدوین نہیں ہوئی تھی۔ اتنی بات تو صحیح ہے کہ کیا اور مرتب و مبوب و مہذب طریقہ پر تدوین نہیں ہوئی تھی۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں تدوین حدیث کا کام باقاعدہ مقصد کے تحت شروع ہو چکا تھا۔ اور حدیث کے کئی مکتوب دور نبوی میں موجود تھے۔

کتابت حدیث کے چند دلائل

عن ابی جحیفۃ قال قلت لعلیؓ ھل عندکم کتاب قال لا الا کتاب اللہ او فھم اعطیہ رجل مسلم او ما فی ھذہ الصحیفۃ — ابو جحیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے کہا کہ تمہارے پاس کوئی کتاب ہے تو انہوں نے جواب دیا نہیں، مگر صرف کتاب اللہ ہے یا سمجھ ہے جو ایک مرد مسلمان کو دی گئی ہے، یا جو کچھ اس صحیفہ کے اندر ہے۔

اس صحیفہ میں دیت وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے۔

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثیں میرے پاس تھیں، سوائے ابن عمرؓ کے۔ ان کے پاس مجھ سے زیادہ حدیثیں اسلئے تھیں کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

عن ابی ھریرۃ یقول ما من اصحاب النبیؐ احد اکثر حدیثا منی الا ما کان عبد اللہ بن عمر فانہ کان یکتب ولا یکتب — ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثیں میرے پاس تھیں سوائے ابن عمرؓ کے۔ اس لئے کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ کے مشہور شاگرد رشید بشیر بن نہیک نے ان حدیثوں کا ایک نسخہ تیار کر کے خود انہیں سنایا تھا۔

عن بشیر بن نھیک قال کنت اکتب ما اسمع من ابی ھریرۃ فلما اردت ان افارقہ اتیتہ بکتابہ وقرأت علیہ وقلت لہ ھذا ما سمعت منک قال نعم — بشیر ابن نہیک فرماتے ہیں کہ میں ابوہریرہؓ سے جو حدیث سنتا تھا اسے قلم بند کر لیتا تھا۔ جب میں نے ان سے الگ ہونے کا ارادہ کیا تو انکی حدیثوں کو ان کے سامنے پڑھا اور آخر میں کہا کہ یہ وہ حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں تو بولے ہاں!

---

[1] نیز کاتبین کی تعداد کم تھی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں ارقام کیا ہے:

لان اکثرھم کانوا لا یعرفون الکتابۃ

آپ ہی کے دوسرے شاگرد ہمام بن منبہ نے بھی آپ کی حدیثوں کو جمع کیا تھا۔ جو صحیفہ ہمام کے نام سے مشہور ہیں۔ امام احمد بن حنبل نے اس کتاب کا ایک بڑا حصہ اپنی مسند میں داخل کردیا ہے۔

نیز عمرو بن امیہ کے صاحبزادے حسن بیان کرتے ہیں کہ :

تحدثت عند ابی ھریرۃ بحدیث	میں نے ابوہریرہ کے سامنے
فانکرہ فقلت انی قد سمعتہ	ایک حدیث بیان کی اُنہوں نے
منک فقال ان کنت سمعتہ	اسکا انکار کیا۔ میں نے عرض کیا
منی فھو مکتوب عندی فاخذ	کہ میں نے آپ ہی سے سُنا ہے بولے
بیدی الی بیتہ فارانا کتب	اگر تم نے مجھ سے حدیث سنی ہے تو
کثیرۃ من حدیث رسول اللہ	پھر وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہوگی
فوجد ذلک الحدیث فقال قد	پھر اُنہوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے
اخبرتک ان کنت حدثتک	کمرہ میں لیگئے اُنہوں نے مجھے آنحضرت
فھو مکتوب عندی	کی حدیثوں کی بہت سی کتابیں دکھائیں

اسی (ذخیرہ) میں وہ حدیث بھی پائی گئی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کے بعد فرمایا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں نے اگر تم سے کوئی حدیث بیان کی تھی تو وہ میرے پاس لکھی ہوئی ہے؟ اسی واقعہ کو حافظ ابن عبدالبر نے جامع میں بیان کیا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی ساری حدیثیں قلم بند تھیں اور آپ کی احادیث کی تعداد پانچ ہزار سے اوپر ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں :

قلت یارسول اللہ اکتب	میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول
ما اسمع منک قال نعم	میں جو بات آپ سے سُنا کروں اُسے لکھ
قلت فی الرضاء والغضب	لیا کروں، آپ نے کہا ہاں! میں نے
قال نعم فانی لا اقول فی	کہا غصہ اور رضا میں جو آپ کہتے ہیں
ذلک کلہ الا حقا	اُسے بھی! آپ نے فرمایا ہاں! بیشک

اس منہ سے ہمیشہ حق بات ہی نکلتی ہے

اس طور پر حضرت ابن عمرؓ کے ذریعہ جمع کردہ احادیث کی تعداد ۵۶۷۴ ہے۔

اور آپ کا یہ مجموعہ محدثین میں 'صحیفۃ الصادقۃ' کے نام سے مشہور ہے۔ اب ان اصحاب رسول کو سنئے جن کا شمار طبقۂ مکثرین میں ہوتا ہے۔ حضرت انسؓ کی روایات کی تعداد ۲۲۸۶ تک پہنچتی ہے۔

دارمی میں حضرت انسؓ سے یہ روایت منقول ہے کہ اپنی اولاد سے جن کی ایک بڑی تعداد تھی فرمایا کرتے تھے :

یا بنی قیدوا ھذا العلم	میرے بچو! اس علم حدیث کو قلم بند کرلیا کرو۔

صرف اسی قدر نہیں۔ دارمی ہی میں منقول ہے :

رایت ابان یکتب عند انس	میں نے ابانؔ کو دیکھا کہ حضرت انس کے پاس بیٹھے ہوئے لکھ رہے ہیں

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز مستدرک میں سعید بن ہلال کا بیان ہے :

کنا اذا اکثرنا علی انس
بن مالک فاخرج فما لا عندہ
فقال ھذہ سمعتھا من النبی
فکتبتھا و عرضتھا علیہ

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوت میں صحیفۂ صادقہ کے علاوہ حضرت انسؓ کی روایتوں کے قلم بند ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ یہ داستان اسی پر ختم نہیں ہوتی۔ حضرت انسؓ کی طرح دوسرے مکثر صحابی حضرت جابر بن عبداللہ ہیں۔ ان کی روایات کی تعداد ابن جوزی نے تلقیح میں ۱۵۰۰ لکھی ہے۔ حضرت جابرؓ کا مسجد نبوی میں درس کا ایک حلقہ قائم تھا اور اُنہوں نے حج کے متعلق ایک کتاب جمع کی تھی۔ نیز حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ان کے شاگرد وہب بن منبہ نے ان حدیثوں کو قلمبند کیا تھا۔ اسی طرح سلمان بن قیس لشکری نے بھی حضرت جابرؓ کی حدیثوں کا ایک مجموعہ تیار کیا تھا۔ شعبی اور سفیان وغیرہ نے اس مجموعہ کو قیس سے سنا بھی تھا۔

تدوین حدیث میں حضرت عائشہ رضؓ کا کارنامہ

عورتوں میں سب سے بڑی تعداد حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی حدیثوں کی ہے۔ محدثین نے ان کی حدیثوں کی تعداد دو ہزار دس بتائی ہے خود حضرت عائشہؓ کے متعلق تو ثابت نہیں کہ انہوں نے اپنی حدیثوں کو جمع کیا تھا۔ لیکن ان کے براہ راست شاگرد اور حقیقی بہن کے صاحبزادے عروہ ابن الزبیر (جو حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کے سب سے زیادہ جاننے والے تھے) کے متعلق مشہور ہے کہ شروع میں انہوں نے اپنے علم کو ایک کتاب میں قلم بند کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اسمیں حضرت عائشہؓ کی حدیثوں کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ ان کا سب سے بڑا سرمایہ یہی تھا۔

واقعہ حرہ میں جبکہ مدینہ لوٹا اور برباد کیا گیا، غلط فہمی کیوجہ سے انہوں نے قصداً اپنی کتاب ضائع کردی۔ بعد کو پچھتاتے تھے اور کہتے تھے:

لوددت انی کنت فدیتہا　　اچھا ہوتا کہ میں اپنے مال و
باھلی ومالی　　اہل و عیال کو اسی کتاب پر
(تہذیب ج ۱ ص ۱۰۲)　　فدا کردیتا۔

بہرحال اس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ عہد صحابۂ کرام میں حضرت عائشہؓ کا مجموعہ جمع ہو گیا تھا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس، جو کثیر الروایات صحابہ میں سے ہیں، جن کی روایات کی تعداد دو ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔ ان کے متعلق ابن سعد میں ہے کہ آنحضرتؐ کے غلام رافع فرماتے ہیں کہ یہ آنحضرتؐ کے کارنامے لکھا کرتے تھے۔ ان کے مشہور آزاد کردہ غلام عکرمہ سے امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب العلل میں نقل کی ہے:

ان نفرا قدموا علی ابن عباس　　حضرت ابن عباس کے پاس
من اھل الطائف بکتب من　　طائف کے کچھ لوگ انکی کتابوں کو
کتبہ فجعل یقرأ علیہم　　لیکر حاضر ہوئے اور ان کے سامنے

انکی کتابیں پڑھنے لگے۔

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی حیات ہی میں ان کی حدیثوں کا مجموعہ قلم بند ہو چکا تھا۔ لفظ کتب جو جمع کا صیغہ ہے قابل غور ہے۔ ایک کتاب نہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے چند کتابیں تیار کی تھیں۔

ابن سعد میں ہے کہ ابن عباس نے اپنی وفات کے بعد بارشتر علم چھوڑا۔ کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اس بارشتر علم میں ابن عباس کی حدیثوں کا ذخیرہ نہ ہو۔ خود ابن عباسؓ کے ممتاز ترین شاگرد سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں ان کی حدیثوں کو لکھا کرتا تھا، کاغذ ختم ہو جاتا تو جو چیز ملتی حتیٰ کہ ہاتھ پر لکھ لیتا تھا۔ اور گھر جا کر کاغذ پر اُتار لیتا تھا۔ تو اب اس کے بعد ابن عباسؓ کی شاید ہی کوئی حدیث لکھنے سے رہ گئی ہو۔

حضرت ابن عمرؓ کے متعلق تو یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچی کہ اُنہوں نے خود اپنی حدیثوں کا مجموعہ تیار کیا تھا۔ لیکن دارمی میں سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے

انہ رای نافعا مولی ابن　　ابن عمر کے غلام نافع کو دیکھا کہ
عمر علی علمہ ویکتب من　　لوگ اُن کے سامنے بیٹھ کر
بین یدیہ　　لکھ رہے ہیں۔

نافع حضرت ابن عمر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ تیس ۳۰ سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ امام مالک کی ان روایتوں کو جو وہ نافع ابن عمر کے ذریعہ سے روایت کرتے ہیں، سلسلۃ الذہب کہتے ہیں۔

اس طرح یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ابن عمر کی حدیثیں یقیناً ان کے براہ راست شاگرد نافع کے ذریعہ سے قلمبند ہوئی ہونگی۔

اب اس کے بعد ان لوگوں کا حال سنئے جو اس قدر کثیر الروایات نہ تھے۔ اسلئے تاکہ آپ کے سامنے یہ بات بالکل عیاں ہو کر آجائے کہ طبقہ مکثرین کے علاوہ اور لوگوں نے بھی حدیثیں جمع کی ہیں بلکہ ان کو خود آنحضرت صلعم نے لکھوایا ہے۔ دارمی میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے یمن والوں

مختلف قسم کے احکام ایک رسالہ کی شکل میں لکھوا کر بھیجے تھے۔

ان رسول اللہ کتب الی اھل الیمن ان لا یمس القرآن الا طاھرا ولا طلاق قبل ملاک ولا عتاق حتی یبتاعہ ص ۲۹۳

آنحضرت صلعم نے یمن والوں کو یہ لکھوا کر بھیجا کہ قرآن کو پاک آدمی کے سوا کوئی نہ چھوئے اور نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہے اور جبتک غلام خرید نہ جائے اسکے آزاد کرنے کے کوئی معنی نہیں

اسی طرح کنز الاعمال میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلعم عمرو بن حزم کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو ایک تحریر بھی اُن کے حوالے کردی تھی جسمیں فرائض، صدقات، دیات وغیرہ کے احکام لکھے ہوئے تھے۔

حافظ ابن حجر نے تہذیب میں حضرت سمرہ بن جندب کے صاحبزادے سلیمان بن سمرہ کے متعلق لکھا ہے۔

روی عن ابیہ نسخۃ کبیرۃ اپنے والد سے وہ ایک بڑا نسخہ روایت کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سمرہ کی حدیثیں بھی جمع ہو چکی تھیں خزرج کے مشہور و معروف سردار حضرت سعد بن عبادۃ کے پاس بھی ایک صحیفہ تھا، جس کے حوالہ سے ان کے صاحبزادے بعض روایتیں بیان کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی بھی اپنی حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ ان واقعات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ عہد نبوت و صحابہ میں حدیث کا بہت بڑا سرمایہ جمع ہو چکا تھا۔ تو محض لوگوں کا یہ قول کہ سب سے پہلے حدیث کی تدوین ابن شہاب زہری نے پہلی صدی کے اختتام پر عمر ابن عبد العزیز کے فرمان سے شروع کی، ہرگز ہرگز صحیح نہیں ہوسکتا۔ حدیث کی تدوین آنحضرتؐ کے زمانہ میں ہوچکی تھی گرچہ دواوین و رسائل کی شکل میں نہ ہوئی تھی۔ اور نہ ہی ترتیب ملحوظ تھی۔ بعد میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی طرف توجہ و رغبت ہوتی گئی خصوصاً جبکہ روافض، خوارج و معتزلہ وغیرہ کے مہیب فتنے سر ابھارنے لگے۔ تو اُس وقت اسکی احتیاج زیادہ محسوس ہوئی۔

تدوین حدیث مختلف ادوار میں

سنہ ۹۹ھ میں حضرت عمر ابن عبد العزیز مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو آپ نے اپنی تمام قلمرو میں حکم نافذ کر دیا کہ احادیث لکھی جائیں۔ روایات کو مدون کیا جائے۔ مجامع میں کثرت سے پڑھی جائیں۔ اللہ کے نیک بندے اس کار خیر کے لئے ہمہ تن آمادہ ہوگئے۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی محمد ابن شہاب زہری ہیں۔ جنھوں نے اس کار خیر کو شروع کیا۔

بعضوں نے کہا کہ سب سے پہلے عمر ابن عبد العزیز کے حکم کی تعمیل کرنے والے محمد ابو بکر بن حزم ہیں۔

بہرحال اس وقت سے جمع کرنے کا کام شروع ہوا اور سنہ ۱۵۰ھ تک جاری رہا۔ لیکن سنہ ۱۵۰ھ گزر جانے کے بعد جمع کردہ روایات میں ترتیب کا لحاظ بھی کیا جانے لگا۔ اول اول کیف ما اتفق جمع کا اہتمام ہوتا تھا، ترتیب ملحوظ خاطر نہ تھی۔ جیسے موطا امام مالک مصنف عبد الرزاق کتاب المغازی لابن اسحاق۔

تو معلوم ہوا کہ حدیث کے چار دور ہوئے۔ ایک دور صحابہ کا ہے جسمیں حدیث کی کتابت ہوئی۔ دوسرا دور سنہ ۱۱ھ سے لے کر سنہ ۱۵۰ھ تک جس میں حدیثیں جمع کی گئیں۔ تیسرا دور سنہ ۱۵۰ھ سے لیکر سنہ ۲۰۰ھ تک جسمیں ترتیب کا لحاظ کیا گیا۔ چوتھا دور سنہ ۲۰۰ھ کے بعد کا ہے۔ جسمیں یہ خیال پیدا ہوا کہ مرفوعہ، مقطوعہ، موقوفہ روایتیں چونکہ خلط ملط ہیں اسلئے ایسی تصانیف کی ضرورت ہے کہ جنمیں روایتیں مرفوعہ ہوں۔ اس کا احساس سب سے زیادہ امام بخاری کو ہوا۔ اور اُنھوں نے بخاری شریف کی تصنیف کی۔

دور اول کو چھوڑ کر تینوں ادوار کو امام سیوطی نے اس شعر میں جمع کیا ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ اُن لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کے سروں پر اولیت کا سہرا ہے۔

اول جامع الحدیث والاثر ابو شہاب امر لہ عمر

واھل الجامع لاجواب	جماعۃ فی العصر و اقتراب
کابن جریج و ھشیم و مالک	و معمر و ولد المبارک
واھل الجامع باقتصار	علی الصحیح فقط البخاری

اس کے بعد یہ بات بھی ذکر کرنے کے قابل ہے کہ حدیث کی کتابوں کی تدوین کی ترتیب بلحاظ تقدم و تاخر کی گئی ہے۔

اولین کتب احادیث:

اسلام میں سب سے پہلی کتاب حدیث کے سلسلہ میں کتاب ابن جریج ہے جو کہ مکہ میں تصنیف کی گئی۔ پھر اس کے بعد کتاب معمر بن راشد الصنعانی، یمن میں تصنیف کی گئی۔ پھر مدینہ منورہ میں موطا امام مالک پھر ابن عیینہ نے کتاب الجامع، التفسیر جمع کی۔

پھر اس کے بعد مسانید کی تصنیف کا دوسرا دور شروع ہوا تو اسمیں سب سے پہلے عبد اللہ بن موسیٰ العبسی (جنکی ولادت ۱۲۰ھ کے بعد ہے اور وفات ۲۱۳ھ میں ہے) نے مسند کو تصنیف کیا۔ پھر اس کے بعد نعیم الدین حماد خزاعی، اور امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ و عثمان بن ابی شیبہ نے بھی کتابیں تصنیف کیں۔

سنن میں سب سے پہلی کتاب ابوداؤد ہے جیسا کہ خطابی نے ذکر کیا ہے۔ اور جامع میں سب سے پہلی کتاب بخاری ہے۔

اس ترتیب سے یکے بعد دیگرے ان کتابوں کی تدوین ہوئی ہے:

احمدِ مرسل کا پیغام

اختر بستوی

جن کے ہونٹوں پہ ہے انصاف و مساوات کی بات
ابنِ آدم کے لئے عدل کی سوغات کی بات!

جن کی خواہش ہے کہ ہر فرد بشر ہو خوشحال
حق نہ ہو پائے زمانے میں کسی کا پامال

جن کو دُھن یہ کہ ہو دولت کی برابر تقسیم!
تاکہ محتاج پہ چل پائے نہ تلوارِ غنیم

اُن سے کہئے کہ یہ سب ہوگا بہ فیضِ اسلام
اُن سے کہئے کہ محمدؐ کا وہ سُن لیں پیغام

لائے تھے احمدِ مُرسل جو پیامِ رحمت
اُس سے بن سکتی ہے انسانوں کی بگڑی قسمت

آج اپنائے وہ پیغام جو انسان کا سماج
اُس کے سر پر ہو اُخوت کا چمکتا ہوا تاج

فرقِ افلاس و امارت کا فنا ہو جائے
آدمی پیکرِ اخلاص و وفا ہو جائے

کوئی ظالم نہو، جابر نہ ہو، سفاک نہ ہو
بزمِ عالم میں کوئی دیدۂ نمناک نہ ہو

آئیے! دہر میں پھیلائیں محمدؐ کا پیام
جس سے جمہور کو حاصل ہو خدا کا انعام

ڈاکٹر محمد حمید اللہ
(پیرس)

طاقت کے وقت نرمی
کمزوری کے وقت
ہمت و ایثار!

انبیا سلف علیہم السّلام کے حالات کا ہمیں بہت کم علم ہے۔ قرآن مجید میں مثلاً حضرت آدمؑ و ادریسؑ و نوحؑ کی حد تک کسی جنگی تبلیغ کا پتہ نہیں چلتا اور شاید چلنا بھی نہیں چاہیئے کہ انبیاء اپنے خاندان یا قبیلے ہی کی اصلاح چاہتے تھے۔ اور اُن کے نیز بعد کے زمانہ میں نافرمان خدائی عذاب اور آفات سماوی کا شکار ہو کر کیفر کردار کو پہنچتے رہے۔ ابراہیمؑ و موسیٰؑ مایوسی کے عالم میں محض ہجرت کرتے ہیں۔ اُنہوں نے بھی تبلیغ کی کشمکش میں شمشیر کی صورت نہ دیکھی۔

عملی اور حقیقت پسندانہ نقطۂ نظر سے جانچو، تو ان انبیاء کو ایسے پیرو ہی نہ ملے جو مخالفوں سے کشمکش میں سینہ سپر ہو سکیں۔ حضرت موسیٰؑ کے نافرمان ساتھی تو اِذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَا کا ضرب المثل جملہ کہنے سے باک نہ کرتے تھے۔ بہ ظاہر جس واحد نبیؑ کو ہم قرآنی شہادت میں قتال فی سبیل اللہ کرتے دیکھتے ہیں وہ حضرت اشموئیلؑ ہیں۔ جن کا ذکر پارۂ سیقول کے آخر میں ہے۔ اُن سے بنی اسرائیل کہتے ہیں:

> ہمارے لئے ایک بادشاہ برپا کر تا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑیں اور اللہ کی راہ میں ہم کیوں نہ لڑیں گے جبکہ ہمیں اپنے گھروں اور بال بچوں سے باہر کیا ہے۔

اسے زیادہ سے زیادہ انتقامی اور دفاعی جنگ کہہ سکتے ہیں۔ وہ مبنی فضلہ اور بے نفسانہ جنگ جس کا نشانہ نہ اہل و عیال ہو، نہ مال و منال اور نہ ہی شہرت یا حمیت۔ بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ یا ایثار۔ جس میں جان و مال و آبرو ہر چیز اللہ کے لئے اور اللہ کے حکم سے قربان کر دی جائے۔ اس کا پتہ رسول عربی سے پہلے نہیں چلتا۔

انسانی تاریخ جنگوں سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن وہ جنگ جس کا مقصد نہ جہانگیری اور نہ اقتدار کی ہوس ہو بڑا دل گردہ چاہتی ہے۔ رسول اکرمؐ نے صرف ایک جنگ کی اجازت دی وہ جو اللہ کی راہ میں ہو کسی صحابی نے پوچھا:

من فی سبیل اللہ؟ قال من قاتل لتکون کلمۃ اللہ هي العلياء

اللہ کی راہ میں کون ہے؟ —— فرمایا وہ جو اسلئے لڑائی کرے کہ اللہ ہی کا بول بالا ہو۔

یہ صحیح ہے کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیم جو مروجہ انجیل میں ملتی ہے وہ انسانی سلطیت کا اعلیٰ نمونہ ہے کہ ایک گال پر لے تھپڑ طمانچہ [illegible]

دوسرا گال پیش کر دو۔ لیکن اگر وہ حضرت داؤدؑ یا سلیمانؑ کے جانشین ہوئے ہوتے تو کیا کرتے؟

زمانہ حال میں بھی بعض بزرگ عدم تشدد کا پرچار کرتے رہے لیکن صرف اُس وقت تک جبتک قومی اثرے مقابلہ تھا اور ہاتھ میں فوج اور ہتھیار نہ تھے۔

اللہ کی راہ میں لڑائی یہ نہیں ہے کہ کمزور کو دیکھ کر جی للچائے اور اُسے دبوچ لے۔ بھیڑیا بھی یہی کرتا ہے۔

رسول عربی کا قول و فعل

اسلام نے اپنے پیروؤں پر جہاد فرض کیا ہے۔ اس اصطلاح کے لفظی معنی کشمکش کے ہیں، جو بہت وسیع مفہوم ہے اور جس میں بزور بازو اصلاح کرنا، زبان سے کلمۂ حق کہنا۔ بے بسی کے عالم میں کم از کم دل ہی سے بُرائی کو بُرائی سمجھنا، سب داخل ہیں۔ ہر چیز کا وقت ہوتا ہے۔ اور ہر شخص کو موقع و حالات کے لحاظ سے کبھی کچھ کئے بغیر چارہ بھی نہیں۔ آدمی حقیقت پسند نہ ہو تو مقصد کو حاصل بھی نہ کرسکے۔

رسول اکرمؐ اور آپ کے پیروؤں کو ہجرت سے قبل مکہ میں کیا کچھ اذیت نہ دی گئی۔ اور جیسے جیسے یہ ہجرت کرتے جاتے تھے ان کی جائداد منقولہ ہو کر غیر منقولہ کس طرح قرق نہ ہوتی گئی۔ جب خود آنحضرتؐ ہجرت فرماتے ہیں تو آپ کے پاس جو کثیر رقمیں امانت تھیں اُن کو آپ انتقاماً بھی ساتھ لے کر مدینے فرار ہو سکتے تھے۔ مگر آپ نے جو کیا اُس سے خود بیسویں صدی کے مہذب انسان کو (چاہے گورا ہو یا کالا) شرمانا پڑتا ہے۔

آپ بدر میں تشریف فرما ہیں۔ ابوجہل کی سرداری میں تعداد میں تگنا ساز و سامان میں دس گنا دشمن لشکر چڑھائی کرتا ہے۔ مورخ بلاذری نے "انساب الاشراف" میں ایک کم معروف مگر اہم تفصیل درج کی ہے۔

آنحضرتؐ نے قریش کے لشکر کو کہلا بھیجا کہ مکہ واپس چلے جائیں کیونکہ آپ اُن سے لڑنا نہیں چاہتے۔ جب اُدھر سے انکار ہوا تو مجبوراً لڑائی کرنی ہی پڑی۔ تگنے دشمن کو شکست فاش دینے کے بعد جب ستر اسی آدمی گرفتار ہوئے تو ان سب کو تلوار کے گھاٹ اُتارنے میں کوئی امر مانع نہ تھا۔ اور شاید مسلمان حق بجانب بھی ہوتے مگر مقصد انتقام تھا اور نہ درندگی و خونخواری۔ اگر ان سب کو یونہی چھوڑ دیا جاتا تو شاید وہ بھی، افراد کی فطرتوں میں تفاوت کے باعث مقصد کو فوت کر دیتا۔ اسلئے قیدیوں سے برتاؤ بھی مختلف رہا۔ شریفوں کو محض اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ آئندہ آپؐ کے خلاف ہتھیار نہ اُٹھائیں گے۔ اسلحہ فروش مالداروں سے فدیہ میں ہتھیار مانگے گئے۔ سرمایہ داروں سے رقم مانگی گئی۔ پڑھے لکھوں سے کہا گیا کہ ہر شخص دس دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔

صرف دو قیدیوں کو جو بدر کی چڑھائی کے اصل ذمہ دار تھے اور ہر طرح کے جبر اور طنز وغیرہ کے ذریعہ ہچکچانے والوں کو ورغلا کر لائے تھے اور جن کی اُفتاد طبع سے اسکی توقع ہی نہ تھی کہ کسی نرمی یا رعایت سے وہ کچھ بھی متاثر ہونگے۔ صرف ایسے دو آدمیوں کو مستقبل کے خوف سے سزائے موت دی گئی۔

بنو النضیر کے یہودیوں نے بدعہدی سے گزر کر غداری کا اقدام کیا تھا۔ آنحضرتؐ کو اُنھوں نے ہجرت پر راضی خوشی اپنی شہری مملکت کا سردار تسلیم کیا تھا۔ لیکن جب ایک مرتبہ آپ اُن کے محلے میں گئے اور دھوپ سے بچنے کے لئے ایک برج کے سائے میں تشریف فرما ہوئے ان اللہ کے بندوں کو اسکی بھی توفیق نہ ہوئی تھی کہ اپنے صدر مملکت کو کسی گھر میں بٹھا کر گفتگو کریں، تو برج پر سے ایک بڑا پتھر گرا کر آپ کو قتل کرنے کی تدبیر ہوئی۔

جب ہر طرح کی سرزوری اور جنگی مقاومت کے باوجود [illegible] یہ سزا ملی کہ کہیں اور چلے جائیں اور پورا مال و متاع ساتھ لے جائیں۔ حتےٰ کہ مسلمانوں کو دیے ہوئے قرضے بھی واپس حاصل کر لیں تو اس رعایت کا بدلہ یوں دیا کہ سارے عرب کو مدینے پر چڑھا لائے اور معرکۂ خندق میں

مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آ گئے۔ اس انتہائی نازک اور زندگی و موت کی
کشمکش میں اندرون مدینہ کے بنو قریظہ نے عین دم آخر غداری کی۔
اور چاہا کہ مسلمانوں پر اندر سے ٹوٹ پڑیں۔ (اور خندق وغیرہ کا سارا
دفاعی نظام بیکار کر دیں۔ انہیں بڑی قرابت سے ایک دن روکا
گیا۔ دوسرے دن یوم سبت (سنیچر) تھا جس میں یہودی اس زمانہ
میں جنگ نہ کرتے تھے۔ تیسرے دن عربوں کے حرام مہینے (ذیقعدہ تا
محرم) شروع ہو رہے تھے اس طرح لڑائی ختم ہو گئی۔

پروفیسر ونسنک نے جو خود یہودی تھا، یہ معقول سوال کیا ہے
کہ بنو النضیر کے ساتھ رعایت کے تلخ تجربوں کے بعد کیا بنو قریظہ کی قوت
بھی انہیں مخالفوں کی طاقت میں اضافہ کیلئے چھوڑ دی جا سکتی، مگر
آنحضرتؐ نے پھر بھی نرمی دکھائی اور فرمایا کہ:

"ان یہودیوں ہی کے ایک سابق دوست اور حلیفہ کو
پنچ ٹھہرایا جائے اور وہ جو بھی فیصلہ کرے وہ ہی
نافذ کیا جائے۔"

اگر بنو قریظہ خود آنحضرتؐ کو حکم بناتے تو شاید رحمۃ اللعالمینی کا مظاہرہ
ہوتا۔ بہرحال اس پنچ نے کوئی خاص سختی نہ کی اور صرف یہ حکم دیا کہ:

"توریت میں حضرت موسیٰؑ کو مغلوب دشمن سے برتاؤ کا
جو حکم دیا گیا ہے" ـــ (دیکھو توریت کتاب تثنیہ
Deutronomy فصل ۲۰ فقرہ ۱۰ تا ۱۴) ـــ وہی عمل
میں لایا جائے۔"

گویا یہودی اپنے دشمنوں سے جو برتاؤ کرتے ہیں وہی برتاؤ ان سے کیا جائے۔

فتح مکہ شاید انسانی جہاد کا مثالی ہے۔ اکیس سال سے مسلسل
اہل مکہ مسلمانوں کو روز افزوں بے وجہ ستاتے چلے آ رہے ہیں۔ اس کی
داستان سے سب واقف ہیں۔ جب آنحضرتؐ نے اپنے وطن کو جہاں سے
جلاوطنی پر آپ کو مجبور کیا گیا تھا، فاتحانہ واپس آئے! تو جو برتاؤ عمل
میں آیا اس کا بیسویں صدی کا "مہذب انسان" تصور بھی نہیں کر سکتا۔
فوجی دستے شہر کی طرف بڑھے تو یہ منادی کیا تھا کہ:

"جو اپنے گھر میں بیٹھ رہے اُسے امان ہے، جو ہتھیار
ڈال دے اُسے امان ہے۔ جو حرم کعبہ میں چلا جائے
اُسے امان ہے، جو سردار شہر ابوسفیانؓ کے گھر میں چلا جائے
اُسے امان ہے۔"

شہر پر قبضہ مکمل ہو جانے کے بعد، بستی کی ساری آبادی بلائی گئی اور آنحضرت
نے اُس سے پوچھا کہ وہ کس برتاؤ کی توقع کرتی ہے؟ آنحضرتؐ سب کے قتل
عام کا حکم دے سکتے تھے۔ ساری جائداد لوٹ سکتے تھے، سارے لوگوں
کو غلام بنانے کا بھی فیصلہ فرما سکتے تھے۔ مگر آپ نے صرف یہ فرمایا کہ

"جاؤ! تم پر کوئی گرفت نہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

اس نفسیاتی لمحہ میں، فوراً ہی لوگ بکثرت مسلمان ہو گئے۔ اُس میں سب
سے پہلے ایک مشہور و متمرّد سردار عتاب تھا۔

آنحضرت صلعم کے اس اشارے سے چند لمحہ پہلے جب حضرت بلالؓ
نے کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان دی تو عتاب نے کہا تھا:

"خدا کا شکر ہے کہ میرا باپ آج زندہ نہیں ورنہ وہ
اس نہیق حمار (یعنی حضرت بلالؓ کی اذان) کو برداشت
نہ کر سکتا۔"

جب عفو عام کے اعلان پر سب سے پہلے عتاب نے آگے بڑھ کر
اپنا تعارف کرایا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا تو اس کے جواب میں
آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اچھا! تو میں تم کو مکہ کا گورنر مامور کرتا ہوں"

تو مفتوحہ شہر وہیں کے ایک کٹر مسلم دشمن کے سپرد کر دیا جاتا ہے اور
چند دن بعد مدینہ کا ایک واحد سپاہی تک بھی چھوڑنا غیر ضروری خیال
کیا جاتا ہے

ولمثل ھذا فلیعمل العاملون

طاقت کے وقت نرمی مگر نرمی کے وقت بہت ایثار یہ ہے اسلامی جہاد!

لہ مشہور تابعی ثابت البنانی نے لکھا ہے کہ قبل ہجرت مکہ کے لونڈے آنحضرتؐ کا مذاق اڑاتے
اور آپ پر سنگباری کرتے اور آپ ابوسفیان کے گھر میں گھس جاتے تو وہاں آپ کو امن ملتا۔

آپ کے سارے خاندان کیلئے
پی۔ وی۔ سی
سینڈل اور جوتے
کینوس اور پلاسٹک
کے
جھولے
بھی دستیاب ہوتے ہیں!
مناسب قیمت پر
وحید شو سنٹر مصری بازار کانپور

سجدۂ نیاز!

حُرمت الاکرام

سرورِ کائنات ﷺ کے حضور!

بجا کہ بے خبرِ کائنات دل ہو کر
مجھے ہے فخر کہ بزمِ خرد کا نور ہوں میں
بجا کہ وسعتِ قلب و نظر کے پردے میں
اسیرِ فکر ہوں، زندانیٔ شعور ہوں میں
بجا کہ واقفِ منزل نہیں قدم میرے
جو راہ تم نے بتائی تھی، اُس سے دُور ہوں میں
حضور! اپنی خطا سے نہیں مجھے انکار!
مگر، یہ کیسے بتاؤں کہ بے قصور ہوں میں

حضور! جانبِ منزل بڑھوں تو کیسے بڑھوں
کہ دور، دور کوئی راستہ نہیں ملتا
قدم قدم پہ اُٹھائے گئے ہیں وہ طوفاں
کہ اک چراغ بھی جلتا ہوا نہیں ملتا
لٹ گئے جو مراحل میں دھڑکنیں اپنی
وہ قافلے ہیں کہاں، کچھ پتہ نہیں ملتا
نہ دور ہوتی ہے ظلمت، نہ پھیلتی ہے ضیا
دلوں کو سوزِ طلب کا صلہ نہیں ملتا

کہوں یہ کیسے آسودگانِ سادہ دلی
رہِ حیات میں نقدِ حیات کھو بیٹھے
ہیں تشنہ لب کہ متاعِ سراب کے بدلے
فروغِ دجلہ و نیل و فرات کھو بیٹھے
سرشتِ کوہ فگن ہے نہ جذبِ مہر شکار
بلند کوشیٔ عزم و ثبات کھو بیٹھے
حدود کو عوضِ دو جہاں بنا ڈالا
جہات کی ہے خوشی، شش جہات کھو بیٹھے

یہ کیا بتاؤں کہ گھونٹا گیا گلا کیسے
مجاہدوں کی زمانہ ستیز فطرت کا
زر و گہر کو بنا کر اساسِ استحکام
غرور توڑ دیا فقر کی صلابت کا
دلوں کو کر دیا بے گانۂ یدِ الٰہی
بنا کے پاسباں تہذیب کی امانت کا
وہ آگہی جو بناتی تھی نار کو گلزار
شکار ہو گئی نیرنگیٔ سیاست کا

حضور! میں بھی ہوں اک موج اُسی سمندر کی
زمانہ گزرا ۔ نہیں جس میں اضطراب کوئی
حضور! ہے اُسی بستی میں میرا بھی مسکن
بلند ہو نہ سکا جس پہ آفتاب کوئی
حضور! جانیے کس طرح کا ہے یہ زنداں
سوال کیجے تو ملتا نہیں جواب کوئی
حضور! اُنہیں سے گنتی مری بھی جنکے پاس
خود اپنے سود و زیاں کا نہیں حساب کوئی

حضور! مجھ کو حوادث کے اس تسلسل میں
کہوں یہ کیسے کہ تمیزِ خیر و شر نہ رہی
حضور! شعلوں سے کھیلا ضرور ہوں، لیکن
کہوں یہ کیسے کہ انجام پر نظر نہ رہی
حضور! کیسے یہ کہہ دوں کہ منزلِ شب میں
ضیائے دیدہ و دل شاملِ سفر نہ رہی
مگر ــــ شدید تھا شبخونِ تیرگی اتنا
کسی کی کیا کہ مجھے اپنی بھی خبر نہ رہی

★

حضور! اپنی خطا سے نہیں مجھے انکار
عرق عرق ہے ندامت سے گمرہی میری
حضور! سعیٔ تلافی میں ہے مگر مصروف
نکل کے کتنے شکنجوں سے زندگی میری
حضور! اک اُفقِ تازہ کی تلاش میں ہے
تجلیوں کی امانت لیئے خودی میری
حضور! آئی ہے اک سجدۂ نیاز لیئے
تمھارے سامنے تمکینِ سرکشی میری

فرازِ وقت سے اک بار پھر صدا دی ہے
حقیقتوں نے غمِ جاں کی لَو بڑھا دی ہے

انجم عثمانی

ربیع الاول وہ بابرکت مہینہ ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور اُسکی رہنمائی کے لئے آقائے نامدار سرور کائنات حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

یہی وہ قابل احترام ماہ ہے جسمیں اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ظلمتوں تیرگیوں کے خاتمے اور راہ حق کے روشن کرنے کیلئے دنیا کے سب سے عظیم انسان، کل جہان کی سب سے بڑی شخصیت، انسانی دنیا کے رہبر اعظم کو متلاشیان حق کی رہبری کیلئے شریعت کاملہ کے ساتھ دنیا میں بھیجا۔

آپ کی بعثت مبارکہ سے قبل دنیا گمراہی کا گہوارہ بنی ہوئی تھی جہالت اور بیجا وغیر مفید رسومات کا ظلمت کدہ بن چکی تھی۔ سابقہ دینوں کی اصل شکل وصورت اس درجہ مسخ کردی گئی تھی کہ پہچاننا دشوار تھا۔ کل انسانی معاشرہ ایک غیر تمدنی اور مشرکانہ طور طریق کے مہلک مرض میں مبتلا تھا۔ آپ تشریف لائے اور آپ نے دنیا کو گمراہی کی ظلمتوں کے گہرے کھنڈوں سے نکال کر صراط مستقیم دکھائی۔ اور بہت ہی قلیل مدت میں رشد وہدایت کی بند راہیں کھول کر انسانیت کو راہ راست پر لگا دیا۔ آپ نے دنیا میں تشریف لاکر انسانی فلاح وبہبود کے لئے خداوند کریم کے احکام کے مطابق اس پیغام کو دنیا تک پہنچایا۔ خود ان احکامات پر عمل فرمایا اور دوسروں کو اسکی تلقین کی۔

اس ظلمت کدہ جہان میں ایمان اور ہدایت کی شمع کو گھر گھر روشن کرنے میں خدا تعالےٰ کی سب سے زیادہ پسندیدہ اور محبوب شخصیت کو ہر قسم کی مشکلات وصعوبات کو برداشت کرنا پڑا۔ لوگوں کی لعن طعن اور اقربا کی روگردانی سے پیدا شدہ ذہنی اور روحانی کوفت سے لیکر جسمانی شقتوں اور اذیتوں تک پر آپ کے ماتھے پر بل نہ آتے۔ کسی کی زیادتی پر انتقامی کارروائی کے بجائے آپ اُسکو دعاؤں سے نوازتے۔ ان پُرخار راہوں میں آپ نے نہایت خندہ پیشانی بہادری، ایمانداری، جرأت ومحبت کے ساتھ دُنیا کو وفا اور اخلاق کا درس لافانی دیا۔ مخالفتوں کی ہزار آندھیوں کے باوجود حق کی شمع کو روشن رکھا۔ اور اسکی مقدس روشنی میں عالم کو رضائے الٰہی کی راہ دکھلائی۔

جو خوش بخت لوگ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ تعلیمات سے آگاہ ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے وہ دیکھتے ہی دیکھتے دینی و دنیاوی اُن بلندیوں سے سرفراز ہوئے کہ وقت کی بڑی سے بڑی جابر وسرکش حکومت ان کے زیر نگیں آگئی۔ تمام جہان ایمان کی مقدس روشنی سے جگمگا اٹھا۔ ایک دنیا نے حق وصداقت کی آواز سے آواز ملائی۔ اور آپ کے جذبۂ عشق میں اس درجہ ترقی پائی کہ اپنا جان مال، اولاد تک کی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے جو عقیدت اور محبت مسلمانوں کو ہے دنیا کی ہر قوم اسکی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی ہے۔ محبت رسول کا یہ درجہ کہ بغیر اُسکے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مسلمان کے علاوہ اور کوئی قوم اپنے پیشوا کے بارے میں اس درجہ محبت نہیں رکھتی، اور اس محبت و عقیدت کا نتیجہ ہے کہ چودہ سو سال سے شمع ایمان نہ جانے کتنے ان گنت لوگوں کے قلوب منور کئے ہوئے ہے۔

ایک وقت تھا کہ مسلمان کے قول و عمل کا تضاد ناممکن تھا لیکن جب سے مسلمان کے قول و عمل میں تضاد رونما ہوا، تب سے وہ دن بدن قعر ذلت میں گرتے چلے گئے۔ ہم نے اپنی بد اعمالیوں اور نمائش پرستانہ ذہنیت کی وجہ سے اپنی روشن ترین تاریخ اور قابل ستائش ماضی کے باوجود اپنا دبدبہ اور اپنا وقار تباہ کر لیا۔

ایک زمانہ تھا کہ مسلمان کا نام آتے ہی ذہن کے پردے پر شرافت، نجابت، علم، خوش اخلاقی، بہادری، عفو اور ایمانداری کا پیکر اُبھرتا تھا۔ ہم اپنے کارہائے نمایاں اور ممتاز روایات کی بنا پر زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھے۔ ہمارا معاشرہ، تہذیب و تمدن، اخلاق و مروت اور اتحاد سے آراستہ تھا۔ اور یہ تمام بلندیاں صرف اسلئے حاصل تھیں کہ ہم اُسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند تھے۔ لیکن یہ جذبۂ اطاعت آج ہم میں مفقود دکھائی دیتا ہے۔

عید میلاد النبیؐ کے مقدس دن کی تقریبات ہی کو لے لیجئے۔ اسے اس طور پر منانے کا حکم اسلام میں کہیں مذکور نہیں اس پر تقدس روز کو رسمی تقریبات میں تبدیل کر دینے کا جواز حضور صلے اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام کے کسی بھی عمل سے ثابت نہیں۔ عاشقان رسول کا دور مبارک، اس روز کی اس قسم کی تقریبات سے خالی نظر آتا ہے۔ جبکہ اتباع رسول میں صحابہ کرام کے مرتبہ کو کون پہنچ سکتا ہے؟ خیر القرن کے ان برگزیدہ حضرات کا عشق رسول اور محبت الٰہی بن ظاہر ہے کہ کون مقابلہ کر سکتا ہے، کہ جنہیں بارگاہ ایزدی میں "رضی اللہ عنہم" کے مقدس خطاب سے نوازا گیا۔

مسلمان کیلئے اس سے بڑھ کر اور سعادت کیا ہو سکتی ہے؟ کہ وہ ہر لمحہ ہر وقت آپ کے اخلاق حسنہ اور اُسوۂ مبارک کا تذکرہ کرتے رہیں۔ لوگوں کو ان کی تعلیمات کی دعوت دیں آپ کے بتائے ہوئے راستے پر خود چلیں اور دوسروں کو اسکی تلقین کریں۔ آپ کی سیرت طیبہ سے بڑھ کر مسلمان کے لئے کون سی چیز ہو سکتی ہے؟ آپ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ حرز جان اور لائق التفات و تقلید ہے۔ لیکن اسکا یہ طریق کسی صورت میں پسندیدہ نہیں کہ ہم محض سال میں ایک جلسے جلوس، برقی قمقموں کی روشنی اور صرف اس قسم کے ہنگامے منعقد کر کے اپنے اپنے فرائض کو محض رسمی تقریبات کی صورت میں منا کر خوش ہو جائیں۔ کیا بازاروں، گھروں، مسجدوں، مدرسوں اور مختلف مقامات پر گل بوٹوں سے محرابیں بنانے اور ایک ہنڈیا میں کچھ پکا کر تقسیم کر دینے سے وہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے جس کا یہ مبارک دن متقاضی ہے۔ اور جس کا حکم مسلمانوں کو ان الفاظ میں دیا گیا ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ من کان یرجو اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا (الآیۃ)

افسوس کہ ہم میں حقیقت مفقود ہوتی جاتی ہے۔ اور محض رسمی تقریبات کے مناظر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ جنھیں اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور جن کو نہ صرف یہ کہ آقائے نامدار نے خود کبھی اختیار نہیں کیا۔ بلکہ ان کے کرنے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا۔

ان رسمی تقریبات اور عبادت کے فقدان نے اُسوۂ رسول کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ:

"... اے محمد! ان سے کہہ دو کہ اگر تم اللہ کی محبت
چاہتے ہو، تو میری اتباع کرو۔"

کیا تابعداری صرف یہی ہے کہ سال میں ایک روز صرف جلسے جلوس کر لئے جائیں اور سال کے باقی دنوں میں ہم فرائض تک سے مفر اختیار کریں۔ حقوق اللہ کا احترام کریں نہ حقوق العباد کا خیال؟

کیا تابعداری صرف یہی ہے کہ جگہ جگہ صرف روشنی کیجائے، چاہے دلوں میں نورِ حق کی رمق بھی نہ ہو۔ اور اس مقدس عبادت کے دن کو محض رسمی تقریبات کی طرح گزار دیا جائے؟

ظاہر ہے کہ ایسا نہیں! اس مقدس دن کا تقاضا ہرگز ہرگز صرف یہ نہیں ہے۔ بلکہ اس دن کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم زندگی کے ہر لمحہ اور ساعت میں اُسوۂ رسولؐ پر کاربند رہیں۔ آپ کی بتائی ہوئی راہوں کو اختیار کریں۔ ہم کو اللہ تعالےٰ کے حکم اور نبی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے فرمان کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے، کہ عقیدت و محبت کا یہ رسمی طریقہ کہاں تک درست ہے؟

اس دن کو رسمی طور پر منا کر ہم رضائے خدا اور رسول کے حصول میں کہاں تک کامیاب رہ سکتے ہیں؟

—— اور ہم کہاں تک احکام الٰہی اور اسوۂ رسول کی پابندی کر رہے ہیں؟

خداوند کریم ہم سب کو اُسوۂ رسول کو سمجھنے، اُس پر عمل کرنے اور حضور کی سیرت طیبہ کو حیات کے ہر لمحہ، زندگی کے ہر شعبہ میں سمونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وما التوفیق الا باللہ

احسانِ رسولؐ

(واحد پریمی)

کیا سبق دیتا ہے فرمانِ رسول — بھول بیٹھے ہم غلامانِ رسول
تاجدارِ انبیاء ہیں شاہِ دیں — کیا بیاں پھر ہو سکے شانِ رسول
گمرہی کا اُن کو کیونکر خوف ہو — تھام لیتے ہیں جو دامانِ رسول
ساری دنیا کو دیا درسِ خلوص — ساری دنیا پہ ہے احسانِ رسول
آج تک آنکھیں مری بے نور ہیں — کاش دیکھوں میں شبستانِ رسول
اُسکو کیا باغِ ارم مرغوب ہو — جس نے دیکھا ہے گلستانِ رسول
روشنی لیتے ہیں جس سے مہر و ماہ — مرحبا روئے درخشانِ رسول
وہ بہک جائے کبھی ممکن نہیں — مان لے جو دل سے فرمانِ رسول

دل میں ہے روزِ ازل سے جذبِ عشق
کیوں نہ ہو واحد [illegible]
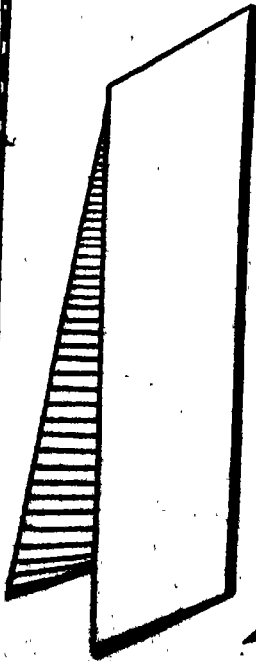
واحد فیاضی جلالپوری
الف: ڈی

آپ کی قلمی تصویر!

درمیانہ قد۔ گندمی رنگ۔ متبسم چہرہ۔ گلابی رخسار، کشادہ پیشانی۔ ستواں ناک، سرگیں چشم۔ غزالی آنکھیں، سیاہ پتلیاں، دراز پلکیں، خم دار ابرو، گنجان بھویں، اور آنکھوں کی سفیدی میں سرخ سرخ ڈورے۔

سیاہ زلفیں۔ گنجان ڈاڑھی۔ ڈھلا بدن، تراشیدہ گردن، معتدل سر، گھونگریالے بال۔ یاقوتی لب، شگفتہ ہونٹ اور اولے کی طرح چمکتے ہوئے باریک دانت۔

چوڑا سینہ۔ مونڈھوں تک بال۔ بھری کلائیاں۔ گداز ہتھیلیاں۔ سبک انگلیاں، خوبصورت پورے۔ چکنے چکنے گلابی ناخن، جیسے انگلیوں کی شاخ پہ کھلے ہوئے گلاب کی حسین پنکھڑیاں۔

قدرے طول مائل قد۔ آفتابی چہرہ، سرخی مائل سفید رنگ۔ گلاب کی طرح تر و تازہ رخسار۔ چاند کی طرح چھوٹتی کرنیں۔ انتہا سے زیادہ پُروقار چال۔ عطر سے زیادہ خوشبودار پسینہ۔ سینے سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک خوبصورت لکیر اور پشت پر دونوں مونڈھوں کے درمیان کبوتر کے انڈے کے برابر خاتمِ نبوت۔

پہونچوں تک آستینیں۔ ٹخنوں سے اونچا کرتہ۔ کرتہ کا کھلا ہوا تکمہ۔ سر پر سیاہ عمامہ۔ پیوند لگی لنگی۔ داہنے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی۔ حبشی نگینہ۔ انگوٹھی میں رسول اللہ کا نقش۔ پاؤں میں تسمے دار جوتا۔ بدن پر بوسیدہ چادر۔ پاؤں میں سیاہ رنگ کا سادہ موزہ۔ اور ۶۳ سال کی پختہ عمر ——— !

یہ ہیں اُن کے خد و خال اور کوائف و احوال! ——— جن کی تلاش میں روز سورج نکلتا اور ڈوبتا ہے، جن کا نام لینا بھی گستاخی سے کم نہیں! ؎

هزار بار بشویم دهن ز مشک و گلاب
هنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

دنیا کے تمام فضل و کمالات کا مظہر و مصدر، بلکہ خدا کے بعد تمام بلندیاں جہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں۔ جہاں الفاظ و اقلام بھی جذبات و خیالات کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، اور جن کے حسنِ بے پایاں کے سامنے دل و نگاہ کا بھی دامن تنگ نظر آتا ہے۔

داماں نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار ... گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

قدرت نے اپنی تمام فیاضیاں جن کے حسن کی تکمیل کے لئے ختم کردیں۔ بقول شاعر ؎

رنگ، خوشبو، صبا، چاند تارے، کرن، پھول، شبنم، شفق، آبجو، چاندنی
اُن کی دلکش جوانی کی تکمیل میں، حُسنِ فطرت کی ہر چیز کام آگئی

گویا کائنات رنگ و بُو کی رعنائیاں اور رنگینیاں سمٹ کر انسان بن گئی تھیں۔ جس کو ساری دُنیا:

"محمّد"

جیسے مقدس و پوتر نام سے یاد کرتی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

جن کے حسن و جمال کی تصویر کشی ناممکن! جن کے فضل و کمال کا ذکر الفاظ کی گرفت سے باہر۔ ان کو کیا کسی چیز سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ جن سے خود تمام تشبیہات نے جنم لیا ہو۔ لغت کا دامن اپنی تمامتر وسعتوں کے باوجود بھی تنگ نظر آتا ہے۔

جن کے بارے میں بڑے سے بڑا ادیب بھی بہت کچھ کہنے کے بعد، چند لمحے کے لئے احساس کمتری میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ ایسا محسوس کرتا ہے کہ جیسے اس نے بہت کچھ کہنے کے باوجود بھی ابھی کچھ کہا نہیں، اور زبان بیساختہ پکار اٹھتی ہے ؎

یا صاحب الجمال و یا سید البشر — من وجهك المنير لقد نور القمر
لا یمکن الثناء کما کان حقہ — بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

؎ اے حسن و جمال والے انسانوں کے بادشاہ۔ آپ کے روئے روشن کی وجہ سے چاند بھی چمک اٹھا۔ آپ کی تعریف آپ کے شایان شان جیسا کہ اس کا حق ہے ممکن ہی نہیں، ہاں! مختصر سی بات یہ ہے کہ خدا کے بعد آپ ہی سب کچھ ہیں (یعنی خدا کے بعد آپ ہی کا درجہ ہے)

"آفتاب آمد دلیل آفتاب"

جناب ہاشمی

مسجد اقصیٰ سے تا عرش عُلیٰ ہے بار یاب — محفل قوسین ہے اور صاحب اُم الکتاب
گر پڑے سب کے بُل، عُزّیٰ، ہُبل، لات و منات — کوہِ فاراں پر رسالت کا جو چمکا آفتاب
سارا عالم آپ کے جلووں سے روشن ہوگیا — کیوں نہ کہئے ـــــ "آفتاب آمد دلیل آفتاب"
آپ کے اصحاب ہیں مثل نجوم و کہکشاں — "اقتدیتم اهتدیتم" قول صادق لاجواب
انتم الاعلون کی تفسیر سے واقف نہیں — مرد مومن کس طرح سے ہوسکے گا کامیاب
کیا کہوں اے دوست تجھ سے عالم بیم و رجا — اپنے عصیاں بیشمار اور اُسکی رحمت بے حساب

دل میں پیدا کر محبت اُس شہ لولاک کی
اس جہانِ آب و گل میں کیا دھرا ہے اے حباب

محمد بدیع الزماں
ڈپٹی مجسٹریٹ ـــــ کریم گنج گیا (بہار)

اُردو شعراء

سرورِ کائناتؐ کے حضور میں

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد و بعثت پر، مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں کروڑہا انسان خراجِ عقیدت پیش کرتے چلے آئے ہیں۔ اور تا قیامت کرتے رہیں گے۔ اُردو زبان دنیا کے ایک بہت بڑے خطے ہندوستان کی زبان رہی ہے۔ چنانچہ نثر میں اُردو زبان میں کثیر تعداد میں کتابیں لکھی گئیں۔ مگر اس زبان کو یہ بھی فخر حاصل ہے کہ نعتیہ کلام کا اس میں اس قدر کثیر ذخیرہ موجود ہے کہ اگر اُسے جمع کیا جائے تو ہزاروں جلدیں ہو سکتی ہیں۔ اُن سب کا ایک مختصر مضمون میں احاطہ کرنا ناممکن ہے۔ اگر کچھ مستند شعراء کا ایسا کلام بھی قارئین کیلئے باعثِ فیض ہوگا۔

امیر مینائی کے نذرانۂ عقیدت کے چند پھول ملاحظہ ہوں:

ہر پھول میں ہے جلوۂ رخسارِ محمدؐ
ہر آنکھ کہاں قابل دیدارِ محمدؐ
کہتی تھی صبا دیکھ کے رخسارِ محمدؐ
ان پھولوں سے سرسبز ہے گلزارِ محمدؐ
اللہ کے دیدار کے لطف اُسنے اُٹھائے
جس دل کو ملی لذتِ دیدارِ محمدؐ

سعدی شیرازی کی ایک رباعی پر امیر مینائی تضمین یوں ہے:

جود و سخا بہ رضائے رب، قمرِ سما رسخائے رب
شجرِ ریاضِ رضائے رب ثمرِ نہالِ ولائے رب
گلِ باغِ نشو و نمائے رب نگہِ آشنائے ادائے رب
بہ کمالِ شوقِ لقائے رب، بہ ہمائے اوج ہوا ئے رب
بلغ العلیٰ بکمالہ، کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ، صلوا علیہ و آلہ
شبِ جشنِ خالقِ بحر و بر، جو طلب ہوئی تو بندہ ہی کر
صفِ انبیاء کی اِدھر اُدھر، وہ ہجوم میں صفِ قمر
چمنِ جناں کے کھلے تھے در، لگے جھومنے شجر و ثمر
ہوئے جبرئیل جو راہ بر، تو سوار ہو کے بُراق پر
بلغ العلیٰ بکمالہ، کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ، صلوا علیہ و آلہ
ہوئے آپ داخلِ بزم ہو۔ وہ جو بزم [illegible] بو
نبی و ملائکِ نامور [illegible] رہے آستانے پہ سر فرو

بلغ العلیٰ بکمالہٖ ، کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ ، صلّوا علیہ وآلہٖ

اُردو کی مشہور مثنوی "سحر البیان" میں میر حسن نے سرورِ کائنات کے حضور میں یوں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

نبی کون، یعنی رسولِ کریمؐ — نبوت کے دریا کا دُرِّ یتیم!
ہوا گو کہ ظاہر میں اُمّی لقب — پہ علمِ لدنی کھلا دل پہ سب
بغیر از لکھے اور کہے بے رقم — چلے حکم پر اُس کے لوح و قلم
ہوا علمِ دیں اُس کا جو آشکار — گزشتہ ہوئے حکم تقویم پار
کیا حق نے نبیوں کا سردار اُسے — بنایا نبوت کا حقدار اُسے
نبوت جو کی اُس نے حق پہ تمام — کہا اشرف الناس خیر الانام
کہوں اُس کے رتبہ کا کیا میں بیاں — کھڑے ہوں جہاں باندھ صف مرسلاں
مسیح اُس کے خرگاہ کا پارہ دوز — تجلی طور اُس کی مشعل فروز
خلیلؑ اُس کے گلزار کا باغباں — سلیمانؑ سے کئی مہرہ دار اُس کے واں
خضرؑ اُس کی سرکار کا آبدار — زرہ ساز داؤدؑ سے واں ہزار
محمدؐ کے مانند جگ میں نہیں — ہوا ہے نہ ایسا نہ ہوگا کہیں
یہ تھی رمز جو اُس کے سایہ نہ تھا — کہ رنگِ دوئی واں تک آیا نہ تھا
نہ ہونے کے سایہ کا تھا یہ سبب — ہو اصرف پوشش میں کعبہ کی سب
وہ قد اس لئے تھا نہ سایہ فگن — کہ تھا گل وہ اک معجزے کا بدن
جہاں تک کہ تھے یاں کے اہلِ نظر — سمجھ مایۂ نور کحل البصر
سبھوں نے لیا پتلیوں پر اُٹھا — زمیں پر نہ سائے کو گرنے دیا
سیاہی کا پتلی کی ہے یہ سبب — وہی سایہ پھرتا ہے آنکھوں میں اب
وگرنہ یہ تھی چشم اپنی کہاں — اُسی سے یہ روشن ہے سارا جہاں
نظر سے جو غائب وہ سایہ رہا — ملائک کے دل میں سمایا رہا

مولانا ظفر علیخاں اُردو کے اُن چند شعراء میں ہیں جنہوں نے زیادہ نعتیں لکھی ہیں۔ وہ قبل از آزادیٔ ہند ملک کے چوٹی کے سیاسی رہنما ادیب، لاہور سے شائع ہونے والے مشہور اُردو روزنامہ "زمیندار" (پنجاب میں زمیندار رعیت کو کہا جاتا ہے) کے مالک و ایڈیٹر بھی تھے

اُن کی ایک نعت کے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

اے خاورِ حجاز کے رخشندہ آفتاب
صبحِ ازل ہے تیری تجلّی سے فیض یاب
چُوما ہے قدسیوں نے ترے آستان کو
تھامی ہے آسمان نے جھک کر تری رکاب
شایاں ہے تجھ کو سرورِ کونین کا لقب
نازاں ہے تجھ پہ رحمتِ دارین کا خطاب
برسا ہے شرق و غرب پہ ابرِ کرم ترا
آدمؑ کی نسل پر ترے احساں ہیں بے حساب
زینت ازل کی ہے تو، ہے رونق ابد کی تو
دونوں میں جلوہ ریز ہے تیرا ہی رنگ و آب
خیر البشر ہے تو، تو ہے خیر الامم وہ کون
جس کو ہے تیری ذاتِ گرامی سے انتساب

اُردو شاعری میں محسنؔ کاکوروی کی "سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل" بھی ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ نعت طویل ہے، چند اشعار یہ ہیں:

سمتِ کاشی سے چلا جانبِ متھرا بادل
برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی
وائے کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی
کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
دیکھئے ہوں گے سری کرشن کے درشن کیونکر
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بے کل
شاہدِ کفر ہے کھڑے سے الٹے گھونگھٹ
چشمِ ساقی ہے لگائے ہوئے کاجل
[illegible]

چشمک برق سے کرتا ہے اشارہ بادل
محسن اب کیجئے گلزارِ مناجات کی سیر
کہ اجابت کا چلا آتا ہے گھرتا بادل

مرے ایمان مفصل کا یہی ہے مجمل
شکل تیری نظر آئے مجھے جب آئے اجل
روح سے میری کہیں پیار سے یوں عزرائیل
کہ میری جان مدینے کو جو چلتی ہے تو چل
دمِ مردن یہ اشارہ ہو شفاعت کا تری
فکر فردا کی نہ کر، دیکھ لیا جائے گا کل
یادِ آئینۂ رخسار سے حیرت ہو مجھے
گوشۂ قبر نظر آئے مجھے شیش محل

محشر بدایونی کا نعتیہ کلام بھی اُردو شاعری کا ایک بیش بہا حصّہ ہے۔ ان کی نعتیں بھی کئی ہیں۔ صرف ایک کے چند اشعار پیش ہیں۔

اے مہرِ عرب، اے ماہِ عجم! تو جس کا سہارا ہو جائے
یہ ساری خدائی کیا شے ہے، اللہ بھی اُسکا ہو جائے
کیا کہئے تیرے پھر آنے سے، گلزارِ جہاں کیا ہو جائے
گل زرش پا انداز بنے، کلیوں کا بچھونا ہو جائے
سو بار مدینے کو جاؤں، تب شوق کو سیری ہوتی ہے
دل نذرِ مدینہ کر آؤں، یا دل ہی مدینہ ہو جائے
مذہب اُسکا، ایماں اُسکا، خالق اُسکا، قرآں اُسکا
پیوند لگی کملی والے، تو جس کا سہارا ہو جائے
اے محشر ہم اس دنیا میں جنت کی دعائیں کیا مانگیں
جب چاہیں مدینہ دیکھ آئیں، جنت کا نظارا ہو جائے

مولانا حالی کی "مد و جزرِ اسلام" موسوم بہ مسدسِ حالی جس قدر مشہور ہے، اسی قدر انکی مسدس کا یہ حصہ بھی، جو سیدھے سادے الفاظ میں اُسوۂ حسنہ کو مختصر میں منظوم کرنے کی ایک مثال بھی ہے

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مسِ خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اسکی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غُل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اُٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

جدید شعراء میں بھی نعت گویوں کی لمبی فہرست ہے۔ ان میں حسرت موہانی بھی ہیں۔ اُنکی ایک نعت کے چند اشعار

مظہرِ شانِ کبریا، صلِ علیٰ محمد
آئینۂ خدا نما، صلِ علیٰ محمد

موجبِ نازِ عارفاں، باعثِ فخرِ صادقاں
سرورِ زمرۂ انبیاء، صلِ علیٰ محمد
مرکزِ عشق و دلکشا، مصدرِ حسن جانفزا
صورت و سیرتِ خدا، صلِ علیٰ محمد
مونسِ دل شکستگاں، پشت پناہِ خستگاں
شافعِ عرصۂ جزا، صلِ علیٰ محمد

حسرتؔ اگر ہو تجھے بخشش حق کی آرزو
وردِ زباں رہے سدا، صلّ علیٰ محمدٍ

شکیلؔ بدایونی کی بھی ایک مشہور نعت یہ ہے:

پھر لبوں تک آستاں بوسی کے ارماں آگئے
پھر ملک بہرِ طوافِ کوئے جاناں آگئے
نورِ مطلق باعثِ تخلیقِ انساں آگئے
ہاں وہی سرتا بہ پا تفسیرِ قرآں آگئے
پے بہ پے دیتے ہوئے تدریسِ ایماں آگئے
دمبدم کرتے ہوئے باطل کو لرزاں آگئے
ہاں [illegible] بارِ نبوت، خاتمِ پیغمبراں
دولتِ کون و مکاں ہے جس پہ قرباں آگئے
جن کی صورت سے عیاں، رعبِ جلالِ ہاشمی!
فاتحِ بدر و اُحد وہ مردِ میداں آگئے
لوحِ دنیا سے نشانِ غم مٹانے کے لئے
بے نواؤں، خستہ حالوں کے نگہباں آگئے

متقدمین میں میرؔ کی بھی ایک نعت کے چند اشعار قابلِ قدر ہیں

ثنا جانِ پاک محمدؐ کے تئیں   درود و تحیات احمدؐ کے تئیں
رسولِ خدا سرورِ انبیاء   زہے حشمت و جاہ صلِّ علیٰ
دیا مجلسِ کبریا کا ہے وہ   شرف دودمانِ قضا کا ہے وہ
درود آل پر اُسکے ہر صبح و شام

نظیرؔ لدھیانوی جو متاخرین میں اپنے طرزِ بیان اور زبان میں ایک منفرد شخصیت کے حامل ہیں۔ ان کے نعتیہ کلام کا ایک اچھا حصہ ہے۔ کچھ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

سرائے دہر میں گردوں سے پیغامِ رحیل آیا
مسیحا دم ہوا پیدا، دل جانِ خلیل آیا
ریاضِ دہر پہ چھایا، سحابِ رحمتِ باری
خوشا قسمت گنہگارانِ اُمت کا کفیل آیا
ضیائے حُسن سے روشن ہوا کاشانۂ ہستی
منیرِ بے نظیر آیا، جمیلِ بے عدیل آیا
چمن میں مئے پرستوں نے سُنے فردوس کے نغمے
لبِ جوئے رواں لطفِ کنارِ سلسبیل آیا
ابابیلوں نے نوچے بال و پرِ شہباز و شاہیں کے
جہاں کو یاد پھر افسانۂ اصحابِ فیل آیا
ہوئی طاغوتیوں پہ حملہ آور فوجِ یزدانی
نویدِ فتح لے کر آسماں سے جبرئیل آیا
نبوّت کی گھٹا چھائی فرازِ کوہِ فاراں پر
عیاں ہونے لگا رازِ الٰہی چشمِ انساں پر

مرزا دبیرؔ، مرزا انیسؔ کے تتبع میں ایک رجز میں فرماتے ہیں۔

کوثر کی آبرو ہوں میں رضواں کی آبرو
رضواں کی آبرو، میں مسلماں کی آبرو
مومن کی آبرو ہوں میں، ایماں کی آبرو
ایماں کی آبرو ہوں میں، قرآں کی آبرو
قرآں کی آبرو ہوں، تو آدم کا فخر ہوں
آدم کا فخر ہوں، تو دو عالم کا فخر ہوں
عالم کا فخر ہوں کہ میں عالی وقار ہوں
عالی وقار ہوں کہ میں حق پر نثار ہوں
حق پر نثار ہوں کہ میں طاعت گزار ہوں
طاعت گزار ہوں کہ میں اُلفت شعار ہوں
اُلفت شعار ہوں کہ میں عاشق خدا کا ہوں
عاشق خدا کا ہوں کہ میں دل مصطفےٰ کا ہوں

حفیظؔ جالندھری نے بھی، جنکا شاہنامۂ اسلام اُردو ادب کا ایک لافانی شاہکار ہے، نعتیں لکھی ہیں۔ ایک نعت کے چند اشعار پیش ہیں۔

سلام اے آمنہ کے لال، اے محبوب سبحانی
سلام اے فخر موجودات، فخر نوع انسانی
سلام اے ظلِ رحمانی، سلام اے نور یزدانی
ترا نقشِ قدم ہے زندگی کی لوح پیشانی!
سلام اے صاحبِ خلقِ عظیم انساں کو سکھلا دے
یہی اعمالِ پاکیزہ، یہی اشغالِ روحانی
زمانہ منتظر ہے، اب نئی شیرازہ بندی کا
بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی
زمیں کا گوشہ گوشہ، نور سے معمور ہو جائے!
ترے پرتو سے مل جائے ہر اک ذرہ کو تابانی

بادی مچھلی شہری کی ایک نعت:

کہاں رتبہ یہ تابانی میں ہے روحِ درخشاں کا
ہے روئے مصطفےٰ مظہر جمالِ پاک یزداں کا
یہی ذاتِ مقدس باعثِ تخلیق عالم ہے
منور جس سے ہے ایک ایک گوشہ بزم امکاں کا
خدا نے رحمۃ اللعالمیں کا جو لقب بخشا!
بنایا آپ کو سرتاج ساری نسل انساں کا
جہانِ قدس میں وہ آپ کی ذات گرامی ہے
ہوا شیرازہ برہم جس سے کفر و شرک و عصیاں کا
خدا شاہد ہے، خود میراث اُسکی ہو گئی جنت
جسے بادی ہوا حاصل توسل اُن کے داماں کا

عزیز لکھنوی کا نذرانۂ عقیدت ملاحظہ ہو۔

اک دل ہے سو دیوانۂ گفتارِ محمد
آنکھیں ہیں سو محو شمع رخسارِ محمد
باقی نہ رہا فرق یہاں شاہ و گدا میں
دربار مساوات ہے، سرکار محمد
اس اُمتِ عاصی کو سرِ عرصۂ محشر
کافی ہے بس اک سایۂ دیوارِ محمد
رتبہ یہ عزیز اُن کا سرِ عرش معلّی
خالق نے بلا کر کیا دیدارِ محمد

شاعر لکھنوی کی نعتوں کے چند اشعار

اللہ رے ذکرِ شہِ ابرار کا عالم
اب اور ہی کچھ ہے در و دیوار کا عالم
خود تختِ رسالت پہ مگر دوش پہ کملی
عالم سے جدا ہے مرے سرکار کا عالم
اک صبح ازل کی ہے تو اک شام ابد کی
اے صلِّ علیٰ گیسو و رخسار کا عالم

نظیر اکبر آبادی کی ایک نعت کے چند اشعار پیش ہیں۔

تم ظہورِ اوّلیں ہو یا محمد مصطفےٰ!
تم دمِ جاں آفریں ہو یا محمد مصطفےٰ
وجہِ قرآنِ مبیں ہو، یا محمد مصطفےٰ
نزہتِ بُستانِ دیں ہو یا محمد مصطفےٰ
زینتِ خلدِ بریں ہو یا محمد مصطفےٰ
آپ کے نقشِ قدم سے جو مشرف ہو زمیں
دیکھتا ہے اُسکی رفعت رات دن عرشِ بریں
راز تو خلقت کے تم کو سب کھلے ہیں شاہِ دیں
اور بھی جو کچھ کہ ہیں اسرار رب العالمیں
سب کے تم برحق امیں ہو یا محمد مصطفےٰ
مخبرِ صادق ہو تم اور حضرت خیر الوریٰ
صاحب ہر دوسرا ہو، شافع روز جزا
ہے تمھاری ذات والا منبع لطف و عطا
اور محشر میں ہو تم سب کی مدد کا آسرا!
یاں بھی تم واں بھی تمہیں ہو یا محمد مصطفےٰ

اُردو شاعری میں یہ امتیاز صرف اقبال کو حاصل ہے کہ غزل ہو یا نظم، رباعی ہو یا مثنوی سب کے پس منظر میں روح محمدی ہی کارفرما ہے۔ "شب معراج" کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اخترِ شام کی آتی ہے فلک سے آواز
سجدہ کرتی ہے سحر جس کو وہ ہے آج کی رات
رہِ یک گام ہے ہمت کے لئے عرشِ بریں
کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات

نظم "بلادِ اسلامیہ" کے چند اشعار ؎

وہ زمیں ہے تو مگر اے خواب گاہِ مصطفےٰ
دید ہے کعبہ کو تیری حجِ اکبر کے سوا
خاتمِ ہستی میں تو تاباں ہے مانندِ نگیں!
اپنی عظمت کی ولادت گاہ تھی تیری زمیں
تجھ میں راحت اُس شہنشاہِ معظم کو ملی!!
جس کے دامن میں اماں اقوامِ عالم کو ملی

نام لیوا جس کے شاہنشاہِ عالم کے ہوئے
جانشیں قیصر کے، وارث مسندِ جم کے ہوئے
آہ یثرب! دیس ہے مسلم کا تو! ماویٰ ہے تو
نقطۂ جاذبِ تاثر کی شعاعوں کا ہے تو
جبتلک باقی ہے تو دنیا میں باقی ہم بھی ہیں
صبح ہے تو اس چمن میں گوہرِ شبنم بھی ہیں

اقبال کی معرکۃ الآرا طنزیہ نظمیں شکوہ و جواب شکوہ ہیں موخرالذکر میں مسلمانوں کو اُنکی ابتری و زوال کا ذمہ دار، احکام محمدی سے منحرف ہوجانا ہی قرار دیتے ہیں۔ کہتے ہیں ؎

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں ❊ کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے ❊ دہر میں اسمِ محمدؐ سے اُجالا کر دے

اور جواب شکوہ کا آخری شعر ہے ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
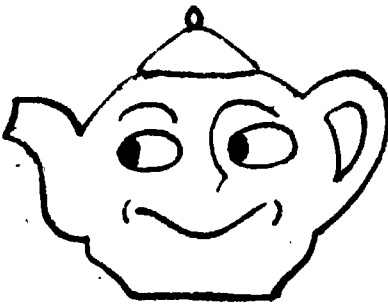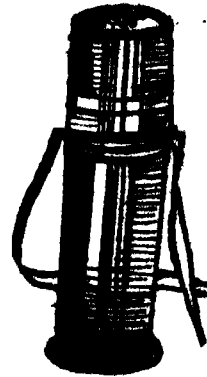
احمد علی خاں کرُستی
دارالعلوم دیوبند

پیکرِ عفو و کرم!

کے

دو ۲ واقعے!

آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے اقصائے عالم پر گمراہی و ضلالت کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ باطل کی تند و تیز ہوائیں چل رہی تھیں۔ ذرہ ذرہ پر سیاہ کاری کی چھاپ لگی ہوئی تھی۔ خدا پرستی کی بزم سنسان پڑی ہوئی تھی۔ روحانیت کی فضا ویران ہو چکی تھی۔ محبت و مروت کی نہریں خشک ہو گئی تھیں۔ اخلاق و مکارم کا لہلہاتا چمن نذرِ خزاں ہو چکا تھا۔ ایمان و یقین کی شمعیں بجھ چکی تھیں۔ نور و ہدایت کی فانوسیں ٹمٹما کر اپنا وجود کھو چکی تھیں بے حیائی و بے غیرتی ہر سو رقص کر رہی تھی۔ آبگینۂ عفت و عصمت کی کوئی قیمت نہ تھی۔ شیطنت کی راجدھانی اور کفر و شرک کی حکمرانی تھی۔ کمزوروں کا کوئی سہارا نہ تھا۔ اور نہ کوئی اُن کی سننے والا تھا۔ نالہ و شیون کرتے تھے، مگر بے سود۔ آہ و بکا کے دھوئیں بلند کرتے تھے۔ مگر ہوا میں مل کر فضا میں منتشر ہو جاتے تھے۔ کرب و غم کی صدائیں اٹھاتے تھے۔ مگر بے کسی کی در و دیوار سے ٹکرا کر پلٹ جاتی تھیں۔ مالداروں کو مظالم سے روکنے والا کوئی نہ تھا ہر طرف ظلم و جور کے نقارے بج رہے تھے۔ عدل و انصاف کی سُریلی آواز کہیں سنائی نہ دیتی تھی۔ کرۂ ارض کشت و خون، فتنہ و فساد کا کرۂ نار بنا ہوا تھا۔ انسانیت کی کھیتی سوکھ چکی تھی۔ مے نوشی و قمار بازی مسجودِ ملائک کا اوڑھنا بچھونا بن چکی تھی۔ سارا ماحول گناہوں سے بالکل سیاہ ہو چکا تھا۔ امن و امان غائب ہو چکا تھا۔ بھلائیاں منہ چھپانے کی جگہ تلاش کر رہی تھیں کہ ؎

یکایک ہوئی غیرتِ حق کو حرکت بڑھا جانبِ بوقبیس ابرِ رحمت
ادا خاکِ بطحا نے کی وہ ودیعت چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت

ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نویدِ مسیحا

پھر کیا تھا، ہر ایک کو اُسکا حق ملنے لگا۔ سوکھی کھیتیاں لہلہا اٹھیں خدا پرستی کی بزم میں انبوہ جمع ہونے لگا۔ ظلم و جور کے ستارے پھوٹ گئے۔ کمزوروں کو ایک مقام مل گیا۔ امن و امان، عدل و انصاف، مساوات و مواخات کا ڈنکا بجنے لگا۔ برائیاں اور قباحتیں [illegible] کیطرح غائب ہو گئیں۔ سارا ماحول نورِ ایمان کی تابانی سے روشن ہو گیا۔ چمنستانِ اخلاق میں بہار آ گئی۔ روحانیت کی فضا ویرانیت سے خالی ہو گئی۔ محبت و مروت کی نہریں جاری ہو گئیں ایمان و یقین کی شمعیں روشن ہو گئیں۔ پورے نظام پر [illegible]

ایمان واسلام کی راجدھانی قائم ہوگئی۔ لیکن حزب باطل سے یہ تبدیلی دیکھی نہ گئی۔ اور وہ اپنے محسن کی جو اس نظام کو لایا تھا جانی دشمن ہوگئیں تکلیفیں دیں اذیتیں پہنچائیں تاکہ وہ پیغمبر اعظم اس عظیم مقصد سے باز آجائے۔ لیکن اس کے برعکس جدوجہد کی رفتار بڑھتی جارہی تھی۔

"حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی"

جب یہ دیکھا کہ اذیتیں اور تکالیف پہونچانے کی تدابیر سے کوئی فائدہ نہیں ہورہا ہے تو ہر شخص نے اپنے دل میں ٹھان لیا کہ محمدؐ کو العیاذ باللہ قتل کردیا جائے۔ تاکہ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔ ہر شخص جناب رسول اللہ صلعم کی مخالفت میں شعلہ جوالہ بنا ہوا تھا۔ موقع کا متلاشی تھا۔ کہ موقع ملے اور میں محمدؐ کا کام تمام کردوں۔

کفار مشرکین کی نیندیں حرام ہوگئی تھیں۔ سرگرداں پھرتے تھے کہ ہوسکتا ہے کہ کہیں رسول اللہ صلعم مل جائیں اور اُن کو نیست ونابود کردیں۔ ان کا یہ جذبہ دن بدن بڑھتا جارہا تھا کہ جناب رسول اللہ صلعم کی ایک غزوہ سے واپسی ہورہی تھی۔ سفر کی تھکان، دھوپ کی تمازت، ریگستان کی تپش نے استراحت کیلئے راستہ میں ٹھہرنے پر مجبور کردیا۔

جناب رسول اللہ صلعم اور آپ کا لشکر ایک باغ میں آرام کرنے کے لئے گھس گیا۔ ہر شخص نے اپنے اپنے لئے ایک سایہ دار درخت کو پسند فرما لیا۔ اور استراحت کی غرض سے اس کے نیچے لیٹ گیا۔ جناب محمد رسول اللہ صلعم بھی ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے اور اپنی تلوار مبارک اس درخت کی شاخ سے لٹکادی۔ سارے لوگ الگ سورہے تھے۔ کہ ایک مشرک اُدھر سے گزرا اور یہ منظر دیکھ کر کہ رسول صلعم سورہے ہیں اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکی ہوئی ہے۔ بہت خوش ہوا کہ اچھا موقع ملا۔ اب محمدؐ کو مجھ سے کوئی بچا نہ سکے گا۔

اس ارادہ اور خیال کو لئے ہوئے اس درخت کے نیچے آیا۔ جہاں آنحضرت صلعم استراحت فرمارہے تھے۔ تلوار کو درخت کی شاخ سے اُتارا اور کھینچکر کہا ——— کہ اے محمدؐ! میرے ہاتھ سے اب تمہیں کون بچائے گا؟ رسول اللہ صلعم مسکرا کر بارعب آواز میں بولے کہ "اللہ مجھے بچائے گا"۔ یہ آواز سنتے ہی اس مشرک کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے تلوار اُٹھالی اور بولے کہ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا؟

وہ مشرک خوف کی وجہ سے تھر تھر کانپ رہا تھا، خاموش کھڑا ہوا اپنی موت کا انتظار کررہا تھا۔ تلوار کو ملک الموت کی شکل میں دیکھ کر بُری طرح سے اُس کے چہرے پر یاس وناامیدی کے آثار نمایاں تھے۔ لیکن ایک لمحہ کے بعد وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ یاس وناامیدی بشاشتی میں تبدیل ہوچکی تھی۔ اُسے دوبارہ زندگی مل چکی تھی۔ وہ شرمارہا تھا کہ جس کو میں نے قتل کرنا چاہا تھا، اسی نے مجھے معاف کردیا۔ جناب رسول اللہ صلعم کے اس عفو وکرم سے بیحد متاثر ہوا اور بعد میں حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

یہ عفو وکرم کا واقعہ، اس کرۂ ارضی پر واقعی عدیم المثال تھا اسکی نظیر چشم فلک نے کبھی نہ دیکھی۔ اور نہ دیکھے گی۔ لیکن جس ذات کا واقعہ تھا اُس کے بارہ میں اتنی بات کوئی حیرت واستعجاب کی بات نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اسکی پوری زندگی ان واقعات سے بھری پڑی ہوئی ہے۔

نبوت مل جانے کے بعد جناب محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نو سال تک مکہ معظمہ میں دین کی تبلیغ واشاعت کی۔ لیکن بہت کم لوگوں نے اس مدت میں اسلام کا دامن مبارک اپنے ہاتھوں سے تھاما۔ نبی کریمؐ یہ سوچ کر کہ اگر قبیلہ ثقیف مسلمان ہوگیا تو مسلمانوں کی تعداد میں خاصا اضافہ ہوجائے گا۔ اور اشاعت دین واعلاء کلمۃ اللہ میں کافی مدد ملے گی۔ طائف تشریف [illegible] کے

تین بڑے بڑے سرداروں سے ملاقات کر کے اُنہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ سردار اس قدر بدتہذیب تھے کہ بجائے اس دعوت پر لبیک کہنے کے، یا کم از کم عرب کی مشہور مہمان نوازی پاس و لحاظ کرتے ہوئے ایک نووارد مہمان کی خاطر و مدارات کرتے۔ بڑی بے رُخی، بے التفاتی، عدم توجہی و بداخلاقی سے پیش آئے اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ یہاں قیام فرمالیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ نے جن لوگوں کو سردار سمجھ کر اور یہ خیال کرتے ہوئے بات کی تھی کہ یہ نہایت شریف ہونگے، ان کی گفت و شنید تہذیب و شائستگی سے آراستہ ہوگی، وہ توقع پر پانی پھیرتے ہوئے نہایت ہی گستاخانہ جواب دیتے ہیں۔

ان میں کا ایک شخص کہتا ہے کہ او ہو! اللہ نے آپ ہی کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ دوسرا استہزء سے بھرپور الفاظ میں کہتا ہے کہ اللہ میاں کو تمہارے علاوہ اور کوئی نہ ملا جس کو رسول بنا کر بھیجے تیسرے نے زجر آمیز لہجہ میں کہا کہ میں تجھ سے بات نہیں کرنا چاہتا ان تینوں کے جوابات سُن کر رسول اللہ صلعم قطعی یاس و قنوط سے آشنا نہ ہوئے۔ بلکہ ہمت و استقلال کے ساتھ قوم کے پاس آئے اور ان لوگوں کو بھی کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کی دعوت دی۔ مگر ان لوگوں نے بھی کان نہ دھرا!

جب آپ وہاں سے لوٹنے لگے تو ان ناعاقبت اندیش لوگوں نے شہر کے اوباش و شریر لڑکوں کو پیچھے لگا دیا کہ آپ کا مذاق اڑائیں تالیاں پیٹیں۔ پتھر ماریں۔ ان آوارہ لڑکوں نے آپ پر اس قدر پتھر برسائے کہ آپ کے دونوں جوتے خون کے بہنے کی وجہ سے رنگین ہو گئے۔ اسی حالت میں آپ وہاں سے واپس ہوئے۔ اور جب ان لوگوں سے اطمینان ہوا تو ایک جگہ بیٹھ کر دعا مانگی۔

دُعا مانگی تھا۔ کہ مالک الملک کی شان قہاری کو جوش آگیا۔ حضرت جبریل علیہ السّلام نے حاضر ہو کر سلام عرض کیا اور کہا کہ اللہ نے وہ سب کچھ دیکھا اور سُنا جو آپ کی قوم نے آپ کے ساتھ کیا اور کہا۔ اور ایک فرشتہ جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ آپ جو چاہیں حکم دیں۔ تھوڑی دیر بعد وہ فرشتہ حاضر ہوا اور سلام کرنے کے بعد عرض کیا کہ اگر آپ حکم دیں تو دونوں جانب کے پہاڑ آپس میں ملا دوں۔ اور یہ سب گیہوں کے آٹے کی طرح درمیان میں پس جائیں۔ لیکن اس ذات کریم نے جواب دیا کہ میں انہیں معاف کرتا ہوں۔

یہ دو واقعے عفو و کرم کے مشتے نمونہ از خروارے کے مطابق پیش کر دیے۔ قلم عاجز ہے کہ عفو و کرم کے تمام واقعات کو قلم بند کرے۔ کیونکہ بہت پہلے ملا جامی نے کہہ دیا تھا ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

میں ان الفاظ کا سہارا لے کر نہایت عجز کے ساتھ بارگاہ پیکر عفو و کرم میں نذرانۂ سلام و آداب پیش کرتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں۔

نازش پرتاب گڑھی

بیگم وارڈ۔ پرتاب گڑھ

برادرم! السلام علیکم

گرامی نامہ مورخہ ۱۵ فروری مل چکا ہے۔ یاد فرمائی کیلئے شکر گزار اور معذرت خواہ ہوں کہ اپنی علالت کی وجہ سے جواب تاخیر کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔

سیرت نمبر کے لئے ایک نظم حاضر کر رہا ہوں۔ اگر آپ پسند کریں تو اسے شامل اشاعت کر لیجئے۔ اسی نمبر کے لئے اپنے دوست جناب داؤد قمر کی نعت پاک بھی ارسال کر رہا ہوں۔ یقین ہے کہ آپ اسے بھی شریک کر لیں گے۔

"رنگ سنگ" پابندی کیساتھ ملتا جا رہا ہے۔ اس کرمفرمائی کے لئے شکر گزار ہوں دعاؤں میں یاد رکھئے ——— امید کہ آپ عافیت سے ہونگے۔ والسلام

مخلص: نازش پرتاب گڑھی

ہم سارے افلاس کے مارے، ہم دکھ درد سے چور
ہم سارے فاقہ کش انساں، ہم سارے مزدور

دیکھ چکے ہر طرز حکومت اور ہر ایک نظام ۔۔۔ اُنکے پیٹ میں چھریاں پنہاں جن کے منہ میں رام
عہد شہنشاہی قائم ہو، یا جمہوری دَور ۔۔۔ ہم کنگالوں کی قسمت میں وہی ہیں ظلم اور جور
ہر قانون حکومت، انسانوں کے حق میں آگ ۔۔۔ ہے جمہوری دور کے پردے میں شاہی کا ناگ
کریں حکومت زر کے بندے بدلے تو تو بھیس! ۔۔۔ کام انہیں اپنے مطلب سے چاہے جو نہ ہے دیس
ہو نہ سکی جمہور کے اترے چہروں کی تزئین ۔۔۔ پا نہ سکی نہ عقل، نہ ذہن، حبتاؤں میں تسکین
دیکھ چکے ہم رنگ کمیونزم، اُسمیں بھی ہے کھوٹ ۔۔۔ وہی بلائیں، وہی مصائب وہی ہے نوچ کھسوٹ

اشتیاق احمد لاری

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشاہدات

یہ امر مسلمہ ہے کہ انبیاء علیہم السّلام تمام بشری صفات سے متصف ہوتے ہیں۔ ان کے اوپر وہ تمام بشری احکام جاری ہوتے ہیں جن کا تعلق ہر فرد بشر سے ہوتا ہے۔ وہ بھی ان تمام فطری منازل سے اس طرح گزرتے ہیں جس طرح ایک عام انسان گزرتا ہے۔ ان کی پیدائش اور وفات، مرض، تکلیف اور شفا بھوک پیاس اور آسودگی، بیداری اور نیند، محنت، مشقت اور حصول رزق، رنج و غم کا پہونچنا اور خوشی و مسرت کا احساس کرنا۔ یہ اور اس طرح کے جتنے فطری اور بشری اُمور ہیں، ان سے ہماری طرح ہر نبی بھی متصف ہوتا ہے۔

لیکن ان تمام بشری صفات کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالےٰ انبیاء کرام کو ایسی قوتیں، ایسی صلاحیتیں اور ایسے خصائص بھی عطا فرماتا ہے، جو ان کے علاوہ عام انسانوں کو عطا نہیں کرتا۔ مثلاً انبیاء کے خواب سچے ہوتے ہیں۔ وہ خدا کی عطا کردہ علم و بصیرت کی روشنی میں سچی پیشین گوئیاں کرتے ہیں۔ ان سے معجزوں کا صدور ہوتا ہے۔ نزول ملائکہ، نزول وحی، مکالمہ الٰہی اور استجابت دعا وغیرہ

چنانچہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر ان باتوں کیطرف اشارہ کیا گیا ہے:

ما ارسلنك من قبلك الا رجالا نوحی الیهم (یوسف۱۲)

ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب (شوریٰ)

ینزل الملئکۃ بالروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ (نحل۱)

وکلم اللہ موسیٰ تکلیما (نساء)

ماینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی (النجم)

اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا (الحج)

لقد صدق اللہ رسولہ الرویا بالحق (فتح)

مذکورہ صدر آیات میں جن علامات اور نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے، یہ خدا کے اُن بندوں کو عطا ہوتی ہیں جنھیں اللہ تبارک وتعالیٰ نبوت کے لیے منتخب فرماتا ہے۔ اور منصب رشد و ہدایت پر فائز کرتا ہے۔ ہم ان علامات اور نشانیوں کو خصائص نبوۃ کہہ سکتے ہیں۔

اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کو ایسی قوت مشاہدہ اور قوت حاسہ قدرت کی طرف سے عطا ہوتا ہے جو ہمارے احساس اور

مشاہدے سے کہیں زیادہ قوی اور لطیف ہوتی ہے۔ عالم بیداری میں بھی انبیائے کرام وہ کچھ دیکھتے سنتے اور محسوس کرتے ہیں جن کا ادراک ایک عام انسان کسی طرح نہیں کرسکتا۔

کتب احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کو عالم بیداری میں کیسے کیسے مشاہدات کرائے جاتے تھے۔ آپ لوگوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی کیا محسوس کرتے اور کیا دیکھتے تھے۔

آپؐ نے عالم بیداری میں حضرت جبرئیل کو سب سے پہلے غار حرا میں دیکھا۔ اس کے بعد عرصہ تک آپ کو جبرئیلؑ نظر نہیں آئے بعثت کے ابتدائی سالوں میں آپ محض غیبی آوازیں سنا کرتے تھے۔ کبھی کبھی آپ کو روشنی بھی نظر آئی۔ ایک دن صدائے غیب سن کر آپ نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو آپ کو جبرئیل نظر آئے۔ جنھیں آپ غار حرا میں اس سے قبل دیکھ چکے تھے۔

جنّت و دوزخ اور قبر کے حالات کا مشاہدہ انسان عالم بیداری میں کسی طرح بھی نہیں کرسکتا۔ ان کا مشاہدہ تو عام انسان کی موت کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ آنحضور صلعم کو عالم بیداری ہی میں جنت و دوزخ اور عالم قبر کا مشاہدہ متعدد مرتبہ کرایا گیا ہے۔ ایک مرتبہ آپ گھر سے نکلے۔ کچھ سنا تو فرمایا "یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیے جارہے ہیں، ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں"

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے مطابق ایک مرتبہ آپ نے قبرستان سے گزرتے ہوئے، دو قبروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا۔ اور دوسرا لوگوں کی چغلی کیا کرتا تھا۔

ایک شہید کے متعلق آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے۔ کیوں کہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا

چھائی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا کہ اسکے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں اور اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔" یہ عمرو بن عامر خزاعی وہ شخص ہے جس نے سب سے پہلے عرب میں دیوتاؤں کے نام پر، جانوروں کو نذر کرنے کی رسم جاری کی۔

اسامہ بن زید کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے لوگوں سے فرمایا "لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں تم دیکھ رہے ہو؟" لوگوں کا جواب نفی میں سن کر آپ نے فرمایا کہ میں تمھارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے ہوئے دیکھ رہا ہوں"

"ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں" — لیکن

انہیں دیکھنے کیلئے ضرورت پڑتی ہے

"چشم بینا" کی

دنیا کی رنگینیوں کا نظارہ کرنے اور لطف اندوز ہونے کیلئے صرف قابل اعتماد اور ماہر

عینک ساز ہی سے اپنی عینکیں بنوائیے!

اسلئے کہ خراب عینک آنکھوں کو نقصان پہنچاتی ہے — اور چہرہ کو بدنما بنا دیتی ہے

ایس ایم حنیف اسٹیشن روڈ کانپور

ماہرین کی نگرانی میں عینکیں تیار کیجاتی ہیں۔ نظر اور دھوپ کے چشمے، پتھر کی آنکھیں دوربین وغیرہ کیلئے ہماری خدمات سے فائدہ اٹھائیے!

Phone: 67438

اقبال رفیق

مساوات!

— اسلام میں!

آئین اسلام میں ہر طرح کی خوبیاں موجود ہیں۔ ان خوبیوں سے تمام عالم فیض یاب ہوا۔ اسلامی آئین میں ایک اصول مساوات بھی ہے۔ یا یوں کہئے کہ مساوات اسلام کی بنیادی خوبیوں میں سے ہے۔ یہ وہ اصول ہے جس نے نسل انسانی کو سر اٹھانے کے قابل بنایا دنیا میں ظلم و تشدد کے شعلوں کو ٹھنڈا کرنے والا یہی اصول تھا۔

جارج برنارڈ شا نے جب اسلامی تعلیم اور مساوات کا مطالعہ کیا، تو وہ بے اختیار بول اٹھا ـ "بیشک دنیا کا مذہب بننے کی اہلیت رکھنے والا کوئی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے"

مساوات ہی ایک ایسا چشمہ تھا جسکے گرد پیاس بجھانے والوں کی بھیڑ بڑھتی گئی۔ رسول کریمؐ نے ہمیشہ خطاوار کو سمجھایا۔ اور آئندہ خطا کرنے سے روکا۔ اور مظلوم کا ہمیشہ ساتھ دیا۔ انصاف کی نظر میں سب کو برابر سمجھنا چاہیئے۔ فاطمہ زہرا ہوں، یا ایک ادنے لونڈی اس مساوات کے اصول پہ چل کر اسلام دن دونی رات چوگنی ترقی کرتا گیا۔ غیر قوم اور غیر مذہب والے آتے اور انصاف پاتے۔ اور اسلامی اصولوں کی تعریف کرتے۔

آپ کے اصحاب میں بھی وہی مساوات اور انصاف تھا۔ وہ خدا سے ہر وقت ڈرا کرتے تھے۔ اُن کو کسی ہستی کا رعب مغلوب نہیں کر سکتا تھا۔ تاریخ کے اوراق اُلٹ کر دیکھئے!

حضرت عمرؓ کا وہ قصہ سامنے آجائے گا جس میں انھوں نے غسان کے بادشاہ کو ایک ادنیٰ بدو کے سامنے خطاوار ٹھہرایا۔ کیونکہ وہ ظالم تھا۔ اور اپنی بادشاہی کے رعب میں ایک غریب عرب کو لہولہان کر دیا تھا۔

اللہ پاک کا گھر زائرین کے ہجوم سے بھرا تھا۔ ہر طرف سے طواف کرنے والوں کی بھیڑ آ رہی تھی۔ حضرت عمرؓ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ طواف کعبہ میں مصروف تھے۔ کہیں پر عراق کے نو مسلموں کی جماعتیں طواف میں مصروف تھیں۔ تو کہیں ایران اور افغانستان کے نو مسلم سردار طواف کر رہے تھے۔ امیر المومنین کے ساتھ طواف کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مسجد الحرام میں موجود مسلمانوں کی بڑی تعداد بھی حضرت عمرؓ کے ساتھ تھی۔

بڑا دلکش سماں تھا۔ ہر طرف سے لبیک لبیک کی صدائیں فضا میں گونج رہی تھیں۔ شاہ و گدا یکساں لباس میں ملبوس مساوات کی شاندار مثال پیش کر رہے تھے۔ تبیح و تکبیر اس مقدس فضا میں ایک دردناک چیخ کی آواز آتی ہے۔ لبیک کی صدائیں اچانک بریک سا لگ جاتا ہے۔ سب کی نظریں ایک دوسرے پر پڑتی ہیں کوئی نہیں جان سکا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔ دیکھا ایک بدو سفید کپڑے پہنے کھڑا تھا۔ ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ پاس کھڑا ایک

قوی ہیکل عرب اول فول بک رہا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جس کو امن کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔ اس پاک گھر کے سامنے بڑے بڑے خودسر اور متمرد اپنی گردن خم کرتے تھے۔ اور پھر اس عدل اور انصاف کے گھر میں ظلم کیا؟

لوگوں نے بدو سے پوچھا کیا وجہ تھی؟ بدو خون پونچھتے ہوئے بولا۔ اس شخص کا تہہ بند زمین پر گھسٹ رہا تھا۔ پیچھے سے دھکا آیا۔ میرا پیر اس پر پڑ گیا۔ اس نے وجہ بھی نہیں معلوم کی اور گھونسہ رسید کر دیا۔

"اوہ! خدا، اتنا بڑا ظلم؟ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو اس طرح لہولہان کر دے! بھیڑ بھاڑ میں ایسے اتفاق ہو جایا کرتے ہیں۔ اس میں اسقدر ظلم کرنا مناسب نہیں تھا۔ آپ اس غلطی کو نظر انداز کر دیتے" ——— ایک عرب نے اس قوی ہیکل عرب سے کہا۔ تیسرے عرب نے آگے بڑھ کر کہا "سراسر تشدد ہے اور پھر اس سرزمین پر!"

والیٔ غسان غصہ سے بولا۔ "میں غسان کا بادشاہ ہوں، اگر اس مقدس مقام پر نہ ہوتا۔ تو اس خطا پر سر قلم کرا لیتا"

جبلہ غسان کا بادشاہ تھا۔ اور چند ماہ قبل حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا تھا۔ مسلمانوں نے اسکی آمد پر اس کا شایان شان خیر مقدم کیا تھا۔ حتیٰ کہ مستورات بھی چھتوں پر امنڈ آئی تھیں۔ سینکڑوں خدام اور مصاحبین کو ساتھ لے کر جبلہ مدینے میں داخل ہوا تھا۔

جبلہ نے مسلمان ہونے کے قبل۔ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی بہت کوششیں کی تھیں۔ خود نبی کریم صلعم کے زمانہ میں یہ خبر اڑی تھی کہ جبلہ بڑی فوج لے کر حملہ کرنے آ رہا ہے۔ اس خبر کے پاتے ہی آنحضرت خود اُسکو روکنے کے لئے قحط کے زمانہ میں تبوک تشریف لے گئے تھے۔ زید بن حارثہ کی قیادت میں ایک بہت خوفناک جنگ ہوئی۔ اسلام کے دو مرد مجاہد سپہ سالار کام آئے۔ خالد بن ولید بڑی مشکل سے مسلمان فوج کو بچا کر لائے تھے۔

آج جبلہ سر تسلیم خم کئے آ رہا تھا۔ اسکا شایان شان خیر مقدم کرنا مسلمانوں کیلئے ضروری تھا۔ اس نے اسلام کے سامنے اپنا سر تو جھکا دیا تھا۔ لیکن غرور اور تمکنت اس کے دل و دماغ سے دور نہیں ہوئی تھی۔ اسی نخوت کے ہاتھوں ایک مسلمان بیت الحرام میں لہولہان کھڑا تھا۔

بدو اسی حالت میں حضرت عمرؓ کی خدمت میں فریاد کے لئے حاضر ہوتا ہے۔ حضرت نے جبلہ کو بلایا۔ دونوں فریق کی باتوں کو سُنا اور جبلہ کی خطا ثابت ہو گئی۔ تو اُنہوں نے جبلہ سے کہا کہ اس بدو کو راضی کر لیجئے۔ ورنہ جرم کی سزا بھگتنی ہوگی۔

جبلہ پر اس فیصلے نے گویا پہاڑ گرا دیا۔ بولا میں تو یہ سمجھ کر مسلمان ہوا تھا کہ اور زیادہ عزت پاؤں گا لیکن آپ مجھ کو ایک ادنیٰ بدو کے سامنے معافی مانگنے کیلئے مجبور کر رہے ہیں۔ مجھ کو ایک عام آدمی کے برابر سمجھ رہے ہیں۔ ــ حضرت عمرؓ نے فرمایا جبلہ یہ اسلام کی بہت بڑی خوبی ہے کہ یہ غریب اور امیر کو یکساں سمجھتا ہے۔ یہاں عزت صرف اُس شخص کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کے اعمال نیک ہوں اگر مجھ سے یعنی عمر سے بھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسکی بھی سزا اتنی ہی بھگتنی ہوگی۔ جتنی کہ ایک عام آدمی کو بھگتنی ہوتی ہے۔

جبلہ بولا۔ اگر یہ صورت ہے تو میں اسلام چھوڑ کر پھر عیسائی ہو جاؤنگا جواب ملا کہ اگر ایسا کیا تو گردن مار دی جائیگی۔ کیونکہ اسلام سے پھر جانے والے کی یہی سزا ہے ——— اس پر جبلہ نے رات بھر کی مہلت مانگی۔ جو دیدی گئی۔ صبح کو پتہ چلا کہ وہ مع اپنے ساتھیوں کے بھاگ گیا اور قیصر روم کے پاس جا کر عیسائی ہو گیا۔

کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا "یا امیر المومنین! اگر آپ خطا سے درگذر کرتے تو جبلہ عیسائی نہ ہو جاتا اور دشمنوں کی صف میں واپس چلا جاتا" آپ نے فرمایا "مجھے ایسے مسلمان نہیں چاہئیں جو اپنے بھائیوں پر ظلم کریں۔ عمر اگر کسی کی خاطر اسلامی قانون کو معطل کر دے تو اسکے جیسا ظالم اور کون ہو سکتا ہے"

صغیر عبرت

حیاتِ نو!

نمودِ نورِ سحر سے پہلے ہر ایک شے تھی غریقِ ظلمت
طلوعِ مہرِ ضیائے حق نے بدل دی کون و مکاں کی حالت
شعورِ وحدت پرست جاگا ، غرورِ لات و منات ٹوٹا
ظہورِ جبروتِ خالقی سے ، ہوا ہوئی اہرمن کی نخوت

شعاعِ نورِ ازل نے بڑھ کر تمام عالم کو نور بخشا
حیاتِ نو کی شگفتگی نے دماغ و دل کو سرور بخشا

طلسمِ تثلیث و کفر ٹوٹا نصیبِ ابلیس کا بھی پھوٹا
ہر ایک باطل کا اس جہاں میں صدائے حق سے سراب ٹوٹا
نزولِ قرآں سے بتکدوں میں بپا ہوا اب بتوں کا ماتم
ہر ایک انساں بنا موحد، تو دامنِ کفر و شرک چھوٹا

لرز اٹھے منکرانِ وحدت بہ ہر گر سورۃ العلق سے
نقیب و چاؤشِ آذری کے جگر پہ پٹے ضربِ تیغِ حق سے

جہالتوں کی اتھاہ خندق ، بنا چمن زارِ علم و حکمت
بنائے دینِ مبیں نے ڈالی بنائے غمخواری و اخوت
رموزِ اسرارِ زندگانی ، چمک اٹھے جیسے دن کا سورج
صلوٰۃ و صوم و جہادِ حق نے ، بڑھا دی ذوقِ عمل کی عظمت

جہاں میں شاہِ اُمم کی ذاتِ مقدسہ سے ہوا اجالا
حصارِ بدعات و شرک ٹوٹا ، لیا پھر ایماں نے سنبھالا

چرا میں رُوح الامیں سے لکر صفا پہ جلوہ فگن ہوئے جب
کشش پڑی جب بہ عرب کی، تو پستیوں سے ابھر گئے سب
فسونِ جہل عمل کا ٹوٹا، ہوئے شبستانِ دہر روشن
جھلک سے فتراک سامریت ہوئی خلائق خدائے اقرب

نفاق و جور و فساد و نفرت مٹا دیے، طنطنہ مٹایا
حبیبِ داور نے رنگ و نسل و قبیل کا غلغلہ مٹایا

جہانِ بے رنگ و بُو کو آخر، حسین تر اک چمن بنایا
مٹا کے فرقِ غلام و آقا، مثیلِ جنت وطن بنایا
یتیم و معذور و بے نوا کے، کریم آقا، شفیق مولا
فصیلِ ظلم و ستم کی ڈھا کر، خزف کو لعلِ یمن بنایا

شکوہِ تاج و نگیں مٹایا، شکنجہ آہنی کو توڑا
پیامِ امن و اماں سنا کر، قلوبِ شاہ و گدا کو جوڑا

خلوص و صدق و صفا مجسم، سکون و صبر و رضا مجسم
جلالِ عرشِ علا مجسم، جمالِ نور خدا مجسم
شبیہ والشمس والضحیٰ میں، نہ صرف رقصاں تھی ذوالجلالی
زمان مکاں، کُن لکاں مجسم، رموزِ ہست و فنا مجسم

کہاں وہ تابِ سخن کسی میں، کہ مدحِ بدر المنیر لکھے
یہ کس میں طاقت شہ زمن کی جو شرحِ تاج و سریر لکھے

نعت

ودود قمر تاجگڑھ

اگر قسمت میں دیدِ روضۂ خیر الوریٰ ہوتا
دلِ دیوانہ کا عالم خدا معلوم کیا ہوتا

سلامی کیلئے میں رُوح و تن سے بڑھ گیا ہوتا
دیارِ پاک طیبہ کا جو اپنا سامنا ہوتا

نگاہ و دل میں تیرے گر مدینہ بس گیا ہوتا
نفس کی آمد و شد میں خیالِ مصطفےٰ ہوتا

رواں ہوتے اگر آنسو کبھی عشقِ محمد میں
تو پھر تاروں سے اپنا گوشۂ داماں بھرا ہوتا

تری ذاتِ گرامی گر نہ ہوتی قسمتِ عالم
ید بیضا نہ ہوتا اور نہ موسےٰ کا عصا ہوتا

ترے اسمِ مبارک نے جہاں کو روشنی بخشی
بجز تیرے زمانہ کا سہارا اور کیا ہوتا

قمرؔ گر بیٹھتا پڑھ کر درودِ پاک ہر لمحہ
تو ہر لحظہ نزولِ رحمت و نورِ خدا ہوتا
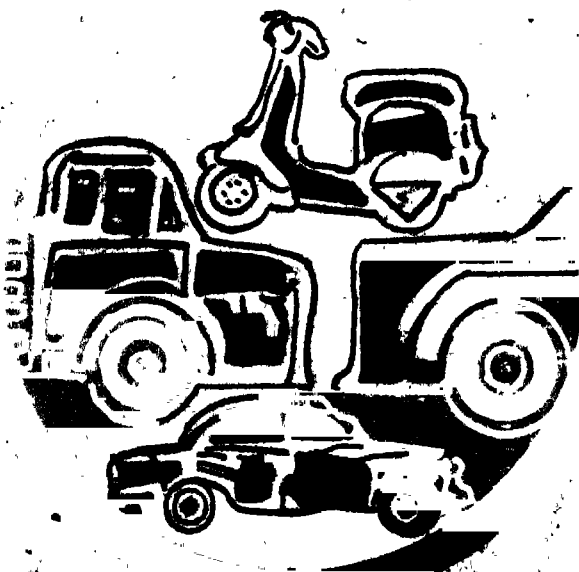
حسن احمد صدیقی
متعلم دارالعلوم دیوبند

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
ایک شوہر کی حیثیت سے!

اسمیں کوئی شک نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر ہر پہلو بالعموم تمام انسانوں اور بالخصوص تمام مسلمانوں کیلئے ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ اور بہر صورت آپکا کردار مقدس، اور اسوۂ حسنہ اس لائق ہے کہ بغیر تشکیک و تامل کے قبول کیا جائے اور پھر اس پر مواظبت و مداومت کیساتھ تعامل کا اہتمام ہو۔

دراصل آپ کی پیروی اور آپ کے نقوش قدم کا تتبع کرکے ہی انسانیت اور ابدیت کے مدارج طے کئے جاسکتے ہیں۔ آپ کی اطاعت سیرت و سنت پر عمل کئے بغیر، توحید و رضا کی منزل تک پہنچ جانا قطعی مستحیل اور ناممکن ہے۔ آپ کی اطاعت میں ہی خدا کی اطاعت مضمر ہے۔ آپ کے ترویج کردہ اصولوں کو نظر انداز کرکے نہ مقاصد حسنہ میں کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے اور نہ ہی حق تعالیٰ کی خوشنودی کا حصول ممکن ہے۔

زندگی کے ہر مسئلہ کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہی حل کرنا چاہیئے، خواہ وہ مسئلہ عبادات سے متعلق یا معاملات سے خواہ وہ مسئلہ خرید و فروخت سے تعلق رکھتا ہو یا امور خانہ داری سے آپ کی سیرت طاہرہ میں سبھی قسم کے نظائر موجود ہیں۔ زندگی کے تمام مسائل کو آپ کی سنت کے مطابق حل کرکے ایک مومن اپنی پوری زندگی کو مستقل عبادت بنا سکتا ہے۔

یوں تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا ہر شعبہ اور ہر پہلو قابل تذکار و بیان ہے لیکن راقم الحروف اس وقت صرف اُن واقعات کو احاطہ تحریر میں لا رہا ہے جن کا تعلق حقوق زوجیت سے وابستہ ہے۔

شوہر بن جانا بہت آسان ہے۔ لیکن بیوی کے فرائض کما حقہ ادا کرنا نسبتاً کہیں زیادہ متعسر اور دشوار ہے۔ دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو صحیح معنیٰ میں اپنی بیوی کے حقوق ادا کرتے ہیں۔ پھر کتنے لوگ ہیں جو حیاتِ ازدواجی کی راہوں میں اعتدال کی راہ چلتے ہیں؟

غلط نہیں ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ عورتوں کے سلسلہ میں ہمارے معاشرے کے بہتیرے لوگ افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ کچھ لوگ اپنی عورتوں کیساتھ ایسا رویّہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ جس پر تشدد اور ظلم کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگ الرجال قوامون علی النساء کا غلط مطلب اخذ کرتے ہیں۔ اور قرآن کی اس آیت کو آڑ بنا کر اپنی عورتوں پر ہروقت ناروا پابندیاں عائد کئے رہتے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے معاشرے میں اس قسم کے افراد کی بھی بہتات ہے جو عورت کو کھلی چھٹی دیدیتے ہیں کہ وہ اپنی من مانی کرتی رہے۔ کہیں جائے کسی سے ملے۔ انہیں اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ اس قسم کے حضرات عورتوں پر ذرا پابندی کو بھی محبت اور تعلق کا منافی سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو

عام فہم زبان میں "جورو کے غلام" سے تعبیر کیا جاتا ہے
اسلام نہ یہ چاہتا ہے کہ عورت کو غلام بنا کر رکھا جائے اور نہ یہ چاہتا ہے کہ مرد خود عورت کا غلام ہو کر رہ جائے۔ بلکہ اسلام نے اس بارہ میں جو تعلیم پیش کی ہے وہ معتدل اور متناسب ہے۔ اسلام عورتوں کے معاملہ میں نہ افراط کا قائل ہے نہ تفریط کا۔ نہ وہ عورت کی تذلیل برداشت کر سکتا ہے اور نہ ہی اسے مرد کی غلام گیری پسند ہے۔

اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے جذبات اور دونوں کی فطرت کو پیش نظر رکھ کر اصول مدون کئے ہیں۔ اس نے ازدواجی زندگی کے ضوابط مرتب کرتے وقت طرفین کے احساسات کا متساوی طور پر خیال رکھا ہے۔ اور یہ اظہر من الشمس حقیقت ہے کہ اگر اسلامی قوانین و ضوابط پر پوری طرح عمل کیا جائے تو نہ ہی مرد کی خودداری پامال ہو سکتی ہے اور نہ ہی عورت کی جذبات شکنی کا امکان باقی رہتا ہے۔

اسلامی ضوابط کی حقیقت اُس وقت تک منکشف نہیں ہو سکتی جبتک بانیٔ اسلام کی عادات و اطوار کا جائزہ نہ لیا جائے۔ آئیے صاحب شریعت اور بانیٔ اسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ آیا آپ کا برتاؤ ازواج مطہرات کے ساتھ کس قسم کا تھا؟ تاکہ معلوم ہو سکے کہ ازدواجی زندگی کے سلسلہ میں اسلامی تعلیم کا طول و عرض کیا ہے؟

ایک روز حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آنحضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، در مبارک کے قریب پہونچے تو اندر سے ازواج مطہرات کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ حضرت عمرؓ نے اندر جانے کی اجازت طلب کی، آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اندر بلا لیا۔ حضرت عمرؓ اندر تشریف لے گئے۔ آپ نے دیکھا کہ سرور کونین صلے اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے سرکار دو عالمؐ کے ہنسنے کا سبب دریافت کیا۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے عمر! تمہارے آنے سے پہلے یہ عورتیں اپنے گزارے کی کمی کا شکوہ کر رہی تھیں، اور یہ مطالبہ کر رہی تھیں کہ گزارے میں اضافہ کیجئے۔ لیکن جب انہوں نے تمہاری آواز سنی تو چھپ گئیں اور ان کے اس طرح خوف زدہ ہو جانے سے مجھے ہنسی آگئی۔" اسکے بعد آپ نے فرمایا "عمرؓ! تمہارا دبدبہ ہی کچھ ایسا ہے کہ جس راستہ سے تم گزر جاتے ہو، شیطان اُس راستہ سے فرار ہو جاتا ہے۔"

جو شریف قسم کے شوہر ہوتے ہیں وہ کبھی اپنی بیوی کے مطالبوں اور فرمائشوں سے دل برداشتہ نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اپنی بیوی کے مطالبہ کو سنتے ہیں۔ اور اگر وہ فرمائش جائز ہو تو اُسے پورا کر دیتے ہیں۔ یا پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر مطالبہ ناروا اور ناجائز ہو تو پھر وہ دوسرا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اور نرمی و محبت سے سمجھا کر بیوی کے اوراق ذہن سے اس مذموم اور نازیبا فرمائش کی نقوش کھرچ کر پھینک دیتے ہیں چنانچہ اس حسن تدبیر سے سانپ بھی مر جاتا ہے اور لاٹھی کے استعمال کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ یہی معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازدواج کے ساتھ تھا۔

ایک مرتبہ حضورؐ کے ایک پڑوسی نے حضور کی دعوت کی۔ آپ نے ارشاد فرمایا میرے ہمراہ عائشہؓ بھی ہونگی۔ اُن صاحب نے کہا: حضور اتنی گنجائش نہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "تو پھر مجھے یہ دعوت منظور نہیں۔"

وہ صاحب کچھ دیر کے بعد پھر حاضر خدمت ہوئے اور فرمایا حضورؐ آپ کی دعوت ہے۔ آپ نے پھر وہی شرط پیش کی کہ عائشہؓ بھی ساتھ چلیں گی۔ انہوں نے پھر معذرت چاہی۔ اور اپنی عدم گنجائش کا عذر پیش کیا۔ اسی طرح کچھ وقفہ کے بعد وہ صاحب پھر حاضر ہوئے آپ نے پھر وہی شرط رکھی اور اس مرتبہ وہ صاحب حضرت عائشہؓ کی دعوت کیلئے راضی ہو گئے۔ چنانچہ شہنشاہ کونین نے دعوت قبول فرمائی۔

حضرت عائشہؓ کو اپنے ساتھ لیجانے کا اصرار دراصل اسلئے تھا کہ اُس روز آنحضورؐ کے دولت کدہ میں کھانے کے لئے کوئی چیز موجود نہیں تھی

آپ کے لیے یہ بات مناسب اور گوارا نہیں سمجھی کہ آپ خود تو دعوت کھائیں اور عائشہؓ گھر میں بھوکی رہیں۔

بعض لوگ اس دنیا میں ایسے موجود ہیں کہ جو خود ہوٹلوں میں عمدہ عمدہ کھانے تناول کرتے ہیں۔ اور بیویاں مسلسل فاقہ کشی میں مبتلا رہتی ہیں۔ یا کم از کم اتنا اچھا کھانا انہیں نصیب نہیں ہو پاتا۔ جتنا اچھا ان کے خاوند ہوٹلوں میں اُڑاتے ہیں۔ یہ بات قطعاً اخلاق اور انسانیت کے منافی ہے کہ انسان خود تو پیٹ بھر کھائے۔ اور رفیق زندگی شدت بھوک سے بدحال رہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک عالی ظرف انسان اور ایک اچھے شوہر تھے۔ بھلا آپ یہ کیسے گوارا کر لیتے کہ جس دن حضرت عائشہؓ کے پاس دو لقمے کھانے کے نہوں اُس دن آپ پیٹ بھر کر کھانا نوش فرمائیں چنانچہ آپ اُس وقت تک دعوت کو مسترد کرتے رہے جب تک اُن صاحب نے حضرت عائشہؓ کیلئے ہامی نہیں بھری۔

بعض حضرات بیوی سے مشورہ کرنے میں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں۔ اور یہ بھی تصور کرتے ہیں کہ عورت دنیا کے کسی بھی معاملہ میں صحیح رائے نہیں دے سکتی۔ یہ بات صراحتاً جہالت اور حماقت پر مبنی ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض معاملات میں اپنی ازواج سے مشورے کئے ہیں۔ اور پھر ان مشوروں کو قبول کر کے انہیں عملی جامہ پہنایا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کا دل بہت ٹوٹ گیا تھا۔ معاہدہ کی بعض شرطیں ان کے نزدیک کمزور اور ناقابل عمل تھیں۔ چنانچہ معاہدہ طے ہو جانے کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے اونٹ ذبح کرنے کا حکم صادر فرمایا تو ہمیشہ حکم ماننے والے صحابہ نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ حضورؐ بہت پریشان ہوئے اس موقع پر آپ کی بیوی اُم سلمہؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ آپ اُم سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لائے اور صورت حال بتا کر دریافت فرمایا کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ حضرت اُم سلمہ نے مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کے سامنے اپنا اونٹ ذبح کریں اور احرام اُتارنے کیلئے اپنا سر منڈوا دیں پھر دیکھیں کہ کیا ظہور میں آتا ہے؟

آنحضورؐ نے اپنی بیوی کے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنا اونٹ سب صحابہ کے روبرو ذبح کر دیا۔ اور احرام کھول دیا۔ نتیجہ خاطر خواہ برآمد ہوا۔ صحابہ کرامؓ آپ کے اس عمل سے انتہا درجہ متاثر ہوئے اور آنحضورؐ کی متابعت کی غرض سے اُنہوں نے اپنے اپنے اونٹ قربان کر ڈالے۔

اُم سلمہؓ انسانی نفسیات سے واقف تھیں وہ جانتی تھیں کہ انسان نصیحت و فہمائش کے مقابلہ میں کردار و عمل کا تاثر بہت جلد قبول کر لیتا ہے۔ اور واقعی یہ حقیقت ہے کہ الفاظ اپنے اندر اتنی جاذبیت نہیں رکھتے جتنی کشش اور جاذبیت عمل اپنے اندر رکھتا ہے۔

لیکن واقعہ بیان کرنے کا مقصد ہے کہ اگر عورت سے مشورہ طلب کرنا عقل و دانش کے خلاف ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی سے کیوں مشورہ طلب کرتے؟

ایک عام سی بات ہے کہ جب انسان کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو اس کے احباب و اقارب سے بھی یک گونہ تعلق ہو جاتا ہے۔ آنحضورؐ کو چونکہ حضرت خدیجہؓ سے والہانہ محبت تھی لہٰذا آپ ان کے رشتہ داروں اور ان کی سہیلیوں کا برابر خیال رکھتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد آپ کا یہ معمول بن گیا تھا کہ کوئی قربانی کرتے تو پہلے حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو گوشت بھیجتے بعد میں کسی اور کو دیتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کا کوئی رشتہ دار جب آپ کے پاس آتا تو اُس کی بیحد خاطر مدارات فرماتے تھے۔

بعض حضرات اپنی بیویوں کو ہر وقت اپنے رعب میں رکھتے ہیں اور اُس کے ہنسی مذاق کو وہ اپنی تذلیل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایسے حضرات کی بیویاں ان کے سامنے بھیگی بلی سی بنی رہتی ہیں۔ اور زبان پر خاموشی کا قفل چڑھا لیتی ہیں۔ مبادا کوئی غیر سنجیدہ جملہ زبان سے صادر نہ ہو جائے اور شوہر صاحب اُسے اپنی اہانت پر محمول کرتے ہوں

رج پڑیں۔ بیوی پر اتنی پابندی اور سختی کی مذہب اجازت نہیں دیتا۔ بیوی ایک بے تکلف دوست کی بھی حیثیت رکھتی ہے وقتاً فوقتاً شوہر سے ہنسی مذاق کرنا اس کا جائز حق ہے۔

حضرت سودہؓ کے مزاج میں ظرافت پائی جاتی تھی۔ آپ اکثر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی گفتار و رفتار سے ہنسنے پر مجبور کر دیا کرتی تھیں۔ ایک دن حضرت سودہؓ نے رات کو رسول کریمؐ کے ساتھ نماز پڑھی، حضورؐ بڑی دیر تک رکوع میں رہے۔ صبح کو حضرت سودہؓ نے کہا یا رسول اللہ! رات تو آپ نے اتنی دیر تک رکوع کیا کہ مجھے اپنی نکسیر پھوٹنے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ بڑی دیر تک اپنی ناک کو سہلاتی رہیں۔ حضورؐ یہ جملہ سن کر ہنس پڑے۔

کبھی کبھی بیوی کے ذوق اور مخصوص مشغلہ میں حصہ لینا بھی حسن معاشرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

حضرت عائشہؓ کی شادی چونکہ بہت کم عمری میں ہو گئی تھی اسی لئے شادی کے بعد بھی آپ کافی دنوں تک گڑیوں سے کھیلتی رہیں جیسا کہ کم سنی میں اکثر لڑکیاں گڑیوں سے دل بہلاتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ گڑیوں سے کھیل رہی تھیں اور ان کے پاس ایک پر دار گھوڑا بھی موجود تھا۔ حضورؐ نے انہیں کھیلتے ہوئے دیکھا اور گھوڑے کے بارہ میں دریافت فرمایا — یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا گھوڑا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ گھوڑوں کے پر نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہؓ نے بیساختہ کہا — لیکن یا رسول اللہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑے کے تو پر تھے۔ حضورؐ یہ جواب سن کر متبسم ہو گئے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی دلجوئی کے لئے کبھی کبھی انہیں کہانیاں بھی سنایا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ان کی خوشی کے لئے کہانیاں سنا بھی کرتے تھے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ کبھی واقعات سن کر محظوظ ہوتا ہے اور کبھی واقعات کو سنا کر — آپ ان کی دلجوئی کے لئے دونوں قسم کے عمل فرماتے تھے۔ محدثین نے وہ کہانیاں بھی نقل کی ہیں جو آنحضورؐ نے حضرت عائشہؓ کو سنائیں۔ اور ان سے سنیں۔ اگر مضمون کے طویل ہو جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ان کہانیوں کو ضرور نقل کرتا۔ طوالت سے بچنے کے لئے میں ان کہانیوں کو قلم کی نوک پر نہیں لا رہا ہوں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ کا دل بہلانے کے لئے آپ نے ان کے ساتھ دوڑ بھی لگائی تھی۔ اس واقعہ کو حضرت عائشہؓ کی زبان سے ہی سماعت فرمائیے، ابو داؤد کی حدیث ہے، فرماتی ہیں:—

ایک سفر میں ہم دونوں کے مابین دوڑ کا مقابلہ ہوا۔ میں آنحضورؐ سے آگے نکل گئی۔ اور جیت گئی — ایک عرصہ کے بعد ہمارے درمیان پھر مقابلہ ہوا۔ اس زمانہ میں میں نسبتاً پہلے سے فربہ ہو گئی تھی۔ لہذا میں پیچھے رہ گئی اور آپ آگے نکل گئے۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا اے عائشہ یہ پہلے کا بدلہ تھا — یعنی پہلے تم جیت گئی تھیں اور اس بار میں جیت گیا۔ معاملہ برابر ہو گیا۔

میاں بیوی کے درمیان رنجش اور خفگی کا سلسلہ چلتا ہی رہتا ہے۔ دنیا میں کون سے ایسے میاں بیوی ہیں جن میں روٹھنا منانا نہ ہوتی ہو۔ حضرت عائشہؓ اور حضور کے مابین بھی کبھی کبھی خفگی اور ناراضگی ہو جاتی تھی۔ عائشہؓ کسی بات پر خفا ہو جاتی تھیں۔ آنحضورؐ ایک مزاج شناس شوہر تھے۔ فوراً حضرت عائشہؓ کی کشیدگی کو بھانپ لیا کرتے تھے اور اس کے تدارک کی کوشش کیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ اے عائشہ! جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو میں جان جاتا ہوں۔ اور جب خفا ہو جاتی ہو جب بھی جان جاتا ہوں۔

حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا کہ یا رسول اللہ! آپ کس طرح پہچان لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو

اپنے قول میں زور پیدا کرنے کیلئے کہتی ہو ـــــ محمدؐ کے رب کی قسم! اور جب مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو اپنے قول میں زور پیدا کرنے کیلئے یوں کہتی ہو ـــــ ابراہیمؑ کے رب کی قسم!

یہ سن کر عائشہؓ نے فرمایا ـــــ یہ ٹھیک ہے، لیکن میں صرف آپ کا نام نہیں لیتی۔

مقصد یہ ہے کہ دل میں محبت بدستور قائم رہتی ہے۔ البتہ اظہار خفگی کیلئے نام لینے سے احتراز کرتی ہوں۔

یہ تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی!

یہ چند واقعات ہیں جو میں نے آپ کے سامنے پیش کئے۔ اس قسم کے ہزاروں واقعات تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں جو آپ کے حسن معاشرت کا اعلان کرتے ہیں۔

دراصل آپ کی ازدواجی زندگی قرآن کریم کی آیت وعاشروھن بالمعروف کی عملی تفسیر تھی۔ آپ اپنی ازواج کے جملہ حقوق کا خیال رکھتے تھے ـــــ ان کی تمام جائز خواہشات پورا کرنے کی حتی الامکان کوشش کیا کرتے تھے۔ کبھی ان کی دلشکنی نہیں کرتے تھے۔ البتہ اگر آپ گھر میں کسی خلاف شرع چیز کا مشاہدہ کر لیتے تو پھر آپ کے غصہ کی کوئی انتہا نہیں رہتی تھی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر حضرت عائشہؓ نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خوشی میں گھر سجایا۔ اور دروازہ پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا دیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے جب دروازہ پر قدم رکھا تو چہرۂ انور سرخ ہو گیا۔ حضرت عائشہؓ نے خفگی کی وجہ دریافت فرمائی ـــــ آپ نے فرمایا خدا نے ہمیں دولت اسلئے نہیں دی کہ ہم اینٹوں اور پتھروں کی آرائش پر خرچ کریں۔

اسلام حقوق النساء کے سلسلہ میں جو تعلیم پیش کرتا ہے، وہ معتدل ہے۔ اس میں افراط و تفریط کے اجزاء شامل نہیں ہیں اسی طرح آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم نے حقوق النساء کے سلسلہ میں جو تابناک نمونہ چھوڑا ہے وہ بھی اعتدال کی دولت سے بہرہ ور ہے اس میں بھی نہ افراط کا پہلو ہے نہ تفریط کا۔

اگر غور و تعمق سے کام لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے خصوصاً عورتوں پر بہت احسان ہیں۔ اگر آپ بار بار عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور تلطف و مہربانی کی تاکید نہ کرتے تو شاید عورت قعر ذلت سے کبھی خروج حاصل نہ کر پاتی۔

آپ نے اپنے آخری خطبہ میں بھی عورتوں کی بابت بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"میں تم کو عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک کی خاص طور پر وصیت کرتا ہوں۔ تم میری اس وصیت کو یاد رکھنا۔ دیکھو وہ تمھاری نگرانی میں اور تمھارے بس میں ہیں۔"

جذبۂ بلالی

بشیر فاروقی

کھلا یہ راز غنی کا بھی ہاتھ خالی ہے
نبی کے در پہ شہنشاہ بھی سوالی ہے
جواب سرور عالم ہمیں کہیں نہ ملا!
ہر ایک دور کی تاریخ دیکھ ڈالی ہے
وہ ایک فرش نشیں عرش انکے زیر قدم
ادا ادا مرے سرکار کی نرالی ہے
ہم ان کو بھول گئے ہیں جو رحمت عالم
اسی لئے تو یہ غم ہے شکستہ حالی ہے
جو حشر میں بھی سہارا ہے عاصیوں کیلئے
خدا کے بعد محمدؐ کی ذات عالی ہے
وہ آرہے ہیں کرن بن کے ہر اندھیرے میں
کہ بزم عالم امکان سنورنے والی ہے
یہ انجمن ہے غلامان مصطفےٰ کی بشیر
[illegible]

پانچ نظمیں!

نصر قریشی

۱۔ کرب کا زہر:

وجدان شاہراہِ معانی، چراغِ فکر!
قصرِ خیال، کوئے تمنا، یہ تمام
صحرا، بگولے، قافلے، حدِ نظر، سراب
بھونچال، تیز آندھیاں، پیراہنوں میں خاک
ہر چہرہ گہرے کرب میں روپوش ہو گیا

۲۔ اعجاز

صبح کے نور سے روشن ہوا زندانِ خیال
پیکرِ خاک سے پایاب ہے چاہِ کنعاں
بڑھ گئی گرمیٔ بازارِ جنوں سامانی
ڈھل گئی چہرۂ ایام سے لمحات کی گرد
دامنِ چاک پہ نادم ہے زلیخا کوئی

۳۔ چاہِ غم

رواں دواں عمر کا قافلہ ہے!
یہ چاند سورج، یہ سات آسمان
تمام گردش، سفر میں سارے
وجود جیسے کہ برگ تنہا!
یہ چاہِ لیل و نہار سے سرخرو ہو کے نکلے
تو ماہِ کنعاں کا اب لقب دیں۔

۴۔ برف کا درد

شب زدہ صبح کی کھڑکی پہ نہ چمکا خورشید
اور سپیدپوش اُجالوں کے بدن برف ہوئے
مُردہ ماحول میں آہٹ بھی نہ جاگی کوئی!
زرد پتے بھی سرِ شاخ ہیں ساکت خاموش
کون ایسے میں یہاں بیچے گا گلِ صحت!

۵۔ ہمزاد!

عالمِ رُوح سے اس عالمِ آب و گل میں
پیکرِ درد سنبھالے آیا!
میرا ہمزاد مرے ساتھ ہی تھا
ریگزاروں نے بگولے بخشے!
آگ کے دریا ملے ہر جانب
چادرِ آب جلی راکھ ہوا جسم یقیں
میرا ہمزاد، مرا سایہ، مرا ہم نفس جاں
[illegible] نہ تھا!

رئیس انصاری
بی اے : ایل ٹی

یونس قنوجی

اپنی فکر کے آئینہ میں!

ہر دور کے اسلامی مفکروں نے جب اپنے دور کی لمحاتی تبدیلیوں اور غیر متوازن ترقیوں سے اپنی مذہبی قدروں کو مجروح ہوتے دیکھا ہے تو اُن کی سیاسی معاشی تہذیبی اور سماجی سرگرمیوں نے ایک تاریخی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ بعینہٖ یونس کا بھی ذہن بیدار جیسے جیسے اپنے ماحول کو اپنے اسلامی طرز فکر سے جانچتا اور پرکھتا گیا ویسے ویسے اسکی تخلیقات اپنے معاشرہ سے بغاوت کی داعی بنتی گئیں۔

اگر اس کے کلام کا ایک واقعاتی تجزیہ کیا جائے تو فوراً ظاہر ہونے لگتا ہے کہ وہ صرف خامیوں ہی کی طرف اشارہ نہیں کرتا ساتھ ہی اصلاح کے لئے بھی کوشاں ہے۔ وہ صرف نشتر ہی نہیں لگاتا مرہم بھی دیتا ہے۔ وہ صرف طنز و ملامت ہی نہیں کرتا حسن ظن بھی رکھتا ہے۔ وہ ہمہ وقت تکفیر کے درپے نہیں ایمان و ایقان کی تلقین بھی کرتا ہے۔ وہ اگر گمرہی کی نشاندہی کرتا ہے تو صراط مستقیم کی راہ بھی دکھاتا ہے۔ اگر وہ جبر و استبداد کی بنیادوں کو ڈھاتا ہے تو انصاف و قانون کی پناہ گاہیں بھی تعمیر کرتا ہے۔ روایات کی خود ساختہ دیوار گرا کر درایت کے حدود متعین کرتا ہے۔ تہذیب نو کے آبگینوں کو پگھلا کر اجتہاد کی بنا ڈالتا ہے۔ وہ خاک نشینوں کو ٹھوکر لگاتا ہے تاکہ آسمان جاہ بنیں۔ زندگی کا درس دیتا ہے غازی بننے کیلئے اور موت کو گلے لگاتا ہے تو شہادت کیلئے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ تگ و دو کیوں؟ یہ جہد مسلسل کس لئے؟ اسلئے کہ وہ ملت کی نشأۃ ثانیہ کا مبلغ ہے۔ پہاڑ، دریا، جنگل۔ انسان اور حتیٰ کہ سنگ و خشت کی یہ چہار دیواریاں اسکو بس ایک ہی داستان اور ایک ہی افسانہ سناتی ہیں۔ دیکھئے!

لیکن اے تاج! تو اُس دور کا شہ پارا ہے
اجنبی دور جسے کہتے ہیں، کہنے والے!
تیرا ایثار، ترا حُسنِ کرم بھول گئے
اب ترے سایۂ اقبال میں رہنے والے

کاش تو مہرِ سمرقند و بخارا ہوتا!
کاش تو قسمتِ بغداد کا تارا ہوتا

سمرقند اور بخارا کے اوراق پارینہ میں اپنا "لوح محفوظ" کا نوشتہ تلاش کرنے والوں میں وہ بھی شامل ہوتا ہے۔ مگر کس آن بان سے؟

کھو کر اپنے اُصولوں کی آبرو کے لئے
کھو کہ حفظ خیابان آرزو کے لئے

شاملِ سلسلۂ کوہسار ہیں ہم لوگ
ثبوتِ عظمتِ پروردگار ہیں ہم لوگ

پڑے جو وقت، تو اپنا لہو جلائیں گے
چراغِ ملتِ بیضا کی لَو بڑھائیں گے

لیکن جلد ہی پر اس پر یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ان سیاسی بازیگروں کی شعبدہ بازیاں اس کے ضمیر کو مطمئن نہیں کر سکتیں تاب ضبط نہ رہی تو پکار اٹھا:

اے دیدہ ورو! بالغ نظرو! اسرار شناسو! کچھ تو کہو
جب اتنا تضاد آگیں ہے وطن، تکمیلِ تمنا کیونکر ہو
اک سمت کسی کے ہونٹوں پر، کلیاں سی چٹکتی رہتی ہیں
اک سمت کہیں بے نور آنکھیں، گلیوں میں بھٹکتی رہتی ہیں
اک سمت کسی کے قبضہ میں سرمستی کی جاگیریں ہیں
اک سمت کہیں فریاد پہ بھی، تہدیدیں ہیں، تعزیریں ہیں

اور سوسائٹی کے درمیان جاری و ساری تضاد کی نشاندہی کرتے ہوئے ذمہ داروں سے سوال کرتا ہے:

اگر یہی ہے تگ و تازِ جستجو کا مآل!!!
تو خود فریبی و مفہومِ گمرہی کیا ہے؟
اگر یہی ہے کرم رہبرانِ منزل کا
تو دشمنی کسے کہتے ہیں؛ رہزنی کیا ہے؟

پھر اس کے لئے اُس کا ردعمل کتنا شدید ہو جاتا ہے۔ دیکھئے:

اے ہوس پیشہ! مجھے دعوتِ تقلید نہ دے
تیرے ہمراہ میں دو گام نہیں چل سکتا
اس حقیقت کا تجھے علم نہیں ہے شاید
شعلہ خاشاک کے سانچے میں نہیں ڈھل سکتا
ڈوبتے، بجھتے، سسکتے ہوئے تیاروں سے
کچھ ضیا مانگ کے تو اخذِ سحر کرتا ہے!
اور [illegible] دل [illegible] کے [illegible]
[illegible]

اب ان کا ساتھ دینے کے بجائے ٹکرانے کو تیار ہے۔ کیونکہ اسکا سیاست آشنا مزاج اب آغاز پر نہیں انجام پر نظر رکھتا ہے۔

ایسا نہ ہو یہ بےکس بندے تکرار کی آنچ نہ لگیں
تقدیر کے گن گانے والے تلوار کی باتیں کرنے لگیں

ملک کے "ٹھیکوں" کو ان سے اس طور پر خبردار کرتا ہے۔

دولت کے پجاری اپنے کو تہذیب سے والا کہتے ہیں!
کو نین کے مالک بنتے ہیں سنسار کا آقا کہتے ہیں
آدابِ محبت! مہر و وفا، آزار ہیں ان کی نظروں میں
ایثار و خلوص و لطف و عطا بیکار ہیں انکی نظروں میں
اظہارِ فضیلت سکوں کی جھنکار ہے ان کے مذہب میں
معیارِ شرافت بیہودہ تکرار ہے ان کے مذہب میں
نادار کو احمق کہتے ہیں، فاقہ کو حماقت کہتے ہیں
مزدور کو حیواں کہتے ہیں، محنت کو جہالت کہتے ہیں

لیکن اس کے مشن کی کامیابی ایک فرد واحد کے یا کچھ [illegible] کے انداز فکر کی تبدیلی پر منحصر نہیں، اس کے لئے ضروری ہے کہ "مجلس نشینانِ مجلسِ ارشاد" اس کے اجتہادی پیغام کو وسیع النظری سے سمجھنے کی کوشش کریں۔ دیکھئے۔

اے جہدِ ارتقا کے سبک گام رہرو ٹھہرو ذرا ہماری بھی جستجو کرتا
دستِ خرد نے رنگ بکھیرے نقش ذات میں آؤ! فنا ہماری زندگی [illegible]

دیکھو کہ سعیِ حسنِ طلب جستجو ہی ہے
جدت طرازیوں کا ہنر کارگر ہی ہے

جن منزلوں میں عقل نے بت ہی تراشے [illegible] دیکھو کہ ان حدوں میں [illegible]
آؤ مریضِ مدح کی نظریں ٹٹول کر دیکھو مرض میں کوئی اضافہ [illegible]
تم تو بہ جرم خوشی [illegible] یارو! تم جہاں کا [illegible]

دیکھو کہ اجتہاد و خرد خام تو نہیں
یہ ارتقا حقیقت اوہام تو نہیں

[illegible] علم و فن کے [illegible]

حکمت و بیان کے دربانوں کی تنگ مزاجیوں سے یونس خوب واقف ہے۔ اس لئے عرض مدعا کی عبارت میں متانت روی کا دامن کیسے تھامتا ہے! ملاحظہ فرمائیے:

میں دیکھتا ہوں اتنی امنگوں کے باوجود — اپنی بساط فکر و عمل پر شکن سی ہے
لب پر ہیں یوں تو حسن خرامی کے زمزمے — لیکن مذاق گرم روی میں تھکن سی ہے
رگ رگ میں دوڑتا ہے لہو جوش عزم کا — لیکن نظر میں ضعف یقیں کی جلن سی ہے
روکے ہوئے ہیں مصلحت اندیشیاں قدم — سینے میں احتیاط کی نازک چبھن سی ہے

آخر نظر میں وہم کی انگڑائیاں ہیں کیوں
رقصاں امید و بیم کی پرچھائیاں ہیں کیوں

جو طبقہ اس پیغام کا امین بن سکتا تھا وہ خائن بن گیا۔ اس حقیقت کے رمز آشنا خود اپنے مدفن بن گئے۔ تحریک کے ترجمان لب بستہ ہو گئے۔ یونس کا درد و کرب شاید ہی کوئی سمجھ سکے۔ دیکھئے آنسوؤں پر کیسے بند باندھ لیتا ہے ؎

کوئی بجلی گراؤ! گل بداماں سے کہنا ہے
کہیں سے تو تو اٹھے، شعلہ سامانوں سے کہنا ہے
مذاقِ شعلہ گامی ہی امیں ہے حسن منزل کا
یہ نکتہ کارواں کے میر سامانوں سے کہنا ہے
قفس کی تیلیاں فریاد کے شعلوں سے جلتی ہیں
قتیلِ خوشنوائی زمزمہ خوانوں سے کہنا ہے
فقط عنواں کی سرخی زیب لوحِ دل نہیں بنتی
مجھے یونس غزل پیما زباں دانوں سے کہنا ہے

وہ خوب جانتا ہے کہ بھوکے پیٹ اور ننگے بدن حالات کے دھارے پر دیر تک نہیں بہہ سکتے۔ اس کو تاریخ نے بتا دیا ہے کہ بیکسوں اور مجبوروں کو زیادہ عرصہ تک بے وقوف نہیں بنایا جا سکتا۔ قانون قدرت خدا کی زمین پر یکساں طور پر کارفرما ہوتا ہے۔ یہاں بھی انقلاب دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس موقع پر یہ علم و ادب کے علمبردار اس انقلاب کی رہنمائی کریں۔ کیونکہ جس انقلاب کی بنیاد دین فطرت کے تقاضوں کے مطابق نہ ہو اس سے سوائے بربادی اور تباہی کے کچھ حاصل نہیں۔

اے کشتگانِ لفظ و معانی جواب دو
کیا بن گئے ہو جوہر کردار بیچ کر؟
کیا پا گئے ہو شیشہ مزاجی کے فیض سے
کیا کھو دیا ہے فطرتِ کہسار بیچ کر؟
تم کو تو ناز ہے کہ بہار آفریں ہو تم
منت پذیر دامنِ گلچیں ہو کس لئے
دعوے رہا ہے تم کو! مسیحا نفس ہو تم
محتاج عکس دامنِ رنگیں ہو کس لئے
تم بھی تو ایک موج ہو اس سیلِ نور کی
کیوں بجلیاں نہیں ہیں تمہاری نگاہ میں
کیوں خودکشی پہ آج ہے مجبور کائنات
کیوں زندگی نہیں ہے تمہاری پناہ میں؟

ان کی بے حسی اس کے لئے سوہانِ روح ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ آنے والے انقلاب کی سربراہی ان کے ہاتھ میں ہو۔ اسکی خواہش ہے زمانے کے رُخ بدلنے پر اسکی باگیں زبردست نہیں۔ بلکہ ان جیسے زیردستوں کے پاس ہوں۔ اسلئے یہ تمنا کرتا ہے۔

بل کھائے کوئی موج تڑپ سوز دروں کی! — کر دے جو ترے جوہر فطرت کو نمایاں
پھوٹے تری آنکھوں سے کرن حسن طلب کی — مچلے ترے تیور پہ بلاخیزیٔ طوفاں
چمکیں ترے ہونٹوں پہ تمنا کے شگوفے — مہکے تری سانسوں میں عزائم کا گلستاں

بیتاب ہے کروٹ کیلئے تیرا زمانہ!
اے وقت کی آغوش میں سوئے ہوئے طوفاں

اہل سیاست کی فریب کاریاں اور اہل علم و فن کی عشوہ طرازیاں اس کے غموں کا مداوا نہ کر سکیں:

علاجِ کشمکشِ روزگار ہو نہ سکا
غمِ حبیب کو درماں بنا کے دیکھ لیا

فسردگی دلِ محزوں کی دور ہو نہ سکی
رباب اُٹھا کے غزل گنگنا کے دیکھ چکے

اسلئے وہ ان کے خود ساختہ اُصولوں کو توڑتا ہے۔ ان کے مذاقِ سخن سے کتراتا ہے۔ اس گروہ میں اس کے ہمزبان نہ تھے۔ اس بھیڑ میں اُسکا کوئی ہم مشرب نہ تھا پھر بتائیے وہ یہ نہ کہے تو کیا کہے

کسی نے بھول کے بھی چشمِ التفات نہ کی
کوئی بھی غم کے تقاضوں کا رازداں نہ ہوا!
چمن میں لالہ و گل کی کوئی کمی تو نہ تھی
کوئی نسیم کی موجوں کا ہم عناں نہ ہوا
کرن ہو، لعل و جواہر کہ دامن زرکار
کوئی بھی اشک کی گرمی کا ہمزباں نہ ہوا

وہ اُن کی انجمنِ ناز ہو کہ خلوتِ شوق!
کہیں بھی ذکرِ علاجِ بلاکشاں نہ ہوا

ایک طرف انقلاب دستک دے رہا ہے اور دوسری طرف وہ جہاں بھی نظر ڈالتا ہے بےحسی، مُردہ ذوقی، خود غرضی، بےبسی، کم نظری، پست ہمتی اور الزام تراشی کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتا۔ حیران ہو کر کہتا ہے۔

غرض نے لوٹ لیا، صبحِ زندگی کا سُہاگ
لبوں پہ آہ کا طوفاں ہے دیکھیئے کیا ہو
ہوس نے آگ لگا دی ہے لالہ زاروں میں
بہارِ غم سے فروزاں ہے دیکھیئے کیا ہو

نفاق و بغض و کدورت فساد و حرص و ہوس
ہر ایک گام پہ عریاں ہے دیکھیئے کیا ہو

وقت کے اس موڑ پر بہتوں نے علم و کتاب کے رکھوالوں کے آگے سر جھکا دیا۔ احساسِ کمتری یہاں تک بڑھا کہ ان کی ثقافت تہذیب، اور یہاں تک کہ مذہب پر آنچ آنے لگی اور یہ ذلتیں وہ چند ٹکڑے سکوں کی خاطر برداشت کرنے پر آمادہ تھے۔ مگر یونس اسکو کسی حال میں بھی برداشت نہیں کرسکتا۔

کرتا رہوں گا جبر پرستی پہ احتجاج
جبتک زباں میں طاقتِ عرضِ کلام ہے
گلتے رہیں گے زخم جبینِ سجود پر
جبتک مرے قلم کی انی بے نیام ہے

اور یہ کہہ کر اُن سے اپنے سارے رشتے اور تعلقات توڑنے کا اعلان کرتا ہے۔

خاکسارانِ خرد سے کوئی کہہ دے یونس
آپ کا سایۂ داماں ہمیں منظور نہیں

اپنے ماحول میں ہم آبلہ پا ہی بہتر
اجنبی صحنِ گلستاں ہمیں منظور نہیں

جسمیں جلتا ہو خود اپنی ہی تمنا کا لہو
وہ چراغِ تہہ داماں ہمیں منظور نہیں

چونکہ اسکے مذہب میں کفر و ایمان، شرک و وحدانیت اور ابلیس و جبریل کے مابین ایک نقطہ بھی مشترک تھا۔ اسلئے یہاں مکتب و خانقاہ سے ان کا نباہ نہ ہو سکا۔

لیکن افسوس یہ ماحول بھی راس آ نہ سکا
کیونکہ تسبیح کی زنجیر میں جھنکار نہ تھی
حلقۂ ذکر میں ضربیں تھیں مگر سوز نہ تھا
آہ نم خوردہ تھی، تکبیر شرربار نہ تھی!
ایک نالہ بھی نہ تھا، سرکش و بیباک و غیور
ایک فریاد بھی لذت کش آزار نہ تھی

ایک سجدہ بھی نہ تھا رفعت گردوں کا حریف
اک مناجات بھی رقصندہ و بیباک نہ تھی

سیاست دانوں اور قلم کاروں کو ڈرکنے والا۔ ان آستانوں کے بیچ بڑی آسانی سے کھول سکتا تھا۔ لیکن اس مشغلہ عث کے لئے اس کو ان "پست قدوں" کے آگے جھکنا پڑتا۔ یونس کو وہ

کہ کہیں یہ "طائفہ" اس کو "سجدۂ تعظیم" قرار دے کر دامن پھیلاتے پھیلاتے پیر نہ پھیلا دے۔ اس لئے ان کی شکایت خدا سے دیکھئے کس انداز سے کرتا ہے :

گر اے خالقِ ارض و مساوات — یہ ناہنجار تیرے ہیں نہ میرے
نہ مومن ہیں، نہ شیطاں ہیں کافر — نہ تابانی، نہ شعلے نے اندھیرے
یہ ناداں چند کھوٹے درہموں پر — متاعِ دین و ایماں بیچتے ہیں
فقط کچھ کاغذی پھولوں کے بدلے — اُصولوں کا گلستاں بیچتے ہیں

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی منزل کی تلاش میں وہ اب بھی سرگرم سفر ہے۔ راہ میں کچھ اور لوگ ملتے ہیں، جو ملّت کے درد کا علاج مغرب کے وضع کردہ اُصولوں سے کرنا چاہتے ہیں مغرب کی ترقی نے اُن کو سحر زدہ کر دیا ہے مگر یونس اُن کے تجدّد سے تنگ ہو۔ مشکل یہ ہے کہ وہ مذہب کو بھی مغرب کی دہریت کے سانچے میں ڈھالنے کے در پے ہے۔ یونس اُن کو کس خطیبانہ انداز سے مخاطب کرتا ہے۔

سلام اے زعمِ ملّت کے امینو! شعلہ گفتارو
سلام اے آسمانِ فکر کے رخشندہ سیارو
سلام اے رہنمائی کی مشقت جھیلنے والو
فقط الفاظ کے دھیمے سُروں سے کھیلنے والو
سیاست مشربو! ناموسِ ملّت کے نگہبانو!
مسائل کی زباں سمجھو! ہَوا کے رُخ کو پہچانو
کوئی شمشیر ڈھالو، جو ہر جوشِ ارادی سے
سپر پیدا کرو کوئی کفِ خود اعتمادی سے
مبادا پھر کوئی عفریت میداں میں نکل آئے
تمہیں اپنی صفوں کو تھامنا دشوار ہو جائے

وہ بڑے اعتماد سے جس راستہ پر چلا تھا، اُس کے ہمسفر ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے۔ سیاست داں اس سے برگشتہ اس کے ہمسفر اس سے دامن کشیدہ اور "اماناتِ دین" تو اس سے آشفتہ تھے ہی، اس کی بے چینی، سخت کوشی، اور گرم نگاہی سے اُس کے ہمدرد اور غمگسار بھی "دل برداشتہ" ہو گئے۔

کوئی بتائے! وہ یارانِ میکدہ ہی سہی
فضائے بزم بڑی دلشکن ہے آخر کیوں
لبوں پہ جشنِ بداماں، گلوں کے سایہ میں
شکستِ دل سے نمایاں تھکن ہے آخر کیوں
میں سوچتا ہوں کہ اک گونہ بے خودی کیلئے
کہیں گے موت کو احباب زندگی کب تک
جنوں کے پاؤں میں کیوں احتیاط کی زنجیر
خرد کی راہ میں ترغیب گمرہی کب تک

اپنے جہدِ مسلسل کی یہ وجہ بھی بتاتا ہے کہ :

سکوت زہر ہے۔ احساس تشنگی کے لئے
جہاد ایک ضرورت ہے زندگی کے لئے

اسلئے اُن کو ان الفاظ میں اُن کا فرض یاد دلاتا ہے

زہے نصیب کہ ہم پر یہ فرض عائد ہے
اُصولِ حق و صداقت جہاں میں عام کریں
کریں بلند صلاح و فلاح کا پرچم
پیامِ صبر و شہادت جہاں میں عام کریں

ناسازگار حالات، ناساعد واقعات، دلدوز حکایات، قدم بقدم حادثات اور ہر ایک سے ترکِ تعلقات پر وہ اپنے کو یکہ و تنہا محسوس کرتا ہے۔ اپنے افکار کی ناقدری، دوستوں کی بیگانگی، قدر دانوں کی بے توجہی، وقت کے حاکموں کی چیرہ دستی، زمانہ کی انگشت نمائی اور اپنی بے بضاعتی اس کے راستہ میں حائل ہو گئی۔ اس کے پیغام کو شاعری کہہ کر ٹال دیا گیا۔ اس نے پکارنے کی کوشش کی تو آواز پر پہرے بٹھا دیے گئے۔ اس نے سمجھانے کی کوشش کی، تو دنیا نے سمجھنے سے انکار کر دیا۔ جیسے جیسے ہی مصلحت بینی کا شکار ہو گئے۔ اور ناصح اپنے مفاد کیلئے [illegible] آزاد۔

(دیکھئے ——)

میں نے خورشید کو ذرّوں میں سمونا چاہا
سنگریزوں نے اسے میری شرارت سمجھا
میں نے فریاد سے روحوں کو جگانا چاہا
تنگ نظروں نے اسے حرفِ شکایت سمجھا
میں نے ٹوکا کہ تعصب ہے تباہی کا نقیب
خوردہ بینوں نے اسے طنز و ملامت سمجھا

شب کے فرزند، اُجالے سے پریشاں ہی رہے
آستینوں میں چھپائے ہوئے پیکاں ہی رہے

خیر! اسے اسکا بھی گلہ نہیں، کوئی شکایت نہیں! ہاں حسک پاشی کی وہ تاب نہ لا سکا۔ اتہام کے تیر اُس کے کلیجہ کو برما گئے۔ بہتان اُس کے قلب کو چرکا لگا گیا۔ افترا پردازی نے اُسے تڑپا دیا۔ بذات خود اُس پر بھروسہ نہ رکھو۔ مگر اُس کے مسلک پر تو شبہ نہ کیا جائے۔

فکر و احساس کے گوشے نہ چمکتے نہ سہی
صبح کے رُخ پہ سیاہی تو نہ پھیری جاتی
لوگ مانوس تھے ظلمت سے تو رہتے لیکن!
شمع کے خون سے ہولی تو نہ کھیلی جاتی
شوق سے کوئی پرستار کدورت رہتا
آبگینوں پہ غلاظت تو نہ پھینکی جاتی
مُردہ ذوقی کی تسلی کے بہانے تھے بہت
آگ تو خرمنِ گُل پہ نہ اُنڈیلی جاتی

چارہ سازی کیلئے بھی ہے سلیقہ درکار
[illegible] کلیوں کی چھری سے تو نہ کھولی جاتی

اس کے باوجود وہ ان عناصر سے متنفر نہیں، بلکہ جذبۂ ہمدردی و غمخواری کی پوری شدت کے ساتھ اُنہیں مخاطب کرتا ہے۔ تخاطب کے ایک ایک لفظ سے اُسکا کرب نمایاں ہے۔

ہے تجھے زعمِ کمالاتِ ہنر اور مجھے تیری کوتاہ نگاہی پہ ترس آتا ہے
سوچ کر تیرے مریضانہ عزائم کا مآل فرطِ دہشت سے مرا قلب لرز جاتا ہے

آ مرے پاس ترے دل کے سیہ خانہ میں!
عشق کے سوز سے خورشید درخشاں رکھ دوں
چند کلیوں کے لئے کیوں ہے عبث سرگرداں
تیری آغوش تمنا میں گلستاں رکھ دوں

نا اُمیدی کے ان اندھیروں میں اگر کوئی روشنی دکھا سکتا ہے مایوسی میں فریاد سُن سکتا ہے۔ اس کے ناسور پر مرہم رکھ سکتا ہے۔ دل میں ایمان و ایقان کی شمع جلا سکتا ہے تو وہ بے شک ایک ہی نام نامی اور ایک ہی انسان کا وجود گرامی ہے۔

یونس اُس کے آستانے پر یوں جبہ سائی کرتا ہے۔

سلام اے مظہرِ شانِ کریمی سلام اے مصدرِ فیضِ عمیمی
سلام اے امن و رحمت کے پیمبر سلام اے عفو و رحمت کے پیمبر

اور پھر یہ دعا کرتا ہے۔

جو لباسِ کفر اُلٹ سکے مرے عزم کو وہ جگر ملے
جو متاعِ جبر کو پھونک دے مری فکر کو وہ شرر ملے

کیا اس در سے آجتک کوئی خالی ہاتھ آیا ہے؟ وہاں سے کوئی مایوس لوٹا ہے؟ کوئی نامراد رہا ہے؟ نہیں! اور اگر نہیں تو دیکھئے یونس کے قلم کو کیا مل گیا ہے۔ جس سے یہ موتی ٹپک رہے ہیں:

میں پیمبر تو نہیں ہوں مگر اے عصرِ رواں کم نہیں شہپرِ جبریل سے پروازِ مری
سُن سکے کوئی تو اربابِ تغافل کیلئے آج بھی صورِ سرافیل ہے آوازِ مری
چشمِ دل وا ہو تو ہے عقدہ کشا ہستی عرصۂ فکر و تخیل میں تگ و تازِ مری

شامِ امروز ہے آئینۂ فردا مجھ کو
مضطرب رکھتا ہے میرا دلِ بینا مجھ کو

(یونس تنویری کا نمونہ کلام ... [illegible])

سبک رفتار
صبا رفتار
جدید ڈزائنوں میں
آپ کیلئے

اکبر پلاسٹکس

آج ہی
تشریف لاکر خرید لے

قطرہ!
سمندر میں

۱۰ ذی الحجہ : ۲۸ فروری

مزدلفہ میں تہجد میں بھی آنکھ نہ کھلی، توپ خانہ کی آواز نے چونکا دیا! ساتھی بھی اُٹھ بیٹھے۔ توپ حکومت کی طرف سے اعلان تھا کہ فجر پڑھ لو۔ اور مزدلفہ چھوڑ دو۔ وضو کیا اوّل وقت اندھیرے میں نماز پڑھی۔ رمی کیلئے کنکریاں چنیں۔ چٹائی اُٹھائی۔ کمبل تہ کیا اوڑھ کمبل کاندھے پر، چٹائی بغل میں، چلدیے۔

کافی لوگ جا چکے ہیں۔ کافی جارہے ہیں۔ سپیدۂ سحر سے پہلے ہم لوگ مزدلفہ سے بہت آگے نکل چکے تھے۔

بسیں، کاریں۔ مختلف سواریاں۔ بھاگی جارہی تھیں۔ ایک بس بھر رہی تھی۔ "واحد ریال منیٰ" آواز دے رہا تھا۔ بیٹھ گئے اور ایک گھنٹہ کے اندر حدود منیٰ پہونچ گئے۔ خیمہ تک پیدل جانا مشکل ہوگیا۔ وہ بھیڑ کہ الاماں! بڑی کشادہ سڑک لیکن کھچا کھچ! خیمہ پہونچکر کنکریاں صاف کیں۔ رمی کو چلدیے۔

دبتے دباتے، بڑھتے بڑھتے۔ جمرہ کبیر کے قریب پہونچے۔ بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر پہلی کنکری پھینکی اور پھر باقی!

جیسے بارش ہوتی ہے۔ کنکریاں موسلا دھار بارش کی طرح چار طرف سے پڑ رہی تھیں۔ بارش سیدھی ہوتی ہے، یہ ترچھی۔ کنکریاں جاتی ہوئی نظر آرہی تھیں۔ واپس ہوتے، پیروں سے دب دب کر ٹوٹی چپلیں راستہ میں اس قدر پڑی ہیں جسکا حساب نہیں۔

خیمے میں پہونچے، ناشتہ کیا۔ یہ چند سطریں لکھیں۔ جی بھر آیا ہے آج ہمارے ملک میں عید اضحیٰ ہوگی۔ کل یہاں اپنے وقت پر مغرب کی نماز ختم کردی گئی تھی۔ آج یہاں عید اضحیٰ کی ذاتیت بالکل ختم کردی۔ خبر بھی نہیں کہ آج اسلامی معاشرہ کا سب سے بڑا تہوار ہے۔

قربانی کا زور شور ہے۔ منیٰ کے ذبح کی تعریف سن رہے ہیں۔ دھوپ بھی بڑی سخت ہے۔ قربانی ایک صاحب کے سپرد کی کہ وہ میری جانب سے کردیں۔ میری خود ہمت نہ پڑی۔

عبدالرحیم انصاری جنھیں جدہ میں قدوائی صاحب ہماری دیکھبھال کیلئے چھوڑ گئے تھے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے معلم کے خیمہ تک آگئے۔ حج کی مبارکباد دی۔ وعدہ لے گئے ہیں کہ جدہ میں جو چھوٹا سا مشاعرہ کررہے ہیں۔ اُسمیں شرکت کروں۔ قدوائی صاحب نے بھی یاد کیا ہے۔ ایک عربی چائے خانہ میں "سلیمانی چائے" باری تعالیٰ کی یکتائی اور بےہمتائی کو اپنی توحید میں شرکت کی طرح اور کسی صورت میں پسند نہیں۔ قرآن کریم میں مختلف وقتوں

پہلا انسان کو آگاہی دیدی گئی ہے۔ وہ اس گناہ کو کبھی بھی معاف نہیں فرمائے گا۔ کبر و غرور، صفات یزدانی ہیں۔ اور اپنے لئے مخصوص!

عظیم سے عظیم شخصیت! بڑی سے بڑی مخلوق کو استثنار نہیں۔ لیکن عبرت ہوتی ہے۔ حج میں یہ رسی بھی ڈھیلی کردی ہے۔ تکبر و غرور، اکڑ اور خودنمائی کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہی نہیں گیا۔ لازمی کردیا گیا۔

طواف، سات چکروں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن طواف زیارت کے تین شروع کے چکروں میں "اضطباع" اور "رمل" لازمی ہے۔ اضطباع یہ کہ احرام سے شانہ سے لیکر پورے ہاتھ کو ننگا کردیا جائے اور رمل یہ کہ آدمی ذرا اکڑ کر تیز چال سے اینٹھتا ہوا چلے۔ اور باقی چار چکر معمولاً ـــــ سلامت روی کے ساتھ!

اسلام کے ابتدائی دور میں جب تحریک کمزور تھی، اسلحہ جات کی کمی تھی۔ آدمی کم تھے۔ مسلمان حج کے لئے آئے، تو دشمنان اسلام ٹوہ لینے کے لئے چھپ چھپ کر ان کی حالت دیکھنا چاہتے تھے۔ صحابۂ کرام کو پتہ چلا، تو وہ طواف کے عالم میں بجوئی کا مظاہرہ، خود اعتمادی کی شان۔ اور طاقت کی نمائش کے لئے اکڑنا کو ضروری سمجھے، اور کرنے لگے۔ اور اس کا نتیجہ بھی مفید برآمد ہوا۔

حضرت حق نے اپنے رسول کو اس "خودسری" کی خبر دیکا۔ اور اس خودسری کی ادا پر اپنی اور فرشتوں کی پسندیدگی کی بھی خبردی۔ اور جبھی سے یہ ادا خاص طوافوں کا جزو بن کر رہ گئی!

میں منیٰ سے طواف زیارت کیلئے آیا ہوں۔ دیکھتا ہوں کہ چھ چھ سات سات فٹ کے حاجی، تنومند اور فربہ اندام طرفین سیاہ و سفید۔ شامی اور افریقی۔ گندمی اور زرد۔ ملایائی اور جاوی، سب جلے رمل میں منہمک ہیں۔ انھیں لوگوں میں ایک چار فٹ کی قامت کا دبلا پتلا شخص بھی ہے۔ شانہ احرام سے نکلا ہوا۔ طواف کے شروع چکروں میں یعنی رمل میں اسکی رفتار، اسکا ٹھہا۔ اسکی اکڑ دیکھنے کی چیز ہے۔

اُس وقت کے پہلوانان عرب تو الگ رہے، آج پرسن زبسکو اور نارٹن بھی دیکھیں تو ان کے چھکے پانی ہو جائیں اور شکست میں ایک طرح کی روحانی خوشی محسوس کریں۔

۱۱ ذی حجہ : ۲۹ فروری

نماز فجر کے بعد ہی طواف زیارت کے لئے مکہ مکرمہ چلدیا ٹیکسی سے دیکھ رہا ہوں، بازار سنسان پڑے ہیں۔ دوکانیں بند ہیں۔ وسیع شرکیں اُداس پڑی ہیں۔ کیونکہ حج کی وجہ سے مکہ بھی خالی ہو چکا تھا۔

حرم آگیا۔ زمزم سے وضو کیا۔ اور طواف شروع کردیا۔ مجمع ہے لیکن اژدحام نہیں۔ واجب الطوف کے بعد زمزم گئے۔ اور صفا و مروہ میں سعی کی ـــــ سعی سے فراغت کر کے پھر حرم آیا۔ اب مطاف میں آدمی بڑھ رہے ہیں۔

اپنے یہاں کے وقت کے حساب سے ۱۱ بجے منیٰ کو واپس ہو گئے جس راستہ سے آئے تھے۔ واپسی پر وہ راستہ نہیں۔ گاڑی فرائے بھرتی جارہی ہے۔ خدا کرے نماز جمعہ سے پہلے پہنچ جاؤں۔

واپسی میں راستہ طویل ضرور ہوگیا۔ لیکن منیٰ قبل از جمعہ ہی پہونچ گیا۔ مسجد خیف میں جمعہ کی نماز پڑھی۔ دھوپ سخت ہے اور مجمع کثیر! ـــــ

مسجد خیف میں بتایا گیا۔ آں حضورؐ نے وسطی قبہ میں نماز ادا فرمائی ہے۔ خلیفۂ چہارم نے اسکو اپنے دور میں ترقی دی۔ پھر ترکوں نے تعمیر کو کافی آگے بڑھایا۔ اب سعودی حکومت نے پھر توجہ دی ہے۔ بہت وسیع ہو گئی ہے۔ منارہ کوفی طرز کا ہے۔ بجلی کی روشنی سے رات کو دلہن بن جاتی ہے۔

پوری مسجد میں لوگ اقامت گزین ہیں۔ اور زیادہ تر سیاہ لوگ ہیں۔ عربی زبان تو ہے۔ لیکن بعض انگریزی بھی بولتے ہیں۔

عصر بھی اسی مسجد میں پڑھی۔ بعد نماز مسجد کے اردگرد چکر لگایا۔ مسجد کی توسیع کا سامان اکٹھا کیا۔ بعد حج پھر یہ سلسلہ شروع ہوگا۔

منیٰ میں پانی کا اچھا انتظام ہے۔ بھٹکے اور کھوئے ہوئے حجاج کو اُن کے اپنے خیمہ تک پہنچانے کے لئے ایک بہترین دفتر ہے، آدمی وہاں پہنچا دیا جاتا ہے۔ اور معلم کا نام لینے پر معلم کا آدمی اپنے خیمہ میں لیجاتا ہے۔ منیٰ میں معلمین کے خیموں کا نقشہ ان کے پاس ہے۔ گھنٹہ بھر کے اندر مسافر گم گشتہ اپنی منزل پالیتا ہے۔

منیٰ کے اطراف میں، گوشت ہڈی کی افراط نہ پوچھئے۔ سڑک پر۔ گاڑیوں کے آگے پیچھے، خیموں کے آس پاس ذبح کئے ہوئے جانور پڑے ہیں۔ پھول رہے ہیں۔ آلائش پڑی ہے۔ خیموں میں رانیں، سینہ، دست مع کھال لوگوں نے لٹکا رکھا ہے۔ گوشت کٹ رہا ہے بھن رہا ہے، پک رہا ہے اور سب خیموں کے اندر — الاماں! سر کے بال اُتر وا دیے۔ سیفٹی ریزر سے سر چھیلا گیا ہے۔ کہیں کہیں چر کے بھی ہیں اور دو دو ریال میں ؎

"وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب اُلٹا"

سنیچر: ۱۱ ذی الحجہ، ۱یکم مارچ

رات کو بے چینی رہی، خیمہ میں گھٹن ہے۔ فجر کے بعد باہر نکل گیا ہوٹلوں میں بھیڑ ہے۔ کھانے پینے کی دوکانوں پر مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں پھر خیمہ میں واپس آیا۔ ساتھیوں کے ساتھ تینوں جمرات پر رمی کے لئے چلا گیا۔

تنومند افریقی، مضبوط جسم والے مینی اور بدو مجمع کو پھاڑتے رمی کے لئے جارہے ہیں۔ بے حساب مجمع ہے۔ دبتے دباتے ایک کے بعد دوسرے اور دوسرے کے بعد تیسرے جمرات پر ترتیب سے رمی کی۔ ایک ایک ساتھی بچھڑ گیا۔ کچھوے کی چال سے مجمع سے نکلا خیمہ کو چلا۔ راستہ بھول گیا۔

کافی دیر پریشان ہوکر خیمے میں پہونچا۔ وہی حبس اور متعفن فضا۔ طے کرلیا ہے کہ آج ہی واپس جاؤنگا۔ ساتھی افضلیت کیلئے ۱۳ تک رکیں گے۔ ویسے اجازت ہے۔ ۱۲ تاریخ کو مغرب سے قبل منیٰ چھوڑا جاسکتا ہے۔

منیٰ میں تعفن اور غلاظت اس قدر پھیلی ہے کہ سانس نہیں لیجا سکتی۔ گوشت اور ہڈیوں کی افراط۔ انسانی معدہ کی خارج شدہ گندگی کے ڈھیر۔ پیشاب کی کھراند — احتیاج اور جگہ کی قلت سے عورتوں اور مردوں کی خلقی شرم، اُٹھ سی گئی ہے نفسی نفسی کا وہ عالم کہ قیامت کا روایتی تصوّر متشکل ہوکر آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے۔

ظہر اور عصر منیٰ میں پڑھی۔ ایک اور شخص بھی تیار ہوگیا۔ سامان "کل" آنے والوں کے سپرد کر کے کہ بس میں لیتے آئیں، میں نے عصر کے بعد منیٰ چھوڑ دیا۔

بس اور ٹیکسی نہیں ملی۔ پیدل ہی حدود منیٰ سے باہر آگئے نماز مغرب راستے کی ایک مسجد میں، اور عشا مسجد حرم میں پڑھی اور رات ہی کو مسجد حرم کے قریب قبرستان "جنت معلیٰ" پہنچے۔ اُس کے اندر داخل ہوگئے۔ اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) یہاں آرام فرما ہیں۔ جگہ سنسان اور باوقار ہے۔ ایک بتّی سے مدھم اُجالا ہے۔

رات ۱۱ بجے مکہ میں قیامگاہ پر پہونچے اور سو گئے۔

۱۲ مارچ: اتوار

زندگی کا یہ پہلا اتفاق ہے کہ کوئی تہوار باہر پڑ رہا ہے یہاں جمعرات کو ۱۰ ذی الحجہ تھی۔ یعنی عید اضحیٰ۔ حج کے مناسک وشعائر نے عید سعید کی یاد بھی نہ دلائی۔ مسافر حج پر تو واجب نماز ساقط ہے۔ کل منیٰ میں گوشت کی افراط کا جو عالم دیکھا اللہ والحفیظ۔ اور اس افراط پر آپ حیران ہونگے۔ اونٹ کی ایک بھیڑ کی

بول. مجھے تجربتاً کھانا چاہا تھا، چکھ کر الگ رکھ دی. پیچش سے
خوف زدہ بھی تھا. کہ کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں. اور تنہا
آدمی کر ہی کیا سکتا ہے. عربی ذائقہ زبان کو لگا نہیں کہ بازار ہی
سے پیٹ بھرے. بھنا ہوا مرغ خریدا. ویسے ہی چھوڑ کر ہوٹل سے
چلدیا. ساتھیوں پر پکانے کا بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا. پیشکش ہوئی
لیکن مسترد کردی. اور اسی لئے اس سفر میں بھوکا رہنے کا شرف
بھی ملا. کہ اس سنت کی لذت لے لی جائے! گو اس سنت اسلاف
کی سچائی اور ہی مجبوری نہ تھی بلکہ سہل انگاری اور خود پیدا کردہ تھی.

۳ر مارچ : اتوار

فتح مکہ کے بعد —— برسوں کے مجبوروں اور بے کسوں کا
پہلا قافلہ جب مکہ میں داخل ہوا ہے تو اُس وقت کا عالم نہ پوچھئے
رنگ و نسل، قدامت و شرافت کے پرچم پھٹ چکے تھے. اور ایک
خدا ایک انسانیت، ایک دین کی شمع روشن ہو چکی تھی. کل تک
جو اونچے تھے، تحت الثریٰ پہونچ چکے تھے. اور جو پیشانیوں کو زمین
پر رگڑا تے تھے، جنکی تلواریں چیتھڑوں سے لپٹی ہوئی تھیں. اُنہیں
سربلندی عطا کی جا چکی تھی.

برسوں تک جنھوں نے مظالم برداشت کئے تھے، آج شمشیر
کے دستے پر اُن کا ہاتھ تھا. جن پر یہ لوگ اپنے ماں باپ فدا کرتے
تھے، آج اُن کی اہانت کا بدلہ لینے کا دن تھا. ایک صحابی نے
ماحول سے فرط انتقام سے سرشار ہوکر جوش میں آکر کہا —— الیومُ
یوم الملحمہ (آج گوشت اور خون کا دن ہے). پیغمبرؐ کے
کانوں تک بات پہنچی. تو وہ رحم و شرافت کا پیکر مقدس برداشت
نہ فرما سکا. رسولؐ نے تیز آواز سے کہا الیوم —— یوم المرحمہ
(نہیں! آج رحم و عفو کا دن ہے)

صرف ان صحابی کے سارے جملہ میں ایک حرف کی تبدیلی ہے.
آپ نے "ل" کو "ر" سے بدل دیا. اور مفہوم کہاں سے کہاں پہنچ گیا.

صحابی نے گردن جھکادی —— اور آپ بھی جانتے ہیں اور یہ چاند
سورج گواہ ہے کہ انسانی تاریخ نے رحمت و عفو کے مظاہرہ کا اس
سے مبارک دن نہ آجتک دیکھا ہے اور نہ دیکھے گی.

میں اسی مکہ میں ہوں اور دکھ کے ساتھ لکھتا ہوں کہ زائران
حرم اور اللہ کے مہمانوں کے ساتھ اس پاک خطے کے بعض رہنے والوں
کا رویہ ٹھیک نہیں، جو کچھ میں نے دیکھا ہے کاش نہ دیکھتا.

اس دارالامن اور دیار محترم میں جانوروں کو مارنا، ستانا
بھی جرم ہے. گھاس پودے اکھاڑنا گناہ ہے. اگر ایسا نہ ہوتا
تو خاطر کی جا سکتی.

آنے والوں کے ساتھ، یہ دور جاہلیت کا برتاؤ کرتے ہیں. گرم
آب و ہوا کی خو بو، ان کی سرشت میں ہے لیکن میں نے دیکھا ہے
کہ باہر والے پھر بھی ان کو کانٹوں کے بدلے پھول ہی پیش کرتے ہیں

۴ر مارچ : پیر

حرم کی اذان میں نہ جانے کونسا جادو ہے کہ تہجد کے وقت
سے پہلے آنکھیں کھل جاتی ہیں. اور سماعت کان کھول کر فضا میں اذان
کی تلاش شروع کر دیتی ہے.

آواز کا سوز، عربی لحن کا گداز. پچھلے پہر کا سناٹا دل میں
عجب کیفیت پیدا کر دیتا ہے. ایک عجیب سا کھچاؤ ہوتا ہے. اور
کشاں کشاں حرم کی طرف کھینچنے لگتا ہے. آخر! ؎

"آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے"

میں تو اپنے وطن میں ۸ بجے سو کر اُٹھنے کا عادی تھا. یہ تبدیلی
کیوں؟ تصور، بلالؓ کی اذان کا فضا میں جائزہ لیتا ہے،
کاش! کوئی ایسا آلہ ایجاد ہوتا، جو آج سے تیرہ سو برس پہلے کی آواز
کی گرفت کر سکتا!

لیجئے اذان ہونے لگی!

۴ر جنوری : منگل

پانچوں نمازوں کے اوقات میں حرم کی دلکشی عجیب ہوتی ہے لیکن فجر اور مغرب کا تو کہنا ہی کیا ؟

آجکل موسم بے حد لطیف ہے۔ دوپہر کو ہلکی گرمی اور صبح و شام لطیف ٹھنڈک۔ حرم کا وسیع صحن۔ درمیان میں اللہ کا گھر۔ اِرد گرد رنگ برنگ شکل و صورت کے لوگ۔ طرح طرح کے لباس، عجیب عجیب بولیاں۔ نہ شور نہ ہنگامہ ! اور لاکھوں آدمی،

اس وقت مغرب کی نماز ہو چکی ہے۔ عشاء کیلئے بیٹھے ہیں۔ ہمارے پاس بائیں طرف بالکل سیاہ سیاہ لباس میں ایک افریقی عنبری رنگ کے موٹے دانوں کی تسبیح پڑھ رہا ہے۔ آگے ترک ہیں۔ پیچھے جاوی۔ جدھر نگاہ اُٹھاؤ، تمدنی، معاشرتی، اختلاف نظر آتا ہے۔ آدمی کے لئے گفتگو اور مزاج پرسی کرنے کے لئے، چند الفاظ عربی کے جو عام ہیں، اُن سے مخاطبت ہوتی ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد ادائے مطلب گونگوں کی طرح اشاروں میں ہونے لگتا ہے۔ کاش ہر مسلمان کے لئے ختنہ کی طرح تھوڑی عربی لازمی کر دیجاتی !

۵ جنوری : بدھ

ابھی ابھی مسجد بلال رضؓ سے واپس آیا ہوں۔ یہ مسجد حرم کے مقام ابراہیم کے بالکل مقابل کوہ بوقبیس کی چوٹی پر ہے۔ طرز تعمیر میں قدامت کی تازگی اور فرحت ہے۔ ایک چھوٹا منارہ اذان کہنے کے لئے، زینہ نما منبر ہے۔ مسجد چھوٹی سی ہے۔ صحن بالکل کھلا ہے، ریت اور پتھروں کے چھوٹے سنگریزے فرش صحن پر بکھرے ہوئے ہیں۔ مسجد کی اونچائی نئے حرم کے مناروں کے برابر ہے۔ اسی منبر پر چڑھ کر حضرت بلال رضؓ کی اذان بلند ہوتی تھی۔ جس سے پورا مکہ گونج اٹھتا تھا۔

اپنے یہاں کلاس بجے کا وقت تھا۔ مسجد کا اندرونی حصہ بند تھا اور دوپہر سے پہلے کی دھوپ پورے صحن میں پھیلی تھی اور لوگ اسی دھوپ میں نماز نفل پڑھ رہے تھے۔ میں نے تحیۃ المسجد کی نیت باندھ لی۔ رکوع کے بعد پیشانی زمین پر ابھی سجدہ میں لگی ہی تھی کہ تمازت آفتاب کی وجہ سے سر ایک انچ چھو کر اٹھ گیا۔ دو رکعتیں جیسے تیسے ختم ہوئیں۔ میں اُس وقت کو سوچنے لگا جب حضرت بلال رضؓ غلام تھے۔ اور قبول اسلام کی پاداش میں ان کا آقا اسی مکہ کی بنجر پہاڑی چٹان پر چلچلاتی دھوپ میں ننگی پیٹھ لٹاتا تھا۔ اور سینہ پر وزنی گرم پتھر رکھ کر کہتا تھا کہ اپنے سابقہ دین پہ واپس آؤ۔ اور یہ عزیمت و استقامت کا پیکر عظیم

اَللّٰہُ اَحَدٌ، اَللّٰہُ اَحَدٌ

کے نعرے سے اس کا جواب دیتا تھا۔ اسلامی دور میں لوگوں نے دیکھا تھا کہ آپ کے دونوں پہلو اور پیٹھ جل کر کوئلہ ہو گئی تھی اور حس جاتی رہی تھی —— ایک میں ہوں کہ جس کی پیشانی کو ریگ کی یہ ذرا سی تپش بھی ناگوار ہے !

جبل بوقبیس سے پورے مکہ پر طائرانہ نگاہ ڈال رہا ہوں، پوری آبادی پیش نظر ہے۔ خشک بھورے پہاڑوں کا چاروں طرف پھیلاؤ ہے۔ اور اس پھیلاؤ میں قدیم طرز کے مکانات مفقود ہو کر نئے ڈیزائن کی پانچ منزلہ اور چھ منزلہ بلڈنگیں ابھر رہی ہیں۔ بیت اللہ کی پوری چھت صاف نظر آ رہی ہے۔ حرم شریف کا بیشتر حصہ دکھائی دے رہا ہے۔ کعبہ کے گرد لوگ طواف کر رہے ہیں بُعد کی وجہ سے ہر چیز چھوٹی نظر آ رہی ہے۔ حرم سے بیت اللہ تک جانے والی روشیں پٹیاں سی نظر آ رہی ہیں۔

افریقہ کے کچھ حضرات اسی مسجد میں نفل کی تیاری کر رہے ہیں۔ کوئی شبہ نہیں کہ حضرت بلال رضؓ اور اُن کی مسجد پر ان کا زیادہ حق ہے کہ ان کے بلند و بالا جسم کی رگوں میں بھی وہی خون ہے۔

حضرت آدمؑ پہلے انسان ہیں، جن کا قدم مبارک پہلے اس زمین پر پڑا۔ اور جبل بوقبیس وہ اونچا پہلا پہاڑ ہے جو زمین کی پیٹھ پر

نمودار ہوا۔

زمین پر اس پہاڑ کی اوّلین نمود کو تو جغرافیہ و تاریخ سے بعید کی بات سمجھ کر نظر انداز بھی کیا جائے تو بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ کسی پہاڑ کی چوٹی پر دنیا میں یہ پہلی مسجد ہے اور کلمہ کی تعلیم اس کی گواہ ہیں کہ حضرت عمرؓ کے قبول اسلام کے بعد یہ پہلا منبر ہے جس پر علی الاعلان اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور وہ پہلی آواز حضرت بلالؓ کی تھی۔

کاش برآمدہ بند نہ ہوتا، تو زینہ پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے صدوم فشانوں کو چوم سکتا۔

بر زمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
ہر زماں سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

۱۰ مارچ : جمعرات

رات کو تین بجے آنکھ کھل گئی۔ لیٹے لیٹے طبیعت کا جائزہ لیا تو گرانی کا شائبہ بھی نہ تھا۔ شروع رات کا سویا ہوا تھا نیند بھی پوری ہو چکی تھی۔ ساتھیوں کے خراٹوں کی آواز آرہی تھی، اُٹھا، چپکے سے بستر پلٹا۔ چل دیا۔

اتفاق ہے، یا سعودی گورنمنٹ کا حسن انتخاب! ——— رفع حاجت کے لئے جگہ بھی چُنی تو ابوجہل کے مکان کی۔ بہرحال حجاج یہاں فراغت حاصل کرتے ہیں۔ یہاں سے ہوتا ہوا، چند منٹوں میں حرم محترم پہنچ گیا۔

بھیگی ہوئی رات۔ ٹھنڈی ہوا کے پُرلطف جھونکے، مستی بھرا وقت۔ اسود پر پہنچکر طواف کی نیت کی۔ اور رندِ مئے آشام کی طرح جھوم جھوم کر رقص کرنے لگا۔

ایک طواف سے پیاس نہیں بجھی۔ واجب الطواف کے بعد پھر نیت کی جی نہیں بھرا۔ تیسرے طواف کی پھر نیت کی، اب کے مقام ابراہیم پر واجب الطواف پڑھی۔ اب باب کعبہ پر موقع لگ گیا۔ غلاف سے سر چھپا لیا۔ مانگے آج کل سے زیادہ لطف مل رہا تھا۔ قریب ہی ملتزم ہے، چیونٹی کی چال سے سرکتا ہوا ملتزم پر چپک گیا۔

آقا و مولا ﷺ اسی ملتزم پر سینۂ مبارک چپکا لیتے تھے۔ دست مبارک ادرگرد پھیلا کر کبھی بایاں رخسار مس کرتے کبھی دایاں روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے۔ میرا یہ پہلا اتفاق تھا جی کھول کر آسودگی حاصل کی پھر حطیم پہنچ گیا۔ یہ ٹکڑا اندرون بیت اللہ ہی کا حصّہ ہے۔ نفل پڑھتا رہا۔

تہجد کی اذان گونجی۔ آدمی جوق در جوق آنے لگے۔ میں زمزم پر گیا۔ سیراب ہو کر زمزم پیا۔ اوپر کی آخری سیڑھی پر پہنچکر دعا کی۔

اللّٰھُمَّ انی اسئلك علمًا نافعًا رزقًا واسعًا و شفاء من کل داءٍ اور سطاف پر پہونچکر تہجد میں مصروف ہو گیا۔ حرم میں آدمی کم ہو رہے ہیں۔ انھی دنوں کی آس لگی تھی۔ اتنے دنوں کے بعد آج پہلا موقع تھا۔ جو اس لطف سے گزرا۔

یہاں شور و شر ہنگامہ و ہیجان کا ذکر نہیں، ہر آدمی دم بخود و لب بند نظر آتا ہے۔ آنکھ کعبہ کی سمت یا نیچی۔ لبوں کی کپکپاہٹ کا پتہ چلتا ہے، جو نتیجہ ہے رقت قلب کا۔ یا کلمات طیبات کی تلاوت کا۔ ورنہ خاموشی ——— اور پُروقار خاموشی!

اسی خاموشی میں فجر کی اذان گونجی۔ طواف کرنے والوں کی رفتار تیز ہوئی۔ کہ سنّت کے بعد ہی جماعت کھڑی ہو جائیگی۔ صفیں درست ہونے لگیں۔ لیجئے اقامہ شروع ہو گیا۔ اس وقت کی کیفیت کیا بتائیں!

نظر کو ذوق زباں نہیں ہے، زباں کو ذوق نظر نہیں ہے

دیوانہ محمدؐ کا!

علامہ محوی صدیقی لکھنوی

مرے دلمیں ہے عکس حسن جانانہ محمدؐ کا
خدا آباد رکھے، آئینہ خانہ محمدؐ کا

کہاں ہیں تشنۂ عرفاں صلائے عام ہے آئیں
ابھی تک بزم میں رقصاں ہے پیمانہ محمدؐ کا

الٰہی اپنی اس بے مائگی پر شرم آتی ہے
یہ جان زار بھی ہے کوئی نذرانہ محمدؐ کا

محبت خون روتی ہے، تمنا تلملاتی ہے
گریباں پھاڑ کر نکلا ہے دیوانہ محمدؐ کا

دکھا دے کاش پھر اے انقلاب دہر دنیا کو
جو تو نے ٹھاٹ دیکھا ہے فقیرانہ محمدؐ کا

وہ عالم کی کشاکش سے مجھے آزادیاں بخشیں
ادا اس ہو کس زبان و دل سے شکرانہ محمدؐ کا

زمیں گردوں پہ چشمک زن ہو گردوں سرنگوں غم سے
مدینے میں بنا ہے جب سے کاشانہ محمدؐ کا

نگاہیں عاشقوں کی تاب نظارہ نہ لاتی تھیں!
یہ تھا حسن ازل یا حسن جانانہ محمدؐ کا

سرور و کیف سے لبریز ہو جاتا ہوں اے محوی
مجھے کوئی سناتا ہے، جو افسانہ محمدؐ کا

کرنوں کی صدائیں!

خورشید افسر بسوانی

وہ کیف کا عالم، وہ در پیر مغاں یاد
مجھ کو تو ابھی تک ہے مدینے کا سماں یاد

ہر چند کہ کیا کیا نہ تمنائیں تھیں دل میں
پہنچے جو مدینے میں رہا کچھ نہ وہاں یاد

غازہ ترا جب گرد کف پائے نبی تھا
وہ شب بھی تو ہوگی تجھے اے کاہکشاں یاد

اللہ رے خضریٰ کی تب و تاب کا عالم
اب تک ہے مجھے نور کا وہ سیل رواں یاد

وہ منزل مقصود سے کرنوں کی صدائیں
ہے آج بھی وہ گنبد انوار چکاں یاد

مدت ہوئی اک دوست سے اک جام ملا تھا
زمزم کا مزہ آج بھی کرتی ہے زباں یاد

میں آہ کروں اور وہ اٹھا دیں نگہ لطف
اے کاش پھر آجائے وہ انداز فغاں یاد

وہ پیش نظر ہیں تو دو عالم ہیں فراموش
ایسے میں کسی کو کوئی آتا ہے کہاں یاد

افسر مری گفتار میں وہ سوز وفا ہے
[illegible]
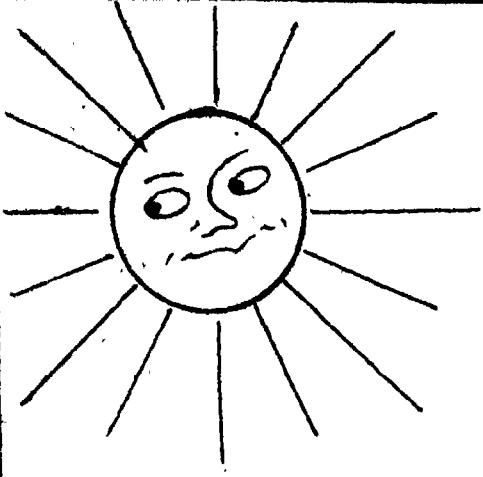
گرمیاں شروع ہوگئیں!
گویا بیماریوں کا موسم آگیا!
لیکن اگر آپ چاہیں تو اس ناگوار موسم کو
خوشگوار بنا سکتے ہیں
اور
بیماریوں کو رفع کرسکتے ہیں!
بشرطیکہ
آپ اپنے کمرے، دالان، آنگن
اور نالیاں "فنائل" سے دُھلوائیں
خالص فنائل کیلئے
فنائل
کے۔ پی۔ انڈسٹریز
کھنیا بازار۔ کانپور
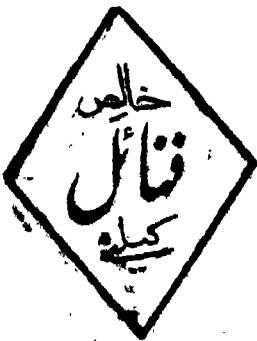
عابدہ تسنیم وارثی

جامِ وحدت

میکدے جھوم اُٹھے رقص میں مینا آیا

دنیا کی تاریخ میں ۱۲ ربیع الاوّل کا دن سال کے تمام دنوں سے زیادہ مبارک اور اہم سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسی دن ہمارے پیارے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کفر کے اندھیروں میں وحدت کا نور چمکا۔ ظلم و ستم سے گھبرائے ہوئے انسانوں کو اسلام کی آغوش میں پناہ ملی۔ اسلام کا بول بالا ہوا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی میں ایک زبردست انقلاب رونما ہوا۔ ہر انسان ظلم و ستم اور غلامی سے آزاد ہوا۔ ادنیٰ اعلیٰ مرد، عورت لونڈی اور غلام ہر ایک کے مقام کی بنیاد یہیں سے پڑی۔ اور مذہب اسلام نے ایک جمہوری نظام قائم کیا۔

اس آزادی کی زندگی کو پاکر لوگ بیحد مسرور تھے۔ ان لوگوں میں زیادہ تعداد غریب بیکس لوگوں کی تھی، جو مالدار لوگوں کے جبر و تشدد کا شکار رہتے تھے۔ ہر انسان کو اس کے پورے پورے حقوق ملے۔ اور زندگی کا ایک نیا پیغام بھی۔

یہ انقلاب سبز پرچم کی چھاؤں میں پروان چڑھتا رہا۔ کافروں نے اسکی راہ میں ہزاروں رکاوٹیں ڈالیں۔ بڑی سے بڑی مصیبتیں کھڑی کیں۔ مگر اسلام کا یہ قافلہ ہر رکاوٹ کی پرواہ کئے بغیر رسول پاک کی قیادت میں آگے بڑھتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے عرب اور اس کے قریبی ملکوں پر چھا گیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ایسی تھی کہ جو آپ کو ایک بار دیکھ لیتا، وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ اور جو نہ دیکھتا، وہ دیکھنے کی آرزو رکھتا۔ آپؐ ہر ایک سے بہت محبت کرتے تھے جس سے ایک بار مل لیتے پھر اس سے بار بار ملتے۔ سب کیساتھ کیساں برتاؤ کرتے، بیماروں کی عیادت کو جاتے۔ بیواؤں کی خبر گیری کرتے اور یتیموں کیساتھ شفقت۔ سچائی اور ایمانداری آپ کی عادت تھی۔ آپؐ اپنی عادت کی وجہ سے امین کہلاتے تھے سب آپ پر بہت اعتماد کرتے۔ منافق اور کافر بھی آپ کی سچائی اور ایمانداری کے قائل تھے۔ آپ کی وجہ سے انسانی زندگی کی از سرِ نو تعمیر ہوئی۔

آپ کے چچا حضرت ابوطالب تجارت کا مال لے کر شام کے ملک میں جایا کرتے تھے۔ آپ بھی کم سنی ہی سے تجارت میں چچا کا ہاتھ بٹانے لگے۔ آپ کی سچائی اور ایمانداری کی حضرت خدیجہؓ (مکہ کی ایک بیوہ مگر دولت مند عورت تھیں) نے آپ کو تجارت کی دعوت دی۔ اور سچائی دیکھ کر مشرف باسلام ہوئیں۔ یہ سب سے پہلی عورت تھیں جو اسلام میں داخل ہوئیں۔ مردوں میں حضرت ابوبکر صدیقؓ لڑکوں میں حضرت علیؓ۔ غلاموں میں حضرت زیدؓ۔ اور باندیوں میں حضرت اُم ایمنؓ سب سے پہلی مسلمان ہیں۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محبت، انسانیت اور خدا کی

وحدانیت کا ایسا سبق پڑھایا کہ جتنے مسلمان تھے، سب آپ پر فدا تھے۔ آپ نے دنیا کے لوگوں کو جینے کا ایک نیا ڈھنگ سکھایا۔ زندگی کے نئے اصولوں سے آگاہ کیا اور جینے کی سیدھی راہ بتائی۔ وہ راہ جو انسان کو خدا کے نزدیک کر دیتی ہے۔ اک ایسی زندگی پاکر تمام مسلمان بے حد خوش اور مطمئن نظر آتے۔ سب آپ پر جان و مال سے فریفتہ تھے۔ آپ کے ادنےٰ سے اک اشارہ پر اپنی جانیں اور مال لٹانے کیلئے ہر وقت تیار رہتے۔

ان مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جنہوں نے اپنی زندگیاں اسلام کے لئے وقف کر دی تھیں اور وہ مئے وحدت سے اتنے سرشار تھے کہ انہوں نے اپنے لئے گھر بار یا روزگار کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔

یہ لوگ اصحاب صفہ کہلاتے ہیں۔ خدا کی عبادت کرتے اور لوگوں کو دین کی باتیں بتاتے۔ مسجد نبوی کے ایک گوشے میں ایک چبوترے پر ایک چھپر ڈال کر ایک خانقاہ بنائی گئی تھی۔ یہ ان مسلمانوں کی قیام گاہ تھی، جنہوں نے اپنی زندگی تعلیم دین تبلیغ اسلام، جہاد اور دوسری خدمات اسلامی کے لئے وقف کر دی تھی۔ قرآن کریم یاد کرتے۔ احادیث رسول کریمؐ محفوظ کرتے اور حضور پُرنور کی صحبتوں کی برکت سے اپنے آئینہ دل کو منور کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اہلبیت اطہار اور صحابۂ کرام نے اس سفینہ کو آگے بڑھایا۔ یہ سفینہ تند و تیز ہواؤں کا مقابلہ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ ہوائیں تند ہوتیں سفینہ تیزی سے آگے بڑھنے لگتا۔ اور جب باد مخالف تیز ہوتی تو اسلام کی یہ کشتی ڈگمگانے لگتی۔ مگر اس کشتی کے جانباز ناخدا خدا سے مدد مانگتے اور جان کی بازی لگا کر اسے سنبھال لیتے۔ اس طرح اسلام کی یہ ناؤ رفتہ رفتہ آگے بڑھتی رہی۔

مگر ایک بار اس کشتی کے ناخداؤں کو ایک زبردست طوفان سے دوچار ہونا پڑا۔ باد مخالف انتہا سے زیادہ تیز، اونچی اونچی سرکش موجوں نے اس کشتی کو اپنے نرغہ میں لے لیا۔ اور اسلام کی یہ کشتی ان سرکش موجوں کے تھپیڑے کھانے لگی۔ کبھی ڈوبتی، کبھی ابھرتی اور اس کے اندر کی ہر چیز زیر و زبر ہو کر رہ گئی۔ مگر حق کے یہ علمبردار باطل پرستوں کے آگے سر نہ جھکا سکے۔ گھر بار چھوٹے۔ مصیبتیں جھیلیں زندگی اور حق و صداقت کیلئے جد و جہد کرتے ہوئے مئے وحدت سے سرشار رضائے الٰہی پر گردنیں جھکا دیں۔ اور جام شہادت نوش فرمائے۔ دنیا کی تاریخ میں اس صداقت کی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ ان مسلمانوں نے اپنی زندگیوں کو خدا کی رضا کے لئے وقف کر دیا تھا۔

ہندوستان میں اسلام پھیلانے میں بہت کچھ ہاتھ صوفیائے کرام کا بھی ہے۔ انہوں نے اپنے معتقدین کو دین کی باتیں بتائیں اور صلوات کی تعلیم دی۔ تعصب اور فرقہ پرستی سے روکا۔ نماز روزہ صبر و قناعت کرنا سکھایا۔ اور بندگی کے وہ طریقے بتائے جو ہر انسان کے لئے لازم ہیں۔ محبت، انسانیت کے ناتے۔ اُمراء و ساکین کو ایک نظر سے دیکھا۔ جس جگہ توحید کے ان پرستاروں کا قیام ہوتا، وہاں کچھ معتقدین بھی جمع ہو جاتے اور ان نورانی اور روحانی صحبتوں کی برکت سے فیضیاب ہوتے۔ عشق الٰہی میں ڈوبے ہوئے یہ اللہ کے ولی، اپنی منزل کی طرف مخالفین کی پرواہ کئے بغیر رواں دواں آگے بڑھتے رہے ؎

کارواں گزرا کئے، ہم رہ گزر دیکھا کئے
ہر قدم پر نقش پائے راہبر دیکھا کئے

دور چلتا رہا۔ جام سے جام ٹکراتے رہے۔ اور کھنک دور دور پھیلتی گئی۔ وقت کے ساتھ ساتھ پیمانے بدلتے گئے۔ مگر مقصد سب کا ایک ہی تھا "وحدانیت"۔ اس مقصد کو پا کر انسان دنیا کی تمام رنگینیوں سے منہ موڑ لیتا ہے وہ صرف خدا کا ہو جاتا ہے ایسے لوگ رضائے الٰہی پر جیتے ہیں اور اسی کی رضا کیلئے اپنی جانیں بھی قربان کر دیتے ہیں۔

سرورِ کائنات ﷺ

ایمن جعفری

کمالِ دو جہاں تم ہو، جمالِ جاوداں تم ہو!
فضائے عہدِ معنی کی، ضیائے ضوفشاں تم ہو

تمہاری وسعتوں کو فطرتِ تخئیل کیا جانے
نشانِ بے نشاں تم ہو، بنائے کن فکاں تم ہو

تمہارے جلوۂ رنگیں سے بزمِ قدس روشن ہے
دلِ احساسِ فطرت کی تجلّی بے گماں تم ہو

تمہیں سے عرش کی رونق، تمہیں سے فرش کی زینت
بساطِ دہر پر صد جلوۂ کون و مکاں تم ہو

سمجھتے ہیں تو کچھ اہلِ حقیقت اس حقیقت کو!
اِدھر تم ہو، اُدھر تم ہو، یہاں تم ہو وہاں تم ہو

تمہارے دَم سے ہی انسان مسجودِ ملائک ہے
حقیقت جس پہ جھکتی ہے وہ رنگیں آستاں تم ہو

اُصولِ نو سے طرزِ زندگی جس نے سنواری ہے
وہ معمارِ طریقت وہ امیرِ کارواں تم ہو

ازل عنوان ہے فطرت کے جن رنگیں فسانوں کا
وہی دراصل آغازِ سرِ ہر داستاں تم ہو

سرِ بزمِ ازل جو نور بن کر جگمگایا تھا!
وہ قندیلِ حسیں کا جلوۂ رازِ نہاں تم ہو

تمہارے نام پر ایمنؔ کی ہستی کیوں نہ ہو صدقے
خدا خود جس کا طالب ہے وہ مطلوبِ جہاں تم ہو

نعت شریف

(شمیم فتحپوری)

جب وہ معراج کی شب میں جانے لگے
فرش سے عرش تک جگمگانے لگے!

شانِ رحمت جب آقا دکھانے لگے
مژدہ بخشش کا ہم کو سنانے لگے

اپنی اُمت کی لب تشنگی دیکھ کر
جامِ تسنیم و کوثر پلانے لگے

مرکزِ نور بن کر رہا دل مرا!
عرشِ اعظم سے پیغام آنے لگے

رحمتِ ربِ اکبر نے سایہ کیا
جب شفاعت کو سرکار آنے لگے

دیکھ کر شانِ سرکارِ ہر دو سرا
جو تھے کافر وہ اسلام لانے لگے

جن کو اسلام کی روشنی مل گئی
سر کو وہ راہِ حق میں کٹانے لگے

حشر میں اے شمیمؔ آئے سرکار دیں
کالی کملی میں ہم کو چھپانے لگے

ڈرامہ

از: توفیق الحکیم مصری
ترجمہ محمد ہارون نگرامی

انصاف پسند قاضی

توفیق الحکیم کا شمار مصر کے اہم مصنفوں اور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ ابھی حال ہی میں حکومت مصر نے دانشوروں اور اخبار نویسوں کی خلاف جو کارروائی کی ہے۔ اُس کے تحت توفیق حکیم کو آئندہ کوئی بھی مضمون شائع کرنے کی ممانعت کر دی گئی ہے

قاضی: تمھیں کیا ہوا ہے نانبائی؟
نانبائی: جناب میں بڑی مصیبت میں پڑ گیا ہوں۔
قاضی: کیا ہوا؟
نانبائی: چوزہ جناب!
قاضی: کونسا چوزہ؟
نانبائی: وہی بھُنا ہوا چوزہ! ـــ جس کا آدھا میں نے کل آنجناب کی خدمت میں پیش کیا تھا۔
قاضی: واقعی بہت لذیذ تھا۔ اسکو دیکھتے ہی بھوک بھڑک اُٹھی۔ اور اسکی خوشبو سے تو میری رال ٹپکنے لگی۔
نانبائی: لیکن جناب اب اُس کا مالک اپنی مرغی واپس لینے آیا ہے۔
قاضی: اچھا! اچھا اسلئے پریشان ہو!
نانبائی: جناب میں اس کو کیا جواب دوں؟
قاضی: اُس سے کہدو تمھارا چوزہ اُڑ گیا
نانبائی: اُڑ گیا ـــ؟ لیکن جناب اس چوزے کو خود میں نے اپنے ہاتھوں سے تندور کے اندر رکھا ہے
قاضی: تو کیا ہوا؟
نانبائی: اگر وہ یقین نہ کرے تو ....؟
قاضی: میرے پاس لے آنا۔
نانبائی: بہت اچھا جناب!

قاضی: یہ کیسا شور و غل ہے؟
نانبائی: حضور یہ آدمی مجھ کو چور کہتا ہے۔
قاضی: کون ہے یہ آدمی؟
نانبائی: اسکا کہنا ہے کہ میں نے اسکا چوزہ لے لیا ہے۔
قاضی: 'اسے' آگے آؤ!
چوزے والا: جناب قاضی صاحب میں ــ میں
قاضی: کون ہو تم؟
چوزے والا: میں چوزے کا مالک ہوں قبلہ!
قاضی: کون ہو تم؟
چوزے والا: میں چوزے کا مالک ہوں جناب
قاضی: کیا تمھارا چوزہ تھا؟

چوزہ والا: جی حضور! میرے سامنے اسنے تندور میں رکھا تھا۔ اب میں اس سے اپنا چوزہ لینے گیا تو واپس کرنے سے انکار کر رہا ہے۔

قاضی: کیا کہتا ہے؟

چوزہ والا: جناب یہ ایسی بات کہتا ہے جو عقل میں نہیں آتی اور یہ صرف میرے چوزہ کو ہڑپ کرنے کا ایک بہانہ بنا رہا ہے۔

قاضی: اچھا زیادہ فلسفہ نہ بگھارو۔ اصل بات کہو۔

چوزہ والا: جناب اسکا کہنا ہے کہ میرا چوزہ اُڑ گیا۔ کیا آپ اس پر یقین کر سکتے ہیں

قاضی: کیا تمہیں یقین نہیں ہے۔

چوزہ والا: بالکل نہیں جناب!

قاضی: کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟

چوزہ والا: جی ہاں!

قاضی: تو کیا اُسکی قدرت پر یقین نہیں ہے؟

چوزہ والا: بالکل پورا یقین رکھتا ہوں۔

قاضی: کیا اللہ تعالےٰ اس پر قدرت نہیں رکھتا کہ ہڈیوں میں جان ڈالدے؟

چوزہ والا: جی جناب پوری قدرت رکھتا ہے۔ لیکن ....!

قاضی: نہیں نہیں! لیکن ویکن کیا؟ یا تو تم اللہ پر اور اُسکی قدرت پر یقین رکھتے ہو۔ نہیں تو کافر زندیق ہو۔

چوزہ والا: میں تو اللہ اور اُسکی قدرت پر یقین رکھتا ہوں جناب

قاضی: تب تو تمہیں اسکی بات مان لینا چاہیئے کہ اللہ نے تمہارے چوزہ کو تندور سے اُڑا دیا۔

چوزہ والا: لیکن جناب ....!

قاضی: سنو! یا تو چوزہ اللہ کی قدرت سے اُڑا یا نہیں اُڑا۔

چوزہ والا: اُڑ گیا جناب!

قاضی: تو پھر اب اس ہنگامہ کی ضرورت ہی کیا ہے؟

چوزہ والا: لیکن جناب اس چوزہ کو میں اپنے بال بچوں کیلئے بھنوا رہا تھا

اسکی قیمت کون دے گا؟ چوزہ اُڑ جائے میرے بچے بھوکے رہ جائیں۔ اس میں بھی اللہ کی مرضی ہے!

قاضی: ہاں! یہ معاملہ تمہارا خدا کے ساتھ ہے، نہ کہ اس نانبائی کے ساتھ!

چوزہ والا: سبحان اللہ! چوزے کی قیمت کا ذمہ دار یہ نانبائی نہیں ہے تو اور کون ہے؟

قاضی: تو تم نانبائی سے اپنے چوزے کی قیمت وصول کرنا چاہتے ہو؟

چوزہ والا: تو اس کے علاوہ اور کس سے مطالبہ کروں؟

قاضی: دیکھو میاں! ذرا اپنی عقل استعمال کرو۔ تمہارے چوزے کو کس نے اُڑایا؟ اللہ نے یا اس نانبائی نے؟

چوزہ والا: مگر حضور!

قاضی: اراہی تواہی نہ بکو! عقل کے ناخن لو۔ کیا نانبائی کو یہ قدرت ہے کہ تمہارا چوزہ اُڑا دے۔ جبکہ وہ اسکو بھون رہا تھا۔

چوزہ والا: نہیں جناب!

قاضی: تو پھر کس کو یہ قدرت حاصل ہے؟

چوزہ والا: بجز اللہ کے اور کون یہ قدرت رکھ سکتا ہے؟

قاضی: جب خدا نے تمہارے چوزے کو اُڑا دیا۔ تب اس بیچارے سے قیمت کا مطالبہ کیوں کر رہے ہو؟

چوزہ والا: (جھنجھلاہٹ میں) میں نہیں جانتا۔

قاضی: عدالت تمہاری نفسیاتی حالت دیکھتے ہوئے، تم پر حکم لگانے میں نرمی کا برتاؤ کرے گی۔

چوزہ والا: حکم؟

قاضی: کیا تم نے نانبائی کو چور نہیں کہا۔

چوزہ والا: مگر وہ تو حضور!

قاضی: عدالت تم پر ایک دینار جرمانہ کرتی ہے۔

چوزہ والا: مجھ پر یا اس پر؟
قاضی: وہ تو بُری بات ہے۔
چوزہ والا: غضب خدا کا اس نانبائی نے میرے چوزے پر قبضہ کیا اور اب اسکا حقدار بھی ہو گیا۔
نانبائی: سُنا آپ نے حضور! کہتا ہے کہ میں نے اسکی ملکیت پر قبضہ کر لیا ہے۔
قاضی: ہاں یہ بہت بُری بات ہے۔ اب تو یہ بے گناہ لوگوں پر چھچھورا حملہ بھی کر رہا ہے۔
نان بائی: حضور! کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں گے کہ میں اپنا حق ثابت کردوں۔
قاضی: ہاں! کیوں نہیں۔
نانبائی: (چوزہ والے سے) کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ چوزہ کب سے آپ کا تھا؟
چوزے والا: یہ ساری زندگی ہی سے میرا تھا۔
نانبائی: اس سے قبل کہ یہ آپ کا ہو، کہاں تھا؟
چوزہ والا: انڈے میں تھا۔
نانبائی: اور وہ انڈا کس کا تھا؟
چوزہ والا: وہ انڈا بھی میرا تھا۔
نانبائی: آپ کے ہاتھوں کہاں سے لگا؟
چوزہ والا: اس کو میری مرغی نے دیا تھا۔
نانبائی: اور وہ مرغی جناب کے پاس کہاں سے آئی؟
[چو]زہ والا: میرے پاس دوسری مرغیوں کے ساتھ تھی، جنہیں میں نے پال رکھا تھا۔
[نان]بائی: انہیں پلنے سے پہلے یہ مرغیاں کہاں تھیں؟
[چوز]ہ والا: ظاہر ہے انڈے میں ہونگی
[نان]بائی: یقیناً اس انڈے کی ماں بھی ہوگی۔
[چوزہ وا]لا: کیوں نہیں!

نانبائی: تو وہ دوسری مرغی کہاں ہے؟
چوزہ والا: کون سی دوسری مرغی؟
نانبائی: یعنی اس مرغی کی دادی!
چوزہ والا: (قاضی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے) حضور اس مرغی کا یہاں کیا تعلق؟
قاضی: بہت بڑا تعلق ہے۔ اس سے نانبائی کا حق ثابت ہوتا ہے!
چوزہ والا: تعجب ہے حق کس چیز میں؟
قاضی: تم سے جو سوال کیا جائے اُسکا جواب دو۔
چوزہ والا: یہ سب باتیں تو میری سمجھ سے باہر ہیں۔
قاضی: شاید تم یہ بھول رہے ہو کہ عدالت میں کھڑے ہوئے ہو۔ اس نانبائی کو پورا حق ہے کہ وہ اپنا حق ثابت کرے۔
نانبائی: حضور کا اقبال بلند رہے۔
قاضی: تم اپنا بیان جاری رکھو
نانبائی: حضور وہ دادی مرغی جس نے انڈا دیا تھا اور اس انڈے سے یہ مُرغی نکلی تھی۔ وہ ایک وقت میری تھی۔
قاضی: چوزے والے تم نے سُنا نانبائی نے کیا کہا۔
چوزہ والا: یہ بھی کوئی بات ہے۔
قاضی: کیوں نہیں! یہ بات تو روز روشن کیطرح عیاں ہے۔
چوزہ والا: اس بات کی کیا دلیل ہے کہ میری مرغی کی دادی اسکی تھی
قاضی: اور تمہارے پاس کیا دلیل ہے کہ دادی مُرغی اس کی نہیں تھی۔
چوزہ والا: میری اس بات کی کوئی قیمت نہیں کہ وہ تمام مرغیاں میری تھیں۔
قاضی: کیا تم اس بات کی قسم کھاؤ گے کہ مرغیوں کی پوری نسل تمہاری ملکیت ہے، اور یہ بات یاد رکھو، اگر جھوٹی قسم کھائی تو ہم تم پر اس کا مقدمہ چلائیں گے!

چوزہ والا: آپ تمام نسل سے کیا مُراد لے رہے ہیں؟

قاضی: تمام نسل یعنی پوری نسل! ـــــ واضح بات ہے

چوزہ والا: تو گویا آپ نے اس دُنیا میں آنے والی پہلی مُرغی کو بھی شامل کر لیا ہے۔

قاضی: تم عدالت سے مذاق کر رہے ہو۔

نابینائی: حضور نے ملاحظہ فرمایا، یہ شخص ایک با عزت عدالت سے گستاخی کر رہا ہے۔

قاضی: سنو! تمہاری باتوں سے یہ بات صاف ظاہر ہو گئی ہے کہ تم اس نان بائی کے سوالات کے جواب دینے سے قاصر رہے ہو

چوزہ والا: اگر آپ مجھے اجازت دیں تو ایک بات آپ سے پوچھوں آخر آپ حضرات سے مجھ سے چاہتے کیا ہیں؟

نانبائی: ہتک عزت کا معاوضہ!

قاضی: جس کے متعلق تمہیں پہلے ہی بتایا جا چکا ہے۔

قاضی: نان بائی! عدالت تمہیں اور تمہاری باتوں کو سچ سمجھتے ہوئے تمہیں باعزت بری کرتی ہے اور صاحب چوزہ پر تمہاری ہتک عزت کے جرم میں ایک دینار جرمانہ لگاتی ہے۔

نانبائی: حضور کا بہت بہت شکریہ ـــــ خدا حضور کی عدالت برقرار رکھے!

چوزہ والا: استغفراللہ! لاحول ولا قوۃ الا باللہ!

نانبائی جانے کیلئے مڑتا ہے لیکن حاضرین میں سے کچھ لوگ چیختے ہیں!

لوگ: حضور والا! اس شخص کو جانے نہ دیجئے!

قاضی: تم لوگ کون ہو؟

لوگ: ہم لوگوں کیساتھ اس نانبائی نے بڑا ظلم کیا ہے۔

قاضی: وہ کیسے؟

(ایک آنکھ کا زخمی آگے بڑھتا ہے اور قاضی کے سامنے

زخمی: میں آپ سے سارا قصہ بیان کرتا ہوں۔

قاضی: جو کچھ کہنا ہو جلد از جلد کہو: گفتگو کو طویل کیوں کرتے ہو!

زخمی: جناب میں اس نانبائی کی دوکان کے سامنے والی سڑک سے گزر رہا تھا

قاضی: تم نے اس راستے کو کیوں اختیار کیا۔

زخمی: حضور وہ تو میری روزانہ کی گزرگاہ ہے۔

قاضی: گفتگو جاری رکھو۔

زخمی: جناب میں اس کی دوکان کے پاس پہونچا، تو دیکھا یہ آدمی ان مرغی والے صاحب سے جھگڑ رہا تھا۔

قاضی: تمہارا مُرغی سے کیا تعلق ہے؟

زخمی: وہ تو ٹھیک ہے، میرا مُرغی سے کوئی تعلق نہیں ہے، لیکن جب میں نے یہ دیکھا کہ دونوں ایک دوسرے سے ہاتھا پائی کر رہے ہیں، تو میں نے سوچا کہ دونوں میں بیچ بچاؤ کرا دوں۔ تو نان بائی نے کہا "دُور ہو جا مردود" ـــــ اور پھر اتنے زور سے میرے چانٹا مارا کہ میں اپنی ایک آنکھ کھو بیٹھا۔

قاضی: تمہیں اس دخل اندازی کی کیا ضرورت تھی؟

زخمی: جناب میں تو انہیں ایک بُرے کام سے روک رہا تھا۔

قاضی: تو تمہاری اس آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔

زخمی: جی ہاں جناب!

قاضی: یعنی تمہاری اس آنکھ کا اب وجود ہی نہیں ہے۔

زخمی: جی حضور درست ہے۔

قاضی: اس وقت کیا موجود ہے؟

زخمی: میری دوسری آنکھ۔

قاضی: یعنی ایک آنکھ

زخمی: جی ہاں!

قاضی: ہم اس کو مان لیں کہ تمہاری کھوئی ہوئی آنکھ کا اب کوئی وجود نہیں ہے!

زخمی: بالکل جناب!

قاضی: تب تو یہ نہ ہونے کے حکم میں ہے گویا اس کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

زخمی: جی ہاں!

قاضی: اب ہمیں اس چیز پر فیصلہ کرنا ہوگا کہ تمہارے پاس ایک ہی آنکھ ہے۔

زخمی: اسمیں شک نہیں ہے حضور

قاضی: عدالت کو چاہیئے کہ تمہارے ساتھ پورا انصاف کرے!

زخمی: خدا حضور کو دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔

قاضی: انصاف کہتا ہے العین بالعین۔ اے مظلوم شخص تم اس نانبائی کی ایک آنکھ پھوڑ دو، اور یہ نانبائی تمہاری ایک آنکھ پھوڑ دے

زخمی: کون سی آنکھ؟

قاضی: تمہاری موجودہ آنکھ جس سے تم دیکھ رہے ہو۔

زخمی: یہ آنکھ؟

قاضی: کیا تمہارے پاس کوئی اور بھی آنکھ ہے جو پھوڑی جاسکے

زخمی: لیکن جناب یہ میری پہلے سے پھوٹی آنکھ!

قاضی: اب تم اُلٹی سیدھی بکنے لگے وہ تو حساب سے خارج ہے۔

زخمی: حساب سے خارج ہے؟

قاضی: کیا تم نے ابھی عدالت کے سامنے اعتراف نہیں کیا ہے کہ تمہاری اس پھوٹی آنکھ کا اب کوئی وجود نہیں ہے۔ گویا کہ وہ عدم کے حکم میں ہے۔ اور معدوم اشیاء پر احکام کیسے نافذ کئے جاسکتے ہیں؟

زخمی: لیکن جناب قاضی صاحب!

قاضی: تو تم احکام قانونیہ پہ اعتراض کر رہے ہو!

زخمی: نہیں جناب ایسی کوئی بات نہیں ہے لیکن ....!

قاضی: لیکن قانون کیا کہتا ہے "العین بالعین والید بالید کتنا منصفانہ قانون ہے۔ ہم تمہیں پورا حق دیئے رہے ہیں

زخمی: لیکن جناب اس طرح تو میں اندھا ہو جاؤں گا

قاضی: اسکے بدلہ میں تم اپنے مخالف کی ایک آنکھ نہیں پھوڑو گے

زخمی: لیکن وہ تو دوسری آنکھ سے دیکھے گا۔

قاضی: اس لئے کہ اُس کے پاس دو آنکھیں ہیں۔

زخمی: میرے پاس بھی تو دو آنکھیں تھیں۔

قاضی: تم پھر بہکنے لگے۔

زخمی: اگر میں اس کو نامنظور کر دوں تو ....!

قاضی: کیا نامنظور کر دو؟

زخمی: یہی کہ ہم ایک دوسرے کی آنکھیں ضائع کریں۔

قاضی: اس وقت حکم بھی کالعدم ہو جائے گا۔

زخمی: ٹھیک ہے جناب! میں کسی چیز کا مطالبہ نہیں کرتا۔ —— چلتا ہوں!

قاضی: سنو! تم نے عدالت کے حکم کو نہ مان کر اس کی اہانت کی ہے۔ اسلئے تم پر ایک دینار جرمانہ لگایا جاتا ہے۔

زخمی: (ایک دینار ہاتھ سے نکالتے ہوئے کہتا ہے) اے خدا یہ سب کیا ہو رہا ہے —— اور ہاتھ ملتا ہوا کمرۂ عدالت سے نکل جاتا ہے۔

قاضی: کوئی اور ہے؟

(کمرہ کے آخری کونے سے ایک نوجوان جوڑا آگے بڑھتا ہے)

شوہر: حضور میں اور میری بیوی اس سڑک سے جارہے تھے جس پر اس نانبائی کی دوکان ہے۔

قاضی: اچھا تم دونوں بھی ....!

شوہر: میری حاملہ بیوی!

قاضی: ہائیں! نان بائی کی دوکان سے حمل کا کیا تعلق!

شوہر: نہیں جناب کوئی تعلق نہیں ہے۔

قاضی: اپنا بیان جاری رکھو!

شوہر: جناب ہم نے اس نان بائی کو ان مرغی والے صاحب سے جھگڑتے دیکھا۔

قاضی: میں تم لوگوں سے کہہ چکا ہوں کہ تم اس مرغی کے مسئلہ کو چھوڑ دو۔

شوہر: حضور میں نے جھگڑے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ کیونکہ میری حاملہ بیوی میرے ساتھ تھی۔ جناب میں بڑی بے صبری سے اپنے بچے کی پیدائش کا منتظر تھا۔ اور یہ میرا پہلا بچہ تھا۔

قاضی: جب تم جھگڑے میں شریک نہیں ہوئے تو یہاں کیوں آئے ہو کیا اپنے بچے کی پیدائش کی خبر دینے آئے ہو، تاکہ میں تمہیں مبارکباد پیش کروں۔

شوہر: نہیں جناب وہ ساری خوشیاں تو خاک میں مل گئیں

قاضی: اچھا! اچھا! اس میں بھی ....!

شوہر: جناب یہ بیچ سڑک پر لڑ رہا تھا۔ ایک پر گھونسے برسا رہا تھا اور دوسرے پر لاتیں چلا رہا تھا۔ میں نے کہا بھائی صاحب آپ یہ کیا کر رہے ہیں! یہاں عورتیں بھی ہیں ذرا اس کا خیال کیجئے! بس حضور میرا اتنا کہنا تھا کہ اس نے میری بیوی کے پیٹ پر اتنے زور سے لات ماری، جس سے اس کا حمل جاتا رہا۔

قاضی: کیا حمل ساقط ہو گیا!

شوہر (روتے ہوئے) جی حضور! ہائے میری اولاد، میرے مستقبل کا سہارا!

قاضی: تمہارے مستقبل کا سہارا! ـــــ کیا کرتے ہو تم؟

شوہر: حضور چمڑے کا بیوپار کرتا ہوں۔

قاضی: کیا تم نے اپنے لڑکے کو دیکھا ہے؟

شوہر: جناب وہ کیسے دیکھ سکتا تھا! وہ تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا۔

قاضی: کیا تم ایسی چیز کے بارے میں گفتگو کر رہے ہو جس کو تمہاری آنکھوں نے نہیں دیکھا۔

شوہر: کیا حمل کا دیکھنا ممکن ہے جناب!

قاضی: پھر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ لڑکا تھا یا لڑکی!

شوہر: اس کا علم خدا کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔

قاضی: یعنی تمہیں کچھ بھی نہیں معلوم۔ تو پھر کیسے کہہ رہے ہو کہ تمہارا لڑکا تھا۔

شوہر: (اچنبھے سے) کیا فرمایا حضور نے؟

قاضی: جب تمہیں یہ نہیں معلوم کہ وہ لڑکا تھا یا لڑکی۔ تو کس طرح تم اپنے مستقبل کا سہارا کہہ رہے ہو۔

شوہر: حضور امید تو لڑکے ہی کی کر رہا تھا۔

قاضی: یعنی تمہیں یقین نہیں تھا۔

شوہر: جی ہاں جناب!

قاضی: جب تمہیں یقین نہیں تھا تو تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اُسے اپنا لڑکا کہو!

شوہر: میں سمجھا نہیں حضور! کیا کہنا چاہتے ہیں!

قاضی: یہی کہ جس چیز کے بارے میں تم جانتے نہیں ہو۔ اُس کے بارے میں یہ دعویٰ کیسے کرتے ہو کہ تمہارا ہے۔

شوہر: میں سمجھا نہیں!

قاضی: میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔ تمہاری بیوی ایک ایسی چیز کی حاملہ تھی، جو تمہاری نظروں سے پوشیدہ تھی۔ تمہارا اس سے کیا تعلق

شوہر: میرا تعلق ......؟

قاضی: وہ ایک ایسی چیز کی حاملہ تھی جس کے بارے میں نہ تو تم جانتے ہو۔ نہ ہی دیکھا ہے۔ پھر تمہارا اس سے کیا تعلق؟

شوہر: وہ میرے صلب سے تھا۔

قاضی: تمہارے صلب سے! بس؟

شوھر: جی ہاں

قاضی: کیوں دوسرے شخص کا بھی تو ہو سکتا ہے۔

شوھر: جناب یہ بات ناممکن ہے۔

قاضی: تم یہ بات یقین کیساتھ کیسے کہہ سکتے ہو؟

شوھر: میں جانتا ہوں، میری بیوی بہت شریف اور پاک دامن ہے۔

قاضی: تمھاری بیوی خوبصورت اور جوان بھی ہے۔ یقیناً تمھارے پاس پڑوس میں کچھ نوجوان بھی رہتے ہونگے۔

شوھر: جناب یہ مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔

قاضی: یہ تو تمھاری بیوی نے تم سے کہا ہوگا۔

شوھر: میں اسکو سچا جانتا ہوں

قاضی: صحیح ہے اگر شوہر اپنی بیوی کی بات کو سچا نہ جانے، تو بیوی کو، شوہر کو دھوکا دینا مشکل ہو جائے گا۔

شوھر: مجھ سے دھوکا کرگی، تو میں اسکا خون نہ پی جاؤں گا

بیوی: (چیختے ہوئے) تم میرا خون پیوگے!

شوھر: تمھارے خیال میں، تم منھ کالا کرتی پھرو اور میں تمہیں گل چھرّے اڑانے کیلئے چھوڑ دونگا۔

بیوی: نہیں بلکہ تم مجھے الگ کردو۔

شوھر: تجھے الگ کردوں حرافہ!

بیوی: میں حرافہ ہوں؟

شوھر: ابھی تو نے اپنی سیاہ کاریوں کا اعتراف نہیں کیا۔

بیوی: میں نے اعتراف کیا ہے۔

شوھر: (قاضی سے) حضور آپ دیکھ رہے ہیں!

بیوی: قاضی صاحب بھلا میں نے کس چیز کا اعتراف کیا ہے؟

قاضی: دیکھو بھائی تم لوگ اپنے پوشیدہ جھگڑوں میں مجھے نہ گھسیٹو

بیوی: لیکن یہ میرا خون پینے کو کہتا ہے۔ آخر کس جرم میں! میں نے کیا کیا ہے!

شوھر: تم نے ہی تو ابھی کہا تھا کہ تو کلنکی ہے اور مجھے چاہیئے کہ تجھے الگ کردوں۔

بیوی: میں نے یہ کہا ہے کہ میں نے تمھارے ساتھ خیانت کی ہے میں تو ایک شرعی بات بتا رہی تھی کہ شوہر کو چاہیئے کہ ایسی بیویوں کو چھوڑ دے نہ کہ قتل کردے۔ قاضی صاحب اسکو جانتے ہیں۔

شوھر: (قاضی سے) کیا یہ صحیح ہے قاضی صاحب!

قاضی: میں اسوقت یہاں ایک قاضی کی حیثیت سے ہوں۔ ایک لفظ نہیں بول سکتا۔ الّا یہ کہ جرم واقع ہو جائے۔

بیوی: یعنی جب یہ قبلہ مجھے قتل کرچکیں

شوھر: اور میں تمھارا خون پی چکوں

بیوی: تم نے کوئی ایسی چیز دیکھی۔ جس سے تمہیں میرے چلن پر شبہ ہوا ہو؟

شوھر: لیکن میں تو دن بھر دوکان پر رہتا ہوں۔ معلوم نہیں میری عدم موجودگی میں تم کیا کرتی رہتی ہو؟

بیوی: تمھاری ماں میرے ساتھ نہیں رہتی۔ اگر خدانخواستہ کوئی بات ہوتی تو تمھاری ماں تم کو نہ بتلاتی!

شوھر: یہ تو ٹھیک ہے لیکن لڑکا؟

بیوی: تمھارا حمل سے مقصد ہے۔

شوھر: ہاں کیا وہ میرا ہی تھا؟

بیوی: اسمیں بھی کوئی شک ہے!

شوھر: سنا آپ نے قاضی صاحب!

قاضی: یہ تمھارا مسئلہ ہے، تم اسکی بات پر یقین کرنے یا نہ کرنے میں پوری طرح آزاد ہو۔

شوھر: اب آپ کی کیا رائے ہے قبلہ قاضی صاحب!

قاضی: میری رائے میں تم اس مسئلہ سے الگ ہو۔ کیونکہ اسکا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شوہر: کون سا مسئلہ؟

قاضی: یہی حمل کا مسئلہ! اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تمہاری بیوی کا مسئلہ ہے۔ اسلئے کہ یہ اس کے جسم کا ایک حصہ تھا۔ اس مسئلہ کا تعلق صرف تمہاری بیوی سے ہے۔

شوہر: صرف تمہاری بیوی کا ہے! بس۔

قاضی: صرف اس سے! —— ہاں! تم کیا کہتی ہو؟ کیا تمہیں کوئی شکایت ہے؟

بیوی: ہاں! اس کمبخت نانبائی سے شکایت ہے۔

قاضی: اس نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟

بیوی: جناب اس نے میرے پیٹ پر اتنے زور سے لات ماری کہ جسکی بنا پر میرا حمل ساقط ہو گیا۔

قاضی: اس کے علاوہ اور کوئی شکایت؟

بیوی: جی نہیں جناب!

قاضی: تمہارے پیٹ میں جو چیز تھی اس کو اس نے لات مار کر خالی کر دیا۔

بیوی: جی ہاں جناب اس نے میرا حمل ساقط کر دیا۔

قاضی: یقیناً تم پورے انصاف کی مستحق ہو۔

بیوی: آپکی عدالت سے یہی اُمید تھی حضور!

قاضی: عدالت کہتی ہے کہ جس نے جو چیز خالی کر دی ہے اُسے چاہئیے کہ اُسے پُر کرے۔

بیوی: میں مطلب نہیں سمجھی۔

قاضی: مطلب یہ کہ نانبائی کو چاہئیے کہ جس چیز کو اس نے خالی کیا ہے اُسے دوبارہ پُر کرے۔ اب تم اس نان بائی کے ساتھ جاؤ تاکہ تمہیں حاملہ کر دے۔ اور تمہاری خالی جگہ پُر کرے!

شوہر: چیختے ہوئے —— نانبائی کیساتھ!

بیوی: اللہ کی مار ہو اُس پر —— جوتیوں سے سر گنجا کر دوں گی منحوس کا!

نان بائی: محترمہ! —— آپ قاضی صاحب کی منصفانہ اور عادلانہ بات تو سُنیں!

شوہر: چپ بیہودہ!

قاضی: تو آپ عدالت کے حکم کی مخالفت کر رہے ہیں۔

شوہر: میں اس کو قبول کروں! یہ کبھی نہیں ہو سکتا!

نانبائی: حضور آپ دیکھ رہے ہیں، یہ کھلی ہوئی قانون کی بے حرمتی ہے!

قاضی: اے بدتہذیب شخص! عدالت تم پر اور تمہاری بیوی پر ایک دینار جرمانہ کرتی ہے۔

بیوی: جرمانہ! جرمانہ!

(تیزی کیساتھ دونوں کمرۂ عدالت سے باہر جاتے ہیں)

قاضی: اور کوئی ہے؟

(ایک بوڑھا آنسو پونچھتے ہوئے آگے بڑھتا ہے)

بوڑھا: حضور والا!

قاضی: تم بھی تندور کے سامنے والی سڑک سے گزر رہے تھے۔

بوڑھا: نہیں جناب! میرا اس تندور سے کوئی واسطہ نہیں ہے اور نہ یہ جانتا ہوں کہ یہ تندور کہاں پر ہے!

قاضی: الحمدللہ!

بوڑھا: جناب، میں اور میرا بھائی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے۔

قاضی: یہ تو بہت اچھا ہے۔

بوڑھا: میں نے سُنا کچھ لوگ شور و غل کرتے ہوئے مسجد کی طرف آ رہے ہیں۔ پھر دیکھتا کیا ہوں کہ کچھ لوگ اس نانبائی کا پیچھا کرتے ہوئے مسجد تک پہنچ گئے ہیں۔ ایک صاحب فرما رہے تھے —— میری مرغی!

قاضی: پھر وہی مُرغی!

بوڑھا: (اپنی بات جاری رکھتے ہوئے) اور دوسرے صاحب

ہائے میری آنکھ ! اور تیسرا کہہ رہا تھا ہائے میری بیوی !
اور ایک عورت کربسے چیخ رہی تھی ! ہائے میرا پیٹ،
چوتھے صاحب اپنے گدھے کے لئے چیخ رہے تھے۔ اور یہ ان
تمام لوگوں کو مارتا پیٹتا مسجد میں داخل ہو گیا۔

قاضی: نماز پڑھنے کے لئے ؟

بوڑھا: جی نہیں ! ان لوگوں سے بچنے کے لئے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ وہ لوگ بھی مسجد میں داخل ہو گئے، تو یہ بھاگ کر مسجد کے منارے پر چڑھ گیا۔ یہ لوگ بھی اس کے پیچھے منارے پر چڑھ گئے۔ اور اس نے جناب وہیں سے چھلانگ لگا دی۔

قاضی: مر گیا ؟

بوڑھا: نہیں جناب بلکہ میرا بھائی مر گیا۔

قاضی: تمہارے بھائی کا اس سے کیا واسطہ ؟

بوڑھا: جناب ! میرا بھائی مسجد کے منارے کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا۔ جناب اس نے وہیں سے میرے بھائی پر چھلانگ لگا دی جس کی وجہ سے میرے بھائی کا سر پاش پاش ہو گیا۔

قاضی: تمہارے بھائی نے اسی خاص جگہ کو نماز کے لئے کیوں اختیار کیا ؟

بوڑھا: یہ تو اس کو تقدیر وہاں لے گئی حضور !

قاضی: یہ تو اسکا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ اس نے کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالا ! —— اس میں میں کسی کو ملامت نہیں کر سکتا۔

بوڑھا: قبلہ وہ کوئی ہلاکت کی جگہ تھی ! وہاں تو ہم لوگ سالوں سے نماز پڑھتے چلے آ رہے ہیں۔

قاضی: اچھا تو کیا تمہارا بھائی وہاں ہلاک نہیں ہوا۔ ہر وہ جگہ جہاں آدمی ہلاک ہو جائے ہلاکت کی جگہ ہے۔

بوڑھا: حضور کسی کو کیا معلوم تھا کہ یہ مسجد کے منارے پر چڑھ جائیگا، اور وہاں سے نمازیوں پر چھلانگ لگا دے گا۔

قاضی: یہ تو ہوا اب تم چاہتے کیا ہو ؟

بوڑھا: حضور ہم لوگ انصاف چاہتے ہیں۔

قاضی: انصاف کہتا ہے الرقبہ بالرقبہ گردن کے بدلے گردن !

بوڑھا: خدا آپ کو جگ جگ جیتا رکھے۔

قاضی: اس نابینائی نے مسجد کے منارے پر چڑھ کر تمہارے بھائی پر چھلانگ لگائی ہے۔ اب یہ تمہارے بھائی کی جگہ نماز پڑھے گا۔ اور تم منارے پر سے اس پر چھلانگ لگا کر اسکی گردن پاش پاش کر دو۔

بوڑھا: مگر حضور یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟

قاضی: بھئی، یہ تو تمہارا حق ہے۔

بوڑھا: تو حضور میں اپنے حق سے دست بردار ہوتا ہوں۔

قاضی: آخر میں کہتا ہوں تم لوگوں کو ہو کیا گیا ہے۔ انصاف انصاف کا ہنگامہ مچاتے ہو۔ جب فیصلہ کیا جاتا ہے تو اسکو ماننے سے انکار کر دیتے ہو —— آخر میں تم سے کہتا ہوں، تم لوگوں نے عدالت کو مذاق بنا رکھا ہے۔ میں تم پر ایک دینار جرمانہ لگاتا ہوں۔

بڑے میاں بے خودی کی حالت میں باہر نکل جاتے ہیں

قاضی: اور بھی کوئی ہے !

کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا اور نہ ہی جواب دیتا ہے

قاضی: تم لوگوں کو سانپ سونگھ گیا ہے کیا ! —— آخر اور کوئی بھی ہے ؟

نانبائی: کسان اور اُسکے گدھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے، حضور وہ گدھے والا۔

قاضی: اس کا معاملہ کیا ہے ؟

نانبائی: حضور ! یہ اپنے گدھے پر سوار جا رہا تھا جب میں نے

دکھا کر یہ لوگ مجھ پر حملہ کر رہے ہیں، تو میں نے ان سے بچنے کے لئے گدھے کی دُم پکڑلی۔ لیکن حضور گدھے کی دم سر سے اکھڑ گئی۔

قاضی: کسان کو آواز دیتے ہوئے، یہاں آؤ!

کسان: جی حضور!

قاضی: کیا ہوا؟

کسان: کچھ بھی تو نہیں حضور!

قاضی: اس نان بائی نے تمھارے گدھے کی دُم کو نہیں پکڑا؟

کسان: بالکل نہیں حضور!

قاضی: کیا تمھارا گدھا بے دُم نہیں ہے؟

کسان: یہ تو اللہ کی قدرت ہے۔

قاضی: یعنی پیدائشی ہی ایسا ہے؟

کسان: جی حضور! ساری زندگی ہی سے بے دُما ہے۔

قاضی: تو پھر اپنی مکھیاں کیسے اُڑاتا ہے؟

کسان: وہ تو میں اُڑاتا ہوں حضور

قاضی: تم ایک نئی دُم کیوں نہیں لگوا دیتے۔

کسان: بہت بہتر جناب!

قاضی: تم جھوٹے ہو!

کسان: حضور میں جھوٹا ہوں؟

قاضی: کبھی گدھا بغیر دُم کے پیدا ہوا ہے۔

کسان: حضور کیا خدا اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

قاضی: تو کیا کبھی تم نے سُنا ہے کہ ——— بغیر دُم کے گدھا پیدا ہوا ہے۔

کسان: جب بھُنا ہوا مرغ تندور سے اُڑ سکتا ہے تو کیا بغیر دُم کے گدھا پیدا نہیں ہو سکتا۔

قاضی: ہاں ہاں! تو ٹھیک کہتے ہو، بڑی دل لگی کی کہتے ہو۔

اللہ کی مار ہو تجھ پر! ——— اس نان بائی کے خلاف تمہیں کوئی شکایت نہیں ہے؟

کسان: میری تو بہ جوان قبلہ کے خلاف کوئی حرف شکایت زبان پر لاؤں!

قاضی: تو پھر تم یہاں کیا کر رہے ہو؟

کسان: بس ایسے ہی دیکھنے چلا آیا!

قاضی: اچھا تو عدالت کوئی تفریح گاہ ہے ——— عدالت تم پر ایک دینار جرمانہ کرتی ہے۔

کسان: بغیر شکایت کی شکایت! "سب کے ساتھ انصاف ہوگا" آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔

(اپنے گدھے کے ساتھ جاتا ہے اور اُس کے ساتھ دوسرے لوگ بھی چلے جاتے ہیں۔)

قاضی: میرے خیال میں عدالت برخاست کی جائے۔

نانبائی: جی ہاں حضور!

قاضی: کیا خیال ہے! بہت ترکیبوں سے تم کو بچایا ہے۔ ورنہ گھوڑے کی طرح پس جاتے۔

نانبائی: مگر وہ سب جرمانے کی رقم!

قاضی: اطمینان رکھو، تمھارا بھی حصّہ ہے۔

نانبائی: کیوں نہیں! ——— ان لوگوں نے مجھے بہت پریشان کیا تھا!

قاضی: مطمئن رہو! پورے انصاف کے ساتھ تمھارا حصّہ تم کو دوں گا۔

تضمین بر مصرعِ ڈاکٹر اقبالؔ

(راحت کوٹی)

کیا وصف کروں گنبدِ خضرا کے مکیں کا
وہ قافلہ سالار ہے سکانِ زمیں کا
وہ راہ نما ہادیٔ اعظم بھی ہے دیں کا
وہ واقفِ اسرار ہے قرآن مبین کا
وہ قبلۂ حاجات ہے اربابِ یقیں کا !
وہ مالک و مختار ہے فردوسِ بریں کا
کیا کہنا ہے اقبالؔ کے تخئیلِ حسیں کا
"ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا"

ہر ذہن میں تخلیق کی قوت نہیں ہوتی
ہر فکر میں پرواز کی ہمت نہیں ہوتی
ہر عقل نہیں کرتی ہے تنظیم جہاں کی
ہر ذوق سے ہوتی نہیں تزئین مکاں کی
ہر سر میں نہیں ہوتا ہے سودائے محبت
ہر آنکھ نہیں ہوتی ہے شیدائے محبت
ہر قلب میں جلوہ نہیں افلاک نشیں کا
"ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا"

ہر شخص نہیں حاملِ انوارِ الٰہی !
ہر شخص پہ کھلتے نہیں اسرارِ الٰہی
ہر ایک کو معراج کی نعمت نہیں ملتی
ہر ایک کو دیدار کی دولت نہیں ملتی
ہر بندہ مخاطب نہیں لولاک لما کا
ہر بندہ نہیں ہوتا ہے محبوب خدا کا
یہ قول بہت خوب ہے اک عارفِ دیں کا
"ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا"

میں اُس بستی میں رہتا ہوں

ایمن جعفری

میں اُس بستی میں رہتا ہوں، جہاں انساں کی تقدیریں
بدل لیتی ہیں اپنی دسترس سے اپنی تقدیریں
جہاں ہر ذرۂ دل پر حسیں جلوؤں کی برنائی
پہ ہر گام نفس لیتی ہے اک معصوم انگڑائی
جہاں دوشِ محبت پر تجلّی رقص کرتی ہے
پہونچ کر جس جگہ تخئیل کی وسعت ٹھہرتی ہے
جہاں الہام کی بارش دماغ و دل پہ ہوتی ہے
مسرت تارِ ہستی میں جہاں موتی پروتی ہے
جہاں احساسِ نظارہ ہے رنگا رنگ رعنائی
جہاں مقبول ہوتی ہے نگاہوں کی جبیں سائی
جہاں صبحِ عمل، تخلیقِ نَو پر مسکراتی ہے
جہاں شامِ یقیں اپنا سرِ نخوت جھکاتی ہے
جہاں اُفتادگیٔ زیست ہم آغوشِ منزل ہے
جہاں ذوقِ نفس، آسودۂ عرفانِ کامل ہے
جہاں طوفان بر آغوش ہے، ساحل کی خاموشی
جہاں ہر موج دیتی ہے پیامِ کیف و سرمستی
جہاں پایابِ سطحِ آرزو ہے بحرِ ہستی کا
جہاں اَوجِ سکونِ زندگی منزل ہے بستی کا
جہاں احساسِ بیداریٔ دل ہے نغمۂ شاعر
جہاں ہوتے ہیں اسرارِ حدیثِ زندگی ظاہر
جہاں ہر ہر نفس ہے آشنائے معنی و کثرت
جہاں کھلتے ہیں رازِ جلوہ ہائے مطلق و وحدت
جہاں بازیچۂ اطفال ہے یہ شورشِ گردوں
میں اُس بستی میں رہتا ہوں میں اُس بستی میں رہتا ہوں
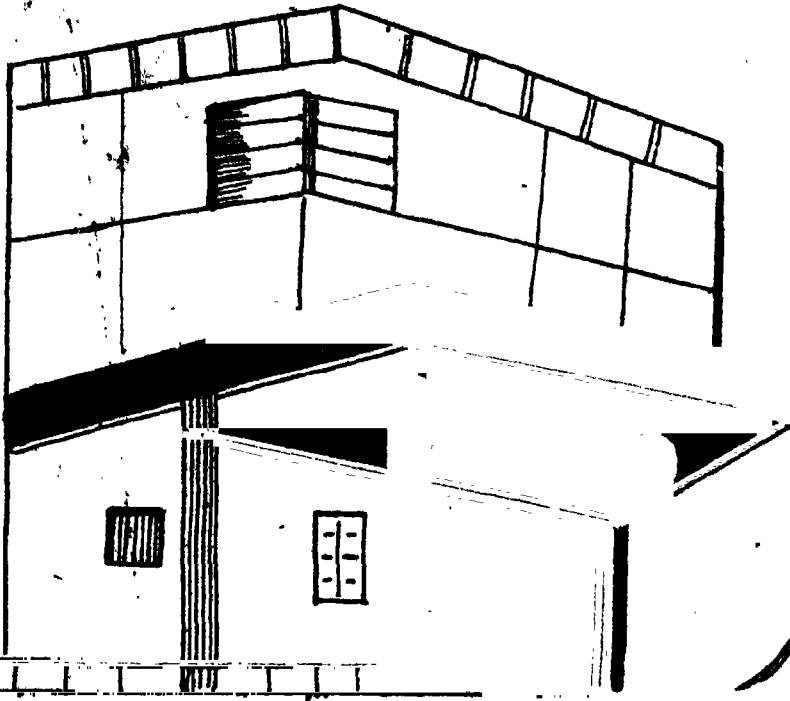
اتنا پیارا
حسین
دلکش گھر
آئیے!
ہم اس گھر کی تعمیر میں
آپکا ہاتھ بٹائیں
سریا ۔ گارڈر ۔ اینگل ۔ چینل اور ہر قسم کی لوہے کی چادریں
خریدنے سے پہلے بنفس نفیس تشریف لائیے یا بذریعہ ٹیلیفون رابطہ قائم کیجئے
ایس ایم اشتیاق احمد سلطان احمد لوہے والے
افتخار آباد ۔ کانپور
ٹیلی فون

سیاسیات

ادارہ

بلیک ستمبر اور خرطوم کا المیہ

اب سے ۲۵ سال قبل مغرب کے سیاسی شاطروں نے یہودیوں کی مظلومیت کا پروپگینڈہ کر کے اس مردود و ملعون قوم کے حق میں ہمدردی کا جواز پیدا کیا اور انکی دادرسی و آبادکاری کے لئے ارض مقدس فلسطین کے پُرامن اور شریف عربوں کو اُجاڑ کر ایک یہودی اسٹیٹ کے قیام کا نسخہ ترتیب دیا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے اقوام متحدہ کے ایوان میں بیٹھ کر انسانی حقوق اور کمزور اقوام کے تحفظ کا منشور وضع کرنے والوں کے ہاتھوں میں لاکھ عربوں کو اُن کے گھروں سے نکال کر خانماں برباد مہاجرین کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا گیا۔ پچیس سال کی طویل مدت گزر جانے کے بعد بھی وہ تباہ و برباد لوگ ماضی کی حسین یادوں کی کسک، حال کی صعوبت اور مستقبل کی مایوسی کے درمیان ایک فرض ناگوار کے طور پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوئے۔ اس مدت میں ان کے درمیان ایک نئی نسل نے جنم لیا ہے جس نے آنکھیں کھولتے ہی اپنے ماحول میں چاروں طرف بے بسی، بیچارگی اور بیزاری کے مناظر دیکھے ہیں۔ ایسے سلگتے ہوئے ماحول میں جوان ہو کر پُرامن ذرائع اور آئینی طریق کار پر سے اُن کے اعتماد کا اُٹھ جانا اور جان دینے، جان لینے کے اُصول کو اپنا لینا کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔

ان ہی تلخ حقائق اور مکروہ سیاست نے انکی چھاپہ مار تنظیموں کو جنم دیا ہے اور ان کو ایسی راہ چلنے پر مجبور کر دیا ہے جو تہذیب، شائستگی، امن پسندی اور مصلحت پسندانہ نقطۂ نظر سے کتنی ہی غلط کیوں نہ ہو لیکن حصول انصاف سے مایوس ہو جانے والوں کیلئے اسکا اختیار کر لینا ناگزیر ہے۔

طیاروں کا اغوا ہو، میونخ کا خونیں حادثہ ہو یا تازہ ترین خرطوم (سوڈان) کا اندوہناک ڈرامہ۔ ان سارے المناک واقعات کے پیچھے ایک شدید کرب اور دیوانگی کی حد تک پہنچی ہوئی جھنجھلاہٹ ہو کہا جا سکتا ہے کہ سوڈان میں سعودی عرب کے سفارتخانہ میں رونما ہونیوالے واقعہ کے نتیجہ میں مارے جانے والے افراد بیگناہ تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ انسانی نقطۂ نظر سے بلیک ستمبر سے تعلق رکھنے والے عرب چھاپہ ماروں کا یہ اقدام وحشیانہ وسفاکانہ تھا۔ لیکن ایسا کہنے والوں سے یہ سوال بھی کیا جا سکتا ہے کہ آخر ان لاکھوں فلسطینی عربوں کو کس جرم کی پاداش میں تباہی اور موت کے جہنم میں دھکیل دیا گیا ہے؟ کیا ان میں کا ہر فرد بچہ و بوڑھا، مرد و عورت مجرم ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں ہے تو خرطوم میں بیگناہ مارے جانیوالوں کیلئے دلسوزی و ہمدردی کا اظہار کرنے والوں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ یہودی و امریکی حکومتوں پر ہر ممکن دباؤ ڈالکر اسبات پر مجبور کریں کہ فلسطینی عربوں کا منصفانہ و ایماندارانہ حل تلاش کریں۔ اور اُن کو با عزت و آسودہ حال زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کریں۔

یہ تھا تصویر کا پہلا رُخ! اور اُن اسباب و علل کا تجزیہ جنہوں نے مشرق وسطیٰ میں چھاپہ ماروں کے غیر مطمئن عناصر کو جنم دیا ہے۔ تصویر کا دوسرا افسوسناک رُخ یہ ہے کہ بلیک ستمبر جیسی طوفانی تحریک کو نہایت ہوشیاری اور چالاکی سے کیا مقصد ی ڈپلومیسی سے منسلک رہنا ہے تاکہ دنیا ...

اور ظلم جیسے خونیں واقعات رونما ہوتے رہیں اور اس خطہ میں امن واستحکام اور صلح وصفائی کے امکانات کی گنجایش نہ پیدا ہو سکے! کیونکہ ظاہر ہے کہ بغیر امریکی دباؤ کے اسرائیل کسی منصفانہ تصفیہ کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اور جب کبھی امریکہ اور مصر اس سلسلہ میں قریب آنیکی کوشش کرتے ہیں ایسے خونیں حادثات رونما ہو کر ان کو پھر ایک دوسرے سے دور کر دیتے ہیں۔ مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہیجان برقرار رہے اور امریکہ سے آخری حد تک متنفر ہو کر عرب اپنی گردنوں میں روسی بالادستی کا طوق بخوشی ڈال کر کے پورا مشرق وسطیٰ روس کے لئے ایک پرسکون شکارگاہ کے طور پر تسلیم کر لیں۔

شیخ مجیب الرحمن اور بنگلہ دیش کے بہاری مسلمان

تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے نتیجہ میں رونما ہونے والے ہولناک فسادات میں دونوں طرف کی مذہبی اقلیتیں ترک وطن پر مجبور ہوئی تھیں اور حکومت ہند و پاکستان نے نہ صرف ان کو خوش آمدید کہا تھا بلکہ ان کی بازآبادکاری کی ذمہ داریاں بھی لی تھیں اور ان کو برابر کے شہری حقوق دے کر وہاں کی قومیت کے ایک جز کے طور پر تسلیم کیا تھا۔ ایسے ہی مصیبت زدہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہندوستان کے شرقی حصوں سے خصوصاً بہار سے ترک وطن کر کے مرحوم شرقی پاکستان میں جا کر آباد ہوئی تھی، جو اب بنگلہ دیش کہلاتا ہے۔ اور جہاں کے مسلمان بقول مولانا اسعد مدنی ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند، ہند پاکستان کے مقابلہ میں زیادہ اچھے مسلمان ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ مولانا مدنی کے پیش نظر ایسا کہتے وقت، اچھے مسلمان کی "مسلّمہ" تعریف ضرور رہی ہوگی۔ مگر ان اچھے مسلمانوں کے رہنما اور بنگلہ دیش کے وزیر اعظم شیخ مجیب الرحمن کے وقتاً فوقتاً نکلنے والے بیانات، ہم جیسے ہشیار لوگوں کو یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ کیا اب مسلمانوں کی اچھائی اور برائی کا معیار بدل چکا ہے۔ کیا آج اچھا مسلمان وہ ہے جو اپنے دوسرے بھائیوں کو محض اس بنا پر گردن زدنی اور قابل نفرت سمجھے کہ وہ ایک دوسری زبان بھی بولتے ہیں اور ناگزیر حالات کے تحت ترک وطن کر کے اُسکے علاقہ میں آکر بسنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

شیخ مجیب الرحمن بار بار اعلان کر رہے ہیں کہ ان لاکھوں بہاری مسلمانوں کو بنگلہ دیش کی سرزمین پر برداشت نہ کیا جائیگا۔ وہ کبھی ان کو پاکستان بھیجنے کی بات کرتے ہیں اور کبھی عالمی برادری کے حوالے کر دینے کا اعلان کرتے ہیں — کیا یہی نظریات مولانا مدنی کے نزدیک اُنکے افضل مسلمان ہونے کا ثبوت ہیں — آزاد بنگلہ دیش تحریک کے دوران بنگالیوں کے ہاتھوں بہاری مسلمانوں کو آگ اور خون کے بھیانک سیلاب سے گزرنا پڑا۔ پھر بنگلہ دیش بننے کے بعد اُنکے خلاف صفائی کی مہم چلائی گئی — کیا یہ باتیں اچھے مسلمانوں کے کارنامہ کے طور پر شمار کیجا سکتی ہیں؟

پاکستانی حکمرانوں سے شیخ مجیب الرحمن کی نفرت کے اسباب خالص سیاسی ہیں۔ اس اختلاف کے نتیجہ میں پاکستانی حکومت نے فوجی سطح پر جس طرح بنگالیوں کو تختۂ مشق ستم بنایا، وہ یقیناً قابل مذمت ہے۔ اب آزاد بنگلہ دیش کے وزیر اعظم کی حیثیت سے شیخ مجیب کو پورا حق ہے کہ وہ پاکستان سے جیسا معاملہ چاہیں کریں۔ لیکن بہاری مسلمانوں کا مسئلہ خالص انسانی مسئلہ ہے، جسکو سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنا، انسانی واسلامی اُصولوں کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے

بنگلہ دیش کو پاکستان سے الگ کر لینے کے بعد، شیخ مجیب الرحمن جس طرح ملکی اقتدار اور املاک وجائداد کے وارث ہیں اسی طرح وہ وہاں کے بسنے والے تمام انسانوں کے وارث و محافظ بھی ہیں۔ بنگلہ دیش کے شہریوں کے کسی حلقہ وطبقہ کیساتھ، اُن کے امتیازی سلوک کی کوئی اخلاقی وجہ جواز نہیں ہے۔ وہ اگر اپنی ہٹ سے باز نہ آئے تو تاریخ انھیں بے گناہ مسلمانوں کے قاتل کے نام سے یاد کریگی۔

مولانا اسعد مدنی کی بھی اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ شیخ مجیب کو انسانی اور صحیح اسلامی رویّہ اپنانے کا مشورہ دیں۔ [illegible] روا رکھنے پر اُنھیں آمادہ کریں۔

مکتوبات

......کہ لوگ کہتے ہیں!

آپ کے خطوط

چاندنی چوک : دہلی

جناب شیخ فیروزالدین صاحب بویجہ۔ کانپور

السّلام علیکم! مزاج شریف

آپ کے موقر ماہنامہ "رگ سنگ" کے مارچ ۱۹۸۳ء نمبر میں آپ کا اداریہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ آپ نے وقت کی ضرورت کے بالکل مطابق پنجابی مسلم سوداگر برادری کو متوجہ کیا ہے۔ خدا کرے کہ آپ کی یہ کوشش بحسن و خوبی کامیاب ہو۔ آمین۔

گزشتہ کنونشن کے موقع پر آپ سے ملاقات میں میں نے پنجابی مسلم برادری کی [illegible] کانفرنس کا ذکر کیا تھا جو واقعتاً ۱۹۳۹ء کے شروع میں دہلی میں منعقد ہوئی تھی۔ اس میں ہندوستان کے بہت سے شہروں سے مندوبین تشریف لائے تھے۔ اور اسی موقع پر "شمسی برادری" کا نام تجویز ہو کر پاس ہوا تھا۔

مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے کہ:

۱۔ برادری کے دوسرے افراد سے رائے معلوم کی جائے۔

اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کہ یوپی کے جن شہروں کے نام آپ نے لکھے ہیں، ان میں نیز دیگر شہروں میں، دہلی۔ بمبئی۔ اور کلکتہ میں اور یوپی کے دیگر شہروں مثلاً میرٹھ وآنولہ وغیرہ بھی شہروں میں دورہ کرکے، نیز خط و کتابت کے ذریعہ ہر ہر شہر میں جو بھی برادری کی تنظیمیں ہیں، ان کے نام، مکمل پتے اور مقاصد کی تفصیلات معلوم کر کے مکمل طور پر فہرست مرتب کر لیں۔ تاکہ پھر مختلف وفود کو دوروں کیلئے ذمہ داریاں سونپ کر ہر مقام کے لوگوں کو عام اور مشترکہ مقاصد کے حصول میں مدد کرنے کیلئے آمادہ کیا جائے۔

۲۔ میرے خیال میں

(الف) کاروباری۔ تجارتی۔ صنعتی

(ب) تعلیمی

(ج) رسومات شادی نیز رشتہ داری

کے مسائل عام اور مشترک طور پر، غور ہو کر فیصلوں پر عملدرآمد کرنا سب ہی شہروں میں مقیم برادری کے افراد اور جماعتوں کے لئے مفید اور ہم آہنگی کا سبب ہو سکتے ہیں۔

آپ کی اور آپ کے ماہنامہ رگ سنگ کے قارئین کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ دہلی میں مندرجہ ذیل تنظیمیں برادری کی موجود ہیں۔

۱۔ انجمن وکیل قوم پنجابیان (رجسٹرڈ نمبر ۱۳۳۲) حویلی حسام الدین حیدر بلی ماران دہلی نمبر ۶ —— یہ ۱۹۰۶ء سے قائم ہے اور فی الحال ان امور کی بابت کام کرتی ہے۔ قبرستان۔ برادری کے لڑکوں کا پرائمری۔ لڑکیوں کا پرائمری اسکول —— ناظرہ و حفظ قرآن شریف کیلئے کتب و مدارس۔ زکوٰۃ کی تنظیم وصول و تقسیم [illegible] مساجد کا

انتظام و انصرام — متعدد وقف جائدادوں کی تولیت ونگرانی۔
تعلیمی وظائف وکفالت۔

ب : منتظمہ کمیٹی امینیہ مسلم گرلز اسکول۔ احاطہ کالے صاحب گلی قاسم جان۔ بلی ماران دہلی نمبر ۶

اس اسکول میں ساتویں کلاس تک درجہ وار تعلیم ہوتی ہے۔ نیز اسکے بعد طالبات کو تیاری کراکر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے میٹرک کا امتحان دلوایا جاتا ہے۔

ج۔ اصلاح العلوم کمیٹی قوم پنجابیان دہلی۔ حویلی حسام الدین حیدر بلی ماران۔ دہلی۔

فقط والسلام
خادم محمد عمر

محترم جناب ایڈیٹر صاحب مدظلہ ! سلام مسنون۔

حسب الارشاد رگ ترنگ کیلئے بکھرے ہوئے چند خیالات حاضر خدمت ہیں ——

کافی دنوں سے رگ ترنگ کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ واقعی اس کساد بازاری کے دور میں اپنی انتہائی مصروفیات کے باوجود اتنا پُرمغز، دینی فکر اور دعوت عمل سے بھرپور جریدہ کو پابندی کیساتھ جاری رکھنا، آپ جیسے باہمت مدبر اور دردمند صحافی ہی کا کمال ہے۔ اس کے لئے میں دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

رگ ترنگ کے مضامین صرف دلچسپ اور معیاری ہی نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ وہ ایک اچھا رہبر بھی ہے۔ دوسری برادریاں، خصوصیت سے پچھڑا ہوا طبقہ، رگ ترنگ کے ٹھوس مضامین سے سبق بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اپنے کو اوپر اٹھانے کے لئے اس سے راہیں نکال سکتا ہے۔ اس دور میں جبکہ ہر شخص اپنے آپ کو ترقی یافتہ بنانے اور دوسروں سے آگے نکل جانے کے لئے، اپنی قدرتی صلاحیتوں کے ساتھ جدوجہد کر رہا ہے اور دوسری طرف زمانہ بھی بلا کسی انتظار کے تیزی سے اپنی چال چلنے کے لئے کوشاں ہے، یہ ایک حقیقت ہے کہ رگ ترنگ کا موجودہ

گروہ پیش زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ کیوں نہ اس کے دائرہ کو وسعت دے کر، اس کے اس اصلاحی دعوت عمل کو گھر گھر پہنچایا جائے۔

اس کے اندر صنعت و حرفت سے متعلق مضامین کا اضافہ کیا جائے اور دوسری برادریوں اور پچھڑے ہوئے افراد کی قیادت کرتے ہوئے، جسکی اُن کو اس وقت سخت ضرورت ہے۔ اُن کو رگ ترنگ کا اصلاحی اور تعمیری سرگرمیوں سے فائدہ اُٹھانے کے مواقع فراہم کئے جائیں۔ میرے خیال میں اس طرح رگ ترنگ اُمت مسلمہ ہی کی نہیں بلکہ ملک کی بھی گرانقدر خدمت انجام دے سکتا ہے۔

میں بارگاہ ایزدی میں دست بدعا ہوں کہ وہ اس عظیم جریدے کو ہمیشہ ترقی کی راہ پر گامزن رکھے۔ رگ ترنگ کیلئے یہ میرا تاثر ہے برائے اشاعت قبول فرمائیے۔

حافظ حمید احمد : کانپور

زاویۂ قادریہ۔ نامپلی۔ حیدرآباد۔

برادرم فیروز صاحب ! سلام مسنون !

اُمید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ کچھ دن ہوئے تو ایک صاحب کے پاس ماہنامہ رگ ترنگ دیکھنے کو ملا۔ بہت خوشی ہوئی۔ مگر سخت افسوس بھی ہوا کہ اس درجہ بہترین ادبی پرچہ کو میں ابھی تک نہیں دیکھ سکا تھا۔ اور پھر سوچا تو خود ہی سزاوار نکلا۔

میں اپنے ریسرچ ورک میں چونکہ ادھر چند برسوں سے نہ صرف بہت زیادہ مصروف رہا ہوں۔ اور لائبریریوں میں بھی صرف کتابوں کے سکشن کے علاوہ پرچوں وغیرہ کے سکشن میں بالکل جاتا ہی نہیں تھا۔ اس لئے رگ ترنگ ہی کیا دوسرے کئی اور ادبی پرچوں سے ناواقف تھا خیر —— !

آپ کا پرچہ اپنی نوعیت کے حساب سے ایک منفرد ادبی پرچہ ہے۔ خصوصاً پرچہ کی موضوعاتی تقسیم دوسرے ادبی پرچوں کے مقابلہ میں نہ صرف

کافی اہمیت کی حامل ہے۔ بلکہ شمارہ ایک اہمیت ہی!

اسلامیات۔ انکشافات۔ معلومات۔ تحقیقات۔ شخصیات۔ انتقادیات اور مکتوبات جیسے اہم عنوانات اگر کسی پرچہ میں مستقل طور پر شائع ہوں تو میرے خیال میں اب پرچے کی افادی حقیقت کو تسلیم کروانے کیلئے بہت کافی ہیں۔ آپ اس ضمن میں اپنی نگاہ اور اپنے اس کام کی بہترین انجام دہی پر قابل مبارک باد ہیں۔

ادبی مضامین سب اچھے ہیں۔ مجھے خصوصیت کے ساتھ حسرت الاکرام قمر سنبھلی۔ بدیع الزماں۔ علی عباس اُمید۔ اور شمیم عثمانی کو اُن کی اچھی تخلیقات پر میری طرف سے مبارکباد پہونچا دیجئے۔

مخلص —— فکر بدایونی

رائے بریلی: ۳ مارچ ۱۹۷۲ء

محب مکرم بوبچہ صاحب! سلام و رحمت

رنگ سنگ پابندی سے مل رہا ہے۔ تازہ شمارہ بھی موصول ہوا —— آپ کے لطف و کرم کا شکریہ!

زیر نظر شمارہ دیرینہ خصوصیات کا حامل ہے۔ مستقل عنوان "بستی بستی" کی تجدید اشاعت، قارئین رنگ سنگ کے اصرار پر ضروری تھی۔

اسلامیات کے تحت جو مضامین شائع ہوئے ہیں وہ مفید اور کارآمد ہیں۔ منظومات میں یونس قنوجی۔ اور امین جعفری کی تخلیقات پسند آئیں۔ اقبال ماہر اور راحت کرتی کی غزلیں بہت خوب ہیں ساحل ڈاکپوری۔ تلامذہ سیماب مرحوم پر قسط وار جو مضمون سپرد قلم کر رہے ہیں وہ خاصے کی چیز ہیں۔

سیرت نمبر کا اعلان خوش آیند ہے۔ والسّلام

خلوص کار: حباب ہاشمی

باڑہ: ۲۰ فروری ۱۹۷۲ء

محبی بوبچہ صاحب، مدیر رنگ سنگ، آداب

زیر مطالعہ ماہ مارچ ۱۹۷۲ء کا شمارہ کافی دلچسپ معلوماتی و جاذب توجہ ثابت ہوا۔ ادبی رشحات کے ساتھ ساتھ، دینی و سماجی تخلیقات جامع و حقیقت افروز ہیں۔ مولانا شریف حسین۔ سید اطہر حسین ہاشمی، سلیمان سالک نے کافی متاثر کیا۔ حصہ نظم میں یونس قنوجی۔ حباب ہاشمی۔ عبد المتین نیاز۔ راحت کرتی۔ حافظ رائے بریلوی۔ تابش صدیقی۔ اختر بستوی: علی عباس امید کی نظمیں اور غزلیں اثر انگیز ہیں۔ ساحل مانک پوری۔ انجم عثمانی۔ رئیس احمد انصاری کے مقالے اور شوکت تھانوی کا مزاحیہ فیچر بہت خوب ہیں۔

رنگ سنگ اگر یہی لیل و نہار رہے، تو وہ دن بہت ہی قریب سمجھئے جب یہ آسمان دین و ادب کا روشن ستارہ بن کر چمکے گا۔ خداوند عالم آپ کی کاوشوں کو نظر بد سے بچائے۔ آمین

امین جعفری

ہٹیا بہادر گنج الہ آباد

کرمی ایڈیٹر صاحب! سلام مسنون

نوازش نامہ موصول ہوا۔ حسب ارشاد سیرت نمبر کیلئے پانچ نظمیں ارسال خدمت ہیں، اُمید ہے پسند آئیں گی۔

رنگ سنگ برابر موصول ہو رہا ہے۔ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ اسکا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔ جناب حسرت الاکرام، مظفر حنفی۔ عبد المتین نیاز۔ نازش پرتاب گڈھی۔ وغیرہ کی تخلیقات رنگ سنگ کے ہر حلقہ میں مقبولیت کی دلیل ہیں۔ علاوہ ازیں رنگ سنگ میں آج کے ادب کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اور یہی اسکا خاص عنصر ہے۔

خدا کرے آپ لوگ بخیر ہوں

خلوص کار

نصر قریشی

سوالات وجوابات

جواب حاضر ہے!

علامہ معلومی کے قلم سے

محمد رئیس کانپور

س : کیسے غریبوں کو پیسے دینا چاہیئے!

ج : جن کے حالات واقعی امداد کے مستحق ہوں۔

س : اگر کسی کافر کو پیسے دیے جائیں، تو بزرگان دین کی نظر اور شریعت کے اصول سے کیسا ہوگا!

ج : زکوٰۃ کی رقم سے کافروں کی مدد نہیں کی جاسکتی، ویسے از راہ انسانی ہمدردی دوسری مدات سے معذور اور مستحق لوگوں کو پیسے دینے میں مضائقہ نہیں۔

س : نماز کے لئے جماعت تیار ہو تو کیا شریک ہونے کے لئے دوڑ کر جانا حدیث میں منع کیا گیا ہے؟

ج : جی ہاں! ــــ اس لئے کہ سر راہ دوڑ کر چلنا اخلاقی آداب کے منافی ہے۔

مسعود احمد : کانپور

س : ناجائز اولاد کی ذمہ دار ماں ہے یا اولاد؟

ج : اگر اولاد کی تولید کے سلسلہ میں ماں جبر کا شکار ہوتی ہے تو اس پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ بصورت دیگر ماں ذمہ دار ہے۔

س : ہم دعا کرتے ہیں، مگر ہماری دُعا قبول نہیں ہوتی ــــ بتایئے ہم کیا کریں؟

ج : دُعا کے ساتھ دوا اور تدبیر بھی کیجئے!

شریف الحسن : لکھنؤ

س : آل انڈیا مسلم کنونشن دہلی کیسا رہا

ج : خاصا کامیاب رہا۔

س : معلوم ہوا ہے کہ کنونشن میں مسلم مجلس اور مسلم لیگ کے درمیان کافی اختلاف رہا۔ ایسا کیوں؟

ج : اختلافات زندگی کی علامت ہوا کرتے ہیں۔ مقصد کے حصول کے لئے راستوں کے انتخاب میں اختلاف ممکن ہے۔ لہٰذا اس اختلاف سے ہراساں کیوں ہوں!

س : کیا مسلمان دوسری سیاسی پارٹیوں کے تعاون کے بغیر اپنے مسائل کے حل کیلئے حکومت پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔

ج : گزشتہ تجربات سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ معقول ترین مطالبات کے لئے بھی چلائی جانے والی تنہا مسلمانوں کی پُرامن تحریکوں کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر ناکام بنا دیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں ہمارے نزدیک یہ ضروری ہے کہ مسلمان اپنی تحریکوں کا دائرہ وسیع کریں۔ اپنے مسائل کو ہندو عوام تک لیجائیں اور دوسری سیاسی پارٹیوں کا تعاون حاصل کر کے حکومت کے غلط فیصلوں پر اثر انداز ہوں۔

انصار الحق : بنارس :

س : پنجابی برادری کی جس کانفرنس کے منعقد کرنے کی آپ نے تجویز پیش کی ہے، وہ کبتک منعقد ہو رہی ہے۔

ج : تجویز پیش کی ہے۔ اور مقام شکر ہے کہ متعدد حلقوں سے اس کو سراہا بھی گیا ہے۔ اس سلسلہ میں آگرہ اور دہلی کا ایک مختصر دورہ بھی کیا گیا۔ جہاں مجوزہ کانفرنس کے سلسلہ میں کافی حوصلہ افزائی کی گئی۔ افہام و تفہیم اور غور و فکر کا سلسلہ جاری ہے اور حالات کو دیکھتے ہوئے توقع کی جاسکتی ہے کہ اس سال کے اندر اندر کانفرنس کا انعقاد عمل میں آجائے گا۔

س : اس کانفرنس کے ذریعہ آپ کن مقاصد کی تکمیل چاہتے ہیں!

ج : اس کانفرنس کے ذریعہ ہم چاہتے ہیں کہ مسلم پنجابی برادری کی ایک کل ہند تنظیم قائم ہو۔ باہمی رابطے قائم ہوں، تاکہ تجارتی و کاروباری رشتے استوار کئے جاسکیں۔ اصلاح رسوم اور بیت المال کی تحریکوں کو وسعت دیجا سکے اور درپیش معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرسکیں۔ تعلیمی سرگرمیاں تیز کی جاسکیں۔ معاشی اور اقتصادی الجھاؤں کو باہمی مشوروں کے ذریعہ سلجھایا جاسکے۔

س : اس تجویز پر لوگوں کا ردعمل کیا ہے؟

ج : جیسا کہ آپکے پہلے سوال کے جواب میں عرض کیا گیا ہے اس تجویز پر لوگوں کا ردعمل بڑی حد تک اثباتی ہے۔ خصوصاً دہلی اور آگرہ کے لوگوں نے اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا ہے اور ابھی تک ہم صرف انہی دو جگہوں تک پہنچ سکے ہیں۔

لطیف انور : امراوتی

س : کیا آپ کی مجوزہ شمسی برادری کی کانفرنس آئندہ جولائی تک بلائی جاسکیگی

ج : ابھی ابتدائی اقدام کے طور پر تجویز پیش کی گئی ہے اس کے لئے مختلف مقامات کے حضرات کی رائے کا انتظار کرنا ہوگا۔ پھر تمام آراء کی روشنی میں طریق کار متعین کرنا ہوگا۔ جگہ اور وقت کا تعین کیا جائے گا۔ انتظامات کرنا ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام وقت چاہتے ہیں اسلئے اتنی جلدی انعقاد کی توقع نہیں کیجا سکتی

س : اگر میں اس سلسلہ میں کچھ تجاویز بھیجوں تو کیا آپ ان پر غور کرینگے۔

ج : ضرور غور کرینگے۔ ہم نے اسی لئے تجویز پیش کرتے ہوئے رائے اور مشورہ اور تجاویز کی درخواست کی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ یہ کانفرنس ہمہ گیر شکل اختیار کرے۔

س : کیا اس کانفرنس کے لئے کانپور ایک موزوں مقام نہیں ہو سکتا؟

ج : اس سلسلہ میں ہم کسی پیش قیاسی کو مناسب نہیں سمجھتے، مقام اور وقت وغیرہ کا تعین باہمی صلاح و مشورہ کے ذریعہ کیا جانا ہمارے نزدیک پسندیدہ عمل ہے۔

رُوداد

فیض عَام نِسواں کمیٹی

تفصیل کارروائی فیض عام نسواں کمیٹی : فیض عام نسواں انٹر کالج مکھنیا ہاتا ازکانپور

بتاریخ ۲۶ فروری ۱۹۹۲ء بروز دوشنبہ بوقت ۵ بجے دن بمقام فیض عام نسواں انٹر کالج، فیض عام نسواں کمیٹی کا جلسہ زیر صدارت کلیمہ بیگم نیازی منعقد ہوا۔ یہ جلسہ بیگم تہذیب النساء، محمد نصیر صاحب (ماسٹر) کی تجویز برائے انصرام فیض عام نسواں نرسنگ ہوم کو زیر غور لانے کے لئے بلایا گیا تھا۔ ——— تجویز درج ذیل ہے:

تجویز محرکہ

محترمہ صدر صاحبہ نسواں کمیٹی! السلام علیکم

عرصہ ہوا جب صدر صاحبہ نے ایک خصوصی میٹنگ بلائی تھی جو کہ تربیت گاہ اطفال میں ہوئی تھی۔ اسوقت صدر صاحبہ نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ "نرسنگ ہوم" کسطرح بنے اور کیا ہو؟ لہٰذا ہم لوگوں نے اسکا بجٹ سُن کر کچھ دن خاموش رہنا مناسب سمجھا لیکن جسطرح ہمارا کھانا پینا ضروری ہے۔ ٹھیک اُسیطرح نرسنگ ہوم بھی ضروری ہو گیا ہے۔ کیونکہ ہمارے عزیزوں میں ہی کسی کا واقعہ ہے کہ ڈاکٹر بھاٹیہ پونا گئی تھیں۔ کیس پیٹ چاک کرنیکا تھا۔ اسلئے اُرسلا جانا پڑا۔ اور میں اپنے چشم دید حالات بتاتی ہوں کہ ڈاکٹر کیساتھ چار یا پانچ مرد تھے، جو کہ ہم لوگوں کی لاعلمی میں دوسرے راستے سے بلائے گئے تھے۔ آپریشن چار گھنٹہ کا تھا۔ یہ سب حالات دیکھ کر دل بےچین ہو گیا۔ میں سوچتی ہوں کہ اِلّا ماشاءاللہ چند ہی لوگ ڈاکٹر بھاٹیہ کے یہاں جا سکتے ہیں اور مریم بیدا سپتال بھی ہر کسی کے بس کے باہر ہے۔ لہٰذا میں نے خالہ جان سے یہ تجویز پیش کی کہ کچھ ممبر پانسو روپے اور کچھ ڈھائی سو روپے دیں تو انشاءاللہ کام شروع ہوجائیگا اور جو ممبر اپنا قیمتی وقت دینا چاہیں

وہ نرسنگ ہوم کی دیکھ بھال کریں۔ ایک اپیل ہو نرسنگ ہوم کے واسطے کہ جو بھی مدد کرنا چاہے
خوشی سے حصہ لے سکتا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ ممبروں میں ماشاء اللہ کچھ لوگ ۵۰۰ اور کچھ ڈھائی سو
روپے بخوشی دینگے (۵۰۰ روپیہ کی حقیر رقم میری طرف سے قبول فرمائیے)

بیگم تہذیب نصیر : ۲۶ فروری ۱۹۷۳ء

ارکان کمیٹی نے نرسنگ ہوم کی اہمیت اور ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے موجودہ حالات پر بھی تبصرہ کیا۔ یعنی کاروباری پریشانیاں اور سخت گرانی وغیرہ۔ لیکن بدرجۂ آخر حوصلہ مندی سے کام لیتے ہوئے۔ رب کائنات کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، بالاتفاق تجویز کو منظور کیا۔

جناب صدر نے وضاحت فرمائی: فیض عام نسواں مطب کی ضروریات کیلئے، ۱۹۷۲ء تک آمد و خرچ برابر چل رہا تھا۔ یعنی ایک ہزار روپیہ ماہانہ۔ مگر اب ماہانہ آمد میں ۳۵۰ روپے کی تخفیف ہو گئی ہے۔ گزشتہ جلسہ میں ارکان کمیٹی کو اس ضرورت پر متوجہ کیا گیا تھا۔
الحمد للہ ایک سو روپے ماہانہ کا انتظام اسی وقت موجودہ ممبران نے کر لیا۔ باقی ۲۵۰ روپے ماہانہ کی کوشش مدنظر رکھی تھی۔
اب "نرسنگ ہوم" قائم کرنے کے لئے دس ہزار روپے۔ ضروری سامان فراہم کرنے کے لئے اور کم از کم ۱۰۰۰ روپیہ ماہانہ اخراجات کیلئے فراہم کرنا ضروری ہے۔
اس کے علاوہ تربیت گاہ کے کلاسز، اوپر منتقل کرنا ہونگے، وہاں صرف ایک کمرہ ہے۔ باقی حصہ پر خواہ ٹین یا کھپریل ہی سے سایہ قائم کیا جائے۔ گرمونا لازم ہے۔

نرسنگ ہوم کی ضرورت پر میں بار بار اظہار خیال کرتی رہی ہوں۔ اور اب خدا کا شکر ہے کہ بیگم تہذیب نصیر صاحبہ کے مشاہدے سے آپ سب متاثر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق حیا ایمان کی شاخ ہے۔ اسکی حفاظت ایمان کی حفاظت ہے۔ ناگزیر حالات میں شریعت پاک نے کچھ گنجائش دے دی ہے۔ مگر اب تو یہ کیفیت ہے، اسپتالوں میں لڑکے اپنی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ حیا سوز مناظر ہماری عزت کو چیلنج کر رہے ہیں۔ اور اس امر میں مرد و عورت کی تخصیص بھی نہیں ہے۔ عورت کو حیا قائم رکھنا ہے۔ مرد محافظ ناموس ہے۔ دونوں مل کر کام کریں گے تو انشاء اللہ کامیابی دور نہیں رہے گی۔ اسی حوصلے سے کام لیجئے جس سے آپ سب اب تک ادارے کی ضروریات پوری کرتی رہی ہیں۔ خیرات، زکوٰۃ، ایصال ثواب اجزائے عمارت کسی نام سے موسوم کئے جانا وغیرہ میں آپ کا پورا پورا تعاون ادارے کو حاصل رہا ہے۔ اور اب بھی میں آپ سب کو باحوصلہ پا رہی ہوں۔ یہ نعمت بھی اللہ تعالیٰ کے فضل ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ وہی اب بھی اپنی مدد سے نوازے گا۔

خرید عمارت کے وقت اپنے بھائیوں اور بیٹوں کا بھر پور تعاون ہمیں حاصل رہا ہے اور جو اعانت بھی آپ پیش کرتی ہیں، وہ اس میں بھی شریک ہوتے ہیں ——— اب آپ طریقہ کار زیر غور لائیں۔
ارکان کمیٹی نے مندرجہ ذیل تجاویز بالاتفاق منظور کیں:
۱۔ روداد فیض عام نسواں کمیٹی ماہنامہ "رگ سنگ" میں شائع کیجائے: اور محترم ایڈیٹر صاحب اپنے طور پر بھی تجویز پر اظہار خیال فرمائیں۔

۲. بشکل پمفلٹ اپیل شائع کیجائے۔
۳. بشکل گروپ خواتین سے ملاقاتیں کرکے ضرورت واضح کیجائے۔
۴. ممبر ادارے کی سرپرست اور دیرینہ معاون خواتین اپنے اپنے حلقہ میں مردوں کو امداد پہ آمادہ فرمائیں۔
بیگم تہذیب النساء محمد نصیر صاحب ماسٹر کی تجویز کو یہ شکل دی گئی کہ:

وقتی ضروریات کیلئے: شق اول ۵۰۰ روپیہ دوم ۲۵۰ روپیہ سوم ۱۰۰ روپیہ چہارم مختلف تعداد
ماہانہ آمد کیلئے اول: ۵۰ روپیہ دوم ۲۵ روپیہ سوم ۱۰ روپیہ چہارم " "

الحمدللہ! بروقت جلسہ شق اول سے حاصل ہوئے

۱۔ بیگم تہذیب النساء محمد نصیر صاحب ماسٹر ۵۰۰ روپے
۲۔ بیگم زبیدہ محمد عتیق صاحب مرحوم مجاہۃ والے ۵۰۰ "
۳۔ بیگم کبلیہ احسان الحق صاحب احسان منزل ۵۰۰ "
۴۔ بیگم خیر النساء محمد اظہر صاحب مرحوم خوش باش منزل ۵۰۰ "

نذرانِ اعدہ ٹیپ سوز کیساتھ صدر صاحبہ نے کامیابی کی دعا کی اور جلسہ برخواست ہوا

بیگم اختر بانو محمد شمیم
ناظم دفتر
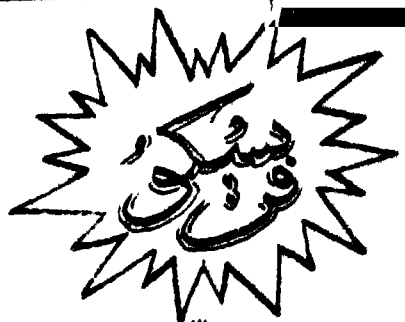
فہرست چرم قربانی

محصلہ برائے شمسی بیت المال کھنیا بازار کانپور

۱۳۹۲ھ مطابق ۱۹۷۳ء

از تحویل جات بیت المال

نام و پتہ	تعداد	رقم
۱. جناب حاجی ارشاد الٰہی صاحب . لیدر والے . حسرت روڈ	چرم قربانی ۲ عدد بکرا	49 . 15
۲. " محمد سلطان اسٹیشنری والے　بساطی بازار	" ۱	25 . 15
۳. " اشفاق الٰہی صاحب بنیان والے　مول گنج	" ۱	25 . 15
۴. " معراج الٰہی صاحب مرحوم　بساطخانہ	" ۱	25 . 15
۵. " حافظ عبدالاحد صاحب لیدر والے حسرت روڈ	" ۱	25 . 15
۶. " ارشاد محمد صاحب بمبئی والے　مجید احمد روڈ	" ۲	50 . 68
۷. " حاجی احمد الٰہی صاحب تولیہ والے　بساطخانہ	" ۱	25 . 15
۸. " کمال احمد صاحب　گلاس ویر　"	" ۱	25 . 15
۹. " حاجی محمد مظفر صاحب　غبارے والے　"	" ۴	98 . 30
۱۰. " حاجی حسین احمد صاحب　بانچہ والے　"	" ۱	25 . 15
۱۱. " حاجی اشتیاق حسین صاحب　برتن والے　مچھلی بازار	" ۱	25 . 15
۱۲. " ماسٹر محمد عتیق صاحب　سگرٹ والے　مجید احمد روڈ	" ۱	25 . 15
۱۳. " احسان کریم صاحب چودھری　قیصر عام روڈ	" ۵	123 . 45
۱۴. " محمد اسمٰعیل صاحب　آفتاد والے　مچھلی بازار	" ۱	25 . 15
۱۵. " معین الدین صاحب آتش باز والے　مول گنج	" ۱	25 . 15
۱۶. " حافظ محمد عاشقین صاحب شیشے والے　کھنیا بازار	" ۱	25 . 15
۱۷. " حافظ قطب الدین صاحب　تیل والے　نکلش گنج	" ۱	25 . 15
۱۸. " محمد [illegible] راشد صاحب　جات والے　بساطی بازار	" ۲	75 . 45
۱۹. جناب تمیز الحسن صاحب بیچہ لیو　بساطخانہ	۲ چرم قربانی بکرا	50 . 67
۲۰. " محمد شمال صاحب　ٹین والے حسرت روڈ	" ۱	25 . 15
۲۱. " محمد نسیم صاحب چمڑے والے　"	" ۱	25 . 15
۲۲. " حاجی قطب الحسن صاحب وارثی　جمن گنج	" ۱	25 . 15
۲۳. " ڈاکٹر عرفان الٰہی صاحب　وارثی	" ۱	25 . 15
۲۴. " محمد اسمٰعیل صاحب ٹیلر ماسٹر　حسرت روڈ	" ۱	25 . 15
۲۵. " محمد عثمان صاحب اسٹیشنری والے　بساطی بازار	" ۲	50 . 30
۲۶. " حافظ اخلاق الحسن صاحب سگرٹ والے حسرت روڈ	" ۵	[illegible] . 30
۲۷. " حاجی اسرار الحسن صاحب　"	" ۱	25 . 15
۲۸. " رحمت الٰہی صاحب گلاس ویر.　بساطخانہ	" ۱	25 . 15
۲۹. " محمد عثمان صاحب مرحوم　حسرت روڈ	" ۳	74 . 67
۳۰. " سرور احمد صاحب گھڑی والے　"	" ۱	25 . 16
۳۱. " ظہیر الحسن صاحب فیض آبادی　پریڈ	" ۱	25 . 15
۳۲. " محمد امین صاحب　آئینہ والے　مچھلی بازار	" ۱	25 . 15
۳۳. " حافظ زبیر احمد صاحب چپل والے حسرت روڈ	" ۱	25 . 15
۳۴. " حاجی رحمت الٰہی صاحب　کھنیا بازار	" ۱	25 . 15
۳۵. " حاجی محمد الٰہی صاحب　ادریس منزل　"	" ۸	[illegible] . 5
۳۶. " حافظ شان الٰہی صاحب مرحوم　سیدہ بازار	" ۱	25 . 15

نمبر	نام	پتہ	تعداد	رقم
۹۱	جناب محمد نفیس صاحب فتحگڑھ والے	مول گنج	چرم قربانی اعظ	25.52
۹۲	" حاجی سراج احمد سگرٹ والے	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۹۳	" حاجی ضمیر الحسن صاحب جوتہ والے	"	۱ "	25.52
۹۴	" وجیہ الدین صاحب کلکتہ والے	مجید احمد روڈ	۱ "	25.52
۹۵	" ڈاکٹر سراج الٰہی صاحب جنرل مرچنٹ	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۹۶	" محمد رشید صاحب سگرٹ والے	پریڈ	۱ "	25.52
۹۷	" محترمہ اہلیہ محمد رشید صاحب گرو	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۹۸	" " اہلیہ محمد [illegible] صاحب	گلی میڈ بازار	۱ "	25.52
۹۹	" شریف الحسن صاحب جوتے والے۔ اطہر محمود صاحب جوتے والے۔ معراج الٰہی صاحب چشمہ والے		۱ پڑوا	32.--
۱۰۰	" محمد اسلام صاحب بنیان والے	بیچ باغ	۱ بکرا	25.52
۱۰۱	" اسرار الحق صاحب سعید یو	بساطخانہ	۱ "	25.52
۱۰۲	" ڈاکٹر افضال الٰہی صاحب	کھنیا بازار	۱ "	25.52
۱۰۳	" حاجی اکرام الٰہی صاحب پالش والے	مصری بازار	۱ "	25.52
۱۰۴	" محمد شمیم صاحب چمڑے والے	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۱۰۵	" بدر الدین صاحب مرحوم آئینہ والے	مچھلی بازار	۱ "	25.52
۱۰۶	" عبد السلام صاحب کلینر	میڈ بازار	۱ "	25.52
۱۰۷	" نہال احمد صاحب اٹاوی	کھنیا بازار	۱ "	25.52
۱۰۸	" محمد احمد صاحب رنگ والے	مچھلی بازار	۱ "	25.52
۱۰۹	" شان عالم صاحب	بساطخانہ	۱ "	25.52
۱۱۰	" محمد امین صاحب گلاس ویر	مچھلی بازار	۱ "	25.52
۱۱۱	" محمد شریف صاحب بوتل والے	فیض عام روڈ	۱ "	25.52
۱۱۲	" محمد کفیل صاحب	"	۱ "	25.52
۱۱۳	" ڈاکٹر محمد نفیس صاحب	مجید احمد روڈ	۱ "	25.52
۱۱۴	" حاجی عبد القدیر صاحب	اسٹیشنری والے کٹرہ [illegible]	نقد بابت قربانی	19.--
۱۱۵	" محمد خورشید صاحب گلاس ویر	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۱۱۶	" حاجی محمد رئیس صاحب الیکٹرک	کھنیا بازار	۲ "	51.4
۱۱۷	جناب احمد دین صاحب سولیہ چمڑے والے	حسرت روڈ	۲ چرم قربانی بکرا	51.4
۱۱۸	" ڈاکٹر نور الحسن صاحب سولیہ	"	۱ "	25.52
۱۱۹	" محمد یونس صاحب تبریزی	مچھلی بازار	۳ "	76.56
۱۲۰	" انوار الٰہی صاحب	کھنیا بازار	۱ "	25.52
۱۲۱	" جاوید اسلام صاحب	"	۱ "	25.52
۱۲۲	" انیس فضل الحق صاحب بنیان والے	بساطخانہ	۱ "	25.52
۱۲۳	" وحید الحسن صاحب سگرٹ والے	مجید احمد روڈ	۱ "	25.52
۱۲۴	" محمود الحسن صاحب کمبل والے	مول گنج	۱ "	25.52
۱۲۵	" محمد ایوب صاحب فرخ آبادی	مصری بازار	۳ "	76.56
۱۲۶	" توقیر احمد صاحب جنرل مرچنٹ	قدوائی نگر	۱ "	25.52
۱۲۷	" حاجی معین الاسلام صاحب پانی والے	احاطہ کمالخان	۱ "	25.52
۱۲۸	" امین الاسلام صاحب	"	۱ "	25.52
۱۲۹	" نفیس الاسلام صاحب	"	۱ "	25.52
۱۳۰	" انیس الحسن صاحب چمڑے والے	حسرت روڈ	۱ "	25.52
۱۳۱	" محمد نصیر صاحب آتشبازی والے	میڈ بازار	۱ "	25.52
۱۳۲	" شان الٰہی صاحب بٹن والے	کٹلری مارکیٹ	۱ "	25.52
۱۳۳	" محمد ناظم صاحب تیل والے	ککڑ گنج	۱ "	25.52
۱۳۴	" حاجی محمد ابراہیم صاحب سائیکل والے	میڈ بازار	۱ بھیڑ	14.--
۱۳۵	" حافظ محمد عاقل صاحب پانی والے	مجید احمد روڈ	۱ بکرا	25.52
۱۳۶	" ڈاکٹر محمد شمیم صاحب	فیض عام روڈ	۱ "	25.52
۱۳۷	" انیس احمد صاحب سولیہ	کھنیا بازار	۱ "	25.52
۱۳۸	" محمد رئیس صاحب چمڑے والے	حسرت موہانی روڈ	۱ پڑوا	34.70
۱۳۹	" فرید الحسن صاحب وارثی	چمن گنج	نقد بابت چرم قربانی	20.--
۱۴۰	" نفیس الحسن صاحب	مول گنج	"	10.--
۱۴۱	" احسان الحق صاحب گھڑی والے	تلک نگر	چرم اور دو بکرا	17.--
۱۴۲	" محمد اقبال صاحب جھاڑو والے	حسرت روڈ	نقد بابت چرم قربانی	24.--
۱۴۳	" محمد محمود صاحب کمبل والے	مول گنج	"	10.--

4093.62

11.15 [illegible]

عام پسندیدگی

کے

اعلیٰ معیار

پر

جوتے
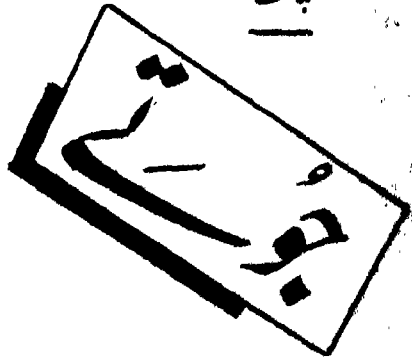
تیار کرنے والی

ایک قابل اعتماد فرم

اسٹینڈرڈ بوٹ ہاؤس

شومارکٹ آگرہ

Phone: 72[illegible]
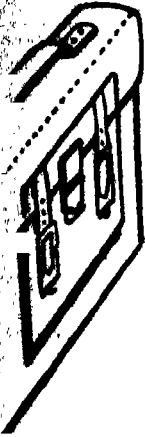
ماہر کاریگروں کے

ہاتھ سے

بہترین جوتے

تیار کرانے

اور ہول سیل میں فروخت کرنے والا ایک

نام

جسے سب کا اعتماد حاصل ہے!

گلوریس شو فیکٹری شومارکٹ آگرہ

فون نمبر: 74509

جوبلی
سال
پورٹ فولیوز و سفری
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے .
تشریف لا کر خدمت کا موقع فراہم کریں.
ایس محمد اسمٰعیل اینڈ
حسرت موہانی روڈ
ٹیلیگرام
بینکرس :-
الہ آباد بینک
چارٹرڈ بینک
اسٹیٹ بنک آف انڈیا
اپنی معیار
کے لئے
دنیا کے
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ
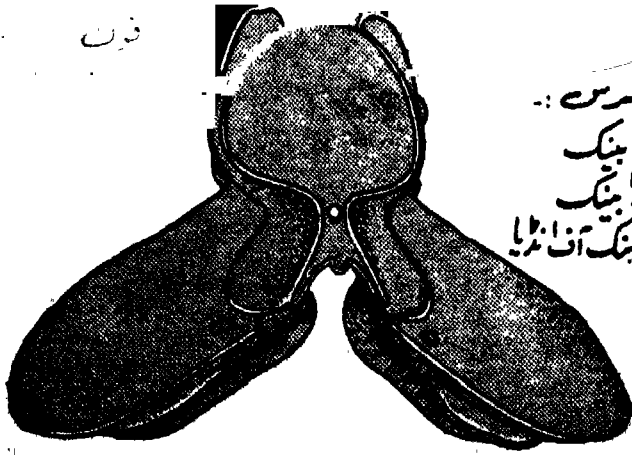
M. THLY RAG-E-SAN KANPUR

REGISTERED No. L. 1797 APRIL-MAY 1973 Phones : 68820, 60472.

Registered with the Registrar of Newspapers R N. 19397/70

COVER PRINTED BY : UPPER INDIA PRINTERS, K

فیملی چائے
سی ٹی سی بلیو لیبل
دارجلنگ کی خالص تازہ پتیوں سے تیار کردہ فرحت بخش چائے
فلاورز ٹی کمپنی ۔ توپ خانہ

اے شیشہ گران ہوس افکار خبردار،
پنہاں ہے رگ سنگ میں بھی مستی کردار

یونس قنوجی

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

فیروز الدین بوجیہ

معاون مدیر

شاہد سرور

سرورق، ——— آرٹیکو

تزئین، ——— ابن یونس

خطاط،۔ ملک ابو الحسنات الاعظمی و غلام رسول

رگ سنگ کانپور

سال، سوم ——— شمارہ ۲۹
جولائی ۷۳ء مطابق جمادی الاولی ۹۳ھ

عام شمارہ، ایک روپیہ ۔ سالانہ، دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر
۸۹/۴۲ کھنیا بازار، کانپور

فون :۔ ۶۰۴۷۲ ● ۶۳۸۸۳ ● ۶۸۸۲

طابع، ناشر، مالک : فیروز الدین بوجیہ
مطبوعہ لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام میں طریق کار کی وہی حیثیت ہے جو "حقیقت" کی
ان دونوں کا یہ باہمی رشتہ کبھی ٹوٹ نہیں سکتا اور کوئی بھی دوسرا
اجنبی طریق کار اسلام کی تجلی کو نہیں نکھار سکتا، دوسرے نقشہائے
کار اپنے انسانی نظاموں کو تو برپا کر سکتے ہیں لیکن ہمارے نظام
کو برپا نہیں کر سکتے لہٰذا ہر اسلامی تحریک میں طریق کار کی رعایت اتنی ہی ناگزیر
جتنی عقیدے اور نظام کی، اِنَّ ہٰذَا الْقُرْاٰنَ یَہْدِیْ لِلَّتِیْ ہِیَ اَقْوَمُ
(سید قطب رح)

اس شمارے میں

ملک کے طول و عرض

میں

اپنے مال کی خصوصیات کے لئے

یہ بات ابھی لوگوں کے حافظہ میں تازہ ہوگی کہ جون ۱۹۷۲ء میں حکومت نے اپنی تمام یقین دہانیوں کے برخلاف اور مسلم وزراء خصوصاً فخرالدین علی احمد کے مبہم وعدوں سے قطع نظر کرتے ہوئے انتہائی عجلت اور چابکدستی کے ساتھ مسلم یونیورسٹی ایکٹ پاس کرکے مسلمانوں کی واحد تہذیبی و تعلیمی میراث کی انفرادیت کو لہولہان کردیا اور اس جابرانہ اقدام کے خلاف ان کے پرامن احتجاج کو سنگینوں کی نوک، گولیوں کی سنسناہٹ اور شعلوں کی غضبناکی کے زور سے دبادیا، فیروزآباد، علی گڑھ اور بنارس کے ہولناک خونیں واقعات نے ملک کے تمام جمہوریت پسندوں کے ضمیر کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس کے نتیجہ میں قائد ملت ڈاکٹر فریدی کی آواز پر مسلم مجلس کی قیادت میں مختلف روشن خیال اور ترقی پسند سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں نے باہم مل کر ۱۰ مئی ۱۹۷۳ء سے ایک نئی تحریک کا آغاز کرکے اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا تو کانگریسی حلقوں اور نیشنلسٹ مسلمانوں کی طرف سے اس تحریک کو ایک سیاسی و انتخابی اسٹنٹ کہہ کر اس کی اہمیت کو کم کرنے اور حقائق کو مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جو افسوسناک ہی نہیں شرمناک بھی ہے، ستم ظریفی یہ کہ اس میں پیش پیش قوم پرور مسلمان ہیں۔

اپنے آپ کو قوم پرور مسلمان کہنے والوں سے پوچھا جاسکتا ہے کہ اگر اس رسوائے زمانہ ایکٹ کی واپسی کا مطالبہ کرنا، مسلم یونیورسٹی میں زبردستی تالابندی کو ختم کرکے تعلیمی نظام کو بحال کرنے کی خواہش کرنا، یونیورسٹی کے طلبہ کے خلاف ہونے والی بزدلانہ انتقامی کارروائی کی مخالفت کرنا اور ضمیر فروش وزیر تعلیم اور خودغرض وائس چانسلر کی برطرفی کے لئے آواز اٹھانا، سیاسی و انتخابی اسٹنٹ ہے تو ۱۹۷۱ء میں کانگریس کے انتخابی منشور میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کا وعدہ، بیگ کمیٹی کی سفارشات کے مطابق مسلم یونیورسٹی ایکٹ پاس کرنے کی یقین دہانی، اردو یونیورسٹی قائم کرنے کا اعلان اور سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کو مناسب نمائندگی دینے کے قول و قرار کو کیا کہا جائے گا۔؟ کہنا چاہیں تو مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں انتخابی اسٹنٹ کا طعنہ دینے والوں سے کہا جاسکتا ہے کہ ؏ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

لیکن سردست اس بحث سے قطع نظر ہم اپنے ان کرم فرماؤں کو یاد دلانا چاہیں گے کہ ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے

اور کسی جمہوری ملک میں ووٹ کی طاقت کو منظم کر کے اپنے جائز مطالبات میں وزن پیدا کرنا اور اپنے سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی نظریات کی اہمیت کو تسلیم کرانا کوئی اخلاقی و سماجی جرم نہیں بلکہ ہر گروہ اور ہر طبقہ کا بنیادی حق ہے، جب ووٹ کی اس عظیم طاقت کے سامنے ہر انتخاب کے موقع پر وہ خود اور ان کے خداوندان نعمت پوری عاجزی اور نیاز مندی کے ساتھ سجدہ کرتے ہوئے کوئی اخلاقی گراوٹ محسوس نہیں کرتے تو آج مسلم مجلس اور اس کی حلیف جماعتوں کو ان کی حق بجانب تحریک اور جائز مطالبات کو تسلیم کرانے کی جدوجہد پر سیاسی و انتخابی اسٹنٹ کا لیبل کیوں چسپاں کر رہے ہیں۔ یہ بات اگر ایسے لوگوں کی طرف سے کہی جائے جو سیاسی جمہوری اصول و آداب سے ناواقف ہوں تو ان سے صرف نظر بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ایسی بات کہتے ہوئے کم از کم ان لوگوں کو تو شرم آنی چاہئے جو ووٹوں کی بھیک مانگ کر اور سیاسی و انتخابی اسٹنٹ کا ڈھونگ رچا کر آج مسند اقتدار پر قابض ہیں اور آئندہ بھی قابض رہنا چاہتے ہیں اور محض اپنے ذاتی اغراض و مفادات کے تحفظ کی خاطر ملی مسائل سے غداری کی حد تک چشم پوشی اور عوام کو گمراہ کرنے کی مجرمانہ سازش کر رہے ہیں، لیکن ملک کے عوام اور خصوصاً مسلم عوام پر اب ایسے لوگوں کا جادو چلنا ممکن نہیں ہے کیونکہ انھوں نے فیروزآباد، علیگڑھ اور بنارس کے دردناک حادثہ سے لیکر مسلم یونیورسٹی کنونشن منعقدہ دہلی تک مسلسل اس بات کا انتظار کیا کہ مسلم کانگریسی وزراء اور ممبران اسمبلی و پارلیمنٹ اپنے اثر و رسوخ کو استعمال کر کے حکومت کو معقولیت کا رویہ اپنانے پر مجبور کریں گے اور ناکامی کی صورت میں ملی مسائل کی خاطر بطور احتجاج ممبری و وزارت سے مستعفی ہو کر اصول و انصاف پسندی کا ثبوت دیں گے اور حقوق طلبی کی تحریک میں شانہ بشانہ حصہ لیں گے لیکن اس کے برخلاف صورت حال یہ ہے کہ وہ اپنی بزدلی، بے عملی اور مصلحت اندیشی کو چھپانے کی خاطر الٹا مسلمانوں کو ہی مورد الزام قرار دیتے ہیں

قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جنھوں نے حق کی حمایت میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں اور اپنی تحریک سے ایک ایسی فضا پیدا کر دی ہے جس نے اقتدار پرستوں پر خواب خور حرام کر دیا ہے اور ایک ایسے سفر کا آغاز کر دیا ہے کہ جس کے انجام سے مسلمانوں کے مسائل کا حل ہی نہیں ہندوستان میں جمہوری اقدار کا تحفظ بھی مشروط ہے ؎

یہ مرشدان نگاہ خود بیں، خدا تیری قوم کو بچائے
یہ تیری عزت لٹا لٹا کر خود اپنی عزت بنا رہے ہیں،

حرف آخر کے طور پر اتنا کہنا ہے کہ ہمارے رہنماؤں نے اپنے فرض کو محسوس کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ کام کا آغاز کر دیا ہے بلکہ مستقبل کے لئے طریق کار بھی متعین کر دیا ہے، اب اس کے بعد سے عوام اور خصوصاً مسلمانوں کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ان خطوط پر ہر قسم کی ترغیب و تہدید سے بے نیاز ہو کر آگے بڑھیں اور ریاکاران سیاست کا محاسبہ کرتے ہوئے اعلان کریں۔

وعدوں کی مرصع سازی کو بازار میں پرکھا جائیگا
الفاظ کی مینا کاری کو اعمال پہ تولا جائے گا

لکھنؤ ڈسٹرکٹ جیل میں تین ۳ ہفتے

دہلی مسلم یونیورسٹی کنونشن کے موقع پر آل انڈیا ایکشن کمیٹی کے کنوینر الحاج شفیق الرحمن صاحب (جو خوش قسمتی سے آل انڈیا مسلم مجلس کے جنرل سکریٹری بھی ہیں) نے تجاویز طلب کی تھیں، ہم نے بھی ایک تجویز بھیجی تھی جس میں ہم نے بتایا تھا کہ "برادران وطن جیل جانے سے نہیں ڈرتے، باعث کر گاندھی و نہرو تھے ان کو ایک راہ دکھائی اور خود عمل کر کے بتایا، ادھر برادران ملت شاید سب سے زیادہ جیل ہی سے ڈرتے ہیں، وجہ ظاہر ہے آزادی سے پہلے مسلم لیگ نے جو تقریباً مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تھی اس قسم کی کوئی نظیر نہیں پیش کی، دعائیں، جلسے، گذارشات اور وفود بھیجتے ہوئے تو زمانہ ہو گیا، کیوں نہ اب راست اقدام کیا جائے مگر اولین قدم کے طور پر صرف صوبائی اور ضلعی سطح کے عہدیداران خود کو گرفتاری کے لئے پیش کریں"۔

کچھ اسی تجویز سے ملتی جلتی باتیں ڈاکٹر فریدی بہت عرصہ پہلے کانپور کی ایک میٹنگ میں کہہ چکے تھے۔ لہذا ان ہی خطوط پر مسلم مجلس نے اپنی تحریک کا آغاز کیا، مگر قائد ملت ڈاکٹر فریدی کے فہم و فراست کی داد نہ دینا ظلم ہی ہوگا کہ انھوں نے کتنی خوبصورتی سے اس مسئلہ کو بین الاقوامی مسئلہ بنا دیا، دیگر پارٹیوں کو ساتھ میں لیا جس میں سوشلسٹ پارٹی، سنیکت سوشلسٹ، تنظیم کانگریس، بی، کے، ڈی کے چند افراد، کرانت کاری دل، ری پبلکن پارٹی وغیرہ شامل ہیں، اب برادران وطن کی اتنی اونچی سطح کی نمائندگی دیکھ کر ارباب اقتدار انگشت بدنداں ہیں، "فرقہ پرستی" کا خوب خوب گھسا ہوا سکہ یہاں چل نہیں پا رہا ہے۔

۱۰ مئی کو اسلامیان ہند کی تاریخ میں پہلی بار راست اقدام کیا گیا۔ ڈاکٹر فریدی کی قیادت میں پہلے جتھے نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا، اس جتھے میں راج نرائن، ڈاکٹر حلیم، سیتارام دویدی، ستیہ دیو ترپاٹھی

نرائن سروپ مصرا اور مان سنگھ آزاد وغیرہ تھے، گیارہ اور بارہ تاریخ کو دیگر ضلعوں کے جتھوں نے خود کو گرفتاری کیلئے پیش کیا، تیرہ تاریخ کو کانپور کے جتھے کو گرفتار ہونا تھا۔

بارہ کی شام کو ہم لوگ گاڑی پر سوار ہوئے، بارہ بجے شب میں گاڑی چار باغ اسٹیشن پہونچی۔ دارالشفا بی بلاک چوبیسویں نمبر کمرے میں مسلم مجلس کے ایم، ایل، اے حبیب احمد صاحب کا قیام تھا اس کے سامنے لان میں شامیانے لگے تھے، وہاں شب بسری کے بعد صبح ہی سے اہالیان لکھنؤ کی آمد شروع ہوگئی، تقاریر ہوتی رہیں، سیتاپور و شاہجہاںپور ضلعوں کے وفود بھی اسمیں شامل ہوگئے، اس جتھے کی قیادت کی ذمہ داری ہمارے شانوں پر ڈال دی گئی۔

دارالشفاء سے ہم لوگ نعرے لگاتے ہوئے نکلے وزیر اعلی کی کوٹھی کے نزدیک ہی سیکڑوں پولیس والے ہمارے استقبال کے لئے "حسب معمول" تیار تھے، ہم لوگ نعرے لگاتے ہوئے پولیس کی گاڑیوں میں سوار ہوئے اور عالم باغ تھانے لیجائے گئے۔

ہم لوگ سن چکے تھے کہ گیارہ تاریخ والے اعظم گڈھ کے جتھے میں ایک لڑکا نابالغ تھا جس کو ہرچند منع کیا گیا، مگر وہ نہ مانا، مگر جب جیل والوں نے اس کو الگ تھلگ نابالغ جیل میں بھیجنا چاہا، باعث کہ نابالغ بالغوں کے ساتھ نہیں رکھے جا سکتے تو قمر کاظمی وغیرہ نے بصد مشکل صاحبزادے کو واپس بھیجا، خانہ پری کے وقت ہمارے ساتھ بھی یہی اتفاق ہوا، سابقہ تجربے کی بنا پر تھانے ہی سے دوسرے لڑکے کو واپس بھیجنا پڑا، صاحبزادے آنکھوں میں آنسو بھرے بڑی مشکل سے مانے۔

خانہ پری کے بعد تھانے دار صاحب تشریف لائے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہوگئے کہ اتنے بہت سے لوگوں کی کیا ضرورت ہے، دو چار آدمی صرف رک جائیں بقیہ اپنے اپنے گھر چلے جائیں، اتوار کا دن ہے، سٹی مجسٹریٹ کو گھر سے بلانا پڑیگا ہم سب کو رہا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ، مگر صاحب! کوئی بھی اس "انوکھی فیاضی" کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا، یہاں تک کہ تقریبًا چار گھنٹے ہم لوگ وہاں رہے، تھانے کے دروازے پاٹوں پاٹ کھلے رہے جس کا جی چاہتا باہر نکل جاتا، چائے پان سگریٹ وغیرہ لے کر آجاتا، کافی نعرے بازیوں کے بعد بڑی مشکل سے سٹی مجسٹریٹ مصرا جی تشریف لائے، گنتی ہوئی تو ایک نفر کم، اب ذمہ داران نے غیر معمولی جلدی دکھانی شروع کی کہ کسی طرح ہم لوگ گاڑیوں پر سوار ہو جائیں، مقصد غالبًا دوسرے دن کے اخبار کی سرخیاں ہوں گی کہ "ایک ستیہ گرہی بھاگ گیا۔ اور اللہ میاں جیتا رکھیں ہمارے ملی اخبار "سیاست جدید" کو، وہ تو یقینًا سات کالمی شاہ سرخی میں یہی لکھتا کہ "تحریک ناکام — نام نہاد مجاہدین (ستیہ گرہیوں) نے تھانوں سے معافی مانگنا اور بھاگنا شروع کر دیا"

مگر ہم نے بہت سختی سے تعجیل کرنے سے انکار کر دیا باہر نکل کر دیکھا تو وہ صاحب ہاتھ میں برف لئے ہانپتے کانپتے چلے آرہے تھے، دراصل برف قریب میں کہیں ملی نہیں تو بے چارے کافی دور تک چلے گئے تھے۔

حاصل کلام ہمیں ڈسٹرکٹ جیل پہونچایا گیا، جسمیں قائد ملت ڈاکٹر فریدی اور ان کے رفقاء قیام پذیر تھے، دس، گیارہ تاریخ والے مجاہدین تو ڈسٹرکٹ جیل میں

قائد ملت کے ہمراہ فردکش تھے مگر بارہ تاریخ والے جتھے کو حکام نے ماڈل جیل بھیج دیا تھا، اس پر ڈاکٹر فریدی نے حکام کو متنبہ کیا کہ " اگر چوبیس گھنٹوں کے اندر ان کے تمام ساتھی ان کے پاس نہیں پہونچائے گئے تو وہ بھوک ہڑتال کر دیں گے، اس انتباہ نے اپنا کام پورا کیا، حکام جیل نے ڈاکٹر صاحب سے مزید چوبیس گھنٹوں کی مہلت لی اور ریفارمیٹری جیل (اصلاحی) کو خالی کر دایا اور بارہ تاریخ والے نیز چودہ تا سولہ والے تمام مجاہدین اسی میں رکھے گئے، عارضی طور پر اصلاحی جیل کے حکام کا تبادلہ کر کے ڈسٹرکٹ جیل کے حکام کو اصلاحی جیل کی ذمہ داریاں بھی تفویض کر دی گئیں، ایک اندرونی دروازہ کھول دیا گیا جس سے ہم سب کی آمد رفت رہتی رہی

نعرے لگاتے ہوئے ہم لوگ ڈسٹرکٹ جیل میں داخل ہوئے، خیر مقدمی نعروں سے پیشرو مجاہدین نے ہمارا استقبال کیا، ڈاکٹر فریدی نے انتہائی شفقت سے ہمیں گلے لگا لیا، بسیرے کیلئے جگہ تلاش کی جانے لگی، ہم نے باہر دالان میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ بستر لگالیا مگر بعد میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے کمرے میں بلا لیا، پلنگ کیلئے جیلر سے کہدیا، گرمی کی وجہ سے ہماری بری حالت دیکھ کر اپنے بنگلے سے ایک پنکھا بھی منگوا دیا اور ہدایت کی کہ ہم کھانا انھیں کے ساتھ کھایا کریں، دن میں ڈاکٹر صاحب بالکل کھانا نہیں کھاتے ہیں، صرف ذرا سا سادہ دہی ایک یا دو خربوزے اور بس، ہاں شام کو تھوڑا بہت کھانا کھا لیتے ہیں، ان کی محبت اور عنایت کے مزے آج تک نہیں بھول پایا ہوں

قید کیا تھی، درحقیقت یار لوگوں نے تو اس کو پکنک بنا دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ ایک عارضی تربیت گاہ تھی، علی الصبح فجر کے وقت اذان کی پیاری پیاری آواز پر اٹھ جاتے تھے، تبلیغی جماعت کے مولانا محمد سلیم صاحب خوش الحانی کے ساتھ نماز پڑھاتے تھے، جماعت کا نظم رہتا، ناشتے وغیرہ سے فراغت کے بعد " ذکر " وغیرہ ہوتا، کچھ لوگ کیرم بورڈ، لوڈو یا تاش میں مشغول رہتے، سہ پہر کو والی بال بڑے زور وشور سے کھیلا جاتا، شام کو عشاء کی نماز سے پہلے سیاسی لکچرس ہوتے تھے، کبھی ڈاکٹر صاحب، کبھی راج نرائن تو کبھی ڈاکٹر حلیم اور کبھی مختار انیس، کبھی ستیہ دیو ترپاٹھی تو کبھی سیتارام دویدی، قیدیوں کو بھی تقریر کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔

کھانے اور عشاء کی نماز کے بعد غزلوں کا پروگرام ہوتا تھا اور عموماً روز ہی خوب غزل سنائی جاتی تھی۔

ڈاکٹر فریدی کے ایثار اور جذبہ، گرتی ہوئی صحت کے باوجود دیکھ کر تو سچ مانئے ہم سب اپنا دکھ بھول گئے تھے، جو شخص مکمل پانچ گھنٹے ایرکنڈیشن ساؤنڈ پروف کمرے میں دوپہر گذارتا ہو نیز کسی کو بھی اجازت نہ ہو کہ ان کو اس وقت جگائے، ہم دیکھ رہے تھے کہ ساری دوپہر ان کو کروٹیں بدلتے گذر جاتی تھی، پنکھے سے ایسی گرم ہوا نکلتی تھی جو ناقابل برداشت تھی، کمرے کی کھڑکیاں جگہ جگہ سے غائب تھیں جو ناقابل برداشت تھی آتی تھی، ڈاکٹر صاحب کے لئے حکومت نے ایک کولر بنا کر بھجوایا مگر انھوں نے لینے سے صاف

انکار کر دیا کہ جب تک سب کے لئے کولر نہیں مہیا کئے جاتے وہ کولر نہیں لیں گے۔ دو تین دن کولر بیکار برآمدے میں پڑا رہا، آخرکار جیلر نے واپس منگوا لیا۔

ڈاکٹر صاحب کی شخصیت اب بین الاقوامی بن چکی ہے۔ اس کا اندازہ کسی قدر جیل میں اتنے دن ساتھ رہنے میں ہوا ان کی شہرت ہندوستان کی فضاؤں سے نکل کر اب لندن، روس، سعودی عربیہ وایران میں پہنچ چکی ہے۔ مگر ان صفحات پر شاید اس تفصیل کی گنجائش نہ نکل سکے گی۔

روزانہ تقریباً تین تا پانچ سو افراد ملنے کیلئے آتے تھے، اتوار کو تو یہ تعداد ہزار ڈیڑھ ہزار تک پہونچ جاتی تھی، اس میں عوام الناس بھی ہوتے اور اعلی سطح کے خصوصی اشخاص بھی اندرا کانگریس کے چودھری احمداللہ کامل قدوائی و جعفر بھی آئے (گو یوپی کے ہیں مگر بنگال کے لگتے ہیں) آخرالذکر دونوں کے خلاف خوب نعرے لگائے گئے۔

ایک صاحب ملنے کے لئے آئے، انھوں نے ڈاکٹر صاحب سے اجازت طلب کی کہ مسٹر ٹنڈن (غالباً وزیر اطلاعات ونشریات) آپ سے ملنے کی خواہش رکھتے ہیں، ڈاکٹر فریدی صاحب نے پہلے تو انکار کیا مگر جب ان کا اصرار بڑھا تو اجازت مرحمت فرمادی، منسٹر صاحب تشریف لائے اور سیاسی مسکراہٹ کے ہمراہ خیریت دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی انکشاف کیا کہ "وزیر اعلی ترپاٹھی جی نے ان کو جونپور سے ٹیلی فون پر آپ کی خیریت دریافت کرنے کی ہدایت کی ہے" ڈاکٹر صاحب نے جواباً سیاسی مسکراہٹ کے ساتھ ان کی اس عنایت کا شکریہ ادا کیا۔

کانپور سے تقریباً روزہی کوئی نہ کوئی ہم سے بھی ملنے آتا تھا، اس طرح ہمارا کھانا اور پان جو ہماری کمزوری تھے پہونچ جاتے تھے ڈاکٹر صاحب جب کسی سے ہمارا تعارف کراتے تو یہ طنز ضرور کرتے کہ "ذرا ابریجہ صاحب کی ریاست دیکھو کر ان کا کھانا اور پان کانپور سے آتے ہیں" لکھنؤ کے سعید اللہ صاحب اکثر فرماتے کہ "بویجہ صاحب آپ اپنے گھر والوں کو کیوں اتنی تکلیف دیتے ہیں"؟ ہم عرض کرتے کہ "صاحب اللہ میاں کا شکر ہے کہ میرے محبت کرنے والوں کی کمی نہیں ہے اور یہ کہ نیک بیوی خدا کا عطیہ ہوتی ہے اب وہ کچھ بھیجتی ہیں تو کیا میں لینے سے انکار کر دوں؟ یہ ناشکری کم از کم مجھ سے نہیں ہو سکتی" (جاری ہے)

فیض کے دو شعر

متاعِ لوح و قلم چھن گئی تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبولی ہیں انگلیاں میں نے
لبوں پہ مہر لگی ہے تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقۂ زنجیر میں زباں میں نے

روداد شمسی بیت المال کانپور

ترجمان بیت المال

اراکین شمسی بیت المال کمیٹی کے ذہنوں میں عرصہ سے ایک رفاہی اسپتال قائم کرنے کی خواہش پرورش پا رہی ہے جس کے متعلق رگ سنگ کے صفحات پر وقتاً فوقتاً اظہار خیال بھی ہوتا رہا ہے، زمین حاصل ہو چکی تھی اور نقشہ بھی پیش کیا جا چکا تھا، صرف کارپوریشن سے نقشہ کی منظوری کا مرحلہ سر ہونا باقی تھا، خدا کا شکر ہے کہ وہ مرحلہ بھی سر ہو گیا اور نقشہ کی منظوری مل گئی ـــــــ مورخہ ۱۱ر جون سنہ ۷۳ء کو بعد نماز عشاء رفعت منزل میں شمسی بیت المال کمیٹی کی میٹنگ جملہ اراکین کی شمولیت میں منعقد ہوئی جس کا افتتاح جناب حافظ محمد عقیل صاحب جوہری نے اپنی پرسوز والہانہ دعاء سے فرمایا، اختتام دعاء پر جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا، چونکہ ہسپتال کا نقشہ منظور ہو چکا ہے اس لئے منعقدہ میٹنگ میں سب سے پہلے اس کی تعمیر کے سلسلہ میں غور و خوض کیا گیا، تعمیری لوازمات کی مہنگائی اور کمیابی خاص طور سے موضوع بحث رہا اور طے پایا کہ واقف کار حضرات اس سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کر کے آغاز کار کیلئے ایک لائحہ عمل مرتب کر لیں، سیمنٹ کی کمیابی پر خصوصیت سے غور کیا گیا اور ابتدائی طور پر کم از کم دو سو بوریوں کی ضرورت ظاہر کی گئی تاکہ کام شروع کیا جا سکے، اس سلسلہ میں جناب فیروز الدین صاحب بوبچہ کو مجاز کیا گیا کہ وہ اپنے طور پر سیمنٹ کی فراہمی کا بندوبست کریں، نیز طے پایا کہ تعمیری کام کی نگرانی اور دیکھ بھال بھائی شمشاد کے ذمہ ہوگی اور اس سے متعلق رقومات و حساب کتاب کی ذمہ داری جناب حافظ محمد عقیل صاحب جوہری کو تفویض کی گئی ـ کمیٹی کی حسب ہدایت فیروز صاحب نے جناب حاجی محمد رئیس صاحب ایڈووکیٹ کی معیت میں مرتب کردہ دستور کمیٹی کے روبرو پیش کیا، جملہ ممبران نے پوری دلچسپی کے ساتھ دستور کی جملہ دفعات پر غور کیا اور چند ترمیمات بھی پیش کیں، ان ترمیمات کے پیش نظر طے پایا کہ فیروز صاحب مزید دساتیر کا مطالعہ کر کے اس کو آخری شکل دے کر پندرہ دن کے اندر کمیٹی کے روبرو پیش کر دیں۔ بعد ازاں اس ماہ کی آئی ہوئی درخواستیں پیش ہوئیں اور ان پر توجہ دیتے ہوئے اراکین نے باتفاق رائے مندرجہ ذیل فیصلے کئے :- • ماہانہ وظیفہ کے سلسلہ میں ایک درخواست قابل پذیرائی ٹھہری، • تین درخواستیں شادی سے متعلق اور • ایک درخواست تعلیم سے متعلق منظور ہوئی • نو درخواستوں کو تحقیق مزید کیلئے روک لیا گیا۔ • دو درخواستوں کو چند قابل لحاظ وجوہات کی بنا پر مسترد کر دیا گیا ـــ بعد ازاں حافظ محمد عقیل صاحب نے اختتامی دعا فرمائی۔

سیرت کے چند پہلو

(قسط دوم) ——————— ندیم الواجدی

زیرِ نظر مضمون کی پہلی قسط رگ سنگ کے سیرت نمبر میں شائع ہو چکی ہے، مضمون اپنے موضوع کے اعتبار سے خاصا اہم ہے، چاہئے تو یہ تھا کہ ایک ہی اشاعت میں شائع کیا جاتا لیکن طوالت کے پیشِ نظر اس کی قسط بندی کرنی پڑی، آخری قسط اگست کے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں

ہم اپنی سہولت کے لئے تدوین حدیث کو تین ادوار میں تقسیم کر کے ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

تدوین سیرت کا پہلا دور وہ ہے جب تدوین حدیث کا آغاز ہوا تھا اور لوگ احادیث کو لکھ رہے تھے اور یکجا کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ ان مجموعوں میں کسی خاص ترتیب کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا تھا، صرف احادیث جمع کرنا مقصد ہوتا تھا، ان میں جہاں دوسرے موضوعات یا احکامات سے متعلق احادیث جمع ہوئیں وہاں آنحضورؐ کی ذات مبارک سے متعلق احادیث بھی آگئیں، اس دور میں عروہ ابن الزبیر ابن العوام، ابان ابن عثمانؓ، شرحبیل ابن مسعد اور وہب ابن منبہ کا نام لیا جاتا ہے، شاید اسی وجہ سے ڈاکٹر صبحی نے حضرت ابان ابن عثمانؓ کو سیرت کا پہلا قلمکار قرار دیا ہے، لیکن اسے سیرت نبوی پر قلم اٹھانا کہنا غلط ہوگا کیونکہ ان حضرات کا مقصد صرف احادیث وروایات کو جمع کرنا تھا اس میں کسی خاص موضوع کا التزام بھی نہیں کیا گیا، اس کے بعد دوسرا دور وہ آیا جس میں محدثین نے خاص خاص موضوعات پر احادیث جمع کیں اور ترتیب کا لحاظ رکھا گیا، اس دور میں مغازی اور سیر پر بھی توجہ کی گئی اور تالیفات ہوئیں، اس دور کے لوگوں میں ابو بکر ابن محمد ابن عمرو ابن حزم الانصاری، عاصم ابن قتادہ الانصاری اور ابن شہاب زہریؒ ہیں، خاص طور پر ابن شہاب زہری اس لئے قابل ذکر ہیں کہ ان کی وجہ سے اس فن کا کافی ذوق پیدا ہوا اور علماء اس طرف بکثرت متوجہ ہوئے، اس سلسلہ میں ابن شہاب زہری کے متعدد شاگرد ہیں جن کے ساتھ امتیازی لقب المغازی وابستہ ہے، ایسے شاگردوں میں موسیٰ ابن عقبہ (م ۱۴۱ھ) اور محمد ابن اسحاق ابن یسار (م ۱۵۰ھ) کے نام سر فہرست ہیں، تدوین سیرت کا تیسرا دور ان ہی دونوں سے شروع ہوتا ہے، ان حضرات

نے مغازی کے سلسلے میں کتابیں لکھیں اور اسے ایک مستقل فن بنا دیا، موسیٰ ابن عقبہ نے جو مغازی الرسول لکھی تھی گو آج اس کا وجود نہیں ہے تاہم سیرت کی کتابوں میں اس کے حوالے آج بھی ملتے ہیں، خاص طور سے محمد ابن اسحاق نے اس فن میں بے حد شہرت حاصل کی ہے۔ ابن اسحاق کی مغازی میں شہرت و اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ امام بخاری نے اپنی کتاب "المغزوات" انھیں کے نام شروع کی ہے (۱)، گو امام احمد ابن حنبلؒ ان کی ثقاہت کی نفی کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ یہ یہود و نصاریٰ سے روایات نقل کرتے ہیں (۲)، لیکن غزوات اور قرأت خلف الامام میں امام بخاری کا ان پر اعتماد کرنا باقی صحاح ستہ کا ان سے روایات لینا اور دوسرے محدثین مثلاً یحییٰ ابن معین شعبہ عجلی، ابوزرعہ اور ابن مبارک کا ان کی توثیق کرنا یہ ان کی ثقاہت پر دال ہے، امام مالکؒ نے جو انھیں دجال کہا ہے علی ابن مدینی نے اس قول پر تنقید اور اس کی تغلیط کی ہے (۳)، حافظ ذہبیؒ جیسے متشدد انھیں ثقہ کہتے ہیں، اس کی تصریح ابن حجرؒ نے کی ہے (۴)۔ ابن اسحاق نے جو کتاب مغازی الرسول تصنیف کی تھی وہ اگرچہ باصلہ موجود نہیں ہے لیکن اس کی یادگار سیرت ابن ہشام ہے جسے ابن ہشام۔ عبدالملک (م ۲۱۸ھ) نے ابن اسحاق کی مغازی الرسول کی مدد سے لکھا ہے اور اس میں ابن اسحاق کی کتاب کے مشکل الفاظ، اشعار کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔

ابن اسحاق کے بعد سیرت نگاروں میں جس شخص کا نام آتا ہے وہ ہیں محمد ابن عمر ابن واقد الواقدی (م ۲۰۷ھ) گو احکام کے باب میں یہ متروک الحدیث ہیں، لیکن سیرت میں ان کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں، ابن کثیر کی رائے ان کے متعلق یہ ہے:

واقدی کے پاس عمدہ تفصیلات اور تحریر شدہ واقعات موجود تھے اور وہ اس فن کے بڑے ائمہ میں سے ہیں۔

(۵) مولانا شبلیؒ واقدی سے سخت ناراض ہیں اور انھیں چنداں اہمیت نہیں دیتے اور ان کے متعلق متروک حدیث ہونے کی رائے لکھ کر یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ سیرت کے باب میں بھی واقدی کی کوئی اہمیت نہیں ہے، حالانکہ اہل سیر واقدی کی روایات نقل کرتے ہیں خود مولانا شبلی نے بھی طبقات ابن سعد سے روایات نقل کی ہیں جس کا بڑا حصہ واقدی کی مغازی الرسول سے ماخوذ ہے

اردو میں واقدی کی مغازی الرسول کا ترجمہ ۱۲۸۶ھ (۱۸۶۵ء) میں جناب سید عنایت حسین سیدن پوری نے کیا ہے جو مطبع نول کشور سے شائع ہوئی ہے، اس کے علاوہ بھی اردو میں اس کے کچھ ترجمے ہیں۔

فن سیرت کا سلسلہ ابن اسحاق اور واقدی ہی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، اس سے پہلے جن لوگوں نے قلم اٹھایا آج ان کی تصانیف موجود نہیں ہیں، اس لئے بعد کے آنے والے ان ہی دو بزرگوں کے خوشہ چیں ہیں، جس طرح ابن اسحاق کو ابن ہشام نے زندہ جاوید بنا دیا اور ابن اسحاق کی مغازی کو ایک نئے اور بہترین ڈھنگ سے مہذب کر کے پیش کیا، حسن اتفاق سے ایسا ہی شخص واقدی کو بھی ملا۔ محمد ابن سعد یہ واقدی کے خصوصی شاگردوں میں سے ہیں ابن حجر نے ان کے بارے میں مورخ خطیب بغدادی کی یہ رائے نقل کی ہے کہ ابن سعد یہ اصحاب علم و فضل و فہم

اور عدالت میں سے ہیں (۷۶) انھوں نے "الطبقات الکبریٰ" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی جس کی دو جلدیں آنحضرت ؐ کے حالات پر مشتمل ہیں۔ بقیہ جلدوں میں صحابہؓ اور تابعین ؒ کے حالات درج ہیں۔ مسلمانوں کو یہ کتاب بہت سی کتابوں کی طرح عیسائیوں سے حاصل ہوئی۔ شہنشاہ جرمن نے اس کتاب کی اشاعت کی طرف توجہ کی اور متعدد حضرات کی تصحیح و ترتیب کے بعد بارہ جلدوں میں ہالینڈ سے شائع ہوئی ہے۔ ابن سعدؒ کی طبقات میں بعض چیزیں ایسی بھی ملتی ہیں جن کی اسلام میں کوئی اصل نہیں ہے۔ خیال یہ ہے کہ ان مواقع پر عیسائیوں نے اسلام کے خلاف اپنی پرانی نفرت کا اظہار کیا ہے۔

ان حضرات کے بعد عربوں میں سیرت نگاری کا عام ذوق پیدا ہوگیا اور اس موضوع پر تالیفات کے سلسلے شروع ہوگئے، ان میں سے بعض ضخیم ضخیم تصانیف آج بھی میسر ہیں اور مشہور و متداول ہیں۔ ایسے حضرات کی ایک نامکمل فہرس مولانا شبلیؒ نے اپنی سیرت میں دیدی ہے جنھوں نے اس فن میں اپنی تصانیف کیں یا ان کا اس سے تعلق رہا۔ (۷۷) ذیل میں چند کتابوں کے بارے میں مختصرا تذکرہ ہے۔

سیرالنبی یہ محب الدین احمد ابن عبد اللہ الطبری۔ (م ۶۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ یہ حافظ حدیث فقیہ حرم محدث حجاز تھے، اور آپ کی یہ سیرت بے حد مشہور ہے، اس میں جس قدر روایات ذکر کی گئی ہیں وہ سب مع اسناد ہیں۔ کشف الظنون جو علوم و فنون کی تاریخ اور ان کے متعلق کتابوں کی فہرس پر مشتمل ہے اس میں محب الدین الطبری کی سیرت کا ذکر موجود ہے۔ (۷۸) اسی نام سے ابو عمر و صالح ابن اسحاق الجرمی نحوی (م ۲۲۵ھ) کی بھی تالیف موجود ہے۔

سیرت کی کتابوں میں سیرت شامیہ کی شہرت کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے، اس کا اصل نام "سبیل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" ہے اور اس کے مؤلف محدث محمد ابن یوسف دمشقی (م ۹۴۲ھ) ہیں یہ سیرت کے موضوع پر سب سے مبسوط کتاب ہے، تقریباً سات ضخیم جلدوں میں ہے، اس کی تالیف میں تین سو سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور تمام صحیح روایات کی جامع ہے (۷۹) اس کے بعد شہرت میں سیرت حلبیہ کا نام ہے اس کا اصل نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے، مؤلف ہیں علی ابن برہان حلبی اردو میں اس کا ترجمہ دیوبند سے شائع ہو رہا ہے۔

شیخ شہاب الدین احمد ابن محمد قسطلانی (م ۹۲۳ھ) یہ مشہور محدث ہیں، سیرت کے موضوع پر ان کی تالیف المواہب اللدنیہ بالمنح المحمدیہ کے نام سے مشہور ہے ایک مورخ کی اس کتاب کے بارے میں رائے یہ ہے

" یہ جلیل القدر، عظیم المرتبت، کثیر النفع ہے، سیرت کے باب میں اپنی نظیر نہیں رکھتی "

(۸۰) اس پر علامہ محمد ابن عبد الباقی زرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کی ایک بہترین شرح ہے جس نے اس کی افادیت میں چار چاند لگا دئے ہیں۔

حافظ شمس الدین ابن القیم جوزی (م ۷۵۱ھ)

مشہور و معروف محدثین میں سے ہیں اور امام ابن تیمیہؒ کے ارشد تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، سیرت کے موضوع پر آپ کی عظیم کتاب " زاد المعاد فی ہدی خیر العباد " چار ضخیم جلدوں میں ہے ۔ اس کا ترجمہ اردو میں پاکستان سے شائع ہوا ہے ، عربی کی طرح اردو میں بھی سیکڑوں کتابیں سیرت نبوی پر آچکی ہیں اور ان کا سلسلہ ہنوز جاری ہے ، اردو میں سیرت کی کتابیں دو طرح کی ہیں ، ایسی بھی ہیں جو عربی یا فارسی سے ترجمہ کی گئی ہیں اور ایسی بھی ہیں جو اردو میں ہی لکھی گئی ہیں ، پہلی قسم کی کتابوں میں ایک ضخیم تالیف "مناہج النبوۃ" کے نام سے ملتی ہے ، اس کی اصل فارسی ہے جو شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ) نے "مدارج النبوۃ" کے نام سے تصنیف فرمائی تھی ، اس کا اردو ترجمہ خواجہ عبدالمجید نے کیا ہے ، پورا ترجمہ ایک ہزار آٹھ سو تیس (۱۸۳۲) صفحات پر مشتمل ہے اور نول کشور پریس کانپور سے شائع ہوئی ہے ۔

" سرور المحزون " یہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) نے فارسی میں ایک مختصر رسالہ سیرت پر لکھا تھا اس کے متعدد ترجمے اور شروحات موجود ہیں ، شوکت علی شاہجہاں پوری نے درمکنون کے نام سے اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے اور ترجمہ بہترین حواشی سے مزین ہے یہ ترجمہ ۱۲۵۰ھ میں مطبع رونق ہند کانپور سے شائع ہوا ہے ، اسی نام سے ایک ترجمہ مولانا سراج الیقین کرسوی نے کیا ہے اور ۱۳۲۲ھ میں مجتبائی لکھنؤ سے شائع ہوا ہے دوسرا ترجمہ ظہور المحزون ہے اور مترجم دارالعلوم دیوبند کے سابق صدر شعبۂ فارسی منشی محمد عاقل مرحوم ہیں اور کتبخانۂ عثمانیہ سے شائع ہوا ہے ۔

سرور المحزون کی اردو شرح قرۃ العیون کے نام سے چھ جلدوں میں سابق والیٔ ٹونک کے مصارف پر ۱۲۷۱ھ میں شائع ہوئی ہے ۔

حدیث کی مشہور کتاب ترمذی شریف کے مصنف ابو عیسیٰ ترمذی (م ۲۷۹ھ) کی ایک کتاب شمائل نبوی ہے یہ سیرت پر نہایت عمدہ اور جامع کتاب ہے ، اردو میں اسے نظم و نثر کا جامہ پہنایا گیا ہے ، الانوار المحمدی اس کا پہلا اردو ترجمہ ہے جس کے مترجم مولانا کرامت علی جونپوری ہیں یہ ترجمہ بھی ہے اور اس کی ایک عمدہ شرح بھی ۔

ایک ترجمہ خصائل نبوی کے نام سے شیخ الحدیث سہارن پور مولانا زکریا صاحب کا ہے ، ایک ترجمہ مشہور عالم مولانا عبدالشکور لکھنوی کا ہے اور ۱۳۴۶ھ میں دفتر اخبار " النجم " لکھنؤ سے شائع ہوا ہے ۔

ایک ترجمہ جو بچوں کیلئے ہے مولانا ثناء اللہ امرتسری کا ہے ۔ اردو میں سیرت نگاری کی ابتدا ترجموں سے ہوئی ، بعد میں تراجم کے بجائے اس موضوع پر لکھا جانا شروع ہوگیا ، چنانچہ ۱۲۷۵ھ میں حضرت مفتی کفایت احمد نے " تاریخ حبیب الٰہ " تصنیف فرمائی ، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف یاد داشت کی بنیاد پر لکھی گئی ہے ، لیکن اس کے باوجود اس میں تمام صحیح روایات جمع کر دی گئی ہیں

اردو میں سیرت پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ضخامت اور حسن بیان کے اعتبار سے مولانا شبلی اور مولانا سلیمان ندوی کی مشترکہ تالیف سیرۃ النبیؐ سب پر فوقیت

لے گئی ہے، یہ مشہور ادارہ دار المصنفین اعظم گڈھ سے متعدد بار شائع ہوئی ہے (۸۱)

(۵) سیرت نبوی کے ماخذ

ہم گذشتہ کہیں عرض کر چکے ہیں کہ سیرت نبوی یا حدیث پاک پر یہ الزام کہ ان کا مدار صرف زبانی روایات اور سنی سنائی باتوں پر ہے غلط ہے اور ہم اپنے اس دعوے کو مدلل کر آئے ہیں، ہمیں یہ تسلیم ہے کہ تحریری سرمائے کے علاوہ سیر نگاروں کے سامنے زبانی روایات بھی تھیں اور ہمیں اس کا اعتراف ہونا چاہیے کہ تحریری سرمائے سے کہیں زیادہ زبانی ذخائر ہمیں ملے ہیں اور کتابوں کی تدوین میں ان سے بھی مدد لی گئی ہے لیکن سیرت نبوی کے ماخذ پر اگر روایت کے اصول و ضوابط کی روشنی میں نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہ کتنے معتمد اور مستند ماخذ سے ماخوذ ہے، سب سے پہلے ہم حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) کا ایک گراں قدر اقتباس پیش کریں گے، اس سے اندازہ ہوگا کہ علماء حدیث نے حدیث کی حفاظت کے لئے شروع ہی سے بڑی جد و جہد اور محنت کی ہے۔

"صدر اول یعنی از زمان تابعین و تبع تابعین تا زمان بخاری و مسلم رنگے دیگر داشت کہ از حال رجال ہر شہر و ہر زمان بحث و تفتیش می کردند، و ہر کہ بوئے از بے دیانتی و کذب و سوء حفظ می شمیدند حدیث او را قبول نمی کردند، لہذا در احوال رجال دفاتر مبسوط و کتب مضبوط نوشتہ اند (۸۲)

صدر اول یعنی تابعین اور تبع تابعین کے دور سے امام بخاری اور امام مسلم کے دور تک (راویوں کے حالات کی دیکھ بھال) کا رنگ کچھ اور رہا ہے کہ وہ لوگ ہر دور اور ہر شہر کے راویوں کے حالات کی جستجو کرتے اور جس شخص میں شمہ برابر بھی بے دیانتی، جھوٹ بے حافظگی پاتے اس کی حدیث قبول نہ کرتے، اسی لئے راویوں کے احوال میں ضخیم ضخیم کتابیں انھوں نے لکھی ہیں۔

اہل اسلام کو اس پر جس قدر بھی فخر ہو کم ہے کہ فن حدیث کی خاطر علماء نے اس قدر جد و جہد کی ہے کہ پانچ لاکھ لوگوں کے حالات پوری پوری تحقیق کے ساتھ پیش کر دئے اور حالات بھی صرف اتنے ہی نہیں کہ وہ کون تھا؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں تھا؟ اور کب وفات ہوئی؟ بلکہ یہ بھی کہ اس کے اساتذہ کون تھے؟ تلامذہ میں کون کون لوگ شامل ہیں؟ حافظہ کیسا تھا؟ دیانت اور علم کا عالم کیا تھا؟ محدثین کی رائے ان کے بارے میں کیا ہے؟ کن کن محدثین نے ان کی روایات لی ہیں؟ ان سب سوالوں کے جوابات کوئی آسان اور سہل الحصول مسئلہ نہیں ہے، آپ خود اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ آج کے ایٹمی دور میں سیکڑوں وسائل اور ذرائع تلاش کے باوجود ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنا بھی دشواری سے خالی نہیں ہے، تصور فرمائیے ان محدثین نے حدیث کی حفاظت کی خاطر کس طرح لاکھوں افراد کے حالات جمع کئے ہیں (خدا ان کی قبروں کو نور سے بھر دے)

(باقی آئندہ)

کیا ہم واقعی مسلمان ہیں؟

ڈاکٹر منظر بھاگل پوری

دینِ اسلام ایک پاکیزہ، کامل و مکمل فطری اور خدا کا پسندیدہ مذہب ہے، یہ دین دنیا میں اس لئے آیا ہے کہ جمیع ادیان پر غالب ہوکر رہے، وہ اپنے متبعین کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی آزادی دینے آیا ہے، اپنی تعلیمات پر عمل کرنے والوں سے وعدہ کرتا ہے کہ میں انھیں دنیا کی ہر قوم پر غلبہ و تسلط بخشونگا، دین و دنیا میں ہر طرح سرخروئی عطا کروں گا اور ان کے قدموں میں کائناتِ ارضی و سماوی کی تسخیر کی کنجیاں ڈال دوں گا، قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے یہ ہرگز ہرگز ممکن نہیں کہ قرآن والی قوم کسی دوسری قوم کی غلام اور دست نگر ہو، مسلمان اقوام عالم پر غالب رہنے کے لئے ہیں، مسلمان خود اللہ کا بن کر سب کو بنا لینے والا ہے۔

وہ غلامی کے لئے نہیں، اسلام اور غلامی دو متضاد چیزیں ہیں، ان کا مغلوب ہونا قرآنی وعدہ کے خلاف ہے، آج اگر مسلمان محکوم اور مظلوم نظر آرہے ہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ عملی اور حقیقی و کامل مسلمان نہیں ہیں اگر وہ حقیقی اور کامل مسلمان ہوتے تو ہر طرح آزاد اور اقوامِ عالم پر غالب ہوتے۔

یہ کیسی جگر خراش اور ماتم گیر حقیقت ہے کہ قرآن والی قوم محکوم ہے۔ مفلس اور قلاش ہے، اور دوسری قوم کے سامنے عاجزانہ گھٹنے ٹیکے ہوئے ہے،

مسلمانوں کا تاج کیوں چھن گیا؟ وہ تختِ عزت سے فرشِ ذلت پر کیوں آرہے؟ ان کا عزو اقبال اور جاہ و جلال کیوں خاک میں مل گئے، ان کی شوکت و عظمت کس لئے افسانۂ ماضی بن گئیں؟ اور کس واسطے وہ محکوم ہوکر رہ گئے؟

آئیے اس بات کی کھوج کریں، اپنے اسبابِ زوال کو تلاش کریں، یقیناً ہماری کوئی ایسی چیز جاتی رہی ہے جس کے فقدان سے ہم اس حالت کو پہونچے ہیں اور روزِ بد دیکھنا نصیب ہوا ہے۔! مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔!

آج عالم چیخ اٹھا کہ مسلمان حقیقی نہیں رہے مسلمانی کتابوں میں بند ہے، قرآن دنیا میں موجود ہے مگر قرآن والی قوم نہیں ہے ان کی ترقی اور اقبال کا ستارہ

غروب ہوگیا، ان سے دینی و دنیوی کامرانی چھین لی گئی، وہ ذلیل وخوار ہوگئے، لیکن ان کی انجمنیں، لیڈر اور رہنما چیختے ہی رہے مگر ان کا چیخنا چلانا لاحاصل ہے، اس لئے کہ خود ان کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔! جو خود بے عمل ہو وہ دوسروں کی کیا خاک اصلاح کرسکتا ہے؟ ان کی تنظیم اور صلاح کار کا شور ہے مگر ہنوز دلی دوراست ان کا پلیٹ فارم نام و نمود کے بھوکوں، شکم پرستوں، جاہ طلبوں اور بناوٹی و بدعمل اور بدعتی مولویوں اور مقرروں کے لئے وقف ہوچکا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہورہا ہے؟ اسلئے کہ مسلمانوں نے احکام الٰہی اور تعلیمات رسول پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے۔

قرآن والی قوم کی یہ درگت۔؟ قرآن حکیم نے خیرامت ہونے کی اور اقوام عالم پر غلبہ دینے کی جو شرط بتلائی تھی ہم نے اسکو پورا نہیں کیا اور ہماری ناکامیوں کا واحد سبب یہی ہے کہ ہم قرآنی مسلمان نہیں رہے صرف نمائشی اور خاندانی مسلمان ہوکر رہ گئے ہیں۔

آج مسلمانوں میں جاہل و نمائشی واعظ، بےعمل اور نا اہل نام ونہاد مذہبی رہنما اور نام و نمود کے بھوکے لیڈر بیشمار کیڑے مکوڑے کی طرح پیدا ہوگئے ہیں اسلئے مسلمان بے عمل اور ذہنی عیاش ہوتے جارہے ہیں، آپ ہر مسلم گھرانوں میں دیکھیئے کہ کیسی کیسی ذہنی عیاشیاں ہوتی ہیں کہ توبہ بھلی اور ان عیاشیوں کے درپردہ اور بھی قوس قزحی عیاشیاں ہوتی ہیں جو فی زمانہ تہذیب جدید کا عطیہ ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہماری قوم کو بے عمل اور ریاکار واعظ نے صرف لفظوں کا پرستار اور چٹپٹے دار تقریروں کا عادی بنادیا ہے اور رفتہ رفتہ عقلی، قوت فنا ہوتی جارہی ہے۔ ہم خدا کے نہیں رہے تو خدا ہمارا نہیں ہے۔ اپنی بداعمالیوں کا ماتم کرو، اپنی قسمت کو سنگ جہالت اور معصیت سے پھوڑو۔

آج ہمارے مولوی، واعظ اور رہنما تبلیغ اسلام کے ٹھیکدار بنے پھرتے ہیں۔

دوسروں کو نیکی اور اخلاق کی طرف بلاتے ہیں مگر اپنی خبر مطلق نہیں لیتے۔

اپنے اعمال وکردار کا جائزہ کبھی نہیں لیتے وہ تو گویا معصوم اور فرشتے ہیں اور جو کچھ کہتے ہیں صرف دوسروں کیلئے کہتے ہیں، ان کی زبان قال اللہ اور قال الرسول کا وظیفہ پڑھتی رہتی ہیں مگر خود ان کے دل پر نہ اللہ کے قال کچھ اثر ہے اور نہ رسول کے قال ہی کا عکس ہے۔ اس لئے ان کی نصیحتیں اور تقاریر بیکار ثابت ہوتی ہیں، آج کل ہمارے مولوی صاحبان کا طرز عمل یہ ہے کہ جہاں ذرا سی لغزش دیکھی یا ان کے مزاج کے خلاف کوئی بات ہوئی تو سمجھانے سے پہلے کافر اور مردود، مرتد، بدعتی وجہنمی وغیرہ خطابات عطا فرمانے سے بھی نہیں چوکتے، اگر کسی نے کوئی مسئلہ پوچھا اور اس میں ذرا بھی شک وشبہہ کا اظہار کیا تو تلوے کا تپ دماغ پر چڑھ جاتا ہے، ایسے ہی مولویوں اور واعظوں کا کیا خوب خاکہ حالی مرحوم نے ان الفاظ میں کھینچا ہے ؎ بڑھے جس سے نفرت وہ تقریر کرنی،
جگر جس سے شق ہو وہ تحریر کرنی،

گنہگار بندوں کی تحقیر کر لی
مسلمان بھائی کی تکفیر کر لی

یہ ہے عالموں کے ہمارے طریقہ
یہ ہے ہادیوں کا ہمارے سلیقہ

کوئی مسئلہ پوچھنے ان سے جائے
تو گردن پہ بارِ گراں لے کے آئے

اگر بدنصیبی سے شک اس میں آئے
تو قطعی خطاب اہل دوزخ کا پائے

آج اگر کوئی علوم اسلامیہ سے نابلد نام و نہاد کا بھوکا اور جاہ پسند اسٹیج پر کھڑا ہو کر تقریر کر دے بشرطیکہ کسی جماعت کا نمائندہ ہو اور اخباروں میں حضرت علامہ، مجاہد ملت، بابائے قوم اور خدا جانے کیا کیا بن جاتا ہے، اس کے کہیں آنے جانے کی اطلاعیں اخباروں میں درج کرائی جاتی ہیں، خوب خوب تعریفیں بڑھا چڑھا کر کی جاتی ہیں، اداریے لکھے جاتے ہیں، کیا خوب ایک کریلا کو فخر کے ساتھ نیم پر چڑھایا جاتا ہے

اگر کوئی ایک بار جیل ہو آیا ہو تو پھر اس کے مجاہد ملت، ضیغم اسلام اور بطل حریت ہونے میں سر مو شک نہیں رہتا۔

کتنی حماقت اور نادانی ہے اگر ملک و ملت کا نام کیکھی یا مچھر کی ایک ٹانگ توڑ دے تو اس کو اتنی کائنات پر "شہید ملت" پر چڑھا دیا جاتا ہے، قومی کا مکند ہی چاہتے ہیں کہ ان کی خوب خوب تعریف ہو، ایڈیٹر صاحبان ان کی تعریف و توصیف میں کالم کے کالم سیاہ کر ڈالیں اور عقیدت مند صرف انہیں کا کلمہ پڑھیں اور ایسے ہی لوگ سرخ رنگ لگا کر شہیدوں میں شامل ہوتے ہیں۔

آج ایک دھواں دھار تقریر کر دینا، ایک مقالہ الٹا سیدھا لکھ دینا کسی کانفرنس میں شامل ہو جانا یا خطبہ دیدینا، کسی انجمن کی صدارت کر دینا یا کوئی ریزولیوشن پاس کر دینا، کہیں وفد بھیج دینا، بھوک ہڑتال کرنا، جیل ہو آنا اور طالب علموں کو ایک آلۂ کار بنا کر ہڑبونگ مچا دینا بہت بڑی ایثار و قربانی سمجھی جاتی ہے اور تعریف و توصیف کے پل باندھ دیے جاتے ہیں۔

خدا کی شان زمانہ کا تغیر و انقلاب ہے کہ یہ قوم کیا سے کیا بن گئی، حالت یہ ہو گئی کہ بقول اسد ملتانی ؎

ذوق ایثار و عمل کا نہ تجھے ہے نہ مجھے
زیست اس طرح سے زیبا نہ تجھے ہے نہ مجھے
جاں نثاری کا سبق دیتے ہیں سب کو لیکن
اپنی تکلیف گوارا نہ تجھے ہے نہ مجھے

علمائے اسلام اپنے علم و عمل کے اعتبار سے دو گروہوں میں منقسم ہیں، خود ہمارے رسول اللہ ؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"خیار العلماء یا علمائے ربانی اور شرار علماء یا علمائے سو یعنی ایک قسم کے عالم تو وہ ہیں جو اپنی عالیشان تقوی کے

ساتھ مذہبی، سیاسی وشہری اور دنیاوی امور میں کتاب وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کی صحیح رہنمائی کریں گے اوران کو ترقی وکامیابی کی راہیں سمجھائیں گے انھیں کو علمائے ربانی یا علمائے حق کہا جاتا ہے۔

دوسرا وہ جو صرف نام ونمود وریاکاری، اور حب جاہ کے بھوکے ہوں، بجائے آزادی کے غلامی کا درس دیں، اغیار واجانب کی خوشامد کریں، حکام کی رضاجوئی اور قرب کے لئے آیات الٰہی اور احادیث نبویہ کو مسخ کریں، سلف صالحین کے طریقہ کو ترک کرکے دین میں نئی نئی بدعتیں رائج کریں، کتاب وسنت اور اجماع امت کو اپنی رائے کے مقابلے میں کوئی وقعت نہ دیں، دین میں نئے نئے فرقے پیدا کریں۔ ایسے ہی علماء کو شرار العلماء یا علمائے سو کہا جاتا ہے اور آج ان علماء کی بدولت مسلمانوں کا معیار کیا ہے۔؟

اگر مسلمانوں کے معیار کو لیجئے تو واضح ہوگا کہ قوت اور غلبہ کی حالت میں ایک مسلمان دس کافر مسلموں کے مساوی ہوتا ہے اور ضعف وانحطاط کے دور میں دو غیر مسلموں کے۔ بالفاظ دیگر ایک طاقت ور مسلمان کے لئے دس آدمیوں سے روگردانی ممنوع ہے۔

مسلمان اس معیار پر بکرات ومرات پورا اترا ہے اور اس کی تین سو کی جمعیت نے تیرہ سو کو تین تیرہ کر دیا ہے۔

ان تمام امور کے پیش نظر عصر حاضر کے مسلمانوں کی حالت کا جائزہ لیجئے جو اپنی کثرت تعداد کے باوجود ذلیل وخوار اور اغیار کی ذہنی، فکری، عقلی، روحانی سیاسی اور اقتصادی حتیٰ کہ ادبی اور لغوی غلامی میں گرفتار نظر آئیں گے، حالانکہ مسلمانوں کے حقیقی معیار کے متعلق چاہیئے یہ تھا کہ وہ دنیا پر غالب اور معمورۂ حیات کی کلید حکومت کے مالک ہوں۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ہماری یہ حالت کیوں ہے؟

اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں اسلام کو اس طرح نہیں سمجھ سکے جس طرح صحابہ اور تابعین رضہ نے سمجھا تھا۔ ہم قرآن کی تلاوت کرتے ہیں لیکن اس کے معارف کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے، علم حدیث پڑھتے ہیں لیکن اس کے حکم تک ہماری رسائی کیوں نہیں ہوتی کیوں نہیں ہوتی؟

اسی کیوں کو سمجھنے کے لئے آپ جائزہ لیجئے اپنے علماء کا، اپنے زعماء کا ___ اور آپ جائزہ لیجئے اپنے اکابر کا۔

اس میں سرمو شک نہیں کہ ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، لیکن اس کی ظاہری رسوم کے سوا ہمارے حصہ میں کچھ نہیں آتا، کیا وجہ ہے کہ ہماری نماز ہم کو فحش اور نفاق سے نہیں روکتی اور ہمارا روزہ ہمارے عزائم میں استحکام پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہے؟

صرف اس لئے کہ ہم بخدا قرآنی مسلمان نہیں ہیں، ہم نام کے مسلمان ہیں اور بس

تضمین

بر نعت جناب مولانا غلام امام شہید رحمۃ اللہ علیہ

جلوۂ روئے مہ و اختر نمی دانم کہ چیست — ماورائے مصحفش منظر نمی دانم کہ چیست
طاعت چشم ازیں بہتر نمی دانم کہ چیست — مستِ چشم ساقی اَم ساغر نمی دانم کہ چیست
جز نگاہش بادہ دیگر نمی دانم کہ چیست

خوف عصیاں سے نظر آتا ہے لرزاں فرد فرد — ہیں عرق آلود پیشانی تو چہرے زرد زرد
گرمیٔ روز قیامت بھی ہوئی جاتی ہے سرد — جرعۂ از جام میر کوثرم سیراب کرد
تشنگی ہائے دم محشر نمی دانم کہ چیست

بے خودی میں قریہ قریہ صحرا صحرا میں پھرا — مل نہ پایا منزلِ انسانیت کا کچھ پتا
نسبت بندہ نوازی نے یہ بخشا مرتبا — من خدا را یافتم از مصطفےٰ ایں نکتہ را
معرفت دانستہ ام دیگر نمی دانم کہ چیست

زندگی بھی اور یہی ہے زندگی کا بانکپن — کروٹیں لے کر اٹھی معراج ہستی کی لگن
منزل انسانیت سمجھے ہیں شیخ و برہمن — فارغ از دیر و حرم بر آستانش زیستن
مذہبِ دیگر ازیں بہتر نمی دانم کہ چیست

عشقِ محبوبِ خدا سے کیوں نہ ہو انساں سعید — صاف لفظوں میں یہی کہتا ہے قرآن مجید
ساکنانِ محفل عالم کو سمجھا دو وحیدؔ — منکرانش کفر پندارند و من ایمان شہید
شرک در توحید پیغمبر نمی دانم کہ چیست

وحیدؔ رائے بریلوی

——— سلیمان سالک

۹ر مارچ

سر چکرا رہا ہے۔ کھڑا ہوتا ہوں تو گر پڑتا ہوں، دماغ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لاکھوں مکھیاں بھنبھنا رہی ہیں، لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔

●

۱۰ر مارچ

معمولات میں فرق واقع ہو رہا ہے، حرم جاتا ہوں لیکن لطف نہیں مل رہا ہے، سر کا چکر ابھی ٹھیک نہیں، کچھ کھانے پینے کا بھی جی نہیں چاہتا، آنکھیں بند کر کے لیٹے رہنے میں کچھ تسکین ہے، کچھ خطوط ملے ہیں، پڑھنے کا بھی جی نہیں چاہتا۔

جھانسی کے ایک طبیب نے رائے دی ہے کہ انڈوں کو آملیٹ بند کردو اور بند کر دیا ہے۔

●

۱۱ر مارچ

۹ر مارچ کی بات ہے ۲½ بجے اٹھا اور وضو کے بعد حرم چلا گیا، بھیڑ کم تھی، تین طواف کر کے جب سے آیا ہوں ابھی تک سنگ اسود کو چومنے کی سعادت نہیں ملی صرف دور سے استلام کرتا رہا ہوں، ہر طواف میں کوشش کی لیکن بھیڑ اور اس تحریر کے مطابق کہ:

"حجر اسود کو ہاتھ لگانا اور چومنا اس وقت مسنون ہے جب کسی کو تکلیف نہ ہو، کسی مسلمان کو سنت کی وجہ سے تکلیف دینا حرام ہے دھکے دے کر استلام نہ کرے"

محترز رہا۔ اور دنوں کے مقابلہ میں آج بھیڑ کم تھی، ملتزم پہ موقع ملا، چپک گیا اور آہستہ آہستہ دیوار کعبہ سے ٹپتا قریب ہوتا اسود کے پاس پہونچ گیا، بڑے بڑے تنومند حجر اسود کو اس طرح گھیرے ہوئے تھے جیسے شہد کے چھتہ پر شہد کی مکھیاں ——— میں نیچے سے جھک کر اسود کے بالکل نیچے ہو کر یکبارگی کھڑا ہوا اور اب اسود کے ارد گرد چاندی والا حلقہ میں آستینیں حائل کر دیں دائیں ہاتھ میں عینک اور ٹوپی گرنے کے خوف سے تھام رکھی تھیں، بائیں ہاتھ سے ایک گھٹا ہوا سر جو اسود کی سطح پہ منہ رکھے ہوئے تھا ہٹایا اور اسود پہ اپنے لب ہی نہیں پورا چہرہ رکھ دیا، اور چند منٹ تک پیوستہ ہی رکھا ——— اور پھر الا اللہ

کہکر پیچھے ہٹا، مجمع پھٹ گیا اور میں گرتا سنبھلتا مقام ابراہیم کے قریب دم لینے لگا۔

پسینہ کے قطرے ماتھے پر تھے، جسم بھی بھیگا ہوا تھا لیکن جی خوش تھا کہ،

چہ بوسہ داد مرا یار با مداد دیگاہ
زہے حلاوتِ لب لا الٰہ الا اللہ

اس کشاکش میں وہ مکروہات سب کچھ ہوئے جن سے منع کیا گیا ہے، کسی کی گردن میں کہنی کسی کے پیر دل پہ پیر، لنگی کمر سے ڈھیلی، قمیض نم، بہرحال،

درکو نے عشقِ یار قرار ے گرفتہ ایم
از خویش رفتہ ایم و کنار ے گرفتہ ایم

اور سستانے کو حطیم میں بیٹھ گیا، نواں پارہ ختم ہوا سستی اور نڈھال پن اب بھی نہ گیا، باوجودیکہ بادِ سحر کے لطیف جھونکے چل رہے تھے تھوڑی دیر بعد تہجد کی اذان ہوئی، پڑھی، پھر فجر کی اذان ہوئی، اب مجمع اور بڑھا، نماز کے بعد قیام گاہ پر آیا، لیٹ گیا، آنکھیں بند کرلیں،

پیشاب معلوم ہوا، آنکھیں کھولیں تو معلوم ہوا چھت گھوم رہی ہے اور کمرہ اِدھر اُدھر ہو رہا ہے، پیشاب خانہ تک چکر کی وجہ سے پہونچنا دشوار ہوگیا، واپس ہوا تو بستر پر دھم سے گر پڑا،

خود کو اتنا لئے دئے تھا کہ ساتھیوں کو پتہ نہ چلے، طبیعت دو چار گھنٹہ بعد ٹھیک ہی ہوجائے گی، سوگیا، کھایا پیا بھی نہیں۔

ظہر تک سوتا رہا، اذان ہونے لگی، اٹھا، اب قدم قدم یہ گمان ہے کہ گر پڑوں گا، جیسے تیسے پہونچا، نماز پڑھی اور پھر ئے حرم میں لیٹ گیا، واپس پھرا، اب بھی کھانے کا جی نہ چاہا، پھر عصر میں گیا، مغرب بھی پڑھی اور عشاء بھی، کبھی لیٹا کبھی بیٹھا، بے چینی رہی، پورا دن طواف کی ہمت نہ پڑی۔

بستر پر لیٹے سوچ رہا تھا، بات کیا ہے؟ کیوں چکر آرہے ہیں؟ موسم کی گرمی؟ انڈے؟ کم خوراکی تو ایسی گرمی بھی نہیں، انڈے بھی معمولاً ہی ہیں، فاقے بھی نہیں؟ محنت بھی کچھ زیادہ نہیں، نیند بھی ٹھیک ہی ہے!

وحی و الہام کے مورد انبیاء علیہم السلام کے قلوب مبارک ہیں، انشراح صدر اہل اللہ کا ــــ اہل اللہ کی ذات گرامی، لیکن نہ جانے کیسے ذہن پر یہ انکشاف ہوا کہ ہماری کوئی غلطی اس مصیبت کا سبب ہے، دوا بھی ہندوستانی ڈاکٹروں سے لی، نتیجہ صفر، یقیناً ۹ تاریخ کو حجر اسود کو چومنے کے سلسلے میں طاقت کا غلط مظاہرہ کیا ہے اور اسی کے بعد فوراً یہ روگ لگا ہے، لہٰذا وہی بات "کسی" کو بری لگی ہے، حرم میں نہ جانے کیسے کیسے لوگ آتے ہیں، یہاں "پکڑ" فوراً ہوتی ہے، یہ بات ذہن میں جیسے آئی جم سی گئی۔

حضور نبی کریمؐ نے حضرت عمرؓ کو خاص طور پر یہ نصیحت فرمائی تھی کہ دیکھو:

"تم قوی آدمی ہو، حجر اسود کے استلام کے وقت لوگوں سے مزاحمت نہ کرنا، اگر جگہ ہو تو استلام کرنا ورنہ صرف استقبال کرکے تکبیر و تہلیل کہہ لینا"

کہاں احتیاط کا یہ سبق اور کہاں ہمارا یہ سوقیانہ

طرزِ عمل، کس قدر بازاریت اور کس قدر جارحیت ہے۔ یہاں سب اللہ کے مہمان ہیں، اسی کے بلانے پر آئے ہیں اور ہم ان کو تکلیف پہونچائیں۔ دائیں ہاتھ میں عینک اور ٹوپی، بائیں ہاتھ سے سطح کو چھونا، چاندی کے حلقہ کو پہونچوں سے گرفت میں لینا بے ادبی نہیں، وحشت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس انکشاف کے بعد تہجد کے بعد توبہ کی، غلطی کی معافی مانگی زم زم کو پی کر، سر کو تر کر کے دعار مانگی، پھر فجر کے بعد قیام گاہ پلٹے اور اب یہ سطریں لکھ رہے ہیں، طواف بند ہو گیا تھا، وہ بھی شروع ہوا، بحمد اللہ اب سکون ہے اور معمولات اپنی جگہ آ چکے ہیں۔

●

۱۲ر مارچ

ابھی ابھی معلم کے مکان پر ایک ساتھی کے ساتھ اس کی ضرورت پر گیا، واپسی پر اس شخص نے بتایا کہ آؤ ہم تمکو حضور نبی کریم کی جائے ولادت والا مکان دکھائیں، پہونچے تو دیکھا سعودی حکومت کی وزارت حج واوقاف نے یہ مکان اپنی نگرانی میں جدید ڈھنگ سے بنایا ہے۔ ایک چھوٹا سا برآمدہ ہے اور سامنے ایک بہت بڑا کمرہ ——— کمرے میں صوفے اور کرسیاں پڑی ہیں، ایک بہت بڑی میز ہے اور اس پر عربی کے بڑے اور نئے رسائل بکھرے ہیں۔ زائرین آتے ہیں دعار کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں، صوفوں پر بیٹھتے ہیں اور ادب سے واپس ہو لیتے ہیں۔ وزارت اس مولد مبارک کو لائبریری کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔

میں بڑی دیر تک ایک صوفے پر گم صم بیٹھا رہا کیا یہی وہ جگہ ہے جہاں آج سے ۱۴۰۰ سو برس پہلے حضرت ابراہیمؑ کی دعار اور حضرت عیسیٰ کی بشارت کا ظہور قدسی ہوا تھا؟ ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا

دعائے خلیل اور نوید مسیحا،

حرار کا عابد، غارِ ثور کا بیکس، طائف کا زخمی، بدر کا مجاہد، انسانیت کا محسن، کونین کا ماحصل ——— اسی زمین پر اس مکان کی دیواروں کے اندر متولد ہوا تھا آنکھیں کھولی تھیں، فرشتے اسی گھر کا طواف کر رہے تھے ابو طالب کے دل میں یہیں کے یتیم نے جگہ بنائی تھی ——— صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ جس کے فیضِ تربیت نے بوبکر، عمر، عثمان علی، خالد، ابو عبیدہ، عشرۂ مبشرہ، اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر پہونچا دیا، عرب سے مٹھی بھر خاک اٹھائی اور ساری دنیا پہ چاند، سورج بنا کر چھڑک دیا۔

زندگی کا کوئی گوشہ کائنات کا کوئی میدان، زمین کا کوئی ذرہ، آسمان کا کوئی ستارہ باقی نہیں رہا جسنے اکتسابِ نور نہ کیا ہو، تخلیق آدم سے لیکر دنیا کے آخری انسان تک کون ہے جس نے فیض حاصل نہ کیا ہو اور نہ کرے گا؟

اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِ مُحَمَّدٍ وَّ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ۔

غریبوں، یتیموں، بیماروں کا ملجا، گرے ہووں پسے ہوؤں کا ماوا، کعبہ کو بتوں سے پاک کرنے والا

دنیا کو پیغام امن دینے والا، آخرت سے ڈرانے والا، اسی فضا میں حلیمہ کے حوالہ کیا گیا تھا۔

مکان کے سامنے اب وسیع سڑک ہے۔ جسے سوق اللیل کہتے ہیں، ہماری اقامت گاہ سے اس مکان کا فاصلہ چند گزوں کا ہے، ہمارے مکان کی پچھلی کھڑکی سے اس مکان کا اگلا حصہ نظر آتا ہے۔ سیاہ بختی دیکھو کہ ہوائیں اسی مکان سے ہوتی ہوئی رات کو ہمیں چھین سے سلاتی تھیں اور ہم بے خبر تھے

●

۱۴ر مارچ

اناؤ ضلع کا ایک کسان بھی ہمسفروں میں تھا، ہماری جہاز سے وہ بھی آیا تھا اور اسی معلم کے یہاں وہ بھی تھا، ایک بہن بھی اس کے ساتھ تھی، ہمارے لوگوں کے ساتھ اسی واجب الطواف کے لئے چلا اور کمرہ میں پتہ چلا کہ وہ کہیں گم ہوگیا، تین چار روز معلم نے بے حد دوڑ دھوپ کی، معلم اس خیال سے اور پریشان تھا کہ اگر پتہ نہ چلا تو اس کو ہزاروں روپیہ تاوان میں حکومت کو دینے پڑیں گے۔ حج کو چند گھنٹے باقی تھے کہ ایک ساتھی کو وہ صفا و مروہ میں مل گیا اور وہ اپنے ہمراہ کمرہ پر لے آیا، ہر شخص کو خوشی ہوئی، سوچ رہے تھے کہ وہ ان پڑھ، آدمی اکیلے منیٰ میں، عرفات میں، مزدلفہ میں کیسے کیا کریگا، ملنا تو یقینی ہے! گنوار ہے، انبوہ عظیم، ہر شخص نفسی نفسی میں، اس کو معلم کا نام یاد نہیں، کاغذات اور پاسپورٹ سب معلم کے پاس، بہرحال آگیا لیکن کچھ کھویا کھویا سا تھا۔

یہ شخص منیٰ گیا، عرفات گیا، مزدلفہ گیا، پھر منیٰ واپس ہوا، اب اس میں رمی کی اور قربان گاہ تک جانے کی ہمت نہ تھی، ادھیڑ بھی تھا، ظہر کی نماز کے بعد مجھ کو بتایا گیا اس کا حال خراب ہے، میں دیکھنے گیا تو وہ سکرات میں تھا، خیمہ سے ہسپتال بھیجا گیا اور مغرب میں معلوم ہوا کہ مکہ کا کھویا ہوا منیٰ میں ہمیشہ کو کھو گیا۔

اس کی قسمت پر سب کو رشک تھا، اچھا خاصا تندرست تھا، بمبئی میں معمولی سا بخار تھا، جہاز میں ٹھیک ہوگیا، کھاتا پیتا رہا۔

اس کی بہن کا بیان ہے کہ وہ گھر سے کہہ کے چلا تھا کہ میں پلٹنے کو نہیں جا رہا ہوں اور اسی لئے اس نے ساری پونجی ایک مسجد کو دیدی تھی اور پھر روانہ ہوا تھا، بمبئی میں جب بخار آیا تو پھر اپنی بہن سے کہا اب جو کچھ میرے پاس ہے میرے مرنے کے بعد سب دوران حج خیرات کر دینا۔

مرحوم حج کے جملہ فرائض و واجبات ادا کرتا رہا اور لوگوں سے صحیح ہونے کے بارے میں پوچھتا بھی رہا اپنی قربانی کا گوشت بھی اس نے منیٰ میں کھالیا، رمی کو بھی پوچھا، ظہر تک بالکل ٹھیک اور اچانک چل دیا

ایک بچہ چار پانچ ماہ کا ہے، ماں باپ طاعون میں چل بسے، چمار کا گھر، گاؤں والے اس یتیم بچہ کے ساتھ ہمدردی کو تو تیار لیکن اچھوت ہونے کی وجہ سے کوئی لینے کو تیار نہیں، چاہتے سب ہیں کہ زندہ رہے۔

گاؤں میں ایک مسلمان تھا، اس کی خوشی سے یہ بچہ اس کے سپرد ہوا اور اس نے پنچایت سے لکھا لیا کہ بڑے ہونے پر کوئی واپس نہ لے سکیگا اور یہ بھی کہ اس کی پرورش مسلمان بچہ کی طرح کرے گا۔ سب نے منظور کرلیا۔

باپ یہ بچہ اپنے گھر لے آیا، عورت کی گود میں ایک بچی بھی تھی، عورت سے کہا دونوں کو دودھ پلاؤ اور ایک ہی طرح پالو۔

ختنہ ہوا، شادی ہوئی، کام دھام بھی کرنے لگا اور زندگی بھر یہ چمار کا بچہ اس کے گھر میں مسلمان کی طرح رہا، نماز روزہ بھی سیکھا اور اب سب کچھ دے دلا کر حج کرنے نکل کھڑا ہوا ـــــ وہی دودھ شریک بہن اس کے ساتھ تھی اور سب مرچکے تھے ـــ اور آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی، منی میں دم توڑنے والا یہ آدمی ـــــ وہ چمار کا بچہ تھا

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاک مکہ ابوجہل؟ ایں چہ بوالعجبی ست

یعنی حسن، بلال، صہیب رحمہم اللہ علیہم دور افتادہ، غیرمعروف، بے اہمیت مقام میں پیدا ہوکر رشد و ہدایت، علم وفضل کے آفتاب ماہتاب بنیں اور مکہ جو ہمیشہ سے بنی نوع انسان کے لئے احترام کا مرجع اور پیمبروں کی سرزمین ہو وہاں ابوجہل جنم لے؟ یہ کیا تماشہ ہے اور کیسی بوالعجبی ہے؟

اسلام نے رنگ و نسل، حسب و نسب پر فخر کرنے پر لعنت بھیجی ہے، وہ نوح ؑ کی پیٹھ سے پیدا کر کے ملعون و مردود کردیتا ہے اور آذر کی گود سے ابراہیم کی تخلیق کر کے دوستی کو سراہتا ہے، شیخ الشیوخ اور سید السادات گناہوں کے اندھے کنوئیں میں لڑتے نظر آتے ہیں اور چمار و مہتر کی اولاد کو ایسی سربلندی عطاء ہوتی ہے جس پر فرشتے بھی رشک کرتے ہیں۔

اللہ اکبر! یہ ایام حج، عرفات کا بخشا بخشایا ہوا، یہ مزدلفہ کی رات کا شریک، رمی اور قربانی سے فارغ، یہ پیمبروں کی سرزمین پہ دم توڑنے والا کس طرح کمتر ہوسکتا ہے؟

"انّ اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

●

۱۵ر مارچ

مشہور عارف حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ؒ سے ایک شخص نے پوچھا، کسی عبادت کی قبولیت کا اطمینان دل کو کیسے ہو؟

موصوف نے جواب دیا:

"عابد کو اگر دوبارہ اسی عبادت کی توفیق ہو اور اس میں اس کا جی لگے تو سمجھ لو کہ عبادت نے درجہ قبولیت حاصل کیا، اگر بادشاہ کسی کے نذرانے کو رد کردے تو دوبارہ اسکی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کی کس کو ہمت ہوسکتی ہے؟"

اس دیار خیر و برکت میں آنے والوں کا سلسلہ ٹوٹ چکا ہے، اب صرف جانے والے بادل ناخواستہ جا رہے ہیں، روتے ہوئے سسکتے ہوئے، ادھر

اداس، کھوئے کھوئے سے، بسوں میں ٹیکسیوں میں، بس جارہے ہیں، حرم آتے ہیں، طوافِ وداع کرتے ہیں۔ بیت اللہ کی طرف رخ ہے، الٹے پیروں واپس ہو رہے ہیں، طرح طرح کے آدمی، افسردہ و اشکبار۔

میں اس وقت سے ڈر رہا ہوں جب یہی وقت ہم پر بھی پہونچے گا، بے عزم و بے ارادہ بلا لینے کے بعد دل نہ چاہنے پر بھی رخصت کے لئے مجبور کیا جائیگا مجھے اپنی آنکھوں پر ناز ہے جنھوں نے حریم یار میں باریابی حاصل کی اور جلوؤں کو دیکھا، اپنے پیروں پر خود گر رہا ہوں جنھوں نے آپ کی گلی تک رسائی حاصل کی، ایک ایک ساعت میں دس دس ہزار بار اپنے ہاتھوں کو چوم رہا ہوں جنھوں نے آپ کا دامن پکڑ کے اپنی طرف کھینچا

نازم بچشم خویش کہ روئے تو دیدہ است
افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ دہم دست خویش را
کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است
(صالح ہروی)

●

۱۹ر مارچ

انسان کے چہرے پہ دہن ایک ہے لیکن لب دو اور انہی دو لبوں میں سے ایک کو بادہ خوری اور مے نوشی میں استعمال کرتا ہوں اور دوسرے لب سے پروردگار کے حضور ان گناہوں کی عذر خواہی۔

دو لب دارم یکے در مے پرستی
دگر در عذر خواہی ہائے مستی

شاعر نے گناہ کے تواتر اور عفو گناہ کے تسلسل کے لئے کتنا دلچسپ انداز بیان اختیار کیا ہے، کاش اس نے مولانا گرامی کا یہ شعر بھی دیکھا ہوتا۔

عصیان ما و رحمت پروردگار ما
ایں را نہایتے ست نہ آں را نہایتے

یعنی میرے گناہ اور میرے پروردگار کی رحمتوں عجیب عالم ہے، نہ میرے گناہ کی کوئی حد و حساب ہے اور نہ اس کی رحمتوں کی بے پناہی کا شمار۔

میزابِ رحمت کے سنہرے سائے میں میں ان دو شعروں کی لذت لے رہا ہوں۔

●

۱۶ر مارچ

محبت اور صبر دونوں جذبۂ متضاد ہیں، محبت نے جس دل پہ اپنا قبضہ جمایا صبر کوسوں دور بھاگ گیا

ز عشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ ست

مکہ مکرمہ میں آئے ہوئے مجھ کو ۲۴ روز گذر چکے ہیں جب آیا تھا حرم تو حرم پورا کھرا ہوا تھا، سجدہ کیلئے تنگ جگہ پر قناعت کرنی پڑتی اور اب بہت لوگ جا چکے ہیں نماز کی صفیں سمٹنے لگی ہیں لیکن حجر اسود کا وہی حال ہے ۲۴ گھنٹوں میں کسی بھی وقت۔

عجیب کشاکش ہے، زبردستی کرو تو گرفت ہوتی ہے، لحاظ کرو تو چومنے کی حسرت نہیں نکلتی۔

......

میں اس بستی میں رہتا ہوں

ایمن جعفری

میں اس بستی میں رہتا ہوں جہاں انساں کی تدبیریں
بدل لیتی ہیں اپنی دسترس سے اپنی تقدیریں

جہاں ہر ذرۂ دل پر حسیں جلوؤں کی برنائی
بہر گام نفس لیتی ہے اک معصوم انگڑائی

جہاں دوشِ محبت پر تجلی رقص کرتی ہے
پہونچ کر جس جگہ تخیل کی وسعت ٹھہرتی ہے

جہاں الہام کی بارش دماغ و دل پہ ہوتی ہے
مسرت تارِ ہستی میں جہاں موتی پروتی ہے

جہاں احساس نظارہ ہے رنگا رنگِ رعنائی
جہاں مقبول ہوتی ہے نگاہوں کی جبیں سائی

جہاں صبحِ عمل تخلیقِ نو پر مسکراتی ہے
جہاں شامِ یقیں اپنا سرِ نخوت جھکاتی ہے

جہاں افتادگیٔ زیست ہم آغوشِ منزل ہے
جہاں ذوقِ نفس آسودۂ عرفانِ کامل ہے

جہاں طوفان در آغوش ہے ساحل کی خاموشی
جہاں ہر موج دیتی ہے پیامِ کیف و سرمستی

جہاں پایاب سطحِ آرزو ہے بحرِ ہستی کی
جہاں اوجِ سکونِ زندگی منزل ہے پستی کی

جہاں احساسِ بیداریٔ دل ہے نغمۂ شاعر
جہاں ہوتے ہیں اسرارِ حدیثِ زندگی ظاہر

جہاں ہر ہر نفس ہے آشنائے حسنی و کثرت
جہاں کھلتے ہیں رازِ جلوہائے مطلق و وحدت

جہاں بازیچۂ اطفال ہے یہ شورشِ گردوں
میں اس بستی میں رہتا ہوں میں اس بستی میں رہتا ہوں

رباعیات

عشرت ظفر

لپکے ہوئے جلوؤں کے حسیں دام میں تھی
شبنم کدۂ عارضِ گلفام میں تھی
کل رات گئے پگھلی ہوئی قوسِ قزح
بلور کے اک ترشے ہوئے جام میں تھی

ہنگامۂ فردوسِ طرب سے گذرے
جلوہ گہہ صہبائے عنب سے گذرے
آئینے نگاہوں کے لئے ہم کل رات
حیرت کدۂ عارض و لب سے گذرے

چمڑے کا سامان
سوٹ کیس
ہولڈال
بیگ
ڈاکومنٹ کیس
پورٹ فولیو وغیرہ
مناسب قیمت، دیرپا
اعلیٰ معیار
ہمیشہ
یاد رکھئے
خوشنما
اور
باوقار
اور عمدہ کاریگری
چیپ لیدر ورکس حسرت موہانی روڈ کانپور

غزل

فکری بدایونی

وقت ہر لمحہ تری یاد دلائے ہے مجھے
دشتِ احساس میں کانٹوں پہ چلائے ہے مجھے

تم بھی دم سادھ لو اے ہمنفسو آج کی رات
قصۂ غم کوئی رہ رہ کے سنائے ہے مجھے

خوف لگتا ہے کہ ڈھل جائیگی تحریرِ حیات
آج ہر لفظ کچھ اس طرح رلائے ہے مجھے

افق تو پہ خیالوں کی جلا کر قندیل،
میرا احساس نئی راہ دکھائے ہے مجھے

میں کئی بار ترے شہر سے گذرا لیکن
کوئی ہر بار غلط راہ دکھائے ہے مجھے

جسطرح بچھڑے ہوئے دوست ملا کرتے ہیں
وقت سینے سے اسی طرح لگائے ہے مجھے

میں کوئی عہدِ گذشتہ کا کھنڈر بھی تو نہیں
کوئی کس واسطے پھر آج گرائے ہے مجھے

ہاں میں کل تک تھا جدا جسم سے سائے کی طرح
آج فنکار مرا مجھ سے ملائے ہے مجھے

بولتا ہوں تو دھواں اٹھتا ہے دل سے فکری
ہائے یہ کون اندھیروں میں جلائے ہے مجھے

راحت کوٹی

رہِ عشق و محبت میں اک ایسا بھی مقام آیا
جہاں عقل و خرد کا مشورہ دل کے نہ کام آیا

نہ ساقی کی نظر اٹھی نہ گردش ہی میں جام آیا
بھری محفل سے میں مایوس ہو کر تشنہ کام آیا

مریضِ دردِ ہجراں کو اجل کا جب پیام آیا
تو کس فرطِ طرب سے اس کے لب پر تیرا نام آیا

جہاں دنیا و دیں دونوں کے رستے چھوٹ جاتے ہیں
دیارِ عشق کی منزل کا وہ پہلا مقام آیا

بہت چاہا کسی پر رازِ الفت کا نہ ظاہر ہو
ہوا کچھ اور ہی عالم جو لب پر تیرا نام آیا

وہ اس انداز سے گیسو بدوش آیا گلستاں میں
کہ جیسے دوش پر ڈالے ہوئے صیاد دام آیا

نہ دے طعنہ قصور میں تو آکر نارسائی کا
شبِ غم میرا نالہ عرش کو جا جا کے تھام آیا

مرا ذوقِ عبادت بھی پرستارِ وفا نکلا
نگاہیں جھک گئیں سر خم ہوا جب ان کا نام آیا

حدیثِ شوق سننے کو وہ آئے بھی تو کب آئے
کہ جب آنکھوں میں دم آیا اجل کا جب پیام آیا

پہنچ سکتے تھے دامانِ خیالِ یار تک راحت
مگر مٹ کر وفا میں خاک ہو جانا ہی کام آیا

شاعری فنِ شریف است......؟

(یونس قنوجی)

کہئے قبلہ میر صاحب ۔ کئی دن بعد تشریف لائے ہیں ۔ کہاں تھے ؟ خیر تو ہے ۔ آج خلاف معمول کچھ زیادہ پریشان نظر آ رہے ہیں

کیا عرض کروں خانصاحب ۔ آپ سے تو کوئی پردہ نہیں عرصے سے بیکاری و بیروزگاری کا شکار ہوں ۔ گرانی ہے کہ آسمان سے باتیں کر رہی ہے ۔ کسی چیز کا نرخ کمبخت ایک جگہ رکنے کا نام ہی نہیں لیتا ۔ بزرگوں کا قول ۔ کفایت شعاری بہترین اصول ہے ،، سر آنکھوں پر لیکن آپ ہی بتائیے کہ انسان کہاں تک کفایت شعاری کرے اب مجھ جیسے آدمی کے لئے کفایت شعاری کا ایک ہی طریقہ رہ گیا ہے کہ ناشتے کے طور پر چائے پیتا ہوں اس کے بجائے پانی پینے لگوں ۔ دو وقت کے بجائے ایک وقت کھانا کھاؤں ۔ گھر کا کوئی فرد بیمار ہو تو دوا علاج سے گریز کروں اور بچوں کے پڑھانے لکھانے کا خیال سرے سے ترک کر دوں ۔ کیونکہ لے دے کے یہی اخراجات ہیں ۔ جن کا پورا ہونا ناممکن بنتا جا رہا ہے عزیز و اقارب اور دوست احباب کے یہاں شادی و غمی کی تقاریب............

اجی قبلہ ۔ بس کیجئے ۔ یہ داستانِ غم تو اتنی طویل ہے کہ گزشتہ پچیس سال سے نیلے پیلے اور سرخ جھنڈوں کے زیرِ سایہ مسلسل بیان کی جا رہی ہے اور ختم ہونے کا نام نہیں لیتی مسئلہ ہے کہ حکومت عوام کی بیکاری ، بھکمری اور پریشانی کے مسائل پر اسی لئے ابتک غور نہ کر سکی کہ پتہ نہیں یہ داستان ابھی کتنی طویل ہوگی جب یہ داستان ختم ہو گی تب حکومت غور کرنا شروع کرے گی ۔ اور ان ساری تقریروں کا تجزیہ کر کے ان تمام لعنتوں کو دور کرنیکا منصوبہ بنانے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کرے گی ۔ پھر منصوبہ ماہرین کے سامنے ترمیم و اضافہ کے لئے پیش کیا جائیگا ۔ پھر وزراء منصوبہ پارلیمنٹ سے اسکی منظوری حاصل کریں گے پھر اس پر عملدرآمد شروع ہوگا اور پھر کوئی ماہرترین دماغ درمیان میں ایسی کارگزاری دکھائیگا کہ سارا منصوبہ چوپٹ ہو جائیگا اور پھر حکومت محض مفادِ عامہ کے خیال سے اس منصوبے کو منسوخ کر کے دوسرا منصوبہ بنانے بیٹھ جائیگی تو قبلہ یہ سب کچھ ہوگا تو ضرور لیکن

"کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک"

پھر آپ ہی بتلائیے خانصاحب ۔ آخر ان حالات کا مقابلہ کس طرح کروں ۔ کیا خودکشی کروں ؟

اجی استغفر اللہ ۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ خودکشی سے یہ مسئلہ حل ہو جائیگا ۔ آپ خودکشی کر لیں گے مگر آپ کے متعلقین ؟

تو پھر کوئی تدبیر بتائیے حضرت ۔ میں تو واقعی تنگ آ گیا ہوں اس زندگی سے

دیکھئے اب آپ نے کام کی بات کی ہے ۔ اس زمانہ میں اگر ایک طرف آسودگی سے جینا دشوار ہے تو دوسری طرف تنہائی آسان بھی ہے صرف ذرا

مستقل مزاجی اور کلبلاتے ہوئے ذہن کی ضرورت ہے۔ اگر آپ عمل کرنے کا وعدہ کریں تو نہایت آسان اور منفعت بخش تدبیر بتاؤں۔

بھئی خاں صاحب۔ بخدا عمر بھر احسان مند رہوں گا فرمائیے۔ ضرور عمل کروں گا۔

تو سنئے تیر صاحب۔ اس وقت حکومت اور "خوش حال عوام" کو ادب نوازی کا ہیضہ ہوا ہے۔ اور وہ بے تحاشہ ادیبوں کو کم شاعروں کو نوازنے پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس موقعے سے فائدہ اٹھائیے اور شاعر بن جائیے۔ خدا کے فضل سے آپ نے گلا بھی اچھا پایا ہے۔ شین قاف بھی درست ہے۔ انشاء اللہ بہت جلد چل نکلیں گے۔

کیا فرمایا۔ شاعر بن جاؤں؟ میں اور شاعری! کیا آپ کوئی سنجیدہ مشورہ نہیں دے سکتے؟

تیر صاحب۔ میں قطعی سنجیدہ ہوں۔ لیجئے چائے پیجئے۔

شکریہ۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آخر میں شاعر کس طرح بن سکتا ہوں کیونکہ بزرگوں کو کہتے سنا ہے کہ یہ چیز فطری اور خداداد ہوتی ہے پھر یہ تو یہ ہے کہ میں آجتک صحیح طور سے شعر پڑھ بھی نہیں سکا۔ شعر کہوں گا کیسے؟

چھوڑئیے تیر صاحب ان دقیانوسی لغویات کو۔ واقعہ یہ ہے کہ آپ نے آج کے زمانہ کو دیکھنے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی سنئے وہ جو بدلو کباڑیہ تھا۔ اس کا لڑکا فضلو جسے لوگ اب بڑے احترام کے ساتھ فاضل صاحب کہتے ہیں اور اخبار والے حضرت فاضل سحابی لکھتے ہیں گذشتہ تین ماہ ہوئے شاعر بن گیا ہے اور آج کل آپ دیکھ رہے ہیں اس کے ٹھاٹ باٹ۔ ماشاء اللہ باقاعدہ کوئی رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے

ہاں وہ فضلو! وہ تو نپٹ جاہل ہے۔ ایک حرف نہیں جانتا میں تو سمجھتا تھا کہ کوئی ٹھیکہ دیکھ مل گیا ہے اور بلیک کی بدولت ہیں یہ سارے ٹھاٹ باٹ۔ بھلا وہ شاعر کیسے بن گیا؟

قبلہ تیر صاحب۔ اس دور میں جبکہ منسٹر بن جانا تک بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ شاعر بن جانا کون مشکل کام ہے۔ ایک ہی شرط ہے۔ کہ آدمی چالو ہو اور ذرا رسیلی آواز رکھتا ہو بس۔

یہ تو ٹھیک ہے خانصاحب۔ مگر۔۔۔۔۔

ٹھہرئیے۔ یہی تو آپ پوچھنا چاہتے ہیں۔ کہ وہ شعر کیسے کہے گا۔ اور شاعر کیسے بنے گا۔ تو حضرت تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ہر شہر میں ایسے استاد شاعر موجود ہیں جو بے پناہ شعر کہہ سکتے ہیں اور اپنے زمانہ کے تیر و غالب ہیں مگر قدرت نے اُنکے ساتھ یک طرفہ فیاضی کی ہے یعنی شعر کہنے کی صلاحیت تو عطا کی ہے رسیلی آواز اور لچکیلا ترنم نہیں دیا۔ اس لئے "کس نمی پرسد کہ بھیا کیستی" کے مصداق گمنامی کے غار میں اوندھے پڑے ہوئے ہیں۔ پھر چونکہ حکومت "خوشحال عوام" کو بہرحال خوش رکھنا چاہتی ہے اور "خوش حال عوام" جو آجکل اتفاق سے ذرا زیادہ مہذب ہو گئے ہیں اور نجن بائی یا کجن بائی کے کوٹھوں پر مجرا سننے کی رسم کو رجعت پسندی کی علامت اور سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ عیاشی قرار دیکر طلاق دے چکے ہیں۔ تاہم اتنے بدذوق بھی نہیں کہ سرود و نغمہ کی لذت سے دستبردار ہو جائیں لتا اور رفیع وغیرہ اُنکے اس ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کر سکتے ہیں مگر وہ لوگ چونکہ زیادہ مصروف اور کافی مہنگے ہیں، اس لئے باذوق لوگوں نے دوسرا طریقہ اپنایا ہے اور وہ ہے ادب نوازی ــــ جو طبلہ نوازی۔ ستار نوازی اور سنے نوازی سے مختلف بھی ہے۔ اور دوہرے فائدہ کی حامل بھی۔ ذوق سماعت کی تسکین بھی ہو جاتی ہے۔ نیز سماجی اور سرکاری حلقوں میں عزت و شہرت بھی ملتی ہے اور وزرا زعماء تک رسائی کے لئے آسان شارٹ کٹ بھی ہے اس لئے خوش حال عوام نے ادب نوازی کا مشغلہ اختیار کیا ہے یہ لوگ "امداد باہمی" کے اصول پر وقتاً فوقتاً مشاعرے منعقد کرتے رہتے ہیں جن کی صدارت کبھی خود کرتے ہیں اور کبھی بشرط ضرورت کسی وزیر با تدبیر سے کراتے ہیں ان دنوں فاختہ خلیل اللہ اس کام کے سلسلہ میں زیادہ چل رہی ہیں اور اس مشاعرہ میں چھانٹ چھانٹ کر ایسے شاعروں کو بلا کر نوازتے ہیں جو چاہے

رکھ سکتے ہوں یا نہ کہہ سکتے ہوں، البتہ قیع مارکہ آواز اور تابراند ترنم
ہوں ایسے شاعروں کا شاعر بننے کے لئے ان ہی استادوں کا سہارا
آتا ہے جن کا ذکر پہلے کر چکا ہوں۔ ان سے بڑی آسان شرطوں اور
سب نرخوں پر غزلیں۔ قطعے، رباعیاں اور گیت وغیرہ مل جاتے
جب ملئے انکو ایک اچیس ہیڑی کا بنڈل یا زیادہ سے زیادہ چار
رکا ایک پیکٹ۔ دو چار کپ چائے اور مشاعروں سے واپسی پر انکی عطا
غزلوں کی تعریف کے ساتھ دس پانچ روپیہ بطور نذرانہ ——
شرائط کو پورا کرتے رہئے اور حسب ضرورت کلام لیکر کام چلاتے رہئے
اندہ کرام ان خدمات کے صلہ میں ایکا کام اور کر دیتے ہیں کہ کسی اچھے چلتے
ئے شاعر سے جو ان کا مستر وطن شاگرد ہوتا ہے تعارف کرا دیتے ہیں اور
قع بہ موقع خیال رکھنے کی تاکید بھی فرما دیتے ہیں اس طرح راستہ کچھ زیادہ
سان ہو جاتا ہے۔

بھئی خانصاحب۔ تدبیر تو نہایت معقول بتائی ہے آپ نے اب
اسکا ابتدائی طور پر مجھے کیا کرنا پڑے گا۔

کچھ زیادہ نہیں کرنا ہے۔ دیکھئے آج کے چوتھے دن رمضان شریف کا
نہ شروع ہو رہا ہے اپنے محلہ کی انجمن سحری جگاؤ کے ممبر ہو جائیے اس میں
چار نہایت عمدہ قسم کے گانے والے میرے شناسا ہیں آپکو آج ہی ان
ملوائے دیتا ہوں انکے ساتھ رات کے اندھیرے اور سناٹے میں ذرا
پہ ذرا ریاض کر لیجئے اور اُٹھو روزہ دار قسم کے دو چار بول یاد کر کے
ت اللہ ٹھیکیدار کی حویلی کے نیچے روز آ کر پڑھئے یہ اس لئے ضروری ہے
یکیدار صاحب ہر سال عید ملن کی تقریب منعقد کرتے ہیں جسمیں روٗسائے
گیا تو حکام ضلع تک شرکت کرتے ہیں اس تقریب میں مقامی شاعر بھی
بلایا جاتا ہے انکے کلام سے معزز حاضرین کو محظوظ کرایا جاتا ہے میں کوشش کرونگا
اس مشاعرہ میں مدعو کرا دوں گا وہاں شعراء سے تعارف بھی ہو جائیگا اور ادب
روں کی منڈی میں آپکی آواز اور ترنم بھی بطور نمونہ پیش ہو جائیگا اور مجھے

آپکی آواز سے پوری امید ہے کہ وہیں کسی اگلے مشاعرہ کے لئے جو مقامی
یا نیم مقامی ہونیوالا ہوگا آپ کو بک بھی کر لیا جائیگا۔ اگلے اتوار کو چلئے آپ کو
حضرت علامہ رونق مجلسی سے ملوا دوں اور ایک غزل اور دو ایک قطعات
دلوا دوں ابھی پورا ایک مہینہ باقی ہے۔ ریاض کرکے ترنم سیٹ کر لیجئے
گا عرض کی دو چار اصطلاحیں بھی لکھوا دونگا انھیں رٹ لیجئے گا کسی وقت
جاہل ہمعصروں پر دھونس جمانے کیلئے بڑی مفید ثابت ہونگی۔ ہاں میر صاحب
ایک بات بتلائیے کوئی شیروانی ہے آپکے پاس؟

اجی خانصاحب شیروانی اب کہاں۔ شادی کی شیروانی کب کی جواب
دے چکی ہے ستر پوشی تو مشکل ہو رہی ہے شیروانی کہاں سے بناؤں؟

خیر کوئی مضائقہ نہیں۔ مانگے کی شیروانی سے بھی کام چل جائیگا میرے
کئی شاعروں کو شیروانی ہی نہیں جوتا، ٹوپی تک دوستوں سے مانگتے دیکھا
ہے وہ جو اپنے رفاقت مرزا ہیں نا۔۔ انکے پاس دو شیروانیاں ہیں انکے
والد مرحوم کی۔ میرے خیال میں انکار نہ کریں گے بڑے بامروت آدمی
ہیں انکی شیروانی سے کام چل جائیگا۔

بھئی خانصاحب کمال ہے۔۔ اس میدان میں آپکی معلومات اس قدر
وسیع ہیں اس کا مجھے اندازہ نہ تھا خیر غزل ملنے اور شیروانی فراہم ہونے کا مسئلہ
تو یوں حل ہو جائیگا۔ کچھ مشاعروں میں شرکت کے طور طریقے بھی تو بتائیے
میں تو قطعی نابلد ہوں دو ایک مشاعروں میں شرکت کا موقع تو ملا لیکن
احساس مرعوبیت نے اگلی صفوں تک پہونچنے نہ دیا۔

بات دراصل یہ ہے میر صاحب کہ میں نے کانپور اور لکھنؤ وغیرہ
میں خاصا وقت گذارا ہے اور وہاں رہ کر ان شعبدہ بازیوں کو بہت
قریب سے دیکھا ہے۔ اب اسی موضوع کو چھیڑ رہا ہوں۔ جب آپ بحیثیت
شاعر اپنے اڑوس پڑوس کے حلقوں میں متعارف ہو جائیں اور علامہ رونق
مجلسی کی [illegible] لیں اپنے تخلص کے ساتھ از بر کرلیں تو دور دراز کے
بڑے شہروں سے کسی بھاری بھرکم نام سے اپنے نام فرضی دعوت نامے

بذریعہ ڈاک منگوائیے اور ان خطوط کی خوب نمائش کیجئے۔ اخبارات میں دیکھتے رہیئے کہ کسی قریبی شہر میں مشاعرہ ہو رہا ہے ـــــ اگر ہو رہا ہے تو چاہے کرایہ ادھار لیجئے مگر ہن بلائے شرکت کیجئے یہ دراصل ایک طرح کی تخم ریزی ہوگی جس کا پھل بڑا منفعت بخش ہوگا شعراء اور منتظمین مشاعرہ سے بڑی نیازمندی سے ملئے خصوصاً ایسے شعراء سے جو گروہ بند ہوں اور جوڑ توڑ کے ماہر پھر مقامی طور پر ایک مشاعرہ برپا کیجئے اور بطور رشوت ان ہی شعراء کو بلوائیے جو آپکو دوسری جگہ بلوا سکیں اس طرح آپ باہر کے مشاعروں میں پہونچنے لگیں گے معاوضہ یا نذرانہ پہلے سے اسی وقت طے کیجئے جب مشاعرہ کمیٹی مالی اعتبار سے کمزور ہو ورنہ بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ بلا طے کئے ہوئے جائیے اور سکریٹری مشاعرہ کمیٹی کو دو چار شریف مشاعروں کے روبرو ذلیل کر کے زیادہ سے زیادہ معاوضہ وصول کیجئے۔

یہ سب کچھ تو آپکی دعا سے نہایت آسانی سے کروں گا۔ مزید کچھ؟

سنتے جائیے قبل مشاعرہ میں پہونچکر بڑا شاعر ثابت کرنیکے لئے تین طریقوں میں سے ایک طریقہ ضروری ہوتا ہے۔ یا تو کسی خاتون شاعر کے ساتھ قیام کیجئے یا پھر سرگوشی کے انداز میں شراب کا مطالبہ کیجئے۔ یا آواز بلند مصلّی طلب کیجئے۔ میرے خیال میں آپ کیلئے مصلّے بہتر رہے گا۔ کیونکہ اس مولویانہ شباہت پر آپ رندی و سرشاری کو آپ سنبھال نہ سکیں گے۔ حالانکہ آپ کو ایسے شاعروں سے بھی واسطہ پڑیگا جن کے حلئے سے مرعوب ہو کر آپ ان سے نماز کی امامت کی درخواست کر بیٹھیں گے۔ مگر عرفی کا یہ شعر سنا کر ایک فلک شگاف قہقہہ لگاتے ہوئے وہ دوسری طرف متوجہ ہو جائیں گے۔

شاہد عصمت تلاش صحبت ملکے کند : خون حیض دختر رز جو خدا زلبہا ما

ایسے مواقع پر استغفار اور لاحول وغیرہ مت پڑھیے گا، بلکہ "باہمیں مردماں بباید ساخت" کی پالیسی پر عمل کیجئے گا۔ ورنہ نقصان کا احتمال ہے سب سے آخر یہ کہ مشاعرہ گاہ میں تاخیر سے پہونچئے ـــ اس لئے نہیں ـــ کہ آپ مصروف ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ تاخیر سے پہونچنا اہم اور عظیم ہونے کی دلیل مانا گیا ہے ممکنہ حد تک اپنے آپ کو جاذب نظر اور مرکز توجہ بنا[illegible] کیجئے۔ پھر جب آپ کا نام پکارا جائے تو ذرا سنجیدہ مسکراہٹ [illegible] نزاکت کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے ڈائس پر پہونچیے۔ [illegible] زاویوں سے دیکھئے۔ غزل کی مخصوص دھن کو سرگم کی لے [illegible] میں دھیمے سے گنگنائیے۔ اور پھر ایک خاص انداز سے جھرجھری [illegible] ہوئے آنکھوں کو خمار آلود بنا کر غزل شروع کر دیجئے۔ بھاؤ بتا[illegible] انداز میں ہاتھ ہلانا کمر اور کولھوں کو متحرک رکھنا اور اتار [illegible] چڑھاؤ پیدا کرتے رہنا نہایت ضروری ہے ورنہ باوجود رسیلی [illegible] لچکیلے ترنم کے غزل کچھ زیادہ نہ چل سکے گی اور ـــــــ

اجی بس کیجئے خان صاحب۔ استغفراللہ۔ آپ مجھے شاعر بنا[illegible] دے رہے ہیں یا ارباب نشاط بنا رہے ہیں۔ آگے غالباً آپ یہ کہ[illegible] رہے ہیں کہ پیروں میں گھنگھرو باندھ لیجئے اور ـــــــ

سنئے تو میر صاحب خیر سے ابھی گھنگھروؤں کی نوبت نہیں [illegible] ہے اس لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بات یہ ہے کہ [illegible] میں نے اس سے پہلے عرض کیا ہے کہ ہمارا ادب نواز طبقہ شعر [illegible] اور معیار سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا اسے تو صرف اک گونہ بے خودی [illegible] ساتھ ہی اپنا وقار۔ شرافت اور ذوق سلیم کی پسپائی۔ اس لئے [illegible] معقول معاوضہ دیکر بھانڈوں اور گویوں کے بجائے شاعر [illegible] یہ خدمت لیتا ہے تو میرے خیال میں کوئی عیب تو نہیں ہے۔ سنجیدگی و شرافت کا ماحول بھی قائم رہتا ہے۔ اخلاقی گراوٹ کا الزام [illegible] لگتا۔ اور اردو زبان و ادب کی خدمت بھی ہو جاتی ہے۔

مجھے معاف کیجئے حضرت۔ اگر شاعروں اور ادب نوازوں کے [illegible] رہے۔ تو وہ دن دور نہیں کہ جب غالب و میر امیر پر غزل گا کر ادب [illegible] کرتے نظر آئیں گے۔ کوئی دوسرا کام بتائیے۔ پناہ بخدا ـــ میں شا[illegible] بالفاظ دیگر بھانڈ نہ بن سکوں گا ـــــــ

دی مغل لائن لمٹیڈ ـــــ (حکومت ہند کا تجارتی ادارہ)

پروگرام حج ۱۹۷۴ء

حج ۱۹۷۴ء کی تمام درخواستیں مغل لائن کیجانب سے جاری کردہ نئے درخواست فارم پر قبول کیجائینگی لہٰذا پرانے درخواست فارم قطعی طور پر استعمال نہ کئے جائیں

بمبئی سے بحری جہازوں کی روانگی ہم انتہائی مسرت کے ساتھ ذیل میں حج ۱۹۷۴ء کیلئے جہازوں کی روانگی کا عارضی پروگرام پیش کرتے ہیں

بمبئی سے روانگی

(قبل رمضان) ۱) ایم۔ وی۔ اکبر ۲۰ ستمبر ۱۹۷۳ء (۲) ایم۔ وی اکبر ۱۳ نومبر ۱۹۷۳ء (بعد رمضان)

۳) ایس ایس سعودی ۱۰ نومبر ۱۹۷۳ء (۴) ایس ایس مظفری ۱۴ نومبر ۱۹۷۳ء

۵) ایم وی اکبر ۱۹ نومبر ۱۹۷۳ء (۶) ایس ایس سعودی ۲۷ نومبر ۱۹۷۳ء

۷) ایس ایس مظفری ۲ دسمبر ۱۹۷۳ء (۸) ایم وی اکبر ۵ دسمبر ۱۹۷۳ء

۹) ایس ایس سعودی ۷ دسمبر ۱۹۷۳ء (۱۰) ایس ایس مظفری ۲۰ دسمبر ۱۹۷۳ء

۱۱) ایم۔ وی۔ اکبر ۲۲ دسمبر ۱۹۷۳ء

جدہ سے روانگی

ایس ایس مظفری ۹ جنوری ۱۹۷۴ء۔ ایم وی اکبر ۱۳ جنوری ۱۹۷۴ء

ایس ایس سعودی ۱۵ جنوری ۱۹۷۴ء۔ ایس ایس مظفری ۲۴ جنوری ۱۹۷۴ء

ایم وی اکبر ۳۱ جنوری ۱۹۷۴ء۔ ایس ایس سعودی ۵ فروری ۱۹۷۴ء

ایس ایس مظفری ۱۵ فروری ۱۹۷۴ء۔ ایم وی اکبر ۱۷ فروری ۱۹۷۴ء

ایس ایس سعودی ۲۵ فروری ۱۹۷۴ء۔ ایس ایس مظفری ۴ مارچ ۱۹۷۴ء

ایم، وی، اکبر ۷ مارچ ۱۹۷۴ء

کرایہ جہاز۔ بمبئی جدہ، بمبئی کے سفر کا کرایہ مندرجہ ذیل ہے، صرف واپسی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔

	کرایہ مع خوراک	محاصل خدمات جدہ کرایہ مکہ	فارن ٹریول ٹیکس	ہیلتھ پاس وغیرہ کی فیس	مجموعی رقم
فرسٹ کلاس بالغ	۲۴۸۰ روپے	۱۵۰ روپے	۳۷۲ روپے	۱۴ روپے	۳۰۱۶ روپے
بچے ۳ تا ۵ سال	۱۲۴۰ ”	— —	۱۸۶ ”	۱۴ ”	۱۴۴۰ ”
بچے ۱ تا ۳ سال	۱۰۷۴ ”	— —	۱۶۱ ”	۱۴ ”	۱۲۴۹ ”

سپیشل ڈیک کلاس: یہ انتظام بالائی ڈیک میں مزید سہولتوں مثلاً آرام دہ بستر اور ۶ تا ۱۲ بستر کے علیحدہ علیحدہ کمپارٹمنٹ کے ساتھ کیا گیا ہے

	کرایہ مع خوراک	محاصل خدمات جدہ کرایہ مکہ	فارن ٹریول ٹیکس	ہیلتھ پاس وغیرہ کی فیس	مجموعی رقم
صرف ایم وی اکبر میں بالغ	۹۵۰ روپے	۱۵۰ روپے	★ مستثنیٰ	۱۴ روپے	۱۱۱۴ روپے
بچے ۳ تا ۵ سال	۴۷۵ ”	— —	★ ”	۱۴ ”	۴۸۹ ”
بچے ۱ تا ۳ سال	۴۲۵ ”	— —	★ ”	۱۴ ”	۴۳۹ ”
ڈیک کلاس بالغ	۹۰۰ ”	۱۵۰ روپے	★ ”	۱۴ ”	۱۰۶۴ ”
بچے ۳ تا ۵ سال	۴۵۰ ”	— —	★ ”	۱۴ ”	۴۶۴ ”
بچے ۱ تا ۳ سال	۴۰۰ ”	— —	★ ”	۱۴ ”	۴۶۴ ”
ایک سال سے کم	— —	— —	★ ”	۱۴ ”	۱۴ ”

★ بشرطیکہ درخواست گذار ان عازمین حج میں ہو جنھیں حکومت ہند نے زرمبادلہ دینا منظور کیا ہے ، بصورت دیگر کرایہ کا دس فیصد ٹیکس روانگی کے وقت بمبئی میں ادا کرنا ہوگا ۔ سال گذشتہ کے جن عازمین کا کرایہ مغل لائن میں جمع ہے وہ اپنے حوالہ نمبر کے اندراج کے ساتھ مزید درکار رقم کا ڈرافٹ روانہ کریں ۔

پابندیاں :۔ حکومت ہند نے عازمین حج کے مفاد عامہ اور ان کی بھلائی کے پیش نظر بعض پابندیاں عائد کی ہیں ، لہذا عازمین حج کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان عائد کردہ پابندیوں کو اچھی طرح سمجھ کر درخواست دیں ، درج ذیل عازمین کی درخواست ناقابل قبول ہونگی (الف) وہ افراد جو گذشتہ پانچ سال یعنی ۱۹۶۹ء تا ۱۹۷۳ء کے درمیان ہندوستان کے کسی بھی حصہ سے فریضۂ حج ادا کر چکے ہیں ایسے افراد حج بدل پر بھی نہ جا سکیں گے (ب) وہ بچے جن کی عمر ۵ اور ۱۴ سال کے درمیان ہوگی ۔ (ج) قبل رمضان سفر کرنے والے وہ عازمین جن کے پاس دوہزار (۲۰۰۰) روپئے اور بعد رمضان سفر کرنے والے وہ عازمین جن کے پاس (۱۶۷۰) سولہ سو ستر روپئے سے کم رقم ہو ، قبل اور بعد رمضان کے عازمین کو زیادہ سے زیادہ دوہزار روپئے تک زر مبادلہ دیا جائے گا ۔

(د) وہ خواتین جنھیں جہاز پر سوار ہوتے وقت پانچ ماہ یا اس سے زائد کا حمل ہو

(ھ) درج ذیل بیماریوں اور معذوریوں میں مبتلا افراد ؛۔

(۱) دماغی امراض (۲) تپ دق یا سل (۳) قلبی امراض (۴) شدید دمہ (۵) متعدی جذام (۶) دیگر شدید بیماری یا خاتون کے حمل پر شبہہ کی حالت میں بمبئی میں ان کا طبی معائنہ کیا جائے گا ، لہذا عازمین حج غلط بیانی سے درخواست نہ دیں ۔

درخواست بھیجنے کا طریقہ

> حج ۱۹۷۴ء کے تمام عازمین کے لئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ مغل لائن سے بلا قیمت تقسیم کئے جانے والے نئے درخواست فارم پر درخواست دیں ، پرانے فارم پر دی گئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی ۔

درخواست کے دونوں فارم ہر طرح سے مکمل ہونے چاہئیں اور ان کے ساتھ ہی پوری رقم کا فرسٹ کلاس ، اسپیشل ڈیک کلاس یا ڈیک کلاس کا بینک ڈرافٹ بھی ہونا چاہئے ، درخواست فارم اور بینک ڈرافٹ صرف رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ

مغل لائن لمیٹڈ ۱۶ بینک اسٹریٹ ، فورٹ بمبئی ۱ کے نام ۳۰ جولائی ۷۴ء تک پہنچ جانے چاہئیں ——

حسن رضا (کھنڈوہ)

دل میں تھا خواہشات کا چھوٹا سا جو سماج
اب مجھ سے مانگتا ہے وہی خون کا خراج

اس راہبر پہ کوئی یقیں کس طرح کرے
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے بدمزاج

دیکھ غزل کے ہاتھ میں تیغ و سنانِ فکر
تختہ الٹ دیا ہے روایت کا ہم نے آج

اقلیم دل پہ آج حکومت ہے یاد کی
یوں رات پرسکون ہے جیسے کہ رام راج

بس ایک شعر ہی تو سنایا تھا آپ کو
اتنی ذرا سی بات پہ برہم ہے کیوں مزاج

ہر شخص خواہشات کے محبس میں قید ہے
ہے تارِ عنکبوت میں الجھا ہوا سماج

چھلکے گا کیوں نہ صبر کا پیمانہ آنکھ سے
آنسو ہی پونچھنے سے تو ہوگا نہیں علاج

تخریب ہی کے خون سے ملتا ہے حق رضا
کیجے نہ عصرِ نو میں یہ خاموش احتجاج

عشرت قادری

گمشدہ سائے ڈھونڈتا ہوں میں
لمحہ بن کر ٹھہر گیا ہوں میں

ظاہری شکل میری زندہ ہے
اور اندر سے مر گیا ہوں میں

کون دیکھے گا مجھ میں اب چہرہ
آئینہ تھا بکھر گیا ہوں میں

وہ رفاقت [illegible] وہ شفقت
کتنی آنکھوں میں جھانکتا ہوں میں

کھیلتا تھا کبھی بگولوں سے
اب کہ صرصر سے اڑ رہا ہوں میں

آہ فریاد، چیخ، نغمہ، فغاں
ان ہی پردوں کی اک صدا ہوں میں

کوئی منصف سزا نہ دے لیکن
قاتلو! تم کو جانتا ہوں میں

ایک نام
جس کی اہمیت و افادیت تسلیم کی جا چکی ہے
ربر انڈسٹریز
کیمیکلس
کلنڈرس
جاجمؤ
ڈائنگ اینڈ پروفنگ کمپنی
ربر انڈسٹریز
جاجمؤ کانپور
Phane: 62628 61444. 64489

دبستانِ سیماب کے چند ممتاز شعراء

ساحل مانک پوری

الطاف حسین مشہدی:- الطاف سرگودھا (پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ مولانا رشید اختر سے عربی پڑھی جو اُنکے خالزاد بھائی تھے۔ جامعہ ملیہ دہلی سے بی۔ اے کیا شادی کے بعد طبیہ کالج میں گیارہ مہینہ کی مختصر مدت تک ملازمت کی۔ لاہور پہونچنے پر کولمبیا ریکارڈنگ کمپنی میں ملازمت کی۔

آپ نے اپنی ابتدائی تخلیقات پر تحوی صدیقی سے اصلاح لی اس کے بعد علامہ سیماب کی شاگردی اختیار کی۔

آپ کا پہلا مجموعہ تصویرِ احساس ہے جو ۱۹۳۹ء کو شائع ہوا۔ مقدمہ علامہ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دھلوی نے، دیباچہ کرشن چندر اور نواب ذکیہ سلطانہ نزکی مرادآبادی نے لکھا دوسرا مجموعہ پربت کے گیت ۱۹۴۱ء میں شائع ہوا۔ لاہور کے ماہنامہ "توحید" کی ادارت کی۔ اس کے علاوہ ریگانہ "افسانہ" ہم لوگ جیسے رسائل کی ادارت بھی سرانجام دی۔ انکے ہمعصروں میں کسرو اجمیری، ساغر نظامی، مجاز لکھنوی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔ یہاں تک انھوں نے غزلیں، قطعات، اور گیت بھی لکھے ہیں۔ غزلوں میں خاص انفرادی رنگ نمایاں ہے۔

غزلوں کے علاوہ اُنکی نظمیں زیادہ مقبول ہوئیں اس کی وجہ یہ تھی کہ اسمیں عنصری حیثیت اور زمانہ کے جملہ تقاضے پوری طرح سموئے ہوئے تھے۔ پنجاب نے جو شاعر دیئے اُنکے یہاں "نظم" پوری طرح چھائی ہوئی ملتی ہے پنجاب کی جدت پذیری ضرب المثل بن چکی ہے پنجاب کو ہی یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے نظم کے احیا میں اور اس کی توسیع اشاعت میں اہم حصّہ لیا ہے۔ پنجاب ہی ہے جہاں ان گیتوں کے ساتھ ساتھ عزم و ہمت کی داستانیں بھی ملتی ہیں وہاں کی سوندھی مٹی میں جہاں ہیر رانجھا کے پیار کی خوشبو بسی ہوئی ہے وہیں علامہ اقبال کی بانگِ درا صورِ اسرافیل کا درجہ رکھتی ہے۔

الطاف نے جس زمانے میں آنکھیں کھولیں اس وقت سماج ایک نئی کروٹ لے رہا تھا، ذہنی افق پر نئے تصورات کی تصویریں مرتسم ہو رہی تھیں۔ بیداری عزم و حوصلے اور قوت ارادی کی قندیلیں فروزاں ہو رہی تھیں، وطن پرستی کے جذبات قوم کی رگ و پے میں سرایت کرتی جا رہی تھی۔

الطاف کی نظموں میں وطنیت کی روح کیساتھ ساتھ رومانویت کی خوشبو بھی رچی بسی نظر آتی ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کی شاعری انھیں دونوں کا امتزاج لئے ارتقا پذیر ہوئی ہے۔

فلسفۂ اشتراکیت کے فلسفہ نے بھی دور رس نتائج مرتب کئے ہیں ترقی پسند تحریک نے بھی انکے سوچنے، سمجھنے کے ڈھنگ میں نمایاں تبدیلی پیدا کی۔ یہ تبدیلی صالح اور مقصدی تھی جیسا کہ نیئر دہلوی لکھتے ہیں۔

"ان کے دل میں وطن کی محبت ہے اس لئے وطنیت کے جذبات بھی انکے کلام میں موجود ہیں وہ جب ادھر سرمایہ داری اور ادھر بے روزگاری اور محنت کی بے قدری دیکھتے ہیں تو ان کو جوش آجاتا ہے اور غریب مزدور کی زار حالت پر آبدیدہ ہوجاتے ہیں"

کرشن چندر بھی اُن کے فن پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"الطاف کی شاعری میں مزدوروں اور کسانوں کی تکالیف کا احساس شدت کے ساتھ موجود ہے اس کے نغموں میں مظلوموں کی حمایت کا ایک چشمہ اُبل رہا ہے"

انکی بیشتر نظمیں اردو کی کامیاب اور بہترین نظموں میں شمار کیجا سکتی ہیں، مثلاً انقلاب، مزدور بیوہ، وصیت، بیکارین، نان و ایمان، نوحہ، راوی کا کنارہ وغیرہ۔

ان نظموں میں وطن پرستی، مزدوروں سے ہمدردی، سرمایہ داری سے نفرت، دوستی، پیار اور رومانس کچھ سب کچھ ہے۔

وطن پرستی کو نمایاں کرنے والی نظموں میں ماں کی دعا، میرا پیار، محبوبہ کی شرط، ہوا کے جھونکے کی تمنا، گاؤں کے تاثرات، لمحات آزادی، قومی ترانہ وغیرہ جیسی نظمیں انکی حب الوطنی کو نمایاں کرتی ہیں۔ "میرا پیار" کے چند شعر ملاحظہ فرمائیں۔

جو سینے کو دھڑکا دیں وطن کی چاہ کی سوزش
جو شاعر کے تخیل میں بھریں اس آہ کی سوزش
کہ جس سے عہدِ استبداد کی بنیاد ہل جائے!
مرے اجڑے ہوئے ہندوستاں میں پھر بہار آئے
میں ایسی حرکتوں کو چاہتا ہوں، پیار کرتا ہوں

ہندوستان کی عظمت کے گیت گاتے ہوئے "قومی ترانہ" میں ایک جگہ اپنے جذبات کا یوں اظہار کیا ہے۔

تیرے پربت سیم و زر کا گنگنا تا آبشار
تیرے چشمے بربطِ ناہید کا زریں تار
تیرے جنگل خلد کے سینے کی اک سندر سی نار
مست جھونکوں کی زباں پر مدبھری سوغاتیاں
اے مرے ہندوستاں جنت نشاں

سرمایہ داروں کی ریشہ دوانیوں کے شکار غریب اور مزدور اور انکے احساسات کو خریدنے والے یہ فراعین، مفلسی، ناداری، غربت اور بے روزگاری کے ذمہ دار اشخاص ہیں چونکہ الطاف ترقی پسند شاعر ہے اور آنے والے انقلاب کی ہنگامہ خیزیوں کا علمبردار ہے۔

خشک ٹکڑا بھی جہاں مزدور کو حاصل نہیں
ہے لہو سے جس کے رنگیں اہلِ زر کی آستیں
محنت و اندوہ و غم، شام و سحر جس کی غذا
جگمگاتا ہے پسینہ بن کے بجلی کی ضیاء
جسکی ہے گاڑھی کمائی سود خواروں کے لئے
جس کی جانِ زار ہے سرمایہ داروں کے لئے

الطاف انقلابی بھی ہے اس کے اشعار انقلاب کے پیام بر ہیں وہ اپنی نظموں میں فرنگیوں کی ظالمانہ روش سے تنگ آکر نوجوانوں کو آواز دیتے ہیں۔

نوجوانو! تم کو اپنی زندگی کا واسطہ!
مادرِ ہندوستاں کی بے بسی کا واسطہ!

واسطہ ناکتخداؤں کے پھٹے ملبوس کا
واسطہ افلاس کے روندے ہوئے ناموس کا
واسطہ بیواؤں کے سینوں سے اٹھتی ہوک کا
واسطہ زہرہ جبینانِ وطن کی بھوک کا
واسطہ ان زرم ہونٹوں کا کہ جن پر وقتِ شام
گھومنے آتا ہے ٹھنڈی سسکیوں کا ازدہام
برچھیوں سے قیصریت کے جگر کو چیر کر
مادرِ ہندوستاں کی آبرو کی لو خبر

اُنکے رومانیت کی چاشنی پر ہر جگہ عنصری حیثیت اور زندگی کی قربت کا احساس ملتا ہے وہ صرف لذتیت کے لئے شعر نہیں کہتے بلکہ ان میں زندگی کی دھڑکنوں کو بھی شامل کرتے ہیں۔

شہر کی شورش سے تھک کر، دوپہری رات کی بہار
پھر کروں گا چاندنی راتوں میں تیرا انتظار
پھر ترے ہونٹوں میں ہوگی دھیمے نغموں کی مٹھاس
پھر تری زلفوں سے آئے گی حسیں پھولوں کی باس
اب ہی جاؤں گا تجھ کو چھوڑ کر کچھ غم نہ کر
رحم کر ان مست آنکھوں پر انھیں پرنم نہ کر

زیادہ مثالوں سے احتراز کرتے ہوئے صرف اتنا ہی کہوں گا کہ اُنکی نظمیں صرف پروپیگنڈہ نہیں ہیں بلکہ وہ حکم و عمل کا پیغام بھی دیتی ہیں جسمیں ادبیت ہے اشتہاریت نہیں ہے۔

غزلوں میں نظم جیسی سحر آفرینی، تخیل کی نرم چاندنی جذبات کی پاکیزگی، اور تغزل کے لبادہ میں پیغام ہے۔ ایک نظم کے شاعر کے لئے غزل کی متغزلیانہ روایات کو برقرار رکھ لینا ہی بڑا کام ہے الطاف کے چند غزلیہ اشعار بھی ملاحظہ کرتے چلیں،

وہ کلی ذرا سی ہے جوانی ہے وہ کوئی بات اے دوست جو ہے تیرے جمال کو نگر

لبوں پہ موجِ تبسم ہو آنکھ میں آنسو
خزاں میں پرتوِ رنگِ بہار رہنے دے

جانے کو تو اس بزم میں جانا ہی پڑے گا
اے دوست مگر ڈر ہے کہ کچھ بھول نہ آئیں

کسی کے سرمئی گھونگھٹ میں جلوے تلملا اُٹھے
کسی کے دل کے ناصوروں پہ اک بجلی سی لہرائی

روتی ہے آرزو مری سینے پہ رکھ کے ہاتھ
شاید نظر کے تیر سے برما گئی ہیں وہ

قمر اچھروی:۔ عبدالکریم قمر اچھروی، اچھرہ (ضلع لاہور) میں پیدا ہوئے تعلیمی اعتبار سے انٹرنس اور مشرقی علوم میں منشی فاضل اور زبدۃ العلماء ہیں آپ پنجاب کے زندہ دل اور خوش فکر شاعر ہیں۔ وہ صرف گفتار کے غازی نہیں بلکہ مرد کردار بھی ہیں۔

آپ بھی علامہ سیماب کے شاگردوں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں اُنکی شاعری اسی روایت گزیدہ ماحول کی پروردہ ہے جس میں حسن و عشق کی داستانیں دلچسپ انداز میں بیان کی جاتی ہیں آپ نے باغ و بہار طبیعت پائی تھی زندہ دلی شگفتگی مزاج میں بسی تھی اس لئے کلام میں بھی شگفتگی، رعنائی، تازگی اور شیرینی پائی جاتی ہیں انھوں نے اپنے حواسِ باطنی سے اپنی زندگی کی حقیقتوں کو اجاگر کرنے کا کام بھی لیا خارجی زندگی اُنکی داخلی زندگی کی آئینہ دار ہے چند شعر دیکھیے،

زباں پابند ہے اور لشکر پر تالے دے ؛ ہمیں اب راہبرانِ کو ہ [illegible]

گلشن ہستی میں آتی ہے بہار نو بہ نو .....
ایک بھی پتہ اگر ملتا ہے تیرے شہر میں

شہباز کی نگاہ میں کوہ و دمن ہیں پست
زاغ و زغن سے کس لئے آنکھیں ملائیں ہم

ناگفتنی ہے شام غریباں کی سرگذشت
تو صبح کے پھولوں پہ شبنم تلاش کر...

چمن میں آج پھر اہل نظر کی آزمائش ہے
بہر گام تمنا ہم سفر کی آزمائش ہے

عشق ہے سوز زندگی کا کمال ، حسن رفتہ ہے صرف حسن خیال

میں کر رہا ہوں ابھی دل کی دھڑکنیں محسوس
یہاں سے گذرے ہیں اکثر بہار رو کے جلوس

...کے یہاں ایسے بھی شعر ملتے ہیں جو تمام تر رنگینیوں اور ...سے مملو ہیں جنہیں جوان دل دھڑکتے ہیں اور جوانی کی مسکراہٹیں ...رنگینیں شعر کو انتہائی رنگین اور شگفتہ بنا دیتی ہیں حقیقت ...انھوں نے پنجاب کی خوبصورت وادیوں ، کہساروں کھیتوں ...ں میں رنگ و نور کی بارش دیکھی ہے اور جوان امنگوں کی ...ں دیکھی ہیں انھوں نے غم و فکر سے آزاد وادی میں مسرت ...ہے خمر کی غزلوں میں رعنائی ، خیال کا دل دھڑکتا ہے یہی وجہ ...کے اشعار میں داخلیت کا حسن اور خارجیت کی سچائی ہم آہنگ ...ہے یہی ہم آہنگی موسیقیت پیدا کرتی ہے اور اس موسیقیت ...وحدت تاثر ، میٹھی میٹھی کسک ، اور امنگوں کی خوشبو ...تر کرتی ہے انھوں نے اس خصوصیت کو فنکارانہ حسن ...شعروں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے اور ہر جگہ فن کے ساتھ شعر ...ہے ، صحت عروض ، زبان و محاورہ اور الفاظ و تراکیب کے ...حیل انتہائی فنی ڈھنگ کے ساتھ نظر آتی ہے چند شعر ملاحظہ فرمائیں ۔

کسی کی مست نگاہی اگر اجازت دے
ہوا کے دوش پر اک میکدہ اٹھا لاؤں

فاش کر دے بزم امکاں پر جو راز کائنات
پھر کوئی قدرت کا ایسا رازداں پیدا کریں

وہ اک نظر ہے ابھی ملتفت مری جانب
سمند وقت سے کہہ دو کہ روک دے رفتار

نوائے صبح محبت کی ہے تلاش مجھے !
سکوت شب کی فضاؤں میں زندگی ہے اداس

ہم تیری مست نگاہی کے سہارے ساقی
گردش جام کی تعریف کیا کرتے ہیں

خمر کی ابتدائی شاعری پر اقبال کا بہت زیادہ اثر ہے آپ نے اقبال کی شاعری سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی غزلوں نظموں میں فلسفیانہ خیال ، حریت افکار اور پاکیزہ جذبات کو سمونے کی کوشش کی ہے انکے اشعار زندگی کی سچائی اور حقیقت پسندی کے حامل ہیں فکری بالیدگی نے اشعار میں گہرائی و گیرائی پیدا کر دی ہے ۔

"کاخ ملبند" جو انکا شعری مجموعہ ہے اس کی تمام تر تخلیقات میں یہی روح کارفرما ہے ، یہ مجموعہ اقبالیت کی تڑپ اور آواز لئے ہے ظفر علیخاں لکھتے ہیں ۔

"اگر خمر کی دس بیس نظموں میں بھی رنگ اقبال بھر گیا تو بھی اقبال مبارک باد ہے ایک نوجوان اگر ایک ساعت بھی پیرانہ پختہ کاری کا ثبوت دے سکے تو اس کی شام جوانی کا ہر لمحہ صبح پیری کے نور سے روشن سمجھا جائے گا"

ظفر علیخاں کی رائے حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ جب ہم انکے غزلیہ اشعار کا تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں روح کی جلوہ گری ملتی ہے جو دلوں میں جوش و ولولہ پیدا کرتی ہے اور یقین و عمل کی روشنی پھیلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے

جو اس بات کی غماز ہے کہ ثمرا جھرودی نے اپنی شاعری کو غم جاناں اور غم دوراں کے امتزاج سے ایک نیا رنگ بخشا ہے اور خارجیت کے حسن، زندگی کے رموز و اسرار اور کائنات کی حقیقتوں کو بڑی فنکاری کے ساتھ شعر میں سمویا ہے۔ چند شعر پیش نظر ہیں۔

قلب سلیم و دیدۂ بینا بھی کر قبول!
آئینہ ساز سختیٔ خارا بھی کر قبول!

ہر سمت گل افشاں ہیں فطرت کی نوازیزی
ہر شئے میں نمایاں ہے فردوس کا نظارا

مشرق سے کرن پھوٹی مرغانِ سحر جاگے
وہ چاند ہوا پانی وہ مات ہوا تارا!

عشق ہے سوزِ زندگی کا کمال
حسن رفتہ ہے صرف حسنِ خیال

رباعیات

یونس تنوجی

ذکر لب و رخسار کیے جا ساقی!
ماحول کو سرشار کیے جا ساقی!
ایسے میں کہ ہر سانس میں ہے غم کی چبھن!
تو جام کی تکرار کیے جا ساقی!

دامن مرا صہبا سے بھگو دے ساقی!
اوہام خرد کے نقش دھو دے ساقی!
للہ گرانبارئ خیر و شر کو!
ممکن ہو تو ساغر میں ڈبو دے ساقی!
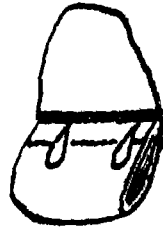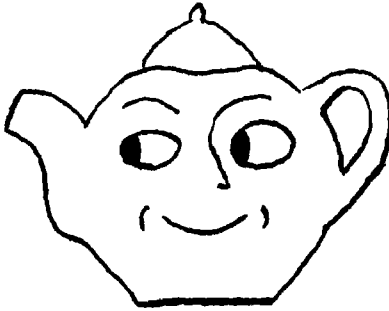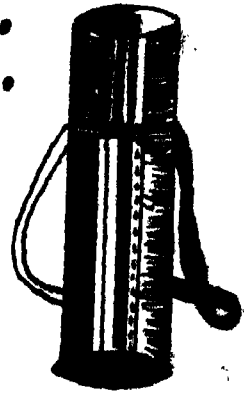
پیامؔ سہالوی

جس دن سے وہ غارتگرِ ایمان گیا ہے
دل، دردِ محبت کا مزہ جان گیا ہے

ساقی تری مستی بھری آنکھوں کے تصدق
اک میں نہیں کتنوں ہی کا ایمان گیا ہے

بھولے سے بھی وہ رخ سوئے کعبہ نہ کریگا
وہ جو کہ ترے در کا پتہ جان گیا ہے

لوٹا ہے اسی نے مری دنیائے سکوں کو
جو پاس سے بن کر ابھی انجان گیا ہے

ہرگز وہ کسی غیر کو سجدہ نہ کرے گا،
خود اپنی حقیقت کو جو پہچان گیا ہے

وہ کیف تھا ساقی کی نگاہوں میں پیامؔ آج
جس جس نے بھی دیکھا ہے وہ قربان گیا ہے

شمیمؔ فتحپوری

جمالِ یار کیا دیکھا کہ حیرانی نہیں جاتی،
نگاہوں سے. مری آئینہ سامانی نہیں جاتی

تجھے جس وقت سے دیکھا ہے حیرانی نہیں جاتی
اب اپنی شکل خود اپنے سے پہچانی نہیں جاتی

خدا جانے کہاں ہیں اور کدھر ہیں پیش رو اپنے
کوئی آواز سوئے عالمِ ثانی نہیں جاتی

کہیں ایسا نہ ہو بہہ جائیں قصرِ تن کی بنیادیں
مدد اے ضبطِ غم اشکوں کی طغیانی نہیں جاتی

پھنکا جاتا ہوں میں، ہر موئے تن سے لو نکلتی ہے
مگر سوزِ دروں کی شعلہ سامانی نہیں جاتی،

جنوں کی وضع کچھ ایسی پسند آئی زمانے کو
کسی کے پیرہن سے چاک دامانی نہیں جاتی

اِدھر ہے باغباں کا ڈر اُدھر صیاد کا کھٹکا
چمن میں ہوں مگر تکلیفِ روحانی نہیں جاتی

بہت عرصہ ہوا ہے، جلوہ گاہ ناز سے آئے
نگاہوں سے مگر وہ شکلِ نورانی نہیں جاتی

گراتا ہے مرے ذراتِ دل پہ پے بہ پے بجلی
فلک کی اے شمیمؔ اب تک گل افشانی نہیں جاتی

تعمیر اور سائنس

—— اشتیاق حسین، علی گڑھ

جس وقت ماں اپنے بچے کو جنم دیتی ہے وہ بچہ دنیا میں بشکل انسان آتا ہے لیکن اسے مکمل انسان کہنا درست نہیں، یہ بچہ مکمل طور پر انسان کہلانے کا مستحق اسی وقت ہوگا جب کہ وہ شعور حاصل کرے گا، برے اور بھلے میں تمیز کرے گا، علم کی دولت سے سرفراز ہوگا، شعوری طور پر سماج کے اثرات قبول کرے گا اور سماج پر خود اثر انداز ہوگا، زندگی کے لئے آسانیاں مہیا کرے گا، اس کی ضروریات طبیعی ہی نہ رہ کر سماجی بھی ہو جائیں گی۔

اور یہ تمام صفات یا خصوصیات اس کو گرد و پیش سے ملتی ہیں لیکن یہ کہنا اپنی جگہ پر بالکل درست ہوگا کہ اس کے گرد و پیش یا ماحول میں اہم چیز جس نے انسان کی زندگی کو نہ صرف خوشگوار بلکہ ممکن بنایا، اس کو تہذیب دی، اسے تمدن سے نوازا، اس کو علم کی دولت عطا کی، مختصر یہ کہ جس نے اسے جانوروں سے ممیز کیا سائنس ہے۔

لیکن صرف قوت کشش کی کھوج، بجلی اور بھاپ پر کنٹرول، مشینری کا استعمال اور ایٹمی طاقتوں کا پتہ چلانا وغیرہ ہی سائنسی تحقیقات نہیں بلکہ زمانۂ قدیم کے انسان کے پتھر، لکڑی اور لوہے کے اوزار، جسم ڈھکنے کیلئے پتے، سردی سے حفاظت کیلئے گھاس اور آگ کا اہتمام، گھاس پھوس اور چھالوں کے ذریعہ رہائش گاہ کی تعمیر وغیرہ سب سائنسی تحقیقات کا نتیجہ تھیں اس لئے کہ ان سب چیزوں کی تعلیم اس کو کسی جوتشی، کسی مذہبی پیشوا، کسی معلم اخلاق، کسی فرشتے یا کسی دیوی اور دیوتا نے نہیں دی تھی اور نہ ہی خدا نے ان کے لئے کوئی ہدایت نامہ نازل کیا تھا بلکہ یہ تمام ذرائع اور یہ سارے طریقے خود انسان نے اپنے دماغ سے کام لے کر (۱) تحقیق (۲) جستجو اور (۳) عملی مشاہدہ کی بنیاد پر (جو کہ آج بھی سائنس کی بنیادیں ہیں) حاصل کئے تھے، یہاں پہونچ کر انسان جانوروں سے ممیز ہو گیا یا سائنس نے انسان کو حقیقت میں انسان بنا دیا

لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انسان اپنی زندگی کے مقصد میں بھی کامیاب ہو گیا؟ اس کا جواب قطعاً نفی میں ہے

اس لئے کہ اس کی زندگی کا مقصد محض مادی خوشحالی یا معاشی فارغ البالی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے جسے ہم مختصر الفاظ میں "تعمیر حیات" سے تعبیر کرسکتے ہیں اور تعمیر حیات کا مطلب یہ ہے کہ زندگی اور لوازمات زندگی کو اس طرح مرتب کیا جائے کہ زندگی مادی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی ہر اعتبار سے بہتر ہو سکے۔ ممکن ہے ہماری یہ تعریف تمام اہل الرای کی نظر میں قابل قبول نہ ہو تاہم تعمیر حیات کے مفہوم میں مادی اور ذہنی اعتبار سے انجام کے بہتر ہونے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں،

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ انسان بے پناہ ترقی کر چکا ہے جس کا دوسرا نام مادی خوشحالی ہے اور جو سائنس کی دین ہے لیکن وہی سائنس انسان کو ذہنی سکون دینے میں قطعی طور پر ناکام رہی ہے، جس کا بین ثبوت آج کا عالمی سماج ہے کہ آج بھائی بھائی میں، اعزہ و اقرباء میں، شہر اور قریہ میں صوبہ صوبہ میں اور ملک ملک میں ایک نہایت مہلک تناؤ موجود ہے جو کبھی سیاہ و سفید کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور کبھی سرمایہ دار اور مزدور کے نام سے سامنے آتا ہے، کبھی ہند و پاک جھگڑے کا باعث بنتا ہے تو کبھی عرب و اسرائیل کی جنگ کا، یہی تناؤ کبھی ویتنامیوں پر ظلم ڈھاتا ہے تو کبھی توسیع پسندی کا سبب بنتا ہے اسی سے اقلیت کشی ہوتی ہے اور یہی چھوا چھوت کی لعنت کو جنم دیتا ہے، طیاروں کا اغوا بھی اسی کی دین ہے اور اسی تناؤ نے اعلیٰ درجہ کی متمدن بیسویں صدی میں دو عالمگیر جنگوں سے عالم انسانیت کو دوچار بھی کرایا جس سے پہلے تاریخ کے صفحات ایسی تباہی پیش کرنے سے قاصر تھے۔

یہی تناؤ جب اور بھیانک شکل اختیار کرتا ہے تو اقتدار پسندی، ہوس پرستی، ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکٹنگ جیسی لعنتوں کے بھیس میں ظاہر ہو کر انسان کی معاشیات اور مادی خوشحالی کو بھی بری طرح متاثر کر دیتا ہے اور ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ ع

آ گئے وہیں پہ جہاں سے چلے تھے ہم

اور یہ سب کچھ اس زمانہ میں ہوا اور ہو رہا ہے جب کہ سائنس ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر کے رک نہیں گئی بلکہ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

کا نعرہ بلند کرتی ہوئی برابر آگے بڑھتی جا رہی ہے،

درحقیقت یہی وہ مقام ہے جہاں پہونچ کر ایک دہریئے کو بھی اخلاقیات اور روحانیت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے (بشرطیکہ وہ تنگ نظری سے کام نہ لے اور صحیح انداز سے سوچنے اور حقائق کو قبول کرنے کے لئے تیار رہے) اس لئے کہ اخلاق اور روحانیت کے بغیر ذہنی سکون ممکن نہیں،

فوراً سوال اٹھتا ہے کہ اخلاق و روحانیت کس طرح انسان کو ذہنی سکون دے سکتے ہیں؟

اسکا جواب یہ ہے کہ وہ تمام اسباب جو ذہن میں تناؤ پیدا کرتے ہیں اخلاق اور روحانیت کی موجودگی میں جگہ نہیں پاتے۔

وہ اسباب جو ذہن میں تناؤ پیدا کرتے ہیں باطن کی آسودگی، مفاد پرستی، خود غرضی، طبقاتی امتیازات قول و عمل میں تضاد، بے حسی و بے عملی اور انتشار ہیں، اور وہ صفات ہیں جن کا اخلاق و روحانیت میں شمار ہوتا ہے ٹھیک ان کی ضد ہیں اس لئے اخلاقی صفات کی موجودگی ان اسباب اور ان صفات کو جڑ بن سے اکھاڑ پھینکتی ہے، واضح رہے کہ اخلاق و روحانیت سے مراد رہبانیت یا ترک دنیا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی اس کے مفہوم میں صرف گیان دھیان، مراقبہ، ملنساری، تواضع و قناعت ہی آتی ہیں بلکہ اخلاق اور روحانیت سے مراد باطن کی پاکیزگی، عدل و انصاف کا برتاؤ، نفرت کا خاتمہ، انسانیت کا احترام، صداقت، قربانی، ہمت و استقلال، عملی جد و جہد، تنظیم و اجتماعیت اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر اور اسی طرح کی دوسری اعلیٰ قدریں شامل ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسان میں آج ان ہی صفات کا فقدان ہے۔

اس لئے کہ اگر باطن کی پاکیزگی ہوتی سائنس کے میدان میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ مملکت کے سربراہ ذورۂ امن" "امن کی گفتگو" کے باوجود ویت نامیوں پر مظالم کے پہاڑ نہ توڑتے اور طاقت میں توازن کے جواز کے ذریعہ اسرائیل کی مدد کرتے، اگر برابری کا سلوک ہوتا تو امریکہ میں جمہوریت کی علمبرداری کے باوجود بہت سے نیگرو حق رائے دہی سے محروم نہ ہوتے، نہ K.K.K.* جیسی تنظیموں کو پنپنے کا موقع ملتا اور نہ ہی دیوی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہندوستان میں کمزور طبقہ کو ان کی نذر کیا جاتا، اگر دنیا میں محبت کے جذبہ کو پروان چڑھایا جاتا تو یہودی نفرت کی بنیاد پر نازی ازم جنم نہ لیتی اور نہ ہند میں مسلم دشمنی کی بنیاد پر اس کا دوسرا جنم ہوتا۔

اگر اس وقت انسانیت کے احترام کا دور دورہ ہوتا تو آناً فاناً ہیروشیما اور ناگاساکی جیسے آباد شہر تباہ نہ ہوتے اور احمد آباد، بھیونڈی، رانچی اور جبل پور میں اقلیتوں کے خون کی ہولی نہ کھیلی جاتی۔

اگر معاہدوں اور دعووں پر سچائی ہوتی تو تاشقند معاہدہ اور سلامتی کونسل کی قرار دادیں پاس کرنے والے خود اپنے عمل سے اس کے پرخچے نہ اڑاتے اور نہ پاکستان اور دوسرے مسلم ممالک میں اسلام کا نام لب پر ہونے کے باوجود اسلام مخالف طاقتیں پنپ پاتیں۔

اگر دوسروں کیلئے قربانی کا جذبہ ہوتا تو ہندوستان میں فسادات کے وقت ہر شہری اپنے دوسرے بھائی کی جان بچانے کے لئے اپنے کو آگے بڑھا دیتا اگر اجتماعیت و تنظیم ہوتی تو مسلمان، اکثریت ہونے کے باوجود منتشر ہوکر ذلیل و رسوا نہ ہوتے، اگر عملی جد وجہد کی جاتی تو مسلمانان ہند کی جہالت، پسماندگی احساس کمتری اور فرقہ بندی کا شائبہ بھی باقی نہ رہتا اگر ہمت و استقلال اور خود اعتمادی کی صفات اپنائی جاتیں تو ہندوستان کے مسلم پیشوا دوسروں کے آگے

---

* ـــــــ جمہوری امریکہ کی ایک تنظیم، خاص مقصد نیگروؤں کو قتل کرنا نیز ان کو دہشت زدہ کرنا۔

کاسۂ گدائی پھیلانے اور شکایت نامے پیش کرنے کے بجائے اپنی طرف دیکھنے سبق دیتے اور سے ۔

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمانِ مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

عمل کر کے اپنی شکایات ، اپنی کمیاں اور اپنے مصائب خود دور کرتے اور تعمیر کیلئے خود سر جوڑ کر متحد ہوتے

اگر خلوص اور سچائی ہوتی تو مسلم پرسنل لا میں عدم مداخلت ، اردو زبان کا تحفظ اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار کے نعرے لگانے والے پہلے اسلام کو نظری ، فکری ، قولی اور عملی ہر اعتبار سے نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کے ہر شعبے کیلئے قبول کرتے بلکہ اس کو دوسروں تک پہونچانے کی کوشش کرتے ،

اپنے بچوں کو میتھوڈسٹ اور کانوینٹ جیسے دوسرے اداروں میں بھیجنے کے بجائے خود ایسے اداروں کا قیام عمل میں لاتے جہاں انگریزی اور موجودہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اردو کی تعلیم کا بھی معقول انتظام ہوتا ، نیز یہ کہ اردو کو محض ادبی ہی نہیں بلکہ علمی زبان بناتے مسلم یونیورسٹی کے اسٹاف میں خواہ وہ انتظامیہ ہو یا تدریسی اور یا غیر۔ تدریسی سب میں موجود غیر اسلامی نظریات رکھنے والوں کو برطرف کرنے کی کوشش کرتے ، ان میں غیر اسلامی جذبہ کو پروان نہ چڑھاتے ۔ ان سے صوم وصلوٰۃ کی پابندی کراتے اور اسلامی اصولوں کے مطابق ان کے کرداروں کی تعمیر کرتے ۔

اگر نعمت کی قدر کی جاتی تو عرب ممالک کالے سونے (پٹرول) کو تعیش اور تقلید مغرب میں صرف نہ کرتے بلکہ سائنس اور ٹیکنالوجی میں خرچ کرتے ، نیز اس کے ذریعے اقوام عالم تک دعوت اسلام پہونچانے کے لئے مشنری قائم کرتے ۔

ان ہی تمام افعال اور ان ہی ساری خصوصیات کا نہ پایا جانا ہی اس تناؤ کا سبب ہے جسنے مادی خوشحالی کے باوجود انسان کو ذہنی کشمکش میں مبتلا کر رکھا ہے اور یہ تمام کی تمام چیزیں اخلاق اور روحانیت کے ہی فقدان کا مظہر ہیں اور زندگی کے تمام زریں اصول جن کا ابھی اوپر ذکر کیا گیا صرف اخلاق اور روحانیت کے ذریعے ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں ، اس لئے ہمارا یہ دعویٰ قطعاً حق معاندانہ ردیہ پر مبنی نہ ہو گا کہ صرف اخلاق ور روحانیت ہی انسان کے ذہنی سکون کا باعث بن سکتے ہیں جس کے بغیر اس کی تعمیر نامکمل ہے اور جو اس کی زندگی کا مقصد اور جس کو مہیا کرنے میں سائنس ناکام رہا ہے ۔

...

نفرت کی دیوار اٹھانے والا کون ؟

اقبال رفیق :- ادیب - ایم - اے ، ساہتیہ رتن

ایک چھوٹا سا لڑکا عمر تقریباً گیارہ کی رہی ہوگی اونا ریلوے اسٹیشن پر میرے پیچھے لگ گیا بابوجی آپ کے بچے اچھے رہیں مجھے ہنسی آگئی کہ ابھی تک دوسروں کے بچوں کو پیار کرتا آیا کبھی سوچا بھی نہیں یہ خزانہ اپنے گھر میں جمع کروں ضرورت بھی کیا تھی جبکہ مفت میں شوق پورا ہو جاتا ہو۔ لیکن نہ جانے کیوں مجھے اس لڑکے پر رحم آگیا جس کی عمر ابھی پڑھنے لکھنے کی تھی اور بھیک مانگ رہا تھا نام پوچھا بولا رحمت نام ہے سنتے ہی نہ جانے کیوں ایک دھکا سا لگا یہی وہ وجہ جس کے لئے آج ہم لوگوں کو دنیا کے ہر کونے میں ذلیل ہونا پڑ رہا ہے جب بھی اس بربادی اور خواری پر غور کیا ایک بڑا سا سوالیہ نشان دماغ میں بنکر رہ گیا۔ اس سے زیادہ بربادی کا باعث تو وہ نوجوان بن رہے ہیں جو ہیپی بنے گھومتے ہیں

آج آپ کسی گلی کے کونے پر کسی پان کی دوکان پر کسی ریسٹورینٹ میں دیکھ لیجئے آپ کو مسلمان لڑکے ہپی بنے نقشے بازی کرتے ملیں گے اگر آپ ذرا سنجیدہ ہو کر ان ہپی لڑکوں کو دیکھیں تو آپ بغیر مسکرائے نہیں رہ سکتے۔ خلاً بال گدی کے نیچے تک قلمیں کانوں کے نیچے تک بیل باٹم پتلون اس پر سرخ بڑے بڑے پھولوں والی بشرٹ۔ مجھے تو بالکل ولیم شیکسپیر کے جولیس سیزر کا خیال آجاتا ہے یا اگر آپکی نظروں سے یہ ڈرامہ نہ گذرا ہو تو آپ ان کو سرکس کے جوکر سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ ان سے بات کیجئے تو ایسے ڈھنگے پن جواب دیں گے کہ آپ دوبارہ بات کرنا گوارہ نہیں کرینگے اگر کسی طرح کچھ تعلیم حاصل کر لی تو نوکری کے لئے پریشان گھوم رہے ہیں جہاں کہیں جاتے ہیں وہیں نو وکینسی کا بورڈ دیکھکر واپس آجاتے ہیں اس پر یہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں ہم سے نفرت کی جاتی ہے۔

آج سالمان کے لئے ہر جگہ راستے صرف اس لئے بند ہوتے جا رہے ہیں کیونکہ اُنکے پاس تہذیب، تعلیم اور حسن اخلاق کوئی چیز بھی نہیں ہے دھوکے دینے میں یہ سب سے آگے، وعدہ خلافی ان کا شیوہ ہے سچ تو یہ ہے کہ آج ہم اپنے کو مسلمان کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں۔ عام طور پر یہ کہاوت بن گئی ہے کہ گورنمنٹ کی پالیسی ایسی چل رہی ہے کہ ہم لوگوں کو سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں یہ خیال غلط ہے بالکل اس کو غلط ثابت کرنے کے لئے میں خود اپنا تجربہ پیش کرتا ہوں جس کو سن کر آپ خود اندازہ کر لیں گے کہ نفرت کی دیوار اٹھانے والا کون ہے ؟-

جے کے آرگنائزیشن کے نام سے آپ واقف ہی ہوں گے اُنکی تقریباً بنتالیس فیکٹریاں چل رہی ہیں ان میں ایک جے۔ کے الکٹرانکس (J. K Electronics) ٹیلی ویژن

فیکٹری وہاں تقرر کرا دیا۔ انٹرویو کے وقت فیکٹری کے منیجر صاحب مرلوا ستوپے نے اپنے دوست بدھوار صاحب کے ذریعہ میرا وہاں تقرر کرا دیا۔ انٹرویو کے وقت فیکٹری کے منیجر صاحب جو کہ سن رسیدہ اور تجربہ کار ہیں مجھ سے پوچھا آپ آنا چاہیں آ سکتے ہیں لیکن آپ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہیں کہیں اچھی ملازمت کیوں نہیں تلاش کرتے؟ میں نے جواب دیا آپ میرے روشن مستقبل کے لئے خواہشمند ہیں اس کے لئے میں آپ کا شکر گذار ہوں لیکن دنیا کی کوئی بھی دستکاری یا تجارت اس وقت تک معلوم نہیں پاتی جب تک اس کو کرنے والے اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ ہوں۔ میری بات کا کچھ اچھا اثر ہوا بغور مجھ کو دیکھا و لیسے شکل صورت سے تو شریف لگتا ہی ہوں فوراً بولے ویری گڈ آپ کل سے تشریف لا سکتے ہیں میں شکریہ ادا کر کے رخصت ہوا۔

دوسرے دن پروڈکشن ہال میں یہ خبر گرم تھی کہ اس مرتبہ سلکشن میں ایک مسلمان کا بھی انتخاب ہوا ہے۔ لوگ مجھ کو دیکھنے آتے گویا میں کسی عجائب گھر سے بلایا گیا ہوں میں سب سے ہاتھ ملاتا اور اپنا تعارف کراتا چونکہ یہاں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی کام کرتی ہیں اس لئے یہاں کا ماحول کالج والا تھا کہ لڑکے لڑکیاں مجھ پر طنز کس دیا کرتی تھیں میں سنتا اور ہنس کر ٹال جاتا تھا یا کبھی کبھی کچھ اس انداز میں جواب دیتا طنز کسنے والا شرمندہ ہو جاتا اور باقی سب میں پر ہنس پڑتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد لڑکوں نے طنز کسنا کسی حد تک بند کر دیا بعض تو میرے جواب سننے کو منتظر رہتے۔

بہر حال کسی طرح ٹریننگ کا زمانہ ختم ہوا اور میرا مستقل تقرر ہوا۔ اس چھ ماہ کے طویل عرصہ میں میرے کئی دوست قریب تر ہو گئے تھے تقرر ہوتے ہی ہر طرف سے کانگریچولیشن دمبارکباد کی صدا بلند ہونے لگی۔ اب تک تقریباً سبھی میرے کردار سے متاثر ہو چکے تھے ہر شخص مجھ کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ لڑکے عام طور پر رفیق بھائی کہکر پکارتے تھے لڑکیاں رفیق بھیا کہتی اور آفیسر مسٹر رفیق کہہ کر مخاطب کرتے میری ہر بات اُن کو پسند آتی میری کتابیں چھین لیتے کہتے تم اردو اکیلے پڑھتے ہو مجھ کو نہیں سکھاتے ایک ایک کر کے اردو پڑھنا عام رواج بن گیا ہر ایک کے پاس اردو کی ابتدائی کتابیں نظر آنے لگیں لنچ کے بعد میں اردو کا کلاس لیتا تھا جس میں تقریباً بیس لڑکے لڑکیاں جمع ہو کر اردو سیکھنا شروع کر چکے ہیں لائبریری میں بھی اُردو کی کتابیں آنے لگیں ہیں جس کی بنیاد آپکے "رگِ سنگ" نے رکھی اس کے بعد ہی ہندی میں تھا کبھی آنے لگے۔ حد تو یہاں تک پہونچی کہ اب وہ اسلامی تعلیم پڑھنے کے شوقین ہو گئے ہیں مصر اور عرب کردار حضرت علیؓ، حدیث وغیرہ دلچسپی سے سنتے ہیں اور ہندی میں مل جائے تو خوشی سے پڑھتے ہیں گھر تک لے جاتے ہیں۔ میرے ایک انجینئر صاحب نے قرآن شریف کا ہندی یا انگریزی ترجمہ مجھ سے مانگا۔ اُنکے اس جذبہ سے اُنکے ذوق کا اندازہ بخوبی آپ کر سکتے ہیں۔

ہم چند مسلمانوں نے اپنی ایک میٹنگ کی جسمیں اپنے آئندہ کردار اور کام پر تبادلہ خیال کیا گیا آئندہ کے لئے مندرجہ ذیل اصول بنائے اور ان پر سختی سے عمل کرنے کا عہد کیا۔

۱:- محنت سے کام کرنا۔
۲:- ایمانداری کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہنا۔
۳:- کام کے علاوہ دوسری لغویات میں بالکل وقت برباد نہ کرنا۔
۴:- عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے موقعوں پر ہندو ساتھیوں کی دعوت کرنا اور اُنکی اہمیت بتانا۔

۵۔ آفیسر حضرات کا حکم بجا لانے میں تاخیر نہ کرنا۔

ان اصولوں پر عمل کرنے کے بعد ہم لوگوں نے محسوس کیا کہ ہماری عزت میں اور چار چاند لگ گئے ہیں یہاں تک کہ آفیسر حضرات بھی ہمارے گھروں پر آنیکے خواہش مند ہیں۔

عید آئی ہمارے ہندو ساتھیوں نے چھٹی کے لئے آواز اٹھائی اُنکی اس قربانی کو ہم کبھی بھول نہیں سکتے انھوں نے اپنی رکشا بندھن کی چھٹی کو عید کے لئے وقف کر دیا اس سال ۷۳ء میں رکشا بندھن کے بجائے عید کی چھٹی ملے گی یہ اُن کا کم اہم تہوار نہیں تھا لیکن ہمدردی نے اُنکے دلوں کو مجبور کر دیا کہ عید کو زیادہ اہمیت دی۔ آپکے "رگ سنگ" کے مدیر اعلیٰ جناب فروز صاحب فیکٹری تشریف لائے انکو ہمارے یہاں کا ہندو مسلم اتحاد اس قدر پسند آیا کہ بغیر تعریف کئے نہ رہ سکے بلکہ انھوں نے ہمیں اسلامی تعلیم پر اچھی کتب دینے کا وعدہ فرمایا اُنکی اس ہمدردی سے ہمارے ارادے اور بڑھ گئے ہیں یہ سب کیسے ہوا صرف اعلیٰ کردار کا نمونہ پیش کرنے پر ورنہ مسلمان ہونے کا ٹیکہ جو سب کے ماتھے پر ہے وہی میرے ماتھے پر بھی تھا لیکن ہم لوگوں نے نفرت کی آہنی دیوار کو گرا دیا اب کوشش ہے کہ اس کی بنیاد تک کھود ڈالیں تاکہ اس فیکٹری میں مسلمان لڑکوں کے لئے دروازے کھل جائیں

اگر ہمارے اخلاق اور کردار میں ذرا بھی لغزش آجائے تو آج پھر نفرت کی دیوار کھڑی ہو جائے۔ یہ بھی نہ سمجھنا چاہیئے کہ غیر قوم والے ہمارے چہروں سے ہمارے کردار کا اندازہ نہیں لگا سکتے یا اگر ہم چپّی بنکر جائیں تو ہم کو اسمارٹ سمجھکر آگے بڑھنے کا موقع دیا جائے گا۔ یا سستہ تبھی ہم کو آگے بڑھنے کا دیا جائیگا جب ہم اپنے اعلیٰ کردار پر پورے اتریں ایک ایسی مثال میرے سامنے چند دن قبل آئی۔ میرے ایک اہم جماعت جو میرے ساتھ بی۔اے میں پڑھتے تھے مجھ سے اکثر کہا کرتے تھے مجھ کو بھی اپنے یہاں لگوا دیں میں بھی ٹیلیویژن کا کام سیکھ جاؤں گا میں نے اُنکی سفارش کی انکو انٹرویو میں بلایا گیا۔ لیکن ان کا سلکشن نہیں ہو سکا۔ منیجر صاحب نے کہا کہ مسٹر رفیق آپکا کلاس فیلو آپکا جیسا تو نہیں ہے میں نے کہا کہ جناب یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے دو شخص ایک جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں آخر فرق تو ہوگا ہی۔ بولے میرا مطلب شکل کے یکساں ہونے سے نہیں بلکہ مذہبی نقطۂ نظر سے۔۔۔ کردار کا اگر موازنہ کیا جائے تو مجھ کو کافی فرق معلوم ہوتا ہے۔ مناسب تو یہ ہوگا یہ موقع کسی اچھے ساتھی کو دو تاکہ تم پر بھی کوئی بات نہ آئے میں بھی مطمئن رہوں۔ شاید آپ کو اندازہ ہو گیا ہو گا کون سی کمی ہے جو ہم کو آگے بڑھنے سے روکے ہوئے ہے۔

اگر آج آپ بھی اس بات کا عہدہ کر لیں کہ ہم اس گندے ماحول کو بدل ڈالیں گے جو ہم کو ذلیل خوار کئے ہوئے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں آپکی زندگی میں بھی بہار آجائے گی سب سے پہلے آپ کو اپنی عادات اور کردار میں خوبی پیدا کرنی ہوگی کسی وقت بھی خوش اخلاقی کو اپنے سے دور نہ کریئے اگر آپ میں کسی بات پر اتفاق رائے نہیں ہو رہا ہے تو بحث کی نوبت آنے ہی نہ دیجئے اگر ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہو تو آپ وہاں سے یہ کہہ کر کنارہ کر لیجئے کہ اچھا میں پھر غور کروں گا ہو سکتا ہے آپ کا خیال صحیح نکلے۔ اگر واقعی آپ کی بات غلط ہے تو صاف گوئی سے کہہ دیجئے نہیں آپ ٹھیک فرما رہے ہیں مجھ کو سمجھنے میں غلطی ہوئی معاف کیجئے گا اس سے دوسرے لوگوں کے دلوں میں آپکے لئے کدورت نہیں رہ جائیگی

طبیعت انسانی خودبخود مرض کو رفع کرتی رہتی ہے

سید اظہر حسین ہاشمی

امریکہ ، روس ، برطانیہ میں حفظان صحت کے اصول پر رسالے شائع ہوتے رہتے ہیں ، ہفت روزہ اور روزناموں میں بھی اسی موضوع پر مضامین نکلتے ہیں ، اس معاملہ میں ہندوستانی صحافت بہت پیچھے ہے ، حالانکہ کثرت آبادی کے پیش نظر زیادہ شائع ہونا چاہئے ، چنانچہ امریکہ سے فزیکل کلچر کے نام کا ایک ماہنامہ اسی موضوع پر شائع ہوتا تھا اس کے ایڈیٹر مسٹر برنر میکینیڈن تھے ، ان کا شمار ماہرین صحت میں تھا ، وہ علاج کی بجائے صرف اصول حفظان صحت کے قائل تھے ، اسی کی ترغیب دیتے تھے ، اس سلسلہ میں انھوں نے اپنا ایک واقعہ لکھا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح ان کی زخمی ٹانگ بغیر کاٹے اچھی ہوگئی ، اور وہ دوبارہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگئے۔

وہ لکھتے ہیں :۔

" میں بچپن ہی سے اصول حفظان صحت کا قائل تھا اسی کی بدولت میں ایک ٹانگ کی بجائے دو ٹانگوں کا مالک ہوں ۔ پہلی جنگ عظیم میں (۱۸ — ۱۹۱۴ تک) میں فوج میں سپاہی تھا ، ایک روز ایک جرمن شل — (توپ کا گولہ) کے ٹکڑے سے میری ایک ٹانگ بری طرح مضروب ہوگئی ، ڈاکٹروں نے کاٹ دینے کا مشورہ دیا ۔ اسکی تفصیل کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں :

"۲۲ر اپریل ۱۹۱۸ء کو برٹش فوجیں فرانس کی سرحد پر خندقوں میں پڑی تھیں ، ہماری خندق کے آگے تھوڑے فاصلے پر گولے کے گرنے سے چھ فٹ گہرا غار ہوگیا تھا ، ہم لوگوں نے اندیشہ محسوس کیا ، شاید کوئی جرمن مشین گن کے ساتھ روپوش بیٹھا ہے جو ہم لوگوں کی حرکات و سکنات کو دیکھ بھی رہا ہے ، اس لئے ایک سارجنٹ کی معیت میں چار سپاہی تلاش میں نکلے اور اسی طرف کو چھپتے چھپاتے بڑھتے جا رہے تھے ، ان چار سپاہیوں میں ایک میں بھی تھا ، موسلا دھار بارش ہو رہی تھی جس کی وجہ سے جا بجا پانی بھر گیا تھا ، کیچڑ بھی پیدا ہوگئی تھی ،

امیکا
فٹ ویر

لوگ بڑھتے رہے جب وہاں پہونچے جہاں کا گمان تھا دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا، اسی اثنار میں جرمنوں نے بڑی شدت کی گولہ باری شروع کر دی، یکایک میری بائیں ٹانگ کی پنڈلی میں جلن محسوس ہوئی، درد بھی بڑھنے لگا، اینٹھن شروع ہوگئی اور میں شدت تکلیف سے منہ کے بل آ رہا، مگر اسی حالت میں میں برابر فائر کرتا رہا، اس وقت کسی قسم کا علاج ممکن نہ تھا، میری ٹانگ گولہ کے ایک ٹکڑے سے زخمی ہوگئی تھی، جب حملہ فرو ہوا اور حملہ آور فرار ہوگئے تو مجھے فوجی اسپتال میں پہونچا دیا گیا۔

اسپتال پہونچتے پہونچتے میری ٹانگ سوج کر اصلی حالت سے دوگنی ہوگئی تھی، ماہرین جراحی نے ٹانگ کاٹ دینے کی بات کہی، ڈاکٹروں نے بھی یہی اشارہ دیا اتفاق سے مجھے تبدیل کر کے ایک امریکن اسپتال میں منتقل کر دیا گیا، اس کے انچارج مسٹر تھامپسن تھے، یہ اصول حفظان صحت کے قائل تھے، ان کے علاج کا ڈھنگ ہی نرالا تھا، میرا جب علاج شروع کیا تو کوئی دوا نہ دی، نہ انجکشن لگایا صرف زخم کو جراثیم سے محفوظ رکھنے کے لئے مرہم دیدیا، اماروٹ کا شوربہ، دودھ اور انڈا میری غذا تھی، میرا جس خیمہ میں بستر تھا وہاں تازہ اور صاف ہوا کا گذر تھا، سورج کی شعاعیں برابر پہونچتی رہتی تھیں، دو ماہ کے اندر اندر ٹانگ کا درد غائب ہو چکا تھا، ورم آہستہ آہستہ تحلیل ہو رہا تھا، زخم کا منہ بھی مندمل ہونا شروع ہوگیا۔ میں چھڑی کے سہارے کھڑا ہونے لگا، کچھ عرصہ میں آہستہ آہستہ چلنا شروع کیا۔

مگر مجھے اسی دوران پھر برٹش اسپتال پہونچا دیا گیا، برٹش ڈاکٹروں نے مجھے بڑی حیرت سے دیکھا، ان کا خیال تھا میری ٹانگ کاٹ دی گئی ہوگی، میں صرف ایک ہی ٹانگ کا رہ گیا ہوں، وہاں بھی میں نے احتیاط برتی کہ مصفائی خون کے انجکشن تک نہ لئے، کچھ عرصہ بعد چھڑی کا سہارا بھی چھوڑ دیا اور چلنے پھرنے لگا اس کے بعد مجھے فوجی موٹر ٹرانسپورٹ میں تعینات کر دیا گیا، اتفاق سے میرا پاؤں ایک روز برف پر پھسل گیا اور گھٹنا سخت متضرر ہوگیا ڈاکٹروں نے گھٹنے پر پلاسٹر چڑھا دیا اس سے کافی فائدہ ہوا جب وقت معینہ پر پلاسٹر کاٹا گیا تو میرا گھٹنا اصلی حالت پر تھا، مجھے آرام ہوگیا تھا۔"

مسٹر برنر میکینڈس لکھتے ہیں:

میں انھیں دنوں رخصت لے کر ایک دوست کے یہاں بغرض تبدیل آب وہوا چلا گیا، وہاں کے قیام میں میں نے اصول حفظان صحت کی پوری پوری پابندی کی، میرا روزانہ کا معمول تھا کہ صبح ناشتہ میں اراروٹ کا شوربہ، دودھ، دوپہر کو تازہ پھل اور دودھ، رات کے کھانے میں گیہوں کی روٹی اور دودھ، اسی کے ساتھ ساتھ صبح روزانہ غسل کرتا، چہل قدمی کو جاتا باقی وقت میں باغبانی کا شغل تھا، دوپہر کی غذا کے بعد کچھ دیر آرام کرتا، شام کو پھر ٹہلنے نکل جاتا، کھلے میدان کی تازہ ہوا کھاتا، روزمرہ کے اس معمول سے صحت پر کافی خوشگوار اثر پڑا، میرا پاؤں دن بدن طاقت پکڑتا گیا، چند عرصہ میں بلا تکلف چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا، پچھلی تکلیف کا احساس تک باقی نہ تھا،

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں

آپ کے خطوط

علی گڑھ

فیروز صاحب سلام ورحمت

اخبارات میں یہ دیکھ کر کہ آپ کا نام علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تحریک کے سلسلہ میں کردار کے غازیوں کی فہرست میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے میرے دل میں آپ کے لئے عزت و احترام کا جذبہ دوچند ہوگیا، اس دور میں تنہا اپنی ذمہ داری پر رگ سنگ جیسا معیاری اور پاکیزہ رسالہ پابندی اور باقاعدگی سے نکالتے رہنا ہی آپ کے صاحب کردار ہونے کی دلیل ہے، اس پر ملی مسائل کے لئے تڑپ کر قید و بند کی سختیاں بھی خندہ پیشانی سے برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں، یقیناً قابل تعریف اور لائق تبریک ہے۔

خدا آپ کے حوصلوں میں برکت اور عزائم میں پختگی عطا فرمائے آمین۔

نیازمند رفیع الدین خاں
رسل گنج۔ علی گڑھ

ہردوئی

مکرمی فیروز بوبجہ صاحب

السلام علیکم۔

جون کا شمارہ کافی تاخیر سے پہونچا میں تو سمجھا تھا کہ چونکہ آپ مسلم مجلس کے رضا کاروں کی قیادت کرتے ہوئے اسلاف کی سنت تازہ کرنے کے لئے لکھنؤ جیل میں ہیں اس لئے شاید جون کا شمارہ آپ کی رہائی کے بعد ہی دیکھنے کو ملے گا۔

شہ رگ کا انداز خوب ہے۔ اسی کے ساتھ سیاسیات کے عنوان کے تحت " اتحاد کے پردے میں انتشار" نے کافی متاثر کیا، اس کے ایک ایک لفظ سے آپ کے دل میں ملی اتحاد کے لئے مچلتی ہوئی خواہش کی عکاسی ہوتی ہے، کاش ہمارے عمائدین وقت کی نزاکت کا احساس کرتے ہوئے متحد ہوکر ملی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کریں، امید کہ مع الخیر ہوں گے

والسلام۔ خیراندیش محمد نظام الدین

برہان پور

بھائی فیروز الدین صاحب
سلام وخلوص

تازہ شمارہ نظر نواز ہوا، ماشاءاللہ رگ سنگ دن بدن خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے، اجابت دعا کے عنوان سے جو مضمون شائع ہوا ہے نہایت مفید اور معلوماتی ہونے کے ساتھ ساتھ روحانی سکون دینے والا ہے، انجم عثمانی کا مختصر افسانہ "حل" خاصے تعمیری انداز کا حامل ہے، میری طرف سے انجم صاحب کو مبارکباد پیش کر دیجئے حصۂ نظم بھی خاستھرا اور معیاری ہے۔ "قطرہ سمندر میں" سلیمان سالک صاحب کے مضمون کی قسط کی کمی شدت سے محسوس ہوئی، امید کہ آئندہ ضرور شائع کریں گے،

خدا کرے آپ مع الخیر ہوں والسلام
خیر طلب، علاؤ الدین
چوک، برہان پور

●

پٹنہ

مکرمی ایڈیٹر صاحب رگ سنگ کانپور
السلام علیکم

ایک دوست کے یہاں آپ کا موقر جریدہ دیکھنے کو ملا، سرسری مطالعے کے بعد مجبور ہو نا پڑا کہ اس پرچہ کو باقاعدہ پڑھا جائے ــــ سیرت کے عنوان سے نہایت عمدہ نمبر شائع فرمایا ہے، تہ دل سے مبارکباد دیتا ہوں، سیرت نمبر کا ہر مضمون نظم و نثر اپنی جگہ نہایت موثر اور معیاری ہے، میرے دوسرے ساتھیوں نے بھی پڑھا سب نے پسند کیا، براہ کرم میرے پتہ پر رگ سنگ کا اگلا شمارہ وی، پی کر دیں اور ملتان رکھیں کہ وی، پی وصول کر لی جائے گی، میں کوشش کروں گا کہ حلقۂ احباب میں کچھ اور لوگوں کو خریداری پر آمادہ کر دوں

والسلام فقط
آپ کا عبدالحفیظ مستری
صادق پور، گلزار باغ، پٹنہ

●

مین پوری

جناب ایڈیٹر صاحب رگ سنگ کانپور
السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

جون کا شمارہ کافی انتظار کے بعد ملا یقین کیجئے بڑی شدت سے انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گیا تھا، ادھر کچھ دنوں سے تاخیر کا یہ سلسلہ برابر چل رہا ہے، ممکن ہے کہ اس تاخیر میں کچھ ایسی دشواریاں حائل ہو جاتی ہوں، جن پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہو لیکن میں بھی مجبور ہوں کہ مجھ پر رگ سنگ کے انتظار کی مدت شاق گذرتی ہے، معذرت خواہی کے ساتھ عرض ہے کہ آئندہ کے لئے کوشش کیجئے اور پرچہ وقت پر شائع کیجئے، نہ معلوم مجھ جیسے کتنے لوگوں کو یہ چیز شاق گذرتی ہو، کم از کم آپکو اپنے پڑھنے والوں کے جذبات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یقین فرمائیں کہ یہ سب بربنائے خلوص تحریر کیا گیا ہے مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ میری اپنی پسندیدہ چیز پسندیدہ ہی رہے۔ والسلام

خلوص کار عبدالرشید

سوالات وجوابات

علامہ معلومی کے قلم سے

لیجئے جواب حاضر ہے

عین الدین خاں (علیگ، اعظم گڈھ)

س۔ غالبؔ کا کوئی ایسا شعر سنائیے جو ان کے مزاج کو پوری طرح واضح کر دے۔

ج۔ سنئے:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

س۔ کیا غالبؔ کو بھی شاعرِ مشرق کہا جا سکتا ہے؟

ج۔ کیوں نہیں، اقبالؔ نے غالبؔ کو گوئٹے کا ہم پلہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

آہ تو اجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشن ویمر میں تیرا ہمنوا خوابیدہ ہے

س۔ کیا اقبالؔ اور غالبؔ میں کوئی مماثلت پائی جاتی ہے اگر پائی جاتی ہے تو کیا؟

ج۔ مشکل پسندی اور تصوراتی انفرادیت کے لحاظ سے غالبؔ اور اقبالؔ بڑی حد تک ایک دوسرے کے مماثل ہیں۔

رفیق عالم (بمبئی)

س۔ کیا آپ کو فلمی سوال بھی بھیجے جا سکتے ہیں؟

ج۔ جی نہیں! فلم اور اس کے متعلقات ہمارا موضوع نہیں ہیں۔

س۔ رگِ سنگ دن بدن نکھرتا جا رہا ہے ۔؟

ج۔ قدر افزائی کا شکریہ!

س۔ رگِ سنگ کی تعداد اشاعت کیا ہے؟

ج۔ بحمد اللہ ہماری اور آپ کی توقعات سے کہیں زیادہ

معین الحق۔ بستی

س۔ زکوٰۃ نمبر اور سیرت نمبر کی طرح آپ رگِ سنگ کا حج نمبر بھی کیوں نہیں نکالتے؟

ج۔ توجہ دہانی کیلئے شکریہ! ہم آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔

س۔ اس بار سیرت نمبر خاصا پسند آیا۔

ج۔ پسندیدگی کا شکریہ! یہ سب کچھ اللہ کی توفیق کا نتیجہ ہے

قمر ادیب ۔ باندہ

س۔ کیا بات ہے کہ رگ سنگ تاخیر سے پہونچ رہا ہے؟

ج۔ کیا عرض کروں۔ ہمیں خود اس کا احساس ہے لیکن کچھ ایسی دشواریاں تھیں کہ جن کی وجہ سے یہ ناگفتہ بہ صورت حال پیش آئی۔ بہرحال ہم کوشاں ہیں کہ رگ سنگ اپنی سابقہ باقاعدگی پر واپس آجائے۔

س۔ افسانے اور حقیقت میں کیا فرق ہے؟

ج۔ وہی جو کاغذی اور اصلی پھول میں ہوتا ہے۔

س۔ تحقیقی ادب کے مقابلہ میں افسانوی ادب کیوں زیادہ پسندیدہ ہے؟

ج۔ اس لئے کہ تحقیقی ادب غور و فکر کا متقاضی ہے، جبکہ افسانوی ادب ذہنی تفریح کا سامان فراہم کرتا ہے۔

عبیدالحسن زیدی (ایڈووکیٹ) اندور

س۔ کیا فیض احمد فیض واقعی غلط گو شاعر ہیں، جیسا کہ جون کے شمارہ میں ندیم الواجدی صاحب نے ثابت کیا ہے؟

ج۔ ندیم الواجدی صاحب نے فیض احمد فیض کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے، اس کے بارے میں ہماری رائے جانے بغیر آپ فیصلہ کرنے میں آزاد ہیں۔

س۔ فیض احمد فیض کے بارے میں ندیم الواجدی صاحب کے مضمون کی تردید میں اگر کوئی مضمون بھیجا جائے تو کیا آپ اسے شائع کردیں گے؟

ج۔ اگر سنجیدہ اور تحقیقی بحث کا حامل کوئی مضمون اس موضوع پر آئے گا تو ہم یقیناً اسے شائع کردیں گے۔

س۔ آخر ادب میں ترقی پسندی کو لوگ برا کیوں سمجھتے ہیں؟

ج۔ لوگ ترقی پسندی کو برا نہیں سمجھتے، بے راہ روی کو برا سمجھتے ہیں۔

نفیس الحسن ۔ کانپور

س۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ تحریک کے سلسلے میں آپ نے خود کو گرفتاری کے لئے پیش کیا اس کے لئے مبارکباد قبول فرمائیں۔

ج۔ مبارکباد کا شکریہ! لیکن میرے بھائی صرف مبارکباد دینے سے مسئلہ حل نہ ہوگا، تحریک آپ کا عملی تعاون بھی چاہتی ہے۔

س۔ کیا آپ کو امید ہے کہ یہ تحریک کامیاب ہوگی؟

ج۔ ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں، ناامیدی قوم مسلمانوں کے مسلک میں کفر کا درجہ رکھتی ہے اس سے تو آپ واقف ہی ہوں گے۔

س۔ جیل میں کیسی گذری؟

ج۔ الحمد للہ بخیر گذری!

ضروری تصحیح

رگ سنگ کے جون کے شمارے میں صفحہ ۱۵ پر جناب اختر بستوی کی نظم "فریب مکاں" شائع ہوئی تھی، غلطی سے اس پر موصوف کا نام اختر بستوی کے بجائے اختر بسوانی درج ہوگیا تھا، قارئین تصحیح فرمالیں۔ (ادارہ)

MONTHLY RAG-E-SANG
REGISTERED No. L. 1797
JULY 1973
Phones : 68820, 60472,
Registered with the Registrar of Newspapers R N. 19397/70

عزم ہو دل میں استوار اگر ہو رگ سنگ میں لہو پیدا (م۔ ستجلی)

بیت المال کا قیام، مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

ماہنامہ رگ سنگ کانپور

سال سوم • شمارہ (۱۳)

ماہ ستمبر ۷۳ء مطابق رجب ۹۳ھ

عام شمارہ ایک روپیہ۔ سالانہ دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ
برائے ترسیل زر
۸۹ / ۲۳ مکھنیا بازار ــــــ کان پور

فون:
۶۰۴۷۲
۶۳۸۸۳
۶۸۸۲۰

طابع، ناشر، مالک:- فیروز الدین بوبجہ
مطبوعہ:- لیتھو برقی پریس، نئی سڑک، کان پور

مدیر
فیروز الدین بوبجہ

معاون مدیر
شاہد سرور

سرورق ــــــ آرٹیکو

تزئین ــــــ ابن یونس

خطاط ــــــ ملک ابوالحسنات الاعظمی

۷۸۶

سرور کائنات اور سید المرسلین ؐ سے
بڑھ کر مسلمانوں کا کون آقا ہو سکتا ہے، لیکن خود اس نے
بھی جب عقبہ میں انصار سے بیعت لی تو فرمایا: وَالطَّاعَةُ فِی مَعْرُوفٍ۔ (میری اطاعت
تم پر اسی وقت تک کے لئے واجب ہے جبتک کہ میں تم کو نیکی کا حکم دوں) جب اس شہنشاہ کونین
کی اطاعت مسلمانوں پر نیکی و معروف کے ساتھ مشروط ہے تو پھر دنیا میں کون بادشاہ، کونسی
حکومت، کون سے پیشوا، کون سے رہنما اور کون سی قوتیں ایسی ہو
سکتی ہیں جنکی اطاعت ظلم و عدوان کے بعد بھی ہمارے لئے باقی رہے

مولانا ابوالکلام آزاد

اس شمارے میں

ملک کے طول و عرض میں
اپنی خصوصیت کیلئے
جانا پہچانا نام
جیمس فٹ ویر
شو مارکیٹ
آگرہ
فون :- 72509

اصطلاحی یا لغوی طور پر سوشلزم کے جو بھی معنی ہوں اور اس کے تحت چلنے والے نظام حکومت سے دوسرے ملکوں میں جو بھی نتائج برآمد ہوئے ہوں ان سے قطع نظر دیکھنے میں یہ آرہا ہے کہ ہندوستان میں، اس لفظ کے معنی ہیں سیاسی شعبدہ بازی، عوام فریبی، غریبوں اور مزدوروں کا ذہنی، فکری اور مادی استحصال، نیز چور بازاروں، ذخیرہ اندوزوں، رشوت خوروں اور عوامی زندگی سے بھیانک مذاق کرنے والوں کی سرپرستی وہمت افزائی۔

ملک آزاد ہوتے ہی آنجہانی پنڈت نہرو نے قوم کی غربت وپسماندگی کو دور کرنے کے لئے سوشلسٹ سماج قائم کرنے کا نعرہ لگایا تھا اور ملک میں پھیلی ہوئی بیکاری وبھکمری کے لئے سوشلزم کو نسخۂ شفا قرار دیا تھا۔ پھر اس نعرہ کی روشنی میں پنج سالہ منصوبوں کی ترتیب وتعمیل شروع ہوئی اور آج تقریباً پچیس سال گذرنے کے بعد ان کی بلند اقبال صاحبزادی اندرا گاندھی بھی سوشلزم اور سماج واد کی مالا جپ رہی ہیں، لیکن غربت وپسماندگی اور بھکمری وبیکاری نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ قائم ہے بلکہ وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ زیادہ ہولناک انداز میں ترقی کر رہی ہے، بنیادی ضرورتوں کی چیزیں غلہ، کپڑا، شکر، مٹی کا تیل اور ڈالڈا وغیرہ مہنگائی کے لحاظ سے ان حدوں کو چھو رہی ہیں جہاں پہونچ کر وہ غریبوں اور عام لوگوں کے لئے صرف آرزو کرنے کی چیزیں بن کر رہ جائیں گی، ان کو حاصل کرنے کی کوشش چاند تاروں کو چھو لینے کی خواہش کے مترادف ہو جائیگی۔ ہماری وزیر اعظم کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے کہ یہ صورتحال کیا ان کے وعدوں اور دعووں کی نفی نہیں کر رہی ہے جس کے نتیجہ میں عوام ان سے مایوس، برگشتہ اور متنفر ہوتے جا رہے ہیں، لوگ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی حکومت کے زیر سایہ سرکاری افسروں اور تاجروں کا ایک مخصوص مگر محدود تعین طبقہ ناجائز طریقہ پر دولت سمیٹنے میں مصروف ہے۔ ٹاٹا، برلا اور ان کی ذریات زندگی کے اہم اور کلیدی شعبوں پر حاوی ہے اور جب چاہتی ہے کروڑوں انسانوں کو قحط اور فاقہ کی دلدل میں ڈھکیل دیتی ہے۔ اپنی نااہلی اور بددیانتی کو چھپانے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے سرکاری حلقوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ حکومت کے پاس کوئی جادو کی چھڑی یا الہ دین کا چراغ نہیں ہے جس کی مدد سے راتوں رات سوشلزم برپا کر کے لوگوں کی روٹی، روزی کا بندوبست کر دیا جائے۔ لیکن سوال کیا جا سکتا ہے

کہ آخر وہ کون سی جادو کی چھڑی ہے کہ جس کی بدولت سماج دشمن اور استحصال پسند طبقے راتوں رات لکھ پتی سے کروڑ پتی بنتے جا رہے ہیں۔

آج ہر شخص کی زبان پر یہ سوالات ہیں کہ آخر یہ کیسا سوشلزم ہے کہ جس کی کارفرمائی عام لوگوں کے چولھوں کی گرمی اور پیٹ کی ٹھنڈک کو دن بدن کم کرتی جا رہی ہے۔ سماج واد کی یہ کون سی قسم ہے کہ جس کے زیرِ سایہ محض زندگی قائم رکھنے کے لئے روٹی کا حصول ایک ہیبتناک سوالیہ نشان بنتا جا رہا ہے۔ ایک فلاحی معاشرہ قائم کرنے کے دعوے کا یہ کیسی الٹی دلیل ہے کہ عوام غربت اور پستی کی عمیق گہرائیوں میں گرتے جا رہے ہیں اور ترقی و خوشحالی ایک مخصوص و محدود حلقے کی جاگیر بنتی جا رہی ہے۔

محترمہ اندرا بتائیں کہ آیا یہی آپ کا سوشلزم ہے کہ جس میں قانون و انصاف کے دو پیمانے مقرر کئے گئے ہیں اور ان پیمانوں کے دائرہ میں مسلسل ۲۵ رسال سے مسلمانوں کے ساتھ انصاف کے نام پر ناانصافی اور قانون کے نام پر لاقانونیت برتی جا رہی ہے کیا یہی آپ کا سوشلزم ہے کہ جس نے مسلمانوں کو دوسرے درجہ کا شہری بنا کر ان کی تعمیری قوتوں کو مفلوج کر دیا ہے، فرقہ وارانہ فسادات ہوں یا اردو اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا مسئلہ، محض اس جرم میں کہ چونکہ ان مسائل کا تعلق مسلمانوں سے ہے ان کے لئے انصاف و قانون کا دوسرا معیار کارفرما ہے، کیا یہ بات غلط ہے کہ آپ نے پارلیمانی انتخاب ۱۹۷۱ء کے موقع پر مسلمانوں سے اردو کی بقا و ترقی اقلیتی تعلیمی اداروں خصوصاً مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی انفرادی خصوصیت برقرار رکھتے ہوئے انھیں ترقی دینے، ایک اردو یونیورسٹی قائم کرنے اور مسلمانوں کو سرکاری ملازمتوں میں مناسب نمائندگی دینے کا وعدہ کیا تھا اور یہ ساری باتیں آپ نے کانگریس کے انتخابی منشور میں شامل کی تھیں جس کے نتیجہ میں ملک کی اکثریت بالخصوص مسلمانوں نے آپ کی بھرپور تائید کر کے آپ کے انتخابی اعلانات کی توثیق کر دی تھی، لیکن کرسی اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد آپ نے وہ سارے وعدے اور اعلانات بھلا کر بلکہ ان کے بالکل برعکس مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق ایکٹ ۱۹۷۲ء پاس کر کے ایک عجیب و غریب سوشلزم سے ملک کو روشناس کر لیا ہے، ایک ذمہ دار حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے تغافل پسندی اور ہٹ دھرمی کی یہ ادائیں آپ کو زیب نہیں دیتیں۔ نشۂ اقتدار کی دھن میں کیا آپ نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہے کہ اعزازِ اقتدار کی مسند تک پہونچانے والوں کی بیزاری اور احتساب مغرور اور خودسر حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کر کے گمنامی کے کباڑ خانے میں پھینک دینے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا ہو لیکن جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ ان زخموں کو کیسے فراموش کر سکتے ہیں جو آپ کے اور آپ کی حکومت کے ہاتھوں لگائے گئے ہیں، اب ایک ہی سوراغ ہے ان کا دوبارہ ڈسلے۔ ممکن ہے آپ کے حسین وعدوں کا بھرم کھل چکا ہے اور آپ کی پرکشش شخصیت کا طلسم ٹوٹ چکا ہے، آئندہ آپ کیسے ہی لوگوں کو ساتھ لیکر کسی بھی روپ میں سامنے آئیں لوگ یہی کہیں گے

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش ؛ من انداز قدت را می شناسم

لکھنؤ ڈسٹرکٹ جیل میں تین ۳ ہفتے

فیروز [illegible]

دفعہ ۱۴۴ توڑنے پر انتہائی یعنی زیادہ سے زیادہ ایک ماہ کی سزا دی جاسکتی ہے اور انتہائی جرمانہ زیادہ سے زیادہ دو سو روپئے دیتے ہیں سٹی مجسٹریٹ نے جیل ہی میں عدالت بنائی، پچاس روپیہ جرمانہ اور عدم ادائگی جرمانہ پر ایک ماہ کی سزا، ظاہر ہے یہ قانون کے خلاف بات تھی کیونکہ اگر جرمانہ چوتھائی کیا تھا تو سزا بھی زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کی ہونی چاہئے تھی، سب نے خندہ پیشانی سے اس سزا کو قبول کیا اور مجسٹریٹ معراجی نیز حکومت کے خلاف نعرے لگاتے ہوئے واپس چلے آئے مگر ہمارے وکلاء نے سشن میں کیس دائر کردیا غالباً حکومت کا مقصد یہ تھا کہ جرمانہ کم سے کم رکھا جائے اور سزا زیادہ سے زیادہ تاکہ لوگ جرمانہ ادا کردیں اور اس طرح تحریک مردہ ہوجائیگی مگر اس جنون میں اس قانونی سقم کو نظر انداز کردیا گیا، مگر بقول مولانا ابوالکلام آزاد " عدالتیں ناانصافی کا قدیم ذریعہ ہیں " سشن میں ہماری رٹ خارج ہوگئی ہمارے وکلاء نے فوراً ہائی کورٹ میں اپیل کردی، فی الوقت تو ہائی کورٹس کم از کم سرکاری اثرات سے محفوظ ہی ہیں گو آگے کے لئے کوئی یقین دہانی نہیں کی جاسکتی۔

اس سلسلہ میں کئی بار پیشی کیلئے کچہری جانا پڑا۔ سارے مجاہدین تو جاتے نہیں تھے، کبھی کوئی چلا جاتا کبھی کوئی ـــــــ کچہری کے لان میں درختوں کے سائے میں ـــــــ دفتر مسلم مجلس کی دریاں بچھ جاتی تھیں، اہالیان لکھنؤ کی فطری مہمان نوازی کے مناظر سامنے آنے لگتے، خربوزے تربوز۔ پھل اور برف کا پانی وغیرہ ہر وقت موجود رہتا، حفاظت کی ذمہ دار پولیس اطمینان سے بیٹھی رہتی، جانتی تھی کہ کوئی بھی فرار نہیں ہوگا، لوگ اپنے اپنے گھروں میں ہو آتے، اعزا سے مل لیتے، امین آباد کے ہوٹل اور حضرت گنج کے کافی ہاؤس کی سیر ہوجاتی، آخر وقت میں سب یکجا ہوجاتے اور جیل کی گاڑی میں بیٹھ کر جیل واپس ہوجاتے، ہم نے ایک دن پولیس والوں سے پوچھا کہ اگر کوئی فرار ہوجائے تو؟ اس نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ " صاحب ایک تو آپ لوگ بھاگنے والے نہیں، ہمارے سینے پر مونگ دلتے رہیں گے، یہ ہمیں معلوم ہے دیگر یہ کہ کوئی بھاگ جائے تو بھاگ جائے کوئی ہتھکڑی تو نہیں

نہیں ہے جو ہم ذمہ دار ہوں، اس سلسلہ میں اس نے ایک لطیفہ سنایا کہ کس طرح تھانے کے ایک منشی جی ایک ملزم کو ہتھکڑیاں باندھے عدالت لئے جا رہے تھے، اثنار راہ میں ملزم نے رفع حاجت کی خواہش ظاہر کی، منشی جی نے ایک پبلک باتھ روم میں اسے رفع حاجت کیلئے اجازت دیدی اور خود باہر ہتھکڑی والی رسی تھام کر کھڑے ہو گئے۔ ملزم نے کسی طرح ہاتھ سے ہتھکڑی نکال دی اور اسے باتھ روم کے نل سے اٹکا کر خود پیچھے کی طرف سے فرار ہو گیا، منشی جی بار بار رسی کو جھٹکا دیکر ملزم کو باہر آنے کا اشارہ کرتے رہے جب کافی دیر ہو گئی تو اندر جا کر دیکھا کہ ملزم نادارد، ہتھکڑی نل سے اٹکی ہوئی ہے۔

بقول شخصے "تاریخ عالم کی سب سے بڑی ناانصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں میں ہی ہوئی ہیں" ملاحظہ کیجئے جن سنگھ اور کمیونسٹ جب دفعہ ۱۴۴ توڑتے ہیں تو انکو صرف تابر خاست عدالت کی ہی سزا دی جاتی ہے مگر ہم لوگوں کو انتہائی سزا دی گئی، بیشک اب وہ تکالیف اور صعوبتیں جیلوں میں نہیں ہیں جو انگریزی دور میں یا دشمن دور میں روا رکھی جاتی تھیں، وہ جذبات بھی نہیں رہے مگر ان دلوں کو کون بدل سکتا ہے جن میں نفرتیں بھر دی گئی ہوں، اس انصاف کو آپ کیونکر انصاف کہیں گے جس نے دو پیمانے بنا رکھے ہیں۔ دیگر یونیورسٹیوں میں کیا کچھ نہیں ہوا جبکہ مسلم یونیورسٹی میں ان کا عشر عشیر بھی نہیں ہوا مگر طلبار مسلم یونیورسٹی پر ڈی، آئی، آر چلائی جا رہی ہے۔ مانو ان طلبہ نے جیسے بغاوت کر دی ہے۔

زوال پذیر حکمرانوں کی عقلیں سلب کر لی جاتی ہیں تو وہ اختلاف رائے کو بغاوت ہی سمجھتے ہیں، طلبائے مسلم یونیورسٹی کے حال زبوں پر کون مسلم یا انصاف پسند غیر مسلم کی آنکھیں خون کے آنسو نہیں رو رہی ہیں، ان چند نیشنلسٹ مسلمانوں کو جانے دیجئے جن کے دلوں میں ایمان کا کمزور ترین درجہ بھی باقی نہیں رہا کہ وہ بری باتوں کو اگر ہاتھوں سے روک نہیں سکتے اور زبان سے برا بھی نہیں کہہ سکتے تو کم از کم دل سے تو برا سمجھیں، ظاہر ہے کہ اگر دل سے ہی برا سمجھیں تو تحریک چلانے والوں پر روز نت نئے الزامات اور بہتان تراشیاں تو نہ کریں۔

جیلر رائے صاحب سے کافی دوستی ہو گئی تھی، انھوں نے ہمکو چند سہولیات دیں، ہم نے بھی ان کو چند سہولتیں دیں، اسپورٹنگ آدمی تھے، والی بال اکثر ساتھ ہی کھیلتے مگر ــ "مگر" یہ ایک سوالیہ نشان ہے، کیونکہ مجھے ٹالسٹائی کا ایک جملہ یاد آ رہا ہے کہ قیدیوں کو اپنے ووٹ سے جیلر منتخب کرنے کا اختیار مل جائے تو وہ آزاد نہ ہو جاتے۔

ایک لیڈر قسم کے صاحب جو دوسری جماعت سے تعلق رکھتے ہیں وہ بھی پہنچے۔ تحریک کے بارے میں فرمانے لگے کہ ڈاکٹر فریدی نے بہت دیر کر دی یہ تحریک سال بھر پہلے چلانی چاہیے تھی۔ ہم نے عرض کیا، جناب اس وقت کے انتخاب پر تو ہمیں اپنے قائد پر فخر ہے، کیا آپ چاہتے ہیں کہ جس وقت ہندوستانی عوام اور حکمران بنگلہ دیش کی فتح کے نشہ میں سرشار تھے اور اندرا جی دیوی کے سمان پوجی جا رہی تھیں، اس وقت ڈاکٹر فریدی اس تحریک کو شروع کرتے تاکہ آج جو غیر مسلم حضرات و دیگر جماعتوں کی حمایت ملی ہے وہ بھی نہ ملتی اور حکمراں طبقہ بہت آسانی کے ساتھ اس تحریک کو کچل دیتا ــ۔ آدمی تھے سمجھدار، پھر انھوں نے بحث برائے بحث کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خوشدلی سے یہ بات مان لی۔

اب مجاہد مینا کے گھروں سے خطوں کی بارش ہونے لگی تھی، بیشتر خطوط ایسے تھے جن میں مخاطب کے جذبے کو سراہا گیا تھا، منظور احمد شمسی رام پور والوں کے والد صاحب قبلہ پر فالج کا اثر ہو گیا، ظاہر ہے یہ حالت کافی تشویشناک تھی، مگر اس باعزم مجاہد نے جانے سے صاف انکار کر دیا، بولے اب سب کچھ اللہ میاں پر چھوڑ دیا ہے، اگر خدا نخواستہ وقت آ گیا ہے تو میں بھی جا کر کیا کر سکتا ہوں اور اگر راحم خدائے تعالیٰ نے ان کو بچانا چاہا تو ان کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوگا۔

ایک صاحب کی شادی کی تاریخیں طے ہو چکی تھیں مگر وہ جیل چلے آئے، دوران اسیری وہ تاریخیں بھی گذر گئیں ان کے خسر محترم نے جو نامۂ تبریک بھیجا تھا اور جس قسم کے جذبات کا اظہار کیا تھا وہ بس پڑھنے ہی سے تعلق رکھتا تھا سننے والوں تک کو ان پر فخر محسوس ہونے لگا تھا۔

جس کمرے میں ڈاکٹر صاحب اور ہم لوگوں کا قیام تھا اس کی چھت کافی مخدوش تھی، کتنی ہی کھپریلیں غائب تھیں اور کتنی ہی ایسی تھیں کہ کسی وقت بھی ان کے گرنے کا احتمال تھا، خصوصاً ڈاکٹر صاحب کے پلنگ کے عین اوپر چند کھپریلیں بڑی خطرناک حالت میں رکھی ہوئی تھیں، سپرنٹنڈنٹ نعل صاحب اور جیلر رائے صاحب اس صورت حال سے کافی پریشان تھے، ایک دن چند معمار قیدیوں نے آ کر ان کو ٹھیک کرنے کی کوشش کی، جس دن انھوں نے ٹھیک کیا اسی دن رات میں ایک بے مثال طوفان آیا، بے مثال ہم اس لئے لکھ رہے ہیں کہ اس سے پہلے ہمیں اتنی بڑی اور کھلی جگہ میں رہتے ہوئے کسی طوفان یا آندھی سے سابقہ نہیں پڑا تھا، غضبناک ہوا، بجلی کی زبردست چمک، بارش کی بھیانک تیزی، ہم لوگ متواتر اذانیں دیتے رہے، کچھ لوگ تو اتنے سہم گئے تھے کہ بات کرو تو معلوم ہوتا تھا کہ اب روئے تب روئے، بلند آوازوں سے ہم لوگ اپنے اللہ سے رحم کی درخواست کر رہے تھے۔

ڈاکٹر صاحب شب میں بھی کمرے کے اندر استراحت فرماتے تھے، ہم لوگ تو باہر لان میں سویا کرتے تھے، اتنا زبردست پانی برسا کہ بیشتر لوگ کمروں کے اندر چلے گئے مگر کمروں میں بلا مبالغہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ اوپر کوئی چھت ہی نہیں ہے، ڈاکٹر صاحب رات بھر ایک چھاتہ لئے بستر کے ایک کونے میں سکڑے ہوئے بیٹھے رہے، ان کی یہ حالت دیکھ کر کون سی ایسی آنکھ تھی جو نم نہیں ہوئی اور کون سا دل ایسا تھا جو اپنا دکھ نہ بھول گیا ہو۔ خدا خدا کر کے تاریکی دور ہوئی ابھی پو بھی نہ پھٹی تھی کہ جیلر رائے صاحب بھاگے بھاگے ڈاکٹر فریدی کی خیریت پوچھنے آئے، یہاں کی حالت دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد سوپر لال صاحب ہانپتے کانپتے اسی فرض ناخوشگوار کو انجام دینے چلے آئے اب ان لوگوں نے یہاں کی ناگفتہ بہ حالت دیکھ کر اصرار کیا کہ قائد ملت سوپر کے آفس سے متصل کمرے میں جہاں ساری سہولیات میسر ہیں چلے چلیں مگر قائد ملت نے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ وہ ہرگز نہ جائیں گے۔

سول سرجن صاحب تشریف لائے وہ ڈاکٹر صاحب کے پڑوسی بھی ہیں اور ڈاکٹر صاحب کی بے حد قدر ان کے فن کی وجہ سے کرتے ہیں، انھوں نے کمرہ کی حالت دیکھ کر فیصلہ سنایا کہ وہ ڈاکٹر فریدی کو کسی بھی حالت میں اس کمرے میں نہیں رہنے دیں گے، اسپتال لے جائیں گے، مگر

اس حوصلہ مند رہنما نے صاف انکار کر دیا، سول سرجن صاحب بولے، بحیثیت فریدی تم خواہ کچھ کرو مگر میں اس کو برداشت نہیں کر سکتا کہ عظیم ڈاکٹر فریدی ایسی غلیظ جگہ میں اس کسمپرسی کے عالم میں جان دے۔ ڈاکٹر فریدی ہنس ہنس کر ان کے اصرار کو باتوں میں اڑانے کی کوشش کرتے رہے، سول سرجن صاحب نے انتہائی اپنائیت اور پیار سے ملامت کی کہ تمہارا یہ مقام تو نہیں ہے، تم کو کس چیز کی کمی ہے؟ تم کیوں اس سیاست اور احتجاج وغیرہ کے چکر میں پڑ گئے؟ فریدی میں بیان نہیں کر سکتا کہ تم کو اس خستہ اور غلیظ ماحول میں دیکھ کر کیا محسوس کر رہا ہوں" — قائد ملت ذرا دیر تو چپ رہے جیسے کسی کشمکش کا شکار ہوں پھر سول سرجن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بیحد سنجیدہ آواز میں بولے " بیشک ڈاکٹر مجھے ذاتی طور پر کسی چیز کی کمی نہیں، میرے اللہ نے مجھے سب کچھ دیا ہے، مگر دوست! مجھ میں اور تم میں ایک بنیادی فرق ہے، تمھاری قوم کا کوئی مسئلہ نہیں جبکہ میری قوم کے بنیادی مسائل ہی بیشمار ہیں اور ہر آنے والا دن ان میں برابر اضافہ ہی کرتا جاتا ہے، میں کیونکر مطمئن ہو کر بیٹھ سکتا ہوں" میں نے محسوس کیا کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں اور یہ تو میری طرح سب نے محسوس کیا کہ سول سرجن صاحب نے نگاہیں نیچی کر لیں اور بولے "اچھا فریدی! اب چلتا ہوں"

دوسرے دن کارپوریشن کی طرف سے چیف انجینئر صاحب مع اپنے دو تین مددگار انجینئروں کے آ دھمکے باعث کہ پوری عمارت میں باقاعدہ مرمت کی اجازت مل گئی تھی، غالباً سول سرجن صاحب کا انتباہ کام آیا ہوگا چلیے اس بہانے دیگر قیدیوں کی جانیں تو محفوظ ہو جائینگی

محترم مولانا ابوالحسن علی ندوی (علی میاں) بھی تشریف لائے، ان کی تشریف آوری سے ہم لوگوں کو واقعی بڑی تقویت ملی، ان کے آنے سے سرکاری مسلمانوں کے اس الزام کی بھی قلعی کھل گئی کہ مولانا موصوف کو اس تحریک سے اختلاف ہے، موصوف محترم نے مجاہدین کی بہت ستائش کی اور اس بات کی تلقین کی کہ اس وقت کو بیکار نہ گنوا کر مطالعہ کے ذریعہ کارآمد بنائیے، اس سلسلہ میں ان کی لکھی ہوئی بیشمار کتب تقسیم کی گئیں، جماعت اسلامی والے بھی کافی سرگرم رہے قرآن شریف مع ہندی، اردو تراجم بڑی تعداد میں تقسیم کئے گئے خصوصاً غیر مسلمین کو جنھوں نے بڑے ذوق واحترام سے لئے، اللہ میاں ان لوگوں کو جزائے خیر دیں، واقعی بڑی لگن سے کام کرتے ہیں، ڈاکٹر فریدی نے شاید سچ ہی کہا تھا کہ " یوپی میں جماعت کے تین سو کارکن مجھے دیدو پھر میں دکھا دوں کہ میں کیا کر سکتا ہوں — اسی دن جے رام ورما بھی تشریف لائے، سہارن پور سے ایک وفد چند حضرات پر مشتمل آیا جس میں ماہنامہ "الزبیر" کے مدیر بھی تھے، یہ پہلے مسلم لیگ میں تھے اب چھوڑ کر مسلم مجلس میں آنا چاہتے تھے اگر ان کی خواہش تھی کہ ڈاکٹر فریدی کے ہاتھوں ممبر بنیں گے، ڈاکٹر صاحب نے ان کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے ان کو بھی ممبر بنا دیا، ہم لوگوں نے ان سے سوال کیا کہ آپ لیگ کیوں چھوڑ رہے ہیں؟ تو انھوں نے انکشاف کیا کہ سہارن پور میں لوگ ہم سے سوال کرتے تھے کہ یونیورسٹی کے لیے لیگ کیا کر رہی ہے تو ہم لوگوں نے جواب دیا کہ ہم نے دہلی میں ایک عظیم الشان مظاہرہ کیا لوگوں نے سوال کیا کہ خود کو گرفتار کیوں نہیں کرایا؟ تو لیگ کے ذمہ داروں نے جواب دیا کہ ہم مسلمانوں کو کسی تکلیف

میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے، تو اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ آخر وہ کس ماں باپ کے لال ہیں جو ڈاکٹر فریدی کی قیادت میں جیل کاٹ رہے ہیں؟

اس وفد کا کہنا تھا کہ:

"ہم لوگ بھی لیگ کی پالیسی سے مطمئن نہیں تھے اس لئے ہم نے لیگ چھوڑی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

صوبے کے ہر حصے سے جوق در جوق، گروہ در گروہ لوگ چلے آرہے تھے، ڈاکٹر فریدی کے تئیں ان کی محبت دیکھ کر ہم سب کافی متاثر تھے۔

اکثر میں نے سوچا کہ لوگ قائد ملت سے اس قدر محبت کیوں کرتے ہیں؟

خود ہی دل نے جواب دیا ——— آج کتنے ایسے رہنما ہیں جو قوم کا پیسہ کھاتے ہیں اور کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتے ——— ان لوگوں کے بالمقابل ڈاکٹر فریدی کی شخصیت ہے جو خود اپنا پیسہ قوم پر خرچ کرتے ہیں، اپنی نازک صحت کی طرف سے بھی لاپرواہ ہو جاتے ہیں، ایسے لوگ کتنے ہیں؟ ذرا انگلیوں پر گن تو ڈالیے

باقی آئندہ

سیاسیات

سیاست کی کارفرمائیاں

(ادارہ)

یہ بات ابھی ذہنوں میں تازہ ہوگی کہ ہندوستان میں بسنے والی اقلیتوں خصوصاً مسلمانوں اور ہریجنوں کے خلاف حکومت اور اکثریت کی پیہم زیادتیوں اور مسلسل ناانصافیوں سے پریشان ہو کر قائد ملت ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی نے اب سے چند سال پیشتر لکھنؤ میں ایک کل ہند اقلیتی کنونشن منعقد کر کے سیاسی سطح پر ایک اقلیتی فیڈریشن بنانے کی تجویز پیش کی تھی، کنونشن کی بے مثال کامیابی اور مجوزہ فیڈریشن سے حاصل ہونے والے فوائد برآمد ہونے والے دور رس نتائج اور پیدا ہونے والی انقلابی صورت حال کا اندازہ کر کے جن سنگھ کی صفوں میں اضطراب کی لہریں اٹھیں اور اس کے صف اول کے لیڈروں، اٹل بہاری باجپئی، بلراج مدھوک اور نانا راؤ دیش مکھ نے یکے بعد دیگرے منعقدہ کنونشن پر اظہار ناپسندیدگی کرتے ہوئے یہ کہہ کر مسلمانوں سے انتقام لینے کا اشارہ دیا کہ فریدی صاحب ہندوؤں، اور اچھوتوں کے مابین افتراق پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور کمال ہوشیاری اور پوری چابکدستی کے ساتھ شیعہ سنی مسائل، کو ہوا دیکر لکھنؤ کو فساد بین المسلمین کے جہنم میں جھونک دیا تھا ہمارے نزدیک جن سنگھ کے مذکورہ لیڈر اِس لحاظ سے قابل رشک اور لائق تحسین ہیں کہ انھوں نے جس چیز کو اپنے نقطۂ نظر سے اپنے فرقہ کیلئے مضر اور نقصان دہ سمجھا، فوراً اس کے خلاف سرگرم عمل ہوگئے اور اسی وقت دم لیا جب ان کا مرتبہ منصوبہ کامیابی سے ہمکنار ہوگیا اور لکھنؤ کے مسلمان خود اپنے ہاتھوں لگائے ہوئے زخم چاٹنے پر مجبور ہوگئے، انقلابی میدان سے دور ہٹ گئے، مسلمانوں کے لئے ان کے اس طرز عمل میں عبرت و بصیرت کے بیشمار گوشے ہیں، کاش ان گوشوں کو نگاہ میں رکھا جاتا۔

تجربات و واقعات گواہ ہیں کہ کانگریس نے بھی ہمیشہ انھیں حربوں کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کیا ہے جو جن سنگھی فکر و تدبر کی فیکٹری میں ڈھلتے رہے ہیں، فرق صرف اتنا رہا ہے کہ برانڈ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ وار کرنے کے انداز مختلف رہے ہیں، اس طرف سے ہر وار براہ راست اور بلا واسطہ ہوتا آیا ہے اور اس طرف سے بالواسطہ، کانگریس کی صفوں سے مسلمانوں پر وار کرنے کوئی بلراج مدھوک یا اٹل بہاری باجپئی نہیں نکلا، بلکہ یہاں کسی چھاگلا، کسی یادو جنگ، کسی نورالحسن یا کسی حمید دلوائی کو بطور آلۂ کار استعمال کیا گیا، اور کون نہیں

جاننا کہ ان کرائے کے بازؤں سے ملت اسلامیہ کے جسم پر جتنے بھی زخم لگے ہیں، انھوں نے ناسور کی صورت اختیار کر لی ہے

اردو کا قد رعنا ہو، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا پر شکوہ و دلآویز سراپا ہو یا مسلم پرسنل لا کا مقدس ہیولیٰ ہر جگہ چبھے ہوئے تیروں پر انھیں لوگوں کی انگلیوں کے نشانات پائے گئے ہیں جو توحید و رسالت سے وابستگی کے دعویدار ہیں۔

افسوس اسکا نہیں کہ دشمن درپئے آزار ہے اور نہ ہی اسکا افسوس ہے کہ حق کوشی وحق طلبی کی پاداش میں ہمیں تختۂ مشق ستم بنایا جا رہا ہے بلکہ افسوس اسکا ہے کہ ہمارے دلوں سے مومن کی فراست مفقود ہو گئی ہے۔ اسلام و ایمان کے داعی ہونے کے باوجود ہم بار بار ایک ہی سوراخ سے ڈسے جا رہے ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے متعلق حکومت کے آمرانہ وغاصبانہ فیصلے اور اقدام کے برخلاف جب ہندوستان اور بالخصوص اتر پردیش کے مسلمانوں کے دلوں میں کانگریس سے نفرت اور بیزاری کی ایک شدید لہر اٹھی اور اپنی مدافعت کا جذبہ پیدا ہوا اور جب کو علی گڑھ، فیروز آباد اور بنارس میں ہولناک سرکاری تشدد نے مزید بڑھا دیا اور پھر نفرت و بیزاری کی اس لہر کو دلی کنونشن منعقدہ ماہ مارچ ۷۳ء میں مثبت فیصلوں کی رہنمائی کے ذریعہ ایک راستہ دکھایا گیا اور مئی ۷۳ء میں مسلم مجلس نے اس راستہ کی طرف لکھنؤ کی سرزمین پر پہلا قدم بڑھایا تو کانگریسی حلقوں اور حکومت کی صفوں میں بے چینی و اضطراب کی کیفیت پیدا ہو گئی اور ایک بار پھر افتراق بین المسلمین کے اس خوابیدہ فتنے کو بیدار کیا گیا ہے جسکو مسلمانوں نے مسلم یونیورسٹی پر کاری ضرب لگنے اور مسلم پرسنل لا پر مسلسل یلغار ہوتے دیکھ کر شدید خطرہ کے احساس اور متحدہ مدافعت کی خاطر گہری نیند سلا دیا تھا، یہ فتنہ مذہبی سطح پر سنی و دیوبندی عقائد کے اختلاف کے نام سے اور سیاسی میدان میں مسلم مجلس اور مسلم لیگ کی باہمی کشمکش کی صورت میں سرگرم عمل ہے، اس فتنہ کی کارفرمائی کا سب سے اہم اور قابل توجہ پہلو یہ ہے کہ ۱۹۶۹ء کا شیعہ سنی فساد بھی قائد ملت ڈاکٹر عبدالجلیل فریدی کی جد وجہد کو ناکام بنانے کی غرض سے برپا کیا گیا تھا اور ۷۳ء میں بھی فریدی صاحب ہی کے مفید اور انقلابی منصوبوں کو کالعدم کرنے کی خاطر یہ سازشی انداز اختیار کیا گیا ہے،

ماضی و حال کی نقصان دہ صورت حال کو پیش نظر رکھ کر یہ بات تمام مسلمانوں کے سوچنے کی ہے کہ کانگریسی حلقوں اور مسلم دشمن عناصر کی ان سازشوں کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ انھیں اس نکتہ پر تمام اختلافات سے بالاتر ہو کر غور کرنا چاہئے کہ آخر جب بھی فریدی صاحب مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں پر ہونے والے مظالم اور ناانصافیوں کے انسداد کے لئے کوئی تجویز اور پروگرام لیکر چلتے ہیں تو افتراق بین المسلمین کی ہوائیں کیوں تیز ہو جاتی ہیں اور ان ہواؤں کو تحریک کہاں سے ملتی ہے؟ وہ دیکھیں گے کہ اس فتنہ کاری کی تہہ میں حکومت اور کانگریس کے دل میں ۱۹۶۷ء کا فریدی صاحب کا وہ چبھتا ہوا کارنامہ ہے جس نے اتر پردیش ہی نہیں متعدد ریاستوں میں اسکے اقتدار کا جنازہ نکال دیا تھا۔

آج پھر ایسی ہی صورت حال سامنے ہے، فریدی صاحب نے مختلف سیاسی جماعتوں کو ہم آہنگ کر کے جدوجہد کا ایک انقلاب آفریں میدان ترتیب دیا ہے، جسکی کامیابی

ہم سے زیادہ خود کانگریسی حلقے یقین رکھتے ہیں جس کا ثبوت یہ ریشہ دوانیاں ہیں جو مسلمانوں کو آپس میں ٹکرانے ـ مختلف سمتوں میں منتشر کرنے اور اپنے خطرناک منصوبوں کی طرف سے ان کی توجہ ہٹانے کے لئے کی جارہی ہیں، ایسی صورت میں کیا یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمان متحد و متفق ہو کر ایک ایسی تحریک اور ایسی قیادت کو تقویت پہونچائیں جس کے تیوروں سے اقتدار کے ستون لرزہ بر اندام ہیں۔

یاد رکھئے شریمتی اندرا گاندھی کے آمرانہ تیور ملک اور مسلمان دونوں کے لئے کوئی اچھی علامت نہیں ہیں آج ہم مسلم یونیورسٹی کے لئے فریاد کر رہے ہیں کل ـــــ خدا نہ کرے ـــــ مسلم پرسنل لا پر بھی زد پڑنے کا امکان ہے۔
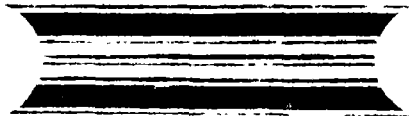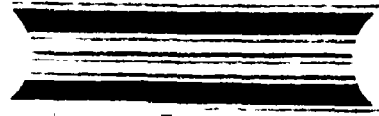
"تاریخ بار بار مواقع فراہم نہیں کرتی، نہ ہی غفلت کرنے والوں کو معاف کرتی ہے۔

اس لئے پورے خلوص و دل سوزی کے ساتھ ایسی راہ عمل متعین کیجئے جو مسلمانوں کو مربوط و متحد کر کے آنے والے خطرات کا کامیابی اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کر سکے

سمندر کی سطح پر اٹھتے ہوئے ہلکے ہلکے جھاگ کو دیکھ کر جو لوگ اپنی کشتیوں کیلئے صحیح رخ متعین کر لیتے ہیں وہی طوفان کی ہولناک تباہ کاریوں سے محفوظ رہتے ہیں ●

قطرہ سمندر میں

سلیمان سالک

یکم اپریل

حجاج کی اچھی خاصی تعداد رخصت ہو چکی ہے ، نیا حرم خالی رہتا ہے ، پرانے حرم میں بھی صفیں بیت اللہ کے اردگرد ہی پہونچ گئی ہیں ۔ فجر کی نماز میں میزاب کی طرف صف بندی ختم ہو چکی ہے ، آج فجر اور عصر کے بعد جو طواف میں نے کئے تو ہر طواف کے ہر شوط یعنی ہر چکر میں بآسانی حجرِ اسود کا دائیں ہاتھ اور لبوں سے استلام ہوا ، یہ خوش نصیبی پہلی بار میسر ہوئی ہے بنا کسی کو اینا اور تکلیف پہونچائے ہوئے

سعودی گورنمنٹ کے مدینہ جانے کے جو اخراجات حجاج کو سفر کے سلسلہ میں دینے پڑتے ہیں معلم آئے تھے اور وہ سب سے لے گئے ۔ کہہ گئے ہیں " آپ لوگ اپنا سامان تیار کر لیں ، کسی بھی وقت روانگی ہو سکتی ہے ۔"

کعبہ اور حرم کعبہ ، تہجد سے تا بہ اشراق ، راتوں کی رعب بھری روشنی ، لاکھوں آدمیوں کی دھوم دھڑکے کے باوجود ، پر وقار خاموشی اور عصر کے بعد ابابیلوں کے چہچے ، [illegible]
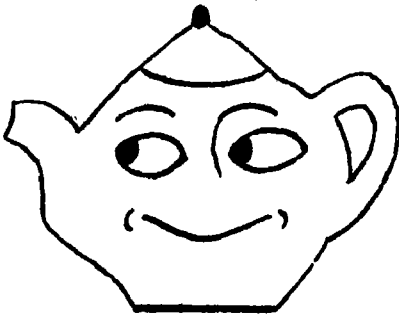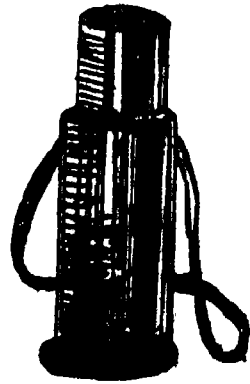
سب سے رخصت ہونے کا وقت قریب آرہا ہے ، اس لئے حرم سے اپنے وداع کو سوچ کر آنکھیں نم ہو جاتی ہیں ، اس ماحول نے دل کو مسخر کر لیا ہے ، یہاں متانت ، ادب ، احترام ہاتھ باندھے کھڑے ہیں ۔

○

۲ ر اپریل

دو پیالے ، دو کرتے ، ایک قمیص ، دو لنگی ، تین بنیان ، ایک شیروانی ۔ بس کپڑوں کا اتنا اسٹاک تھا ، شیروانی کی بمبئی کے بعد نوبت ہی نہیں آئی ، احرام کی چادروں کے بعد لنگی اور کرتے ہی کام آتے رہے ، تہجد کے وقت ایک لنگی اور ایک کرتا پانی میں تھوڑا سرف ڈال کر کھنگال لیا اور پھیلا دیا ، ایک لنگی ایک کرتا پہن کر چلے گئے ، دوسرے [illegible] کے پہلے لباس کے ساتھ یہی عمل کیا اور کل کا دھلا پہن کر چلے گئے ۔

ایک [illegible] سات کپڑے ایام حج میں [illegible]

لانڈری میں دیئے گئے اور اس سے دھلائی پوچھی تو ہر کپڑے کا ایک ریال ، بنیان نصف ریال ، گویا ایک کپڑے کی دھلائی ۲ روپئے ۵۰ پیسے (2/50) ، ہمت نہ پڑی اور یہ طریقہ اپنالیا ، آرام بھی رہا ، صاف ستھرے بھی رہے اور مہنگائی سے بھی بچ گئے ۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ کہ میں اس فقیرانہ وضع میں لطف بھی ملتا ہے اور آرام بھی ۔

●

۴ر اپریل

یا یہ حال تھا کہ حجر اسود کو چومنا الگ رہا ، قریب سے گذرنے کو ترستے تھے ، مطاف میں بس انسانوں کا ریلا طواف تھا ، زم زم پہ وہ دقتیں کہ پسینہ بہائے بغیر چند بوندیں آنکھوں میں لگانے کو میسر نہ آتیں ، نماز کے لئے جگہ کی وہ پریشانی کہ اگلی صف میں نمازی کی پیٹھ سجدہ گاہ تھی ، حطیم میں پہونچو تو تل دھرنے کو جگہ نہیں ، میزاب کے سائے میں قیام چند ساعت ناممکن ، مقام ابراہیم تنگ ، ملتزم پر ہفتوں گذر نہیں خدا سے واسطہ کیا تھا گویا کسی طفل عربدہ جو سے رابطہ تھا کہ

ادھر سے دِآہ بھری ، ادھر اس نے پتھر جڑ دیا

سو کارِ دل دیوانہ ام افتاد با طفلے
کہ ہر جا نالہ بر سیدار دایں . آں سنگ بردارد

یا اب یہ کرم ہے کہ ملتزم کی آغوش وا ہے ، جتنی دیر جی چاہے لپٹے رہئے ، مقام ابراہیم پر مصلے خالی ہیں ، جتنی نوافل — واجب الطواف جہاں جی چاہے پڑھئے ، حجر اسود کو چومتے جائیے اور طواف کرتے جائیے ، دعاؤں اور آیتوں کا سیلاب ہے کہ امڈتا چلا آتا ہے ، حرم اتنا کشادہ ہوگیا ہے کہ صفوں کے درمیان ایک لکیر چھوڑ چھوڑ کے جماعت کیلئے کھڑے ہوتے ہیں کعبہ کی صرف دو سمتوں میں فرض کے لئے جماعت کھڑی ہوتی ہے ، حرم میں کشاکش کا عالم بھی دیکھا اور اب کشادگی کا یہ منظر بھی سامنے ہے ، خوف و دہشت قطعاً باقی نہیں ، ذرہ ذرہ سے انس پیدا ہوگیا ہے ، معصیت بے پناہ کا حامل تھا اور شاید اسی لئے یہ مہربانیاں بھی ہیں کیونکہ

دریں جا منزلت ہر کس بقدر گنہ باید

لیکن اس لطف و عنایت میں ایک کھٹک بھی ہے اور وہ ماضی قریب میں رخصتی کی ہے ۔

کارِ ما آخر شد و آخر ز ما کامے نہ شد
مشتِ خاکِ ما غبارِ کوچۂ یارے نہ شد

●

۵ر اپریل

سوق اللیل کی چوڑی سڑک سے ایک گلی جاتی ہے اس گلی کو شعب علی کہتے ہیں ، یہیں چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مکان ہے ، اس مکان میں ہزاروں تبدیلیاں ہوئی ہیں ، وہ فرش وہ چھت وہ دیوار کہاں رہے کہاں ہو سکتی ہے ؟ لیکن جگہ وہی ہے ، یہ مکان وزارۃ المعارف کے قبضہ میں ہے ، یہاں حفظ قرآن کا ایک شبینہ مدرسہ قائم ہے ، مکان کا رخ گول ہے ، آس پاس سے اور چھوٹی گلیاں پھوٹی ہیں ، مکان لانبا ہے ، آج جمعہ ہے ، سرکاری چھٹی کی وجہ سے بند تھا ، اندر نہ جا سکا ۔

ایسے ہی حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے گھر پہ حاضری کی سعادت حاصل کی جمعہ کی وجہ سے یہ گھر بھی بند تھا ، یہ مکان بھی لڑکیوں کے مدرسہ کے کام آرہا ہے اور یہ بھی وزارۃ المعارف

کے زیر انتظام ہے ، موجودہ تعمیر ساٹھ ستر سال پہلے کی معلوم ہوتی ہے ایک بہت تپلی سی گلی میں ہے ، یہیں حضرت فاطمۃ الزہرا کی پیدائش ہوئی ، ہجرت کے قبل تک حضرت نبی کریمؐ کا قیام یہیں رہا ، محاصرہ بھی یہیں ہوا۔

حرم شریف کے پاس مروہ کے قریب دار ارقم پر بھی حاضری ہوئی ۔ اس مکان سے بڑا جذباتی لگاؤ محسوس ہوا ۔

حضرت ارقم رضؓ حضور کے مشہور جاں نثار صحابی ہیں ، آپ اسی مکان میں دین کی تعلیم خفیہ طور پر لوگوں کو دیتے تھے ، یہ اس وقت کی بات ہے جب ملت کمزور تھی ، اسی مکان میں مشورے بھی ہوتے تھے ، قریش کی بستی بھی قریب تھی اسی مکان میں حضرت عمر تلوار لئے آرہے تھے کہ توحید کے داعی کا چراغ زندگی گل کر دیا جائے اور حضرت حمزہ نے آنے کی خبر سنکر فرمایا تھا کہ آنے دو اگر سنجیدگی سے بات کریں گے تو ٹھیک ورنہ ہمارے پاس بھی تلوار ہے ـــ اور اسی مکان کو آتے ہوئے حضرت فاروق کو خبر ملی تھی کہ جناب پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے اور جب بہن کے گھر سے پلٹے تو حال ہی دوسرا تھا ، تلوار حضور کے پاؤں پر پڑی تھی اور آپ رسالت پہ ایمان لاچکے تھے ، آج ہی مکان کے سامنے میں کھڑا ہوا دیکھ رہا ہوں کسی اور زمانے کا خواب !

•

۶ / اپریل

ظہر کی نماز کے بعد ایک طواف کیا اور پھر واجب الطواف کی دو رکعتیں اور ان رکعتوں کے بعد زمزم پینے کے لئے سیڑھیوں سے اتر نے لگا ، چند روز قبل ان سیڑھیوں

پر گذرنا آدمیوں کی کثرت کی وجہ سے ممکن نہ تھا ، لیکن آج بالکل خالی پڑی تھیں ، سیڑھیوں کی لمبائی اتنی ہے کہ اگر ۲۵ ، ۳۰ آدمی ایک ساتھ صف باندھ کر اترنا چاہیں تو اتر سکتے ہیں ، سیڑھیوں کے بعد ایک برآمدہ نما کمرہ ہے اور تین طرف پانی پینے کے لئے ۳۰ ـ ۴۰ ٹونٹیاں لگی ہیں ، آدمی ٹونٹی کھول کر چلو سے پانی پیتا ہے ، ایک بڑی ٹنکی کو طاقتور موٹر چاہِ زم زم سے پانی گھسیٹ کر بھرا کرتا ہے ، ان ٹونٹیوں کا تعلق اسی ٹنکی سے ہے ۔

اسی برآمدہ سے ملا ہوا وہ کمرہ ہے جس کے وسط میں کنواں ہے ، کنویں کے تین طرف چمڑے کے ڈول ، گراریوں پر لٹکے ہیں ، آدمی اپنے ہاتھ سے ڈول گھسیٹتا ہے اور پانی سیر ہوکر ڈول میں منھ لگا کر پیتا ہے ، باقی پانی اپنے اوپر انڈیل لیتا ہے ، اور چل دیتا ہے ، کہ یہ سنت ہے اس کمرہ میں راڈ لگے ہیں ، کافی روشنی ہے آج دس بیس آدمی نظر آئے تو ہیں ، وہ دو روز قبل تک اس کمرہ میں قفل لگا رہتا تھا اور آدمی برآمدہ والی ٹونٹیوں سے پانی پی کر واپس ہو جاتا تھا۔

آج میں کنویں کی سطح دیکھ کر حیران رہ گیا اس کمرہ کی سطح زمین کے برابر ہوگی ، گرد میں ایک مدور حصار ہے جو پانی کو روکے ہے ، اگر یہ دیوار توڑ دی جائے تو پانی اس کمرہ کی زمین پر بہنے لگے گا ۔

پانی کتنا ہے ـــ ؟ کہا نہیں جا سکتا ایک روایت ہے کہ تھاہ نہیں ملی ، پانی کے استعمال کا جو عالم ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے ، جتنا بھی حاجی آتا ہے وہ اور باشندگان مکہ بھی پانی استعمال کرتے ہیں ، روزانہ ،

کر دروں ٹن اور موٹے موٹے نلوں سے موٹر کے ذریعہ پانی نکالا جاتا ہے اور پانی کی سطح ایک انچ بھی کم نہیں ہوتی اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ قرنوں اور صدیوں سے اخراج کا یہ عمل جاری ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ اسی حرم کے آس پاس پانی نکالنے کی کوشش مختلف موقعوں پر اور کبھی کی گئی مگر ناکامی رہی یہ واضح رہے کہ زمین پتھریلی ہے۔

اسی پانی سے حضرت ہاجرہ سیراب ہوئیں، ان کے بلند اقبال صاحبزادے نے استعمال کیا، قوم استعمال کرتی رہی، یہی پانی کعبۃ اللہ کی بنیادوں میں کام آیا اور آج بھی زیر تعمیر حرم میں استعمال ہو رہا ہے۔

زم زم اگر بھوک مٹانے کی نیت سے پیا جائے تو بھوک جاتی رہتی ہے۔ تشنگی رفع کرنے کی نیت ہو تو پیاس ختم ہوتی ہے۔ یہ علم کو نافع بناتا ہے اور رزق کو وسعت عطا کرتا ہے اور بیماروں کو شفا بھی، تجربہ بھی ہے۔

نشتر کا تو کہنا تھا کہ :

طواف کعبہ بے کیفیت سے ہو نہیں سکتا

اور اسی لئے انھوں نے اپنے اس وطیرہ کا اظہار کیا ہے کہ بھئی ہم تو ؎

ملا لیتے ہیں تھوڑی سی اگر زم زم بھی پیتے ہیں

•

۱۰ر اپریل

طے ہو گیا۔ ۱۱ر اپریل کو ہم لوگ مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کو روانہ ہو جائیں گے، صرف دو روز اور یہاں قیام کریں ——— نماز جمعہ پڑھ کر طواف وداع کریں گے

اور سنیچر ۱۲ر اپریل کا آفتاب ہم کو مدینہ طیبہ کے کھجوروں کے جھنڈ میں طلوع ہوگا، ان شاء اللہ۔

اس پاک سرزمین کا چھوڑنا اسقدر شاق گذر رہا ہے کہ جس کو کہا نہیں جا سکتا۔ نبی کریمؐ کی ہجرت ڈھارس دے رہی ہے۔ آپؐ پر بھی مکی زندگی کا ایک آخری دن آیا تھا اہل مکہ کے شدائد حد سے بڑھ گئے تھے، ظلم و تعدی کا طوفان سر سے اوپر ہو چکا تھا، محمدؐ اور اصحاب محمدؐ پر یہ سرزمین تنگ ہو چکی تھی کہ پیغمبر کو ہجرت کا حکم مل گیا۔

منکرین توحید و رسالت کے منصوبہ کی یہ سیاہ رات تھی، نبوت کا چراغ گل کرنا طے تھا، ساری چالیں ملالی گئی تھیں، نوک پلک دیکھی جا چکی تھی، جزئیات پر غور ہو چکا تھا، آدمی مقرر کئے جا چکے تھے کہ حضور نے اور ساتھیوں کو تو آگے بھیجدیا، حضرت علی باقی تھے، ان کو روک دیا تھا کہ امانتیں واپس کرکے وہ بھی چل دیں اور آپؐ نے حضرت علی سے فرمایا تم ہمارے بستر پر لیٹ جاؤ، خدا تم کو محفوظ رکھے گا۔ یہ مکان تھا حضرت خدیجہ کا — ہجرت تک آپ کا قیام اسی مکان میں رہا اور آپ مکان کے باہر محاصرین پر ایک مٹھی بھر خاک پھینک کر وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ پڑھتے ہوئے بیت اللہ کو رخصتی کے لئے گئے۔

باب السلام سے آپ خانۂ کعبہ میں داخل ہوئے آپ نے طواف کیا اور کعبہ سے مخاطب ہو کر فرمایا :

أَنْتَ أَحَبُّ بِلَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى
إِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَأَنْتَ أَحَبُّ
بِلَادِ اللّٰهِ تَعَالٰى إِلَيَّ وَلَوْ لَا أَنَّ

اَخْلَتْ اَخْرَجُوْنِیْ لَمْ اَخْرُجْ مِنْكِ

یعنی :-

تو اللہ کے تمام شہروں سے بڑھ کر اللہ کو محبوب اور تو اللہ تعالیٰ کے تمام شہروں سے بڑھ کر مجھ کو بھی محبوب ہے ، اگر تیرے لوگوں نے نکلنے پر مجھ کو مجبور نہ کر دیا ہوتا تو میں خود تجھ سے نہ نکلتا "۔

آپ انتہائی حزن ، انتہائی حسرت سے چل رہے تھے ، پھر صبر نہ آتا ، پیچھے مڑ کر اللہ کے گھر کو دیکھتے ، آنکھیں آنسوؤں سے تر ، دل پیغمبرانہ جذبات کا سمندر ، آپ باب وداع سے نکل کر حضرت صدیق کے گھر گئے ، ایک ہلکی سی دستک میں رفیق نبوت ساتھ تھے ، آخری رات کا حصہ جھلملاتے ستاروں کی چھاؤں میں صرف دو عظیم و جلیل انسانوں کا کارواں — ساکت و صامت — زیر لب سورۂ یٰسین تلاوت کرتا غار ثور کی جانب چل دیا ۔

غار ثور اور غار ثور تک — پہاڑی سنگلاخ رتیلا راستہ ، آج تو غار ثور کے نشیب تک وسیع و فراخ سڑک بنی ہوئی ہے ، راستے سے پہاڑیاں اڑا دی گئی ہیں ، ترتیب و تنظیم سے اس راہ کو آسان بنا دیا ہے ، لیکن گذشتہ کل — وہ کل جب کہ یہ سفر طے ہو رہا تھا — کتنا دشوار گذار ، کتنے درندوں کا مسکن تھا ، تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ذرا اس ٹریکٹر بلڈوزر کے دور سے باہر آ کے ، اونٹوں اور گھوڑوں کے دور میں سانس لیجئے ، قافلوں اور کارواں کے زمانے میں سوچئے اور شقدف اور محمل کی سواریوں کا تصور کیجئے پھر دیکھئے سارے خیالات کیا ہوتے ہیں ۔

پچھلی کسی تاریخ میں لکھ آیا ہوں کہ میں آج انسانی زمانہ اور دن کی روشنی میں اوپر نہ چڑھ سکا ، ہمت ہار کر آدھے راستے سے پلٹ آیا ، لیکن اس وقت جب رات کی ان دشواریوں کے ساتھ — انسانی کتے — ان لوگوں کی بو سونگھ کر گرفت میں لینے کو کوشاں تھے ، کیا حال رہا ہوگا ۔

بہر حال تین روز تک غار ثور ان کا مامن اور محفوظ رہا ، چپہ چپہ تلاش کیا گیا ، کونا کونا ڈھونڈا گیا ، گھر گھر ٹٹولا گیا ، پتہ نہ چلا ، قدموں کے نشانات کے ماہر ناکام رہے ، قدرت نے مکڑی کے جالے اور کبوتر کے گھونسلے جیسے کمزور سبب سے جستجو کنندگان کو دوسری راہ پر ڈال دیا ، آپ محفوظ رہے اور تین دن کے بعد اونٹوں پر سوار ہو کر مدینہ کو چل دئے ۔

ذرہ کو آفتاب سے ، لمحہ کو زمانے سے کیا نسبت ؟ گنہگار امتی کی پیغمبر کے رویہ سے مماثلت ہی کیا ؟ —— لیکن اتفاق ہے ، ہم بھی جمعہ ہی کے دن ۱۱ / اپریل کو اس جوار رحمت اور دیار برکت سے رخصت ہو رہے ہیں ۔

ڈیڑھ ماہ سے اوپر اس مقدس سرزمین میں ہم نے روحانی آسودگی سے بھرپور سانس لی ہے ، رزق کھایا ہے ، زمزم سے سیراب ہوئے ہیں — زندگی بھر میں اتنا طویل قیام کاروباری ضرورت یا تفریحی طور پر کہیں بھی نہیں رہا ، جہاں بھی رہا تکمیل مقصد کے بعد چند گھنٹے رہنا مشکل رہا ، لیکن یہاں نہ جانے کیوں طبیعت عجیب ہوئی اور نہ جی ہی گھبرایا ۔

بھرا بھرا رہا ، آسودہ شکم بھی ، تنہا بھی اور واقف کار دوستوں نے بھی گھیرا ، آنکھوں سے آنسو بھی بہے اور

لبوں نے تبسم کے پھول بکھیرے ——— بہرحال میں شکر گزار رہا اور اس کے لئے ہر کروٹ میں لذت ملی، ہر پہلو چین رہا جو آرزو کی پوری ہوئی، جو دعا کی باب اجابت نے شرف قبولیت بخشا ——— گھر یاد آیا، بچے یاد آئے، وطن کی تصویریں نگاہوں میں پھر گئیں ——— لیکن اموال و اولاد کے فتنہ سے، ان کی بھلائی کے ساتھ ساتھ اسی گھر میں عدم دخل اندازی کی دعا کی ——— اور یہ یادیں کافور کی طرح ذہن سے اڑ گئیں۔

نبی کریم ﷺ ——— مکہ سے چلے تو گئے تھے لیکن مکہ کی یاد، وطن کی یاد، اللہ کے گھر کی یاد، بے طرح مدینہ طیبہ کی سرزمین میں ستاتی رہی:

ابن عباس راوی ہیں، آپ مکہ کو مخاطب کرکے فرماتے:

"تجھ سے پاکیزہ کوئی شہر نہیں اور نہ کوئی شہر تجھ سے زیادہ مجھے محبوب ہے، اگر تیری قوم والوں نے مجھے نکال نہ دیا ہوتا تو میں تیرے سوا کہیں نہیں رہتا"

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ ما اطیبک من بلد واحبک الیّ ولو کان ان قومی اخرجونی منک ما سکنت غیرک (ترمذی)

ہمارا بھی عجیب حال ہے، ایک طرف مکہ چھوٹنے کا غم ——— ایک طرف مدینہ جانے کی خوشی، زہر اور آب حیات ایک ہی جام میں،

فراق اور وصل پہلو بہ پہلو، موت اور زندگی آگے پیچھے ——— کعبہ سیاہ پوش کی دوری اور گنبد خضراء کی قربت ——— الہی کیا کروں؟ وہ چہرہ کہاں سے لاؤں جو گریہ و تبسم کا مظاہرہ ایک وقت میں کر سکے!

مرا بہ عشق تو جاناں دو مشکل افتاد است!

●

۹ اپریل

فجر کی نماز کے بعد میں چائے پینے کے لئے حرم سے باہر آیا ——— تختوں پر عرب دوکاندار گرم چائے کافی اور ہلکے ناشتہ کا سامان، کیک بسکٹ، پیسٹری وغیرہ کی فروختگی میں مصروف تھے اور کبھی کبھی ——— "اہلاً وسہلاً یا حاج" کی صدا بھی گونج جاتی ——— میں نے ایک اسٹول پر بیٹھتے ہوئے دوکاندار سے کہا:

"شائی بالحلیب!

اور وہ ہماری دودھ والی چائے بنانے میں لگ گیا۔

سورج ابھی جبل "ابوقبیس" کے پیچھے تھا، روشنی پھیلنا شروع ہوئی تھی، چائے آگئی اور میں نے ایک گھونٹ لیا ——— میرے داہنے طرف صفا و مروہ کی نفیس عمارت تھی، میں نے سوچا، صرف کل کا دن بیچ میں ہے موقع ملے یا نہ ملے ——— ابھی تک بیت اللہ کا طواف کرتے رہے ہیں، آج پورے حرم کی عمارت کا طواف کر لیں سارے حرم کا بیرونی منظر، سڑک، دوکانیں، فاصلہ سب ہی لپیٹ میں آجائیگا ——— اور چائے پی کے میں پھر حرم میں گھس گیا، سورج بلند ہو چکا تھا، اشراق پڑھی

اور میں عمارت کے باہر باہر چکر لگانے کے لئے باب سعود سے نکل آیا اور چلنا شروع کر دیا۔

بڑی وسیع سڑک ہے اور سڑک کے سرے پر شاندار دوکانیں اچھے ہوٹل اور مکانات ہیں —— کہیں کہیں ان عمارات کے درمیان سے دوسرے بازاروں کے لئے راہیں بھی پھوٹی ہیں، عربی لکھاوٹ کے سائن بورڈ آویزاں ہیں اور میں طائرانہ نگاہ ڈالتا، حرم کی عمارت سے ملا چلتا رہا، پس منظر میں خشک پہاڑیاں ہیں اور پہاڑیوں پر پختہ مکانات ابھر رہے ہیں۔

پہلے —— حرم کی توسیع سے پہلے —

لوگ بتاتے ہیں کہ حرم سے بالکل ملے جلے، بے قرینہ اور بے سلیقہ عمارتیں تھیں اور جگہ بے حد تنگ —— جب نئی تعمیر کا سوال آیا تو یہ بھی مسئلہ تھا کہ جگہ کہاں سے لائی جائے؟ اور حل یہ رہا کہ نہ تو ڈی، آئی، آر، لگایا اور نہ قانون کا سہارا، اور نہ جبر یہ نیک کام کے لئے دے دینے کی بات ہی آئی —— کہا گیا، اپنا مکان بیچو — حکومت خرید لے گی، کیا لوگے؟ اور —— لا دہی اور لے دہی کی اسپرٹ سے دور منہ مانگے دام بھی مانگے تو حکومت نے اس سے زیادہ دے کر خرید لیا اور ایک دن میں وہ ساری عمارت ڈھیر، ملبہ، صاف! طرح طرح کے مشینی آلات میں —— میں نے خود دوسری جگہ ایک مکان کے سامنے بھیڑ دیکھی۔ ایک بلڈوزر اس مکان کو پیچھے ہٹ ہٹ کر دھکے دے دے کر گرا رہا تھا، عمارت سنگین تھی لیکن جب اسی راستے سے پھر پلٹا تو وہاں مکان کیا ایک اینٹ بھی نہ پائی۔

اس طرح حرم کے کشادگی کے لئے راستہ ہموار ہوا — پہاڑیاں اڑا دی گئیں، کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا اور میں چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں کہ اب بھی کام لگا ہوا ہے، ہزاروں مزدور آج بھی کام پر لگے ہیں۔ ایک گھنٹے سے زیادہ ہو گیا ہے چلتے ہوئے، دیکھتے ہوئے لیکن پورا راؤنڈ نہیں ہو سکا۔

میں چلتا ہی رہا اور اب پھر میں باب سعود پر آ رہا ہوں چپلیں ہاتھ میں لئے زم زم پہ گیا، پانی پیا، اور اب میں مقام ابراہیم پر بیٹھ کر ذرا تھکن رفع کر رہا ہوں۔

زندگی میں ہزار ہا عمارتیں دیکھی ہیں ——

قدیم بھی، جدید بھی —— اجاڑ بھی اور آباد بھی —— مختصر اور عریض بھی، لیکن جو بات حرم جدید میں نظر آئی ہے بلا مبالغہ کہیں نظر نہیں آئی —— ایک مسلمان کو ہر دینی چیز سے ایک جذباتی وابستگی ہوتی ہے، لیکن میں نے اس جذبہ کو اپنے دل سے بالکل علحدہ کر کے دیکھا اور اعتراف کرتا ہوں، منطقی اعتبار اور فنی طور پر تعمیر (جتنا میں سمجھتا ہوں) واقعی فائق اور ممتاز ہے۔

حرم میں ایک سمت تہہ خانہ بھی دیا ہے — بیت اللہ کی سطح پر جو حرم ہے وہ تو دیکھتا ہی رہا ہوں، کل حرم کی دوسری منزل پر بھی گیا تھا —— باعتبار شکوہ و جلال عجیب عالم رکھتا ہے۔ کشادگی اور وسعت کا اب یہ عالم ہے کہ دس بارہ لاکھ انسانی جم غفیر بآسانی جماعت کے ساتھ اپنے جذبۂ عبودیت کو تسکین دے سکتا ہے اور گھٹن، گھراؤ ایک لمحہ کو محسوس نہ ہوگا —— قدیم حرم اپنے وسط میں بیت اللہ کو لئے ہوئے ہے اور جدید حرم نے

قدیم حرم کو اپنے بیچوں بیچ لے لیا ہے ، پہاڑی کے حصہ سے سطح زمین کہیں بہت نیچی تھی اور کہیں بہت اونچی ، اس کو لیول پر لانے کے لئے تہہ خانہ سے کام لیا ہے ، لق و دق تہہ خانہ ہوادار اور روشن ——— اسطرح پہلی منزل ایک سطح پر آگئی ہے اور اوپر کی منزل بھی ایک لیول پر ہے ، چاروں طرف بال برابر کہیں فرق نہیں معلوم ہوتا ، پوری عمارت میں بلا کا استحکام ہے ، پلاسٹر میں جو مسالہ استعمال کیا ہے وہ سنگ مرمر اور موسیٰ کا آمیزہ معلوم ہوتا ہے ، اس سے زیادہ چمکدار چکنا اور خوش رنگ ۔

میں عمارت کا نہ تو فن ہی جانتا ہوں اور نہ میرے سامنے تعمیری تفصیلات ہی ہیں ۔ نہ خاکہ نہ نقشہ ——— حرم کی چو طرفہ بیرونی شاہراہ بعض جگہ پہاڑ اڑا کر بنائی ہے تو اس سے عمارت کی اونچان سڑک کے برابر آگئی ہے اور کہیں نشیب تہہ خانہ کی سطح تک ہے تو اس وقت کو قابو میں لینے کے لئے پلوں سے کام لیا ہے ، کہیں نیچے ٹریفک گذر رہا ہے اوپر سے حرم کا راستہ ہے ——— اور کہیں اوپر ٹریفک گذر رہا ہے اور نیچے سے حرم کا راستہ ہے

یہ تعمیر مرحوم ابن سعود عبدالعزیز کے خوابوں کی تعبیر ہے ——— ۵۵ء میں مرحوم نے خود کام کی ابتداء کی تھی ، بعد میں ان کے صاحبزادے سعود نے کام کو آگے بڑھایا ، اب فیصل نے تو حق ادا کر دیا ہے لاگت کھربوں سے آگے بڑھ گئی ہے ——— حال ہی میں ہم نے پڑھا تھا کہ صرف مسجد نبوی کی اب مزید توسیع کے لئے حیدرآباد کے انجینئر نے جو تخمینہ دیا ہے وہ بارہ ارب روپیہ کا ہے اور شاہ نے اس کو پسند کر لیا ہے ، تو پھر مکہ کی تعمیر تو کہیں زیادہ بڑی ہے کھربوں کی بات غلط نہ ہوگا ،

صفا و مروہ کی دوڑان اب موجودہ حرم کا ایک حصہ ہو گیا ہے ، سعی کرنے والوں کو نہ دھوپ سے واسطہ نہ بارش سے علاقہ ——— فرش بے حد نفیس ہے ، چھت بے حد عمدہ ——— انتہائی ہوادار اور روشن بیچ میں ایک گیلری دیدی ہے ، مروہ سے صفا اور صفا سے مروہ تک ——— جس سے معذور حضرات ہاتھ کی گاڑیوں سے سعی کرتے ہیں ۔

حرم میں جانے کے لئے چاروں طرف کئی بلند و بالا باب ہیں ، تعمیر کے فن کا نادر نمونہ اور جدید طرز تعمیر کا دل خوش کن شاہکار ——— ایک باب سے دوسرے باب تک دیوار اور دروں اور کھمبوں کا وہ عالم کہ ——— شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل ۔

مغل دور میں ہندوستان کی بعض عمارتوں کے اندر فنکاروں نے "گونج" اور "صدائے بازگشت" کی صنعت رکھی ہے ——— کسی جگہ آواز فوراً پلٹ آتی ہے اور کہیں ایک مخصوص وقفہ کے بعد ——— بیجاپور کے گول گنبد میں تو یہ صنعت کمال کی حد تک پہونچا دی ہے بعض جگہ ——— اس قدر آواز کی اٹھان کا دیواروں میں وصف ہے کہ اگر سوئی بھی گرے تو اس کی آواز محسوس ہو جائے ——— لیکن اس حرم سے یہ دونوں چیزیں خارج کر دی گئی ہیں ، گونج اور صدائے بازگشت یہاں انجماد پیدا ہی نہیں کرتا ، حرم کے جس حصہ میں بھی آپ ہوں امام کی قرأت کا حرف حرف واضح اور صاف سنائی دے گا ——— لاؤڈ اسپیکر کا جال پورے حرم میں پھیلا ہے

ہر جگہ بآسانی آپ لطف اندوز ہوں گے

حرم کے طرز تعمیر میں مغربیت کا کہیں شائبہ نہیں ابھی مکہ میں بہت سی عمارتیں اور مکانات مغربی طرز سے متاثر ہیں لیکن حرم اس سے علاوہ ہے ــــــ کوئی طرز اور قدامت کا بھی پرتو نہیں ــــــ ہندوستان کے تاج محل کی لطافت تو لے لی ہے مگر نسوانیت خارج کر دی ہے، آگرہ کے قلعہ کا شکوہ، دہلی کی جامع مسجد کی نفاست اور لال قلعہ کا وقار یہاں پانی بھر رہا ہے ــــــ مسجد نمرہ، مسجد خیف کے منارے کوفی طرز کے ہیں اور شاید پچھلے دور میں یہ طرز یہاں عام تھا، ترکوں کے حرم کے منارے بھی اسی ڈھنگ کے ہیں اور چھوٹے بھی ہیں اور نامناسب ہیں لیکن موجودہ مناروں نے مغل دور کے مناروں کی بناوٹ، قطب مینار کی بلندی، تاج کے مناروں کا تناسب اور سڈول پن کو اپنے اندر سمو لیا ہے جس سے مناروں کی عظمت بے پناہ ہو گئی ہے ــــــ یہ منارے ثبت اور پہلو دار ہیں۔

مسجد قرطبہ دنیا کی حسین و جمیل مسجدوں میں منفرد ہے، فرانس کی سیاحت میں اموی تاجداروں کے اس تحفہ کی جسے انھوں نے موجودہ دور کو دیا ہے علامہ اقبالؒ نے زیارت کی، علامہ اقبال اس کی ساخت اور حسن سے اتنا متاثر ہوئے کہ "بال جبریل" میں ایک نادر الوجود اور بے مثال نظم لکھی، نظم پرکاری، فن کاری اور تاثر روانئ خیالات اور احساس و خلوص کا مجموعہ ہے، جیسی بے پناہ ہیبت قرطبہ میں ہے ویسا ہی حال نظم کا ہے اور پھر علامہ مرحوم کا اسلوب، حقیقت ہے کہ خراج کا حق ادا کر دیا ہے ــــــ میرے پاس وہ سب کچھ کہاں جس سے حرم کے بارے میں اپنے احساس کو کماحقہٗ ظاہر کر سکوں، قدرت بھی نہیں کہ اس چھوٹے سے خاکے میں اس عظیم و جلیل حرم کا معمولی پرتو کی جھلک بھی دکھا سکوں

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار

کاش علامہ اقبال ہوتے، حج کی آرزو پوری ہوتی تو اردو ادب اور دینی مزاج جگمگا اٹھتا۔

چاروں طرف سے حرم کا فرش اتنا دیدہ زیب اتنا خوبصورت اور اتنا خلوص سے بھرا ہے کہ آدمی دیکھ کے اندر کھنچ جاتا ہے ــــــ اور اندر اس کے بیشمار ستون، بے گنتی محرابیں، بے انتہا دروازے چمکدار دیواریں، منقش چھتیں مبہوت بنا دیتی ہیں تعمیر اس قدر ہے کہ پیشانی از خود زمیں بوس ہونے کے لیے مجبور ہو جاتی ہے، ہر طرف سے ہر رخ سے، ہر زاویہ سے اللہ کا گھر سامنے ہوتا ہے، انسانی سینہ کی عقیدت قلب کی نیاز مندی دیکھ کر ابلنے لگتی ہے۔

اربوں اور کھربوں روپیہ صرف ہو چکے ہیں اور ابھی صرف ہونا باقی ہے ــــــ جزیرۂ عرب نے بھی اپنی سونے کی کانیں اور پٹرول کے زمینی ذخیروں سے اپنا منہ کھول دیا ہے، جزیرہ دے رہا ہے اور حکومت خرچ کر رہی ہے، خدا اس حکومت کو برقرار رکھے جس نے عام مسلمانوں کی لاج رکھ لی ہے اور دائمی خدمت کے سلسلہ میں خدا اور اس کے رسول سے انصاف کیا ہے۔

حرم کا ماحول اسرار سے بھرا ہوا ہے، جذبہ جلال اور عشق سے معمور ہے، یہ صفات صدیوں کی محنت اور لگن کا مرہونِ منت نہیں، یہ تخلیق نظم ربانی کی ایک شکل

ہے جو زندہ کو منور کئے ہے ۔ شب و روز کے آٹھوں پہر اپنا اپنا جدا گانہ رنگ رکھتے ہیں ، دن کو وقار و تمکنت کی بارش ہوتی ہے اور رات میں لطافت و عنایت کی ۔ توحید اس گھر کا بنیادی پتھر ہے ، یہ پتھر کعبہ کی بنیادوں میں ہے بیت اللہ کے غلاف میں ہے ، حجر اسود پہ ہے ، مقام ابراہیم پہ ہے ، رکن یمانی میں ، میزاب میں ، حطیم میں ملتزم میں ہے ، اسی توحید کی جھلک آج بھی پوری ملکی زندگی میں نظر آتی ہے ، تمدن ، سیاست ، رہائش ، برتاؤ طور و طریق ، رنگ ڈھنگ ، لباس ——— غرض ہر چیز میں اسی توحید کی چھاپ ہے ، یہی توحید اس پورے حصہ میں نظر آتی ہے ، دنیا کی کوئی عمارت اس سلسلہ میں اس عمارت کے ہم پلہ نہیں اور نہ سہیم و شریک ۔

●

۱۰ اپریل

آج رات کو ۸ بجے یہاں کی گھڑیوں سے اور کانپور کی گھڑیوں کے مطابق ۲ بجے آنکھ کھل گئی فوراً عشاء بعد سو بھی گیا تھا ، نیند پوری ہو چکی تھی ، جھپکے سے اٹھا ، حوائج سے فراغت کے بعد غسل کیا ، طبیعت شاد ہوگئی اور حرم پہونچ گیا ، چھ طواف کئے ، واجب الطواف بھی مقام ابراہیم پہ ادا کرتا رہا ——— اور پھر ایک ایک جگہ ، حطیم پہ ، میزاب پہ نوافل پڑھتا رہا ، ہر طواف کے ہر شوط پہ حجر اسود پہ بلا کاوش و کوشش استلام ہوتا رہا ، اور پھر ——— ملتزم سے لپٹ گیا ، تہجد کی اذان ہونے والی تھی ، غلاف کے اندر سر چھپا لیا ، او جناب باری میں عرض کی ۔

"پروردگار ! ہم تیرے دربار کے لائق نہ تھے ، لیکن تو نے نوازا ، سرفراز کیا ، تیری ہی طلبی پر کھنچے ہوئے چلے آئے ، ہمت اور توانائی کا تو دینے والا تھا جہاں صرف خیال پہونچتا تھا ، عملاً پہونچا دیا ، ہماری پیشانی اس پاک مقام پہ سجدوں کے قابل نہ تھی ، لیکن تو نے یہ سعادت بخش دی ، دل تیری یاد سے خالی تھا ، اس کو تو نے اپنی محبت کے لئے چن لیا ۔

غفورٌ رحیم ! سفر کا حوصلہ بخش کے ایک ایک گناہ کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا ، عرفات میں طفل نو زائیدہ جیسا معصوم کر دیا ——— سوچ بھی نہ سکتا تھا ، اس گناہ آلود دنیا میں کوئی ایسا وقت بھی آئیگا جب کاندھے سے یہ گھناؤنا بوجھ اتر جائے گا ۔

مولا ! تیرے آستانے کی خیر ! تیرے حرم کی رونق میں اضافہ ہو ! تیرے گھر کے خدمت گذاروں کی عمریں دراز ، ہم سے جیسی عبادت ہونی چاہئے تھی نہ ہوسکی ، تیرے حرم کا حق ہم سے ادا نہ ہوسکا اس وادی کے رات دن کا ہم اعزاز نہ کرسکے ، ایک ایک ذرہ پہ دل نچھاور کر دینا چاہئے تھا ، لیکن نہ ہوسکا ۔ ہمکو اپنی کمزوری کا اعتراف ہے پروردگار ! ۔ جو کچھ ہوسکا ہے اس کو قبول فرما لے اور جو نہیں ہوسکا اسکو معاف فرما دے ۔

داتا ! تیری چوکھٹ پہ سر رگڑنے ایک بھکاری آیا تھا جس کا دامن تار تار تھا ، تیرے بڑے دربار ، تیری بخشش و عطاء کے لائق اسکے پاس جھولی بھی نہ تھی ، پھر بھی تو نے بہت کچھ دیا ، دل کا طمینان

روح کے سکون سے بھی تو نے اتنا نوازا کہ کسی کی یاد تک نہ آئی

اے اللہ! اب ہم اس مقدس سرزمین کا رخ کر رہے ہیں جس نے تیرے محبوب پیمبر کو سختی کے دنوں میں سہارا دیا ——— اے اللہ! ہم کو اس قابل بنا دے کہ ہم وہاں کا حق ادا کر سکیں ———

اے ذو الجلال! تیرے محبوب کے دربار کی ذرا سی لغزش ذرا سی چوک تیرے غیظ و غضب کا سبب بن سکتی ہے، ہم کو محتاط رہنے کی توفیق بخش ——— اے اللہ! ہم کو وہاں کا اہل بنا دے!

اے مقلب القلوب! اس بستی میں قیام کو ذرا طویل بنا دے، جتنا بھی مناسب ہو اے اللہ ہمارے دل کو اپنے لئے اور اپنے رسول کی محبت کے لئے چن لے ——— اور

بر سینۂ غم پذیر من رحمت کن
بر جان و دل اسیر من رحمت کن
بر پائے خرابات رو من بخشائے
بر دست پیالہ گیر من رحمت کن

پروردگار! روسیاہ مدینہ کو چلا ہے، چہرہ روشن کر دے کہ تیرے محبوب کی سرکار میں جا رہا ہے سینہ چاک، دل فگار سفر کر رہا ہے، سلیقہ بخش کہ تیرے رسول کی رسوائی کا سبب نہ ہو،

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

تہجد کی اذان ہونے لگی اور میں نے لحاف سے سر نکال لیا۔

•

۱۱ اپریل

آج جمعہ کا دن ہے، خیال تھا کہ آج روانگی ہوگی، معلم نے بس کی بڑی کوشش کی اور "التوفیق" کی کوئی بس نہ مل سکی، سامان سب پہلے ٹرکوں پر جدہ بھیج دیا ہے، ایک ہولڈال، ایک اٹیچی، صرف یہ زاد سفر ہے، اور کچھ کاغذات اور کتابیں! بس

آج جمعہ کی نماز میں حرم شریف کے اندر عرب زیادہ اور غیر عرب کم نظر آئے، حرم کی ہماہمی، مجمع کی یلغار، باقی نہیں رہ گئی، اس عالم میں بھی بڑا لطف آ رہا ہے، غالباً آج جانا نہ ہوگا۔

•

۱۲ اپریل

سنیچر کا دن ہے، آج بھی معلم کے آدمی کترا کر نکل رہے ہیں، بس کا انتظام نہیں ہو پا رہا ہے، لوگ کثرت سے واپس جا رہے ہیں، دل اضطراب کا شکار ہے، میں نے ٹیکسی سے جانا چاہا ساتھی نہیں چھوڑ رہے ہیں اور وہ ٹیکسی لیجانے کی مقدرت نہیں رکھتے۔

•

۱۳ اپریل

لوگ جوق در جوق مدینہ طیبہ جا رہے ہیں، جیسے

بلا کشان محبت بہ کوئے یار روند

بالکل اسی طرح ۔

پروردگار ! ان کی منزل آسان فرما ، ہمارا جانا آج بھی نہ ہوگا لیکن دل اضطراب کا شکار ہے ۔ آج شام کو معلم نے بتایا ، کل آپ لوگوں کی قطعی روانگی ہے ۔

ہائے اللہ !

۱۴ اپریل

روز فراق ہی یوم وصال ہے ، غم کی انتہائے حد ہی سرخوشی کا نقطۂ آغاز ہے ــــ کاروان مرتب ہو رہا ہے ، قافلہ کوچ کی تیاریوں میں ہے ، کجاوے کسے جا رہے ہیں ، آواز ذرا بلند ہو رہی ہے ــــ آج مکہ معظمہ میں ہمارا آخری دن ہے ، ہر سانس یہاں کی آخری سانس اور ہر لمحہ آخری لمحہ ہے ــــ اب یہ دلکش موذن کی اذان ، اب یہ جگر سوز امام کی قرأت سماعت میں نہ آسکے گی کان اس لحن کو سننے کیلئے ترسیں گے ــــ ڈوبتے سورج سے پہلے ہم یہ سرزمین مقدس ، یہ وادی غیر ذی زرع ، یہ حضرت ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی آباد کردہ بستی چھوڑ دیں گے اور نیا ماہتاب اس راستہ پر طلوع ہوگا جو دیار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جاتا ہے ۔

کوئی ہمارے کان میں کہتا ہے ؛

مکہ اگر نہ چھوٹے تو مدینہ کا دیدار کیسے ہو رب اللہ کا فراق ہی گنبد خضرا کا وصال ہے حزن و یاس کیوں ہے یہ تو ایک دربار سے دوسرے دربار میں رسائی ہے ، کہ کی ڈبڈبائی آنکھیں مدینہ کے نظاروں کا لطف لیں گی ، سرزمین مکہ سے اٹھا ہوا آخری قدم مدینہ منورہ کی منزل پر پہونچ کر راہ کی گرد فنا کرے گا ! ۔

اور اس آواز سے دل بے صبر کو ڈھارس ملتی ہے ۔

کعبہ پر پہلی عظمت آفریں نگاہ سے لیکر آخری حسرت بھری نظر تک زمزم کے جرعۂ اولیں سے لیکر آج کے اس پانی کے آخری قطرہ تک ــــ اسود کے پہلے استلام سے لیکر آخری بوسہ تک تلبیہ کے پہلے ترانہ سے لیکر وداع کے آخری دف تک ــــ ایک داستان ہے سوز و گدازکی ، ایک قصہ ہے درد و اضطراب کا جسے اور کہانیوں کی طرح نہ کہا ہی جا سکتا ہے اور نہ سنا ہی جا سکتا ہے ــــ کس طرح کہوں کہ یہ زندگی کے آٹھ دس ہفتے کس طرح گذرے ہیں ــــ آج ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے میں اپنے کاندھے پہ اپنی پچھلی زندگی کا جنازہ لے کر آیا تھا اور یہاں دفن کر کے سبکدوش ہو گیا ہوں اور ہلکا پھلکا واپس ہو رہا ہوں ۔

آنسوؤں کی یہ بوندیں ، ہونٹوں کی یہ کپکپی ، اس قیدی پرندہ کا جوش و خروش نہیں جسے صیاد کی مرضی آزاد فضا میں سانس لینے کا موقع فراہم کر رہی ہے ، بلکہ ہنگامہ میں اس افسوس کا اظہار ہے کہ زندگی کا ایک معتدبہ حصہ بغیر گرفتاری کے کیوں گذر گیا ۔

نالہ از بہر رہائی نکند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار نبود

شاید یہاں اسی احساس کو جگانے کے لئے سینہ
میں ایسی ہی چنگاریاں بھرنے کیلئے طلب کیا جاتا ہے، جس
گذشتہ زندگی کو میں متاع گراں سمجھتا تھا اب معلوم ہوتا ہے
وہ زندگی تھی ہی کہاں؟ وہ تو خواب تھا، آنکھ تو اب
کھلی ہے ــــ اور اب سوچ رہا ہوں، وہ اندوختہ
کہاں پھینکوں جو فسق و فجور، سیم و زر، عجب و ریا،
کے سوا اور کچھ نہیں؟

من کہ عمرے بہ ہوس پیروی دل کردم
عمر بگذشت و ندانم کہ چہ حاصل کردم

یوں تو کئی دن سے حرم سے واپسی کا
تصور کر رہا تھا، روز لوگوں کو رخصت ہوتے دیکھتا تھا تو
کلیجہ منہ کو آتا تھا کہ آخر یہ وقت ہم پر بھی آئیگا، لیکن دل
کو تسکین دے لیتے تھے: کون ابھی آج جانا ہے ــــ
لیکن آج وہ دن آ ہی گیا، جو افتاد اوروں کے سر
تھی اس سے خود کو سابقہ پڑ ہی گیا۔ اب؟

آج دل صبح ہی سے بجھا بجھا سا ہے، ذرا ذرا
سی بات پر آنسوؤں کا پیمانہ چھلک پڑتا ہے، ہر ہر جگہ کو حسرت
و یاس سے دیکھ رہا ہوں، طواف میں گھوم رہا ہوں، نفل
پڑھ رہا ہوں، جی امنڈنے لگا، لوگوں سے حال چھپا
رہا ہوں ــــ یہ سفر کوئی لانبا سفر نہیں، ہر سال آیا
جا سکتا ہے، صحت بھی ٹھیک ہے، پیسے بھی ہیں، لیکن
سوال تو ان پابندیوں کا ہے جو ایک ملک نے دوسرے ملک
پر عائد کر رکھی ہیں ــــ ان وقتوں کا ہے جو اسٹرلنگ
کی مشکلات بتائی جاتی ہیں۔ ان پابندیوں کا ہے جو سیاسی
مصلحتوں نے عائد کی ہیں ــــ آدمی بے بس ہے
رونا اسی بے بسی کا ہے!

اللہ اللہ! چہ بلائیست کہ چوں ماتیاں
من جدا گریہ کنم، دیدہ خونبار جدا

•

۱۵ اپریل

ظہر کے بعد معلم کے مکان پر مدینہ چلنے کے
لئے بس آ گئی تھی ــــ طے تھا کہ عصر کے بعد بس روانہ
ہو جائے گی، بس پر لوگ اپنا سامان رکھ کر، جگہ بنا کر
ادھر ادھر ہو گئے، عصر کا وقت بھی آ گیا اور لوگ حرم
چلے گئے تا کہ عصر پڑھ کر چل دیں۔

نہ جانے کیا ہوا؟ ــــ عصر پڑھ کر
جب چلنے لگے تو ڈرائیور نے کہا: آپ لوگ مغرب بھی یہیں پڑھ
لیجئے اور فوراً آ جائیے بس چل دے گی۔

ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور حاصل عمر ــــ
میں فوراً پلٹ کر پھر حرم چلا گیا اور اب طبیعت بہت
بے اختیار تھی، عصر کے بعد میں طواف وداع کر چکا تھا
اب صرف حرم میں آخری سانسیں لینے کا ایک موقع اور
مل گیا تھا۔

حرم میں مغرب کی نماز تک یہ وقت کیسے گذرا
ہے، نہ پوچھئے ــــ زندگی کی ساری مسرتیں
اس ایک گھنٹہ کی دلسوزی پر قربان کی جا سکتی ہیں ــــ
مغرب کی اذان ہوئی، اقامت ہوا، اور نماز ہوئی، نماز میں
سسکیاں گھٹ رہی تھیں، نماز پڑھ کر آخری بار حرم سے
پلٹ کر الٹے پیروں واپس ہونے لگا، پھر یہ احساس
پیدا تھا کہ کیا زندگی، حالات اور صحت مستقبل میں پھر آنے

کی اجازت دی گئی ؟

نکلتے ہوئے آنسوؤں کو لاکھ چھپاتا رہا، سسکیاں لاکھ دباتا رہا لیکن لوگ سمجھ ہی رہے تھے کہ اس کا بخت بیدار ہو گیا ہے۔ میں صحن کی روش طے کرتا رہا ــــ الٹے پیر چلا ــــ اور حسرت سے اللہ کے گھر کو دیکھتا رہا باب السلام میں آیا، پھر ٹھہر گیا، پھر صفا و مروہ کی عمارت میں آیا، پھر بھی نظر بیت اللہ سے نہ ہٹی، پھر باہر آ گیا، اب کعبہ اوجھل تھا ــــ حرم کی بلند و بالا عمارت مڑ مڑ کے دیکھتا رہا، راستہ کے ایک موڑ نے یہ عمارت بھی چھپا دی۔ ایک منارہ اب بھی نظر آ رہا تھا، بتیاں ابھی روشن تھیں۔ اب یہ منارہ بھی اوجھل، جلتی بتیوں کی روشنی چھپ گئی تھی اور ــــ اب تاریکی

بس تیار کھڑی تھی۔ سواریاں گنی جا رہی تھیں اپنی سیٹ پر میں بھی بیٹھ گیا ــــ چند منٹوں بعد ڈرائیور نے سلف دبایا، انجن گھڑگھڑایا، ڈرائیور نے گیئر لیا، بس چل دی۔

ساری بس کی سواریاں خاموش، ہر شخص پر رخصتی کے اثرات طاری ــــ کبھی کبھی بس کا ہارن بول جاتا تھا۔

مکہ کے بازار سے بس گذرتی رہی ــــ دوکانیں جگمگا رہی تھیں ــــ کاریں بھاگ رہی تھیں ــــ اس وقت اندازہ ہوا کہ مکہ اچھا خاصا شہر ہے۔

اب عمارتیں بھی ختم ہو رہی تھیں ــــ روشنی مدھم ہونے لگی تھی ــــ اب کھمبوں کی بتیاں ساتھ دے رہی تھیں، پھر ــــ یہ بتیاں بھی رخصت تاریک رات کے سینہ کو چیرنے کے لئے اب صرف بس کی بتیاں رہ گئی تھیں۔

اب حدود مکہ بھی ختم ــــ بس پوری فضا سے بھاگ رہی تھی۔

دو ڈھائی گھنٹہ بعد جدہ میں بس رکی، عشاء جماعت سے پڑھی اور پھر مدینہ طیبہ کو بس چلنے لگی ــــ میں نے اگلی سیٹ کی پشت پر ہاتھ رکھا اور بیٹھے بیٹھے سو گیا ــــ صبح ہو گئی۔ بس رکی ــــ جماعت سے فجر پڑھی اور پھر چل دیے تھوڑی دیر بعد بدر آ گیا۔

(آئندہ) ●●●

ڈاکٹر اسلام سندیلوی

کس می کوئک

Kiss Me Quick

"کس می کوئک" ایک سرخ رنگ کا ننھا سا پھول ہوتا ہے جس میں صرف دو پنکھڑیاں ہوتی ہیں، یہ پھول ایک کرخت اور خاردار شاخ پر کھلتا ہے اسلئے اسکے توڑنے میں دقت محسوس ہوتی ہے، یہ نظم اسی مشاہدے کی عکاسی کرتی ہے۔

اک حسیں پھول ہے کہتے ہیں جسے کس می کوئک
کس زباں سے میں کروں اس کی نزاکت کا بیاں
سرخ رنگت میں ہے پوشیدہ قیامت کی کشش
جان و دل کھینچے لئے جاتی ہیں دو پنکھڑیاں

ننھے سے پھول کی رعنائی کا کیا ذکر کروں
اس کی تعریف میں لب گونگے نظر آتے ہیں!
نرم ڈنٹھل پہ دمکتی ہوئی دو پنکھڑیاں
ریشمی تار پہ دو مونگے نظر آتے ہیں!
کسی صناع نے سورج کی کرن کے اوپر
دو چمکتے ہوئے یاقوت جڑے ہیں شاید
کسی شیریں کی کلائی پہ شکایت بن کر
کسی فرہاد کے دو اشک پڑے ہیں شاید
عزہ و مے کے لبوں کی ہے نزاکت اس میں
اس کی سرخی میں ہے رودابہ و عذرا کا جمال
منجمد ہوگیا دو احمریں پنکھڑیوں پر!
کسی نقاش کا جذبہ، کسی شاعر کا خیال
اس قدر نازک و خوش رنگ ہے یہ پھول مگر
کھلتا ہے کانٹوں بھری شاخ پہ یہ گلشن میں
اس حسیں پھول کے دل میں یہ تمنا بھی نہیں
کہ چھپالے کوئی محبوب اسے دامن میں
بلکہ عشاق کو دیتا ہے مسلسل یہ صدا
میرے پاس آؤ ذرا، جلد مجھے پیار کرو
عشق سچا ہے تو کانٹوں کو لہو دو اپنا
مجھ کو لپٹاؤ ذرا، جلد مجھے پیار کرو
اس کی آواز پہ لبیک کہوں گا میں ضرور
دل کھنچا جاتا ہے اس لے کے تسلسل کی طرف
کانٹے چبھتے ہیں تو چبھ جائیں مجھے فکر نہیں
لب بڑھاؤں گا بہر حال میں اس گل کی طرف
خون بہانے ہی سے کھلتی ہے گل دل کی [illegible]
در مقصود نہیں ملتا ہے ہمت کے بغیر
چومنا ہے مجھے اس پھول کے ہونٹوں کو ضرور
زندگی جی نہیں سکتی ہے محبت کے بغیر

روداد شمسی بیت المال کانپور

ترجمان بیت المال کے قلم سے

مورخہ ۲۴ر جولائی کی شب رفعت منزل میں شمسی بیت المال کمیٹی کی میٹنگ کے لئے مقرر تھی، چنانچہ تاریخ و وقت مقررہ پر تمام اراکین بیت المال رفعت منزل پہونچ گئے، صرف قاری محمد الہی صاحب شہر میں عدم موجودگی کے سبب تشریف نہ لا سکے، کارروائی جلسہ کے افتتاح کے طور پر جناب حافظ محمد عقیل صاحب جوہری نے عبودیت کے پورے آداب کا مظاہرہ کرتے ہوئے بارگاہ ایزدی میں دعا فرمائی، ازاں بعد جلسہ کی کارروائی کا آغاز ہوا۔

سب سے پہلے ٹیکسیشن کے متعلق حکومت کا حالیہ آرڈیننس زیر بحث آیا کہ اسکی روشنی میں بیت المال و اسپتال کی حیثیت متعین کرنی ہے، اس موضوع پر کافی تفصیل کے ساتھ تبادلۂ خیالات ہوا اور کوئی آخری نتیجہ اخذ کئے بغیر مزید وضاحت حاصل کرنا ضروری اور مناسب سمجھتے ہوئے جناب حاجی محمد عادل صاحب و فیروز الدین صاحب بوبچہ کو اس کا مجاز کیا گیا کہ ہر دو حضرات کسی قابل وکیل سے صلاح و مشورہ کرکے ہفتہ عشرہ میں ایک ہنگامی میٹنگ بلا کر مفصل رپورٹ پیش کریں۔

حالیہ قوانین کے پیش نظر فیصلہ کیا گیا کہ مفصل قانونی مشورے حاصل ہونے تک شمسی بیت المال کے دستور کی تشکیل و تکمیل بھی ملتوی کر دی جائے۔

گذشتہ دنوں حسو کا احاطہ میراں پور وہ میں آتش زدگی کے سبب بھیانک تباہی آئی تھی، اسی سلسلہ میں حاجی محمد حسین صاحب باغیچہ والے، حافظ جمال الہی صاحب کراکری والے اور فیروز الدین صاحب پر مشتمل ایک وفد نے متاثرہ علاقہ کا دورہ کرکے ایک رپورٹ مرتب کی تھی، دوبارہ اسی رپورٹ کی روشنی میں حافظ جمال الہی صاحب اور فیروز الدین صاحب نے دورہ کیا۔ پھر سہ بارہ آخری اور حتمی رپورٹ مرتب کرنے کی غرض سے جناب حاجی امین الاسلام صاحب و فیروز الدین صاحب نے متاثرہ علاقے کے افراد سے مل کر رپورٹ مرتب کی اور اراکین بیت المال کے روبرو پیش کی۔ تفصیلی معلومات کے حصول میں جناب ڈاکٹر احسان صاحب و شمیم عثمانی صاحب نے قابل قدر تعاون دیا، چنانچہ اس آخری رپورٹ کی روشنی میں اراکین شمسی بیت المال کمیٹی نے کمال دلسوزی و دردمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے امداد کے لئے آئی ہوئی تمام درخواستوں کے لئے منظوری دیدی، مزید برآں، علاج معالجہ کے سلسلہ میں امداد کیلئے آئی ہوئی درخواستوں

کے متعلق اثباتی فیصلہ مناسب سمجھا گیا۔

شادی کے سلسلہ میں ایک درخواست کو قابل پذیرائی ٹھہرایا گیا۔

تین درخواستیں چند درچند وجوہات کی بنا، پر مزید تحقیقات کے لئے روک لی گئیں، تحقیقاتی رپورٹ آنے پر ان کے بارے میں فیصلہ کیا جائیگا

ایک صاحب کی درخواست جو سود جیسی موذی لعنت میں گرفتار تھے فوری امداد کے لائق سمجھی گئی۔

تین درخواستیں جو کاروبار کے لئے امداد کی خواہش کے ساتھ پیش کی گئی تھیں قابل منظوری قرار دی گئیں۔

علاوہ ازیں دو درخواستیں جو نیپڑی کی تعمیر کیلئے اثباتی رویہ کی مستحق قرار دی گئیں۔

کارروائی ختم ہونے پر جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب نے نہایت رقت آمیز انداز میں اختتامی دعا فرمائی جس سے تمام اراکین بیت المال حد درجہ متاثر نظر آرہے تھے اور اسی انداز میں حاجی صاحب موصوف کے ہمزبان وہم آواز تھے۔

اختتام جلسہ پر جناب حاجی منیجر محمد نفیس صاحب نے شرکاء مجلس کی ٹھنڈے مشروب سے تواضع فرمائی اور اس طرح اپنی سابقہ مہمان نوازی کی شان کو برقرار رکھا ●

غزلیں

ڈاکٹر متین نیازی

باوفا شہرۂ آفاق ہیں آخر کتنے ؟
اپنے باطن کے اداکار ہیں ظاہر کتنے ؟
کون جانے ابھی ابھریں گے مظاہر کیا کیا
زیرِ ترتیب ہیں ہستی کے عناصر کتنے
جذبۂ خدمتِ انساں غمِ جاناں غمِ دل
ہیں مرے چارہ گر و حامی و ناصر کتنے
بادہ نوشی غمِ دوراں کے لئے کیا کہنا
شورشِ دہر میں آسودہ ہیں شاعر کتنے
حسنِ سیرت بھی ہو آئینہ یہ ممکن ہے مگر
اپنی تصویر بناتے ہیں مصور کتنے ؟
سب یہ کہتے ہیں قدم اپنے ملا کر چلئے
کارواں میں ہیں مگر ایسے مسافر کتنے
حسن ہی حسن ہے ہر ذرۂ آفاق متین
ہیں ان آنکھوں کے تعاقب میں مظاہر کتنے

خاموش قنوجی

جب کسی نے آپ کا چرچا کیا
دل وفورِ درد سے تڑپا کیا
جان دل کی دھڑکنوں میں پڑ گئی
تم نہیں آئے بہت اچھا کیا
وہ تو گلگشتِ چمن کرتے رہے
ہجر میں کانٹوں پہ میں لوٹا کیا
قتل کے کچھ اور بھی انداز تھے
تم نے آنکھیں پھیر لیں یہ کیا کیا
اب تو آنسو بھی نہیں ہیں آنکھ میں
ان کے غم میں مدتوں رویا کیا
آپ خود اپنی نظر سے گر گیا
عشق نے یوں بھی کبھی رسوا کیا
حسرتوں کی دل سے میت اٹھ گئی
رہ کے میں خاموش ہی دیکھا کیا

عثمان صدیقی چھچھولوی

صاحب زر کی تو عزت کو گھٹاتا کیوں ہے
پھول پھل دے کے درختوں کو جھکاتا کیوں ہے
میرا ہر نقشِ قدم دوست مٹاتا کیوں ہے
اپنی ہر راہ کی قندیل بجھاتا کیوں ہے
تجھ کو تاریک شبوں سے ہے عقیدت لیکن
ان ستاروں کی طرف آنکھ اٹھاتا کیوں ہے
کوئی سورج تو نہیں تیری نظر میں اے دوست
مجھ سے رکھتا ہے جو کد خواب میں آتا کیوں ہے
تیری عظمت کو سمجھتا ہوں میں واعظ لیکن
تو سمندر ہے تو قطرے کو ڈراتا کیوں ہے
سینۂ ناکسی کے نشانات مجھے بخشے ہیں !
چاند کی شکل میں دنیا کو دکھاتا کیوں ہے
اپنے عثمان کے عزائم کا سہارا لے کر
شہرِ امید میں غیروں کو بساتا کیوں ہے

ایل، ڈی، او
کیروسین
لبری کینٹ
انڈین آئل
کیلئے
ہمیشہ یاد رکھئے
آپ کی خدمت کیلئے ہر وقت تیار
تاولسی آئل کمپنی
فون :- ۴۵۹
برانچ افسیز
اوریا ، بھرتنہ

وقار حمانی کوٹوی ایم اے کے علیگ

اک روز رنگ لائیں گی میری تباہیاں
ہوتی رہیں جو یونہی تری مہربانیاں!
جس دن سے تیری اور میری آنکھ لڑ گئی،
اس دن سے بڑھ رہی ہیں مری بیقراریاں!
بخشا یہ احترام مجھے تیرے عشق نے
جھک کر سلام کرتی ہیں پھولوں کی ڈالیاں
اے جانِ انتظار! خدا کے لئے کرم!
پھرنے لگی ہیں اب مری آنکھوں کی پتلیاں
کوئی نہ کوئی راز تو اسمیں ضرور ہے
کرنے لگیں طواف نشیمن کا بجلیاں
ہمدردی دخلوص و محبت کی آڑ میں!
کیا کیا نہ تم نے آہ اجاڑی ہیں بستیاں
آنکھوں میں اشک دل میں کسک لب پہ ہیں ہنر
یہ سب ہیں صرف پیار کی تیرے نشانیاں
دل یوں گھٹے ہیں حسرت و ارمان اسطرح
مظلوم کی ہوں جیسے وفا ... [illegible]

شکیل احمد عاصم بریلوی

آتی ہے یاد جب بھی تری انجمن مجھے
کانٹوں کی سیج لگتا ہے صحن چمن مجھے
رکھنا ہے برقرار وفا کا چلن مجھے
کرنی ہے آج خدمت دار و رسن مجھے
قلب و جگر میں آگ کے شعلے بھڑک اٹھے
پردیس میں جب آئی ہے یاد وطن مجھے
ہٹنے لگے ہیں راہ وفا سے قدم مرے
لوٹا دے اے خدا مرا دیوانہ پن مجھے
دیتا ہے انگ انگ ترا دعوتِ گناہ
کافر بنا رہا ہے ترا بانکپن مجھے
اے باغباں چمن میں بتا کیسے دل لگے
آتی ہے اب بہار میں بوئے کفن مجھے
جو ابتدائے عشق میں بخشی تھی آپ نے
ہے جان سے عزیز وہ دل کی جلن مجھے
عاصم غم و الم نے تعاقب کیا مرا
جب بھی دکھائی دی ہے خوشی کی کرن مجھے

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی

محبت میں اصول امتحاں کچھ اور ہوتا ہے
نظر کچھ اور کہتی ہے بیاں کچھ اور ہوتا ہے
قفس میں لاکھ حاصل ہو زمانے بھر کی آسائش
مگر اے دوست لطف آشیاں کچھ اور ہوتا ہے
یہ مانا بزم گل بھی دلکش و پر کیف ہوتی ہے
مگر لطف حریم جان جاں کچھ اور ہوتا ہے
بہار و غنچہ و گل سے بھی ہے زیب چمن لیکن
وہ ہوتے ہیں تو رنگ گلستاں کچھ اور ہوتا ہے
ترے جور و ستم کا اتنا خوگر ہو گیا ہے دل
کہ اب تیرے کرم پر بھی گماں کچھ اور ہوتا ہے
نشان نقش پا سے بھی پہونچ جاتے ہیں منزل تک
مگر فیضان میر کارواں کچھ اور ہوتا ہے
یہاں تو عذر و شکوے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی
مرے ناصح حساب دوستاں کچھ اور ہوتا ہے
طفیل آتے ہیں یوں تو سیکڑوں مضمون غزل میں
مگر ذکر حدیث دلبراں کچھ اور ہوتا ہے
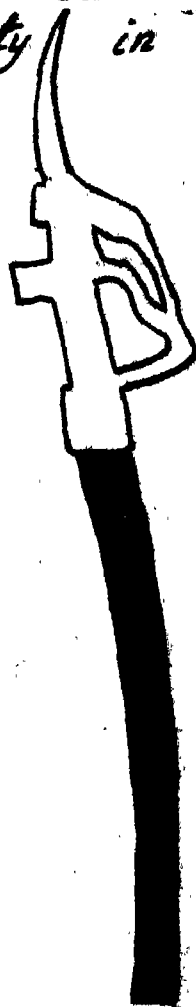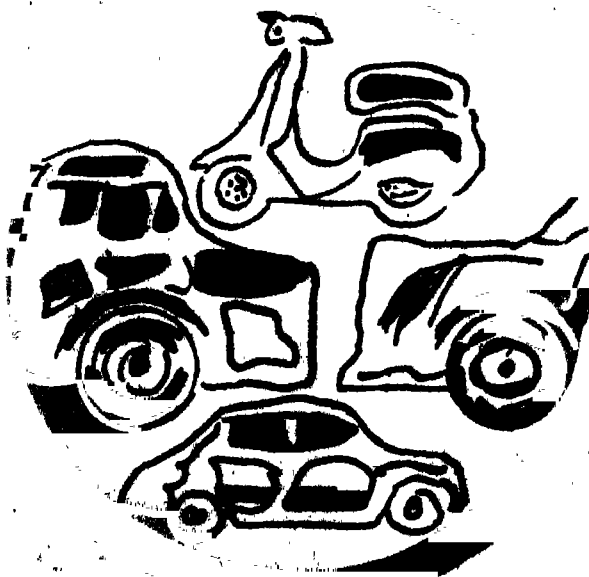
رسوماتِ شادی

بدرالدین شمسی

۲۵ و ۲۶ اپریل کو بریلی میں شمسی ویلفیر سوسائٹی کے زیرِ اہتمام ایک آل انڈیا شمسی سمپوزیم کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ اس سمپوزیم میں جناب بدرالدین صاحب شمسی کی اصلاحِ رسوم کے عنوان پر کی گئی تقریر کو ہم سہ روزہ "دعوت" دہلی کے شکریہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کر رہے ہیں ——— (ادارہ)

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں مجتمع ہونے اور ایک اہم موضوع پر گفتگو کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ صلوٰۃ وسلام ہوں اس ہادیٔ اعظم پر جس کی ہدایت رہتی دنیا تک ہمارے اور سب کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

اس مصلحت پرست کو جینے کا حق نہیں
جس کو زباں ملی ہو مگر بے زباں رہے

حضرات! آپ ہنس پڑیں گے اگر میں یہ کہوں کہ میں نے کل ایک چار سالہ بڈھے کو دیکھا ہے اسی طرح آپ میری اس بات پر بھی مسکرا دیں گے جب میں یہ کہوں کہ میں نے ایک چالیس سالہ دوشیزہ کو دیکھا ہے لیکن میرے دوستو! یہ بات میں آپ کو ہنسی کے لئے نہیں کہہ رہا ہوں۔ ایک تلخ حقیقت ہے جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں۔

عظیم ملت اسلامیہ تو بڑی بات ہے، صرف چند سو افراد پر مشتمل اپنی شمسی برادری کے حالات کا جائزہ لے ڈالئے ——— یہ چالیس سالہ دوشیزہ والی بات ایک حقیقت بن کر آپ کے سامنے آجائے گی، دوشیزگی کی عمر زیادہ سے زیادہ بیس بائیس سال تصور کی جاتی ہے ورنہ ۱۶ / ۱۸ سال کی عمر میں ہی عام طور پر لڑکیاں رشتۂ شادی میں منسلک ہو جاتی ہیں۔ لیکن آج اگر آپ اپنے معاشرہ کا جائزہ لینے کے لئے نکلیں تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ ۳۰ / ۴۰ سال تک کی کتنی بہنیں شوہروں سے محرومی کی حالت میں زندگی گزار رہی ہیں۔

جب بھوک اور افلاس کا دور دورہ ہوتا ہے تو متاثر ہونے والے افراد خود کو ایک بڑی اجتماعیت

میں ڈھلنے لگتے ہیں، پھر یہ اجتماعیت وہ وہ گل کھلاتی ہے جس سے خلق خدا کی نیندیں بھی حرام ہو جاتیں بلکہ زندگیاں خطرات سے دوچار ہو جاتی ہیں، جلسے، جلوس، نعرے، ہڑتالیں، توڑ پھوڑ، مار کاٹ، غرض تخریبات کا ایک سلسلہ چل پڑتا ہے جو عوام کے سکون و چین کو زیست و نابود کر کے اس بنیادی جنس میں دھکیل دیتا ہے۔

لیکن ہمارے سماج کا یہ مظلوم طبقہ جو شادی سے محروم خواتین پر مشتمل ہے آج تک اپنی بے بسی اور بے کسی پر آنسو بہانے کے سوا کوئی بھی صدائے احتجاج نہیں بلند کر سکا ہے۔ یہ تو سننے میں آجاتا ہے کہ فلاں مقام پر فلاں کی بیٹی نے شادی کی نعمت سے محرومی پر اپنی زندگی کو ختم کر لیا۔ یہ بھی سننے میں آجاتا ہے کہ لڑکیوں کی ایک بڑی تعداد شادی نہ ہونے کے سبب متعدد عارضوں میں مبتلا ہے لیکن ایسا کبھی سننے میں نہیں آتا کہ ان پریشان حالوں نے ایک آواز ہو کر سماج پر اثر انداز ہونے کی کوشش کی ہو۔

شاید میرے کچھ بزرگ یہ سوچیں کہ میں ان مظلوم خواتین کے جذبات کو بھڑکا کر سماج سے بغاوت پر آمادہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ میرے الفاظ سے تو غلط فہمی ہو سکتی ہے لیکن میرے جذبات کو پڑھ لینے کے بعد آپ کی یہ غلط فہمی دور بھی ہو سکتی ہے۔

رشتۂ حیات کو برقرار رکھنے کے لئے روٹی اور تن ڈھانپنے کے لئے لباس میسر ہو یہ ہر اس انسان کا حق ہے جس نے اس دنیا میں آنکھ کھولی ہے، اسی طرح سن بلوغ کو پہونچ جانے کے بعد قلب انسانی میں چھپے ہوئے جنسی جذبات کی تسکین بلا لحاظ مرد و عورت انسان کا ایک پیدائشی حق ہی نہیں بلکہ ایک ایسی عظیم ضرورت ہے جس پر نوع انسان کی ترقی اور بقاء کا دار و مدار ہے، یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑا تارک الدنیا بھی اسکی اہمیت سے انکار نہیں کر سکا ہے۔

لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر ضرورت خواہ وہ بنیادی ضرورت ہی کیوں نہ ہو اس کو پورا کرنے کے لئے کچھ قوانین ہیں، کچھ پابندیاں ہیں۔ مثال کے طور پر پیٹ کا مسئلہ حل کرنے کے لئے ہر انسان مویشیوں کی طرح اس طرح آزاد نہیں ہے کہ جہاں کھانے کی چیز دیکھے منہ مار دے، چیز کسکی ہے؟ اس احساس سے بھی خود کو بے فکر کرے اور لاٹھیوں کی مار سے بھی بے پروا ہو جائے۔ ہم خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہی چیز ہماری ہوتی ہے جس کو ہم نے دماغی، جسمانی یا کسی بھی طرح کی مشقت کر کے یا بطور حق و ورثہ حاصل کیا ہو۔ کسی سے چھین کر یا بطور بھیک حاصل کر کے اگرچہ انسان اس کو اپنی ملکیت تصور کر لیتا ہے لیکن ایسی حاصل کردہ چیز اسکو اس کے اصل مقام سے گرا کر چوروں، ڈاکوؤں اور گداگروں کے مقام پر لا کھڑا کرتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح انسان کی جنسی ضرورت کا معاملہ بھی ہے۔ اس ضرورت کے حصول کا جائز طریقہ نکاح ہے جو شخص اس جائز طریقے کو نظر انداز کر کے غیر قانونی طریقے پر لذت نفس کو حاصل کرتا ہے ہم اسے زانی، عصمت کا ڈاکو اور نہ جانے کن کن قبیح ناموں سے یاد کرتے ہیں۔

اس میں دو رائیں نہیں ہیں کہ شادی کا اولین مقصد انسانی نسل کی بقاء ہے، یہی وجہ ہے کہ بلوغ کی منزل پر

ہو جاتے ہی قدرتی طور پر مرد و عورت ایک دوسرے کے لئے پر کشش بن جاتے ہیں، ایک دوسرے سے قریب ہونے کا جذبہ روز افزوں ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر محض خواہش نفسانی کی تکمیل ہی پیش نظر ہوتی تو کسی قانونی پابندی کے بغیر بھی دوسری مخلوقات کی طرح اس سلسلہ کو قائم رکھنے میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی لیکن یہاں معاملہ اس نسل انسانی کا ہے جو تمام مخلوقات میں ایک امتیازی درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ عقل و شعور سے بھی نوازی گئی ہے اور عقل و شعور اس لئے دئے گئے ہیں کہ انسان اچھے اور برے کی تمیز کر سکے، لہذا اس حیثیت سے بڑھتے ہوئے جنسی جذبہ پر کنٹرول کرنا اور اس کے لئے ایک صحیح اور متوازن راستہ مہیا کرنا ضروری تھا، اسی راستے کا نام شادی یا نکاح ہے۔

ظاہر ہے کہ نکاح کا مقصد صرف جذبۂ شہوانی کو کنٹرول کرکے ایک صحیح راستے پر لگا دینا ہی ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دبا دینا یا ختم کر دینا نہیں ہے، ایسی صورت میں ایک کنٹرول کرنے والی چیز کو سینکڑوں کنٹرول کرنے والی چیزوں یعنی بے انتہا رسومات کے بندھنوں میں جکڑ دینا آخر کہاں کی دانشمندی ہے دانشمندی کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نکاح کو اتنا آسان بنا دیا جائے کہ ایک معمولی سے معمولی آدمی بھی اس سے محروم نہ رہ سکے اپنا فطری حق پا سکے اور نوع انسانی کی خدمت کر سکے۔

آخر یہ کیا وجہ ہے کہ نکاح کا تصور ذہن میں آتے ہی آدمی کو دن میں تارے نظر آنے لگتے ہیں، وہ بعض اوقات یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ لڑکی کا باپ ہونا تو اس دور کی سب سے بڑی مظلومیت ہے اور بدقسمتی سے یہ باپ اگر صاحب ثروت نہ ہو یا اس کی بیٹیاں حسن و جمال کے معیار پر پوری نہ اتریں تو اس کے لئے اور اس کی بیٹیوں کے لئے زندگی عذاب جان بن جاتی ہے۔

ایک ویلفیر اسٹیٹ کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس کے ہر فرد کے لئے کم از کم بنیادی ضروریات بآسانی مہیا ہو سکیں۔ ایک ہاتھ پاؤں سے معذور شخص بھی کم از کم اتنا میسر پا سکے جو اس کی زندگی کو برقرار رکھ سکے، جو اسٹیٹ جس حد تک ان ضروریات کی تکمیل میں ناکام ہوتی ہے اتنا ہی اس میں افراط، تفریط اور طبقاتی کشمکش جگہ پاتے جاتے ہیں، جس کا آخری نتیجہ تباہی و بربادی ہی ہوتا ہے۔

ٹھیک اسی طرح ایک ویلفیر سوسائٹی کی بھی یہ کوشش ہونی چاہئے کہ اس کا ایک ایک فرد بنیادی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ ازدواجی رشتوں کو بآسانی قائم کر سکے اور قائم رکھ سکے اس کے لئے ضروری ہے کہ نکاح کے سلسلہ میں جو چیزیں معاون و مددگار ہوتی ہیں ان کو آگے بڑھ کر حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ اس کے برخلاف جو چیزیں نکاح کو مشکل بنانے والی ہوں ان کا پلندہ کسی ایسے دریا میں چھوڑ آیا جائے جہاں سے ان کا دوبارہ حصول ہی ناممکن ہو جائے۔

کام بہت بڑا ہے، صدیوں کے قائم شدہ نقوش کو کھرچ ڈالنا ہوئے شیر لانے سے کہیں زیادہ ہے، لیکن ہمیں اپنے ہادئ اعظم کی حیات طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ نقوش ہزاروں سال ہی کیوں نہ ہوں جب خدا کے بھروسے پر انہیں کھرچ ڈالنے کا تہیہ کر لیا جاتا ہے تو بڑی سے بڑی رکاوٹوں کے باوجود بھی یہ کام پورا ہو کر رہتا ہے۔

اب ہمیں یہ غور کرنا ہے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جو ازدواجی رشتوں کے قیام اور بقاء کے سلسلہ میں رکاوٹ ہیں اور مثبت طور پر وہ کون کون سی چیزیں ہیں جنہیں اختیار کرکے

اس مسئلہ کو ہم آسان تر بنا سکتے ہیں ۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے چھ چیزیں ازدواجی رشتوں کے قیام و بقاء میں رکاوٹ کا درجہ رکھتی ہیں ۔

(۱) صنفی کمتری و برتری کا غیر ضروری احساس ۔
(۲) شادی کو مالی منفعت کا ایک ذریعہ سمجھنا ۔
(۳) وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے "ہوتا چلا آیا ہے" پر کان اور آنکھیں بند کر کے جم جانا ۔
(۴) رسموں کو پورا ہوتا نہ دیکھ کر آزردہ خاطر ہونا
(۵) نمود و نمائش پر بے جا اصرار کرنا ۔
(۶) شادی بیاہ کے سلسلہ میں خدا اور رسولؐ کے احکام و ہدایات کو پس پشت ڈال دینا ۔

صنفی کمتری و برتری کا غیر ضروری احساس

عام طور پر لڑکی کے والدین احساس کمتری میں مبتلا دیکھے جاتے ہیں ۔ یہ احساس کمتری اس وقت بھی ظاہر ہوتا ہے جب لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے اور اس وقت بھی جب کہ اسے ازدواجی رشتے میں منسلک کیا جا رہا ہوتا ہے ۔ اس خرابی کی پشت پناہی جس جذبہ کے ساتھ کی جاتی ہے اس کی کوئی بھی حقیقی بنیاد نہیں ہے ۔

شادی کے سلسلہ میں اس احساس کمتری سے جو رکاوٹیں پیش آتی ہیں ان میں پہلی چیز یہ تصور ہے کہ تلاش رشتہ کے سلسلے میں پہل لڑکے ہی کی طرف سے ہو ۔

جہاں تک میں نے حالات کا مطالعہ کیا ہے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس بات میں کوئی فرق نہیں پڑتا کہ پہل کس طرف سے ہو ، جو بھی ضرورت مند ہو اپنی ضرورت کا اظہار کرے ۔ اس تصور کو ذہن سے بالکل نکال دینا چاہئے کہ لڑکی کا والد اگر پہل کرے گا تو سوسائٹی یہ کہے گی کہ شاید لڑکی میں کمزوری ہے اس وجہ سے لڑکی والے پہل کر رہے ہیں ، مناسب طریقے بہر حال اختیار کئے جا سکتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ یہ سوسائٹی آپ ہی لوگوں کا مجموعہ ہے ۔ کسی اور کرۂ ارض سے نہیں درآمد کی گئی ہے ۔ جو ضرورت آج ایک شخص کو ہے کل دوسرے کو بھی ہو سکتی ہے ۔ اس طرح کی مصنوعی رکاوٹوں کو آپ دور کر دیں گے تو ہر ایک کے لئے سہولتوں کا ایک باب کھل جائیگا ۔

احساس کمتری کا ایک اور مرحلہ اس وقت پیش آتا ہے جب دولہا والوں کی طرف سے کوئی رقم یا تحفہ دلہن والوں کو پیش کیا جاتا ہے تو وہ یہ لازمی سمجھتے ہیں کہ اس میں کچھ اضافہ کر کے دولہا والوں کو لوٹا دیا جائے ، اس کے برخلاف دلہن والے دولہا والوں کو جو کچھ بھی دے دیتے ہیں اس میں کوئی واپسی کا تصور شامل نہیں ہوتا ، یہ بات بھی قابل اصلاح ہے ۔

اس سلسلہ کا تیسرا تصور دلہن والوں کے یہاں کھانے کا لازمی ہوتا ہے ۔ بلاشبہ یہ ایک جذبہ ہے کہ کوئی کسی کے گھر آئے تو وہ خاطر مدارات کرے ، لیکن یہ چیز اسی وقت تک اچھی رہتی ہے جب تک کسی کو بوجھ محسوس نہ ہو ، اس سلسلہ میں شربت کا ایک ایک گلاس اور چائے کی ایک ایک پیالی کو بھی وہ مقام حاصل ہونا چاہئے جو انواع و اقسام کے کھانوں کو ہوتا ہے ، تاکہ ہر امیر و غریب بآسانی اپنے اس فریضہ کو انجام دے سکے

جس طرح لڑکی والوں کا احساس کمتری صحیح نہیں ہے ٹھیک اسی طرح لڑکے والوں کا برتری کا غیر ضروری احساس بھی غلط ہے ، ویسے تو مختلف مراحل پر اس غلط احساس

برتری کے مناظر دیکھے جا سکتے ہیں جس کی وضاحت اس موضوع کے تحت کچھ مناسب نہیں ہے۔ البتہ رشتہ کرنے کے لئے مختلف گھرانوں میں سلسلہ جنبانی کرنا اور معمولی معمولی باتوں کو دیکھ کر محض اس تصور سے پیچھے ہٹ جانا کہ ہم تو لڑکے والے ہیں، ایک جگہ نہیں دس جگہ پیغام دے سکتے ہیں، یہ ایک ایسا فعل ہے جس پر لڑکی والے ایک طرح کی کڑھن محسوس کرتے ہیں اور ان کی یہ کڑھن بالکل صحیح ہے۔ اس سلسلہ میں لڑکی والوں کے احساسات کی پرواہ نہ کرنا اپنی قوامیت سے غلط فائدہ اٹھانے کے مترادف ہے۔

۲۔ شادی کو مالی منفعت کا ذریعہ تصور کرنا۔

ہمارے یہاں شادی کے براہ راست سودے نہیں ہوا کرتے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمارا سماج اس لعنت سے کافی حد تک پاک ہے۔ جہیز کے سلسلہ میں لوگوں کا بے جا اصرار اور خود مطالبہ کر کے زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی کوشش ابھی ہمارے معاشرے میں رواج نہیں پائی ہے۔ لیکن وہ محرکات جو اس بیماری کو جنم دیا کرتے ہیں بہرحال ظاہر ہونے لگے ہیں، اگر ان پر ابھی سے روک نہیں لگائی گئی تو پھر یہ باقاعدہ بیماری بن کر وبائی صورت بھی اختیار کر سکتی ہے۔

مادیت کے ہر سو پھیلے ہوئے اثرات نے انتخاب رشتہ کی قدروں کو بدلنا شروع کر دیا ہے۔ ذاتی کیریکٹر، خاندانی عزت و وقار، شرافت و اخلاق اور ذہنی برتری کے بجائے فریق ثانی کا بینک بیلنس زیادہ باعث کشش بنتا جا رہا ہے۔ براہ راست مطالبہ کرنا یا رجحانات میلانات کو ذہن نشین ان مطالبات کرنا کچھ زیادہ فرق نہیں رکھتے۔

جہیز کے سلسلہ میں ایک معزز ساتھی کا یہ تصور مجھے بہت پسند آیا کہ ہم ہر معاملہ میں خود دار واقع ہوئے ہیں، ہم یہی پسند کرتے ہیں کہ اپنے ہاتھ کی کمائی ہوئی دولت میں اپنی ضروریات اور اپنے عیش و آرام پر صرف کریں، لیکن صرف جہیز کے سلسلہ میں ہماری خود داری کہاں رخصت ہو جاتی ہے ہمارا یہ سوچنا کہ جب ہماری منکوحہ ہمارے گھر آئے گی تب ہی ریڈیو، ٹیلی ویژن، اسکوٹر، ریفریجریٹر، صوفہ سیٹ اور دیگر سامان عیش و ضرورت اپنے ساتھ لیکر آئے گی، آخر اس تصور کے کیا معنی ہیں۔ ہماری خود داری کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ مہمان جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنے خونی رشتوں کو چھوڑ کر ہمارے سایۂ الفت میں جگہ لینے اور ہماری زندگی کو گلزار بنانے کیلئے آرہا ہے، ہمیں چاہئے تھا کہ ہم پورے ساز و سامان خود مہیا کر کے اس کا استقبال کرتے۔ رخصت کرنے والے باپ کا یہ احساس اپنی جگہ صحیح ہو سکتا ہے کہ میری لخت جگر تو کل تک میرے سایۂ عاطفت میں رہتی تھی، بے سرو سامانی کے عالم میں بھی ہر طرح کا سکون محسوس کرتی تھی، آنے والے کل میں ہمارے دئے ہوئے کچھ تحائف ہوں گے جن کو دیکھ کر ہماری جدائی کے تصور کو کم کر لیا کرے گی۔ اس تصور کے تحت دی جانے والی چیز اور خواہش و مطالبہ کر کے حاصل کی جانے والی چیز میں بہت بڑا فرق ہے۔

(۳) وقت کے تقاضوں کو نظر انداز کرنا۔

"ہوتا چلا آیا ہے" پر کان اور آنکھیں بند کر کے جم جانا، وقت کے سرمایہ و اسباب کو چھوڑ کر ایک عام انسان کے مسائل کیا ہیں؟ آج ان کے حل کے لئے کتنے اچھے رجحان کا دروازہ کھل رہا ہے؟ وہ وقت کی روشنی کا حصول کر پا [illegible]

تک رسائی کے برابر ہو رہا ہے ۔ کاروباری مصروفیتیں، خاندانی مسائل اور سماجی افراتفری سب کے سب فرد کے دماغ پر پوری طرح مسلط ہیں ۔ ایسے حالات میں بیکار باتوں اور غلط رسومات کو محض اس بنیاد پر جیے رہنا کہ یہ ہوتا چلا آیا ہے کوئی دانشمندی کی بات نہیں ہے ۔ سرمایہ بھی قیمتی ہے ، وقت بھی قیمتی ہے ، لیکن اسے ضائع کرنے کے محرکات بے قیمت ہوتے ہوئے بھی ذہنوں پر اسی طرح چھائے ہوئے ہیں کہ ان سے نجات پانا مشکل ہو گیا ہے ۔ "ہوتا چلا آیا ہے" کا نعرہ ہر دور میں بلند ہوتا رہا ہے لیکن فضاؤں میں اس کی گونج اس وقت دکھائی پڑتی رہی ہے جب وقت کے ریفارمروں اور انسانیت دوست رہنماؤں کی طرف سے انسانوں کی فلاح کا کوئی نسخہ پیش کیا جاتا ہوتا ہے ۔ گویا یہ ایک کاٹ ہے ماضی کو حال سے وابستہ کرنے والوں کی جدوجہد کی ، جس سے ہمارے رہبر عالم کو بھی نپٹنا پڑا ہے ، کتاب الٰہی کے الفاظ " ماوجدنا علیہ اباٗنا — ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی روش پر پایا ہے "۔ اسی بات کی غمازی کر رہے ہیں ۔

۴. رسومات کو پورا نہ ہوتا دیکھ کر آزردہ خاطر ہونا۔

اسی چیز کا دوسرا نام دل کے ارمان اور حسرتیں نکالنا ہے ، اس کا مطالبہ عام طور پر ہماری خواتین کی طرف سے ہوتا ہے ، منگنی سے لیکر شادی کے کئی سال تک یہ سلسلہ چلتا بھی رہتا ہے ، نیز ہر آئیٹم کے لا تعداد اجزاء ہیں ، غرض ارمانوں کی فہرست ایک طویل فہرست ہوتی ہے ان میں سے ایک چیز اگر کسی وجہ سے چھوٹ جائے تو ہماری خواتین اس پر بہت آزردہ خاطر ہوتی ہیں ۔

میری ماؤ اور بہنو ! آپ صرف چند فرضی ارمان نہ نکلنے پر ملول و رنجیدہ ہیں ۔ ذرا اپنی برادری کی ان بیٹیوں پر نظر ڈالئے جو رات کی تاریکیوں میں آسمان کی طرف تکا کرتی ہیں جو آنسو پی پی کر اپنی فطری پیاس کو بجھاتی رہتی ہیں ، سماج کی بے التفاتی نے جن کے گلاب سے چہروں کو کمہلا دیا ہے ۔ چھوٹی چھوٹی باتیں جن کو آپ ارمان سے تعبیر کرتی ہیں حقیقت میں وہ ارمان نہیں ہیں ۔ ارمان اگر کوئی ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ آپ کی آغوش محبت میں پلی ہوئی بیٹیاں اور بیٹے اپنے ٹھیک وقت پر بلا کسی مالی ، سماجی یا کسی بھی طرح کی رکاوٹ کے اپنا وہ فطری حق پالیں جو ہمیشہ ہی ان کے لئے متعین ہیں ۔ یہ راستہ جب ہی آسان ہوگا جب غیر ضروری رسومات سے یا تو بالکل ہی چھٹکارا حاصل کر لیا جائے یا کم از کم ان کو اتنا لازمی نہ سمجھا جائے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے ۔

۵. نمود و نمائش پر بے جا اصرار کرنا۔

اگر انسان یہ چاہتے ہیں کہ اگر وہ کوئی بڑا کام کریں تو دنیا اسے دیکھے اور تعریف کرے ، بظاہر تو یہ ایک معمولی بات ہے لیکن اس کے نتائج پر غور کیا جائے تو یہ ایک بہت بڑی خرابی ہے ، جو معاشرے میں انتشار کا سبب بنتی ہے ۔ نمود و نمائش پر بے جا اصرار ہی لوگوں کو اسراف بے جا پر آمادہ کرتا ہے اور جو لوگ زیادہ نہیں خرچ کر پاتے ان کو حقیر سمجھا جاتا ہے ، اسی جذبہ کی کارفرمائی ہے ۔

ایک شخص اپنی بیٹی کو ہزاروں روپیہ کا مال جہیز میں دے دیتا ہے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ اس کا دیا ہوا

مال ہرفرد دیکھ لے اور اس کے نتیجہ میں اس کی تعریف ہو اگر ایسا نہیں ہے تو وہ اپنا سارا کیا دھرا بیکار سمجھتا ہے ۔ اس تصور کو اگر چھوٹ دیدی جائے تو اس کا انجام اس کے سوا اور کیا ہوگا کہ ہر غریب اور امیر اس جہیز کو دیکھے اور دل ہی دل میں کہے کہ کاش میں بھی ایسا ہی کر پاتا اور اسی طرح میری بھی تعریف و توصیف ہوتی۔

ذرا غور کیجئے ! یہ معمولی سا احساس کتنے لوگوں کی جائدادوں، اثاثوں اور کاروباری سہولتوں سے محروم کر دے گا اور کتنے خاندان معاشی بدحالی کا شکار ہو کر رہ جائیں گے اور کتنی لڑکیاں اس تصور کے نتیجے میں شادی جیسے فطری حق سے محروم ہو جائیں گی ۔ کتنے ماں باپ اپنی چہیتی بیٹیوں کو پریشان حال دیکھ کر پاگل ہو جائیں گے بیمار ہو جائیں گے اور قبل از وقت موت کو خوش آمدید کہہ دیں گے ۔

صرف جہیز ہی نہیں شادی سے متعلق ساری رسومات کی چمک دمک اسی وقت تک ہی محسوس ہوتی ہے ، جب تک اس میں نمود و نمائش باقی ہو ، منگنی ، گڑھ ، ابٹن ، بری ، تھاریاں ، فصل وغیرہ ان سب رسومات کی حوصلہ افزائی کا تمام تر انحصار نمود و نمائش پر ہے ، یہ ساری رسومات خود بخود ختم ہو سکتی ہیں اگر ان میں نمود و نمائش کا جذبہ ختم ہو جائے ۔

۶۔ شادی بیاہ کے سلسلہ میں خدا اور رسول کے احکام و ہدایات کو پس پشت ڈال دینا۔

آزادی یہ نہیں ہے کہ ایک شخص جو چاہے وہ کرے

حقیقی آزادی جس کا نام ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی جائز تمناؤں ، آرزوؤں اور ضرورتوں کو پورا کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں ۔

پہلی صورت کی آزادی ایک انسان کو ہر قاعدے ، قانون سے بے نیاز کر دیتی ہے ، وہ بے لگام ہو کر محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لئے دوسروں کے مفادات اور حقوق کو پامال کر سکتا ہے ، سارے جرائم و عیوب اسی بے لگام آزادی کا ثمرہ ہیں ۔

اس کے برعکس دوسرے قسم کی آزادی انسان کا جائز حق ہے ، اسی حق کو مستحقین تک پہونچانے کے لئے قوانین ملکی وضع کئے جاتے ہیں اور ان میں حقوق کا تحفظ اور ان کی صحیح تقسیم قانون الٰہی یعنی خدا اور رسول کی ہدایات کے تحت انجام پذیر ہوتی ہے ۔

یہ بات قطعاً دیانت کے خلاف ہے کہ خدا اور رسول کی دی ہوئی رعایتوں سے تو ہم پورا پورا فائدہ اٹھائیں ، لیکن جب ان کے مطالبات ہمارے سامنے آئیں تو ہماری پیشانیاں شکن آلود ہو جائیں ۔

جب دین کے وہ احکام ہمارے سامنے آتے ہیں جن میں ہم سے کچھ مطالبہ کیا گیا ہوتا ہے جن کے لئے ہمیں اپنی خواہشات ، رسم و رواج اور مالی فائدوں کو قربان کرنا پڑتا ہے ۔ ایسے اقتباسات سن کر خواہ ہم اٹھارہ گھنٹے سو کر اٹھے ہوں تب بھی نیند کا خمار طاری ہونے لگتا ہے ، جبکہ ان آیات کا نازل کرنے والا اپنے کسی فائدے کے لئے نہیں بلکہ آپ ہی کی اجتماعیت کو مضبوط کرنے اور آپ ہی کی دنیا و آخرت بنانے کے لئے یہ سب کچھ کہہ رہا ہے ۔

میرے وہ دوست جن کو باجے گاجے کی براتوں میں موت کا سناٹا دکھائی دیتا ہے، میرے وہ کرم فرما جو شادیوں کے مواقع پر دولت کو پانی کی طرح بہانے کو قوم و ملت کی خدمت تصور کرتے ہیں، کاش! وہ سوچتے کہ وہ کیا بات کہہ رہے ہیں۔ بلاشبہ شادی کے موقع پر اظہار مسرت ایک فطری جذبے کے تحت ہی کیا جاتا ہے اور ہونا چاہئے لیکن ہر شخص کا اظہار مسرت یکساں نہیں ہوتا، ایک بچکانے اور غیر سنجیدہ شخص سے ہی یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ سڑک پر ناچتا پھرے، کسی رہبر قوم سے یہ توقع ہرگز نہیں کی جاسکتی۔

اسی طرح خالص مادہ پرست قومیں جن کے نزدیک دین و اخلاق کا کوئی مقام نہ ہو ہر قسم کی خلاف تہذیب حرکتوں کا مظاہرہ کرسکتے ہیں، لیکن خدا اور رسول کا احترام کرنے والی جمعیت کے قطعاً شایان شان نہیں ہے کہ وہ اس طرح کی ایکٹیویٹیز کو اپنی زندگی کا جزو بنائیں۔

اوپر کی بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی ہے کہ شادی ہر انسان کا فطری حق ہے جو اسے ملنا چاہئے اب یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے کہ ہم اس فطری حق کو حاصل کرنے اور لوگوں تک پہونچانے کے لئے مختصر راستے کا انتخاب بہتر سمجھتے ہیں یا رسم و رواج کے سیکڑوں تنگ و تاریک اور ٹیڑھے میڑھے راستوں سے گذرنے اور پوری طرح تھک کر چور ہوجانے کے بعد اس فطری اور بنیادی حق کا حصول بہتر سمجھتے ہیں۔

میں یہ نہیں کہنا چاہتا کہ اب تک جو طریقے رائج ہیں ان کو یکلخت ختم کردیا جائے یا آبا و اجداد کی بنائی ہوئی ساری عمارت کو یکسر ڈھا کر ہی کچھ آگے کی بات کی جائے، ہاں اتنا ضرور کہنا چاہتا ہوں کہ وقت اور حالات کے تقاضوں کا پوری طرح احساس کرتے ہوئے آئندہ کے لئے ایک متوازن راہ عمل متعین کی جائے جو قدیم و جدید کا سنگم بھی ہو اور ہمارے مسئلے کا بہترین حل بھی۔

واضح رہے کہ ہر قدامت قابل ترک نہیں ہے اور ہر نئی چیز اختیار کرنے کے قابل بھی نہیں، ہر چیز کے لئے معقولیت شرط اول ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں میں نے شادی بیاہ کے سلسلہ میں ایک نقشہ مرتب کیا ہے، پیش خدمت ہے، جس کے نکات حسب ذیل ہیں۔

(۱) تلاش رشتہ ۔ یہ حسب ضرورت لڑکی والوں اور لڑکے والوں دونوں کی طرف سے ہونا چاہئے، سوسائٹی سے متعلق میرج کمیٹی اس کو اچھی طرح کنٹرول کرسکتی ہے۔

(۲) منگنی اور نکاح کے درمیان کے وقفہ میں پیش کئے جانے والے تحائف اور فصلی چیزیں صرف اسی مقدار میں ہوں کہ تقسیم نہ کی جاسکیں، یہ تحائف یکطرفہ ہوں، اضافہ کر کے واپس کرنے کا سلسلہ ختم ہونا چاہئے، یہ تو ہوسکتا ہے کہ مثلاً دولھن والوں نے ایک چیز بھیجی ہے عید الفطر پر تو دولھا والے عید الاضحی کے موقع پر بھیج دیں، لیکن یہ چیزیں تقسیم نہ کی جائیں، خواہ وہ بھیجنے والے کتنے ہی مالدار کیوں نہ ہوں۔

(۳) انویٹیشن یعنی بلاوا ۔ سوسائٹی کو چاہئے کہ وہ دعوت نامے خود تیار کرائے جو سادہ اور ایک ہی طرح کے ہوں، سوسائٹی صرف لاگت کی قیمت وصول کر کے دولھا والوں کو مہیا کر دے، دولھن والے کارڈ استعمال نہ کریں تو بہتر ہے۔

(۴) ایک نئی چیز جس کی ضرورت ہے کنفرمیشن۔
اس کے کئی فائدے ہو سکتے ہیں:۔
(۱) مدعوین کو دعوت نامے موصول ہو جانے کے بعد بھی اس بات کا انتظار رہتا ہے کہ دوبارہ انہیں مدعو کیا جائے اس کنفرمیشن کے بعد مزید بلاوے کی ضرورت نہیں رہے گی۔
(۲) اگر کچھ لوگ ناراض ہوں اور یہ اندازہ نہ ہو سکے کہ وقت پر شریک ہو سکیں گے یا نہیں تو کنفرمیشن کا نہ ملنا اس بات کی علامت سمجھی جائیگی۔
(۳) کنفرمیشن مل جانے کے بعد تمام ضروریات کی چیزوں کا اندازہ صحیح طور پر کیا جا سکے گا۔
(۴) شہر سے باہر جانے والی براتوں کے سواری کے انتظام میں متوقع تعداد معلوم ہو سکے گی۔
(۵) سلامی۔ اگرچہ یہ رسم امیروں کو ہی زیادہ فائدہ پہونچاتی بہرحال اس کے کچھ اور فائدے ہیں جن کے پیش نظر جاری رکھنے میں کچھ زیادہ قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ البتہ نکاح یا نوشہ سازی کے موقع پر نہ رکھا جائے اس لئے کہ ایک تو خود کا پہلو اس میں آجاتا ہے دوسرے مبارکبادی کے پروگراموں میں خلل پڑتا ہے اگر یہ مجوزہ کنفرمیشن والی سلپ کے ساتھ بھیج دی جایا کرے تو وقت بھی بچ جائیگا اور اس وقت پہونچ جائیگی جب کہ اس کے خرچ کی ضرورت ہوگی۔
کنفرمیشن حاصل کرنے کا آسان طریقہ دعوت نامے کے ساتھ ایک سادہ سلپ کسی مخصوص علامت کے ساتھ لگا دی جائے، ہر مدعو کارڈ وصول ہونے کے چوبیس گھنٹے کے اندر ہی اسے صاحب معاملہ کے پاس پہونچادے۔
(۶) تقریب نکاح:۔ کسی مرکزی مقام پر خواہ وہ دفتر سوسائٹی ہو، کوئی ہوٹل ہو یا مسجد دونوں طرف کے زیادہ سے زیادہ افراد ایک متعین وقت پر پابندی وقت کا پورا پورا لحاظ رکھتے ہوئے اکٹھا ہوں، نوشہ سازی اور نکاح ایک ہی وقت میں ہوں، تلاوت کلام پاک مقاصد نکاح کی وضاحت، تہنیتی پیغامات وغیرہ یہ سب اس نشست کے اجزاء ہوں، چھوارے بھی لٹائے اور تقسیم کئے جائیں اس سلسلہ میں قطعاً بخل نہ کیا جائے، کم از کم ایک چھوارہ ہر شریک محفل کو ضرور مل جائے، آخر میں چائے، کولڈ ڈرنک یا مختصر ناشتے کے ذریعہ حاضرین کی تواضع کی جائے

(۷) دعوت ولیمہ:۔
یہ تقریباً لازمی ہونا چاہئے خواہ وہ ایک چائے کی پیالی پر ہی کیوں نہ ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے اسے بہت پسند کیا ہے۔
اسی کے ساتھ میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں خدا سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے راستے کا صحیح شعور عطا فرمائے
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

سیرت کے چند پہلو

قسط

از

ندیم الواجدی

راوی کے حالات کی چھان بین کے فن کو اسی لئے رجال کے فن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کتاب مشہور محدث یحییٰ ابن سعید القطان (م ۱۹۸ھ) نے لکھی تھی۔ حافظ ذہبی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ فن رجال میں سب سے پہلے یحییٰ ابن سعید القطان نے لکھا ہے، پھر انکے تلامذہ یحییٰ بن معین (م ۲۳۳ھ)، امام احمد (۲۴۱ھ)، ابو خیثمہ (م ۲۳۴ھ) اور عمرو بن علی الفلاس (م ۲۴۹ھ) وغیرہ نے اس فن میں لکھا۔ پھر ان لوگوں کے تلامذہ بخاری و مسلم وغیرہ نے ادھر توجہ کی (۸۳)

لیکن یحییٰ ابن سعید القطان، ان کے شاگرد، یا دیگر بزرگوں نے جو کچھ اس فن کے سلسلہ میں لکھا وہ آج موجود نہیں ہے۔ بعض موجود ہیں تو مخطوطات کی شکل میں ہیں یا نایاب ہیں، یا ایسی ہیں جو اس فن پر حاوی یا کامل نہیں کہی جاسکتیں، مثلاً امام بخاری کی "التاریخ الکبیر" جو ۸ اجزاء میں حیدر آباد سے چھپی ہے۔

اس لئے اس فن کی سب سے پہلی کتاب جو ضخیم اور تفصیلی ہے علامہ یوسف ابن الزکی (م ۷۴۲ھ) کی تصنیف "تہذیب الکمال" ہے۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاکمال فی بیان احوال الرجال" کے نام سے اس پر اضافے کئے ہیں۔ حافظ شمس الدین مزیؒ کی تہذیب الکمال کی تلخیص کرکے "تذہیب التہذیب" اور "الکاشف فی اسماء الرجال" ترتیب دی ہیں۔ ان کے علاوہ رجال کے فن میں ذہبیؒ کی دو کتابیں "میزان الاعتدال فی اسماء

الرجال (۳ جلدیں) تذکرۃ الحفاظ (چار جلدیں) بھی ہیں جن کی اہمیت مسلم ہے۔ اس کے علاوہ سیر اعلام النبلاء بھی ان کی مشہور کتاب ہے جو ڈاکٹر صلاح الدین المنجد کی تصحیح و ترتیب کے ساتھ مصر سے شائع ہوئی ہے۔ مشہور ماہر رجال حافظ ابن حجر نے ذہبی کی "میزان الاعتدال" پر اضافات بھی کیے ہیں اور اس کا نام انھوں نے "لسان المیزان" رکھا ہے۔ یہ کتاب تین ضخیم جلدوں میں حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ اس فن میں ابن حجر نے مستقل کتابیں لکھی ہیں جن میں سے "تہذیب التہذیب" نہایت مبسوط ہے، بارہ جلدوں میں یہ بھی حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے۔

"تقریب التہذیب" (۱ جلد) طبقات الحفاظ (۲ جلدیں) وغیرہ بھی ان ہی کی تصانیف ہیں اور رجال کے فن میں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔

اس مختصر سی گفتگو سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے ان لوگوں کے سلسلے میں کس قدر احتیاط اور تلاش و جستجو سے کام لیا ہے جن لوگوں سے آنحضورؐ کے متعلق کوئی چیز منقول ہے اگر وہ راوی محدثین کے اصول و معیار کے مطابق ہوں تو ان کی بیان کردہ روایات قابل اعتبار ہیں، اگر ایسا نہیں ہے تو وہ روایات رد کر دی جائیں گی اور پھر روایات کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں بھی ان گنت درجات قائم کیے گئے۔ احادیث و روایات مرفوع بھی ہیں منقطع بھی ہیں، شاذ بھی ہیں، مرسل بھی، غریب بھی، منکر بھی، صحیح بھی، حسن بھی اور ان میں بھی متعدد قسمیں نکالی گئیں اور ان کے الگ الگ احکامات بیان کیے گئے، پھر یہ کہ راوی نے جو روایت بیان کی ہے وہ من و عن الفاظ کے ساتھ ہے یا اجزا کے ساتھ یا دوسرے لفظوں کے ساتھ ان میں سب صورتوں کے الگ الگ احکامات ہیں، بعض صورتیں اہم ہیں اور بعض اس سے کم درجہ کی، بعض اس سے بھی کم، اس پوری کد و کاوش کو جس فن میں بیان کیا گیا محدثین نے اسی کا نام علم درایت رکھا (۱۴۸) اس سلسلہ میں بھی علما نے ان گنت تصنیفات کیں، حافظ ابن حجر کی "نخبۃ الفکر" اور اس کی شرح اصول فن میں مشہور کتاب ہے اور دینی مدارس کے نصاب میں داخل ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اس کی متعدد شروحات علماء نے لکھی ہیں، مثلاً ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے "شرح شرح النخبۃ" مولانا عبد الحی خطیب جامع رنگون نے "سلسلۃ القربیٰ فی توضیح شرح النخبۃ" اور مولانا اکرم ابن عبد الرحمن السندی نے "امعان النظر" لکھی ہیں۔

اس فن پر کچھ کتابیں یہ ہیں:-

ابو محمد عبد الرحمن الرازی (م ۳۲۷ھ) "علل الحدیث" تقی الدین ابن صلاح (م ۶۴۳ھ) "مقدمہ ابن صلاح"۔ امام نووی (م ۶۷۶ھ) "تدریب الراوی"۔ طاہر صالح الجزائری "توجیہ النظر"۔ حافظ ابن حجر (م ۸۵۲ھ) "ہدی الساری مقدمہ شرح بخاری"۔ شمس الدین السخاوی (م ۹۰۲ھ) "شرح الفیہ"۔

خود ہندوستانی عالموں نے بھی اس فن میں تصنیفات کی ہیں، مثال کے طور پر مولانا عبد الحی لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ) کی "الرفع والتکمیل فی الجرح والتعدیل" اور "ظفر الامانی فی مختصر الجرجانی"۔ موخر الذکر کتاب سید شریف جرجانی

(م ۱۰۱۳ھ) کی "مختصر" کے نام سے مشہور کتاب کی شرح ہے، مولانا عبدالحیؒ نے اس کتاب کی بہترین شرح "ظفر الامانی" کے نام سے کی ہے، اس سلسلہ میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی دیوبندی (م ۱۳۶۹ھ) کے "مقدمہ فتح الملہم" کا ذکر نہ کرنا سخت ناانصافی ہوگی، یہ مقدمہ بڑے سائز کے ۱۰۸ صفحات پر پھیلا ہوا اور اصول حدیث پر بہترین، مفصل اور دلائل سے مزین کلام کیا گیا ہے، ادارہ شرکت علمیہ دیوبند (یو، پی) کی طرف سے حال ہی میں فتح الملہم کی پہلی جلد شائع ہوئی ہے جس میں یہ مبسوط مقدمہ بھی شامل ہے۔

روایت کے رد و قبول کے ذیل میں کسی تفصیلی گفتگو کی گنجائش نہیں ہے، آئیے راوی کے کذب کی چند علامات پر ایک نظر ڈال لیں۔ اس سے بھی سیرت نبوی کے صحت ماخذ پر روشنی پڑے گی۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے عجالۂ نافعہ میں حسب ذیل علامات بیان کی ہیں، اصل کتاب فارسی میں ہے ہم یہاں ان علامات کا واضح اردو ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"اگر ان میں سے کوئی امر کسی روایت کے اندر پایا جائے گا اسے رد کر دیا جائیگا اور روایت کو موضوع قرار دے دیا جائیگا۔

(۱) مشہور و معروف تاریخ کے خلاف روایت ہو مثلاً کسی کا یہ کہنا کہ جنگ صفین میں حضرت عبداللہ ابن مسعود نے ایسا فرمایا۔ حالانکہ حضرت ابن مسعود جنگ صفین سے قبل خلافت عثمانؓ میں انتقال فرما چکے تھے۔

(۲) راوی رافضی ہو اور وہ صحابہ پر طعن کے متعلق احادیث بیان کرے۔ یا ناصبی ہو اور اہل بیت کے طعن کے سلسلہ میں حدیث بیان کرے

(۳) راوی ایسی بات بیان کرے جس کا جاننا اور عمل کرنا ہر مکلف پر فرض ہو اور وہ روایت میں تنہا ہو تو یہ حدیث جعلی قرار دی جائے گی۔

(۴) وقت اور حالت ہی راوی کے جھوٹے ہونے کا قرینہ ہو جیسے غیاث ابن میمون کا واقعہ ہے کہ وہ مہدی خلیفہ عباسی کی مجلس میں حاضر ہوا اور وہ اس وقت کبوتر بازی میں مشغول تھا، غیاث نے مہدی کو دیکھتے ہی کہا:

لَا سَبَقَ اِلَّا فِیْ خُفٍّ اَوْ نَصْلٍ اَوْ حَافِرٍ اَوْ جَنَاحٍ ۔	بازی جائز نہیں مگر اونٹ تیر، گھوڑے اور پرندے میں۔

اس میں جناح کا لفظ غیاث نے مہدی کی خوشامد کے لئے بڑھایا ہے۔

(۵) روایت عقل و شرع کے مقتضی کے خلاف ہو اور قواعد شرعیہ اس کی تکذیب کریں۔ مثلاً کوئی روایت کرے:

لَا تَاْکُلُوا الْبِطِّیْخَ حَتّٰی تَذْبَحُوْهَا ۔	خربوزے کو ذبح کر کے کھاؤ۔

(۶) حدیث میں ایسا کوئی واقعہ مذکور ہو کہ اگر فی الواقع وہ پایا جاتا تو ہزاروں آدمی اس کو بیان کرتے، مثال کے طور پر ایک شخص روایت کرتا ہے کہ ایک روز جمعہ خطیب کو بر سر منبر قتل کر ڈالا گیا اور اس واقعہ کا راوی اپنی روایت میں منفرد (تنہا) ہے۔

(۷) لفظ کا رکیک ہونا۔ مثلاً ایسے الفاظ سے تعبیر کرنا جو بلحاظ قواعد عربیہ درست نہ ہوں، یا اس کے معنی رسالت اور وقار نبوت کے منافی ہوں۔

(۸) صغیرہ گناہ سے ڈرانے میں حد سے زیادہ مبالغہ کیا گیا ہو۔ یا تھوڑے سے عمل پر حد سے زیادہ ثواب کا مستحق قرار دیا گیا ہو۔

(۹) ذرا سے عمل اور معمولی سے کام پر حج وعمرے کے ثواب کی امید دلانا۔

(۱۰) خیر کے کام کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنانا کہ انھیں انبیاء علیہم السلام کا سا ثواب ملے گا۔ یا ستر (۷۰) نبیوں کا ثواب حاصل ہوگا۔

(۱۱) راوی حدیث وضع کرنے کے بعد اس کا خود اقرار کرلے (۸۵)۔

ملا علی قاری نے بھی کچھ اصول بیان کئے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) وہ حدیث جو صریح احادیث کے خلاف ہو۔

(۲) وہ احادیث جن میں آئندہ واقعات کی تعیین تاریخ پیشین گوئی کی گئی ہو۔

(۳) وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں مثلاً یہ کہ عوج ابن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا۔

(۴) وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار سال کی ہے۔ (۸۶)

۶۔ سیرت کی ضرورت کیا ہے؟

اس عنوان کے تحت ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آخر سیرت کی ضرورت کیا ہے؟

ایک ایسا شخص جس کی ذات کو چودہ سو برس کا طویل زمانہ گذر چکا ہے آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جو اس کے حالات کے مطالعہ سے ہمیں حاصل ہوگی، ہمیں سیرت کی ضرورت پر کئی پہلوؤں سے غور کرنا ہوگا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں ہمیں اس شخص کے حالات زندگی اور واقعات جاننے کی ضرورت ہے اور میں کہتا ہوں کہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ جس نے خدا کی طرف سے ہمیں پیغام ہدایت دیا اور جہالت کی تاریکیوں میں اسلام کی روشنی عطا کی۔ آخر میں ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جو شخص ہمارا محسن اعظم ہے جس کی آواز پر ہم نے لبیک کہا ہے وہ کون ہے؟ کب پیدا ہوا؟ کہاں پیدا ہوا؟ اسکا پیغام کیا ہے؟ اس نے اپنے مشن کی تکمیل میں کن مشکلات کو برداشت کیا؟ کب وفات ہوئی؟ اور ان تمام سوالات کے جواب ہمیں سیرت کے مطالعہ ہی سے حاصل ہو سکتے ہیں اور پھر ہمارا یہ ایمان ہے کہ قرآن پاک کا ہر حکم ہمارے لئے واجب التعمیل ہے۔ ہمارے اندر اتنی جرأت نہیں کہ اس کے احکام یا الفاظ کو جھٹلانے کی کوشش بھی کرسکیں اور قرآن ہمیں حکم دیتا ہے:

مَا آتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰکُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا (القرآن)

اور ہمیں آپ کے حکم کی تعمیل کو اس لئے کہا جارہا ہے کہ:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (القرآن)

اور اس لئے بھی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۔ اسی لئے قرآن نے یہ اعلان فرمادیا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۔ جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (القرآن)

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ سیرت ہمارے لئے بحیثیت ایک مسلمان ضروری امر ہے اور اس سے تعلق رکھنے کے ہم مکلف اور پابند ہیں۔

سیرت کی ضرورت انسانی حیثیت سے اس لئے ہے کہ قرآن پاک میں آپ کے بارے میں یہ دعوی فرمایا گیا ہے

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ (القرآن)

(اور ہم نے آپ کو سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)

تو گویا قرآن کریم نے آنحضورؐ کے سلسلہ میں عالم کے لئے رحمت ہونے کا جو دعوی فرمایا ہے ایک انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس دعوے کی تصدیق کرے اور آنحضورؐ کی حیات پاک میں اس دعوے کی صداقت کی جستجو کرے۔

سیرت نبوی ایک علمی ضرورت بھی ہے۔ اس فن کی ضرورت بھی اسی لئے پیش آئی تاکہ ان لوگوں کے حالات کو پڑھا جائے اور ان کے تجربوں سے فائدہ یا عبرت حاصل کی جائے، جنھوں نے دنیا میں کوئی امتیازی مقام حاصل کیا ہے۔ آج دنیا میں معمولی معمولی شخصوں کی سوانح عمریاں بھی قراطیس کی زینت بن چکی ہیں تو آخر اس عظیم انسان کی زندگی کیوں لوگوں کے سامنے نہ آئے جو کروڑوں [illegible] دلوں کا مالک ہے اور اس کا ہر ہر حکم ہمارے لئے قابل تعمیل ہے جو انسانیت کا محسن اعظم ہے

جس نے ایک ایسے وقت میں روشنی دکھلائی جب کہ جہالت کی تاریکیاں اپنے شباب پر تھیں اور پھر تاریخ شاہد ہے کہ اندھیروں کو ختم کرنے اور روشنیوں کو ان کی جگہ لانے میں اس شخص واحد کو کتنے مصائب برداشت کرنے پڑے، کتنا عظیم شخص تھا وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کی زندگی کتنے تجربات، کتنے چیلنجات و ہدایات اور کتنی روشنیوں کی حامل تھی اور اس کا فخر بھی صرف مسلمانوں کو ہی حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے رسول کی زندگی کے ایک ایک پہلو کی دل وجان سے حفاظت کی ہے۔ آج مذاہب کی تاریخ میں کتنے لوگ ہیں جو یہ دعوی کرسکیں کہ ہمارے اوتار، ہمارے پیغمبر، ہمارے بھگوان کی زندگی کا لمحہ لمحہ محفوظ ہے۔ اگر وہ یہ دعوی کریں گے بھی تو اس کی کوئی حقیقت نہیں ہوگی۔ کتابیں بتاتی ہیں کہ بعض مذاہب والے تو اپنی کتابیں بھی محفوظ نہ رکھ سکے، لیکن ہمیں فخر ہے کہ ہم نے اپنا سرمایہ مذہب محفوظ رکھا ہے، فللہ الحمد والمنۃ علی ذلک (۸۷)۔

سیرت کی ضرورت علم کلام کی حیثیت سے بھی ہے عقائد کے سلسلہ میں یہ بات محتاج بیان نہیں ہے کہ مسلمانوں کے لئے خدا کی وحدانیت اور معبودیت کا اقرار کرلینے کے بعد آنحضورؐ کی رسالت کی تصدیق اور اس پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے۔ اسی بنیاد پر اسلام کے بدخواہ اور دشمن بلکہ دوست بھی یہ اعتراض یا سوال کرسکتے ہیں کہ جو ذات ہمارے لئے اتنی رفیع الشان ہے جس کو تم رسول اور پیغمبر مانتے ہو آخر وہ کون تھے؟ کب تھے، کہاں تھے؟ ان کا پیغام کیا تھا؟ یہ سب سوالات ہیں جن کے جوابات سیرت ہی سے حاصل ہوسکتے ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر اگر دیکھا جائے تو سیرت نبوی ایک ناگزیر اور ضروری مقصد کی حیثیت رکھتی ہے اسی لئے امام ابن تیمیہ نے اس شخص کو جو میدان علم و ملکت کے ہاتھوں یقین و ایمان کی دولت ضائع کر چکا تھا یہ وصیت کی تھی کہ سب کچھ چھوڑ کر صرف حیات طیبہ کے مطالعہ میں لگ جاؤ اور بقول مولانا ابو الکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) انھوں نے اس طرح یہ جتلا دیا کہ علم و بصیرت کا اصلی سرچشمہ صرف حیات نبوت اور منہاج مقام رسالت ہے جس کو قرآن حکیم نے "الحکمۃ" سے تعبیر فرمایا ہے (۸۸)

(۷) سیرت کے مطالعہ کا مقصد

اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوگیا کہ سیرت کا فن ایک ترقی پذیر اور وسیع فن ہے، نہ صرف یہ کہ ایک فن ہے بلکہ ایک مسلمان کے لئے یہ فن تفسیر و حدیث کی طرح باعث برکت بھی ہے اسی لئے شیخ ابراہیم حلبی (م ۹۵۶ھ) نے اپنی کتاب السیر الکبیر کے شروع میں یہ شعر درج کیا ہے:

نَحْمَدُ مَنْ عَلَّمَنَا عِلْمَ السِّيَر
وَصَلَوٰتُہٗ عَلٰى خَيْرِ الْبَشَر (۸۹)

(میں اس ذات پاک کی حمد کرتا ہوں جس نے ہمیں علم سیرت سکھایا ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو خیر البشر پر)

ایک مسلمان کا سیرت نبوی کے مطالعہ سے یہ مقصد ہونا چاہیے کہ وہ سیرت سے روشنی حاصل کرے اور اسی کے مطابق اپنی زندگی ڈھالنے کی کوشش کرے۔ سیرت نبوی کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ انسان کو اخلاقی اور روحانی طاقت بخشتی ہے اور مختلف الخیال لوگوں کے درمیان محبت و مساوات اور ہم آہنگی قائم رکھنے میں بڑی موثر ثابت ہوتی ہے، وہ دلوں سے نفرت کے غبار کو چھانٹتی ہے، اس کا مطالعہ ہمیں خالق سے قریب لانے میں مدد کرتا ہے، جہالت اور گمراہی میں حق کا پیغام سنانے کے لئے نہ صرف عزائم پیدا کرتا ہے بلکہ اس کا سلیقہ بھی دیتا ہے۔ سیرت کا مطالعہ ایسی راہ متعین کرتا ہے جس پر چل کر نجات ابدی حاصل کی جا سکتی ہے سیرت کی روشنی عام ہے اس سے جاہل اور کم پڑھے لکھوں کو بھی روشنی ملتی ہے۔ وہ لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو عالم ہیں، فلسفی ہیں۔ اس کے فائدے مسلمانوں کے لئے خاص نہیں ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ سیرت کی روشنی میں دنیا نے اپنے مقصد متعین کئے ہیں۔

حوالجات

(۱) البستانی۔ دائرۃ المعارف (مصری) ج ۱۰ ص ۳۰۹ ۔ (۲) شاہ عبد العزیز (م ۱۲۳۹ھ) عجالۂ نافعہ ص ۱۴ ۔ (۳) ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری (م ۲۶۱ھ) ج ۲ ص ۱۸ ۔ (۴) حافظ ابن حجر عسقلانی (م ۸۵۲ھ) فتح الباری ج ۶ ص ۔ (۵) امام ابن الہمام حنفی (م ۸۶۱ھ) فتح القدیر شرح الہدایہ ج ص ۔ (۶) علامہ شبیر احمد عثمانی (م [illegible]) فتح الملہم ج ۱ ص ۱ ۔ (۷) مولانا عبد الرؤف [illegible] اصح السیر ج ۱ ص ۸ ۔ (۸) فتح الملہم ج ۱ ص ۵۸ ۔ (۹) مولانا شبلی (م ۱۳۳۲ھ) سیرۃ النبی ج ۱ ص ۸ ۔ (۱۰) ابو عبد اللہ محمد ابن اسماعیل بخاری (م [illegible]) صحیح البخاری ج ۲ ص ۱۰۰۲ ۔ (۱۱) صحیح مسلم ج ۲ ص [illegible]

سنن دارقطنی ص ۲۰۴ و ۲۰۹ و ص ۲۸۵ ، و حافظ ابو القاسم طبرانی رہ (م ۳۶۰ھ) طبرانی ص ۲۱۷ و شیخ علاء الدین الہندی رہ (م ۹۷۵ھ) کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال ج ۴ ص ۱۸۲ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۹ ۔ (۴۸) امام ابو داؤد سجستانی (م ۲۷۵ھ) ابو داؤد باب زکوٰۃ السائمہ ص ۲۲۴ ۔ (۴۹) طبقات ابن سعد رہ ج ۲ ص ۷۷ (۵۰) بخاری ص ۲۲ ۔ (۵۱) ابن حجر عسقلانی — (م ۸۵۲ھ) طبقات الحفاظ ج ۲ ص ۳۱۲ ۔ (۵۲) ابو عیسیٰ محمد ابن عیسیٰ ابن سورہ رہ (م ۲۷۹ھ) جامع ترمذی ، ج ۱ ص ۱۸۰ ۔ (۵۳) طبقات ابن سعد رہ ج ۵ ص ۲۱۴ (۵۴) بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲ ۔ (۵۵) اصح السیر ج ۱ ص ۱۲ ۔ (۵۶) علامہ ابن عبد البر (م ۴۶۳ھ) الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب دیباچہ ۔ (۵۷) مورخ ابن الندیم ——— الفہرست ص ۲۴۴ ۔ (۵۸) حافظ شمس الدین ذہبی رہ (م ۷۴۸ھ) میزان الاعتدال ج ۲ ص ۱۹۷ ۔ (۵۹) جامع بیان العلم ص ۱۳۶ (۶۰) مورخ ابو نعیم اصبہانی (م ۴۳۰ھ) تاریخ اصبہان بحوالہ اصح السیر ص ۷ ۔ (۶۱) طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۲۱ (۶۲) بخاری شریف ج ۱ ص ۲۲ ۔ (۶۳) جامع بیان العلم ص ۳۶ ۔ (۶۴) فتح الملہم (مقدمہ) ج ۱ ، ص ۹۲ ۔ (۶۵) شیخ ابراہیم بیجوری المواہب اللدنیہ علی الشمائل المحمدیہ للترمذی ص ۶ ۔ (۶۶) تہذیب التہذیب فی ترجمہ عاصم ابن عمر ابن قتادۃ الانصاری رہ ۔ (۶۷) — کشف الظنون ج ۲ ص ۳۹ ۔ (۶۸) ڈاکٹر مصطفےٰ مصری موقف العقل والعلم والعالم من رب العالمین ج ۱ ، ص ۷۴ ۔ (۶۹) ابو القاسم عبد الرحمن سہیلی (م ۵۸۱ھ) الروض الانف ج ۱ ص ۱۲۲ ۔ (۷۰) مولانا شبلی نعمانی ، ——— سیرت النبی ج ۱ ص ۲۱ ۔ (۷۱) بخاری شریف کتاب المغازی ج ۲ ۔ (۷۲) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) الموضوعات ص ۸۵ ۔ (۷۳) مولانا رضا احمد صاحب بجنوری (بقید حیات) مقدمہ انوار الباری (اردو) ج ۱ ص ۲۱۵ (۷۴) تہذیب التہذیب فی ترجمۃ محمد ابن اسحاق ابن یسار (۷۵) حافظ ابن کثیر (م ۷۷۴ھ) البدایۃ والنہایۃ فی التاریخ ج ۳ ص ۲۲۴ ۔ (۷۶) تہذیب التہذیب ترجمہ محمد ابن سعد ۔ (۷۷) سیرت النبی (مولانا شبلی) ج ۱ ، ص ۲۸ تا ۳۸ ۔ (۷۸) کشف الظنون ج ۲ ص ۳۹ (۷۹) حافظ سید عبد الحی الکتانی فہرس الفہارس والاثبات ج ۲ ص ۳۹۲ ۔ (۸۰) عبد القادر عیدروسی (م ۱۰۳۸ھ) النور السافر ص ۱۱۴ ۔ (۸۱) اردو میں سیرت نگاری کے موضوع پر ایک جامع مقالہ ماہنامہ دار العلوم دیوبند جنوری ۱۹۷۲ء تا نومبر ۱۹۷۲ء شائع ہوا ، مقالہ نگار ہیں الحاج سید محبوب رضوی مصنف تاریخ دیوبند ، اردو میں سیرت نگاری کو موصوف نے تین ادوار پر تقسیم کرنے کے بعد سیرت پر شائع ہونے والی اہم اردو کتابوں کا مختصر اور مختصر تجزیہ کیا ہے ، اس سلسلہ میں قاموس الکتب کا شائع کردہ انجمن ترقی اردو پاکستان سے بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے ۔ (۸۲) مجالہ نافعہ ص ۲۰ ۔ (۸۳) میزان الاعتدال ج ۱ مقدمہ ۔ (۸۴) [illegible] ج ۱ مقدمہ ص ۲ ۔ (۸۵) مجالہ نافعہ ص ۵۸ تا ۶۰ ۔ (۸۶) ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) الموضوعات ص ۹۲ ۔ (۸۷) مناظر احسن گیلانی ——— [illegible] ص ۲ تا ۲۲ (۸۸) مولانا ابو الکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) [illegible]

(ادارہ)

اس بات سے انکار کی گنجائش نہیں کہ ہمارا معاشرہ اور معاشرہ کے مختلف طبقے ان گنت الجھنوں کا شکار ہیں ، مختلف مسائل ہیں جو اس بات کے متقاضی ہیں کہ ان پر پوری دلسوزی اور سنجیدگی سے اجتماعی و انفرادی طور پر غور و فکر کیا جائے اور ان کے حل کیلئے مناسب ماحول متعین کیا جائے اور پھر حرکت و عمل کی قوت سے ان مراحل کو سر کیا جائے ۔ قطع نظر دوسرے اہم مسائل کے اس وقت ہمارے سامنے لڑکوں اور لڑکیوں کو ازدواجی طور پر منسلک کرنا اور مناسب اور بہتر رشتوں کو تلاش کرنا ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس سے کم و بیش برادری کا ہر گھر اور ہر خاندان دوچار ہے ۔ لڑکے والے پریشان ہیں کہ ان کو لڑکے کے رشتہ کیلئے مناسب لڑکی نظر نہیں آتی اور لڑکی والے شاکی ہیں کہ ان کی لڑکی کیلئے بہتر لڑکے نہیں ملتے اور پھر اپنی الجھنوں کا علاج خواہی نخواہی طور پر مقامی دائرہ ہی میں تلاش کرتے ہیں ، ان کی اس مجبوری کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مقامات سے تعلق رکھنے والے برادری کے افراد اور گھرانوں سے نہ تو ان کو واقفیت ہے اور نہ ہی براہ راست کوئی رابطہ کا ذریعہ ۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اگر اس طرح کا کوئی ذریعہ اور واسطہ پیدا کر دیا جائے تو بڑی حد تک ان پریشانیوں سے چھٹکارا پایا جا سکتا ہے اور ایک دوسرے سے دور رہتے ہوئے بھی رشتہ داریاں قائم کرنا آسان ہو سکتا ہے ۔ پھر اس طرح کی رشتہ داریاں قائم ہونے سے زندگی کے دوسرے شعبوں خصوصاً تجارت اور کاروبار میں [illegible] باہمی وسعت پیدا ہو کر ترقی کے روشن امکانات میں اضافہ ہو سکتا ہے ، اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ یہ کام رگ سنگ کے ذریعہ شروع کیا جائے اور وہ اس طرح کہ ضرورت رشتہ کے عنوان کے تحت ہر ماہ ان لڑکوں اور لڑکیوں کی فہرست مع ضروری تفصیلات شائع ہوتی رہیں جن کے رشتے مطلوب ہوں ، جو سرپرست حضرات اپنے نام کو پوشیدہ رکھنا چاہیں ان کیلئے بھی بندوبست کیا جا سکتا ہے ۔ اس فہرست کی روشنی میں لوگ باہمی طور پر ایک دوسرے سے خط و کتابت کر کے باقی معاملات طے کر سکتے ہیں ۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ تجویز برادری کے ہر حلقہ میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی لیکن اس تجویز پر عمل درآمد کیلئے ہمیں مختلف مقامات کے لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے ۔ یہ تجویز اسی وقت کامیاب طور پر چل سکتی ہے جب مختلف مقامات سے ہمیں فہرست رشتوں کی تفصیلات موصول ہوتی رہیں تاکہ ہم مسلسل رگ سنگ کے صفحات پر ان کی اشاعت کر سکیں ۔ اسلئے ہم برادری کے ہر ہر فرد سے درخواست کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ہماری اس تجویز سے اتفاق ہے اور آپ پسند کریں تو [illegible] مقامات سے [illegible] کی فہرست ترتیب دے کر [illegible] سلسلہ جاری ہو سکے [illegible] تعاون کی توقع رکھتے [illegible] بجانب ہیں ۔

انجمن اصلاح قوم پنجابیان رام پور

تعلیم :- شمسی گرلز اسکول ۔

میں انجمن اصلاح قوم پنجابیان کے تحت ضلع رام پور میں چلنے والے لڑکوں کے اسکول کے متعلق ماہ اگست کے رنگ سنگ ۔ میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں جیسا کہ پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں کہ انجمن کو قائم ہوئے باسٹھ سال گذر چکے ہیں ، انجمن کا ایک اہم اور مخصوص شعبہ تعلیم کا ہے ، میرا خیال ہے کہ اب سے باسٹھ سال قبل لڑکیوں کی تعلیم کی کوئی اہمیت نہیں رہی ہوگی جب ہی تو ہمارے بزرگوں نے صرف لڑکوں کی تعلیم پر ہی اکتفا کیا اور ایک طویل عرصے تک صرف لڑکوں کو تعلیم دیتے رہے ۔ ان کو قرآن و حدیث دینیات ، عربی ، فارسی ، انگلش سے مرصع اور مزین کرتے رہے ، شاید اس وقت لڑکیوں کی تعلیم کو گھریلو تعلیم دینا ہی مناسب اور ضروری سمجھا جاتا تھا ۔ کیونکہ اس وقت ضلع رام پور جو ریاست رام پور تھا اس کا بھی کوئی اپنا گرلز اسکول نہیں تھا ، لڑکیوں کی تعلیم کو اتنا ہی بہتر سمجھا جاتا تھا کہ وہ ناظرہ قرآن کے علاوہ کچھ مذہبی کتب ، نور نامہ ، بہشتی زیور وغیرہ پڑھ سکیں ۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا ، لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ لڑکیوں کی تعلیم پر بھی توجہ دی جانے لگی ، لڑکوں کی طرح لڑکیوں کے بھی باقاعدہ اسکول کھلنے لگے اور ریاست رام پور کا بھی اپنا ایک سرکاری گرلز اسکول کھل گیا اور ہر قوم و مذہب کی لڑکیاں تعلیم پانے لگیں ، زمانہ کچھ اور آگے بڑھا وقت نے ایک نیا موڑ لیا ، اسکولوں سے مذہبی تعلیم تو درکنار اردو تعلیم بھی ختم ہو گئی انگریزی تعلیم نے زور پکڑا دنیا دین و مذہب کی راہیں محدود ہو گئیں ، ہندی نصاب نے لڑکوں اور لڑکیوں کو دینی تعلیم سے بھی محروم کر دیا ، لڑکوں نے ابتدائی تعلیم کے منازل طے کئے تو انھیں اعلیٰ تعلیم میں اور آزادی حاصل ہونے لگی انگریزی طریقہ تعلیم سے واسطہ پڑنے لگا جس کے مضرات سے سب ہی لوگ واقف ہیں ، یہ سرکاری اور پرائیویٹ تعلیم گاہیں جن کا ذریعہ تعلیم اردو نہیں ہے وہاں حصول علم کے بجائے فیشن پرستی اور آزاد خیالی پروان چڑھتی ہے ، ایسے حالات میں جلس انتظامیہ انجمن اصلاح قوم نے اپنی ذمہ داری کو ذرا دیر سے محسوس کیا ، اس تاخیر کا سبب غالباً ان کے معاشی تنگدستی اور قوم کے سرمایہ داروں کی عدم توجہی تھی ، بہر حال دیر آید درست آید کے مصداق [illegible] میں شمسی گرلز اسکول کھولا گیا یہ بات بھی بتانا چاہوں گی کہ انجمن کا [illegible] جس مقصد کام کر رہا ہے اس کے پیش نظر اس میدان میں قوم اور برادری سے مراد اہل اسلام سے ہے ، یہی وجہ ہے کہ شمسی گرلز اسکول میں ہر مسلم طبقہ کی لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں اور اخراجات کا بار صرف شمسی برادری نے اپنے کاندھوں پر لے رکھا ہے ، شاید اس میں بھی بلا [illegible] سرمایہ دار لوگ کچھ کچھ ہی شامل نہیں ہیں گے ورنہ کوئی وجہ نہیں کہ ضلع میں برادری کے خرچے سے کوئی بڑا اسکول لڑکیوں کا قائم ہو سکتا ہے ۔

بہر حال اللہ کے فضل سے اسکول چل رہا ہے اور اسمیں تقریباً تین سو لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں ، لیکن ہمارے تخیل کی پرواز [illegible] کو ایک گرلز ڈگری کالج کی شکل میں دیکھنے کی متمنی ہے ——————— (ام [illegible] رام پور)

مکتوبات

کہ لوگ کہتے ہیں!

آپ کے خطوط

میرٹھ ۱۸/۷/۷۳ء

محترمی فیروز صاحب!

اگست کے شمارہ میں آگرہ اور رام پور کے مکتوبات پڑھے اور بریلی کانفرنس کی روداد بھی دیکھی، نیز فکر رنگ میں آپ کی کل ہند شمسی کانفرنس کی تجویز بھی سامنے آئی۔

آپ کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ہر جگہ حرکت و عمل کی خواہش کار فرما ہے۔ میں ذاتی طور پر آپ کی تجویز سے پوری طرح متفق ہوں۔ یقیناً ابتدائی پیش رفت کے طور پر ایک نمائندہ اجتماع ہونا چاہئے تاکہ کانفرنس کے انعقاد اور تیاریوں کے بارے میں ایک خاکہ تیار کر لیا جائے، چنانچہ عرض ہے کہ آپ جو وقت اور مقام تجویز فرمائیں گے مجھے اس سے پورا اتفاق ہوگا اور میں آپ کے ساتھ کام کرنا اپنی خوش نصیبی سمجھوں گا۔ والسلام

عبدالحفیظ

میرٹھ

ہردوئی ۲۲/۷/۷۳ء

فیروز صاحب!

سلام و رحمت

اگست کا شمارہ پیش نظر ہے اور آپ کی کل ہند شمسی کانفرنس کی تجویز سامنے ہے، در اصل یہ تجویز ہم جیسے بہت سے لوگوں کے دل کی آواز ہے جسے آپ نے فکر رنگ کے صفحات پر پیش کر کے ہم سب کی ترجمانی فرمائی ہے، خدا آپ کو آپ کے مقاصد میں کامیاب کرے۔

نمائندہ اجتماع کے لئے وقت اور مقام جو بھی طے ہو اس سے آگاہ فرمائیں، ہر قسم کے تعاون کے لئے حاضر ہوں۔

میں اپنی طرف سے نمائندہ اجتماع کے لئے کانپور کو اہمیت دے رہا ہوں اس لئے کہ جہاں تک مجھے علم ہے کل ہند شمسی کانفرنس کیلئے یہ پہلی آواز ہے جو کانپور سے ہی اٹھائی ہے کیوں نہ آپ کی رہنمائی میں کانپور ہی سے اس کام کا آغاز ہو۔ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ والسلام

خلیل الرحمٰن

آگرہ

۱۸/۷/۷۳ء

محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگست کا رنگ سنگ توجہ سے پڑھا (آپ نے تو پرچہ مجھے بھیجا نہیں ہے) جناب ممتاز معروف صاحب سے مستعار لے کر پڑھا تھا اور یقین جانئے کہ ایک ہی جھٹک میں پورا رسالہ چاٹ گیا۔ رسالہ دلچسپ ہی اتنا ہے کہ ہاتھ سے رکھنے کو طبیعت نہیں چاہتی ہے۔

آپ کی لکھنؤ کی جیل کی آپ بیتی بھی خوب ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کسی پکنک کا آنکھوں دیکھا حال براڈکاسٹ ہو رہا ہو۔ واقعی آپ لوگوں نے اس قید کو پکنک ہی بنا لیا۔ دراصل جواں امنگیں اور بلند عزائم رکھنے والے حضرات تو اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں کو بھی اسی طرح اپنے لئے دلچسپ بنا لیتے ہیں جس طرح عیش و عشرت کے دلدادہ محفل رقص و سرود کو۔

آپ نے کل ہند شمسی برادری کانفرنس کے سلسلے میں آغاز کار کے طور پر جو تجویز پیش کی ہے میں اس سے متفق ہوں اور اگست کے آخر تک میٹنگ کا یہ پروگرام بنایا جا سکتا ہو تو میرے خیال میں آگرہ سے بہتر کوئی جگہ نہیں ہو سکتی ہے۔

جناب یونس صاحب کی خدمت میں سلام عرض ہے

والسلام

آپ کا بھائی۔ محمد طاہر شمسی

●

تعجب ہوتا ہے کہ آپ اسے اتنی پابندی سے نکالنے میں کیسے کامیاب ہوتے ہیں، جبکہ اکثر نئے پرچے نامساعد حالات کی تاب لا کر جلد ہی دم توڑ دیتے ہیں۔ بہرحال بیکراں خلوص اور نیک عشق انسان کی کامیابی کی کلید ہے۔ خدا کرے آپ یہ شمع اردو تند ہواؤں کی زد میں بھی جلائے رکھنے میں یوں ہی کامیاب رہیں۔

رنگ سنگ میں غزل شائع کرنے کا شکریہ! ایک نظم اور غزل ارسال خدمت ہے، امید ہے انھیں بھی باری باری جگہ دیں گے۔ خدا کرے آپ مع الخیر ہوں

خلوص کار نصر قریشی

●

فتح پور

۲۴/۷/۷۳ء

محترم بھائی!

سلام مسنون

اگست کا پرچہ دیکھنے کو ملا ۔۔۔ آپ کی اسیری کی روداد کافی دلکش انداز میں ہے اور مستقبل کیلئے قیمتی سرمایہ بھی۔ جسے تاریخ مسخ نہیں کر سکتی۔

اچھے غزلوں کا باب کافی نکھرا ہوا ہے، کہانی بیجان (؟) بھی کوشش ہے، مولوی شریف حسین محمد احمد علی کے مضامین کافی پسند آئے۔ لیکن انجم عثمانی غضب ڈھا گیا۔ میں ان کی تازہ تحقیقات کی جلد توقع رکھتا ہوں

مکتوبات کا باب کافی مختصر ہوتا جا رہا ہے

زیادہ کیا ۔۔۔؟

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا

آپ کا ڈاکٹر اجمل احمد

●

۳۷ مٹیا بجا منجھ (؟)

۱۹/۷/۷۳ء

الہ آباد

مکرمی فیروز صاحب! خلوص و نیاز

رنگ سنگ پابندی سے موصول ہو رہا ہے بھی کبھی

مکرمی فیروز بوبچہ صاحب! السلام علیکم

بعد سلام علیک کے عرض ہے کہ ماہ اگست کے پرچہ میں انجمن اصلاح قوم پنجابیان کی تعلیمی رپورٹ بھیجی ہوئی چھپی دیکھ کر انتہائی خوشی ہوئی، اس کے لئے شکرگزار ہوں ــــــ انجمن سے متعلق تعلیم نسواں سے متعلق رپورٹ ارسال ہے اس کو بھی رگ سنگ کے صفحات میں مقام دیکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں ابھی تک رگ سنگ کے ساتھ کوئی تعاون نہیں کرسکا۔ اپنی ناچیز خدمات اسی شکل میں پیش کر رہا ہوں کہ مجھے آپ رام پور کے "رگ سنگ" کے گراہکوں کی فہرست بھیج دیجئے، میں ان کے علاوہ اپنے دوست احباب کو اس کا گراہک بناؤنگا اور ان شاءاللہ اس میں مجھے کامیابی بھی حاصل ہوگی، میرا خیال ہے اتنے اہم اور مفید رسالہ کو زندہ، پائندہ رکھنے کیلئے اس کے پڑھنے والوں کی تعداد بڑھائی جائے ــــــ رام پور میں برادری کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ اگر آپ اشتہارات کے سلسلے میں مجھے اجازت دیں گے اور اس کے اصول و قواعد سے مطلع کریں گے تو ان شاءاللہ رام پور سے ایسے اشتہارات بھیجنے کی بھی کوشش کرونگا ــــــ برادری سے متعلق جو اعلیٰ کانفرنس کرنے کی آپ کی تجویز ہے وہ قابل تحسین ہے ــــــ میرے لائق جو بھی خدمت ہو لکھیں۔

ملاقات کا خواہشمند:۔ ایم ریاض شمسی۔

ضرورتمند اور غریب عوام کی معاشی پریشانیوں کو مدنظر رکھ کر

۱۷ر جون ۱۹۸۱ء کو محمدیہ اسپتال سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا جس کے زیر انتظام شہر کی گنجان آبادی والے علاقے بیکن گنج میں محمدیہ اسپتال شروع کیا گیا، یہ اسپتال عطیات سے چل رہا ہے اور ڈاکٹر صاحبان اعزازی طور پر یہاں کام کر رہے ہیں، اب تک محمدیہ اسپتال سے دو لاکھ ۲۶ ہزار ۹ سو ۲۷ مریضوں نے استفادہ کیا ہے جس میں غالب اکثریت پردہ نشین خواتین کی ہے، گذشتہ ماہ جون میں ۵ ہزار ۴ سو ۹۷ مریضوں نے محمدیہ اسپتال سے علاج و معالجہ کی سہولت حاصل کی، اس ماہ میں اسپتال کو جاجمئو شریز سے ۸۳۵ روپیہ کی رقم عطیات سے وصول ہوئی اور اسپتال کے پرچوں و انجکشن کی معمولی فیس سے ایک ہزار سات سو اکتالیس روپیہ ۶۲ پیسے آمدنی ہوئی اور دو ہزار ایک سو ۵۲ روپیہ ۵۲ پیسے خرچ ہوئے، آمد و خرچ کا گوشوارہ حسب ذیل ہے:۔

آمدنی:۔ عطیات:۔ ۔۔ ۸۳۵ • اسپتال:۔ ۶۲ ۔ ۱۷۴۱ = ۶۲ ۔ ۲،۵۷۶

خرچ:۔ دوائیں:۔ ۹۴ ۔ ۱۳۳،۱ • تنخواہیں:۔ ۰۰ ۔ ۸۷۵ • بجلی:۔ ۴۴ ۔ ۸۴ ۔ ۹۹ •

متفرقات:۔ ۲۰ ۔ ۷۷ = ۵۲ ۔ ۲،۱۵۲ •

سوالات وجوابات

لیجئے، جواب حاضر ہے!

علامہ معلومی کے قلم سے

مسعود، ناظر باغ، کانپور

س۔ کیا تعزیہ داری جائز ہے؟

ج۔ جی نہیں! علماء اسلام تعزیہ داری کے خلاف متعدد بار فتوے دے چکے ہیں۔

س۔ بعض مسجدوں میں اذان کے بعد سلام پڑھتے ہیں، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔ براہ کرم پوری تفصیل سے ہمیں آگاہ کریں؟

ج۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے صرف کانپور کی بعض چند مسجدوں میں اذان کے بعد سلام پڑھا جاتا ہے، ان کو چھوڑ کر کانپور کی تمام مساجد و نیز دوسرے شہروں میں کہیں بھی سلام نہیں پڑھا جاتا۔ چونکہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے اسلئے تفصیلات کیلئے کسی عالم دین سے رجوع فرمائیں۔

س۔ خاندانی منصوبہ بندی سے ہماری حکومت کو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

ج۔ فائدہ تو کچھ نہیں ہوتا، البتہ خدا کی نسل کو کم کرنے کاٹ کر پھینکنے کا ایک ہتھیار ہاتھ آگیا ہے۔

شعیب احمد، ناظر باغ، کانپور

س۔ کیا سائنس داں پانی برسا سکتے ہیں؟

ج۔ جی ہاں! محدود طور پر۔ لیکن فضا کو مرطوب بنانے سے قاصر ہیں۔

س۔ آج کل ہماری دعاؤں میں اثر کیوں نہیں ہے؟

ج۔ دعاؤں میں بندگی کا خلوص شامل نہیں ہے، اسلئے اثر بھی نہیں ہے۔

ندیم الہی۔ مصری بازار، کانپور

س۔ اس تواریخ کا کیا نام ہے جس میں تین لاکھ خاندان ایک دن میں مسلمان ہوئے تھے؟ اور اس قوم کا نام کیا تھا؟

ج۔ کم از کم ہمارے علم میں ایسی کوئی تواریخ نہیں، اگر آپ کے علم میں ہو تو ہماری معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر مطلع فرمائیں۔

س۔ اگر آپ انعامی مقابلہ جاری کر دیں تو کیسا رہیگا؟

ج۔ آپ کی تجویز دلچسپ ہے، ادارہ اس پر غور کریگا۔

ڈیلائٹ ...
FOOT WEAR
مضبوط ...
MAZBOOT
پرنس ....
PRINCE
P.V.C
باوقار لباس پر موزوں
عُمدہ جوتے
سوسائٹی میں آپ کی شان و شوکت کو دوبالا کرتے ہیں
اپنی پسند کے مطابق ہر قسم کے جوتے' چپل اور سینڈل
زنانہ ، مردانہ ، دیرپا اور مضبوط

REGISTERED No. L. 1797 SEPTEMBER 1973 Phones : 68820, 6[illegible]
Registered with the Registrar of Newspapers R N. 19397/70

PRINTED BY : UPPER INDIA PRINTERS, KANPUR-1.

فیروز لویجہ
PER

پورٹ فولیوز و سفری سامان

...ٹ اینڈ سیڈلری

...میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔

...کر خدمت کا موقع فراہم کریں۔

بنائیں آؤ رگِ سنگ کے لہو سے وہ نقش
کہ جس پہ نقش گر کائنات ناز کرے
یونس قنوجی

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

مدیر
فیروز الدین بوہیجہ

معاون مدیر
شاہد مسرور

سرورق ــــــ آرٹیکو

تزئین ــــــ ابن یونس

خطاط ــــــ ملک ابو الحسنات الاعظمی

ماہنامہ

رگِ سنگ

کانپور

سال سوم • شمارہ (۳۲)

اکتوبر، نومبر ۷۳ء • رجب، شعبان ۹۳ھ

عام شمارہ ایک روپیہ ۔ سالانہ دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر :۔
۸۹/۴۲ کھنیا بازار، کانپور

فون :۔ ۶۰۴۷۲ • ۶۲۸۸۳ • ۴۲۸۷۱

طابع ناشر مالک :۔ فیروز الدین بوہیجہ
مطبوعہ :۔ لیتھو برقی پریس تحی شرک، کانپور

اسلامی معاشرہ وہ معاشرہ ہے جس کی تنظیم کی بنیاد بس عقیدہ ہے اور عقیدہ ہی ایسی وہ قومیت ہے جو کالے گورے، سرخ، پیلے، عربی، رومی، ایرانی، حبشی، غرض زمین کی ساری ہی قوموں اور نسلوں کو ایک ایسی امت کی شکل میں یکجا کر دیتی ہے جس کا رب اور مسجود و معبود تنہا خدا ہو، جس کے اندر شرف و عزت کا معیار صرف تقویٰ ہو، جسمیں سب ایک دوسرے کے برابر ہوں اور جس کیلئے کلمہ جامع صرف اس کا ہو نہ کہ اور کوئی بات۔

سید قطب شہید

فہرست مضامین

ایک پیغام

شرعی حدود کے اندر اجتماعیت ھی

ہمارے مسائل کا حل ہے

•

شہ رگ

مریدے فاقہ مستے گفت باشیخ ۔ کہ یزداں را زحال ما خبر نیست
بہ ما نزدیک تر از شہ رگ ماست ۔ ولیکن از شکم نزدیک تر نیست

علامہ اقبالؒ کے مندرجہ بالا قطعہ میں "شکم" کے طنزیہ تذکرے کو محض شاعرانہ تخیل قرار دینا بدمذاقی کے ساتھ ساتھ اس ذمہ داری سے پہلوتہی اور کوتاہی ہوگی جو خدا کی طرف سے ملت کے صاحب حیثیت افراد پر معاشرہ کے غریب ونادار لوگوں کی خبرگیری کیلئے عائد ہوتی ہے اور جس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کیلئے خدا تعالیٰ نے اپنے ان بندوں پر زکوۃ فرض کی جن کو اس نے دولت سے نوازا ہے ۔ زکوۃ کی فرضیت اور اس کے اخراجات کے اصول متعین فرما کر رب العالمین نے واضح اشارات دئے ہیں کہ اسلامی معاشرہ کو دنیا کے سامنے ایک مثالی و فلاحی معاشرہ ثابت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ملت اسلامیہ کے کمزور اور مفلس طبقہ کی اس طور پر دستگیری کی جائے کہ اس کے دل میں غربت و مفلسی کا احساس باقی نہ رہے اور لوگ " چہ خورد بامداد فرزندم " کی تکلیف دہ فکر سے بڑی حد تک آزاد ہو کر سوسائٹی میں عدم توازن اور فساد کا ذریعہ نہ بنیں ، ان کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت بھی ہوتی رہے اور ساتھ ہی ان کی عزت نفس بھی مجروح نہ ہونے پائے ، زکوۃ ادا کرنے والا اپنے ہم جنسوں پر احسان جتانے یا برتری و تفوق کا اظہار کرنے کے بجائے خدا کا شکر ادا کرے کہ اس کی بارگاہ سے اسے ایک فرض کی ادائگی کی توفیق ملی اور زکوۃ سے مالی طور پر مستفید ہونے والے قلبی طمانیت محسوس کریں کہ صاحب ثروت افراد ان کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت سے غافل نہیں ہیں ۔

ہم بحیثیت مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ، خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اقوال و افعال کو نمونۂ عمل تسلیم کرتے اور ان کی پیروی کو دنیوی فلاح اور اخروی نجات کا وسیلہ تسلیم کرتے ہیں ، پھر ہم میں سے کون نہیں جانتا کہ زکوۃ کی ادائگی و اخراجات کے معاملہ میں ان نفوس قدسیہ نے بیت المال کا اجتماعی نمونۂ عمل پیش فرمایا ہے اور اس نمونہ کے ذریعہ بدیہی طور پر یہ ثابت کر دکھایا کہ زکوۃ کی تقسیم کے سلسلہ میں بیت المال کا نظام ایک ایسا نظام ہے جس کے ذریعہ معاشرہ سے غربت و افلاس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے ۔

لیکن افسوس کہ خیال اظہار احکام الٰہیہ کے مقابلہ میں نفسانی خواہشات کی پیروی اور ... کے اظہار کی لذت نے جہاں اور بہت سی انتشاری کیفیتوں کو جنم دیا وہاں یہ افسوسناک صورت حال بھی سامنے آئی کہ زکوٰۃ جیسا اہم فریضہ اجتماعی دائرے سے نکل کر انفرادی عمل کا دری کے چھوٹے چھوٹے خانوں میں تقسیم ہو کر اپنی ہمہ گیر افادیت کھو بیٹھا۔

حالت یہ ہے کہ ہر سال مسلمان ایک بہت بڑی رقم زکوٰۃ کی مد سے خرچ کرتے ہیں لیکن نتیجہ یہ ہے کہ دن بدن مسلمان معاشی ابتری اور اقتصادی بدحالی کے شکنجہ میں کستے جا رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس طرح نماز انسانی زندگی سے برائیوں کو ختم کرنے کی ضمانت ہے اسی طرح زکوٰۃ بھی سوسائٹی سے اقتصادی عدم توازن کو مٹانے کی ضامن ہے۔ پھر اگر ان دونوں فرائض کی ادائگی سے وہ مقاصد حاصل نہیں ہوتے جن کے لئے یہ فرض کی گئی ہیں تو کیا اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم سے ان فرائض کی روح کو سمجھنے میں کوتاہی ہو رہی ہے اور ہم ان فرائض کو ادا کرنے کے باوجود ان کا حق ادا نہیں کر رہے ہیں۔

مقام شکر ہے کہ مسلمانوں میں اجتماعیت کا شعور پیدا ہو رہا ہے اور انھوں نے زکوٰۃ کی تنظیم اور بیت المال کے قیام کی طرف سنجیدہ توجہ کی ہے ــــــ اس کا واضح ثبوت وہ تحریکیں ہیں جن کی جد و جہد کے نتیجہ میں ہندوستان کے متعدد شہروں میں بیت المال قائم کر لئے گئے ہیں اور ہر سال ان کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

بایں ہمہ مکمل اجتماعیت کا متقاضی یہ گوشہ ہنوز تشنۂ توجہ ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہماری کوئی بستی بیت المال کے قیام سے محروم نہ رہنے پائے۔ ساتھ ہی جہاں بیت المال قائم ہو چکے ہیں اور انکے کارکنوں کی دیانت و امانت مسلم اور طریق کار قابل اعتماد حد تک درست ہے تو ان مقامات اور ان حلقوں کے صاحب نصاب حضرات کا فرض ہے کہ اپنی زکوٰۃ کی رقم کا کم از کم نصف حصہ بیت المال کے حوالہ کر کے اسکی کارکردگی کو زیادہ سے زیادہ مفید اور بامقصد بنانے میں مدد کریں ــــــ کیوں کہ بیت المال کی موجودگی اور اس کے ارکان کی دیانتدارانہ کارکردگی کے ہوتے ہوئے تنظیم زکوٰۃ سے اعراض و انحراف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

ساتھ ہی اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ بتدریج ہم اس حد تک پہونچ جائیں جہاں ہماری زکوٰۃ کی رقم ساری کی ساری بیت المال کے نظم کے تحت خرچ ہو اور ہمارا معاشرہ ان ثمرات و برکات سے بہرہ مند ہو جن کے لئے زکوٰۃ فرض کی گئی ہے۔

ایک دن ہم لوگ کوارٹین جیل میں تھے کہ یکایک خبر آئی کہ مسلم لیگ کے جنرل سکریٹری بصیر احمد صاحب ــــ ریفارمیٹری جیل میں آئے ہیں اور وہاں موجود مجاہدین انکے تشریف لانے سے سخت برافروختہ ہیں یہاں تک کہ ان کو پیٹ دینے پر آمادہ ہیں ــــــ میں گھبرا کر چند رفقاء کو لیکر ریفارمیٹری پہونچا ــــــ وہاں ایک عجیب منظر تھا ـ سب ہی اپنے اپنے کمروں کو چھوڑ کر لان میں جمع تھے، چند ایک کے چہرے غصے سے لال بھبھوکا ہو رہے تھے. چند حضرات نعرے لگا رہے تھے " غدار کو نکالو " " ہماری بے بسی کا تماشہ بنانے آیا ہے " ــــ بصیر صاحب مسلم مجلس کے چند ذمہ دار اور سنجیدہ حضرات کی محافظت میں ایک کمرے میں موجود تھے، باہر لوگوں کے جوش و غضب میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا تھا ـــ مناسب یہی سمجھا گیا کہ ان کو فوراً باہر کر دیا جائے ـ بہزار دقت ان کو کسی طرح جیل کے دروازے کے باہر کیا گیا، اس معاملہ میں فضل الباری، منظر الاسلام وغیرہ مسعود صاحبان نے بڑی بردباری اور سنجیدگی کا ثبوت دیا

محترم بصیر صاحب کون ہیں اور ہم سب لوگ ان سے اتنا زیادہ خفا کیوں تھے ؟ ان باتوں کی وضاحت کے لئے مجھے ذرا ماضی کی طرف لوٹنا ہوگا، بصیر صاحب مسلم یونیورسٹی علیگڈھ میں

یونین کے صدر بھی رہ چکے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ جذباتی ہیں، بہت ہی جوشیلے مقرر ہیں، ان ہی کے دور صدارت میں مسلم یونیورسٹی میں وائس چانسلر علی یاور جنگ پر حملہ ہوا تھا جس کی آڑ لیکر حکومت نے ہماری یونیورسٹی ہتیا لی ——— بعد میں یہ مسلم مجلس میرٹھ کے جنرل سکریٹری ہوگئے، حتیٰ کہ ڈاکٹر فریدی صاحب نے ان کو مغربی زون کا آرگنائزر مقرر کردیا۔

کانپور میں مسلم مجلس کی پہلی صوبائی کانفرنس ہونے جارہی تھی کہ چند دن پہلے بصیر صاحب مع اپنے عزیز اور دوست تسلیم صاحب کے ہمراہ کانپور تشریف لائے، ہم لوگوں نے ان کے اعزاز میں مسلم مجلس آفس میں ایک نشست ترتیب دی، اس نشست میں بصیر صاحب نے بجائے مسلم مجلس کے مسلم لیگ کے قیام کی وکالت کی ہم لوگ ان کی بات سن کر چونکے تو مگر کوئی خاص توجہ نہیں کی۔

کانفرنس میں بصیر صاحب بھی میرٹھ سے ایک پوری بس لیکر آئے تھے ——— صبح جب میں اردو نگر (سبزہ زار میر پور) جہاں کانفرنس ہورہی تھی پہونچا تو معلوم ہوا کہ بصیر صاحب نے رات بھر دیگر اضلاع سے آئے ہوئے مندوبین اور مدعوئین کے خیموں میں تقاریر کی ہیں جن میں مسلم لیگ کے قیام کی تلقین کی گئی تھی ——— میرے رفقاء کافی برافروختہ تھے اور ان کو اس میں کسی سازش کی بو آرہی تھی، لیکن میں نے اپنے رفقاء کو سمجھایا کہ ہر شخص کو اپنے نظریات ——— پیش کرنے کا حق ہے۔ آپ لوگ خفا کیوں ہوتے ہیں، دلائل کے ساتھ آپ لوگ اپنے نظریات کی وضاحت کیجئے۔

ڈیلیگیٹ سیشن جب شروع ہوا تو میرے علم میں لایا گیا کہ بصیر صاحب بجائے اجلاس کے اپنے خیمے ہی میں مقیم ہیں۔ بحیثیت صدر کانپور مسلم مجلس یہ بات میری میزبانی کے فرائض میں داخل تھی کہ میں اپنے کسی بھی مہمان کو خفا نہ ہونے دوں ——— چنانچہ میں ان کے خیمہ میں ان کو منانے کے لئے گیا، میں نے دیکھا کہ دری کے فرش پر کروٹیں بدل رہے ہیں اور چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا ہے ——— اس دن میں نے محسوس کیا کہ بصیر صاحب واقعی بہت جذباتی ہیں ——— میں نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی تو بولے ——— "میرے آدمیوں کو بولنے نہیں دیا جارہا ہے" ——— میں نے اصرار کیا کہ آپ اجلاس میں تشریف تو لے چلئے، مگر وہ نہ مانے۔

میں جب اجلاس میں پہونچا تو محسوس کیا کہ صرف میرٹھ سے آئے مندوبین تو مسلم لیگ کے قیام پر مصر ہیں، بقیہ تقریباً ۳۱ر اضلاع سے آئے ہوئے مندوبین اور مدعوئین سخت مخالفت کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ ڈاکٹر فریدی کوئی ڈکٹیٹر تو تھے نہیں جو سارے اضلاع سے آئے ہوئے نمائندوں کی آراء کو ٹھکرا کر بصیر صاحب کی بات مان لیتے ——— ادھر بصیر صاحب و تسلیم صاحب طیش میں بھرے ہوئے سب سے کہتے پھر رہے

تھے کہ اب تو لیگ جن کر رہیگی ۔ شام کو جب محمد علی پارک میں جلسہ عام ہو رہا تھا تو ڈائس پر میں بھی موجود تھا ــــ بصیر صاحب ڈائس کی پشت میں واقع آفس میں موجود تھے ، میں نے مقررین کی فہرست دیکھی تو اس دن ان کا نام نہیں تھا ۔ لوگوں نے مجھے اطلاع دی کہ بصیر صاحب بے انتہا غصہ میں فرش پر کروٹیں بدل رہے ہیں ــــ میں نے یہ خیال کرکے کہ یہ جذباتی آدمی ہیں اگر ان کو تقریر کرلینے دی جائے تو ممکن ہے کہ دل کی بھڑاس نکل جائے ، ڈاکٹر صاحب سے عرض کیا کہ کیوں نہ بصیر صاحب کو بھی موقع دیا جائے بولنے کا ــــــ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ مقررین زیادہ ہیں ، بصیر کل بول لیں گے ــــ میں نے پھر اصرار کیا تو بولے " چھوٹے میاں (ذوالفقار اللہ صاحب) سے پوچھ لو " ــــــ میں نے ذوالفقار اللہ صاحب سے عرض کیا تو وہ بھی بولے " ارے بھئی کل بھی جلسہ عام ہے وہ کل بول لیں گے " میں نے چپکے سے عرض کیا کہ وہ بہت غصے میں ہیں ، مناسب ہوگا کہ ان کو بول لینے دیا جائے ــــ ڈاکٹر صاحب نے غالباً میری سرگوشی سن لی اور میرا دل رکھنے کے لئے بصیر صاحب کا نام بھی لکھوا دیا ۔

الہ آباد کے اچھوت لیڈر کیشپ صاحب تقریر کر رہے تھے (کیشپ صاحب وہ ہیں کہ جن کے تعاون سے مسلم مجلس الہ آباد نے کارپوریشن کا کامیاب الیکشن لڑا اور پندرہ یا سولہ سیٹیں حاصل کیں ــــ مزید ... اس طرح کارپوریشن میں مسلم مجلس کے ... اللہ صاحب ڈپٹی میئر بنے ــــــ یہ صرف اسی طرح ممکن ہو سکا کہ مسلمانوں اور اچھوتوں نے کاندھے سے کاندھا ملاکر الیکشن لڑا تھا)

اپنی تقریر میں انھوں نے اسلام کے رکن مساوات کی بہت تعریف کی مگر انھوں نے شکوہ کیا کہ " مسلمان بھی اس ملک کی اکثریت کے رنگ میں رنگ گئے ہیں اور ہم سے چھوا چھوت کرتے ہیں " شومیٔ قسمت کہ ان کے بعد ہی بصیر صاحب کا نام پکار دیا گیا ۔

بصیر صاحب اسٹیج پر تشریف لائے ، چہرہ غصہ کی وجہ سے لال ہو رہا تھا ان کے منہ سے ٹھیک سے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی ــــــ آتے ہی غصہ میں بولے " یہ بالکل لغو بات ہے ، منافقت ہے ، جو لوگ دین اسلام میں مساوات کی تعریف کرتے ہیں تو میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ وہ مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے " ــــــ شاید دو منٹ ہی بصیر صاحب بولے ہوں گے اور فوراً اسٹیج سے چلے گئے ادھر کیشپ صاحب دم بخود ــــ ڈائس پر موجود حضرات سناٹے میں ــ اور میرے ــ کاٹو تو لہو نہیں بدن میں ــــ ڈاکٹر فریدی نے میری طرف ملامت بھری نگاہ ڈالی ، میں نے شرم سے نگاہیں جھکا لیں ۔

کبھی کبھی میں سوچ کر کانپ جاتا ہوں کہ جس قوم کے رہنما اس قدر جذباتی ہوں گے اس قوم کی حالت کیا ہوگی ۔

اس کے بعد بصیر صاحب فوراً میرٹھ واپس چلے گئے اور انھوں نے مسلم لیگ کے قیام کا اعلان

کر دیا۔ مسلم لیگ کے مرکزی رہنماؤں نے خدا جانے کیا سمجھ کر کہ انہوں نے اس کی منظوری بھی دیدی۔ اس کے نتائج کیا نکلے کہ نہ تو مجلس کا کوئی امیدوار کامیاب ہو سکا اور نہ ہی لیگ کا، گو اس الیکشن میں اندرا جی نے ڈاکٹر فریدی صاحب سے معاہدہ کیا تھا مسلمانوں کے بنیادی مسائل کو حل کرنے کا وعدہ کیا تھا مگر الیکشن کے نتائج دیکھ کر وہ بھی اپنی بات سے پھر گئیں اور ستم ظریفی یہ ملاحظہ ہو کہ لیگ نے یوپی میں اپنی آمد کی دلیل اتحاد کے نام پر دی، مگر دیکھنے والی آنکھوں نے نتائج انتشار کے دیکھے۔

یہ وجوہ تھیں جن کی بنا پر مجاہدین مسلم مجلس بصیر صاحب کی جیل میں آمد پر برافروختہ تھے، ان کو معلوم تھا کہ اس سارے انتشار کے ذمہ دار ان کے پرانے ساتھی بصیر صاحب ہی ہیں۔

دو دن بعد مولانا محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی بھی تشریف لائے۔ اگلے دن کے لئے ان کو پھر مدعو کیا گیا، میلاد مبارک کی محفل منعقد ہوئی، مولانا موصوف نے میلاد شریف پڑھا ــــــ راج نرائن، رام سیوک یادو، ستیا رام دویدی اور نرائن سروپ مصرا صاحبان بہت متاثر ہوئے۔

دوسرے دن چند قوال حضرات تشریف لائے خوب شاندار قوالی کی محفل جمی ــــــ اس کے دوسرے ہی دن صبح خبر ملی کہ آج ہم سب چھوڑ دئے جائیں گے۔ اور اس دن ہی میں نے فریدی صاحب کے چہرے ایک خاص قسم کی شگفتگی اور اطمینان کی جھلک دیکھی ــــ وہ شگفتگی جو کسی میر کارواں کے تھکے ہوئے چہرے پر منزل پر پہونچ کر آجاتی ہے، اسی دن میں نے پہلی بار ڈاکٹر صاحب کو پان کھاتے ہوئے بھی دیکھا۔

ظاہر ہے ہم لوگوں میں کتنے ہی ایسے تھے جو بیچارے ایک آدھ دن کیلئے آئے تھے، کسی نے تابرخاست عدالت رہائی کی توقع کر رکھی تھی، کچھ لوگ زیادہ سے زیادہ ایک آدھ ہفتہ کی سوچ کر آئے تھے۔ جیسا کہ عموماً دیکھا گیا ہے مگر اس کو کیا کیجئے کہ بقول مولانا آزاد "طاقت کبھی کسی بات کو صرف اس لئے نہیں مان لیتی کہ وہ معقول اور مدلل ہے وہ تو خود بھی طاقت کی نمود کا انتظار کرتی ہے اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو پھر ناواجب سے ناواجب مطالبے کے آگے بھی جھک جاتی ہے"

اور ظاہر ہے ابھی ہمارے پاس طاقت کہاں؟ بہرحال کتنے ہی لوگ ایسے تھے کہ روز کنواں کھودنا اور روز پانی پینا۔ ان کے اہل و عیال پر کیا بیت رہی ہوگی ایک ذمہ دار قائد ہونے کے ناطے ڈاکٹر صاحب کا فکرمند ہونا فطری بات تھی ــ اتنے سارے آدمیوں کو ہاتھ میں لئے رکھنا، مختلف الخیال افراد کو ایک ہی جگہ بلا کسی انتشار کے مجتمع رکھنا اور سب کو مطمئن کرنا کوئی آسان کام تو نہیں ـــــ؟

رہا ہوتے ہوتے سہ پہر ہوگئی، اہالیان لکھنؤ نے کافی ٹرک اور بسوں کا بندوبست کر دیا تھا ـــــ نتیجۃً لکھنؤ کی سڑکوں پر ایک شاندار جلوس نکلا۔ رات ہوتے ہوتے ہم بھی سب اپنے دفتار کے کانپور دفتر میں پہونچ گئے۔ ●

مولانا عبدالمجید اصلاحی

صدقہ، زکوۃ، انفاق، قرض حسنہ اور غیر سودی دستاویزی یا رہن کی شرط پر قرض جات، یہ ہیں وہ اساسی عناصر جو اسلام کے ایسے خود کفالتی نظام اجتماع کو وجود میں لاتے ہیں جس میں اخلاق و روحانیت اور تمدن و معیشت ہر چیز کو فروغ حاصل ہوتا ہے، عوام کا اخلاقی اور روحانی معیار بھی بلند ہوتا ہے معاشی ناہمواریاں بھی دور ہوتی ہیں اور پوری دنیا کی فوجی طاقت اور سپاہیانہ کردار میں بے پناہ اضافہ بھی ہوتا ہے

زکوۃ

زکوۃ عربی میں صاف چیز کو کہتے ہیں، جو چیز صاف اور بے آمیز ہوگی یقیناً اس میں بہتری، عمدگی اور توانائی پیدا ہوگی۔

کھیت خود رو پودوں، جھاڑ اور جھنکاڑ سے پاک و صاف کر دیا جائے تو اس میں اگنے والی فصل نتائج اور آثار کے اعتبار سے یقیناً بہترین فصل ہوگی۔

بدن انسانی کی رگوں میں دوڑتے ہوئے خون کو اگر منضجات، مسہلات اور پھر مصلحات کے ذریعہ پاک و صاف کر دیا جائے تو یقیناً اسے بہترین توانائی حاصل ہوگی۔

اسی طرح دولت کو جسے انسان حاصل کرتا ہے اور اسے اپنے پاس سمیٹ کر رکھتا ہے، اگر اسے بھی پاک و صاف کر دیا جائے تو افزائش کے اعتبار سے اس کی قوتوں میں کئی گنا اضافہ ہو سکتا ہے۔

اگر کمرے کے اندر رکھی ہوئی اشیاء کو ہم صاف نہ کریں بلکہ اس میں اور بھی زیادہ سامانوں کا اضافہ بھی کرتے رہیں اور زیادہ سے زیادہ موقع دیں کہ اس میں گندگی اور آلائش بھرتی رہے تو یقیناً یہ کمرہ اور اس کے اندر کا سامان بوسیدگی کا شکار ہو کر رہ جائے گا۔

یہی حال دولت کا ہے کہ اگر وہ زیادہ عرصہ تک
ہمارے پاس موجود رہے اور ہم اس کی صفائی یا اس کے
استعمال کا اہتمام نہ کریں تو اس کی قدر و قیمت گھٹ جائیگی
اور اس حد تک گھٹ جائیگی کہ نہ ہونے کے برابر ہو جائیگی
اور یہی وہ دولت ہے جسے ہم " کالا دھن " کہتے ہیں
غلیظ اور سیاہ خون کی مانند ۔

قرآن نے اس کے مختلف مشتقات کو اسی مفہوم
میں استعمال کیا ہے ۔

ذٰلِكَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ — یہ تمہارے حق میں زیادہ صاف اور پاک ہے

•

قُلْ لَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ — کہدیجئے کہ اپنے تئیں صاف نہ ہو بلکہ صاف وہ ہے جسے اللہ صاف کر دینا چاہے ۔

•

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ ۔ — ان کی دولت سے صدقہ لیکر انھیں پاک اور صاف کردو ۔

صدقہ

صدقہ صدق سے ہے ، صدق کے معنی راست ، مطابق اور صحیح تعلق ـــــ
ـــــ ADJUSTMENT ـــــ کے ہیں ،
صادق الوعد اسے کہتے ہیں جو اپنے وعدے کے
ٹھیک ٹھیک مطابق ہو ـــ صَدَاق عورت کی مہر
کو کہتے ہیں ، جس کی ادائگی کے بعد میاں بیوی کا باہمی تعلق
کچا دھاگا نہیں بلکہ مضبوط اور ناقابل شکست دھاگا
بن جاتا ہے ۔ صدیق اس غلام کو کہتے ہیں جسکے
آقا کے ساتھ تعلقات انتہائی استوار ہوں ، حضرت یوسف
کو صدیق اسی لئے کہا گیا تھا ۔ علاوہ ازیں اور انبیاؑ کی
کی بھی یہی صفت بیان ہوئی ہے ۔

اس کے مختلف مشتقات قرآن پاک اور عربی زبان
و ادب میں اسی مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں ۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ ۔ — ابلیس نے انکی بابت اپنے گمان کو ٹھیک مطابق پایا ۔

•

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۔ — اپنے پیشرو کے ٹھیک ٹھیک مطابق ۔

عربی شاعر کہتا ہے :

فَدَتْ نَفْسِي وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنِي
فَوَارِسَ صَدَّقَتْ فِيْهِمْ ظُنُوْنِي

(میری جان اور میرا سب کچھ ان بہادر سواروں پر قربان ہو جن کے بارے میں میری توقعات بالکل صحیح ثابت ہوئیں)

انفاق

انفاق نفق سے ہے جو مال کے خرچ ہو جانے کا مفہوم رکھتا ہے ، بازار کے شباب پر ہونے کا بھی مفہوم رکھتا ہے اور غالباً اسی لئے رکھتا ہے کہ یہاں سامان تجارت بری طرح خرچ ہو رہا ہوتا ہے ۔

اس کے مختلف مشتقات ہیں ۔ ایک لفظ نفاق ہے دوسرا انفاق ہے ، تیسرا نفقہ ہے ، چوتھا نفق ہے ـــ نفاق کا مفہوم ہے دل میں کچھ اور

اور زبان سے کسی اور بات کا اظہار، نافقاء چوہے کے اس بل کو کہتے ہیں جسے وہ دھوکہ دینے کیلئے کھود رکھتا ہے، اصل بل دوسری ہوتی ہے۔ نیفقہ پائجامہ کے نیفے کو کہتے ہیں اور نفق سرنگ کا مفہوم رکھتا ہے انفاق کا مفہوم ہے، مال کو خرچ کرکے فنا کردینا۔ یہ لفظ اپنے مشتقات کے بالکل برعکس ہے ایسا لگتا ہے کہ یہی مشتقات اصل مادی مفہوم رکھتے ہیں اور انفاق اپنی خاصیت کے اعتبار سے سلب ماخذ کے طور پر استعمال ہوتا ہے، جسطرح فلوس پیسوں کو کہتے ہیں مگر یہی لفظ جب باب افعال میں استعمال ہوتا ہے یعنی افلاس تو اس کا مفہوم پیسوں والے ہونے کے نہیں بلکہ پیسوں سے خالی ہوجانے کا ہوتا ہے — انفاق اپنی اس خاصیت کے اعتبار سے یہ مفہوم رکھے گا کہ اس کی موجودگی میں پیسوں کی نہ سرنگ باقی رہے گی نہ دھوکہ والا سوراخ موجود ہوگا اور نہ دلوں میں نفاق کے لئے جگہ باقی رہے گی کیونکہ زائد از ضرورت دولت اپنے پاس سے رخصت کر دینے کے بعد انسان کی حالت بالکل اس کسان کی سی ہوجائے گی جو اپنے گھر کا سارا بیج کھیتوں میں بکھیر آتا ہے اور پھر اس کی نگاہ آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہے۔ رب العالمین کی احتیاج برابر باقی رہتی ہے۔ ذہن و دماغ اور قلب و نگاہ کی پوری یکسوئی کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کا ہوکر رہنے کی فکر کرنے لگتا ہے

قرض حسنہ اس قرض کو کہتے ہیں جو اگر واپس مل گیا تو فبہا، نہ ملا تو اس کا کوئی تقاضا نہیں۔

دستاویزی یا بشرط رہن قرضہ یہ قرض کی باقاعدہ صورت ہے۔

زکوٰۃ، صدقہ اور انفاق وغیرہ کا باہمی فرق

اصطلاح شریعت (Islamic Terminology) میں زکوٰۃ ایک متعینہ مقدار کو کہتے ہیں جو نصابی سامانوں پر واجب الادا ہوتی ہے۔ اسے صدقہ بھی کہتے ہیں، مگر صدقات میں دوسری اور چیزیں بھی شامل ہیں، مثلاً عقیقہ، ولیمہ، کفارہ جات اور کلمات خیر، عفو و درگذر وغیرہ۔

انفاق دونوں کو عام ہے، نیز اس کے اندر خود اپنے ارادہ سے فالتو پیسوں کا اخراج بھی شامل ہے — یہ انتہائی بلند مقام کا حامل ہے، یہ گویا نقطۂ انسانیت کا عروج یا اسلامی زندگی کا فتح باب ہے۔

قرض حسنہ، انفاق اور دستاویزی یا بشرط رہن قرض کی درمیانی شکل ہے اور دستاویزی یا شرط رہن پر قرضہ غیر سودی قرضے کی حیثیت رکھتا ہے جو کسی شخص کی عزت و آبرو سنبھالنے یا اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی محمود ترین صورت ہے۔

قابل لحاظ ترتیب اسلام کے نظام معاشرت میں مذکورہ بالا کفالتی نظام جسم انسانی کے اندر ریڑھ کا مقام رکھتا ہے۔ اگر یہ ریڑھ صدقات (بشمول زکوٰۃ) کے ذریعہ درست ہوجاتی ہے تو فبہا، ورنہ انفاق کی جانب توجہ دی جائیگی اور اگر اس سے بھی کام نہ چلے گا تو قرضہ جات حسنہ لے جائیں گے اور اگر اس سے بھی

کام نہ چلے گا تو پھر دستاویزی یا بشرط رہن قرضہ جات لئے جائیں گے۔

بہ ترتیب سورہ بقرہ کا مطالعہ کریں تو آپ پر کھل کر منکشف ہو جائے گی۔

صدقہ اور زکوٰۃ

انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے۔ مدنی الطبع کا مفہوم یہ ہے کہ فطرۃً وہ باہمی لین دین (give and take) پر مجبور ہے، اسی فطرت سے اعراض انسان کی اجتماعی زندگی کو افراط اور تفریط کا ایک جھولا بنا کر رکھ دیتی ہے ایک طرف تو یہ حال ہوگا کہ ایک انسان دولت مند سے دولت مند ترین ہوتا جائے گا، دوسری طرف یہ کیفیت ہوگی کہ دوسرا انسان غریب سے غریب تر ہوتا جائیگا، عدم اعتدال کی اس کیفیت کو زکوٰۃ اور صدقوں کے ذریعہ ختم کر کے معاشرہ کے اندر اعتدال اور توازن پیدا کر دیا جاتا ہے اور دولت کی گردش ہر طرف ہونے لگتی ہے صدقہ اور زکوٰۃ کے پیچھے قرآن حکیم کی یہی حکمت کارفرما ہوتی ہے

کَےْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ

(اس طرح پر ایسا ہوگا کہ دولت امراء ہی کے مابین محصور ہو کر نہ رہ جائیگی (بلکہ اس کا بہاؤ ہر سمت ہوگا) علاوہ ازیں انسان کا تجزیہ کیا جائے تو وہ ایک قلیل اور سڑے ہوئے کیچڑ کے سوا کچھ نہ ملے گا، ضرورت پھر اس بات کی ہوگی کہ اس کیچڑ سے اسے صاف کیا جائے اور اسے اس روحانیت کی جانب چلنے کا موقع دیا جائے جس کا فیضان باری تعالیٰ کی جانب سے اس کی ذات پر ہوا ہے، اس ضرورت کو زکوٰۃ پورا کرتی ہے۔ مال و دولت بمنزلہ خون کے ہیں، اسے صاف کر دینے کا مطلب ہوگا خون کی صفائی اور خون جب صاف ہوگا تو اس میں بلندی کی جانب قدم اٹھانے کی اہلیت، استعداد اور شوق پیدا ہوگا، علاوہ ازیں خالص عقلی اعتبار سے بھی دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ دولت پر ایک عرصہ گذر جانے کے بعد اس کی قدر و قیمت گھٹ جاتی ہے۔ اگر اس نقص سے زبردستی اعراض اختیار کر لیا جائے اور دولت کو سابقہ قیمت پر استعمال میں لایا جائے تو یہ ناقص دولت اپنے جراثیم پھیلا کر رکھ دے گی اور دولت کی بظاہر ترقی افلاس کے ہولناک انجام کی جانب بتدریج بڑھ رہی ہوگی، نفس انسانی کے اندر ایک طرح کی انقباضی کیفیت پیدا ہوتی جائیگی اور ایسا انسان بتدریج انسانی معاشرت سے کٹ کر یکہ اور تنہا وجود بن کر رہ جائے گا، پھر یہ وجود اگر سرکش اور متکبر ہوگا تو لوگوں کے دماغ اس کی جانب متوجہ ہوں گے مگر دلوں میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہ ہوگی، اور اگر سرکش اور متکبر نہ ہوگا تو پھر تو اس کی میت کو کفن اور اس کی قبر پر تختہ رکھنے والا بھی شاید ہی کوئی ملے۔

قرآن پاک نے غالباً اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے فرمایا ہے:-

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (جو شخص اپنے نفس کو صاف کریگا وہ دھرتی کا سینہ چیر کر اپنے لئے راہ نکال لے گا اور جو اسے دبائے رکھے گا وہ کھو کر رہ جائیگا)

صدقہ انسان کے تعلقات کو ماحول سے مضبوط اور
بالکل پائیدار بنا دیتا ہے احول سے ۔ Adjust
ment کے بغیر وہ زندگی میں ایک سانس بھی سکون
اور اطمینان کے ساتھ نہیں لے سکتا ۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کا جسم علم
وظائف الاعضاء (Physiology) کی روشنی
میں ہمیشہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار رہتا ہے اور اپنی مرمت
کے لئے ہمیشہ ماحول کا ضرورتمند رہتا ہے ، اس کی صحتمند
مرمت اور دیکھ بھال کے لئے ضروری ہے کہ ماحول سے
اسکا رابطہ سچا ، پائیدار اور ناقابل شکست ہو ۔

مثلاً یہ بات کہ وہ تجارت کرتا ہے ، تجارتی
معاملات کے اندر ماحول سے رابطہ قائم کرتا ہے اور ہما
رابطہ کے نتیجہ میں اس کے پاس دولت کا جو حصہ جمع ہوتا
ہے اس میں ظاہر ہے تنہا اسی کی کوششوں کا دخل نہیں
ہے بلکہ ماحول کا تعاون بھی اس پونجی کے حاصل کرنے
میں شریک اور سہیم ہے ، اب اگر ایک شخص اس حاصل شدہ
دولت کو تنہا اپنی کوششوں کا ماحصل تصور کرتا ہے اور ہمیا
سے اس حق کو نہیں نکالتا جو ماحول کے تعاون کے بموجب
اس پونجی پر عائد ہوتا ہے تو ایسی صورت میں ماحول کے اندر
اس کے خلاف غم و غصہ پیدا ہوگا اور نتیجتاً اس کا وہ تعاون
جسے وہ اپنے پورے دل اور پورے دماغ سے پیش کر رہا
تھا ختم ہو جائیگا اور نتیجہ کے طور پر یہ بدقسمت انسان یا تو
دیوالیہ ہو جائے گا یا پھر دیگر اخلاقی اور تمدنی جرائم اسکے
گھر میں در انداز ہوکر اسے گوناگوں مشکلات کی آماجگاہ بنا کر
رکھ دیں گے ۔

اور موٹی مثال سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش
کیجئے ـــــ آپ کے یہاں بچہ کی پیدائش ہوتی ہے ، یہ
ایک لوتھڑا ہوتا ہے جو آپ کے جسم سے الگ ہوگیا ہے ، اور اس
کے گرد و پیش ماحول ہے ، لوتھڑے کی علیحدگی سے خود آپ
کے اندر نقص پیدا ہوگیا اور وہ لوتھڑا بھی مکمل نہیں رہا ۔
آپ اور آپ کا بچہ دونوں ناقص رہے اور دونوں محتاج
ہیں کہ ماحول سے اپنے نقص کو پورا کریں ، ماحول بڑا بے وقوف
اور جاہل نہیں ہے وہ خوب سمجھ رہا ہے کہ یہ نقص آپ اسی
ماحول سے پورا کریں گے لہذا وہ خود طالب ہوگا کہ اس
نقص کی تکمیل کے عوض آپ اسے دے کیا رہے ہیں ؟
اگر کچھ نہیں تو ماحول آپ کا اور آپ کے بچے کا ہمیشہ دشمن
بنا رہے گا اور موقع کی تاک میں رہے گا اس طرح آپ اپنی
اور بچے کی حفاظت میں نہ جانے کیا کیا پاپڑ بیلیں اور پاپڑ
بیلنے کو نہ ملے تو پھر دونوں جان سے ہاتھ دھو بیٹھیں ، اب
اگر بچہ کی پیدائش کے بعد عقیقہ کرکے ماحول کے مطالبہ کو پورا
کر دیتے ہیں تو ہوگا وہ صدقہ جس کی ادائیگی کے بعد ماحول
آپ سے اور آپ کے بچے سے بالکل مانوس ہو جائیگا
اور دونوں کا رابطہ اس سے مضبوط اور ناقابل شکست
ہو جائیگا ۔

ایک تیسری مثال سے بھی اس حقیقت کو سمجھنے
کی کوشش کریں ـــــ آپ اپنے بچے کی شادی کرتے
ہیں ، اس بچے کی آج تک اپنے دل کی ساری بات آپ
سے کہتا رہا ہے مگر اب خارج میں اسے ایک نیا رفیق مل
رہا ہے جو اس کے رازوں کا امین بننے کا امیدوار ہے
اور اب بچہ بجائے آپ کے آپ کے گھر میں اس نو وارد

وجود سے اپنے دل کی باتیں کہے گا، اس طرح آپ کا بچہ آپ سے عملاً منقطع ہوجا رہا ہے، دونوں کا باہمی انقطاع ظاہر ہے آپ کے خاندان کے لئے مضرت رساں ثابت ہوگا، اور خائدہ سراسر اس نئے وجود کو حاصل ہوگا، اب اگر دلیہ دیگر ماحول کو آپ راضی کر لیتے ہیں تو یہ وہ صدقہ ہے جسے ادا کرکے آپ اور آپ کے بچے کا رابطہ ماحول سے مضبوط اور مامون ہوجاتا ہے، اب آزادی کے ساتھ بےخطر آپ دونوں پھلیں پھولیں۔ وہکذا۔

یہ ماحول وادیٔ پرخار کا حکم رکھتا ہے، لہذا اس سے اسی طرح گذرنا ہوگا کہ بے نیازی، افراط و تفریط — سرکشی اور بغاوت کے کسی کانٹے سے آپ کی نیاز مندی، اعتدال، طاعت اور فرمان کشی کے دامن کا کوئی حصہ الجھنے نہ پائے اور یہ صورت بھی ممکن ہے جبکہ آپ قدم قدم پہ واجب الادا صدقے ادا کرتے رہیں۔

قرآن پاک نے اس حقیقت کو انتہائی واضح انداز میں صاف کردیا ہے۔ سورہ اعراف آیت نمبر ١٧٧ میں ہے

وَاٰتَی المال علی حبہ ذوی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰۃ و اٰتی الزکوٰۃ والموفون بعھدھم اذا عاھدوا والصابرین فی الباساء والضرّاء وحین الباس، اولئک الذین صدقوا و اولئک ھم المتقون

اور اللہ کی محبت میں اپنا پسندیدہ مال رشتہ داروں یتیموں، مسکینوں، مسافروں مدد کیلئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کریں، نماز پر قائم رہیں، زکوۃ ادا کریں، عہد کریں تو اس پر قائم رہیں اور آخر میں وہ لوگ جو تنگ دامانی، ہجوم امراض اور جنگ کے مواقع پر صبر کا دامن ہاتھوں سے جانے نہ دیں، یہ ہیں راستباز اور یہ ہے تقوی کی راہ چلنے والے۔

آیت مذکورہ بالا میں آپ نے دیکھا کہ کس طرح صدقہ بشمول زکوۃ وغیرہ انسان کو راستبازی اور اعتدال کے راستہ پر لاکھڑا کرتے ہیں، جہاں انسان کا تعلق ماحول سے بالکل درست ہوجاتا ہے۔

زکوۃ اور نماز کا باہمی تعلق

دنیا کے اندر انسان کی دو حیثیت ہیں، ایک حیثیت میں اس کا تعلق اپنے اللہ سے ہوتا ہے، دوسری حیثیت میں اس کا تعلق خود ہم جنسوں سے ہوتا ہے، پہلے تعلق کو نماز نباہتی ہے، دوسرے تعلق کو زکوۃ۔ اللہ اور بندوں دونوں کے تعلقات کو استوار کرنے والی یہ دونوں باتیں باہم مل کر اسی شکر کا عنوان جلی قرار پاتی ہیں، جو دراصل نام ہے اللہ کی نعمتوں کے اخفا، (کفر) کا نہیں بلکہ اظہار کا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں ان دونوں کا تذکرہ اکثر ساتھ ساتھ ملتا ہے، شکران نعمت توحید کا عملی مظہر ہے، جیسا کہ قرآن کے شروع میں کہا گیا ہے:

الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقناھم ینفقون۔

یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کی وحدانیت، خالقیت اور ربوبیت وغیرہ جیسے حقائق و کلیات کے مشاہدہ پر

اصرار نہیں ہوتا بلکہ وہ ان پر ان دیکھے یقین رکھتے ہیں اور اس کا ثبوت انکی عملی زندگی سے یہ ملتا ہے کہ وہ نماز پر قائم رہ کر اور جو حلال روزی ہم نے انہیں دے رکھی ہے اسمیں سے خرچ کر کے اپنی دونوں حیثیتوں کے حقوق کو قائم رکھتے ہیں۔

شکر کے ان دونوں ارکان یا توحید باری تعالیٰ کے ان دونوں عملی مظاہر میں سے کسی ایک سے روگردانی کفر ہے، چنانچہ ثابت شدہ حدیث کے اندر عمداً تارک صلوٰۃ کو کافر کہا گیا ہے اور اسی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ نے مانعین زکوٰۃ کے خلاف علم جہاد بلند کرنے کا فیصلہ فرمایا۔

اور یہ نماز اور زکوٰۃ اس شکر کے دو پہلو ہیں جسکے بالمقابل صبر [illegible] ہے اور صبر و شکر کے باہمی مجموعہ کا نام ہے دین کامل۔

لہٰذا اگر کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلو تہی برتتا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ وہ دین کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد کے عناصر میں تفریق پیدا کرتا ہے اور اس قابل ہے کہ اس کا شمار دشمنان دین اور بے ایمانوں کی صف میں ہو۔

أرأيت الذي يكذب بالدين فذلك الذي يدع اليتيم ولا يحض على	دیکھا اس دین حق کو جھٹلانے والا کون ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے، مسکین کے کھلانے پر نہ ابھرتا ہے نہ
طعام المسكين، فويل للمصلين الذين هم عن صلاتهم ساهون الذين هم يراءون ويمنعون الماعون.	ابھارتا ہے۔ تباہی ہے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نماز سے غافل رہتے ہیں اور دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور روزمرہ کی برتنے والی چیزوں کو دینے سے انکار کرتے ہیں

قیامت میں کفار ان نعمت کی جو سب سے بڑی حسرت ہوگی وہ یہی ہوگی کہ۔

لم نك من المصلين ولم نك نطعم المسكين وكنا نخوض مع الخائضين	ہم نماز ادا نہ کرتے تھے، نہ مسکین کو کھلاتے تھے برعکس ازیں گپ بازوں کے ہم مشرب بنے رہے

ادائیگی زکوٰۃ کیلئے ایک شرط

ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلہ میں ایک شرط جو آج بالعموم نظر انداز ہو رہی ہے یہ ہے کہ اس کی ادائیگی عاجزی، انکساری اور انتہائی تواضع کے ساتھ ہونی چاہئے بالکل اسی طرح جس طرح آپ فریضہ نماز انتہائی خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں، قرآن پاک میں ادائیگی زکوٰۃ کے لئے اس شرط کو صریح الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ سورہ البقرہ آیت ۴۳ میں ہے:

واقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين	نماز پر قائم رہو، زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ہم کردار رہو

یہاں نماز پر قائم رہنے میں رکوع و سجود اور قیام

و نحوہ بھی کہا آگیا مگر "اتوا الزکاۃ" کے بعد پھر "وارکعوا مع الراکعین" کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ نظم کلام صاف طور پر اشارہ کر رہا ہے کہ اس فقرہ کا تعلق دراصل "اتوا الزکاۃ" ہی سے ہے اور مطلب یہ ہوگا کہ ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلہ میں تمہاری حالت یہ ہونی چاہئے کہ متکبرانہ شان نہیں جھکاؤ ہو۔ دوسری جگہ اس کیفیت کو اور واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے:

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون

بیشک تمہارا دوست اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ ایمان والے جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اس حال میں

صدقات کی ادائیگی میں قابل لحاظ امور

جو صدقات واجب ہیں انہیں علانیہ دینا افضل ہے اور جو فرض کے سوا رضا کارانہ ہوں ان کا اخفاء ضروری ہے

ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔ وان تخفوھا وتوتوھا الفقراء فھو خیر لکم (البقرہ ۲۷۱)	اگر اپنے صدقات علانیہ ادا کرو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے۔

یعنی چھپا کر نیکیاں انجام دینے سے نفس انسانی کی تہذیب واصلاح مسلسل ہوتی چلی جاتی ہے اور انجام کار میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں پر پردہ ڈال دیتا ہے اور وہ اخلاقی اور روحانی اعتبار سے انتہائی مقبول بندہ بن جاتا ہے۔

صدقہ کفارہ ہے

مذکورہ بالا صفحات میں لفظ صدقہ پر تفصیل کے ساتھ بحث آچکی ہے، اس تفصیل سے واضح ہو چکا ہے کہ صدقات میں زکوٰۃ، معاف کر دینا وغیرہ سبھی شامل ہیں، اس طرح صدقے دراصل کردہ گناہوں کے لئے کفارہ (چھپا دینے والے) بن جاتے ہیں اور آدمی کا تعلق ماحول سے بالکل درست ہو جاتا ہے — سورہ المائدۃ آیت ۴۵ میں آیا ہے:

وکتبنا علیھم فیھا ان النفس بالنفس والعین بالعین والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن والجروح قصاص۔ فمن تصدق بہ فھو کفارۃ لہ۔	تورات میں یہودیوں پر ہم نے یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور تمام زخموں کے لئے برابر کا بدلہ ہے پھر جو قصاص کا صدقہ کر دے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہے

یعنی صدقہ کی نیت سے جو شخص قصاص لینا ترک کر دے اس کے حق میں یہ نیکی بہت سے گناہوں کے لئے کفارہ ہو جائیگی۔ اسی مفہوم میں آنحضورؐ کی ایک حدیث بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "جس کے جسم میں کوئی زخم لگایا گیا اور اس نے معاف کر دیا تو جس درجہ کی یہ معافی ہوگی اسی کے بقدر اس کے گناہ معاف

ہو جائیں گے ۔ دوسری جگہ آیا ہے

لا یؤاخذکم اللہ بالّلغو فی ایمانکم و لٰکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان فکفارتہٗ اطعام عشرۃ مساکین من اوسط ما تُطعمون اھلیکم او کسوتھم او تحریر رقبۃ۔ (المائدۃ ۸۹)	تم لوگ جو مہمل قسمیں کھاتے ہو ان پر اللہ گرفت نہیں کرتا، مگر جو قسمیں تم جان بوجھ کر کھاتے ہو ان پر وہ ضرور تم سے مواخذہ کرے گا۔ ایسی قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو وہ اوسط درجہ کا کھانا کھلاؤ جو خود تم اپنے بال بچوں کو کھلاتے ہو یا انہیں کپڑے پہناؤ، یا ایک غلام آزاد کرو۔

انفاق کیلئے ضروری شرائط

ضرورتوں سے فالتو دولت کو فلاح اور بہبودی عوام کی راہ میں خرچ کردینا انفاق ہے۔ اسکے لئے حسب ذیل شرطیں قابل لحاظ ہیں:

(۱) احسان نہ جتایا جائے۔

(۲) دکھ نہ پہنچایا جائے۔

(۳) ریاکاری یا [illegible] بات کا دخل نہ ہو۔

(۴) بہتر [illegible] کیا جائے۔

مذکورہ بالا شرائط کی خلاف ورزی خود اس بات کی دلیل ہے کہ خرچ کرنے والے کے دل میں بے غرضی نہیں ہے اور نہ [illegible] آخرت پر اس کا ایمان ہے۔ بس وہ یہ چاہتا ہے کہ [illegible] سے اپنا بھلا لے۔ اس طرح گویا اس کا عمل انفاق [illegible] کے برابر ہے۔ اس کی حقیقت کو مختلف مثالوں سے قرآن کی سورہ بقرہ میں تفصیل سے سمجھا دیا گیا ہے اس موقع کی آیات سامنے رکھیں خود عبرت حاصل ہو جائے گی

مذکورہ بالا کفالتی عناصر اور سود کا باہمی موازنہ

صورت کے اعتبار سے بھی، اخلاقی، تمدنی، روحانی اور انجام کار کے اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کی ضد واقع ہیں۔

صدقات و زکوٰۃ اور انفاق وغیرہ میں دولت گھٹتی ہے مگر سود میں بڑھتی ہے۔ پہلے طرز عمل سے فیاضی۔ ہمدردی، فراغ دلی اور عالی ظرفی جیسی صفات نشو و نما پاتی ہیں۔ اس کے برعکس دوسرے طرز عمل سے اخلاقی روحانی، معاشی اور تمدنی معاملات میں نہ صرف رکاوٹ پیدا ہوتی ہے بلکہ اور زیادہ اختلاط پیدا ہوتا ہے۔

سود اور سودی کاروبار اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ اور فساد فی الارض کا موجب ہے مگر اسلام کے مذکورہ بالا کفالتی عناصر اللہ کے حال و صفات، رحمت رأفت، مغفرت، حکمت، عزت، محمودیت وغیرہ میں انسان کو قریب تر کر دیتے ہیں، علاوہ ازیں معاشی اعتبار سے ایسی سوسائٹی کے اندر جنہیں یہ عناصر کارفرما ہوں تجارت، صنعت، زراعت ہر چیز کو بے انتہا فروغ حاصل ہوگا، کوئی زمین بے کاشت کے نہ رہے گی، کوئی دکان دن بھر یوں ہی بلا گاہکوں کے نہ رہے گی اور کوئی صنعت شب مذبوحی رہ جائیگی، عام افراد کی خوشحالی اور فارغ البالی کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا چلا جائے گا۔ اس کے اندر دولت کی مجموعی پیداوار اس سوسائٹی کی بہ نسبت

بہتر ہوگی جس کے اندر سود کا رواج ہو

قرضہ حسنہ کا مفہوم

اس سے پیشتر دو لفظوں میں ہم نے اس کا مفہوم پیش کر دیا ہے یہاں تھوڑی سی تفصیل دینا ضروری سمجھتے ہیں، وہ یہ کہ قرض حسن سے مراد "اچھا قرض" ہے۔ اچھا قرض وہی ہوتا ہے جو خالص نیکی کے جذبہ سے بے غرضانہ کسی کو دیا جائے۔ اس میں نفسانی اغراض کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو، نیز جائز اور حلال کمائی کا ہو۔

اس کی عملی صورت یہی ہوگی کہ قرض دے کر واپسی کے لئے کسی طرح کی کوئی شرط نہ باندھی جائے۔ مل گیا تو فبہا نہ ملا تو کوئی تقاضا بھی نہیں۔

دستاویزی قرضہ یا بشرط رہن قرضہ کا مفہوم واضح ہے یہ ایک قانونی قرضہ ہے جسے قرضدار کو بہرحال ادا کرنا ہے۔

اسلام کے کفالتی عناصر کے اثرات نظام اجتماع پر

اگر مذکورہ بالا اسلام کے کفالتی عناصر اپنی اصل صورت کے اندر رائج ہو گئے تو انسان کے اجتماعی صحیفۂ حیات کے اندر نہ صرف یہ کہ خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوگا بلکہ معاشرت سے تمام فسادوں کی جڑ کٹ جائیگی، عدالتوں میں خاک اڑنے لگے گی، ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کے مطبوں میں مریضوں کی بھیڑ بھاڑ رخصت ہو جائیگی۔ الغرض ان تمام جرائیم کا قلع قمع ہو جائیگا جو کسی نہ کسی پہلو سے انسانی، اخلاقی، روحانی اور تمدنی زندگی کے حق میں زہر ہلاہل ثابت ہوتے ہیں، ہر گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ نفاق، جھگڑے اور تو تو میں میں کی تکرار سے بالکل پاک امن و امان، محبت و آشتی اور راحت و سکون کی فضائے خوشگوار کا مسکن ثابت ہوگا۔

بیت المال یا اسلامی بنک کا تصور

اسلام کے مذکورہ بالا کفالتی عناصر کے باہمی مجموعہ کا نام خلافت اسلامیہ کے زمانہ میں "بیت المال" تھا جو انسان کی اجتماعی زندگی کے اندر بالکل وہی رول ادا کرتا رہا ہے جو جسم انسانی کے اندر قلب اور پھیپھڑے انجام دیتے ہیں، یعنی پوری انسانیت کی مضر دولتوں کو کھینچ کر اور پھر اسے صاف کر کے پوری انسانیت کی رگوں میں خون بھیج دیا جاتا تھا۔

آج کے زمانہ میں بینک کی اصطلاح چل پڑی ہے پھر کیوں نہ ہم بیت المال کا نام ترک کر کے اسلامی بنک کا تصور پیدا کر لیں اور اسلام کے مذکورہ کفالتی عناصر کو انسان کی روزمرہ یا ماہوار آمدنی کا نصف حصہ قرار دے لیں۔ یعنی انسان دن رات کی دوڑ دھوپ سے جو کچھ کماتا ہے یا اس کے جو اوقات ہیں اس کا نصف حصہ بال بچوں پر اور نصف آخر اس بینک کے حوالہ کر دیا جائے بچوں کی تعلیم و تربیت اور پھر آگے چل کر کاروباری مشغولیت کے لئے انہیں اسی بینک کی جانب دھکیل دیا جائے۔ مگر یہ صورت اسی وقت ممکن ہے کہ جبکہ انسان کی زندگی تین اور پانچ کی شرح سے ہٹ کر نصفا نصف کی شرح پر آجائے۔

ایسی صورت میں اسلامی بینک وہی رول ادا کر سکے گا جو ازمنۂ ماضیہ میں بیت المال ادا کرتے رہے ہیں، یہ ایک الگ موضوع ہے جس پر الگ سے تفصیلاً عرض کیا جائے گا۔

بحالت موجودہ صدقہ، زکوۃ، انفاق اور قرض حسن (رضاکارانہ، دستاویزی یا بشرط رہن قرضہ جات) کا رواج نہیں ہے۔ معاشرہ کے اندر وہ مثالی انقلاب پیدا کرنے سے قاصر ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ہمارے یہ سارے اعمال مطلوبہ شرائط سے بالکل خالی ہیں، اور نتیجۃً دولت کی گردش امراء کے مابین ہی ہو کر رہ گئی ہے اور کسی مفکر کا یہ تجزیہ بالکل درست ہے کہ:۔

FOREIGN AID IS FROM THE POOR MEN OF RICH COUNTRY TO THE RICH MEN OF POOR COUNTRY.

یعنی غیر ملکی امداد مالدار ملکوں کے غریب عوام سے لی جاتی ہے اور غریب ملکوں کے مالداروں کو پہونچائی جاتی ہے۔

حرف آخر

آج کی دنیا کا سارا کاروبار سودی بنیادوں پر چل رہا ہے۔ بینکنگ سسٹم بھی اسی بنیاد پر ہیں اور قرآن کی رو سے اور عقلی اعتبار سے بھی یہ بنیاد فساد فی الارض کی موجب ہے اور یہی کچھ ہم سب کے سامنے ہے۔ اگر اس سسٹم کو کوئی چیز دنیا کے اندر کنڈم کر سکتی ہے تو وہ صرف قرآنی بنیاد پر قائم ہونے والا بیت المال یا اسلامی بینک ہے۔ فہل من مدکر؟

اسلام کا معاشی نظام

مولانا محمد شفیع صاحب

اولین حقداروں کے بعد دولت کے ثانوی مستحقین

اسلامی نظریۂ تقسیم دولت کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے معاشرہ کے کمزور عناصر کو قوی کرنے اور بیکار افراد کو قابل کار بنانے کے لئے عاملین پیداوار کے ساتھ دولت کے ثانوی مستحقین کی ایک طویل فہرست دی ہے اور اس کا ایک باقاعدہ نظام بنایا ہے۔

مقالہ کی تمہید میں اس بات کی طرف جامع اشارے کئے جاچکے ہیں کہ دولت اصلاً اللہ کی ملکیت ہے، وہی اس کا پیدا کرنے والا ہے اور اسی نے انسان کو اس پر ملکیت کے حقوق عطا کئے ہیں۔ انسان کو اس کے کسب وعمل کا جو بھی صلہ ملتا ہے وہ اس کا مالک ضرور ہے لیکن چونکہ کسب وعمل کی تمام تر تخلیق پھر توفیق اللہ ہی دیتا ہے اور دولت کی تخلیق بھی اسی نے کی ہے اس لئے انسان اپنی ملکیت کے استعمال میں قطعی طور پر خود مختار نہیں ہے بلکہ اللہ کے احکام کا پابند ہے۔ لہٰذا جس جگہ خرچ کرنے کا وہ حکم دے انسان کے لئے وہاں خرچ کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔

اسی بنیادی نظریہ سے عمل پیدائش کے علاوہ استحقاق دولت کی ایک دوسری مد خود بخود نکل آتی ہے۔ یعنی ہر وہ شخص اسلامی نقطۂ نظر سے دولت کا مستحق ہے جس تک دولت کا پہنچانا اللہ نے دولت کے اولین مالکوں کے ذمہ فرض قرار دیا ہے۔ اس طرح تقسیم دولت کی ثانوی مدات کی ایک طویل فہرست مرتب ہوجاتی ہے جن میں سے ہر ایک دولت کا مستحق ہے۔

ان مدات کو مقرر کرکے اسلام درحقیقت یہ چاہتا ہے کہ دولت کو معاشرے میں زیادہ سے زیادہ گردش دی جائے اور ارتکاز دولت پر جو پابندیاں "سود" کی حرمت کے ذریعہ عائد کی گئی ہیں انہیں مزید توسیع دی جائے، ان مدات کا تفصیلی بیان تو اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں ہے تاہم انہیں اختصار کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔

(۱) زکوٰۃ۔ ان میں سب سے پہلی اور سب سے زیادہ وسیع مد "زکوٰۃ" ہے۔ قرآن کریم نے بیشمار مقامات پر اس فریضے کو "نماز" کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

ہر وہ شخص جو سونے چاندی، مویشی اور مال تجارت کا مقدار نصاب کی حد تک مالک ہو اس کے [illegible] قرار دیا گیا ہے کہ وہ سال گذرنے پر اپنی ان [illegible] دوسرے ضرورتمند افراد پر صرف کرے۔ [illegible] فریضے کو ادا نہ کرے اس کے لئے قرآن کریم [illegible] الذین یکنزون الذھب [illegible]

ینفقونها فی سبیل اللہ فبشرهم بعذاب الیم ، یوم یحمیٰ علیها فی نار جهنم فتکویٰ بها جباههم وجنوبهم وظهورهم ، هٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون

(۹ : ۳۵ ، ۳۶)

(جو لوگ سونے اور چاندی کو جمع کر رکھتے ہیں اور اسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے ، جس دن اس دولت کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا ، پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو داغا جائیگا ، یہ وہ مال ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا ، چکھو جسے تم جمع کیا کرتے تھے)

پھر اس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قرآن کریم نے آٹھ مصارف خود مقرر فرما دئے ہیں ۔

اس طرح " زکوٰۃ " کی اس مد کیلئے آٹھ مصارف مقرر فرما کر دولت کی زیادہ سے زیادہ گردش کا دروازہ کھول دیا ہے ۔

زکوٰۃ کے مصارف میں وجہ استحقاق کی قدر مشترک " نادلہیٰ اور افلاس " ہے اور اس مد میں افلاس ہی کے خاتمہ پر زور دیا گیا ہے ۔ اس طریقے سے نادار اور مفلس افراد کے درمیان کس وسیع پیمانے پر تقسیم دولت ممکن ہے ۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی قومی آمدنی تقریباً ۳۵ ارب [illegible] روپے تھی ، زکوٰۃ کی ادائیگی شرح [illegible] ۲٫۵ فیصد کے حساب سے اگر تمام قومی آمدنی کی بھی زکوٰۃ نکالی جائے تو کم از کم ۸۷ کروڑ ۲۵ لاکھ روپے سالانہ صرف غریبوں میں تقسیم ہونا چاہئے ۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر تمام مالیت پیداوار پر سالانہ باقاعدگی کے ساتھ زکوٰۃ نکالیں تو سالانہ کتنی خطیر رقم سرمایہ داروں کی جیب سے نکل کر غریبوں اور ناداروں کے پاس پہنچتی ہے اور اس طرح تقسیم دولت کی ناہمواری کتنی تیزی کا سے رفع ہو سکتی ہے ۔

(۲) عشر ۔ عشر درحقیقت زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے ، لیکن چونکہ اس پیداوار میں انسانی محنت کا دخل نسبتہً کم ہوتا ہے اس لئے اس کی شرح ۲٫۵ فیصد کے بجائے ۱۰ فیصد رکھی گئی ہے ۔ عشر صرف ان زمینوں کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق عشری ہوں اور اس کو زکوٰۃ ہی کے مصارف پر خرچ کیا جاتا ہے ۔

(۳) کفارات ۔ معاشرہ کے کمزور افراد تک دولت پہونچانے کا ایک مستقل راستہ اسلام نے کفارات کے ذریعہ مقرر کیا ہے ۔

کوئی شخص بلا عذر رمضان کا روزہ توڑ دے یا کسی مسلمان کا بلا عمد قتل کر دے ، یا اپنی بیوی سے ظہار کر لے یا قسم کھا کر اسے توڑ دے تو بعض صورتوں میں اختیاری طور پر اسے حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مال کا حصہ ناداروں پر خرچ کرے ۔ یہ نقد روپے کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور کھانے کپڑے کی صورت میں بھی ۔

(۴) صدقۃ الفطر ۔ اسی کے ساتھ جو لوگ صاحب نصاب ہوں ان کے لئے عید الفطر کے موقع پر لازم کیا گیا ہے کہ نماز عید کو جانے سے پہلے فی کس ایک [illegible] یا اس کی قیمت غریبوں ، ناداروں ، مسکینوں [illegible]

اور بیواؤں پر خرچ کریں، رقم نہ صرف اپنی طرف سے بلکہ اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی نکالی جاتی ہے، اور اس کے لئے مقدار نصاب کا "نامی" ہونا یا اس پر پورا سال گذرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اس فریضے کا دائرہ "زکوٰۃ" سے بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعہ خاص طور سے ایک اجتماعی مسرت کے موقع پر زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جا سکتی ہے۔

مذکورہ بالا چار مدات غریبوں اور مفلسوں میں دولت تقسیم کرنے کے لئے تھیں اس کے علاوہ دو مدیں وہ ہیں جن سے اعزہ واقرباء کی امداد اور ان تک دولت کا پہونچانا مقصود ہے ان میں سے ایک مد نفقات کی ہے اور دوسری وراثت کی۔

(۵) **نفقات**:۔ اسلام نے ہر انسان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت کرے۔ پھر ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کی کفالت بہر صورت واجب ہے، خواہ انسان تنگدست ہو یا خوشحال، مثلاً بیوی، اولاد اور بعض وہ ہیں جن کی کفالت کی ذمہ داری وسعت کے ساتھ مشروط ہے۔ ایسے رشتہ داروں کی ایک طویل فہرست اسلامی فقہ میں موجود ہے اور اس کے ذریعہ خاندان کے اپاہج، کمزور افراد کی معاشی کفالت کا بڑا اچھا نظام بنایا گیا ہے۔

(۶) **وراثت**:۔ اسلام کا نظام وراثت اس کے نظریہ تقسیم دولت میں ایک بنیادی امتیاز رکھتا ہے، وراثت کی مرتکز تقسیم سے تقسیم دولت میں جو ناہمواری پیدا ہوتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ مغربی ممالک میں اس ناہمواری کا ایک بہت بڑا سبب یہی ہے کہ جس کا اقرار بہت سے ماہرین معاشیات نے کیا ہے۔

یورپ میں بالعموم اکبر الاولاد کی جانشینی کا طریقہ رائج ہے، جس میں سارا ترکہ بڑے لڑکے کو مل جاتا ہے۔ باقی سب محروم ہو جاتے ہیں، پھر بعض مقامات پر اگر مرنے والا چاہے تو کسی دوسرے شخص کے نام اپنے سارے ترکہ کی وصیت کر سکتا ہے اور اس سلسلہ میں اسے مذکر اولاد کو بھی محروم کرنے کا حق ہے۔ اس طریقے میں دولت پھیلنے کے بجائے سمٹتی ہے اس کے برعکس ہندو مذہب میں تقسیم وراثت کو مردوں میں تو اشتراکی حد تک مساوی کر دیا گیا ہے لیکن عورتیں بہر حال وراثت سے محروم رکھی گئی ہیں جس سے ان پر ظلم ہونے کے علاوہ گردش دولت کا دائرہ اسلام کی نسبت سمٹ جاتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام نے تقسیم وراثت کا جو نظام بنایا ہے اس میں ان تمام خرابیوں کا انسداد ہو جاتا ہے۔ اس نظام کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) قرابت کے لحاظ سے وارثوں کی ایک طویل فہرست رکھی گئی ہے جس کی وجہ سے متروکہ دولت زیادہ وسیع پیمانے پر پھیلتی ہے۔ یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ دولت کے وسیع پیمانے پر پھیلاؤ کے پیش نظر یہ حکم دیا جا سکتا تھا کہ سارا ترکہ غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے یا بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔ لیکن اس صورت میں ہر مرنے والا شخص یہ کوشش کرتا کہ وہ اپنی زندگی ہی میں سارا مال ختم کر جائے اور اس سے معیشت کے نظام میں ابتری پیدا ہو جاتی، اس لئے اسلام نے اسے میت کے رشتہ داروں میں تقسیم کرنے کا نظام بنایا جو مالک سرمایہ کی فطری خواہش ہے۔

(۲) دنیا کے تمام نظامہائے وراثت کے برخلاف عورتوں کو بھی میراث کا مستحق قرار دیا گیا ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا۔ (۴:۶)

(مردوں کیلئے بھی ایک حصہ ہے اس مال میں جو والدین اور اقربار چھوڑ کر جائیں اور عورتوں کیلئے بھی ایک حصہ ہے اس مال میں جو والدین و اقارب چھوڑ کر جائیں، تھوڑے میں سے بھی اور زیادہ میں سے بھی ایک معین حصہ ہے)

(۳) مرنے والے کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ کسی وارث کو محروم کر دے یا کسی کے حصہ میں ترمیم کر سکے۔ اس طرح وراثت کے راستے سے ارتکاز دولت کا امکان ختم کر دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے۔

آباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا۔ فریضة من الله۔

(۴ : ۱۰)

(تمہارے باپ، بیٹوں میں کون نفع کے اعتبار سے تم سے قریب تر ہے؟ تم نہیں جانتے! یہ اللہ کا مقرر کیا ہوا قانون ہے۔

(۴) چھوٹی اور بڑی اولاد میں کوئی تفریق نہیں کی گئی بلکہ سب کو برابر حصہ دیا گیا ہے۔

(۵) کسی وارث کیلئے اس کے حصہ رسدی کے علاوہ کسی مال کی وصیت کرنے کی ممانعت کر دی ہے، اسطرح کوئی وارث متوفی کے مال سے اپنی وراثت کے سوا کچھ نہیں پا سکتا۔

(۶) متوفی کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ وارثوں کے سوا دوسرے لوگوں کے لئے وصیت کر جائیں۔ اس سے بھی دولت کے پھیلاؤ میں مدد ملتی ہے اور تقسیم وراثت سے قبل دولت کا ایک حصہ وصیت پر صرف ہو جاتا ہے۔

(۷) لیکن وصیت کرنے والے کو اس بات کا اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ پورے مال کی وصیت کر جائے بلکہ اسے اپنے مال کے صرف ایک تہائی حصہ میں ایسا کرنے کی اجازت دی گئی ہے، اس سے زیادہ کی وصیت کا وہ مجاز نہیں، اس طرح ارتکاز دولت کے اس خطرے کا سدباب بھی کر دیا گیا ہے جو پورے مال کی وصیت کی اجازت کی صورت میں پیدا ہو سکتا تھا اور اقربار کے حقوق کو بھی محفوظ کر دیا گیا ہے۔

(۸) مذکورہ بالا مدات کے علاوہ دو مدیں ایسی ہیں جن میں مالکان دولت کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنی دولت کا کچھ حصہ حکومت وقت کو ادا کریں، ایک خراج اور دوسرا جزیہ۔

خراج ایک قسم کا زمینی لگان ہے جو صرف ان زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے جو فقہی تفصیلات کے مطابق خراجی ہوں اور اسکو حکومت اجتماعی کاموں میں صرف کر سکتی ہے ——
اور جزیہ ایک تو ان غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا ہے جو اسلامی حکومت کے باشندے ہوں اور حکومت نے ان کی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا ہو، دوسرے ان غیر مسلم ممالک سے بھی جزیہ وصول کیا جا سکتا ہے جن سے جزیہ کی ادائگی پر صلح ہوئی ہو، یہ رقم بھی حکومت کے اجتماعی مقاصد میں

صرف ہوتا ہے۔

اوپر تقسیم دولت کے جو قانونی مدات بیان کئے گئے ہیں یہ سب وہ ہیں جن میں دولت صرف کرنا دولت کے اولین مالکوں کے ذمہ شخصی طور پر واجب قرار دیا گیا ہے۔ غرباء و مساکین پر اور مسلمانوں کے اجتماعی مقاصد میں خرچ کرنے کی جو ترغیبات قرآن و سنت میں وارد ہوئی ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو

(۲ : ۲)

(لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جو بچ رہے)

اس ارشاد نے واضح فرما دیا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ انسان صرف مقدار واجب خرچ پر اکتفا نہ کرے، بلکہ جس قدر دولت اس کی ضرورت سے زائد ہو وہ سب معاشرے کے ان افراد تک پہونچانے کو اپنی سعادت سمجھے جو دولت سے محروم ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انفاق فی سبیل اللہ کے احکام و فضائل سے بھرے پڑے ہیں۔

پیشہ ورانہ گداگری کا انسداد

معاشرے کے کمزور افراد کو سرمایہ داروں کے اموال میں حق دلانے سے دوسری طرف معاشرہ میں اس خرابی کے امکانات تھے کہ معاشرہ کا یہ طبقہ مفلوج ہو کر ہمیشہ قوم پر بار بنا رہے شریعت اسلام نے اس پر بھی گہری نظر کر کے ان کو بھی خاص قانون کا پابند بنایا ہے کہ :

(۱) تندرست و توانا آدمی کو بجز مخصوص حالات کے سوال کرنے کا حق نہیں دیا۔ قرآن کریم نے فقراء کی قابل تعریف صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ :

لا یسئلون الناس الحافا

(وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے)

(۲) جس شخص کے پاس ایک دن کے گذارے کا سامان موجود ہو اس کے لئے سوال حرام کر دیا۔

(۳) سوال کرنے کو حدیث میں ذلت قرار دیا۔

(۴) جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال موجود ہو اس کے لئے بغیر سوال کے بھی صدقہ لینا حرام ہے۔

(۵) غرباء و مساکین کو اس کی ترغیب دی کہ محنت کی کمائی کو عزت سمجھیں۔ صدقات سے گریز کریں۔

(۶) ارباب اموال کو اس کی ہدایت کی کہ اموال صدقات صرف اپنی جیب سے نکالنا کافی نہیں بلکہ اسکے مستحقین حاجتمند لوگوں کو تلاش کر کے ان کو پہونچانا بھی ان کی ذمہ داری ہے۔

(۷) محکمہ احتساب کے ذریعہ گداگری کا انسداد کیا گیا۔

ان احکام کے ذریعہ اسلام نے تقسیم دولت کا جو خوشگوار نظام قائم فرمایا ہے، اس کے نتیجہ میں ہماری تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ہیں کہ معاشرے میں صدقات کو قبول کرنے والا ڈھونڈنے سے نہیں ملتا تھا ●

انجم عثمانی

سونے کی دیوار !

سیاست مدن (پولیٹیکل اکنامی) کا سب سے مشکل مسئلہ یہ ہے کہ افراد کے درمیان فقر و دولت مندی غربت و امارت میں ایک لائق عمل، کامیاب تناسب کیسے قائم کیا جائے ؟ کوئی ایسی راہ کیسے متعین کی جائے کہ جسمیں سرمایہ و عدم سرمایہ ایک ایسے نقطہ پر آجائیں جس کو قابل عمل مساوات کا حامل کہا جاسکے ؟

اس نقطہ، اس مقام کی تلاش مختلف مسالک و مذاہب کے پیرو کرتے رہے ہیں مگر کوئی ایسا عملی حل نہیں پاسکے جسے ہمہ گیر کہا جاسکے ، نقائص و عیوب سے پاک اور ہر جگہ ہر دور میں قابل عمل اور کامیاب گردانا جاسکے برخلاف مذہب اسلام کے کہ اس نے دوسروں کی نظر میں اس لاینحل مسئلے کا چودہ سو برس قبل ہی نہایت عمدہ، مفید اور ہمہ گیر حل دنیا کے سامنے پیش کردیا۔ اس لاجواب، مفید ترین، ہر جگہ ہر قوم کیلئے قابل عمل حل کا نام شریعت اسلامیہ میں " زکوٰۃ " ہے۔

زکوٰۃ کی شرعی حیثیت

زکوٰۃ تزکیہ سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں پاک کرنا، کیونکہ زکوٰۃ قلب انسانی کو مال کی محبت اور بخل سے پاک کردیتی ہے ، اس لئے شرعی اصطلاح میں اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں جیسا کہ کلام پاک میں ارشاد فرمایا گیا ہے :

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ (پ ۱۱۔ س توبہ ع ۱۳)

زکوٰۃ اسلام کے احکام میں سے ایک ضروری اور اہم حکم ہے ۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کی تاکید کی گئی ہے :

اَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ــــ

(نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) اور قرآن کریم میں کئی جگہ زکوٰۃ دینے کو مسلمان کی لازمی شرط قرار دیا گیا

الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ (یعنی وہ (مسلمان) نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو نماز نہیں پڑھتے اور زکوٰۃ نہیں دیتے وہ صحیح معنوں میں مسلمان نہیں ہیں ۔

نماز نہ پڑھنا اور زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کی صفات ہیں ۔ فرمایا گیا ہے :

وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ

الزکوٰۃ وھم بالاخرۃ ھم کافرون ۔

(فصلت ع ۱)

معلوم ہوا کہ زکوٰۃ اسلام کے ان اہم ارکان میں سے ہے کہ جس کے بغیر مسلمان ہونا مکمل نہیں ہوتا ۔ اسلام کے اس اہم رکن (زکوٰۃ) پر عمل کرنے والوں کیلئے قرآن کریم اور احادیث رسولؐ میں جگہ جگہ بشارتیں اور ثواب و عنایات کے وعدے ہیں ۔ فرمایا گیا ہے :

مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ تا ولاخوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔ (سورہ بقرہ ع ۳۶)

ترجمہ :- جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں ۔ ان کے اس خرچ کرنے کی مثال اس دانے کی سی ہے جس سے پودا اُگے اور اس سے سات بالیں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے وہ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جانتا ہے ۔ جو لوگ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے ہیں پھر نہ وہ احسان جتاتے ہیں اور نہ تکلیف دیتے ہیں ان کے واسطے ان کے رب کے پاس بڑا ثواب ہے اور انھیں قیامت میں کوئی خوف و خطر نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۔

اس آیت شریفہ میں زکوٰۃ ادا کرنے والوں سے خدائے بزرگ و برتر نے تین وعدے فرمائے ہیں :-

ایک یہ کہ جتنا وہ خرچ کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ ان کو اس کے بدلے سیکڑوں گنا زیادہ عطا فرمائیگا ۔

دوسرے یہ کہ ان کو اجر عظیم حاصل ہوگا ۔

تیسرے یہ کہ ان کو روز قیامت کوئی خوف و خطرہ نہ ہوگا ———— اندازہ کیجئے کسقدر عظیم وعدے ہیں اور وعدے بھی خالق کائنات کے کہ جو صادق و قادر مطلق ہے (سبحان اللہ) ۔

ابو داؤد شریف میں ہے کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ - تین باتیں ہیں جس شخص نے ان کو اختیار کیا ایمان کا مزہ پا لیا ———— ایک یہ کہ صرف [illegible] عبادت کرے اور دوسرے یہ کہ لاالہ الا اللہ پر اس کا سچا عقیدہ ہو ۔ تیسرے یہ کہ ہر سال پوری مسرت اور خوشی کے ساتھ اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے (ابو داؤد)

زکوٰۃ کی ادائیگی (تکمیل شرائط کے ساتھ) فرض ہے اس لئے اس کے ادا نہ کرنے پر سخت عذاب کی وعید ہے ———— سورہ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے :

والذین یکنزون الذھب والفضۃ ———— تا ———— فذوقوا ما کنتم تکنزون

(سورہ توبہ ع ۵)

ترجمہ :- اور جو لوگ سونا چاندی (مال و دولت جوڑ کے) رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے (یعنی ان پر جو زکوٰۃ وغیرہ فرض ہے اس کو ادا نہیں کرتے) اے رسولؐ تم انھیں سخت دردناک عذاب کی خبر سنا دو جس دن تپایا جائیگا ان کی اس دولت کو دوزخ کی آگ میں پھر داغی جائیں گی اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کی کروٹیں اور پیٹھیں (اور کہا جائیگا) یہ ہے وہ مال و دولت جس کو تم نے جمع کیا تھا ۔ پس مزہ چکھو اپنی جوڑی ہوئی دولت کا (اللھم احفظنا)

اسی آیت کے مضمون کی کچھ تفصیل کو حضورؐ نے

ایک حدیث میں فرمایا ہے۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے
- جس شخص کے پاس سونا چاندی (مال و دولت) ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے (یعنی زکوٰۃ وغیرہ نہ دیتا ہو) تو قیامت کے دن اس کے واسطے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی پھر ان کو دوزخ کی آگ میں اور زیادہ گرم کرکے ان سے اس شخص کی پیشانی کروٹ اور پشت کو داغا جائیگا اور اسی طرح بار بار ان تختیوں کو دوزخ کی آگ پر تپا کر اس شخص کو داغا جاتا رہیگا اور قیامت کی پوری مدت میں یہ سلسلہ جاری رہیگا اور روز قیامت کی مدت پچاس ہزار سال کی ہوگی (تو گویا پچاس ہزار سال تک اس کو یہ دردناک عذاب ہوتا رہیگا)

(اسلام کیا ہے ص۵۹)

اور بہت سی احادیث میں اس فرض (زکوٰۃ) کی ادائیگی نہ کرنے پر مختلف عذابوں کا تذکرہ ہے۔

زکوٰۃ عقل و مصلحت کی روشنی میں

اسلامی احکام دو حصوں پر منقسم ہیں: حقوق اللہ اور حقوق العباد ——

شریعت اسلامیہ کے دونوں ہی قسم کے احکام انسانی فطرت کے عین مطابق اور انسانی زندگی کی بہتری نظم ونسق اور فلاح وامن کے لئے نہایت ضروری ہیں اور اسقدر جامع ہیں کہ ان احکامات سے انحراف نہ صرف فوائد سے محرومی ہے بلکہ سماجی اور معاشی زندگی انفرادی ہو یا اجتماعی ان زریں اصولوں پر عمل کئے بغیر سنور ہی نہیں سکتی۔

شریعت اسلامیہ کے احکام کی ایک عظیم خوبی یہ ہے کہ ان پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا ہے، یہ وقتی اور عارضی نہیں بلکہ تمام عالم کیلئے تا قیامت فلاح کا راستہ ہیں اور تمام انسانی مسائل پر محیط ہیں جسمیں اقتصادی مسائل بھی شامل ہیں۔

حقوق العباد اور حقوق اللہ بادی النظر میں الگ الگ معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان اخلاقی بلندیوں کو اس انتہا کو پہونچ جائے کہ جہاں تک اس کے امکان میں ہے تاکہ تمام دنیا امن و آشتی صلح ومحبت، خلوص وصداقت کا گہوارہ بنی رہے۔

فلاح انسانی کی راہ کی روشنی میں اگر زکوٰۃ کے احکامات، اسکی فرضیت، تاکید، ترغیب، تلقین، ادائیگی پر بشارتیں، اس کے مصارف، شرائط، اور عدم ادائیگی پر وعیدوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ زکوٰۃ شریعت اسلامیہ کا ایک ایسا زریں حکم وقانون ہے کہ جس پر عمل معاشرت انسانی کی بہبود کے لئے نہایت ضروری ہے اور زکوٰۃ کے تمام احکامات دنیاوی اعتبار سے بھی عقل وحکمت پر مبنی ہیں اور زکوٰۃ ہی ایک ایسا قابل عمل طریقہ ہے کہ جسکے ذریعہ دنیا سے مذموم سرمایہ داری نقصان رساں ذخیرہ اندوزی کی لعنت کو ختم کیا جا سکتا ہے —— مثلاً زکوٰۃ کی شرائط میں نصاب کو پہونچنا اور اس پر سال کا گذر جانا (حولان حول)، یا مصارف زکوٰۃ میں سر فہرست غریب رشتہ داروں اور فقراء و مساکین کا تذکرہ اس عظیم و مفید حکمت پر مبنی ہے کہ انسان کے آس پاس کے ماحول میں مناسب مساوات پیدا ہو۔ انسان اپنے اعزہ واقارب اور پڑوسیوں کا خیال رکھے، ان کی شکستہ حالت سے باخبر رہے ان کے دکھ میں دکھ محسوس کرے، ان کی ممکنہ مدد کرے

پھر قرابت داروں کو ترجیح اس حکمت اور احتیاط پر مبنی ہے کہ
قریبی افراد کا حال زیادہ بہتر طریقہ پر معلوم ہوتا ہے اور قریبی
ماحول سے ہی انسان زیادہ اثر قبول کرتا ہے۔

اسی طرح کیا فقراء و مساکین کی امداد کا فرض ان
متمول حضرات پر عائد نہیں ہوتا کہ جنہیں خدا تعالیٰ نے اس قابل
بنایا کہ وہ دوسروں کی امداد کر سکیں؟ کیا مسافر، لاچار
یتیم اور پریشان حال افراد کی مدد انسانی زندگی کی فلاح
و بہبود کے لئے ضروری نہیں ہے؟

کیا وہ شخص جو کمزوروں کی مدد کرے گا اس کو
کوئی برا کہے گا؟ کیا اس طرح سماج میں برائی کی ایک
مستقل جڑ نہیں اکھڑتی؟ کیا طبقہ واری منافرت
امیر و غریب کی کشمکش اور اس کشمکش سے پیدا شدہ
ہیجان کو ختم کرنے کا یہ عاقلانہ فیصلہ و حکم نہیں ہے؟
غور کیجئے کیا یہ مناسب اور قابل عمل مساوات
کی راہ نہیں ہے؟

یقیناً ان سب سوالوں کا جواب اثبات میں ہے
یقیناً زکوۃ پر عمل سماج کی ان تمام برائیوں، لعنتوں کو
ختم کرنے کا مثبت راستہ ہے، ان ہی تمام خوبیوں،
ضرورتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر شریعت اسلامیہ نے
زکوۃ کو فرض اور ضروری قرار دیا، دوسرے مذاہب کی
طرح مدد کو اختیاری نہیں رکھا بلکہ ہر صاحب ثروت
(صاحب نصاب) کے لئے اس کو فرض قرار دیا۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب

کچھ کور چشم اور سطحی انداز پر سوچنے
والے زکوۃ جیسے عظیم اور مفید حکم پر یہ اعتراض کرتے
ہیں کہ اس طرح فقیروں اور غریبوں کی مدد کرنا فقیری
کو بڑھاوا اور بھیک کو فروغ دینے کے مترادف ہے
(نعوذ باللہ) اس طرح لوگوں کو کاہل اور دوسروں
کی مدد پر پڑے رہنے کی عادت ڈالتا ہے وغیرہ وغیرہ
لیکن کیا یہ معترضین اس بات کا جواب دے
سکتے ہیں کہ جب غریبوں کی مدد نہیں کی جائے گی اور
دولت کو ایک کے پاس رہنے دیا جائیگا تو کیا دولت
ایک طبقہ کا اجارہ نہیں بن جائے گی؟ کیا اس طرح
مذموم سرمایہ داروں کو فروغ نہیں ملیگا؟ اور جب
ایک طبقہ ضروریات سے محروم کر دیا جائے گا تو وہ ان
لوگوں کے خلاف وہ سب کچھ نہیں کر گذرے گا کہ جو
انسانی زندگی کی تباہی اور سماج میں خلفشار کا باعث
بنے؟

اس کے علاوہ یہ تصور کسی صورت بھی صحیح نہیں
ہے کہ جب دولت کی مساوی تقسیم ہوگی (اشتراکی نظریہ)
تو طبقہ واری غربت و امارت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا
اس لئے کہ غربت اختیاری شے نہیں ہے، کیا عدم صحت
جنگ، آگ لگ جانا، مال کا غرق آب ہو جانا، تجارت
تباہ ہو جانا، چوری ہو جانا، ماں باپ کی اچانک موت
پر بے مایہ کھڑے رہ جانا وغیرہ وغیرہ جیسے حادثات
غیر اختیاری غربت کا باعث نہیں بنتے؟

یقیناً بھیک مانگنا لعنت ہے، یقیناً اس کا
انسداد ضروری ہے، اسلام بھی بھیک کی مذمت کرتا ہے
لیکن اس کا یہ حل بالکل نہیں کہ زکوۃ کو ترک کر دیا جائے
"زکوۃ سے بھیک کو فروغ ملتا ہے" یہ اعتراض
دراصل اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ فقراء جن کو
زکوۃ دینے کا حکم ہے ان کی صحیح تعریف سے لاعلمی ہے

فقیر اس کو نہیں کہتے کہ جو اپنا مال و دولت شرابوں، بھنگ اور چرس میں یا دوسرے گناہوں میں صرف کر کے بھیک مانگنا شروع کر دے، یا صحت مند ہونے، کمانے لائق، محنت کرنے کے قابل ہونے کے باوجود دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائے اور بھیک مانگنے کی عادت بنا لے جیسا کہ آج کل ہزاروں کی تعداد میں بھیک مانگنے کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں بلکہ زکوٰۃ کے مصرف فقراء وہ ہیں کہ جو محتاج ہیں، واقعۃً ضرورتمند ہیں، جو کما نہیں سکتے، محنت کرنے سے مجبور ہیں وغیرہ وغیرہ۔

مصارف زکوٰۃ کی فہرست پر غور کیجئے اور ان مصارف کی تعریف کا تعین احادیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیے تو یہ بات روز روشن کی طرح سامنے آجائیگی کہ زکوٰۃ سے بھیک مانگنے کو فروغ نہیں ملتا بلکہ اس لعنت کا صحیح معنوں میں انسداد ہوتا ہے جب مستحقین کو بروقت امداد ملتی رہیگی تو پھر وہ کیوں بھیک مانگیں گے پھر فقر کہاں رہیگا اور جب فقیر (شرعی تعریف کے مطابق) کا فقر نہ رہے گا تو پھر فقر و بھیک مانگنا کہاں باقی رہے گا؟

ایک اہم ضرورت

مندرجہ بالا قسم کے معترضین [پیدا] ہونے میں مسلمانوں کا بھی دخل ہے، وہ اس طرح کہ زکوٰۃ کا مسلمانوں میں منظم نہ ہونے کی وجہ سے مستحقین کو نہیں پہنچتی اور نہ ہی ہر جگہ اس بات کا انتظام (بیت المال کا) ہے کہ زکوٰۃ وصول کر کے مستحقین تک [illegible]، نتیجہ یہ کہ زکوٰۃ کے وہ تمام فوائد حاصل [illegible] ہوتے ہیں کہ جن کے پیش نظر اس کو [illegible] کیا گیا تھا۔ اگرچہ ہمارے یہاں خالص اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے گذشتہ دور جیسے [illegible] کا قیام مشکل ہے لیکن یہ تو مشکل نہیں کہ ہر جگہ اس قسم کی انجمنیں اور کمیٹیاں ہوں کہ جو زکوٰۃ وصول بھی کریں اور مستحقین تک پہونچائیں بھی، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر جگہ ایسی منظم کمیٹیاں بنائی جائیں کہ جو اس کار خیر کو بخوبی انجام دیں۔

زکوٰۃ مساوات کی راہ

مناسب اور صحیح مساوات کی تعلیم کا فخر نہ اشتراکیت کو حاصل ہے اور نہ کسی اور ازم کو بلکہ یہ شرف صرف اور صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں مناسب اور مبنی بر انصاف عملی مساوات کی تلقین کرتا ہے اور ایسے احکامات نافذ کرتا ہے کہ جن سے بنی نوع انسان کے فطری رشتے مضبوط ہوں۔ اسی لئے اسلام زکوٰۃ کے ذریعہ یہ چاہتا ہے کہ دولت کسی خاص طبقہ یا فرد کا اجارہ [illegible] ہر فرد کو اسکا حصہ ملے، نہ وہ بیجا طور پر کسی کا مال چھینتا ہے اور نہ غیر مستحق کو دلانا چاہتا ہے بلکہ ہر چیز کو مناسب حدود میں ادا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔

شریعت اسلامیہ زکوٰۃ کے [illegible] ذریعہ مذموم سرمایہ داری کی [illegible] کر [illegible] اور حسرت [illegible] کی [illegible] دیوار ڈھاتا ہے اور [illegible] کی اخوت قائم کر کے، ذات پات، [illegible] اور نسلوں کی گروہی تقسیم کو ختم کر کے تمام [illegible] کو ایک مفید [illegible] اور مکمل سماج کی ضمانت دیتا ہے۔ ایک ایسی ضمانت جو اشتراکی اصولوں میں [illegible]

قطرہ سمندر میں

از سلیمان سالک

۱۶ اپریل ۔ شنبہ ۔ ۱۰ بجے دن

بس میں رات بھر بیٹھے گذری۔ تھوڑی دیر کو آنکھ لگ جاتی تھی اور پھر کھل جاتی تھی ۔۔ تین ساڑھے تین سو میل کی مسافت کم نہ تھی اور پھر چھوٹی بس ۔۔۔ پوری رات تاریک صحرا گذرتا رہا، فجر کی نماز کو ایک منزل پہ آدھ گھنٹہ کو رکے تھے اور پھر سورج تھوڑا بلند ہوتے ہی بدر میں بس رک گئی۔

بدر میں آبادی ہے، ہلکا ناشتہ بھی فراہم ہو سکتا ہے چائے اور دیگر مشروبات بھی ہیں، ایک قریبی جگہ پہاڑی نشیب سے لوگ رسّی کے ذریعہ پانی بالٹی سے نکال رہے ہیں ساتھیوں میں سے ایک صاحب اندر اتر گئے اور لوٹے بھر بھر کر پانی دے رہے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں "جنگ بدر" کے دوران پانی کی کمی بارش نے پوری کی اور اسی جگہ اکٹھا پانی اخیر تک مجاہدین کے کام آتا رہا۔
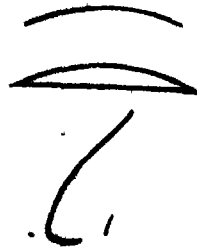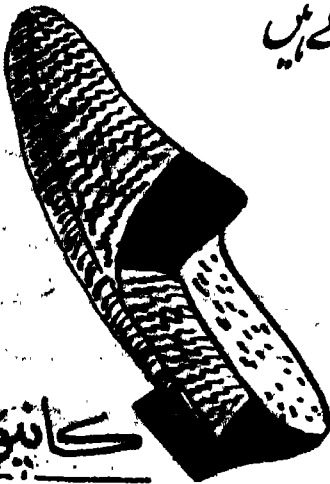
یہاں سے تھوڑے فاصلہ پر ایک دوسری بس کے ذریعہ اس مقام پہ گئے جہاں ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی سترہ تاریخ کو مخالفین اسلام سے محاربہ ہوا تھا۔ پہلی جنگ۔ صحابہ کرام صرف ۳۱۳ تھے، نڈھال کمزور، بے سر و ساماں، اور مخالفین کی تعداد ہزار کے قریب۔

بدر چاروں طرف خشک، بھورے پہاڑوں سے گھری ہوئی وادی ہے، درخت اور سر سبزی سے خالی، ریگ کی افراط، پہاڑ سے ٹوٹ کر گرے ہوئے تودوں کا ڈھیر، پانی غائب، سورج کی کرنیں بدن کو چھید رہی ہیں، پسینہ سے بدن چپچپا رہا ہے، ہم اس مقام پہ پہونچ آئے ہیں جہاں مخالفین کے بہترین لوگوں نے بدترین شکست کھائی تھی ۔۔۔ پسے ہوئے، مظلوم لوگ سربلند ہوئے تھے ۱۴ شہید مجاہدین کے مزارات ایک احاطہ میں موجود ہیں۔ ۱۳ جاں نثاروں کو حضرت نبی کریمؐ نے یہاں دفن کیا، ایک مجاہد جو شدید زخمی تھے ان کی کسی اور جگہ تدفین عمل میں آئی۔

یہ جنگ چیتھڑوں میں ملبوس لپٹنے والوں کی پہلی انگڑائی تھی۔ اس جنگ کے بعد تحریک نے دوسرا رنگ اختیار کر لیا ۔۔۔ ہزیمت خوردہ طاقتوروں نے لوہے کا جواب لوہے سے پا لیا تھا، دل بستہ وہ

ہو چکے تھے۔

ان مزارات پر سورج کرنوں کے پھول برسا رہا ہے ایک عربی مزوّر دعا کی تکرار کرا رہا ہے، ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں اور تصور صدہا برس پہلے کی فضا میں پہونچ کر مناظر ڈھونڈ رہا ہے۔

اے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے والو! تمہاری جرأت نے پوری امت کو ممنون کیا ہے پوری تاریخ تم پر ناز کرتی ہے اور کرتی رہے گی تمہارے خون کے چھینٹوں نے ہماری کھیتی کو سرسبزی و شادابی عطا کی ہے، تمہارے درجات کو خدا اور بلند کرے۔

قلندراں کہ بہ تسخیر آب و گل کوشند
ز شاہ باج ستانند و خرقہ می پوشند
بہ جلوت اند و کمندے بہ مہر و مہ پیچند
بہ خلوت اند و زمان و مکاں در آغوش اند

بہ روز بزم، سراپا چو پرنیان و حریر
بہ روز رزم خود آگاہ و تن فراموش اند
نظام تازہ بہ چرخ دو رنگ می بخشند
ستارہائے کہن را جنازہ بر دوش اند

●

۱۶ اپریل شنبہ (شب)

بدر سے مدینہ طیبہ کا فاصلہ ۸۰ میل کے قریب ہے، بدر سے ہم پھر اپنی "التوفیق" کے ذریعہ چل دئے۔ سڑک بے حد عمدہ ہے، وسعت صحرا میں یہ سڑک جیسے کسی حسینہ کے سر کی مانگ ہے ادھر ادھر صرف ریگزار اور بیچ میں یہ کو سولہ جاتی ہوئی لکیر۔

پس منظر میں بھوری پہاڑیاں اور نیلا آسمان پہاڑوں کو راستے سے ہٹایا بھی گیا ہے، کہیں پہاڑ کاٹ کر سڑک کی راہ نکال لی گئی ہے، پیچ و خم بھی ہیں، نشیب اور فراز بھی ہے، ڈھلوان میں بس پھسلتی سی لگتی ہے اور چڑھائی پر اینٹھتی ہوئی چلتی ہے۔ اپنے ٹکیوں نا ۹ اس کی رفت و گذشت کیلئے تو پہاڑوں کو راستے سے ہٹایا گیا ہے۔ بس بڑی دلفریبی سے چل رہی ہے۔

بس کچھ منزلیں چھوڑتی جا رہی ہے، آبادی کی علامتیں آنے لگیں، کوئی بڑی منزل قریب ہے بس بھاگی جا رہی تھی کہ اچانک ایک شخص چیخا "گنبد خضرا" اور لوگ اس طرف دیکھنے لگے جدھر اس کی انگلی اٹھی ہوئی ہے، گنبد خضرا کی جھلک دکھائی دی اور چھپ گیا۔

سحر چو برق بتا سرخ پوش رفت و گذشت
بہ یک کرشمۂ او عقل و ہوش رفت و گذشت

پوری بس درود سے گونج اٹھی کہ پھر یہ گنبد کسی عمارت کی آڑ میں چلا گیا، لوگوں کی نظر میں دھتی پھر نظر آیا، تھوڑی دیر تک چھپتا اور نظر آتا رہا، جیسے برسات کے بادلوں میں چاند ـــ اور آبادی میں بس داخل ہو گئی ـــ مدینہ طیبہ۔

مدینہ کے معلم کو پاسپورٹ سپرد کیا اور بس کی چھت سے سامان اترنے لگا ـــ سورج نصف النہار پر ہے، دھوپ بہت تیز ہے،

سامان گدھے گاڑیوں پر لاد کر آدمی معلم کے ہمراہ چلدئے
ہم لوگ چوڑی چوڑی سڑکوں سے گذر رہے ہیں، دوکانیں سجی ہوئی چھوڑتے جارہے ہیں، آگے آگے معلم کا آدمی ہے، اس کے پیچھے گدھے گاڑیوں میں سامان — اس کے پیچھے ہم لوگ — ادھر ادھر حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے چل رہے ہیں، ایک بہت خوشنما عمارت کے سامنے جسکے ایک باب پر "باب عثمان" ایک پر "باب عمر" اور ایک در پر موٹا موٹا "باب مجید" لکھا ہوا ہے، اور آگے سو ڈیڑھ سو فٹ چوڑی سڑک ہے، گاڑیاں رک گئیں۔ فٹ پاتھ پر سامان اترنے لگا، ایک صاحب نے پوچھا یہ عمارت کون سی ہے؟ انھوں نے بتایا۔ مسجد نبوی" میرے منہ سے نکل گیا ہائیں؟ بلند و بالا محرابیں، رفیع مینارے، قدامت کا کوئی شائبہ نہیں، بالکل تازہ بنی ہوئی، جدید طرز کی، بہت خوبصورت! ذہن میں جیسی مسجد نبوی تھی بالکل اس سے مختلف، میں حیران تھا کیا میں مسجد نبوی کے سامنے ہوں؟ کیا میں مدینہ میں ہوں؟
مکان کے دلالوں نے گھیر لیا، ان کے ساتھ مختلف مکان دیکھے، اسی مسجد نبوی کے سامنے ذرا سا گلی میں ایک مکان طے ہو گیا، اور اب سڑک میں پڑا سامان اسمیں جارہا ہے۔

ظہر کی اذان ہو چکی ہے، تھکن سے چور ہوں، بےحد میلا کچیلا ہوں، بھوک الگ لگ رہی ہے، مسجد کے اندر جانے کو جی بڑا بے چین ہے، اس عالم میں جا کر نہ طمانیت ہے نہ [illegible]، خواجہ حافظ کا شعر اچھا لگا کر

بضبط جوش جنوں کوش در مقام نیاز
بہوش باش مرو با قبائے چاک آنجا

تمنا کو سینہ میں دابا، بڑے دربار میں رسائی کی بات ہے، ادب و آداب کا طریقہ معلوم نہیں، کائنات کی سب سے بڑی شخصیت کی بات ہے، وہ مقام جو عرش سے بھی زیادہ وقیع ہے، جس نے طہارت و پاکیزگی کی بنیاد ڈالی ہے، جسے خوشبو عزیز، صاف ستھرا رہنا پسند تو ایسے جانا ٹھیک نہیں — اندر میل ہے تو ہے ہی، باہری شکل تو ذرا ڈھنگ کی ہو اور بڑے دربار کے لائق، اسی لئے گھر میں وضو کیا، ظہر کی نماز پڑھی، کچھ کھایا، سامان قرینے سے رکھا، کمر سیدھی کرنے کو ہولڈال پہ لیٹ گیا،
عصر کی اذان ہونے لگی، دل دھک سے ہو گیا غسل خانہ خالی نہیں، وضو کر کے ڈرتے ڈرتے مسجد نبوی کی چوکھٹ پہ پہلا قدم رکھا، ایک کنارے کھڑے ہو کر عصر پڑھی، لوگ صاف ستھرے دیکھے، اپنے سے شرم لگی، بندہ بگریختہ کی طرح بھاگا، غسل خانہ خالی تھا، خوب نہایا، چھانٹ کر اچھا لباس نکالا، پہنا، عطر لگایا — اور درود پڑھتے ہوئے سڑک پار کی — ٹیک لگی سی گئی ہے باب جبریل کو، اور باب جبریل سے ڈرتے ڈرتے گھبرایا ہوا اندر وارد ہوا۔
مولانا ظفر الدین صاحب جنکے مہمان کے ہمراہ ہو لئے، ان کے پیچھے لگ گیا، معلم سے وعدہ تھا کہ عصر بعد مسجد نبوی میں مل جائیں گے اور وہ مواجہہ میں حاضری، صلاۃ و سلام، اور مختلف مقامات سے روشناس

کرائے گئے ۔ مگر افسوس کہ ان کے سارے زائرین پریشان پھر رہے ہیں اور ان کا پتہ نہیں۔

آپ خود سمجھئے ، مقام اور جگہ کیسی ؟ اور ہر آدمی نیا ، ادب و آداب سے لاعلمی ، طور طریق سے ناواقفیت وکیل اور معلم کس قدر مجبور ہی ہے ، کاش یہ پرانے لوگ نئے آدمیوں کی الجھنوں کو سمجھتے ، بہر حال انھیں مولانا ظفر الدین کے ساتھ اور بھی چند لوگ ہمراہ ہیں ، قالینوں کے فرش سے گذرتے ہوئے حرم کے اگلے حصے میں گئے ۔ مغرب کی اذان ہونے لگی ، نماز پڑھی اور پھر مواجہہ میں چھ سات آدمی ظفر الدین صاحب کی معیت میں پہونچ گئے آنکھیں حیران و ششدر ، دل بلیوں اچھل رہا ہے ، دماغ کثرت خیال سے ماؤف ، ظفر الدین صاحب کے پاس ایک کتاب ہے وہ نکالی اس سے صلوٰۃ و سلام پڑھا ، وہ پڑھ رہے ہیں ، ہم لوگ دہرا رہے ہیں ہیں دس بارہ آدمیوں کے پیچھے ہوں ، یہ کبھی کی نصیحت دل کو یاد تھی کہ بڑے آدمیوں کے سامنے ــــ روبرو ــــ نہیں کھڑے ہوا جاتا ، روحی لہ الفدا کے سلام کے بعد ایک ہاتھ سرک کر خلیفۂ اول ، رفیق غار حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں سلام پیش کیا ، پھر تھوڑا اور آگے سرک کر خلیفۂ دوم حضرت عمر رضؓ کے حضور سلام عرض کیا ــــ اور پھر پہلی جگہ آکر عرض میں دعائیں دہرائیں خاموشی سے عرض و معروض پیش کی ، مجمع خاصہ ہے اور پھر واپس ہوگئے ، محراب النبی اور ریاض الجنۃ میں نوافل پڑھیں کہ عشاء کی اذان ہونے لگی ، صف بند ہوئے ، عشاء پڑھی ــــ اور پھر مواجہہ میں گئے اندر کا حصہ عجیب تاثر پیش کر رہا ہے ، تھوڑی دیر رکے اور پھر قیام گاہ گم صم واپس آگئے ۔

●

۱۷ اپریل ۔ چہارشنبہ (صبح)

حضور اکرم ﷺ کی چار حدیثیں مکہ میں میری نگاہوں سے گذری تھیں :۔

(۱) جو شخص میری زیارت کرے گا قیامت کے دن وہ میرے پڑوس میں ہوگا ۔

(۲) جس نے حج کیا پھر میری قبر کی زیارت میرے مرنے کے بعد کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ۔ (۳) جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کی شفاعت مجھ پر واجب ہوگئی ۔

(۴) جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا ۔

کون ایسا سنگ دل ہوگا جس کے کانوں میں یہ الفاظ پڑیں اور متاثر نہ ہو ۔ ہر کلمہ گو کے دل میں مدینہ پہونچنے کی ــــ سر کے بل پہونچنے کی ، پلکوں سے جھاڑو دیتے ہوئے پہونچنے کی جو آرزو چٹکیاں لیتی ہے وہ اسی وجہ سے ہے ، آدمی سسک رہا ہے ، مفلوک الحال ہے ، مریض ہے ، محتمند ہے ، پوری زندگی اس حصہ جوار میں نہ گذرے نہ سہی ، ایک بار تو روضہ اطہر کی تصویر دیکھ لے ، نقش و نگار ، در و دیوار کی دید ، صاحب الجمال اور سید البشر کے عینی دیدار کے بہار ٹھیر رہا ہے مدفن مقدس کی حاضری شفاعت کے وجوب کا مژدہ بن رہی ہے ، مرقد مبارک تک رسائی ہمسائگی کے مرتبہ اعلیٰ کا سبب

بنے ___ اس سے زیادہ کونین کا صادق و اصدق اور کیا کہے ؟ پھر چوتھی حدیث کے الفاظ کہ "حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا" کیا اس سے زیادہ آنے کی ترغیب اور پر از محبت جذبہ کے لئے مؤثر اسلوب استعمال کیا جا سکتا ہے ؟ پھر بلایا کیوں جا رہا ہے ؟ نذر و نیاز کیلئے، ہار پھول کیلئے، لوبان و عطر کے واسطے ؟ آپ کو معلوم ہے مختار مطلق کے حیطۂ اختیار میں کیا چیز نہیں جس سے اندرون مرقد خالی ہو کیا زکوٰۃ و صدقات خود پر نہیں آل و اولاد پر حرام نہیں قرار دیا، جو زندگی بھر پیٹ بھر کے کھانا نہ کھا سکا، جو کمخواب و حریر پر استراحت نہ فرما سکا، جس کی راتیں قیام و قعود، رکوع و سجود سے اتنی بھری تھیں کہ پیروں میں ورم تک آجاتا تھا۔ اس ذات گرامی کو ان ذلیل چیزوں سے کیا مطلب ؟ مقصود اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ امت مرحومہ کے افراد اس طرح معائنہ میں تو آ سکیں ! ابد الآباد تک !

•

۷ اپریل چہارشنبہ (شب)

حرم مسجد نبوی ___ حرم کعبہ کے برخلاف ___ بعد عشاء آدمیوں سے عوام حرم خالی کرا لیتے ہیں اور باب سعود پر قفل ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر تہجد سے قبل کھول دیتے ہیں ___ میں فجر سے قبل اٹھا۔ غسل خانہ گیا، نہایا، کپڑے پہنے اور باب جبریل کی طرف چل دیا۔ باب سعود، باب عثمان اور باب عمر نو تعمیر ہیں۔ اگر ان بابوں سے داخلہ ہو تو حرم سعود یعنی نئے حرم سے ہوتے ہوئے مسجد نبوی پہونچتے ہیں۔ باب جبریل سے سیدھا قدیم حرم مل جاتا ہے اور یہاں مرقد مطہر چند منٹوں کا راستہ ہے ___ حضرت جبریل کی آمد و رفت اسی دروازہ سے ہوتی تھی۔ میں اسی باب سے کل بھی داخل ہوا تھا اور آج بھی۔

رات کا پچھلا پہر ہے، تارے چھٹکے ہوئے ہیں، نسیم سحر خراماں خراماں نہیں، متوالوں کی سی چال چل رہی ہے، بڑا پر کیف موسم ہے۔ رو پہلی روشنیوں کے ساتھ چل رہے ہیں، لب پر صلوٰۃ و درود کے کلمات ہیں اور میں شاہانہ قالینوں سے گزرتا ہوا ریاض الجنۃ تک پہونچ گیا ہوں، تل دھرنے کو جگہ نہیں، ریاض الجنۃ کے پورے ٹکڑے میں سبز قالین بچھے ہوئے ہیں، آدمی ہلکی آواز میں مصروف تلاوت ہیں، ایک صاحب اٹھنا چاہتے ہیں، پہلو بدلا ہے اور میں گھس پل کر ان کے قریب پہونچ گیا، وہ پھر بیٹھ گئے میں صف سے باہر۔ ان کے پیچھے مل کر دو زانو بیٹھ گیا، انھوں نے قرآن پاک کھولا، دیکھا اور پھر بند کر دیا، غالباً ذہن لکھاوٹ ہے، جلی قلم چاہتے ہیں، وہ اٹھے اور میں اسی جگہ بیٹھ گیا ___ پھر وہ قرآن بدل کر کہاں بیٹھے؟ مجھے پتہ نہیں، کیونکہ قرآن پاک کافی فاصلہ پر رکھے ہیں۔

اذان ہونے لگی، بڑی بلند آواز ہے، عجیب لہجہ ہے، کعبہ کے موذن سے بھی زیادہ آواز میں رس ہے لطافت ہے اور لذت، ایسا معلوم ہوتا ہے کئی موذن اذان دے رہے ہیں ___ حرم محترم روشنی سے جگمگا رہا ہے بے انتہا پنکھے پوری رفتار سے چل رہے ہیں۔ لوگوں کے ذوق و شوق کا عالم نہ پوچھئے۔

سنتیں پڑھیں، اقامت ہوا، اب نماز شروع ہوگئی
نماز کے بعد دربار اقدس میں سلام کرنے چلے تو بھیڑ کا جو عالم نظر آیا اس سے طے کیا پہلا گھنٹہ بعد چلیں گے ـــــ اور جب تک میں مسجد کے مختلف حصوں میں گذرتا رہا اور دیکھتا رہا، چند قاری ہیں جو لوگوں کو مشق کرا رہے ہیں، اور وہ قرآن لیے حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، ایک جگہ حفاظ کا جمگھٹ ہے، دور ہو رہا ہے ایک پڑھتا ہے سب سنتے ہیں، تھوڑی دیر بعد دوسرا پڑھتا ہے، باقی سنتے ہیں، ایک جگہ تبلیغ والے اپنے کام میں منہمک ہیں ـــــ اب میں پھر روضۂ نبوی کو جا رہا ہوں۔

رحمۃ للعٰلمین کے آستانہ پہ رسائی مذاق نہیں وہ جو باعث تخلیق عالم ہیں، وہ جو سرگروہ انبیاء و مرسلین ہیں، وہ جنکے دربار میں جبریل بھی آتے ہیں تو آداب کے ہزار طریقوں کو برتتے ہوئے، جہاں ہوشمندی کے پر جلتے ہیں اور دیوانگی کو پسینہ آتا ہے میں تھرتھراتا ہوا، کانپتا ہوا، ڈرتا ہوا، سہمتا ہوا، چیونٹی کی چال چل رہا ہوں، نظر آ رہا ہے کہ بہت آدمی جا چکے ہیں اور بہت کم آدمی ہیں، دور سے مزار اطہر کی سنہری جالیاں نظر آ رہی ہیں لیکن قدم ٹھٹھک رہے ہیں کہاں کھڑا ہوں؟ اور کتنی دور رک جاؤں؟

یہ کس مقام پہ لایا جنوں خدا جانے
سنبھل سنبھل کے قدم رکھ رہے ہیں دیوانے } چاہوں

تو جالیوں کے مقابل ٹھہر سکتا ہوں، لیکن ہمت نہیں سعدی جیسے تیز قلم نے:۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجہک المنیر لقد نور القمر

ہی کہا اور اعتراف کرتے ہیں:۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

یعنی ذات گرامی جتنی تعریف کی مستحق ہے وہ ثنا مجھ سے ناممکن ہے اور

بعد از خدا بزرگ توئی ـ قصہ مختصر!

اور قلم توڑ دیا ـــــ میرا رخ اسی دربار کی طرف ہے، مسجد نبوی کی مغربی دیوار سے لگتے ہوئے مواجہہ میں پہونچ گیا، ہاتھ باندھ لئے، سر جھکا لیا، آنکھیں نیچی کرلیں، ہونٹ کپکپا رہے ہیں، تھوڑا اور آگے سرکا دو آدمیوں کے پیچھے، بس کھڑا ہوں، کچھ یاد نہیں، زبان ساتھ نہیں دے رہی ہے خیال میں بس الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ گونج رہا ہے اور بس، آج کی میری حالت کل سے مختلف ہے۔

اس آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر اس مقام سے زیادہ پاکیزہ کوئی مقام نہیں، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ہر مسلک و عقیدہ کے علماء اس پر متفق ہیں اور کوئی اختلاف نہیں کہ یہ زمین جو نبی اطہر کے جسم سے ملی ہوئی ہے عرش و کرسی سے بھی زیادہ وسیع ہے اور مزار کے قریب کا وہ ٹکڑا جیسے ریاض الجنۃ کہا جاتا ہے جنت ہی کے ٹکڑوں میں سے ہے، اس وقت ایسی جگہ جو میرا حال ہے وہ نہ ہوتا تو تعجب کی بات تھی

یک جرعہ کہ از حریف مستت برسد
بس چاشنیٔ دم الستت برسد

ایں جام نہادہ اند بر طاق بلند
یا بر سر خویش نہ کہ دستت برسد

اگر خواہش ہے کہ حریف مست کی شراب معرفت کا کوئی
گھونٹ تم کو ملے اور اس کے کیف اعلیٰ سے لذت گیر ہو سکو
اور تم چاہتے ہو کہ روز الست کے رازوں کو برافگندہ نقاب
دیکھو تو یہ بادۂ خوشگوار کی صراحی پیمانۂ ازل کے اونچے طاق
پر رکھی ہے ، آؤ اپنے وجود معنوی کو اپنے وجود ظاہر کے
سر پہ پیر رکھ کر کھڑا کر دو اور اتار دو۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک ہاتھ آگے سرک کر سیدنا صدیق
اکبرؓ اور پھر مزید ایک ہاتھ آگے سرک کر سیدنا فاروق اعظمؓ
کی خدمت میں سلام عرض کیا اور پھر پہلی جگہ پلٹ آیا ، دعا کی
اور مواجہہ سے رخصت ہو گیا۔

مسجد نبوی میں اب بھی بڑی رونق ہے ، بتیاں
گل ہو رہی ہیں ، بادۂ شبانہ کے جام صبوحی کے ساغروں
میں ڈھالے جا رہے ہیں کیونکہ یہاں نشہ کا اتار کسی وقت
بھی ممکن نہیں ــــ آئیے اب ذرا تھوڑا حرم کا بھی جائزہ
لے لیں۔

مسجد نبوی ــــ آپ کو معلوم ہے کھجور کے چند
تنے کھمبے کے طور پر اور ان کھمبوں پر کھجور ہی کے پتوں کی چھت
سائے کیلئے ڈال دی گئی تھیں، زمین ہموار کر کے یہیں نبیؐ امی
نے عالم انسانی کیلئے "حی علی الفلاح" کی صدا بلند کی تھی ـــ
کھجور کی چٹائیوں پر بیٹھ کر ان قوانین کا اجرا عمل میں آیا تھا
جن میں قیامت تک تبدیلی کا سوال ختم کر دیا گیا تھا ، یہ مسجد
نقطۂ پرکار حق تھا اور ساری کائنات دائرہ کی لکیر ـــ
یہیں وہ شمع روشن کی گئی تھی جس کی روشنی کائنات کے ایک
گوشہ میں پہونچی تھی ــــ اس میں زمانہ اور حالات
کے مطابق تبدیلیاں ہوتی رہیں ، توسیع ہوتی رہی ـــ
زیبائش کی جاتی رہی ـــ اور آج یہ چند صحرائی آنکھیں
جو کچھ دیکھ رہی ہیں ایک ہلکی سی جھلک آپ کو بھی دکھانے
کی کوشش ہے ، شاید کامیاب ہو سکوں۔

ریاض جنۃ :۔ جو پختہ ستون کے اندر منبر سے
بیت النبی تک کی زمین ہے ۔ یہ ستون مسجد نبوی کے بیشمار
ستونوں میں سے رنگ میں الگ ہیں ۔ قدیم حرم کے سارے
ستون اور چھت کا رنگ گہرا بادامی ہے اور ان ستونوں
کا رنگ قدرے سفید ، کھجور کی چھت پہلے کتنے اونچائی پر
تھی ؟ ان ستونوں پر ایک جگہ اس کا نشان بھی بنا ہے
ان ستونوں سے جو یادیں وابستہ ہیں وہ ستونوں پر لکھا ہے
"ستون عائشہ" میں ام المومنین حضرت صدیقہ [illegible]
مصروف عبادت رہا کرتی تھیں ، "ستون ابو لبابہ" میں
صحابی موصوف نے ایک غلطی کے سلسلہ میں خود کو ستون میں جکڑ
رکھا ہے اور عہد یہ ہے کہ جب تک خدا خود معاف نہ کرے
گا ، علٰحدہ نہ ہوں گے ۔ ایک ستون میں آنحضرتؐ وفود
سے ملاقات فرمایا کرتے تھے ۔ ایک ستون میں آپؐ [illegible]
فرمایا کرتے تھے ۔ یہ اسطوانۂ سریر ہے ، "اسطوانۂ جبرئیل"
میں حضرت جبرئیل تشریف فرما ہیں ، "ستون حنانہ" وہ
ستون جو خطبہ کے عالم میں ٹیک اور سہارے کا کام کیا
کرتا تھا ، جسے اس وقت کے اہل نظر نے آپ کی رحلت
کے بعد روتے سنا ــــ عقیدت و احترام جب حد سے
گذرنے لگا تو حضرت عمرؓ نے منبر ہی کے پیچھے [illegible]
ایک چبوترہ اصحاب صفہ کا ہے ، [illegible]

قناعت و توکل کا عدیم المثال کارنامہ انجام دیا، دین کی تعلیم کے حصول کے لئے چوبیس گھنٹوں کا برسوں قیام کیا نہ کھانے کی فکر، نہ آرام کی پروا۔ نہ ہاتھ بھی کسی کے سامنے پھیلانا قناعت کی اہانت، چھپ کر لوگ کھانے کا سامان رکھ جاتے جو ان کے استعمال میں آتا۔

موجودہ باب جبریل سے تھوڑا آگے قدیم باب جبریل ہے جدھر سے حضرت جبریل وحی لیکر آتے تھے۔ ایک چبوترہ پر وہ بھی مصروف گفتگو میں جن کو تصور بھی نہیں دیکھ سکتا۔ صرف حضرت پیغمبر کے چہرہ کی علامتیں لوگوں کو بتا دیا کرتی تھیں۔

مزار مبارک سے ذرا مشرق کی طرف اصحاب صفہ کے چبوترہ کے سامنے کمبل لپیٹے، سجدہ ریز اور قیام میں مصروف رہتے تھے، پیروں میں ورم آجاتا حضرت حق پر اس عبادت کا تاثر پڑتا اور کہا جاتا:

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا۔ اس مقام پر ایک آیت مرقوم ہے:

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَحْمُودًا۔

مسلمانوں کا قبلہ شروع میں مسجد اقصیٰ تھی حضور نبی کریم نے کئی بار حضور حق میں تبدیلی قبلہ کے سلسلہ میں درخواست کی، لیکن قبول نہیں ہوئی اور سب لوگ مسجد اقصیٰ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے — مسجد اقصیٰ بیت اللہ کے بالکل مخالف سمت مشرق کی طرف، ہجرت کے ۱۶ یا ۱۷ ماہ تک یہی صورت رہی

ایک روز عشاء کی نماز آپ پڑھ رہے تھے اقتدا میں صحابہ کرام تھے کہ وحی میں یہ آیت اتری:

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ تو آپ اسی نماز کی حالت میں کچھ آگے بڑھے، صحابہ نے اقتدا کی، پھر آپ چل دئے، صحابہ صف بند آپ کے پیچھے چل رہے ہیں، آپ مڑے اور "ریاض جنۃ" کے قریب مغرب کی طرف رخ کر کے کھڑے ہو گئے اور عشاء پوری کی۔ اب آپ کا رخ بالکل مخالف سمت یعنی مغرب کی طرف تھا، نماز سے قبل آپ کی جگہ "باب جبریل" کی سیدھ پر تھی۔

تبدیلی قبلہ کی دعا آج قبول ہو گئی اور آپ نے صحابہ کو بتایا اور یہ آیت یاد کرا دی، اسی جگہ مصلے پر "ہذا مصلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" لکھا ہوا ہے اور اسی کے قریب ایک جگہ لکھا ہے " ہذا محراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم " — آپ کے سامنے اور خلافت راشدہ میں بھی اسی جگہ نماز ہوتی رہی، پھر بعد کے دور میں جب مزید توسیع ہوئی، لیکن یہ دونوں جگہیں اسی جگہ رہیں، پھر بعد کے زمانہ میں جب مغرب کی طرف زمین اور حاصل ہوئی، مسجد آگے کو اور پھیلی، اسی مصلی کی سیدھ پر ایک مصلے اور بنا اور وہاں نماز ہونے لگی، یہ محراب رسول اور یہ مصلائے رسول باقی رہا، اور نماز نئے مصلے پر ہونے لگی، اب تک!

مسجد نبوی کا موجودہ پھیلاؤ صدیوں اور

قرنوں میں یہاں تک پہونچا ہے، صحابہ کے مکانات متصل تھے، ملتے رہے، مسجد بڑی ہوتی رہی، داہنے بائیں بھی اور آگے پیچھے بھی، پہلے چھت آدمی کے قد سے ۲½ فٹ صرف اونچی تھی، ترکوں نے جب وقت یہ تعمیر شروع کی تو کافی بلند کر دی، قدیم اونچان کے نشانات اس تعمیر میں باقی رہنے دئے گئے ہیں چھت گنبدوں والی ہے اور مضبوط بھی، دیدہ زیب بھی۔

قدیم حرم میں قرآنی آیات کی دیواروں پر اور چھت کے اندرونی حصہ میں لکھاوٹ بڑی دیدہ زیب ہے۔ چھت میں مضبوطی کے لحاظ سے گنبدوں والی ڈاٹیں دی ہیں اور ان گنبدوں کی اندرونی گولائی میں خطاطی اور نقاشی کے فن کا نادر الوجود مظاہرہ کیا ہے۔

مناسب جگہوں پر پیتل کی جالیاں، محرابیں۔ جنگلے، دروازے فٹ ہیں، پیتل کی دبیز چادر میں قرآنی آیات اور بیل بوٹے بڑی نفاست سے تراشے ہیں، صرف عبارت نظر آتی ہے زمین مفقود ہے۔

جھاڑ اور فانوس — اللہ اکبر! بہت عظیم اور بے حد قیمتی، انتہائی نفیس، میں انھیں دیکھ رہا ہوں اور یہ تحریر قلم بند کر رہا ہوں — عشاء کا وقت ہے کافوری شمعیں تو اب نہیں، ہر جگہ بجلی کے بلب فٹ ہیں رات جگمگا رہی ہے، دو جھاڑ گلابی ہیں اور بہت بڑے، لڑیوں کے ہلنے سے رنگ پیدا ہوتے ہیں — بس معلوم ہوتا ہے جیسے بہار میں ڈھاک کے درخت دہک اٹھے ہیں۔

ہوا کے لئے بے شمار پنکھے رقص کر رہے ہیں۔ کسی جگہ گرمی کا پتہ نہیں، قالین ایسے میں نے دیکھے ہی نہیں، دو ڈھائی انچ موٹے، پیر اندر دھنس جاتے ہیں، اون اتنا نرم کہ ریشم کے ریشے معلوم ہوتے ہیں طرح طرح کے نقش و نگار اور چھ چھ سات سات رنگ اور ایک دو نہیں، پوری مسجد کا فرش انھیں قالینوں سے ڈھکا ہوا ہے۔

یہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں، تھوڑا تھوڑا کئی نشستوں میں لکھا ہے، اور میں سوچ رہا ہوں، اس تحریر کے پڑھنے والے کیسے اعتبار کریں گے؟ شاید وہ خوش عقیدگی اور خوش نگاہی سمجھیں، ایسا نہیں ہے۔ کعبہ کی تصویر اکثر کاغذوں پر یہاں آنے سے پہلے آنکھ سے گذرتی رہی ہے۔ لیکن اصلیت سے اسے کیا واسطہ تصویر اور خیال اس کے لافانی حسن تک بغیر دیکھے پہونچ ہی نہیں سکتا — یہی حال مسجد نبوی کا بھی ہے۔ کاش پڑھنے والے ایک بار پہونچ جائیں۔

●

۱۸ اپریل

رات کو ٹھنڈک بڑھ گئی، بند کمرے میں دوہری چادر کے بغیر سو نہ سکا، صبح بھی خنکی تھی، عرب کی روایتی گرمی کا نہ تو ہماڈ ہم ہی متحمل تھا اور اب تک فضل ایزدی ہے کہ واسطہ بھی نہیں پڑا، سوچئے! یہی اپریل کا مہینہ اور نومبر کا موسم۔

حج کا جب ارادہ کیا تھا تو اس کا احساس ہوا تھا کہ ابھی سردی کا آدھا موسم ہم کو حج پر قربان کرنا پڑے گا، نصف سردیوں میں سفر شروع ہوگا اور

۔ ہر جگہ گرمی ہی گرمی ملے گی، لیکن الحمد للہ اس کا کرم
گرمیوں سے کہیں واسطہ نہیں پڑا۔ اور اگر پڑا بھی تو
دو ایک روز۔ مکہ کا بھی موسم اچھا رہا اور مدینہ طیبہ کا
بھی، جہاز کا بھی۔

صبح جب میں تہجد کے لئے اٹھا تو نہانے کی ہمت
نہ پڑی پھر بھی نہایا، کپڑے پہنے اور لطیف موسم کی چھاؤں
میں منہ اندھیرے حرم نبوی پہونچ گیا۔ کل، پرسوں
کے مقابلہ میں آج حرم میں آدمی زیادہ نظر آئے، لیکن
ہم کو مواجہہ میں، پہلی صف میں، ریاض جنۃ میں کہیں بھی
دشواری سے سابقہ نہ پڑا۔ سننے میں آیا ہے کہ ہزاروں
آدمی مسجد کے اندر نماز پڑھنے کو ترستے رہ گئے اور اکثر
نمازیں بیرون مسجد ادا ہوئیں، کسی کو دس جماعتیں ملیں
اور کسی کو بیس۔

اس وقت اشراق سے فارغ ہو گیا ہوں اور یہ
سطور حرم مسعود میں لکھ رہا ہوں، کل کی سطریں حرم قدیم
میں سپرد قلم ہوئی تھیں۔

نئی عمارت ایک طلسماتی تعمیر معلوم ہو رہی ہے ——
صدہا ستون، صدہا محرابیں وسیع، بلند اور حسین،
رخ میرا کعبہ کی طرف ہے، میں ایک برآمدہ میں بیٹھا ہوں
سامنے ترکوں کا حرم، ذرا بائیں کو ہٹ کے گنبد خضرا،
تھوڑی دیر لکھتا ہوں، پھر گردن اٹھا کر گنبد خضرا کو دیکھ
لیتا ہوں۔

محرابیں سادہ رنگ کی ہیں، دیوار بیازی اور
ستون میں کچھ سفیدی —— خبر نہیں یہ پتھر کس پہاڑ
سے لئے گئے اور پس کر اینٹوں کی شکل میں آئے یا
ناہموار ٹکڑوں کو حسن ترتیب سے رکھ کر پھر ان پر پلاسٹر
کیا گیا۔ پلاسٹر میں باریک باریک سوراخ میں نے
دیکھے ہیں، ایسا پلاسٹر میں نہیں ہوتا، لیکن ہمواری
کا یہ عالم ہے کہ کہیں انگلی نہیں رکھی جا سکتی، یکسانیت
ایسی ہے کہ جیسے مشین سے چھیلا گیا ہو۔

وسیع چھت میں چوکھٹے نظر آتے ہیں، نقوش
بیل بوٹے پلاسٹر چھیل کر ابھارے گئے ہیں، درمیان
میں دو بڑے بڑے صحن ہیں، صحن میں بجری جیسا کہ عام
طور پر مسجدوں میں ہوتی ہے پڑی ہے، صحن کے چاروں
طرف دروں میں صحابہ کرام کے اسمائے گرامی لکھے ہوئے
ہیں، آمد ورفت کے لئے روشنیاں بنی ہوئی ہیں، روشنی
کا بڑا اچھا انتظام ہے، مرکری راڈ ہیں اور گول ——
چھت بھر میں ہزاروں کی تعداد میں نصب ہیں، دروں
میں اسپیشل طور پر بنوائے سیکڑوں گلوب۔ چادر پیتل
کی ہے، گلوب کی چادر میں عربی میں عبارت کٹی ہوتی
ہے، اس گلوب کے نیچے شیشہ کی الماری اور اندر
دو چھوٹے چھوٹے راڈ —— اور یہ گلوب ایک
محراب پر چار فٹ ہیں اور ہر محراب مدور مزید کھلے
ہوئے آٹھ راڈ —— رات کو جس وقت یہ راڈ اور
گلوب جلتے ہیں تو نئی تعمیر کا حسن نہ پوچھئے، آدمی سحر
زدہ سا ہو جاتا ہے۔

منارے چار ہیں، یہاں اکثر مسجدوں میں
صرف ایک ہی منارہ نظر آیا ہے، گنبد خضرا کے قریب
قدیم وضع کا ایک منارہ ہے اور ایک منارہ اور ہے
جو اتنا قدیم نہیں، باقی نئی تعمیر دو منارے، ایک

باب عثمان پر اور ایک باب عمر پر۔

ان چاروں مناروں سے مسجد نبوی کے تدریجی ارتقاء و تعمیر پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ نئے حرم کے منارے ویسے ہی ہیں، جس سے ہم ہندوستانیوں کی آنکھیں مانوس ہیں ــــ اذان کے لئے ان مناروں پر لاؤڈ اسپیکر فٹ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی وقت کی اذان میں مختلف مؤذن کی آوازیں گونج رہی ہیں۔

اذان اور اس کی لذت ــ میں سمجھ رہا تھا ــ صرف مکہ کے حرم ہی میں ہے۔ اثر آفرینی میں اسکا بڑا مقام ہے۔ لیکن مسجد نبوی کے مؤذن کا لہجہ، پاٹ دار اور رسیلی آواز جب گونجتی ہے تو آدمی دیوانہ وار اندر پہونچتا ہے۔ مکہ میں اذان اور نماز کے درمیان وقفہ تھوڑا ہے، یہاں زیادہ ہے، لیکن یہاں اذان سن کر باہر ٹھہرنا مشکل ہے

جدید توسیع، جسکی ابتداء سلطان عبدالعزیز نے ۱۹۵۵ء میں کی تھی اور جواب فیصل کے دور میں مکمل ہو چکی ہے دونوں تعمیریں بے حد خوبصورت ہیں ایک قدامت کی صناعی کا مرقع ــــ اور ایک جدیدیت کا شاہکار۔

دونوں تعمیروں میں مومن کا خلوص اور شیفتگی پھٹی پڑتی ہے۔

اقبال رفیق

بات کہنے کی نہیں!

الکشن قریب ہے اور ہر پارٹی اپنی اقتصادی اور سیاسی طاقت کو مضبوط کرنے کی فکر میں ہے، جھوٹی قسمیں اور جھوٹے دلاسے دینے کا سیزن آرہا ہے، آپکو ایسے ایسے جھوٹے اور مکار فریبی ملیں گے جن پر آپ کو شائن و گمان بھی نہ ہوگا، الکشن کے دوران ہر ایک کو حق حاصل ہوتا ہے کہ سوچ سمجھ کر ووٹ دے، لیکن مسلمان کے ووٹ خرید لینے کے لئے اور اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے چند سکے درکار ہیں یا چند جھوٹی قسمیں کافی ہیں ـــ جب الکشن ختم ہوگیا، منتخب حضرات اپنی سیٹوں پر پہونچ گئے، پھر کیا ضرورت اپنے وعدے پورے کریں ـــ اگر اچانک وزارت ختم ہوجائے تو ان کا الکشن کے دوران لیا ہوا قرض بھی پورا نہیں ہو سکتا ہے، مجھے ایک ممبر حضرت کی بات یاد آگئی ـــ اس کے قبل ایک بار پہلے جب وزارت ختم ہوگئی تھی کہنے لگے ابھی پچھلے الکشن کا قرض ادا نہیں ہونے پایا تھا، وزارت ختم ہوگئی، اب نئے الکشن کے واسطے قرض کہاں سے لاؤں۔

خیر چھوڑئے اس چکر کو، یہ جن کا فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں۔

اس بار الکشن میں ایک نیا ڈھنگ دکھائی دیا، ابھی تک تو ہر پارٹی مسلمانوں کے ووٹ خریدنے کے لئے روپیہ خرچ کرتی تھی اور جھوٹی قسمیں بھی کھاتی تھی لیکن اس بار چونکہ مہنگائی اس قدر ہے مسلمانوں کے ووٹ کا روپیہ ضروری اخراجات کو پورا کرنے میں صرف ہوا اور صرف آپسی فساد اور تفرقات کا سہارا لے کر مسلمانوں کو ملانا چاہا، اسکا ایک نمونہ آپ مولویوں کے اکھاڑے میں دیکھ چکے ہیں ـــ آپسی فرق اس قدر بڑھ گیا ہے کہ ایک گروپ کے لوگ دوسرے گروپ کی مسجد میں نماز ادا کرنے چلے جائیں تو ان پر اس قدر گہری نظر رکھی جاتی ہے گویا وہ دشمن ملک سے آئے ہوئے افراد ہوں ـــ اب آپ کے لئے ضروری ہے کہ نماز ادا کرنے سے قبل ـــ یہ معلوم کر لیں کہ مسجد کس فرقہ کے لوگوں کی ہے، ورنہ آپ نے جس جگہ نماز ادا کی ہے اسے اہل مسجد کو دھونا پڑے گا ـــ شرم کی بات ہے، آج غیر قوم والے جو آپ کے ہاتھ کی چیز

کھا لیتے ہیں، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ترقی پر ہیں، چھوا چھوت کو ختم کر رہے ہیں، ہم آپ ہیں کہ اس کو اپنا رہے ہیں جو ایک پیالے کے کھانے والے تھے۔

اسی طرح کا فساد ایک مسجد میں ہو رہا تھا، نوبت سر پھوٹنے تک پہونچی۔ فون کرکے اگر میں فوراً پولیس کی مدد نہ طلب کر لیتا، ابھی تک کوئی اتحادی فرقہ نہیں سامنے آیا جو اس قسم کے فسادات کی روک تھام کرتا ایک طرف تو مسلمانوں میں غریبی اور بے روزگاری ہے، دوسری طرف آپسی تفریق، پتہ نہیں کشتی کب اور کہاں کنارے لگے۔

آج پچیس سال کا عرصہ ہوگیا ہم کو آزادی حاصل کئے ہوئے، ہم نے اپنے واسطے، ملک کے واسطے کیا کیا؟ کچھ نہیں! ایک بھی اعلیٰ قسم کا کارخانہ ہمارا قائم نہیں ہو سکا، ایک فیکٹری بھاری ایسی قائم نہیں ہو سکی، جسمیں ہمارے سو دو سو لڑکے کام کر سکتے بہت جوش آیا تو بول اٹھے " اردو کو اصل مقام ملنا چاہیئے، ادبی انجمنیں بنیں، وہ صرف مشاعرہ کراتی ہیں اور دعویٰ کرتی ہیں کہ ہم اردو کے چاہنے والے ہیں — اسکولوں میں اردو میڈیم رائج ہو اس کے واسطے تو لڑتے ہیں لیکن آپ کو ایک بھی کتاب اکنامکس سوشیالوجی کی اردو میں لکھی نہیں ملے گی — کیوں —؟ اس طرف سے آپ لاپروا کیوں ہو گئے؟ — سائنس یا فلسفہ کی ایک کتاب اردو میں آپ نہیں دستیاب کر سکتے ہیں، کہتے ہیں، علامہ اقبال کا تمام کلام فلسفی سے بھرا ہوا ہے، وہ تو سب کچھ کر گئے، آپ نے کیا کیا —؟ صرف لمبی چوڑی باتیں! میرا مطالعہ ہے کہ مسلمان طالب علموں میں صرف پچیس فی صد لڑکے لڑکیاں اردو لئے ہوئے ہیں، ان میں سے آدھے ایسے ہیں جو صرف والدین کے کہنے پر اردو لئے ہوئے ہیں جو اردو نہیں پڑھتے ان کے لئے آپ نے کیا کیا؟ آپ کی قربانی یہ کیسی ہے؟ اگر اردو بورڈ یا اردو کے دیوانے صرف کتب اور جگہ کا معقول انتظام کر دیں تو میں ایک ہندو جامعہ اردو کو قائم کرنے کا دعویٰ کرتا ہوں جسکی بنیاد ہندو لڑکوں پر ہوگی اور اس کی ترقی قابل دید ہوگی، میں ایسے سیکڑوں ہندو لڑکے لڑکیاں گنا سکتا ہوں جو اردو پڑھنے کے لئے بے چین ہیں اور مسلمان دوستوں کا سہارا ڈھونڈتے رہتے ہیں — آپ کی تمکنت اور غرور نے کبھی ان کو قریب سے دیکھنے کی کوشش نہیں کی، آپ تو ہمیشہ یہی سوچتے رہے کہ اردو ہمارے گھر کی دولت اور ہمارے باپ دادا کی دی ہوئی ملکیت ہے، اسمیں غیر قوم والوں کا حصہ بالکل نہیں ہے — لیکن کیا کبھی آپ اس بات کو ثابت کر سکتے ہیں کہ اس کے پھلنے پھولنے میں صرف آپ کے آبا واجداد کا ہی ہاتھ رہا ہے، آپ زمین کی تہہ تک کھود ڈالیں لیکن پنڈت دیا شنکر نسیم جیسا مثنوی نگار نہیں لا سکتے۔ شعراء کے دیوان پڑھ ڈالئے لیکن چکبست جیسا بلند پایہ شاعر کا تصور اپنے یہاں نہیں کر سکتے، پھر یہ تنگ نظری کیوں؟ اور اس زبان پر اپنا اکیلا قبضہ کیوں؟ آپ تو صرف کالی اچکن اور علی گڑھ کاٹ پیجامہ پہنے اور تنگ نظری کی نقاب ڈالے مشاعرے میں شریک

ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اردو کی سب سے بہتر خدمت صرف یہی ہے اور خود کو اردو کا دیوانہ قرار دیتے ہیں۔

آپ ذرا تکلیف کر کے کسی اردو کتب فروش کی دوکان پر چلے جائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کتنے ہندو طالب علم ایسی کتابیں خریدنے آتے ہیں جن میں ہندی کی مدد سے اردو سکھائی جاتی ہے۔ آپ کو اردو کی ترقی کیلئے جو امداد مل چکی ہے اس سے ایسی کتابیں کتنی چھپوائیں کیا آپ نے اپنی مشاعرہ کمیٹی کے دفتروں میں ایسی کتابوں کا انتظام کیا ہے؟ جواب ملے گا "نہیں"۔

مشاعرہ کمیٹی والوں نے اس بات کی کوشش نہیں کی کہ مشاعرہ کا پروگرام بجائے مسلم محلوں کے ہندو محلوں میں کیا جائے اور اس کا انتظام ہندو انتظام کاروں کے ہاتھ میں دیا جائے جس سے ان میں اردو کے لئے لگاؤ پیدا ہو سکے اور ان کی کوشش بھی اردو کی ترقی کے لئے ہو۔ آپ کی اس قدر تنگ نظری کے باوجود اگر وہ اردو کے لئے کوشش کر کے اردو سیکھتے ہیں تو وہ قابل مبارکباد ہیں۔ ابھی اردو ٹیچرس کی مانگ ہوئی تھی، ایسے موقع پر آپ کا فرض تھا کہ ہندو اردو داں کو آگے بڑھا دیتے تاکہ ثابت ہو جاتا کہ ہندو بھی اس زبان کے چاہنے والے ہیں اور ہمارا مشترکہ فیصلہ ہے کہ اردو کی ترقی ہو۔

ضمیر فروشی کی حالت کا اندازہ شاید آپ کو نہیں ہوا ہوگا۔ کبھی آپ وقت نکال کر بڑے ہوٹلوں اور ریسٹورینٹ یا کافی ہاؤس چلے جائیے، پھر دیکھیے کس طرح شریف زادیاں غیروں کی تفریح کا مرکز بنی ہوئی ہیں۔ حد تو یہاں تک پہونچی کہ تہذیب اردو کے موقعوں پر صرف اچھے کپڑوں کے لئے یہ دوسروں کی تفریح کا مرکز بن جاتی ہیں۔

اب سوال اٹھتا ہے کہ یہ آتی کہاں سے ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ سب ہمارے آپ کے گھروں کی عورتیں ہیں ایسا تو نہیں کہ کہیں ان کی الگ دنیا بسی ہوئی ہے، وہ تفریح کرنے والے ہمارے محلوں میں آکر تفریح کرتے ہیں اور اپنے ساتھ کاروں میں بٹھا کر لے جاتے ہیں۔ مجھے کچھ ایسے رہناؤں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کہتے ہیں ــــ کہ میں نے کتنوں کے کام کرا دئے، لیکن انکی زندگی کی کارگذاری پر نظر ڈالی جائے تو ان کا کردار بہت گندہ ہوگا جس کو دیکھ کر آپ کو شرم آجائے گی، سچ تو یہ ہے کہ اس گندی عادت کی بنیاد رکھنے والے یہی لوگ ہیں۔

یہ وقت قوم کے لئے بڑا ہی نازک ہے کیونکہ بچہ ماں کی گود ہی میں اپنی اول تعلیم حاصل کرتا ہے، اگر ماں ہی ایسی ہوگی تو اس کی گود میں پلنے والا بچہ کیا ہوگا۔

سرسید کو حقیقت میں سرسید اور علامہ اقبال کو علامہ اقبال بنانے والی ان کی مائیں تھیں۔

مولانا محمد علی جوہر کی ماں نے ایک بار صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ اگر شوکت اور جوہر دونوں میں سے کسی نے بھی ثابت قدمی سے قوم کی خدمت انجام نہ دی تو ابھی میرے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہے کہ میں دونوں کا گلا گھونٹ سکتی ہوں ــــ لیکن لڑکے بھی ایسے نکلے کہ جان دے دی لیکن ثابت قدمی سے قدم پیچھے نہیں کیا۔ کہاں وہ مائیں تھیں اور کہاں یہ شریف زادیاں جو آج کل ہوٹلوں کی رونق بنی ہوئی ہیں۔

یہ تھی ضمیر فروشی کی منظر نگاری۔ یہاں تک نہ دیوبندیوں کی نظر کام کرتی ہے اور نہ بریلوی حضرات کے قدم مبارک پہونچ پاتے ہیں۔ یہاں تو اس عظیم ہستی جس کو ہم چکبست کہہ کر یاد کرتے ہیں اس کی نظریں بہت پہلے اس گندگی کو دیکھ رہی تھیں جب ہی تو اس نے تڑپ کر کہا تھا سے

رخ سے پردے کو اٹھایا تو بہت خوب کیا
پردۂ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز
جو بناتے ہیں نمائش کا کھلونا تم کو
ایسے مردوں کے اشارے پہ نہ جانا ہرگز

میں آپ کو بہت گہرائی اور غلاظت میں گھسیٹ لے گیا، لیکن یہ غلاظت اتنی تیزی سے بڑھ رہی ہے کہ اگر اس کی روک تھام آپ نے نہ کی تو یہ ہمارے آپ کے سماج کو سڑا دے گی۔ ہم ملک کیا دنیا کے سامنے ذلیل ہو جائیں گے، دنیا کہے گی کہ ہندوستان کے مسلمان حد درجہ ضمیر فروش ہیں، دوسروں کے حملے کھلے عام ہمارے محلوں اور ہمارے گھروں پر ہوں گے ہمارے اندر ان کو روکنے کی طاقت بھی نہ ہوگی۔ ہمیں دوسرے خاندانوں پر تنقید نہیں کرنی ہے، ہمیں صرف اپنا گھر اور اپنے خاندانوں کو دیکھنا ہے کہ ہمارے یہاں اگر یہ گندگی گھس آئی ہے تو اس کو نکال دیں، اگر خاندان والے اس کی مخالفت کرتے ہیں تو کرنے دیں، ہمیں اپنا فرض پورا کرنا چاہئے، جب فائدہ سامنے آئیگا تو خود ہی خاموش ہو جائیں گے۔
ڈاکٹر اگر مریض کے چلانے کی پرواہ کرے تو کبھی کامیاب آپریشن نہیں کرسکتا، اسی طرح دنیا ہم کو پاگل کہے کہا کرے، کوئی برا بھلا کہے کہا کرے، ہم اپنی دھن کے متوالے بن کر کام میں لگ جائیں۔

میں ایسے موقع پر اپنی ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، اگر وہ اس کام کو کرنے کا بیڑا اٹھا لیں تو یہ کام ناممکن نہیں، وہ جب اتنا وقت پان کی دوکانوں ۔ کوکا کولا کی دوکانوں پر صرف کرتے ہیں وہ اتحاد کر کے اس بات کا ارادہ کر لیں کہ ہمارے محلے کی ایک بھی لڑکی اس طرح برباد نہیں ہو سکتی تو مجال ہے کہ کوئی نظر اٹھا کر دیکھ لے۔

بہر حال کام ہے اسکو کرنا ہے، اسی میں ہماری اور ساری قوم کی بھلائی ہے ورنہ سب ایک ہی مصیبت کی کشتی میں سوار ہیں اور کشتی کی سلامتی میں سب کی سلامتی ہے۔

یونس قنوجی

مشاہدات و محسوسات

۱۹ اگست کی خوشگوار شام کو کانپور کے ادبی حلقوں میں بڑی چہل پہل تھی، کیونکہ اسی دن اردو کلب اور جگر اکیڈمی کے مشترکہ تعاون سے مرچنٹس چیمبر کے خوبصورت اور کشادہ ہال میں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد ہو رہا تھا فیروز صاحب کی خواہش تھی کہ رگ سنگ کیلئے مشاعرہ کی رپورٹنگ ہونی چاہئے لیکن موصوف خود تو کسی اہم مصروفیت کی وجہ سے جا نہ سکتے تھے اس لئے رپورٹنگ کی ذمہ داری مجھے قبول کرنا پڑی، اور میں ٹھیک ساڑھے نو بجے اپنے عزیز دوست اقبال احمد کھرانہ کے ساتھ مرچنٹس چیمبر کے لئے روانہ ہو گیا۔

چیمبر کے کمپاؤنڈ اور باہر سڑک پر کوئی خاص چہل پہل نہ تھی، اس سے اندازہ ہوا کہ شعرائے کرام اور سامعین عظام اپنی نشستیں سنبھال چکے ہیں لیکن چونکہ ہمیں اپنے ایک دلچسپ اور باذوق ساتھی اقبال الٰہی صاحب کا انتظار تھا اسلئے ہم لوگ باہر ہی رک گئے۔

منتظمین کی نقل و حرکت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی مشاعرہ شروع ہونے میں دیر ہے۔ بالآخر اقبال الٰہی صاحب اپنا ٹیپ ریکارڈر سنبھالے ہوئے رکشے سے اترے اور ہم تینوں بھی ہال میں داخل ہو کر "رونق افروز" محفل ہو گئے۔

چونکہ سامعین کیلئے خصوصی دعوت نامے جاری کئے گئے تھے اس لئے ہال ایک مخصوص طبقہ کی نمائندگی کا مظہر تھا۔ لباسوں کی رنگا رنگ تراش خراش اور وضع قطع کی جدیدیت غالب عنصر کی حیثیت سے محفل میں نمایاں تھی جسے دیکھ کر میرے ذہن پر مشاعرہ کی بخیر و خوبی کامیابی اور آداب مشاعرہ کے لحاظ کے بارے میں کچھ شکوک و شبہات سایہ ڈال رہے تھے، لیکن یہ سوچ کر کہ بدگمانی بری بات ہے ان خیالات کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور مشاعرہ کے آغاز کا انتظار کرنے لگا۔

لیجئے ــــ مشاعرہ کا آغاز ہو رہا ہے ــ وہ دیکھئے ڈائس پر تشریف فرما شعرائے کرام نے نشست کا سنجیدہ اور پر وقار انداز اختیار کرنا شروع کر دیا ہے ــــــ جناب اثر عباسی صاحب مائک پر تشریف لے آئے ہیں، اب وہ سامعین سے مخاطب ہیں، معذرت خواہ ہیں کہ مشاعرہ ۸ ½ بجے کے بجائے ۱۰ ½ بجے شروع ہو رہا ہے ــــــ اعلان فرما رہے ہیں کہ اس مشاعرہ کی صدارت عالی جناب ایم۔ احسن صاحب ڈپٹی لیبر کمشنر فرمائیں گے اور صاحب موصوف مسند صدارت پر تشریف لے آئے ہیں ــــــ اردو کلب اور جگر اکیڈمی کے نمائندہ حضرات گل پوشی کی شکل میں صدر محفل سے اپنے خلوص و عقیدت کا اظہار فرما رہے ہیں ــــــ اور جناب احسن

اس عزت افزائی کے لئے بانیان مشاعرہ کا شکریہ ادا فرما رہے ہیں۔

اناؤنسر مشاعرہ کے لئے جناب ایس، اے، رضوی کے نام کا اعلان کیا گیا تھا لیکن پتہ نہیں کیوں؟ ان کے فرائض جناب اثر عباسی صاحب نے سنبھال لئے ہیں، اور مشاعرہ کے آغاز کے لئے موصوف نے سب سے پہلے جناب عارف لکھنوی کو دعوت غزل سرائی دی ہے ——— عارف صاحب اپنے مخصوص ترنم کی بنا پر جگر اکیڈمی کے حلقہ میں ایک اہم شخصیت ہیں، مطلع عطا فرمایا ہے:

شام بلا کو رنگ بدلنے بھی دیجئے
پروانہ جل رہا ہے تو جلنے بھی دیجئے

غزل ترنم کے دھارے پر بہہ رہی ہے، سامعین حسب توفیق لطف اندوز ہو رہے ہیں ——— دیکھئے عارف صاحب نے ایک اچھا شعر پڑھ کر محفل میں گرمی پیدا کر دی ہے:

مشق ستم ضرور ہو ناکام عشق پر
لیکن کہیں کہیں پہ سنبھلنے بھی دیجئے

داد و تحسین کے روایتی ہنگامہ میں عارف صاحب نے غزل ختم کر کے اپنی جگہ لی ہے اور اناؤنسر نے جناب ذکی شکوہ آبادی کو زحمت غزل سرائی کے لئے آواز دی ہے ——— اور ذکی صاحب نے ——— "

بیتی یادوں کے دئے دل میں جلائے رکھئے
سونے گھر میں کوئی مہمان بسائے رکھئے

پڑھ کر مطلع کی شعریت اور ترنم کی سحریت سے سامعین کو پوری طرح متوجہ کر لیا ہے اور چند اشعار کے بعد اب انھوں نے صدر مشاعرہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے:

دیکھئے پھر نہ کہیں تیز ہو دل کی دھڑکن
اپنے ہاتھوں سے مرے دل کو دبائے رکھئے

شعر کی معنویت اپنی جگہ ——— لیکن شاعر کے اشارتی انداز نے سامعین میں ہلچل پیدا کر دی ہے ——— اور میں نہ جانے کیوں یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا آج شاعر کیلئے اپنا رنگ جمانے کی خاطر اس طرح کے انداز بھی ضروری ہیں، بہرحال کچھ بھی ہو لوگ کافی محظوظ ہوئے ——— ذکی صاحب فرما رہے ہیں:۔ (محفل میں موجود مرکز توجہ جنس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے)

بوالہوس لوٹ نہ لیں آپ کا معصوم شباب
چاند سے چاند کو بدلی میں چھپائے رکھئے
اِن کے جاتے ہی نکل جائیگا دم آنکھوں سے
سامنے میرے اُنھیں اور بٹھائے رکھئے

پہلے ہی مصرعہ پر داد و تحسین کا سیلاب امنڈ پڑا ہے، پھر دوسرے شعر میں "اِن" اور "اِنھیں" کے تصرف نے قیامت برپا کر دی ہے ——— اندازہ لگانا کوئی دشوار نہیں کہ شہرت اور نمود کی خواہش کس سطح تک لا سکتی ہے اور حضرات سامعین کا ذوق ادب نواز کیا چاہتا ہے ——— ذکی صاحب داد و تحسین کے گلدستوں سے مالا مال ہو کر غزل ختم کر کے واپس ہوئے ——— اور اب اناؤنسر کی درخواست پر جناب اشک نیازی پورے شاعرانہ رکھ رکھاؤ کے ساتھ مائک پر تشریف لائے ہیں مطلع عطا فرمایا ہے:

حسن و جمال یار سے بچنا محال ہو گیا
جا کے مری نگاہ کا آنا محال ہو گیا

کچھ تو یہ کہ مطلع بے جان ہے اور کچھ یہ کہ آج کی محفل میں آشک صاحب اپنے مخصوص انداز اور ترنم کا حق ادا نہ کر سکے اس لئے آپ کی غزل سامعین کی بیزاری اور نقرہ بازی کی نذر ہو گئی ——— بانیان مشاعرہ کی یہ پالیسی میرے لئے اس وقت سے لیکر اب تک ایک معمہ ہی ہے کہ کانپور کے نمائندہ شعراء کو نظر انداز کر کے آخر آشک صاحب کو کس بنا پر اہمیت دی گئی

اشک صاحب کے بعد قرعۂ فال مختار فیروز آبادی کے نام پڑا ہے ——— مختار صاحب نے نہایت سنجیدہ انداز میں ایک قطعہ پڑھا اور پھر اب موصوف ایک دلآویز لے میں غزل سرا ہیں ——— عطا، فرمایا ہے :۔

حسرت لذت دیدار بڑھائے رکھئے
میری نظروں سے ابھی خود کو چھپائے رکھئے

تغزل اور شعریت سے بھرپور مطلع پیش فرما کر مختار صاحب نے محفل کے بگڑتے ہوئے ماحول کو کافی حد تک سنبھال لیا ہے اور دوسرا شعر پڑھ کر کسی کے وعدے پر یقین اور اس یقین کے تحت انتظار کی عکاسی فرما کر باذوق سامعین کو بے تحاشا داد دینے پر مجبور کر دیا ہے ، آپ بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے :۔

صبح صادق کے ہیں آثار نمودار مگر
دل یہ کہتا ہے ابھی شمع جلائے رکھئے

اسی طرح اس شعر پر بھی کافی داد پائی ہے :۔

اس کی سرکار میں اندھیر نہیں دیر تو ہے
ہاتھ اٹھائے ہیں دعا کو تو اٹھائے رکھئے

مختار صاحب ایک کامیاب غزل پڑھ کر واپس ہوئے اور اب اناؤنسر نے حضرت کشفی لکھنوی کے نام کا اعلان کیا ہے ، ——— کشفی صاحب کو سہارا دے کر مائک تک پہونچایا گیا ہے ——— کشفی صاحب کی آواز میں بلا کا سوز و گداز ہے ، فرما رہے ہیں :۔

بے سوال جانے کا کیا ادھر نگر خیال جدھر نہیں
تری منزلوں سے جو دور ہے وہ ہماری راہ گذر نہیں

داد و تحسین کی آوازیں ڈائس ہی سے اٹھ رہی ہیں ، سامعین کچھ لاتعلق سے نظر آ رہے ہیں ——— لیکن بالآخر چوتھے شعر نے جو موصوف کے حسب حال ہے تمام شرکاء محفل کو نہ صرف یہ کہ متوجہ کر لیا ہے بلکہ داد دینے پر بھی مجبور کر دیا ہے، فرمایا ہے :۔

ہے یہی بجا نہ ملے ابھی مری چشم کور کو روشنی
جسے دیکھنے کی ہے آرزو مرے سامنے وہ اگر نہیں

ادب برائے ادب کی ترجمانی کرتی ہوئی کشفی لکھنوی کی غزل ختم ہوئی ——— اور اب حضرت کامل شفیقی جونپوری نے دو حقیقت افروز قطعات کے بعد "قتل سحر" کے عنوان سے اپنی نظم کا آغاز فرمایا ہے ——— نکھرے ہوئے الفاظ سنجیدہ لب و لہجہ اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پر سیاست کی مسموم کرم فرمائی کا تذکرہ ایسے عناصر ہیں کہ سننے والے کا ہے مبہوت ہو جاتے ہیں اور گاہے بے اختیارانہ تحسین و آفریں کا ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں ——— ایک شعر پیش خدمت ہے ، چلئے اور نظم کی پرکاری اور اثر آفرینی کا اندازہ کیجئے

حسن و جمال خلد علی گڑھ مٹا دیا
لے دے کے اک چراغ تھا وہ بھی بجھا دیا

کاملؔ صاحب کی نظم ختم ہوئی ــــــ محفل پر سنجیدہ ماحول طاری ہے ــــــ تسنیم فاروقی کے نام کا اعلان کیا گیا ہے ــــــ تسنیم صاحب مشاعروں کے جانے پہچانے شاعر ہیں ــــــ مائک پر جلوہ افروز ہیں ــــــ مطلع عطا فرمایا ہے:۔

آگ پگھلی ہوئی مینا میں بھری آئی ہے
اہلِ غم آؤ کہ شیشے کی پری آئی ہے

ترنم میں کچھ جھول پیدا ہو گیا ہے۔ سامعین داد کی شکل میں بیداد فرمانے پر تل گئے ہیں، تسنیم صاحب مسلسل سفر، بیداری اور ناسازیٔ طبع کا حوالہ دے رہے ہیں ــــــ دو شعر اور پڑھے ہیں ــــــ لیکن بات نہیں بن رہی ہے ــــــ اب وہ شعرائے کرام کو مخاطب کرتے ہوئے پڑھ رہے ہیں:۔

غالباً آپ کو اس وقت سے پہچانتا ہوں
جب سے مٹی کو ادائے بشری آئی ہے

شعراء کافی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں مگر سامعین ــــــ ــــــ پناہ بخدا ــــــ لیجئے اب وہ مقطع پڑھ رہے ہیں۔

اثرؔ عباسی صاحب سامعین سے مخاطب ہیں اور عنبرؔ بہرائچی کے نام کا اعلان کرکے تعارف کرا رہے ہیں کہ عنبر صاحب گیت کار ہیں ــــــ غالباً موصوف کی کوشش یہ ہے کہ محفل کے بگڑے ہوئے ماحول کو گیت کاری سے سنبھالا جائے ــــــ کیوں نہ ہو ہے۔ غزل کی لطافت اور نظم کی پرکاری سے ناآشنا "صاحب حیثیت" سامعین کو اگر ملحوظ نہ کیا جائے تو مشاعروں کا انعقاد ناممکن ہو جائے ــــــ لیجیے جناب عنبر صاحب نے گیت کاری شروع کر دی ہے، لیکن صد حیف، یہ جادو بھی کارگر نہیں ہے، سامعین کی بیزاری آخری حدوں کو چھو رہی ہے اور گیت کار گیت اور لے کے بے بس ہے، فوراً ہی محترمہ لشتی سکسینہ کے نام کا اعلان کرکے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ترکش خالی نہیں ہوا ہے، کچھ اور بھی تیر ہیں جن کو ایسے ہی مواقع کے لئے فراہم کیا جاتا ہے ــــــ اناؤنسر کا یہ نسخہ تیر بہدف ثابت ہوا ہے ــــــ پرجوش تالیوں سے محترمہ لشتی کے نام کا خیر مقدم کیا گیا ہے ــــــ محترمہ مائک پر تشریف لے آئی ہیں ــــــ اور اب محفل سانسیں روکے ہوئے ہمہ تن گوش ہے۔

محترمہ نے مطلع عطا فرمایا ہے:۔

اسی کشمکش میں گذری شب غم کہ اب وہ آئے
جو چراغ بجھ چکے تھے وہی بار بار جلائے

مطلع پر سطحیت اور نومشقی کا الزام لگانے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھئے کہ "کون پڑھ رہا ہے" ــــــ بے پناہ داد مل رہی ہے، تکرار کی فرمائشیں ہو رہی ہیں ــــــ غالباً یہی اسباب ہیں جن کی بنا پر علامہ شارقؔ ایرایانی مشاعروں کے معاملہ میں گوشہ نشین ہو چکے ہیں ــــــ لشتی صاحبہ کا ایک شعر اور ملاحظہ فرمائیں

یہ تھکی تھکی سی آنکھیں یہ رکی رکی سی نبضیں
تری راہ تکتے تکتے مجھے نیند آ نہ جائے

علیٰ ہذا القیاس پوری غزل ایسی ہی "مرصع" ہے سامعین نے ایک ایک شعر پر نہ صرف یہ کہ دل کھول کر

داد دی ہے بلکہ مقطع سن کر "ایک اور" کی فرمائش بھی کر دی ہے، اور آثر صاحب وعدہ کر رہے ہیں کہ محترمہ کو ایک بار پھر زحمت دی جائیگی ——— اور اب موصوف نے جناب قیصر کوٹی کو دعوت غزل سرائی دی ہے ——— قیصر صاحب نے مطلع عطا فرمایا ہے:

ہر طرف ترشے ہوئے اصنام تیرے شہر میں
لیک اک منزل ہے اک اک گام تیرے شہر میں

مزید فرمایا:

صبح کی پہلی کرن جادہ ہو رہبر آفتاب
کاش یوں پہنچوں قریب شام تیرے شہر میں

لیکن چونکہ محفل پہلے ہی داد و تحسین کا پر شور مظاہرہ کر کے بے دم ہو چکی تھی اس لئے قیصر صاحب کی سنجیدہ غزل قبولیت عام کا درجہ نہ پا سکی۔

صدر مشاعرہ نے محفل کی اکتاہٹ کو بھانپ لیا ہے، چنانچہ جیسے ہی قیصر صاحب نے مقطع پڑھا مسند صدارت سے حضرت خمار بارہ بنکوی کے نام کا اعلان کیا گیا ہے اور اب عالم ہی دوسرا ہے۔ سامعین کی صفوں میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں، غالباً سنجیدگی سے سننے کے عہد و پیمان ہو رہے ہیں، ہونا بھی چاہئے خمار صاحب غزل کو غزل کے پورے آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے کہتے بھی ہیں اور پڑھتے بھی ہیں ——— یہاں یہ لکھنا غیر ضروری سمجھتا ہوں کہ خمار صاحب کو ان کی غزل کے شایان شان داد دی گئی۔

غزل ملاحظہ فرمائیے:

جھنجھلائے ہیں، لجائے ہیں، پھر مسکرائے ہیں
کس اہتمام سے انھیں ہم یاد آئے ہیں

اب جا کے آہ کرنے کے آداب آئے ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم مسکرائے ہیں

گذرے ہیں میکدے سے جو توبہ کے بعد ہم
کچھ دور عادتاً بھی قدم ڈگمگائے ہیں

اے جوش گریہ دیکھ نہ کرنا خجل مجھے
آنکھیں مری ضرور ہیں آنسو پرائے ہیں

انسان جیتے جی کریں توبہ خطاؤں سے
مجبوریوں نے کتنے فرشتے بنائے ہیں

اے موت اے بہشت سکوں آ خوش آمدید
ہم زندگی میں پہلے پہل مسکرائے ہیں

کعبہ میں خیریت تو ہے سب حضرت خمار
یہ دیر ہے جناب یہاں کیسے آئے ہیں

خمار صاحب کے بعد جناب تمنا جمالی مظفر نگری تشریف لا رہے ہیں، مطلع کہا ہے:

مست آنکھوں کے اشارات نے سونے نہ دیا
بہکے بہکے سے خیالات نے سونے نہ دیا

پر شکوہ آواز اور ترنم تحسین و آفریں کا استحقاق ثابت کر رہا ہے "ردیف کی تکرار" کے ساتھ لوگ داد دے رہے ہیں، تمنا صاحب کا ایک شعر اور:

کچھ تو ماضی کے تصور نے اڑائیں نیندیں
اور کچھ تلخیٔ حالات نے سونے نہ دیا

غزل ختم ہوئی اور اب جناب اخلاق انکھوری سے درخواست کی گئی ہے، اخلاق صاحب نے صرف ایک

قطعہ پڑھنے پر اکتفا کی ہے لیکن کیا خوب فرمایا ہے :۔

ہر ایک بات پہ بے وجہ مسکراتا ہوں
کوئی کرے تو مری بے بسی کا اندازہ
تمام عمر رفیقوں نے چارہ سازی کی
تمام عمر رہا زخم آرزو تازہ !

اخلاق صاحب کے بعد جناب شمیم صحبا لکھنوی مائک پر جلوہ افروز ہیں ، دو قطعے عطا فرمائے ہیں ، ایک آپ بھی ملاحظہ فرمائیں :۔

غم سے گھبرا کے موت کیوں مانگوں
زندگی سے مجھے محبت ہے
کیونکہ اے دوست زندگی میری
مادر ہند کی امانت ہے

اور یہ قطعہ غالباً اس نظم کی تمہید تھا جو ہندوستان کے عنوان سے آپ پیش کر رہے ہیں ــــ شمیم صاحب کے بعد جام نسیمی صاحب کو آواز دی گئی ہے ، لیجئے تشریف لے آئے ــــ نوجوان و نو مشق شاعر ہیں ، موصوف کا ایک شعر میرے خیال کی تائید کے لئے کافی ہے

تم مرے دم سے دنیا میں مشہور رہو
میرے ہو کر بھی مجھ سے مگر دور رہو
جب مرے پاس آنے سے مجبور رہو
مجھکو اپنا بنانے سے کیا فائدہ

جام صاحب نے ایک حد تک سامعین کو مایوس کیا ہے اور اس مایوسی کو دور کرنے کے لئے جناب بشیر فاروقی لکھنوی کے نام کا اعلان کیا گیا ہے ــــ بشیر صاحب کافی زندہ دل نوجوان اور خوش فکر شاعر ہیں ــــ

مائک پر تشریف لے آئے ہیں ، لیکن اس تاثر کے ساتھ کہ خمار صاحب کے بعد ان کا پڑھنا کچھ عجیب سی بات ہے تاہم ایک لطیفہ سنا کر آپ نے اپنے لئے تاخیر کا جواز پیدا کر لیا ، فرمایا ؛

کسی مشاعرہ میں حضرت فراق گورکھپوری کے بعد ایک نوجوان شاعر کو پڑھنے کی دعوت دی گئی ، انھوں نے از راہ احترام فراق صاحب کے بعد پڑھنے سے معذوری ظاہر کی ، فراق صاحب نے سن کر فرمایا کہ برخوردار جب تم میرے بعد پیدا ہو سکتے ہو تو میرے بعد پڑھ کیوں نہیں سکتے ــ حاضرین محفل کافی محظوظ ہوئے اور کسی واقف کار کی طرف سے مزید ایک لطیفہ کی فرمائش کی گئی ہے اور اب بشیر صاحب ایک دوسرا لطیفہ سنا رہے ہیں ــــ لطیفہ ہے کہ کسی مشاعرہ میں ایک خوش گلو شاعر فن موسیقی کے اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھتے ہوئے پڑھ رہے تھے ، ایک صاحب نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے صاحب سے کہا کہ قبلہ آپ خاموش بیٹھے ہیں ، داد کیوں نہیں دیتے ؟ جبکہ مشاعرہ اڑا جا رہا ہے ــــ ان صاحب نے کمال سنجیدگی سے جواب دیا کہ بات یہ ہے کہ ان صاحب کے ترنم میں جھٹکا شامل ہے اور " جھٹکا " میرے مذہب میں جائز نہیں ــــ سامعین کے قہقہوں کے درمیان بشیر صاحب نے غزل چھیڑ دی ہے ، مطلع ہے :۔

فرصت دید نہیں شوق ملاقات نہیں
عشق اب بھی ہے مگر شدت جذبات نہیں

تغزل اور شعریت سے بھرپور مطلع جیسی پذیرائی کا مستحق تھا افسوس کہ ایسی پذیرائی نہیں ہوئی ہے تاہم بشیر

صاحب ستائش کی تمنا سے بے نیاز نظر آرہے ہیں ــــ
غزل کے بارے میں کچھ کہنا ادیبانہ آداب کے منافی ہے۔
ملاحظہ فرمائیں، اب انھوں نے چلتے ہوئے موضوع پر ایک
شعر عطا فرمایا ہے۔

چاند بچھڑی ہوئی دھرتی سے ملا صدیوں بعد
وہ بھی مل جائیں گے لیکن ابھی حالات نہیں

مقطع بھی ایسے ہی ایک موضوع کا آئینہ دار ہے۔

اس قدر قرض ہے ارباب گلستاں پہ بشیر
فصل گل بیچ دے مالی تو بڑی بات نہیں

بشیر صاحب کے بعد جناب طارق بدایونی کو دعوت
غزلخوانی دی گئی ہے۔ طارق صاحب تشریف لے آئے
ہیں، فرمارہے ہیں کہ اثنائے سفر میں کچھ شعر کہے ہیں،
وہی پڑھیں گے، مطلع مرحمت فرمایا ہے۔

جب دھوپ میں قربت کی جذبات پگھلتے ہیں
سانسیں بھی سلگتی ہیں الفاظ بھی جلتے ہیں

طارق صاحب کا ترنم پوری طرح کام کر رہا ہے، ہر سمت
سے داد پا رہے ہیں ــــ اگلا شعر ملاحظہ فرمائیں۔

میں تیری وفاؤں کا کس طرح یقیں کر لوں
شیشوں کا بھروسہ کیا، پتھر بھی پگھلتے ہیں

پورا ہال داد و تحسین کی آوازوں سے گونج اٹھا ہے لیکن
میں ترنم کی سحر کاری سے دامن بچا کر شعر کے دونوں مصرعوں
میں ربط تلاش کر رہا ہوں، تیسرا اور آخری شعر پڑھ کر
طارق صاحب واپس جانے کے لئے مڑے ہیں لیکن ترنم
کے قدر دانوں کی طرف سے ایک غزل اور" کا نعرہ بلند
ہوا ہے۔ لیجئے وہ پھر مائک پر آگئے ہیں، فرماتے ہیں

تخیل میں یادوں کے خوش رنگ دریچے ہیں
بے پردہ چلے آؤ ہم آنکھوں کو میچے ہیں

قافیہ کی ندرت نے سامعین کو کافی محظوظ کیا ہے
ساتھ ہی طارق صاحب کے ترنم نے کافی اچھا اثر چھوڑا
ہے۔ طارق صاحب کے بعد جناب ممتاز انجم بھوپالی
کے نام کا اعلان کیا گیا ہے ــ انجم صاحب نے نہایت
لطیف ترنم میں مطلع پڑھا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے
ہے کہ سامعین متاثر نہیں ہوئے، تاہم حسن مطلع پر
انھیں متوجہ ہونا ہی پڑا ہے ــــ انجم صاحب پڑھ
رہے ہیں۔

دیکھا جو بزم ناز میں بے آسرا مجھے
غیروں کے ساتھ تو نے بھی ٹھکرا دیا مجھے

اور آخری شعر پر کافی تعداد پائی ہے۔

اٹھے ہزار حشر نہ ٹوٹا سکون دل
لیکن تمہاری یاد نے تڑپا دیا مجھے

ممتاز انجم صاحب کے بعد جناب طاہر فتحپوری کو آواز
دی گئی ہے۔ طاہر صاحب نے مطلع مرحمت فرمایا ہے

زندگی سلسلۂ جور و جفا مانگے ہے
اسکی جرأت تو ذرا دیکھئے کیا مانگے ہے

سامعین حضرات نے ردیف کا مضحکہ اڑانا شروع کر
دیا ہے، ادب نوازانہ ستم ظریفی اس انتہا کو پہونچا
ہے کہ طاہر صاحب نے غزل پڑھنا ملتوی کر دیا ہے
اور بطور احتجاج واپس جا رہے ہیں، اثر عباسی
صاحب سامعین سے مہذب رویہ اپنانے کی درخواست
کر رہے ہیں اور اب انھوں نے جناب ندا ندوی

ے درخواست کی ہے ـــ نور صاحب ترنم ریز ہوگئے ہیں۔ قطعہ کے بعد پڑھ رہے ہیں :-

تصور میں جس سمت ہم دیکھتے ہیں
تمہیں کو تمہاری قسم دیکھتے ہیں
یہ رنجش کی بنیاد ہے اس کی جانب
نہ تم دیکھتے ہو نہ ہم دیکھتے ہیں

نور صاحب بھی سامعین کو متاثر کرنے میں ناکام ہیں، اگرچہ خوب پڑھ رہے ہیں ـــ سامعین کی زندہ دلی کے مظاہروں کے درمیان نور صاحب نے اپنی طویل غزل ختم ہی کر لی ہے اور اب جناب آشفتہ بدایونی صاحب مائک پر تشریف لائے ہیں ـــ نوجوان شاعر ہیں، مائک کے سامنے سینہ تانے گردن کو خم کئے اور ہاتھ پیچھے کمر پر رکھ کر کھڑے ہوئے ہیں اور نظم سنانے کا اعلان کر رہے ہیں فرمایا ہے :-

نقرئی دھوپ کے آنچل میں ......

صرف اسی قدر کہہ پائے ہیں کہ ایک طرف سے آواز اٹھی، " ادب سے کھڑے ہو " اور اسی کے ساتھ " وہیں ہو جاؤ " " پڑھنے اور کھڑے ہونے کے آداب سیکھ کر آؤ " کے نعرے بلند ہو رہے ہیں، قہقہے لگ رہے ہیں، محفل قطعاً غیر سنجیدہ ہو گئی ہے، اناؤنسر کی اپیلیں بیکار ہیں اور مسند صدارت اپنے اختیارات استعمال کر رہی ہے، دھمکی دی گئی ہے کہ مشاعرہ ختم کر دیا جائے گا آشفتہ صاحب مائک سے ہٹ گئے ہیں اور صدر مشاعرہ نے واقعی مشاعرہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا ہے، ڈائس کے لوگ کھڑے ہو گئے ہیں اور اب مائک جناب انیس

اے، رضوی صاحب انکم ٹیکس کمشنر کے ہاتھ میں ہے نہایت سنجیدہ اور پروقار انداز میں سامعین سے مخاطب ہیں، ان کی آواز محفل پر چھا گئی ہے، لوگ خاموش ہو گئے ہیں۔ سنجیدگی سے سننے کا وعدہ کر رہے ہیں ـــ رضوی صاحب نے جناب ہوش نعمانی کو دعوت دی ہے، لیکن ہوش صاحب کا مطلع سنتے ہی سامعین نے طارق بدایونی کی فرمائش کی ہے ـــ اور آخر کار طارق صاحب نے مائک سنبھالا ہے ـــ آپ نے آتے ہی ایک شرط پیش کی ہے کہ میں دوسری غزل آشفتہ بدایونی کے بعد ہی سناؤں گا، لوگوں نے شرط کو قبول کر لیا ہے ـــ اور لیجئے اب آشفتہ صاحب نظم عطا فرما رہے ہیں، لیکن کیا عرض کروں کہ میں نے ان کی نظم نوٹ کرنا غیر ضروری سمجھا ہے اور اب کف افسوس مل رہا ہوں، کاش نوٹ کر لیتا تو آپ بھی محظوظ ہوتے ـــ حسب وعدہ سامعین نے قطعی خاموشی کے ساتھ نظم سماعت فرمائی ہے اور اب اپنے وعدے کے مطابق طارق صاحب مائک پر جلوہ افروز ہیں، دوسرے دور کا آغاز فرماتے ہوئے پڑھ رہے ہیں :-

اک نہ اک شمع اندھیرے میں جلائے رکھئے
صبح ہونے کو ہے ماحول بنائے رکھئے
کون جانے کہ وہ کس راہ گذر سے گذریں
ہر گنہ گاہ کو پھولوں سے سجائے رکھئے

نسبتاً اچھی غزل مرحمت فرمائی ہے، دل کھول کر داد دی گئی ہے، اور اب رضوی صاحب نے تمنا جمالی کو

آواز دی ہے ۔۔۔ تمنا صاحب نے فرمایا ہے :۔

ستم کو کسی کے کرم جانتے ہیں
محبت کی عظمت کو ہم جانتے ہیں
جو اوروں کا غم اپنا غم جانتے ہیں
کچھ ایسے بھی لوگوں کو ہم جانتے ہیں
کٹی عمر صحرا نوردی میں اپنی،
ہمیں شہر کے لوگ کم جانتے ہیں

تمنا صاحب کی غزل اور ترنم نے ماحول کو بڑی حد تک سنبھال لیا ہے ۔۔۔ تمنا جمالی کے بعد جناب کشفی لکھنوی کو زحمت دی گئی ہے ، طویل بحری غزل عنایت فرمائی ہے ، مقطع پر کافی داد دی گئی ہے ۔

دیکھ کر ان کے جلووں کی تابانیاں کیا سمائیں نظر میں یہ کہکشاں
اب ان آنکھوں کو کشفی خدا کی قسم جلوۂ دو جہاں کی ضرورت نہیں

دقت اور ماحول کی نزاکت کا رضوی صاحب کو پورا احساس ہے، اسی لئے کشفی صاحب کے بعد آپنے حضرت خمار بارہ بنکوی سے درخواست کی ہے ۔۔۔ لیجئے خمار صاحب فرما رہے ہیں :۔

مجھ کو شکست دل کا مزہ یاد آگیا
تم کیوں اداس ہو تمھیں کیا یاد آگیا
برسے بغیر ہی جو گھٹا گھر کے کھل گئی
اک بے وفا کا عہد وفا یاد آگیا
کہنے کو زندگی تھی بہت مختصر ۔ مگر،
کچھ یوں بسر ہوئی کہ خدا یاد آگیا

ایک ایک شعر وجد آفریں ثابت ہوا ہے ، خمار صاحب غزل ختم کر چکے ہیں اور اب وہ ڈائس پر بیٹھنے کے بجائے باہر جا رہے ہیں ، ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی جا رہے ہیں ، سمجھا گیا ہے کہ مشاعرہ ختم ہی سمجھا جائے سامعین بھی اٹھنے لگے ہیں ، اس بکھرتے ہوئے شیرازہ کو دیکھ کر رضوی صاحب نے محترمہ نشتی کو دعوت غزل سرائی دی ہے ۔ کچھ لوگ جاتے ہوئے رک گئے ہیں ، محترمہ نے غزل شروع کی ہے :۔

ایسا لگتا ہے انھیں ہم سے گلا ہے شاید
الٹا سیدھا کسی دشمن نے بھرا ہے شاید
جی رہی ہوں میں محبت میں محبت کی قسم
ایک میرے سوا سب کا ہی خدا ہے شاید

غزل کی اثر آفرینی سے ماورا شخصیت کا جادو کام کر رہا ہے ۔ محترمہ نشتی کی مختصر غزل ختم ہوئی ہے ان کے جاتے ہی میرے قریب سے ایک آواز بلند ہوئی ہے " کیوں جا رہی ہو رونق محفل لیے ہوئے" ۔

میری طبیعت منغض ہو گئی ہے لیکن بشیر فاروقی کے نام کا اعلان میرے لئے بہر حال پر کشش ہے اسلئے رکنا ہی پڑا ۔۔۔ بشیر صاحب تشریف لے آئے ہیں ، مطلع پڑھا ہے :۔

تذکرے میں ترے اک نام یونہی جوڑ دیا
دوستوں نے مجھے شیشے کی طرح توڑ دیا ،
زندگی نکلی تھی ہر غم کا مداوا کرنے
چند چہروں نے خیالات کا رخ موڑ دیا
قدر داں قیمت بازار سے آگے نہ بڑھے
فن کی دہلیز پہ فنکار نے دم توڑ دیا

اور واقعہ بھی یہی ہے ۔۔۔ قدر دانی کا زاویہ نظر

بدل چکا ہے — فن کی حیثیت سرمائے کے مقابلے میں ثانوی سے بھی کچھ کم درجہ پر آگئی ہے۔ اب شاعر و ادیب کی قدر دانی یک گونہ ذہنی آسودگی و عیاشی کی خاطر کی جاتی ہے۔ دنیا کو خود داری، عزت نفس اور خود شناسی کے درس دینے والا فنکار محض معاوضہ کی ایک حقیر مقدار کی خاطر سخن ناشناس لوگوں کے مجمع میں اپنی خودداری، عزت نفس اور فن کی عظمت کو نیلام کرتے ہوئے بھی مطمئن ہے اور فخر محسوس کرتا ہے کہ اسے شرف باریابی بخشا گیا — بشیر صاحب کی غزل سخن ناشناسی کی نذر ہو گئی ہے اور میں یہ سوچتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا ہوں کہ ہمارے شاعر فن کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے اگر ایسی محفلوں میں شرکت سے انکار کر دیں تو کون سی قیامت آسکتی ہے دیانتدارانہ رائے زنی کا حق ادا نہ ہوگا اگر بات یہیں ختم کر دی جائے — صورت حال کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری سوسائٹی میں باذوق و سخن فہم حضرات کی کمی نہیں ہے، ابھی ایسے افراد موجود ہیں جو شعر اور شاعر کی قدر و قیمت کو جانتے ہیں، لیکن چونکہ شعرائے کرام نے سستی شہرت اور مالی منفعت کے حصول کی خاطر خود اپنے معیار کو حد درجہ پست کر کے ان کے جذبہ عقیدت و قدردانی کو ٹھیس پہونچائی ہے، کلام کے معیار کو آواز و انداز کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت دیکر ادب کو محض ایک تفریحی جنس کے طور پر پیش کیا ہے اور بقول جوش ملیح آبادی "جو مسخرہ جو گائے وہ گندم ٹھہرے" کا ماحول پیدا کر دیا ہے ایسی صورت میں سامعین کی طرف سے اس کے مخالف سلوک کی توقع فضول ہی کہی جائیگی

ملک کے طول وعرض میں
اپنی خصوصیات کے لئے
جانا پہچانا
نام!
جیمس فٹ ویر
شو مارکیٹ، آگرہ
فون 72509
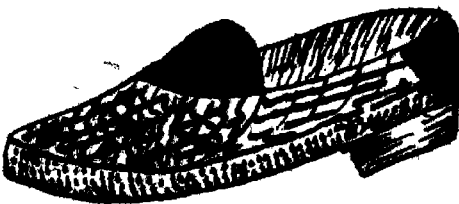
شبیر حکیم

بڑے آدمیوں کے لطیفے

ھاں مجھے بھی بڑا شوق ہے بڑے آدمیوں کے لطیفے پڑھنے کا "ــــ احسان نے کہا۔ "جہاں کوئی لطیفہ پڑھا یا سنا اور اس میں کسی بڑے آدمی کا نام رہا تو لطف دگنا ہو جاتا ہے "ـــــ میں نے کہا۔

بڑے آدمیوں کے لطیفے ہمیں اس لئے متوجہ کرتے ہیں کہ ہم انھیں ہنسی مذاق کی باتوں سے عاری سمجھتے ہیں۔ انھیں ہم زاہد خشک سمجھتے ہیں، ان کا چہرہ جرمنی کے سابق چانسلر بسمارک کی طرح بارعب درشت و روکھا ہوتا ہے جیسے جلاد کا چہرہ :

لیکن دوسری شکل تو ان لطیفہ نگاروں میں یہ ہے کہ وہ لطیفہ بیچنے میں ایسے فراغ دل ہوتے ہیں کہ وہ بڑے آدمیوں کی ہر چھوٹی بات کو ایسا لطف لے کر بیان کرتے ہیں جیسے وہ بڑا آدمی کوئی سیاست داں یا سائنسداں یا عالم نہیں بلکہ چلبلا چلپنا ہے جس کا کام ہی آپ کو ہنسانا ہے۔

"تو کیا اس سے اسکی بڑائی میں کوئی احتمال ہو سکتا ہے؟"

"نہیں ـــ لیکن ان کی سائز کٹ جاتی ہے ـــ

مثالاً ـ انگریزی ادب میں ڈاکٹر جانسن اور اردو میں محمد علی جوہر ـــــ جانسن کی خوش نصیبی تو یہ تھی کہ اسے بوسویل جیسا ہمراہی یا ہمزاد ملا جو اس کے ایک ایک مقولے قول یا حرکات کو فوراً اپنی ڈائری میں لکھ لیتا تھا اور دنیا کے سامنے اس نے ایک سوانح عمری مبسوط شکل میں رکھ دی۔ لیکن ہمارے اردو کے ادبار نے تو مولانا محمد علی جوہر پہ تو ستم ہی ڈھایا، انھیں سیاسی لیڈر سے بڑھا کر بڑھا کی کہ معلوم ہوا انگریزی علم و ادب کے تمام شہپارے ان کی ظرافت و بذلہ سنجی کے ممنون و مشکور ہیں۔

ایک سوانح نگار نے تو مولانا مرحوم کے انتقال کے پچیس سال بعد یہ وطیرہ بنا لیا کہ انکی بذلہ سنجیوں کو قسط وار شائع کرتا ہے۔

ایک واقعہ یوں رقم طراز کیا کہ مولانا محمد علی ایک ڈنر میں عربی لباس میں شریک ہوئے اور ان کے منہ سے انگریزی سن کر ایک ہندو رانی کو بہت تعجب ہوا اور پوچھا، آپ نے اتنی اچھی انگریزی کہاں سے سیکھی ؟ اس پر مولانا مرحوم نے فرمایا - ایک چھوٹے سے دیہات میں " " ایں " رانی کو بہت تعجب ہوا آکسفورڈ میں مولانا نے جواب دیا — اور ساری محفل زعفران زار ہوگئی — اب سوال یہ ہے کہ آکسفورڈ جیسے بین الاقوامی مشہور ترین علمی درسگاہ کو دیہات کہہ دینا ظرافت ہے یا حماقت ؟

لطیفوں کا دوسرا مقصد لوگوں کو بیوقوف بنانا بھی ہوسکتا ہے !

" دوسرا لطیفہ سنو ! کیا یہ بھی مولانا محمد علی مرحوم کا ہے؟ نہیں نہیں یہ ہمارے آزادی کے بعد کے ایک نیتا کا ہے جو ریل وبھاگ کے منتری تھے " سناؤ، مجھے یہ منتری جوکر بھی معلوم ہوتے ہیں،

منتری جی کی گاڑی پلیٹ فارم پر کھڑی تھی — اسٹیشن پر عوام کی ایک بھیڑ جمع تھی، نیتا جی کی جے جے کار ہو رہی تھی — ہار پھول کے بیچ میں ان کا جڑا ہوا ہاتھ اور چھوٹا سا مرجھایا جیسا چہرہ جو گھونسلے میں سے جھانک رہا ہو — جب ہمارے نیتا جی ڈبے میں بیٹھنے لگے تو کسی منچلے نے آواز لگائی — " ہمیں کیوں بھولے جا رہے ہیں حضور ! " نیتا جی نے جواب دیا — " میرے پاس صرف اپنا ایک ہی پاس ہے " — اس پر سب ہنس پڑے۔

بتائیے کیا خاص بات تھی اس لطیفے میں ؟

احسان نے کہا : " دیش کی آزادی کے بعد ہمارے نیتاؤں اور منتریوں نے اتنے لطیفوں اور چٹکلوں کو جنم دیا ہے کہ اگر ان سے پیٹ بھرا جاسکتا تو ہمیں خوراک منتری کی کوئی ضرورت نہیں تھی "

احسان اور میں بیٹھے ظرافت کے اس عالمانہ پہلو پر تنقید کر رہے تھے۔

احسان نے کہا : " میرے خیال میں بڑے آدمیوں میں بڑائی ان کے اونچے خیالات کی ہوتی ہے، بذلہ سنجی ان کے لئے ایک ضمنی چیز ہوتی ہے، اگر ہم ان کی ہلکی پھلکی باتوں یا پھلجھڑیوں پر مسکرا نہ سکیں تو اس میں ہماری مسکراہٹ کی خرابی ہے ! — مثالاً ایک دوسرا لطیفہ سنو !" میں نے کہا،

" یہ مولانا محمد علی مرحوم کا تو نہیں " ؟ احسان نے کہا.

نہیں نہیں ! یہ ملک کے ایک فوجی کمانڈر کا ہے جو ایک دعوت میں کھانے گئے جہاں ان کو پہونچنے میں دیر لگی — ان کے آگے پیچھے بھی ایک غول جمع ہوگیا " جائے تنگ و مرداں بسیار " والی بات تھی — انھوں نے دیکھا کہ میز پر کرسیاں بہت کم تھیں اس سے چار گنا لوگ حاضر تھے وہ بڑے ہوشیار اور بذلہ سنج تھے، انھوں نے کہا — ہم سب کھڑے رہ کر ہی کھائیں گے ! — اس پر میزبان رنجیدہ ہوگیا، شاید کمانڈر صاحب ناراض ہو گئے ہیں، اس نے معذرت چاہی — کمانڈر نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے روک دیا اور پھر کہا " ہم سب کھڑے کھڑے ہی کھانا کھائیں گے، پتہ نہیں دشمن کب حملہ کر دے "۔ اس پر بڑا قہقہہ پڑا " — تو کیا گوں نے اس کے بعد کھڑے کھڑے کھانا کھایا ؟ میں نے پوچھا۔

احسان نے جواب دیا " اس کا لطیفے سے کوئی

تعلق نہیں۔۔ بلکہ یہ واقعہ تو لطیفے کی چاشنی کو پھیکا کر دیتا ہے!
لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہنسنے کے بجائے رونا آتا ہے، احسان نے کہا بالکل سچ ہے اور اسی طرح بعض لطیفوں کو اتنی بار دہرایا جاتا ہے کہ وہ آم کا اچار بن جاتے ہیں، جیسے غالبؔ کے لطیفے! خصوصاً ان کے آم والے لطیفے۔۔ مثلاً ایک مرتبہ مرزا غالبؔ .....

احسان نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روکا، بس کر خدا کے واسطے میرے تو کان پک گئے ہیں، آخری جملہ "میٹھے ہوں اور بہت ہوں" یا پھر "جی ہاں گدھے آم نہیں کھاتے" یا پھر یہ ہے کہ ہر دانے پر کھانے والے کا نام ہوتا ہے میں دیکھ رہا ہوں ان آموں میں سے کسی پر میرا نام ہے یا نہیں"۔

میں نے ہنس کر کہا "لو کسی انگلستانی بادشاہ کا لطیفہ سنو!۔۔۔۔۔ احسان نے کہا "لطیفہ انگلستانی بادشاہ جارج یا ایڈورڈ کا ہو یا ہندوستانی نواب کا، مجھے تو ایک ہی لطیفہ ہر ملک میں ہر دور میں دکھائی دیتا ہے جیسے نادر شاہ یا احمد شاہ ابدالی کا ہند پر حملہ جس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لوٹ آخر کو لوٹ ہے۔

ایسی ہی ایک شخصیت جارج برنارڈ شا کی ہے جس کے لکھے ہوئے ظریفانہ اقوال و شگوفوں، شوخیوں کی سیکڑوں مثالیں دی جا رہی ہیں، نئے نئے لطیفے گڑھ کر اس کے نام سے منسوب کئے جا رہے ہیں، یہ دوسری لوٹ ہے جسے شا اگر دیکھ سکتے تو اپنا سر پیٹ لیتے یا داڑھی نوچ لیتے۔

جس طرح غالب نے اپنے تخلص کے گھٹیا اشعار کو سن کر کہا تھا کہ "اگر یہ شعر میرے ہیں تو مجھ پر خدا کی مار"۔

احسان نے کہا "بڑے آدمیوں کے لطیفے ہر ملک کے بڑے آدمیوں کی طرح مختلف النوع رہا کرتے ہیں، اس میں صرف بڑائی مشترک رہا کرتی ہے"۔

"لیکن کبھی کبھی ایک ملک دوسرے ملک کے بڑے آدمیوں کو بڑا نہیں سمجھتے" میں نے کہا۔

"تب تو لطیفوں کا وہاں برآمد کرنا خطرے سے خالی نہیں اور اگر اس قسم کے لطیفوں کا وہ لطف نہ اٹھائیں بلکہ سنجیدہ و خاموش رہ جائیں تو یہ اس بڑے آدمی کی توہین اور ملک کی بے عزتی ہوگی" احسان نے کہا۔

میں نے کہا "لیکن کبھی کبھی لطیفے و چٹکلے تاریخ کے پچھلے اوراق میں پڑے پڑے غیر مانوس اور اجنبی ہو جاتے ہیں اور قدیم و پارینہ بھی۔۔۔ جیسے حضرت انشاؔ کے وہ لطائف جنھیں سن کر ایک دور میں لکھنؤ والے پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنستے تھے، آج ہندوستان کے بہت سے حصوں میں تو چھوڑئیے خود لکھنؤ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں"۔

احسان نے کہا "اس کا معاملہ تو مصر کی ممی جیسا ہے، جیسے مارک ٹوین نے لکھا تھا"

میں نے پوچھا "وہ کیونکر ہے"۔۔۔۔ میرا یہ سوال بھی طوطا کہانی کے ایک سوالی کی طرح پرانا اور قدیم تھا"

تب احسان نے یہ لطیفہ سنایا:

ایک مصری گائڈ چند غیر ملکی سیاحوں کو عجائب خانے کی سیر کروا رہا تھا، ایک جگہ شاہی ممی رکھی تھی۔۔۔۔۔
صاحبان! یہ دیکھئے، یہ ممی ہے، ساری آنکھیں ایک پٹیوں سے لپٹے جسم کی طرف مرکوز ہو گئیں۔۔۔ ایک نے کہا

"کیا نام بتایا آپ نے ان حضرت کا؟ نام؟ اسکا نام نہیں ہے ـــــ یہ ممی ہے، مصری ممی" گائڈ نے جواب دیا ـــــ اچھا اچھا، مگر یہ پیدا کہاں ہوا تھا؟ سوال کیا گیا ـــــ "نہیں یہ مصری ممی" جواب دیا گیا ـــــ گائڈ اب آگے بڑھنا چاہتا تھا ـــــ میرا خیال ہے یہ فرانسیسی ہوگا" کسی اور نے اندازہ لگایا، اب مصری گائڈ ان سوالات سے پریشان ہو رہا تھا، پھر بھی اسنے انھیں مطمئن کرنے کی کوشش کی، اس نے جھلا کر کہا:
"نہیں یہ مصر میں پیدا ہوا تھا، فرانسیسی نہیں، انگریز نہیں، امریکن نہیں، یہ مصری ہے ممی مصری" ـــ اب اسے یقین تھا کوئی سوال نہیں ہوگا ـــــ تعجب ہے ہم نے ممی کا نام تو کبھی نہیں سنا، پتہ نہیں کون سی جگہ ہے، اچھا یہ تو بتاؤ یہ اتنے آرام سے کیونکر سو گیا ہے، کیا یہ مر گیا ہے؟ اب تو مصری گائڈ نے اپنا سر پیٹ لیا
"میرے خدا، مرا نہیں تو اور کیا، اسے مرے ہوئے تین ہزار برس ہو چکے ہیں ـــــ وہ دل ہی دل میں ان سیاحوں کو گالی دے رہا تھا ـــــ ایک سیاح نے کہا: "یعنی تم ہمیں اتنی پرانی چیزیں بتا رہے ہو؟ کیا تم نے ہمیں دیہاتی سمجھ رکھا ہے؟ نئی نئی تازہ چیزیں بتانا چاہئے، تم پسڑی سی لاش ہمیں اجنبی سمجھ کر کیوں بتا رہے ہو" ـــــ دوسرے نے کہا: "ہمیں یہ سکینڈ ہینڈ چیزیں نہیں دیکھنا ہے ـــ بڑے آدمیوں کے لطیفے ممی نہیں ہوتے، وہ تو سدا بہار لطیفے ہوتے ہیں، جو ماضی کے اوراق میں دبے رہتے ہیں"
"پھر بھی سکینڈ ہینڈ ضرور ہوتے ہیں، صرف ہونا یہ چاہئے کہ انھیں ذرا جھاڑ پونچھ کر ذرا سلیقہ سے رکھنا چاہئے" احسان نے کہا۔
"ورنہ ان کی بڑائی خطرے میں پڑ جائے گی" میں نے کہا۔ "جیسے مولانا محمد علی جوہر مرحوم کی" ●

ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل

اور

از گوپال متل

ہندوستان کے کچھ گوشوں سے یہ آواز اکثر اٹھتی رہتی ہے کہ اگر ملکی نظام کو زیادہ سوشلزمی بنا دیا جائے تو ہندوستانی مسلمانوں کا مسئلہ از خود حل ہو جائے گا،

یہ آواز صرف انھیں لوگوں کی طرف سے نہیں اٹھتی جو سوشلسٹ یا کمیونسٹ پارٹیوں سے وابستہ ہیں بلکہ ان لوگوں کی طرف سے بھی اٹھائی جاتی ہے جو خود کو قوم پرست یا سیکولر مسلمان کہتے ہیں، یا کانگریس کی صفوں میں رہتے ہوئے اپنے آپ کو باقی کانگریسیوں سے زیادہ ترقی پسند سمجھتے ہیں

یہ تصور کہ ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سوشلسٹ نظام میں از خود حل ہو جائیں گے، در اصل نیا بھی نہیں ملک کی تقسیم اور آزادی سے پہلے بھی کچھ سیاسی گروپ یہی نظریہ رکھتے تھے۔ پنڈت نہرو کی سرپرستی اور ڈاکٹر اشرف کی قیادت میں رابطۂ عوام کی جو تحریک جاری کی گئی تھی اس کی بنیاد یہی تصور تھا۔ اس تحریک کے بانیوں کا خیال تھا

کہ جو لوگ مسلمانوں کے خصوصی مسائل کا ذکر کرتے ہیں وہ مسلم عوام کے نہیں بلکہ مسلمانوں کے طبقۂ خواص کے نمائندے ہیں اور ان کے پیشِ نظر عام مسلمانوں کی بہبود نہیں، بلکہ اپنے مفادِ مستقل کا تحفظ ہے۔

جیسا کہ سبھی کو معلوم ہے رابطۂ عوام کی تحریک کامیاب نہیں ہوئی تھی لیکن اس کی پشت پر جو تصورات کارفرما تھے انھیں قابلِ استرداد آج بھی نہیں سمجھا جا رہا بلکہ ان کی مقبولیت پہلے سے اب کچھ زیادہ ہی ہے اور مسلمانوں کے کچھ ایسے نمائندے بھی جو اس سے انکار نہیں کرتے کہ ایسے کچھ مسائل واقعی موجود ہیں جو امیر و غریب سبھی مسلمانوں کے مشترک مسائل ہیں بسا اوقات ان تصورات کی حمایت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔

کسی ایسے نظام کے دعاوی جو صرف مستقبل کی بشارت دیتا ہو حقائق اور استدلال کی کسوٹی پر کھرا

ممکن نہیں ہوتا کیونکہ مستقبل کا حال کوئی غیب کا جاننے والا ہی بتا سکتا ہے جو عام انسانوں کو حاصل نہیں ہوتا، سوشلزم کی یہ حیثیت نہیں ہے۔ اس پر جزوًا عمل ہندوستان میں اب بھی ہو رہا ہے اور بعض ملکوں میں یہ پورے طور پر نافذ ہے ایک ایسے ملک کے متعلق تو جہاں یہ نظام اکیاون برس سے نافذ ہے سوشلزم کے حامیوں کا یہ دعویٰ بھی ہے کہ وہاں مسلم اقلیت کے مسائل کو خاطر خواہ طور پر حل کیا جا چکا ہے ہماری مراد سوویٹ یونین سے ہے جسے ہندوستانی ترقی پسند بطور مثال پیش کرتے ہیں اور ہندوستان کے سیاستین کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ اگر وہ اسکی پیروی کریں تو مسلمانوں کے مسائل حل ہو جائیں گے اور ان کی جملہ شکایات کا ازالہ ہو جائے گا۔

ان دعاوی کو پرکھنے کے لئے سب سے پہلے ان مسائل کی نشاندہی ضروری ہے جن کے متعلق تمام مسلمان متحد ہیں کہ وہ واقعی موجود ہیں اور اکثریتی طبقے کے منصف مزاج افراد بھی ان کے وجود سے انکار نہیں کرتے۔ اس کے بعد یہ جائزہ لیا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی حامیان سوشلزم کا ان کی طرف کیا رویہ ہے۔ ہندوستانی معاشرے کے جن شعبوں میں سوشلزم کا عمل دخل ہے وہاں ان کا ازالہ کس حد تک ہوا ہے اور سوویٹ یونین نے انھیں حل کرنے کے لئے کیا طریقے اختیار کئے ہیں ہے اور ان کا کیا نتیجہ نکلا ہے

ہندوستانی مسلمانوں کے بنیادی مسائل جن پر قریب قریب سبھی مسلمان متفق ہیں اور جن کے بارے میں باقی لوگ بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ مسلمانوں کے خدشات بے بنیاد نہیں ہیں۔

پہلا مسئلہ زبان کا ہے۔

مسلمانوں کو شکایت ہے کہ اردو زبان کی ترقی کی راہیں مسدود ہی نہیں کی جا رہی ہیں بلکہ اس کا وجود تک خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

دوسرا مسئلہ روزگار کا ہے۔

جس کے سلسلہ میں یہ عام شکایت ہے کہ ایک مسلمان کے لئے ملازمت اور روزگار کے دوسرے وسائل محدود ہوتے جا رہے ہیں اور انھیں بقدر استعداد و صلاحیت کام کے مواقع حاصل نہیں۔

تیسرا مسئلہ تہذیب اور مذہب کا ہے۔

جن میں مداخلت کے امکان نے مسلمانوں کو کافی ہراساں کر رکھا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ سوشلزم ان کے حل میں کس حد تک مفید ثابت ہوا ہے یا ہو سکتا ہے۔؟

اردو زبان کے متعلق ہم ایک مدت تک سنتے رہے کہ اس کے مخالف صرف فرقہ پرست اور رجعت پسند ہیں اور ہندوستان کی تمام سیکولر اور ترقی پسند پارٹیاں اس کی حامی ہیں، لیکن جب اس کے حکمنامۂ قتل پر نظر ڈالی گئی تو سر محضر بیشتر نام ترقی پسندوں ہی کے تھے، پنڈت نہرو سترہ برس تک ہندوستان کے وزیر اعظم رہے اور اس شان سے کہ کسی کو ان کے آگے دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔ انھوں نے اردو کانفرنسوں میں اس زبان کی حمایت ضرور کی لیکن اپنی نجی حیثیت میں وزیر اعظم کی حیثیت سے انھوں نے اس کی حمایت میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اور حکومتی اداروں سے اردو کی بے دخلی انھیں

کے دور میں عمل میں آئی۔ ڈاکٹر رام منوہر لوہیا غالی سوشلسٹ تھے لیکن ہندی کی حمایت اور اردو کی مخالفت جتنی شدت سے وہ کرتے تھے، اتنی غالباً فرقہ پرست ہندوؤں کی طرف سے بھی نہیں ہوتی تھی۔

گذشتہ عام انتخاب کے بعد کئی صوبوں میں جو مخلوط وزارتیں قائم ہوئی ہیں ان میں سے کئی ایک میں سوشلسٹ بھی شریک تھے اور کمیونسٹ بھی لیکن ان وزارتوں نے اردو کے حق میں کوئی قدم نہیں اٹھایا اور حامیانِ اردو کی ہر تحریک کو پوری بے دردی سے کچل دیا۔ انتہا تب ہوئی جب غالی ترقی پسندوں نے جو ہمیں اردو کے نام پر پارلیمنٹ میں ممبر منتخب ہونے والے آنند نرائن ملا بھی شامل تھے یو۔پی میں ایک ایسے بیان پر دستخط کر دئے جو جن سنگھ کے موقف کے بالکل مطابق تھا۔ اس بیان میں اردو کی سرکاری حیثیت سے یکسر انکار کیا گیا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مستند ملک سوویٹ یونین کا اقلیتی زبانوں کے بارے میں رویہ کیا ہے؟

سوویٹ یونین کا موقر ترین نظریاتی جریدہ ـ "دوپروزی فیلوسوفی" (مسائل فلسفہ) اپنے ۱۹۵۹ء کے ساتویں شمارے کے صفحہ ۱۴۱ پر رقمطراز ہے کہ:-

"سوشلسٹ اقتصادی نظام، تمام قومیتوں کے واحد سماجی ڈھانچے اور واحد سوشلزی کلچر کے ساتھ ساتھ تمام قومیتوں کے لئے ایک مشترکہ زبان کی بھی ضرورت پیدا ہو گئی ہے اس قسم کی زبان کی ضرورت کو روسی زبان پورا کرتی ہے جو ایک عظیم قومی زبان ہے۔"

یہ بھی نہیں کہ سوویٹ یونین میں مشترکہ زبان کا نفاذ پرامن طور پر کیا گیا ہو۔ جب وہاں کے مسلم علاقوں میں عربی رسم الخط کو بدلنے کی کوشش کی گئی تو اس کی زبردست مزاحمت ہوئی جس کا اعتراف حکومت روس نے ان الفاظ میں کیا ہے:-

"سوویٹ یونین کی تمام قومیتی ری پبلکوں اور خطوں میں جن میں کازکستان، آذر بائیجان، کریمیا، الطائی اور منگولیا شامل ہیں عربی حروف تہجی کی بجائے لاطینی حروف تہجی کے عملی نفاذ نے اتنی شدید اور تلخ طبقاتی کشمکش اور نظریاتی آویزشوں کو جنم دیا جو اس سے پہلے سوویٹ روس میں کسی سماجی اصلاح کے اقدام پر رونما نہیں ہوئی"

(انقلاب اور قومیتیں ساتواں شمارہ صفحہ ۱۲۲ سنہ ۱۹۳۰ء)

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کے سوشلسٹ اور کمیونسٹ اقلیتی زبانوں کی مخالفت کرکے سوشلزم اور کمیونزم کے اصولوں سے کوئی انحراف کر رہے ہیں وہ غلطی پر ہیں، جو نظام ملک کے لئے مرکزی اقتصادی نظام اور صرف ایک سیاسی پارٹی کی حکمرانی کا داعی ہو وہ ایک واحد زبان کا مطالبہ کیوں نہیں کرے گا؟

ظاہر ہے کہ اگر یہ نظام ہندوستان میں برسر اقتدار آیا تو جس واحد زبان کو وہ نافذ کرے گا وہ اردو ہرگز

نہیں ہوگی۔

ملازمتوں اور دیگر وسائل روزگار میں بھی یہ قیاس کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ سوشلسٹ یا کمیونزم نظام میں مسلمانوں کے ساتھ زیادہ انصاف ہو سکے گا۔ سوشلسٹ یا کمیونسٹ نظام کا مطلب یہ ہے کہ نجی ادارے ختم کر دئے جائیں اور ساری کاروباری سرگرمیاں حکومت کے ہاتھ میں ہوں۔ اس نظام سے مسلمان زیادہ انصاف کی توقع بھی کر سکتے ہیں اگر بحالات موجودہ مسلمانوں کے خلاف امتیاز صرف نجی کاروباری اداروں میں برتا جاتا ہو اور سرکاری اداروں میں انھیں بغیر کسی امتیاز کے ملازمت مل جاتی ہو لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ مسلمانوں کو تو بنیادی شکایت ہی یہ ہے کہ سرکاری ملازمتوں میں ان کے خلاف امتیاز برتا جاتا ہے۔ اگر انتظامی اداروں کے ساتھ ساتھ کاروباری اداروں پر بھی حکومت کی اجارہ داری قائم ہوگئی تو مسلمانوں کے لئے ملازمت کے امکانات کم ہوں گے زیادہ نہیں، موجودہ حالات میں مسلمانوں کے لئے یہ امکان تو ہے کہ وہ کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کر سکیں، سوشلسٹ نظام میں تو جب نجی کاروبار کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے گا، وہ یہ بھی نہیں کر سکیں گے۔

سوویٹ روس کے ان علاقوں کی اقتصادی ترقیوں کا حال آپ نے اکثر سنا ہوگا جہاں کی بیشتر آبادی مسلمان ہے لیکن یہ بات زیادہ لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس اقتصادی ترقی سے حاصل ہونے والے فوائد میں مقامی مسلم آبادی کا حصہ کچھ زیادہ نہیں، زیادہ فیض بیرونیوں ہی کو پہونچتا ہے، جن کا تناسب وہاں بتدریج بڑھ رہا ہے

قازقستان میں انتظامی عہدوں میں مقامی مسلمانوں کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ ۱۹۴۸ء میں دودھ اور گوشت کے کاروبار میں قازق مسلمانوں کے پاس انتظامی عہدے صرف ۱۴ فیصد تھے اور کپڑے کی صنعت اور ملکی صنعتوں میں بالترتیب ۶/۷ اور ۴ فیصد بعد کے اعداد و شمار بھی کوئی بہتر تصویر پیش نہیں کرتے، ۲۶ جنوری ۱۹۵۶ء کے قازقستان کا پراودا۔ کی اطلاع کے مطابق اس برس قازقستانی صنعتوں میں جو ماہرین ملازم تھے ان میں قازق صرف ایک تھا اور ۱۳ اکتوبر ۱۹۵۶ء کے "پراودا ادسکانا" کی اطلاع کے مطابق ازبکستان کی ملکی صنعتوں میں عام کارکنوں کی تعداد بھی مقامی آبادی کا صرف ۱۴ فیصد حصہ تھی۔

یہ دعوی تو غالباً سوشلزم کے کسی شارح نے نہیں کیا کہ سوشلسٹ معاشرے میں تہذیبی اور مذہبی اقلیتوں کے لئے اپنی جداگانہ حیثیت کو برقرار رکھنا نسبتاً آسان ہوگا، کیونکہ یہ معاشرہ فطرۃً کلیت کیشانہ ہوتا ہے اسلئے اس میں ہم رنگی پیدا کرنے کا رجحان لازماً قوی تر ہوتا ہے ایک سوشلسٹ نظام میں سبھی سرکار کے ملازم ہوتے ہیں اور سرکاری ملازموں کے لئے آزادانہ روش کو نباہنا کہیں زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

ہندوستان میں ایک زوجگی کے قانون کا اطلاق اس وقت عام مسلمانوں پر نہیں ہوتا لیکن سرکاری ملازموں پر خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم اس کا اطلاق یکساں طور پر ہوتا ہے۔ اگر مسلمان اپنی معاش کے لئے کلیۃً حکومت کے دست نگر بن جائیں جیسا کہ سوشلسٹ

معاشرے میں ناگزیر ہے تو اپنے جداگانہ آداب و رسوم کو کیسے نباہ سکتے ہیں۔

ایک مختار مطلق سوشلسٹ حکومت یک رنگ معاشرہ پیدا کرنے کے لئے مذہبی اور تہذیبی اقلیتوں کے خلاف اپنی مہم کس شدت سے چلا سکتی ہے اسکا اندازہ ذیل کے اعداد و شمار سے لگایا جا سکتا ہے:۔

یکم جنوری ۱۹۵۵ء اور یکم اگست ۱۹۵۷ء کے درمیان سوویٹ روس کے مختلف خطوں کے لئے چورانوے اسلام دشمن کتابیں شائع کی گئیں جن کی مجموعی اشاعت آٹھ لاکھ تھی، ان میں سے بیس کتابیں ازبکستان کے لئے شائع کی گئیں، دس تاتارستان کے لئے، نو داغستان کے لئے، آٹھ قازقستان کے لئے، سات تاجکستان کے لئے چھ چھ باشکریا اور کرغیزیا کے لئے، تین تین کابرڈا اور چرکیز کے لئے اور دو دو ایڈیگ اور اوسٹیا کے لئے شائع کی گئیں

اسٹالن کی موت کے بعد اسلام دشمن کتابوں کی کمی نہیں اضافہ ہوا ہے۔ یکم جنوری ۱۹۶۲ء سے ۳۱ دسمبر ۱۹۶۴ء تک سوویٹ یونین میں ۲۱۰ کتابیں ایسی شائع کی گئیں جو اسلام کے خلاف تھیں اور خاص طور پر مسلمانوں کے لئے لکھی گئی تھیں، ان میں سے ۱۵۰ کتابیں ایشیائی خطوں کی مختلف زبانوں میں تھیں اور ساٹھ روسی زبان میں۔

جیسا کہ سرکاری روسی جریدے "سائنس اور مذہب" کے ہر شمارے سے ظاہر ہوتا ہے، اسلام کے خلاف مہم کی شدت میں متواتر اضافہ ہو رہا ہے

اس جریدے کی فروری ۶۷ء کی اشاعت میں یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ شمال مغربی کاکیشیا کے ایک گاؤں خابیز میں "بزرگوں کی ایک کونسل" قائم کی گئی ہے جس کا مقصد مروجہ مذہبی رسوم اور پرانے آداب کا مقابلہ کرنا ہے جو اس قدیم گاؤں کی نئی اور بارآور زندگی سے مکمل طور پر متصادم ہیں۔ اطلاع میں یہ بھی شامل ہے کہ یہ کونسل مقامی کمیونسٹ پارٹی کے سکریٹری کی دعوت پر قائم کی گئی ہے یہ کونسل پارٹی کی ہدایت کے مطابق ماضی کے ان ضرر رساں باقیات کے خلاف جہاد کرے گی جو قومی رسوم کے پردے میں جاری ہیں۔

اسلام کے خلاف سوویٹ ماہرین نظریہ کی کچھ دلیلیں بالکل وہی ہیں جو ہندوستان میں انتہائی متعصب اسلام دشمنوں کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک ماہر نظریہ کلیمووچ نے "قزل ازبکستان" کے ۹ مئی ۱۹۴۹ء کے شمارے میں لکھا تھا کہ اسلام ایک غیر ملکی مذہب ہے جسے وسطی ایشیا اور کاکیشیا کے عوام پر آگ اور تلوار کے زور سے ٹھونسا گیا، صدیوں تک اسلام ہر قسم کے سامراج کا خدمت گذار رہا ہے، پہلے یہ عربوں، افغانوں اور ترکوں کے سامراج کا خدمت گذار تھا اب برطانیہ اور امریکہ کے سامراج کا خدمت گذار ہے۔

کیا اس انداز فکر میں مسلمانوں کے ساتھ رواداری برتنے کی کوئی گنجائش موجود ہے؟ اگر نہیں تو اس استدلال کے آخر کیا معنی ہیں کہ سوشلسٹ جنت ارضی تک رسائی حاصل کر کے ہی مسلمانوں کی جملہ مشکلیں ختم ہو جائیں گی؟ تاریخ ہر قوم کے لئے سبق رکھتی ہے اور اپنے مستقبل کو خطرے میں ڈالے بغیر کوئی قوم اس سبق کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔

سیاسیات

ہمارے حکمراں

۵ رجون ۱۹۶۷ء کو صبح نو بجے تک شامی حکومت اسرائیلی حملے سے بےخبر رہی۔ شامی وزارت خارجہ کو ایک اخبار کے ایڈیٹر نے اس سے مطلع کیا، شام نے ابتداً جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا، جب صحرائے سینا اور شرق اردن کے محاذ پر اسرائیلیوں کا دباؤ بڑھتا گیا تو شرق اردن اور مصر نے دشمن کی قوت تقسیم کرنے کیلئے شام کو محاذ جنگ کھولنے کو کہا) تو اس پر شامی حکمرانوں میں گھنٹوں بحث و مباحثہ ہوتا رہا ـــــ زیر بحث مسئلہ یہ تھا کہ شام کے دو اعلیٰ تربیت یافتہ بریگیڈ جنگ میں حصہ لیں یا نہیں ـــــ؟ کیونکہ یہ اعلیٰ ترین فوج شام کے ملحد آمروں کے مخالفین کو کچلنے کیلئے اندرون ملک استعمال کئے جاتے ہیں ـــ اس بحث میں اس قدر تلخی پیدا ہوگئی کہ ایک پر جوش فوجی افسر نے وزیر دفاع پر کرسی دے ماری ـــــ شام کے لعنتی آمروں کی مرضی کے خلاف جب چند غیرت مند پرجوش اور محب وطن فوجی افسروں نے جنگ میں حصہ لیا تو ان کی ہمت شکنی کے لئے اپنی شکست کے فرضی افسانے ریڈیو اور اخبارات سے نشر کئے گئے ـــــ اس سے بڑھ کر خیانت اور غداری کیا ہوگی کہ قنیطرہ پر اسرائیلی قبضہ کا اعلان قبضہ سے دس گھنٹے پہلے کر دیا گیا، ان من گھڑت خبروں کی وجہ سے سرفروش مجاہدوں کے حوصلے پست ہوگئے اور اسرائیل کو پیش قدمی کا موقع مل گیا۔

خالد بن ولید رضؓ کے مدفن شام کی تاریخ صدیوں سے اسلامی جذبات، مجاہدانہ عزائم اور قابل فخر کارناموں سے مالا مال رہی، مگر شام کا موجودہ حکمراں ٹولہ بدترین ضمیر فروش، اسلام دشمن، الحاد و دہریت کا علمبردار ہے، اور اس ملک کی شاندار ملی روایات و خصوصیات کو ملیامیٹ کرنے کے درپے ہے۔

بعث پارٹی اپنے عیسائی بانی "میشل عفلق" کے جارحانہ نظریاتی عرب قوم پرستی کی پرستار ہے، میشل عفلق کے لٹریچر نے آزاد ذہنوں اور فوج کے افسروں کو متاثر کرکے غیر آئینی طریقے سے اسی بعث پارٹی کو حکومت پر قبضہ کی راہ ہموار کی ـــ فوج کے وطن دوست اور اسلام پسند افسروں کو گولیوں سے اڑا دیا گیا یا جلا وطن کر دیا گیا حتیٰ کہ عین دوران جنگ اردن میں پناہ گزین دو شامی محب وطن جرنل جب اپنے وطن کی خدمت و دفاع کے لئے شام میں داخل ہوئے تو انہیں بھی شہید کر دیا گیا۔

فوج کے علاوہ عوام میں جو لوگ با اثر، اسلامی جذبات و خیالات کے حامل تھے ان کے خلاف بھی سخت کارروائیاں کی گئیں، انھیں جلاوطن کیا گیا، ان کی جائدادیں ضبط کی گئیں، محمد معروف الدوالیبی (سابق وزیر اعظم)، مصطفیٰ زرقا (سابق وزیر عدل و وزیر تعلیم)، عمر بہار الامیری (مشہور اہل قلم و سفیر)، استاد علی طنطاوی (سابق چیف جسٹس اور صاحب اسلوب ادیب و انشا پرداز) ان دنوں جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔

شام کے برسر اقتدار طبقہ خاص طور پر فوج پر "دروزی قبیلہ" کے افراد کا اثر ہے جو انتہائی بدعقیدہ اور اسلام دشمن قبیلہ ہے ـــــ یہ قبیلہ عرصہ سے یہود نوازی میں مشہور ہے۔ ۶۷ء کی جنگ میں اس قبیلہ نے یہودیوں کی مدد کی۔

ہمارے سامنے ضیو سینا کے مرہٹی ہفت روزہ "تارک" (جو ضیو سینا کے بانی بال ٹھاکرے کی ادارت میں بمبئی سے نکلتا ہے) کا جون ۶۷ء کا ایک شمارہ ہے، اس میں تل ابیب میں مقیم ایک مہاراشٹرین خاتون کا ایک مفصل خط جنگ کے حالات پر مشتمل درج ہے جو اس نے اپنے بھائی کو لکھا ہے، خط کے آخر میں وہ لکھتی ہے:-

"دروزی قبیلہ نے ہماری (اسرائیل کی) بڑی مدد کی، یہ قبیلہ عربوں ہی کی ایک شاخ ہے، اس کے مرد تنومند و توانا اور عورتیں انتہائی خوبصورت ہیں"

شام کے یہ حالات - مشتے نمونہ از خروارے ہیں

کم و بیش اکثر مسلم ممالک کے حکمرانوں کے ذہنی و اخلاقی دیوالیہ پن اور اپنے ملک و ملت کی قسمت سے کھیلنے کے واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔

یہ نامبارک سلسلہ اس وقت تک جاری رہیگا جب تک ملت میں اس قیادت کو مسترد کرنے کا شعور نہیں پیدا ہوتا۔ (ماخوذ از تعمیر حیات)

تین رباعیاں

از مظفر حنفی

گھیرے میں لئے ہوں تجھے ہالہ بن کر
لپٹا ہوں ترے پاؤں سے چھالا بن کر
اے روشنیٔ طبع جھجکتی کیوں ہے
ظلمت ہوں، مجھے کاٹ اجالا بن کر

●

تریاق نہ لا، مار گزیدہ ہی نہیں
مرہم نہ لگا، زخم رسیدہ ہی نہیں
عرفان کی اس دھوپ میں جلتا ہی رہوں
جس میں کوئی دیوار عقیدہ ہی نہیں

●

بے خوابی کو للکار کے رہ جاتی ہے
لوری کی صدا ہار کے رہ جاتی ہے
بچے کے تحفظ کا وہ عالم ہے کہ نیند
دیواروں سے سر مار کے رہ جاتی ہے

●

رابطۂ عالم اسلامی کا وفد

ــــــ فلپائن میں

فلپائن کے مسلمانوں کا قضیہ دن بدن الجھتا جارہا ہے ۔ صدر مارکوس کی شدت پسندی اور بڑی طاقتوں کے دباؤ کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ یہ خطہ ایک دوسرا ویٹنام نہ بن جائے ۔ سال بھر سے فلپائن کے چار جزیروں میں جہاں مسلمان رہتے ہیں مسلسل کرفیو نافذ ہے ۔ بہترین فوج اور جدید ترین اسلحہ سے مسلح ہونے کے باوجود حکومت مسلمانوں کو دبانے میں ناکام رہی ہے ــــ اس معرکہ آرائی میں اگر آٹھ مسلمان شہید ہوتے ہیں تو چار فوجی افسر ضرور لقمۂ اجل بن جاتے ہیں ــــ ابھی حال ہی میں پچاس بہترین فوجی افسران اور ایک جنرل مسلمانوں کے ساتھ جنگ میں کام آگئے تھے ، لیکن صدر مارکوس اب بھی اس مسئلہ کو طاقت کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش پر یقین رکھتے ہیں ــــ بذات خود صدر مارکوس اپنے قدیم ہم وطنوں کے مسائل سمجھتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ زرخیز ملک بدامنی اور خونریزی کی وجہ سے ویٹنام بن جائے ، لیکن ــــــــ تین طاقتیں ــــ تین طاقتوں کی طرف کے دباؤ کی وجہ سے وہ بھی اپنی کرسی بچانے اور اقتدار سے چمٹے رہنے کو ترجیح دینے پر مجبور ہیں ۔

یہ تین طاقتیں ہیں ــ امریکہ ، صلیبی استعمار اور عالمی یہودی طاقت ۔

فلپائن اپنے نازک جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے امریکہ کیلئے مشرق میں داخل ہونے کا زینہ ہے ـــــ ویٹنام پر یورش کرنے اور اس کو خاک و خون میں نہلانے کے لئے امریکہ فلپائن کو رسدگاہ کے طور پر استعمال کرتا تھا ، امریکہ کی فوجی اور دفاعی نظام میں فلپائن کو کلیدی اہمیت حاصل ہے اور وہ اس خطہ سے کسی بھی قیمت پر دستبردار ہونا نہیں چاہتا ، اسی لئے صدر مارکوس کو ہر صورت میں باقی رکھنا چاہتا ہے تاکہ فلپائن اس کے تصرف میں باقی رہے ۔

صدر مارکوس کو بھی اچھی طرح معلوم ہے کہ اگر امریکہ ان کی پشت پناہی نہ کریگا تو وہ ایک منٹ کیلئے بھی اقتدار کی کرسی پر باقی نہ رہ سکیں گے ، اب حالات تو ایسے سنگین ہوتے جارہے ہیں کہ مارکوس کسی وقت بھی گر سکتا

نشانہ بن سکتے ہیں۔

دوسری طاقت صلیبی استعمار ہے جو ابھی تک انتقام کے جذبے سے بے خود ہے، اگر اس کا بس چلے تو پوری دنیا کے مسلمانوں کو چن چن کر ختم کر ڈالے۔

صلیبی طاقت کی علامت اگرچہ تمام مغربی ملکوں کو سمجھا جاتا ہے مگر اس کی بھرپور ترجمانی اور نمائندگی ویٹیکن سٹی کے وہ پوپ پال کر رہے ہیں جو ہمیشہ امن عالم کی دہائی دیتے رہتے ہیں۔ پوپ پال کے نمائندہ کارڈینل نے فلپائن کے مسلمانوں کو تباہ کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے، وہ ہر دوسرے ہفتہ فلپائن کے عیسائیوں کے لئے مخصوص ہوائی جہاز میں ویٹیکن سٹی سے جدید فوجی ساز و سامان، کروڑوں ڈالر کی رقم، دوائیں لاتے ہیں اور عیسائیوں کو سپرد کر کے واپس تشریف لیجاتے ہیں۔

فلپائن کے عیسائیوں کی دولت مندی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک ایکڑ کی جو زمین ایک ہزار ڈالر میں فروخت ہوتی ہے وہ فلپائن کے عیسائی مسلمانوں سے دس دس لاکھ ڈالر میں محض اس وجہ سے خرید رہے ہیں کہ یہاں سے مسلمانوں کو اس طرح بے دخل کر دیا جائے جسطرح یہودیوں نے فلسطین سے عربوں کو بے دخل کر دیا تھا۔

اس غیر معمولی قیمت، شفاخانوں کی مفت سہولتوں اور اعلیٰ تعلیمی اداروں میں تعلیمی ضروریات مفت ہونے کے باوجود مسلمان کسی قیمت پر اپنی زمین، اپنے عقیدے اور تہذیب سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں، اگرچہ مسلمان مالی اعتبار سے سب سے زیادہ پسماندہ ہیں، مگر اپنی اس بے سروسامانی کے باوجود طاقتور ملک اور مسلح افواج کا مقابلہ کر رہے ہیں اور جدید مادی آسائشوں اور عیش و تنعم کی زندگی کو ترجیح دینے کے لئے ہرگز تیار نظر نہیں آتے۔

ویٹیکن سٹی کے یہی نمائندہ کارڈینل صاحب نے نائیجیریا میں مسلمانوں کا قتل عام کرنے میں مرکزی رول ادا کیا تھا اور روزانہ ہوائی جہازوں سے جدید اسلحہ نائیجیریا کے عیسائیوں کو پہونچاتے تھے۔

تیسری اہم طاقت جو فلپائنی مسلمانوں کے قتل میں براہ راست حصہ لے رہی ہے وہ ہے "عالمی صیہونی طاقت"۔ جو براہ راست فلپائن کے عیسائیوں کو تخریب کاری اور فلپائنی فوجیوں کو چھاپہ مار لڑائی کی تربیت دے رہی ہے، اسرائیلی فوجی مشیر فلپائن میں اس وقت دو سو کی تعداد میں کام کر رہے ہیں۔

فلپائن کے ان حالات نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو بے چین بنا دیا تھا، چنانچہ رابطہ عالم اسلامی نے سب سے پہلے اس مسئلہ کی طرف توجہ کی اور حکومت فلپائن سے خط و کتابت کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کی، بعد میں حکومتی سطح پر اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس نے اس مسئلہ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور تین نمائندوں کو فلپائن بھیجنے کا فیصلہ کیا، مگر صدر مارکوس نے کہا کہ ہم حکومتی سطح پر اس دورے کو پسند نہیں کرتے اور اس کو ہم براہ راست مداخلت سمجھتے ہیں، اگر کوئی غیر سرکاری وفد آئے تو ہم اس کا خیر مقدم کریں گے۔ چنانچہ ٹنکو عبدالرحمٰن اور ان کے رفقاء فلپائن کا دورہ

نہ کرسکے ۔

رابطۂ عالم اسلامی نے ایک وفد مشرقِ بعید بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا ، چنانچہ اس وفد نے بارہ ملکوں کے تقریباً پچاس شہروں کا دورہ کیا ، پاکستان ، انڈونیشیا اور ملیشیا کو چھوڑکر باقی تمام ملک غیر اسلامی تھے ، وفد نے حسب ذیل ملکوں کا دورہ کیا :۔

ہندوستان ، پاکستان ، ملیشیا ، انڈونیشیا ، جاپان ، سنگاپور ، چین ، فلپائن ، لنکا ، تھائی لینڈ ، برما اور آسٹریلیا (ان ملکوں میں تقریباً چار سو ملین مسلمان مجموعی طور پر رہتے ہیں) ۔

رابطہ کے وفد میں حسب ذیل حضرات شامل تھے ابراہیم سقاف (کونسل جنرل حکومت سعودی عرب متعینہ سنگاپور) ، محمد منتصر الکتانی (مشیر رابطۂ عالم اسلامی) ، محمد اسد شہاب (سکریٹری وفد) تینوں حضرات رابطۂ عالم اسلامی کے بنیادی ممبروں میں سے ہیں ۔

جب یہ وفد فلپائن پہونچا تو سب سے پہلے اس نے صدر مارکوس سے تفصیلی ملاقات کی اور حکومت کے نقطۂ نظر سے گہری واقفیت حاصل کی ، اس کے بعد یہ وفد ان چار بڑے صوبوں میں گیا جہاں فلپائن کے چار کروڑ مسلمان رہتے ہیں ۔

ان مسلمانوں نے وفد کا بڑا زبردست خیر مقدم کیا ، مختلف تقریبات اور محفلوں میں ان کی پذیرائی کی گئی ، مسلمانوں نے وفد کی آمد کو اپنے مقصد کیلئے مفید بتایا اور اس کا اظہار کیا کہ ہم سب سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کے مسلمان ہمارے ساتھ ہیں ، اس وفد کی آمد سے ہمارے حوصلے بلند ہو گئے ہیں ۔

رابطہ کا یہ وفد دور دراز جنگلوں میں بھی گیا ، اور ان سرفروش مجاہدوں سے بھی ملا جو بے سروسامانی کے باوجود ایک جدید مسلح فوج کا بے جگری سے مقابلہ کر رہے ہیں ۔

مجاہدین کی جماعتوں نے وفد کو فوجی تربیت کے مراکز دکھائے اور اسلامی ترانوں سے ان کا خیر مقدم کیا ، وفد نے فوجی پریڈ کا معائنہ بھی کیا ، عین اس وقت جبکہ رابطہ کا یہ وفد پہاڑیوں میں کمین گاہوں کا معائنہ کر رہا تھا اس وقت معرکہ آرائی بھی ہو رہی تھی ، وفد نے خود بھی اس تصادم کا معائنہ کیا ، فوجی جوانوں کے ساتھ بیٹھ کر ابلے ہوئے چاول کھائے ، کچھ دیر ان کے دکھ درد میں شریک رہے اور ان کی حوصلہ مندی اور عزم و جوانمردی سے کام لینے کی تلقین کر کے منیلا واپس آگیا ، واپسی میں یہ وفد پھر صدر مارکوس سے ملا اور مسلمانوں کے مطالبات بتائے ، اور کہا کہ مسلمان ان صوبوں میں خود مختاری چاہتے ہیں اسلئے کہ یہاں انکی اکثریت ہے وفد نے کہا کہ ان چاروں صوبوں میں مسلمان ہی حکمراں ہوں اور انھیں کی فوج رہے وفد نے صدر مارکوس سے یہ بھی کہا کہ اگر وہ مسلمانوں کو خود مختاری دینے پر تیار ہوں تو اسلامی وزرائے خارجہ کانفرنس کے ذمہ داروں کو یہاں مزید گفت وشنید کے ذریعہ بات طے کرانے کیلئے بھیجا جاسکتا ہے صدر مارکوس نے اس مسئلہ پر غور کرنیکا وعدہ کیا مگر پہلے کے جاری کردہ فیصلے کو کالعدم کر دیا ، وفد کے ممبران کا خیال ہے کہ تین بڑی طاقتوں کی سازش کی وجہ سے فلپائنی مسلمانوں کا مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا ، اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ فلپائنی مسلمان ہتھیاروں سے اپنا مطالبہ منوانے پر مجبور ہوں گے ●

(ماخوذ از تعمیر حیات)

آرائش و آسائش
کے
نت نئے اور جدید ترین سامان کی خریداری کیلئے ایک واحد مرکز جس پر آپ مکمل اعتماد کر سکتے ہیں :
نوشاد جنرل اسٹور
مقابل رام بھروسے گیسٹ ہاوس، گرانٹ روڈ بمبئی ۷
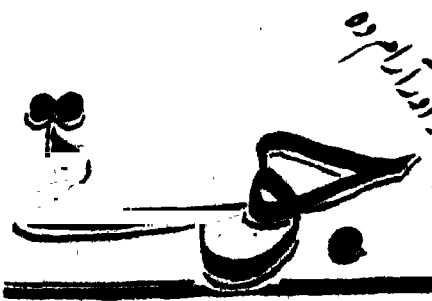
فریسکو
ہول سیل
کا
معروف مرکز
خوشنما، پائیدار اور آرام دہ
فریسکو فٹ ویرس
شو مارکیٹ، آگرہ

قدر و قیمت

شوخیاں — مصنف شبیر حکیم ۔ ملنے کا پتہ :۔ نیا ادب ۲۶۶ نیو وارڈ ۔ مالیگاؤں ضلع ناسک ۔ قیمت ۲/۵۰

جدید انداز کے ٹائٹل، عمدہ کاغذ اور صاف ستھری کتابت و طباعت سے آراستہ ایک طنز و مزاح کا نثری مجموعہ ہے جس میں تقریباً سترہ افسانے ہیں ۔ پیش لفظ کے طور پر ظ ۔ انصاری کا ایک خط اور یوسف ناظم کا ایک مختصر ناقدانہ مضمون شامل ہے ۔ کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوا کہ — شبیر حکیم کو اپنے فن پر پوری دسترس اور قلم پر پورا قابو حاصل ہے ۔ افسانے کی طوالت سے قاری اکتانے نہ پائے " یہی افسانہ نگار کا کمال ہے ، اور یہ فنکارانہ کمال شبیر حکیم کے تمام افسانوں میں نمایاں ہے ۔ تحریر میں جگہ جگہ ایسے فقرے مل جاتے ہیں جو خوش طبعی ، طنز اور مزاح کے انمول نمونے ہیں اور جنہیں پڑھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے ، بایں ہمہ ابتذال یا سوقیانہ پن سے مبرا ہیں ——— عید کے موقع پر کیسے کیسے ہنگاموں سے دوچار ہونا پڑتا ہے " عید مبارک " میں درزی کی بدحواسی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں - " زنانہ کپڑوں میں جدت یوں کی کہ غرارے کو چوڑی دار بنایا گیا اور دوپٹے کو پاجامہ اور پاجامے کے کپڑے کو دوپٹہ بنایا گیا ۔ میری شیروانی کو بالکل نئی وضع اور تراش خراش سے بنایا گیا کہ ساری بٹنیں لگانے کے بعد بھی اسے بآسانی پہنا اور اتارا جا سکتا تھا "

" یہاں تو تل دھرنے کو جگہ نہیں تھی لیکن آدمی تھے کہ چلے آرہے تھے " پتہ نہیں اس محاورے میں کیا مطلب چھپا ہے شاید پرانے زمانے میں تل بڑے ہوتے تھے یا ریل کے ڈبہ میں تل نہیں رکھا جاتا تھا (پسنجر ٹرین) — مختصر یہ کہ ایسے جملے جگہ جگہ نظر آتے ہیں ۔ امید ہے کہ شوخیاں اردو والوں کے حلقہ میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی ۔ کسی ذہنی تحفظ کے بغیر اس کے مطالعہ کی سفارش کی جا سکتی ہے ۔

●

سفینہ مصنف حضرت سہیل مالیگانوی ، شائع کردہ ادارہ قصر الادب مالیگاؤں ۔ قیمت دو روپیے ۲/-

صنف شاعری میں رباعی کو ایک انفرادی اہمیت حاصل ہے ، دریا کو کوزہ میں سمیٹ لینا اور رباعی لکھنا قریب قریب ہم معنی چیزیں ہیں ، جہاں تک میں سمجھتا ہوں اردو ادب میں اس وادی سے کامیاب گذرنے والے مسافروں کی تعداد بہت کم ہے ، جوش و فراق کا حوصلہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں ، رباعی کا حق وہی لوگ ادا کر سکتے ہیں جو ژرف نگاہی ، جدت آفرینی ، شدت احساس اور گرمیٔ جذبات سے مالا مال ہوں ، ذرا سی کم مائگی رباعی کی لطافت اور نزاکت کو مجروح کر دیتی ہے ، خوشی ہوئی کہ حضرت سہیل مالیگانوی نے حتی الامکان رباعی کا حق ادا کرتے ہوئے اس مجموعہ کو سفینہ کا تحفہ دیا ہے ، سفینہ سہیل صاحب کی فنکاری ، قدرت الکلامی اور دقت نظری کی آئینہ دار ہے اگرچہ کہیں کہیں

زور بیان کی لے دھیمی ہے لیکن بیشتر جگہوں پر الفاظ و خیالات کا دھارا رواں دواں نظر آتا ہے۔

چوروں کا لگا ہوا ہے ہر سو بازار ؛ محلوں میں سجا ہے رہزنوں کا دربار
ہیرا کنکر ہے اور کنکر ہیرا ؛ اندھوں نے چلایا ہے یہ کیسا بیوپار

الفاظ و معانی کے گہر تولتی ہے ؛ احجار میں اصنام کے در کھولتی ہے
گونگی ہوتی ہے جب زبانِ اعجاز ؛ دل سنتے ہیں اسرار، نظر بولتی ہے

رہتے تھے ہر اک بات میں آگے آگے ؛ کچھ رات مرے ساتھ تھے وہ بھی جاگے
جب زخم جگر اپنا دکھایا میں نے ؛ یارانِ ہوس آنکھ چرا کر بھاگے

مندرجہ بالا رباعیات کی روشنی میں پورے اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ سفینہ اردو ادب میں ایک گرانقدر اضافہ ہے۔ بقول حضرت ادیب مالیگانوی اس مجموعہ میں اکثر وہ ترقی پسندانہ خیالات ملیں گے جو موجودہ زندگی کے اٹل اور لازمی تقاضے ہیں۔ خدا کرے اس ارمغان ادب کو وہی عزت و قبول حاصل ہو جس کا یہ مستحق ہے۔

●

اسلامی ازدواجی زندگی مولفہ مولانا انوار احمد جامی، قیمت صرف ۵۷ پیسے، ملنے کا پتہ :- حاجی قمر الزماں حاجی شمس الزماں کرنل گنج کانپور • حضرت مولانا مبین الحق قاسمی و مولانا حافظ عبدالحلیم صاحب مظاہری جامع مسجد اشرف آباد جاجمئو کانپور

یہ ایک دردناک حقیقت ہے کہ ہمارا معاشرہ اسلامی تعلیمات کی عدم واقفیت کی وجہ سے گمراہ کن رسم و رواج اور تباہ کن طرز معاشرت کا شکار ہے۔ معاشرہ کی ترتیب افراد سے ہوتی ہے اور افراد کا مزاج گھریلو زندگی سے بنتا ہے اور اسی کے ساتھ گھریلو زندگی کے بناؤ یا بگاڑ کا تعلق بڑی حد تک زن و شو کے تعلقات سے ہے۔ یہ تعلقات اگر متوازن اور خدا اور رسول کے احکام و ہدایات کے دائرے میں ہیں تو معاشرہ کو صالح نسل ملتی ہے اور اگر نفسانی خواہشات و عدم ذمہ داری اور جاہلانہ رسم و رواج کے دھارے پر بہہ رہے ہیں تو سوسائٹی بہت سی برائیوں کا شکار رہتی ہے جیسا کہ آج کل آئے دن دیکھنے میں آتا رہتا ہے۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ عامۃ المسلمین زیادہ سے زیادہ گھریلو زندگی کے ان آداب سے واقف ہوں جن کی تعلیم خدا اور اسکے رسولؐ نے دی ہے تاکہ ہمارا معاشرہ ایک مثالی معاشرہ بن سکے کہ یہی خدا اور رسولؐ کی مبارک منشاء ہے ——— اسلامی ازدواجی زندگی اپنے موضوع کے لحاظ سے وقت کی اہم ترین ضرورت کو پورا کرنے کے لئے تالیف کی گئی ہے۔ کتاب میں نکاح کی ضرورت، اس کی افادیت اور اہمیت پر قرآن و احادیث کی روشنی میں نہایت دلنشیں انداز میں بحث کی گئی ہے اور زن و شو کے حقوق و فرائض کے دائروں کو ٹھیک ان خطوط پر نمایاں کیا گیا ہے جن پر گھریلو زندگی کی تعمیر کی بنیاد ہے۔ ہمارے نزدیک یہ کتاب اس قابل ہے کہ ہر مسلم گھرانے میں ایک ایک فرد اس کا مطالعہ کرے۔ مولانا انوار احمد صاحب جامی یقیناً ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ایک مفید اور پر از معلومات کتاب تالیف فرما کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے

●●●

یوں تو سب ہی کو معلوم ہے کہ بینک روپیہ پیسے کے لین دین کا ایک ادارہ ہے اور عوام کے اعتماد کا مرکز ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد اپنا پیسہ حفاظت سے ایک جگہ رکھنا ہی بینک کا بڑا مقصد سمجھتی ہے۔ بطور نتیجہ ابھی تک چھوٹے چھوٹے تجار پیسہ جمع کراتے رہے ہیں اور بڑے بڑے سرمایہ دار اس پیسے کا استعمال قرضے کی شکل میں لیکر کرتے رہے۔

بینکوں کو قومیانے کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ عوام بینکوں سے زیادہ قریب ہوں اور اپنی مالی مشکلات کو حل کرنے کی وہی سہولیات انھیں بھی حاصل ہوں جو آج تک صرف بڑے بڑے بیوپاریوں کا مقدر بنی رہی۔

ایک بڑی مشکل جو چھوٹے چھوٹے صنعت کاروں کو پیش آتی ہے وہ ان چند ضروری کارروائیوں کا پورا کرنا جو بینک قرضہ دینے سے پہلے پورا کرتا ہے۔

اپنی لاعلمی کی وجہ سے یہ لوگ ایک بہت بڑے فائدے سے محروم رہ جاتے ہیں، ایسے بیوپاریوں کو چاہئے کہ وہ فوراً کسی ایکسپرٹ سے اس سلسلہ میں رابطہ قائم کریں اور اپنی مشکل کو ان کے ذمہ ڈال کر اپنے کاروبار کو ترقی پذیر کریں، وکالت انکم ٹیکس اور خصوصاً اکاؤنٹس پیشہ سے تعلق رکھنے والے لوگ اس کام میں بیحد مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔

گذشتہ چند سالوں میں خصوصاً دوسرے پنجسالہ منصوبہ کے تحت ملک نے صنعتی اعتبار سے جس قدر ترقی کی ہے اس سے سب ہی باخبر ہیں۔ اس عرصہ میں جو مشکلات صنعت کاروں کو پیش آئیں انھیں دور کرنے کے لئے حکومت نے کافی کوشش کی، بینکوں اور دوسرے مالی ادارہ جات مثلاً ڈائرکٹر آف انڈسٹریز اور ایس، آئی، آئی نے چھوٹے صنعت کاروں کو ابھارنے کے لئے نہایت اہم رول ادا کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں۔

بینکوں نے قومی ملکیت میں آنے کے بعد اپنے بیشتر فنڈ چھوٹے صنعت کاروں، کاشتکاروں اور کم آمدنی والے لوگوں کے لئے وقف کر دئے ہیں۔

آج کل بینک مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے قرضہ جات فراہم کرتے ہیں:۔

(۱) چھوٹے پیمانے کی صنعت کو فروغ دینا۔

اس اسکیم کے تحت وہ تمام صنعت کار فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو ڈائرکٹر آف انڈسٹریز میں بحیثیت اسمال اسکیل انڈسٹریل یونٹ رجسٹرڈ ہیں، کچھ بینک غیر رجسٹرڈ صنعت کاروں کو بھی قرضہ دیتے ہیں، لیکن اس صورت میں صنعت کاروں کو زیادہ شرح پر سود ادا کرنا ہوتا ہے یہ اسکیم صرف ان صنعت کاروں کے لئے ہی ہے جنھوں نے ۲½ لاکھ روپے تک لاگت کی مشینری لگائی ہوئی ہے۔

اس اسکیم کے تحت مشینری اور انڈسٹریل پلاٹ وغیرہ خریدنے کے لئے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے۔ اسکے علاوہ، روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے بھی جیسے خام مال کی خرید، ادائیگی مزدوری اور اسطرح کے دوسرے اخراجات کے لئے روپیہ فراہم کیا جاتا ہے۔

مندرجہ ذیل طریقوں سے بینک سہولیات فراہم کرتے ہیں۔

(۱) ایک خاص مدت کے لئے روپیہ فراہم کرنا (برائے خرید مشینری وغیرہ)

(۲) صنعت کاروں کے پرو نوٹ اور بل وغیرہ کی گارنٹی دینا۔ اس کے تحت صنعت کار ادھار مال خرید کر سپلائرز کو پرونوٹ دے سکتے ہیں جس کی ادائیگی کے لئے بینک گارنٹی دیتا ہے اور سپلائر اس طرح اپنے قرضے کو پوری طرح قابل وصول سمجھتا ہے

(۳) روزمرہ کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے روپیہ فراہم کرنا، اس اسکیم کے تحت ذیل کی صورتوں میں روپیہ دیا جاتا ہے:۔

(الف) PLEDGE OF GOODS

اس صورت میں بنک ان تمام اشیاء کے باعث روپیہ فراہم کرتا ہے جو بینک کے گودام میں رکھی جاتی ہیں، اگر صنعت کار کو نقد مال خریدنا پڑتا ہے تو بینک خرید شدہ مال کی قیمت دے کر مال اپنے قبضہ میں رکھ لیتا ہے اور جیسے جیسے صنعت کار کو مال درکار ہوتا ہے وہ اسکی قیمت دے کر بینک سے مال چھڑا لیتا ہے۔

HYPOTHI CALION OF GOODS

اس صورت میں بینک ان تمام اشیاء کی بابت روپیہ فراہم کرتا ہے جو صنعت کار کی فیکٹری اور گودام میں رکھی ہیں چاہے وہ مال خام ہو یا ——— اشیاء MANUFACTURED ایسی حالت میں صنعت کار کو ماہانہ اسٹاک کی فہرست بینک کو دینی پڑتی ہے، مال پوری طرح صنعت کار کے قبضہ میں رہتا ہے۔

اس کے علاوہ کچھ بینک گاہکوں سے وصول ہونے والی رقم BOOK DEPT کے بابت بھی قرض دیتے ہیں۔

قرضہ کی رقم کا انحصار صنعت کار کے کاروبار یعنی پروڈکشن بکری اور وصولیابی پر ہوتا ہے۔

(۴) ادھار بیچے گئے مال کے بل خریدنا۔

اس اسکیم کے تحت صنعت کار اپنے ادھار

بیچے گئے مال کا روپیہ فوراً بینک سے حاصل کر سکتے ہیں ، اس کے لئے مال فروخت کرتے وقت ایک ہنڈی یا BILL OF EXCHANGE - گاہک سے لی جاتی ہے اور اسے بینک کو بیچ دیا جاتا ہے ۔ بینک کچھ ڈسکاؤنٹ کاٹ کر اس کی ادائیگی کر دیتا ہے اور مقررہ تاریخ پر گاہک سے روپیہ وصول کر لیتا ہے ۔ اگر گاہک مقررہ تاریخ پر روپیہ نہیں دیتا ہے تو اس کی ذمہ داری صنعت کار پر آتی ہے ۔

بینک ہنڈی BILL OF EXCHANGE کی ادائیگی کرتے وقت یہ دھیان رکھتا ہے کہ گاہک قابل اطمینان ہے یا نہیں ؟ ۔

(۵) برآمد کئے جانے والے مال کے لئے روپیہ فراہم کرنا ۔

ایسے صنعت کار جن کے پاس برآمد کے آرڈر ہیں مگر خام مال خریدنے کے لئے روپیہ نہیں ہے وہ اس اسکیم کے تحت روپیہ حاصل کر سکتے ہیں ۔

(۶) برآمد شدہ مال کے لئے بل خریدنا ۔

ایسے اکسپورٹر جو کہ مال برآمد کر چکے ہیں مگر بل کی رقم فوراً وصول نہیں کر سکے وہ اپنے بل کچھ DISCOUNT پر بینک کو بیچ کر فوراً روپیہ حاصل کر سکتے ہیں ۔

II چھوٹے پیمانے کے صنعتی ادارے بنانے کے لئے ٹیکنیشین [illegible] کو روپیہ فراہم کرنا ۔

اس اسکیم کے تحت وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو تکنیکی جانکاری اور تجربہ ہے ، کام شروع کرنا چاہتے ہیں ، جس کا منصوبہ بھی بنایا ہوا ہے ، مگر روپیہ نہیں ہے ۔ ایسے لوگوں کو خصوصاً بینک آف بڑودہ زیادہ سہولتیں فراہم کرتا ہے ۔

جن مقاصد کے لئے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) برائے خرید زمین و بلڈنگ — اگر فیکٹری کے لئے زمین کرائے پر یا لیز پر نہیں مل رہی تو بینک زمین خریدنے اور اس پر عمارت تعمیر کرانے کے لئے بھی قرضہ فراہم کرتا ہے ، جو کہ ۳ سال سے ۵ سال تک واپس کرنا ہوتا ہے ، اس اسکیم کے تحت کل لاگت کا تقریباً ۷۵ فیصد بینک قرضہ دیتا ہے ۔

(۲) برائے ادائیگی کرایہ یا لیز کی رقم ۔

فیکٹری بلڈنگ کا کرایہ یا لیز کی رقم کی ادائیگی کے لئے بھی بینک روپیہ فراہم کرتا ہے ۔

(۳) مشین خریدنے اور اسے لگانے کے اخراجات کے لئے اس اسکیم کے تحت مشین خریدنے ، اس کی فٹنگ کرانے اور اس قسم کے دوسرے اخراجات کیلئے بھی روپیہ فراہم کرتا ہے ۔

(۴) روزمرہ کے اخراجات کے لئے روپیہ فراہم کرنا ۔

(۵) لائف انشورنس پالیسی پر روپیہ فراہم کرنا ۔

III پیشہ ور اور دوسرے لوگوں کو قرضہ فراہم کرنا

پیشہ ور اور تاجر پیشہ لوگ مثلاً ڈاکٹر ، وکیل ، انجینئر ، ٹھیکیدار ، [illegible] ، الیکٹریشین ، باربر ، دستکار ، آرٹسٹ وغیرہ اس اسکیم کے تحت بینک سے قرضہ لے سکتے ہیں ،

(۱) مندرجہ ذیل مقاصد کیلئے بینک روپیہ فراہم کر سکتے ہیں۔

(۱) برائے ادائیگی کرایہ یا کاروبار کیلئے جگہ خریدنے کا معاوضہ۔

(۲) پیشہ اور کاروبار کے لئے درکار اوزار اور مشینری خریدنے کے لئے روپیہ فراہم کرنا۔

(۳) روزمرہ کے اخراجات کے لئے روپیہ فراہم کرنا

IV خوردہ بیوپاری جو صرف پرچون مال بیچتے ہیں کو روپیہ فراہم کرنا۔

اس اسکیم کے تحت وہ تمام بیوپاری قرضہ حاصل کر سکتے ہیں جو صرف پرچون مال بیچتے ہیں، جیسے دوا فروش بزاز، موٹر پارٹ بیچنے والے، اسٹیشنری اور بجلی کا سامان بیچنے والے وغیرہ۔

مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے بینک روپیہ فراہم کرتے ہیں۔

(۱) ایسے EGUIPMENT خریدنے کیلئے جو کاروبار کے لئے ضروری ہیں، مثلاً فرنیچر، ریفریجریٹر گاڑی وغیرہ۔

(۲) روزمرہ کے اخراجات کے لئے۔

V ٹیکسی ڈرائیور، ٹرک ڈرائیور وغیرہ کو قرضہ فراہم کرنا۔

اس اسکیم کے تحت ٹیکسی ڈرائیور، ٹرک ڈرائیور اور وہ تمام لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو سڑک پر چلنے والی گاڑی (مال ڈھونے کے یا سواری لیجانے کے لئے) خریدنا چاہتے ہیں، بیس پر و پرائٹر، پارٹنرشپ فرم، کمپنی سوسائٹی لمیٹڈ کمپنی وغیرہ بینک سے قرضہ لیکر ٹیکسی، ٹرک وغیرہ خرید سکتے ہیں، قرضہ دینے کے لئے بینک ان لوگوں کو ترجیح دیتا ہے جو ٹیکسی، ٹرک وغیرہ خود چلانا چاہتے ہوں۔

قرضہ کی رقم سے خریدی جانے والی گاڑی کا نئی ہونی چاہئے، پاور سے چلنے والی گاڑی (جیسے ٹرک ٹیکسی وغیرہ) پرانی بھی خریدی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ ۳ سال سے زیادہ پرانی نہ ہو، اگر علاوہ بینک کسی دوسرے ذریعہ سے قرضہ لے کر گاڑی خریدی گئی ہے تو اس قرضہ کی ادائیگی کے لئے بھی بینک روپیہ فراہم کرتا ہے۔

اس کے علاوہ ٹائر اور اسپیئر پارٹ خریدنے اور مرمت کرنے کے لئے بھی کم مدت کے لئے بینک روپیہ فراہم کرتا ہے۔

اس اسکیم کے تحت بینک گاڑی کی قیمت کا ۷۵ فیصد تک روپیہ فراہم کرتا ہے۔

VI انڈین آئل کارپوریشن کے رٹیل ڈسٹری بیوٹر کو قرضہ فراہم کرنا۔

کم آمدنی والے طبقہ سے تعلق رکھنے والے بیروزگار GRADUATES کے لئے انڈین آئل کارپوریشن نے ایک اسکیم بنائی ہے جس کے تحت ایسے لوگوں کو رٹیل ڈسٹری بیوٹر بنایا جاتا ہے، ان لوگوں کو بینک کم شرح سود پر قرضہ فراہم کرتا ہے۔ جن مقاصد کے لئے بینک سے قرضہ مل سکتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) برائے خرید زمین، شوروم اور سیل روم بیرل، ٹینک وغیرہ۔

(۲) انڈین آئل کارپوریشن کی تیار کردہ اشیاء اور آٹوموبائل پارٹ وغیرہ خریدنے کیلئے۔

(۳) ادھار بیچے گئے مال کی بابت۔

VII دیگر اسکیم کے تحت قرضے فراہم کرنا۔

دیگر اسکیم جن کے تحت بینک قرضہ فراہم کرتا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ذاتی قرضہ جات۔

اس اسکیم کا مقصد ان تمام پائدار اشیاء کے لئے قرضہ فراہم کرنا ہے جن کا شمار پر تکلف چیزوں میں نہ ہوتا ہو بلکہ جو بنیادی ضروریات کو پورا کرتی ہوں۔

ایسے تمام لوگ جو سروس کاروبار یا اپنے پیشہ میں مصروف ہیں وہ اس کے تحت قرضہ لے سکتے ہیں بشرطیکہ انھوں نے اپنا کھاتہ بینک میں کھولا ہوا ہو، ٹائپ رائٹر، اکاونٹ مشین اور دیگر اسی قسم کی اشیاء کے لئے قرضہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۲) غیر ممالک میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایسے طلبہ اس اسکیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنھوں نے کسی اچھی ہندوستانی یونیورسٹی سے فرسٹ یا سکینڈ کلاس حاصل کرکے اپنا ڈگری کورس مکمل کیا ہو۔

اس اسکیم کے تحت صرف ایسے کورس کے لئے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے جو کہ ریزرو بنک آف انڈیا نے منظور کئے ہیں جیسے انجینیرنگ، میڈیسن، صنعتی انتظام چارٹرڈ، اکاونٹنسی وغیرہ۔

طالب علم کی عمر ۲۵ سال سے زیادہ نہیں ہونی چاہئے سفر خرچ، غیر ممالک میں رہنے کے اخراجات اور تعلیمی اخراجات کیلئے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے۔ قرضہ کی ادائیگی تعلیم مکمل کرنے پر ماہانہ یا سہ ماہی قسطوں میں کی جاتی ہے، اس کے علاوہ مندرجہ بالا کورس ہندوستان میں حاصل کرنے کے لئے بھی قرضہ فراہم کیا جاتا ہے۔

(۳) یونیورسٹی طلباء کے لئے :-

ایسے طلباء جنھوں نے ہائر سکنڈری یا انٹر سائنس کے امتحانات فرسٹ کلاس نمبر لے کر پاس کئے ہوں وہ اسکیم کے تحت قرضہ حاصل کر سکتے ہیں، قرضہ صرف ان کورس کیلئے ہی دیا جاتا ہے جس کے مکمل کرنے کے بعد ملازمت کے مواقع اچھے ہوں۔

کھیتی باڑی کیلئے قرضہ جات فراہم کرنا۔

(۱) زراعتی اوزار خریدنے کے لئے قرضہ جات۔

اس اسکیم کے تحت کاشتکار کو روپیہ فراہم کیا جاتا ہے تاکہ وہ زراعتی اوزار خرید کر کھیتی باڑی کو زیادہ نفع بخش بنائے اور زیادہ پیداوار کر سکے، مندرجہ ذیل اشیاء خرید کے لئے بنک سے قرضہ مل سکتا ہے :-

ا۔ لکڑی کے اوزار۔ ب۔ لوہے کے اوزار —

پ۔ زراعتی اوزارت۔ ہاتھ کے اوزار۔

اس اسکیم کے تحت تقریباً تین سال کے لئے قرضہ فراہم کیا جاتا ہے۔

(۲) ٹریکٹر اور دوسری بھاری قسم کی زراعتی مشین خریدنے کیلئے قرضہ۔

اس اسکیم کے تحت کاشتکار کو پرانے طریقوں چھوڑ کر نئے مشینی زراعتی طریقے اختیار کرتا ہے جس سے وہ اپنی پیداوار بڑھا سکے، پانچ سے سات سال

کی مدت تک کیلئے اس اسکیم کے تحت روپیہ فراہم کیا جاسکتا ہے
(۳) فصل بونے کیلئے روپیہ فراہم کرنا۔
اس اسکیم کا مقصد کسانوں کو جدید طریقوں کی طرف راغب کرنا ہے جس سے وہ اپنی پیداوار بڑھا سکیں۔ اس اسکیم کے تحت کاشتکار کو روپیہ مندرجہ ذیل مقاصد کیلئے فراہم کیا جاسکتا ہے۔
ا۔ بیج، کھاد اور کیڑے مار دواؤں کے لئے
ب۔ پیداواری اور آب پاشی کے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے۔
(۴) آبپاشی کے طریقے اختیار کرنے کے لئے قرضہ جات فراہم کرنا۔
اس اسکیم کے تحت مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے قرضہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔
ا۔ آئل انجن، الیکٹرک موٹر اور پمپ سیٹ خریدنے کے لئے۔
ب۔ کنویں بنانا اور انھیں گہرا کرنے کے لئے
پ۔ ٹیوب ویل لگانے کے لئے۔
ت۔ آبپاشی کیلئے۔ زمین برابر کرنے کے لئے
ٹ۔ پمپ ہاوس بنانے کیلئے۔
اور اسی طرح کے دوسرے مقاصد کیلئے۔
اس اسکیم کے تحت پانچ سال سے سات سال تک قرضہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔
(۵) زراعتی اشیاء کے تاجر کو قرضہ فراہم کرنا۔
اس اسکیم کے تحت وہ تاجر جو زراعتی اشیاء جیسے بیج، کھاد، کیڑے مار دوا وغیرہ بیچتے ہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں

تاجر کو روپیہ فراہم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ کاشت کار کی ضروریات کو محسوس کر کے زراعتی اشیا کا پیشگی اسٹاک رکھیں جس سے کہ کاشتکار وقت ضرورت ان کو آسانی سے حاصل کر سکے۔
(۶) زراعتی مشین وا وزار کرایہ پر دینے والے لوگوں کو قرضہ فراہم کرنا۔
اس اسکیم کے تحت مندرجہ ذیل مقاصد کے لئے قرضہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔
ا۔ کاشتکار کو کرایہ پر دینے کے لئے ٹریکٹر، بلڈوزر خریدنا۔ ب۔ کاشتکار کو کرایہ پر دینے کے لئے ہیلی کوپٹر وغیرہ خریدنا۔ ت۔ کاشتکار کو کرایہ پر دینے کے لئے فصل بونے کی مشین HARVESTER صاف کرنے کی مشین THRESATER وغیرہ خریدنا۔ ٹ۔ ٹرک، ٹریکٹر وغیرہ کاشتکار کو کرایہ پر دینے کے لئے خریدنا۔ ث۔ دیگر اوزار اور مشینیں کاشتکار کو کرایہ پر دینے کے لئے خریدنا۔
اس اسکیم کے تحت پانچ سے سات سال تک قرضہ فراہم کیا جاسکتا ہے۔
(۷) فارم کی بلڈنگ بنانے کے لئے۔
اس اسکیم کے تحت کاشتکار کو فارم بلڈنگ بنانے کے لئے اور ان کی مرمت وغیرہ کے لئے قرضہ دیا جاتا ہے۔ فارم بلڈنگ کا مطلب بیلوں کیلئے شیڈ، اوزاروں کے لئے شیڈ، ٹریکٹر اور ٹرک کے لئے شیڈ فارم اسٹور گودام اور صفائی کرنے کے لئے جگہ وغیرہ ہے۔ پانچ سے سات سال کے لئے اس کے واسطے قرضہ فراہم کیا جا

سکتا ہے۔

(۸) . (ہارٹی کلچر) کو ترقی دینے کے لئے قرضہ فراہم کرنا۔

اس اسکیم کے تحت کاشتکار وغیرہ کو پھلوں کے باغات وغیرہ لگانے کے لئے قرضہ فراہم کرنا ہے۔ پانچ سے سات سال تک قرضہ فراہم کرنے کیلئے مدت درکار ہے۔

(۹) زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے قرضہ فراہم کرنا۔

اس اسکیم کے تحت کاشتکار کو زمین کو قابل کاشت بنانے کے لئے، جیسے زمین ہموار کرنا، کیاری بنانا، نالیاں بنانے کے لئے قرضہ مہیا کیا جا سکتا ہے کہ کاشتکار اس پر اپنی مزید پیداوار کر سکے۔ ۵ سے ۷ سال کے لئے قرضہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

(۱۰) ڈیری پولٹری فارم، مچھلیوں کی پرورش وغیرہ کے لئے قرضہ فراہم کرنا۔ اس اسکیم کے تحت مذکورہ بالا یونٹ بنانے کے لئے اور موجودہ یونٹ کی توسیع کے لئے ۳ سے ۷ سال تک قرضہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

ملک کی ضروریات اور پنجسالہ منصوبوں کے پیش نظر بینک آج کل بہت تیزی سے شاخیں کھول رہے ہیں خصوصاً ایسی جگہوں پر جہاں پہلے کوئی شاخ نہ ہو۔ آج تمام ہند میں ۹۳۷۱۴ بینک کے دفاتر ہیں، خیال ہے کہ سنہ ء کے خاتمہ تک ملک میں ۱۸۰۰۰ بینک دفاتر ہونگے جو ملک میں چھوٹے پیمانے کی صنعت کو فروغ دینے، بیروزگاری کم کرنے اور ملک کا زرمبادلہ بچانے میں بیحد معاون ثابت ہونگے۔

علم یقینی حاصل کرنے کے ذرائع

از ——— مولوی شریف حسین صاحب

کسی چیز کے علم یقینی حاصل کرنے کے لئے کن ذرائع کی ضرورت ہوا کرتی ہے ؟

اشیاء محسوسات کے علوم کا ذریعہ تو حواس ہیں!
آنکھ کے ذریعہ سے چیز کی شکل اور شباہت اور رنگ ڈھنگ کا علم یقینی ہوجاتا ہے ۔ زبان کے واسطے سے چیز کا ذائقہ ، شیرینی ، تلخی وغیرہ یقینی طور سے معلوم ہو جاتی ہے ۔ دیگر اشیائے مندرجہ تحت حواس کا بھی یہی حال ہے ۔ لیکن یہ حواس اپنی حد سے گذر نہیں سکتے اور ۔ اور دائرہ محسوسات کے احاطہ میں قدم دھر نہیں سکتے ۔ ان سے نیکی و بدی ، علم و جہالت ، ظلم و انصاف وغیرہ اوصاف معنوی کا ادراک نہیں ہو سکتا ، بلکہ ان امور کے حصول کے واسطے ایک اور آلہ ہے جس کو عقل وقیاس کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں ۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ عقل وقیاس کیا چیز ہے ؟ عقل وقیاس سے ہماری مراد وہ اصول علمیہ ومسائل فلسفہ ہیں جن کی بنا وجدانیات ، اولیات ، حدسیات پر ہوتی ہے ۔ مثلاً کل اپنے جزو سے بڑا ہوتا ہے ، جو دو چیزیں ایک چیز کی مساوی ہوں وہ آپس میں بھی مساوی ہوا کرتی ہیں : جمال گوٹہ مسہل ہے ۔ سم الفار قاتل ہے ، چونکہ اس مقام زیر بحث میں ثبوت یقینی مطلوب ہے اور وہ بذریعہ حواس ممکن نہیں بنا بریں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایسے اصول علمیہ و علوم متعارفہ تلاش کئے جائیں جو مدعا کے ثبوت میں یقینی نتیجہ تک پہونچانے والے ہوں اور جن کے ماننے اور قبول کرنے سے خصم (مخالف) کو چارہ نہ ہو ، لہٰذا ہم اپنے دلائل میں ایسے علوم متعارفہ سے کام لیں گے جن کی صداقت میں کسی کو شک وشبہہ کی گنجائش نہ ہو ۔ اور وہ علوم متعارفہ مفصلہ ذیل ہیں :-

علوم متعارفہ

(۱) فعل کا وجود بغیر فاعل کے ناممکن ہے ، جیسے :-
لکھنا بغیر کاتب کے ، بولنا بغیر لافظ کے ۔

(۲) صفت ذاتی اپنے موصوف سے الگ نہیں ہو سکتی : جیسے :
ذائقہ کی صفت جب تک زبان ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتی

(۳) جو حال جزو کا ہوتا ہے وہی کل کا ہوتا ہے ، مثلاً :
اگر ایک قطرہ پانی کا مرکب ہو تو تمام پانی سمندر کا مرکب ہوگا

(۴) لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہو سکتا، جیسے:-

سفیدی دودھ سے جدا نہیں ہو سکتی

(۵) اجتماع ضدین محال ہے یعنی ایک چیز میں ایک ہی وقت دو صفات متضاد جمع نہیں ہو سکتیں، جیسے ایک ہی حالت و وقت میں کسی شخص کو جاہل و عالم نہیں کہہ سکتے، ہاں البتہ مختلف اوقات میں ایک چیز دو مختلف صفات سے موصوف ہو سکتی ہے، جیسے کوئی شخص چار سال قبل جاہل تھا اور اس وقت عالم ہو گیا۔

(۶) دور و تسلسل باطل ہے، یعنی حادث میں یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس کی علت نہ ہو یا خود ہی ایک ہی اعتبار سے علت و معلول ہو جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی دیوار خود ہی بغیر بنانے والے کے بن گئی ہو، یا خود ہی دیوار ہو اور خود ہی اپنی بنیاد و اساس ہو۔

(۷) جو حال مقیس علیہ کا ہوتا ہے وہی مقیس کا ہوتا ہے یعنی وہ چیز جس پر قیاس کیا گیا ہے اس کا علم یقینی ہو تو اس چیز کا علم بھی جس کو ہم اس پر قیاس کرتے ہیں یقینی ہوگا۔ مثلاً ہم آگ کے ساتھ دھوئیں کا ہونا یقینی دیکھتے ہیں تو اب دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا سمجھ لینا بھی ویسا ہی یقینی ہوگا۔

(۸) فعل کا وجود بغیر فاعل کے ناممکن ہے جیسے لکھنا بغیر کاتب کے، بولنا بغیر الفاظ کے۔

جہان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے

دلیل:- کیونکہ جہان پیدا شدہ ہے اور پیدا شدہ چیز بغیر پیدا کرنے والے کے ہو نہیں سکتی۔ بحکم علوم متعارفہ (۸) (مذکورہ بالا)۔ پس جہان بغیر پیدا کرنے والے کے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اور یہی مطلوب تھا۔ اب یہ دیکھنا چاہیے کہ دلیل کے دونوں جملے صغریٰ و کبریٰ واقع کے مطابق ہیں یا برخلاف؟

پہلے جملے میں دو لفظ ہیں، ایک جہان، دوسرا پیدا شدہ۔ اب غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ جہان کیا چیز ہے اور پیدا شدہ سے کیا مطلب ہے اور دونوں کا تعلق صحیح ہے یا غلط؟

واضح ہو کہ جہان سے ہماری مراد ہے موالید ثلاثہ جمادات، نباتات، حیوانات، سورج، چاند، زمین، تمام اشیاء مادیہ و غیر مادیہ ذی شعور و غیر ذی شعور۔ اور پیدا شدہ سے مراد ہے ان تمام اشیاء کا تغیر و تبدل و تبدیل، ہیئت و حالت جن کو ہم اپنی آنکھوں سے ہر وقت ملاحظہ کرتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے، آہستہ آہستہ بڑھتا رہتا ہے اس کے حواس و قویٰ روز بروز نیا رنگ پلٹتے رہتے ہیں، بالغ ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، آخر بوڑھا ہو کر پھر اپنی اصل میں جا ملتا ہے۔ یہی حال اور چیزوں کا ہے اگرچہ ان کی عمروں میں تفاوت ہے۔ مچھر سے لے کر ہاتھی تک، اشجار سے لے کر احجار تک سب میں یہ تفاوت اعمار کا سلسلہ چلتا ہوا نظر آتا ہے جو چیزوں کی پیدائش و فنا کی دلیل ہے۔

اگرچہ ہم نے اپنی دنیا کو پیدا ہوتے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے اور شاید اس کے فنا کو بھی اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں گے۔ مگر چونکہ دنیا انہیں اجزاء کا مجموعہ ہے جس کی پیدائش و فنا ہم ہر وقت اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں تو بحکم علوم متعارفہ (۳) جو حال جزو کا ہوتا ہے وہی کل کا ہوتا ہے مثلاً اگر ایک قطرہ پانی کا مرکب ہو تو تمام سمندر کا پانی مرکب ہوگا کل دنیا پر یقینی حکم لگا سکتے ہیں کہ دنیا پیدا شدہ ہے اور فانی ہے اور اس کا پیدا ہونا اور فنا ہونا اس کے اجزاء کے تغیر و تبدل سے معلوم ہوتا ہے بس معلوم ہوا کہ دنیا کا پیدا کرنے والا

اور فنا کرنے والا کوئی ضرور ہے جو ہم سے ممتاز ہے اور وہی ذات جو واجب الوجود ہے، صفات کمالیہ سے متصف ہے، خالق افعال ہے، مالک وحاکم ہے، منزہ ہے ہر نقص وزوال سے، ازلی اور ابدی ہے، اور اسی کو اللہ اور الٰہ حقیقی کہتے ہیں۔

علوم متعارفہ (۲) صفت ذاتی اپنے موصوف سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے ذائقہ کی صفت جب تک زبان ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ دنیا کی پیدائش کے واسطے کسی بیرونی فاعل کی ضرورت نہیں بلکہ خود طبیعت وفطرت سے دنیا کی پیدائش ہوتی ہے جیسے بیج، مٹی، پانی، ہوا، روشنی کے ملاپ سے گھاس درخت وغیرہ چیزیں بن جاتی ہیں اور سمندر اور ہوا کے ملنے سے لہریں اسی طرح تمام عالم عناصر کی تاثیر وخاصیت سے پیدا ہوا ہے، اس کی پیدائش کے واسطے کسی خارجی امر کی ضرورت نہیں تو ہم اسے دریافت کریں گے کہ فطرت سے پیدا ہونے کے کیا معنی ہیں؟ آیا پیدائش ان اشیاء کی صفت لازمی ہے یا عارضی؟ اگر پیدائش صفت ذاتی ہے تو بموجب علوم متعارفہ (۲) (۳) صفت ذاتی اپنے موصوف سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے ذائقہ کی صفت جب تک زبان ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔ ہمیشہ پیدائش برقرار رہنی چاہئے کبھی فنا نہ ہونی چاہئے۔ مگر یہ مشاہدہ کے برخلاف ہے۔ اگر کہو کہ فنا بھی طبعی اور لازمی ہے تو پیدائش وفنا دونوں صفات لازمی ہو جائیں گی اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہوگی تو پیدائش بھی نہ ہونی چاہئے اور یہ بھی واقعہ کے برخلاف ہے۔ اگر پیدائش کو بغیر کسی خارجی امر کے فنا پر ترجیح دوگے تو بحکم علوم متعارفہ (۴) لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہو سکتا جیسے ششہ کا دو دو

سے جدا نہیں ہو سکتی۔ ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی، اور یہ محال ہے، مثلاً اگر ایک میزان کے ہر دو پلڑے میں ایک سیر کا بٹہ پڑا ہوا ہو تو ان میں سے کوئی بھی نہیں جھکیگا، ہاں جب ایک طرف کے باٹ کے ساتھ کوئی دوسرا چیز ڈال دوگے تو مائل ہو جائیگا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو مساویوں میں سے ایک کو راجح کرنے کے لئے کسی امر خارجی کی ضرورت ہوا کرتی ہے پس عناصر میں پیدائش وفنا کی صفت ذاتی نہ ہوگی بلکہ عارضی ہوئی اور عارضی کے لئے کسی بیرونی ترجیح دینے والے کی ضرورت ہوگی اور وہی ترجیح دینے والا میرا اللہ ہے۔

پس اللہ کا ہونا ضروری ہے اور یہی مطلوب تھا۔

اگر کوئی کہے کہ ہم اس دنیا کا کوئی فاعل نہیں مانتے نہ اندرونی نہ بیرونی بلکہ وہ خود بخود ہے ازلی ابدی ہے اور اس کے واسطے کسی فاعل کی ضرورت ہی نہیں جیسے فاعل کے واسطے فاعل اور مصدر کے واسطے مصدر اور علت اولیٰ کے واسطے دوسری علت نہیں ہوا کرتی اسی طرح اس دنیا کے واسطے بھی کسی قسم کے فاعل کی ضرورت نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں تمہارا یہ قیاس مع الفارق ہے، مشاہدہ کے برخلاف ہے کیونکہ ہم دنیا کے اجزاء میں اتصال وانفصال دیکھتے ہیں جو ایک قسم کا فعل ہے اور بحکم علوم متعارفہ (۱) فعل کا وجود بغیر فاعل کے ناممکن ہے جیسے لکھنا بغیر کاتب کے، بولنا بغیر لافظ کے۔ فعل بغیر کسی قسم کے فاعل کے خواہ طبعی ہو یا خارجی ہو نہیں سکتا، اس واسطے دنیا کو بغیر فاعل کے ماننا بے دلیل ہے پس دنیا ازلی وابدی نہیں ہو سکتی اور اس کا فاعل اس کی طبیعت بھی نہیں ہو سکتی جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے تو ضرور کہنا ہوگا کہ اس کا فاعل کوئی امر خارجی ہے اور وہی واجب الوجود،

صفات کمالیہ سے موصوف، خالق افعال، مالک و حاکم یعنی اللہ ہے۔

ثبوت دوم

دعویٰ:

دنیا کا کوئی حرکت دینے والا ہے

دلیل:

کیونکہ ہم عناصر میں حرکت پاتے ہیں اور حرکت محرک کے وجود سے ہوتی ہے۔ اس واسطے عناصر کا کوئی محرک ہے اور اسی کو اللہ کے نام سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ دلیل کا مقدمہ (کبریٰ) بحکم علوم متعارفہ (۱) بدیہی ہے محتاج دلیل نہیں۔

اللہ مقدمہ صغریٰ (عناصر میں حرکت پائی جاتی ہے) کسی قدر قابل تشریح معلوم ہوتا ہے۔ علماء ہیئت و نجوم کا یہ مسئلہ مسلمہ ہے کہ اس دنیا میں بیشمار کُرے موجود ہیں جو اپنے اپنے مرکز کے گرد حرکت کرتے ہیں، ان کے اقوال سے عناصر میں حرکت تو ثابت ہے اور یہ بات بھی مسلمہ ہے کہ عناصر میں شعور نہیں ہے اور بے جان کو حرکت میں لانے کیلئے کسی بیرونی طاقت کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور وہ بیرونی طاقت کوئی انسانی روح ہو نہیں سکتی کیونکہ روح کی طاقت محدود ہے اور محدود طاقت والی چیز ایک غیر متناہی چیز کو کیونکر حرکت دے سکتی ہے۔ غیر محدود کو حرکت میں رکھنا بھی کسی غیر محدود طاقت کا کام ہے اور وہی غیر محدود طاقت اللہ ہے، جس کی ضرورت عناصر ظاہر کر رہے ہیں۔

گھڑی وغیرہ کلوں کو جب ہم حرکت میں دیکھتے ہیں تو یہ یقین ہوتا ہے کہ ضرور کسی ذی شعور نے اپنی حکمت و عقلمندی سے انکے پرزوں کو چلتا کر دیا ہے، اگرچہ اس کاریگر ہم نے آنکھوں سے نہیں دیکھا ہے مگر اس کے وجود کا یقین ہمارے دل میں راسخ ہوتا ہے کیونکہ ہم ہر وقت دیکھتے ہیں کہ غیر مدرک چیز کی حرکت قسری و جبری و غیر طبعی کسی مدرک کے سہارے سے ہوتی ہے، مٹی کا ڈھیلا خود بخود اڑ کر فضا میں نہیں چلا جاتا بلکہ جب کوئی ذی شعور کسی آلہ سے اس کو کسی طرف پھینکتا ہے تو اس کی طاقت کے موافق حرکت میں آکر پھر زمین پر گر پڑتا ہے، اگر اس میں حرکت طبعی ہوتی تو چاہئے تھا کہ کسی حال میں بحکم علوم متعارفہ (۲) صفت ذاتی اپنے موصوف سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے ذائقہ کی صفت جب تک زبان ہے اس سے منفک نہیں ہو سکتی، غیر متحرک نہ ہونا اور یہ خلاف واقعہ ہے۔

پس عناصر کے متحرک ہونے سے بھی وجود کو واجب الوجود کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہم کروں کی حرکت کو طبعی نہیں مانتے ہیں اور ان کی محرک خود طبیعت ہے کسی غیر کی ضرورت نہیں ہے جن کی طرف ان کی حرکت منسوب کی جائے تو اس کا الجواب تو یہ ہے کہ حرکت کے معنی ہیں کسی جسم کا اپنے ارادہ سے اپنی جگہ کو بدلنا اور عناصر کی صفت بباعث غیر مدرک ہونے کے مفقود ہے، تو کروں میں حرکت طبعی کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور اگر یہ بات تسلیم بھی کی جائے کہ ان میں حرکت طبعی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حرکت کے واسطے سکون لازم ہے، ہر حرکت کے واسطے دو سکون کا ہونا ضروری ہے۔

حرکت کے اول بھی اور حرکت کے بعد بھی!

اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر سکون بھی ان میں طبعی ہے تو حرکت کا وجود نہیں ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ مساوی ہیں

ایک چیز دوسری چیز پر بغیر کسی خارجی طاقت کے غالب نہیں آسکتی ورنہ بحکم علوم متعارفہ (۴) لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہوسکتا جیسے سفیدی دودھ سے جدا نہیں ہوسکتی، ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی اور وہ محال ہے اور محال باطل ہوا کرتا ہے تو سکون طبعی ماننا بھی باطل ہوا اور اس سے حرکات کا طبعی ہونا بھی باطل ہو جائیگا کیونکہ جو حال لازم کا ہوتا ہے وہی اس کے ملزوم کا ہوتا ہے۔ جب حرکت طبعی باطل ہوگی اور کسی بیرونی محرک کی ضرورت پڑی اور وہی بیرونی محرک اللہ ہے اور یہی مطلوب تھا۔

ثبوت (۲) :-

دعویٰ :- موجودات کا کوئی انتظام کرنے والا ہے

دلیل :- کیونکہ موجودات دنیا میں خاص انتظام و ترتیب موجود ہے اور ہر ایک قسم کا انتظام کرنے والے کے بغیر ہو نہیں سکتا۔ پس انتظام کے واسطے کسی منتظم کی ضرورت ہے اور وہی اللہ ہے اور یہی مطلوب تھا۔

مقدمۂ کبریٰ یا جملۂ ثانیہ (بحکم علوم متعارفہ (۱) ایک بدیہی اور صاف ہے، محتاج برہان و دلیل نہیں، البتہ مقدمہ صغریٰ یا جملۂ اولیٰ لائق تشریح نہیں ہے۔

ہم اگر بازار میں جائیں اور وہاں چند جاگہ پر روپے پیسوں کے ڈھیر لگے پائیں جو خاص تعداد و ترتیب سے خاص انتظام میں جکڑے ہوئے معلوم ہوں تو ضرور عقل گواہی دیگی کہ ان ڈھیروں میں خاص خاص تعداد اور ترتیب میں ہونا اتفاقی امر نہیں، بلکہ کسی کے انتظام دینے اور جوڑنے سے ہے اسی طرح جب ہم زمین، سورج، چاند، ستارے وغیرہ اجسام اور ہر کو ایک خاص انتظام سے چلتا ہوا دیکھتے ہیں اور کسی حالت میں اس انتظام سے پیش و پیش ہوتے اور بے قاعدگی اختیار کرتے ہوئے دیکھتے اور ہم انسان کو بھی ان کا منتظم نہیں پاتے تو عقل نہایت وثوق و یقین سے شہادت دیتی ہے کہ ان کو انتظام میں رکھنے والی کوئی طاقت ہے جو سب طاقتوں سے اعلیٰ ہے اور وہی اللہ والٰہ ہے

اگر کہا جائے کہ ان اشیاء میں انتظام کی صفت طبعی و ذاتی ہے اور اس کے لئے کسی بیرونی فاعل کی ضرورت نہیں ہے تو اس کی تردید ہم پہلے ہی کر چکے اور بتلا چکے ہیں کہ ان میں صفات طبعی ہو نہیں سکتیں، ورنہ بحکم علوم متعارفہ (۴) لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہوسکتا جیسے سفیدی دودھ سے جدا نہیں ہوسکتی ——— ترجیح بلا مرجح لازم آئیگی۔

(باقی آئندہ)

ایک معاشی و معاشرتی حل

سید اظہر حسین ہاشمی

وَانۡكِحُوا الۡاَیَامٰی ـــــ بیوہ کا عقد کرو

تم نے ایک مدت مدید سے اپنی آنکھوں پر خود غرضی و خود بینی کے شیشے چڑھا لئے ہیں جن میں بجز ذاتی مفاد و اغراض کے کچھ نظر نہیں آتا جس کی بین دلیل یہ ہے کہ ـــ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ کا سبق از بر یاد ہے کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں سر براہ کار ہیں، ان کو فضیلت حاصل ہے، مگر ـــ وَانۡكِحُوا الۡاَیَامٰی کی ہدایت خداوندی کو بھول گئے کہ بیوہ کا عقد کر دو

بیوہ کا عقد تمہاری خود ساختہ سوسائٹی سے جو تمہاری ہی وضع کردہ رسم و رواج کے مجموعہ کا نام ہے، میل نہیں کھاتا، بیوہ کا عقد خاندانی وقار کے منافی اور ذلت و رذالت کا سبب ہے، زمانۂ جاہلیت کی طرح گھر بٹھائے رکھتے ہو، یہ روشن خیالی کا دور ہے کہ ہر اچھی بری بات کا ذمہ دار اپنے مذہبی رہنماؤں کو قرار دیتے ہو، درآں حالیکہ تم خود اپنے اعمال و کردار کے ذمہ دار ہو، اس کے نفع نقصان سے بری الذمہ نہیں ہو سکتے، یہ گریز و فرار کا راستہ ہے جو خود غرضی و خود مطلبی کا نتیجہ ہے۔

یثرب کے ہاشمی، فاران کے مسافر، عرب کے چاند، اشرف الانبیاء، محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا مکمل نمونہ تمہارے پاس موجود ہے مگر تم نے اس مقدس نمونہ کی ساری کائنات کو اپنے ہی ہاتھوں گنوا دیا، تم تہی دست و تہی دامن ہو کر رہ گئے، اور آج دوسروں سے پوچھتے پھر رہے ہیں کہ مسلمان بہترین امت ہیں پھر ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ اس کا جواب تمہارے اعمال و کردار اور روزمرہ کے مشاغل ہیں، ارادے اور نیت ہے، تم اس کے جلال و جبروت کی مضبوط گرفت میں ہو اس وقت تک چھٹکارا نہ پاؤ گے جب کہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں جیسے مثالی نمونہ نہ بن جاؤ گے۔

کیا تم نے اپنے اطراف و اکناف میں یا اپنی چھوٹی سی بستی میں یہ معلوم کرنے کی زحمت گوارا کی ہے کہ کتنی بیوائیں تنہائی میں غم و اندوہ کی زندگی کے دن پورے کر رہی ہیں ان میں ادھیڑ بھی ہیں، جوان العمر بھی، کم سن بھی، اگر غریب گھرانے کی ہیں تو کسی عزیز کے سر بار ہیں، بیوگی کے ستم سے دوچار ہیں اگر متوسط گھرانے سے تعلق رکھتی ہیں زندگی ان کی بھی بے لطفی و بے کیفی سے خالی نہیں، دوسروں کی منت پذیر ہیں، اگر خوشحال گھرانے کی ہیں بیوگی ان کے لئے بھی سوہان روح ہے اس طرح یہ زندگی کب تک گذاریں، کب تک دوسروں کی دست نگر رہیں، رفاقت و مجالست کی زندگی کس کو پسند نہیں

خوشگوار زندگی کون بسر کرنا نہیں چاہتا، کس کا دل ان کے حالِ زار سے متاثر نہیں اور درد سے بھر نہیں آتا۔

کل جس کو تم نے آغوش پدرانہ میں پرورش کیا، ہر آن جان چھڑکی، کوئی لمحہ لطف و مرحمت سے خالی نہ رہا، ناز برداری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا، جب سن و سال کو پہونچی تو رفیق و حبیب تلاش کیا، گھر سے رخصت کیا تو دل کا نذرانہ بھی ساتھ کر دیا، مفارقت کے دو آنسو بھی ٹپکائے، مگر جب وہی نور دیدہ بیوہ ہو گئی، ستم کا کوہِ گراں ٹوٹ پڑا تو تمہاری آنکھیں پھر گئیں جس طرح طوطا نگاہیں پھیر لیتا ہے مشیت ایزدی میں کس کو مجال دخل ہے، اس میں بیوہ کا کیا قصور؟

چمنستان قدرت کی آبیاری اور کارخانۂ عالم کی گل کاری آدم و حوا کے ارتباط باہمی اور میل جول سے قائم ہے دنیا کے اسٹیج پر روز و شب کے پردے اٹھتے اور گرتے رہتے ہیں، ابنا آدم اور بنت حوا، اپنے کھیل تماشے دکھاتے رہتے ہیں، یہ روز ازل سے ہے اور تا بہ ابد قائم رہیگا مبدأ فیاض نے کشش و انجذاب ودیعت کیا ہے، یہ لطیف اشارہ سربستہ راز ہے، گرمی بازار انھیں سے ہے اور عالم کی رونق انھیں دونوں کے دم سے ہے، ورنہ یہ وحشت کدہ اور ویران ہے، یہی سبب ہے کہ دونوں کا رشتہ مرنے کے بعد ہی منقطع ہوتا ہے، جب منشاء قدرت یہی ٹھہرا تو بیوہ اس حق سے کیوں محروم رہے اور تم اس وقت کیا منہ دکھاؤ گے اگر وہ بیوگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود مختاری کا اعلان کر دے اس وقت تمہاری سوسائٹی کے سارے تار و پود بکھرے نظر آئیں گے۔

اسلام نے رنگ و نسل، ذات و فرقہ، کنبہ و قبیلہ کے سارے امتیازات ختم کر دئے اونچ، نیچ، عزت و عظمت، قدر و منزلت کا معیار صرف تقوی کو قرار دیا اس معیار نے ازدواجی زندگی اور رفاقت کے دروازے کھول دئے، اب اگر کوئی خود ان بندھنوں میں جکڑ لے تو "خود کردہ را علاجے نیست" کے سوا اور کیا کہئے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے عورتوں کے حقوق کے بارے میں خاص توجہ دلائی ہے، حقوق وراثت پر عملدرآمد، نرمی و صلہ رحمی کی تلقین اور اسی ضمن کے حقوق میں عقد بیوگان بھی شامل ہے، خود آنحضرت ؐ نے اپنا پہلا عقد ایک بیوہ خاتون حضرت خدیجۃ الکبری رضی اللہ تعالی عنہا سے فرمایا جو آپؐ سے عمر میں بڑی تھیں، گویا عقد و مناکحت اور ازدواجی زندگی میں بیوگی مانع ہے نہ عمر کی تخصیص و تعین حارج، حضورؐ نے فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت کی طرف نہ لوٹ جانا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ زمانہ جاہلیت کی طرف الٹے پاؤں واپس جا رہے ہو۔

بیوہ کے عقد میں معاشی و معاشرتی اصلاح و فلاح بھی مضمر ہے، اعزہ و اقربا کے لئے اس کے بار سے سبکدوشی ہے، بیواؤں سے ہمدردی و اعانت بھی ہے، سماجی سود و بہبود بھی ہے اور انسانی فرض کی ادائگی بھی ہے جو ہر بنی نوع انسان کو ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔

[illegible] ۱۹۸۲ء سے، مسلم مستورات کا ایک گروہ مسلم پرسنل لا کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے، دراصل اسکا مقصد مسلم پرسنل لا کے بعض جزو پر عمل درآمد کے لئے توجہ دلانا ہے جس میں عقد بیوگان بھی شامل ہے۔

اشتیاق حسین ـــــــــــــــ علی گڑھ

زندگی میں کامیابی کا انحصار سیکھنے پر ہے
وہ زندگی خواہ کسی انسان کی ہو یا جانور کی ۔ زندگی بحیثیت مجموعی ہو یا زندگی میں پیش آنے والے مختلف مراحل ، ہر مرحلہ پر ، زندگی کے ہر موڑ پر اور زندگی کے ہر میدان میں جو چیز ہمیں ناکامیوں سے بچاتی اور کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے وہ سیکھنا ـــــ LEARNING ہی ہے ۔

قبل اس کے کہ ہم آگے بڑھیں سیکھنے کے مفہوم و مطلب سے واقف ہو جانا ضروری ہے ۔

انسان یا کسی بھی جاندار کے کسی فعل یا عمل میں ایک خاص قسم کی تبدیلی اور تعین کو سیکھنا کہتے ہیں ، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ضروری ہے کہ یہ تبدیلی ، تجربہ ، گذشتہ واقعات پہلے سے موجود شدہ حقیقتوں اور ان کے علم کی بنیاد پر واقع ہوئی ہو ۔ اسے ذیل کی مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے ؛

۱۵ ـ ۲۰ سال کا ایک نوجوان بآسانی سائیکل چلا سکتا ہے باوجودیکہ صغر سنی میں پیدل بھی نہیں چل سکتا تھا ، اس کے عمل میں یہ تبدیلی سائیکل چلانے کی کوشش (جو کہ ایک گذشتہ واقعہ ہے) کے سبب واقع ہوئی

ایک بیمار شخص مختلف ڈاکٹروں کے پاس جاتا ہے لیکن ایک ڈاکٹر کے علاوہ کسی اور کا علاج اسکو موافق نہیں آتا ، نتیجۃً وہ ہر بیماری میں اسی کے پاس جانے لگتا ہے ، اس کے اس خاص عمل کا تعین پچھلے واقعات کی بنیاد پر ہوا ہے ۔

ایک کتا اپنے مالک کے سامنے آتے ہی دم ہلانے لگتا ہے کیونکہ گذشتہ واقعات نے اسے بتا دیا ہے کہ یہ شخص اس کا مشفق ہے ۔

ایک چوہا بلی کی شکل دیکھتے ہی بل میں گھسنے کی تدبیر کرنے لگتا ہے کیونکہ گذشتہ واقعات نے بتا دیا ہے کہ بلی سے حفاظت بل میں داخل ہو کر ہی ہو سکتی ہے ۔

ایک شخص جس کے کمرے میں سونے کے وقت کے لئے پیلا بلب لگا تھا ، اس کو بدل کر ہرا بلب لگا تا

ہے، اسلئے کہ پچھلے تجربہ نے بتا دیا ہے کہ بیلا بلب تکلیف دہ ہے۔

ایک طالب علم درجہ میں اپنا سبق فر فر سنا دیتا ہے اس لئے کہ اس نے اسے بار بار پڑھ کر یاد کرنے کی کوشش کی ہے جو کہ ایک گذشتہ واقعہ ہے۔

ان تمام مثالوں میں بعد میں پیش آنے والا ہر عمل کسی تعین یا خاص تبدیلی کے ساتھ گذشتہ واقعات، اعمال، یا ان کے علم کے نتیجہ میں واقع ہوا ہے ـــــ لہذا ان تمام اعمال کی بنیاد سیکھنے پر ہے یا انھیں ہم سیکھا ہوا عمل۔ LERNING BEHAVIOUR ـــ کہہ سکتے ہیں۔

سیکھنا ذہنی عمل کے اعتبار سے موٹے طور پر دو طرح کا ہوتا ہے۔

(۱) غیر ارادی اور غیر شعوری ـــــــــ UNINTENTIONAL AND UNCONSCIOUS یا

(۲) ارادی اور شعوری INTENTIONAL AND CONSCIOUS ـــــــ ارادی اور شعوری اسے کہتے ہیں جس میں انسان قصد کر کے کسی چیز کو سیکھنے کی کوشش کرے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی اس کوشش سے واقف بھی ہو اور ــــــ غیر ارادی یا غیر شعوری اسے کہتے ہیں کہ جب بغیر کسی ارادے یا منصوبے کے واقعات اور افعال کے رونما ہونے کے نتیجہ میں خود بخود ایک جاندار کچھ سیکھ لیتا ہے اور خود وہ انسان یا جاندار بھی اپنے اس سیکھنے سے واقف نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا مثالوں میں سائیکل سیکھنا، سبق یاد کرنا وغیرہ شعوری اور ارادی طور پر سیکھنے سے متعلق ہیں۔

برعکس ان کے بیمار شخص کا ایک مخصوص ڈاکٹر کے پاس جانا ـــ ہرا بلب لگانا اور جانوروں کی تمام مثالیں غیر شعوری اور غیر ارادی سیکھنے سے متعلق ہیں۔

لیکن عملی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم سیکھنے کو ایک دوسرے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

(۱) ادراکی COGRITIVE LEARNING

ادراکی سیکھنے سے مراد وہ سیکھنا ہے جس میں انسان کو کسی بھی حقیقت کے بارے میں فہم حاصل ہوتا ہے یا یہ کہ کسی بھی شے کی معنوی حقیقتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی شعر کا مطلب سمجھنا ـــ یا ریاضی وغیرہ کے فارمولے سمجھنا ــــ اس میں دماغ کو دوسرے قسم کے سیکھنے کے عمل سے زیادہ عمل کرنا پڑتا ہے لہذا خاص فرض اس میں دماغ کا ہی ہوتا ہے، اس میں ہاتھ پیر وغیرہ کا کوئی رول نہیں ہوتا اور نہ ہی زبان، آنکھ، کان ناک وغیرہ کی اتنی اہمیت ہے۔

(۲) زبانی سیکھنا VERBAL LEARNING

اسمیں زبان کو خاص عمل کرنا پڑتا ہے، مثلاً ایک طالب علم کا سبق کو رٹ کر اسے فر فر سنا دینا ـــــ ظاہر ہے رٹنے اور فر فر سنا دینے کا عمل زبان کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

(۳) حسی سیکھنا PERCERTUAL LEARNING

؏ لفظ حسی میں نے PERCEPTUAT کا ترجمہ کیا ہے جو علم نفسیات کی ایک خاص اصطلاح ہے، اس ترجمہ سے میں خود بھی مطمئن نہیں ہوں، ایک لفظ اور بھی ذہن میں آتا ہو وہ ہے

جب انسان یا کوئی جانور اعضائے حواس (آنکھ کان، ناک، زبان اور کھال (چھونا)) کے ذریعہ کچھ چیزوں یا حقیقتوں کا علم حاصل کرکے سیکھتا ہے ۔ اسی کو حسّی سیکھنا کہتے ہیں ۔

ایک موٹر ڈرائیور چورا ہے پر سرخ بتی روشن دیکھ کر موٹر روک لیتا ہے اور ہری بتی جلتی دیکھ کر موٹر چلانے لگتا ہے ، آنکھ ہی کے ذریعہ اس نے دو بتیوں میں فرق کیا اور اسکی بنیاد پر مختلف عمل اختیار کیا ۔

(۴) فعلی سیکھنا MOTRIC LEARNING

اس میں اندرونی طور پر جسم کی نسوں MUSC LES اور خارجی طور پر جسم کے اعضاء بالخصوص ہاتھ پیر وغیرہ کو خاص طریقے سے حرکت دیکر کوئی چیز سیکھی جاتی ہے ۔ جیسے کہ سائیکل والی مثال ـــــــ سائیکل چلانا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ ہاتھ پیر کو ایک خاص طرح سے حرکت نہ دی جائے

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف قسم کے سیکھنے میں جسم کے مختلف اعضا کی ضرورت پڑتی ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ ایک قسم کے سیکھنے میں دوسرے اعضاء کا کوئی رول نہیں ہوتا یا وہ غیر متعلق ہوتے ہیں ـــــــ ـــــــ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے سیکھنے میں مختلف اعضاء کی ضرورت پڑتی ہے ـــــ

مثال کے طور پر ریاضی کے فارمولوں کو سمجھنا ـــ لے لیجئے ـــــ اس میں کوئی شک نہیں کہ سمجھنا دماغ ہی کے ذریعہ ہوتا ہے ، لیکن جب تک کوئی شخص کان سے ان فارمولوں کو سن نہ لے یا آنکھوں سے لکھا ہوا دیکھ نہ لے انھیں سمجھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ـــــ اسی طرح سے زبانی رٹ لینے میں بھی جب تک زبان کی نسوں ـــــ MUSCLES کو حرکت نہ دی جائے گی یہ عمل ممکن نہیں ، اور سائیکل چلانا جو کہ ایک MOTRIC یعنی نسوں کا عمل ہے بغیر دماغ کے ممکن نہیں ، وغیرہ وغیرہ

لیکن تقسیم کا مقصد ایک تو یہ بتانا ہے کہ مختلف قسم کے سیکھنے میں مختلف قسم کے اعضاء خاص طور پر ذمہ دار ـــ RESPONSIBLE ہوتے ہیں جن کے بغیر وہ سیکھنا ممکن ہی نہیں ہے اور دوسرا مقصد ان عملی مسائل سے نمٹنا ہے جو زندگی کے مختلف میدانوں میں مختلف انداز اور مختلف سمتوں سے آتے ہیں ـــ مثلاً جو اصول آپ ریاضی کے فارمولوں کو سمجھنے کیلئے بناتے ہیں بعینہ وہی اصول سائیکل سیکھنے میں ممد و معاون نہیں ہو سکتے ہیں ـــــ اسلئے ہمیں مصنوعی تقسیموں کا سہارا خواہ مکمل طور پر ایک دوسرے سے ممیز نہ سہی لینا ہی پڑتا ہے ۔

لیکن جہاں تک دماغ کا سوال ہے وہ تقریب قریب ہر قسم کے سیکھنے میں لازمی طور پر عمل کرتا ہے اور وہ سب کی بنیاد ہے ۔ دماغ کے بغیر چند کو چھوڑ کر (جنکے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے) باقی اقسام کا سیکھنا ممکن ہی نہیں ہے ، اگرچہ ادراکی سیکھنا یا COGNITIVE LEARNING ـــ میں اس کا ایک خاص اور اہم رول

٭ شعوری ۔ ــــــ لیکن اردو میں یہ لفظ دوسرے معنوں میں بولا جاتا ہے اسلئے اسے ترک کر دیا گیا ۔ ناظرین لفظ پر زور نہ دیں بلکہ اس کے ضمن میں کی گئی تشریح پر توجہ دیں ۔

ہوتا ہے اور وہ "سمجھنے" کا عمل ہے۔

یہاں تک سیکھنے کے متعلق اصولی بحث تھی، اب ہم عملی پہلو سے متعلق کچھ اصول بیان کریں گے۔ یہ وہ اصول ہیں جن سے سیکھنے کو کامیاب بنایا جا سکتا ہے یا ان سے مدد مل سکتی ہے۔

لیکن یہ اصول طلباء کو پیش آنے والے مسائل کے متعلق ہیں اور چونکہ طلباء کو جن اقسام کے سیکھنے سے واسطہ پڑتا ہے بالعموم دو طرح کی ہیں۔

(۱) ادراکی سیکھنا

(۲) زبانی سیکھنا

اس لئے ان کا تعلق ان ہی دو اقسام کے سیکھنے سے ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ ادراک کے ذریعہ سیکھنا یا سمجھنا بہ نسبت زبانی رٹنے کے زیادہ اہم اور ضروری ہے کیونکہ علم حاصل کرنے کا مقصد چیزوں کا سمجھنا اور ان کی حقیقتوں کو پالینا ہے نہ کہ زبانی رٹ لینا، لیکن زبانی سیکھنا بھی غیر ضروری یا بے فائدہ نہیں۔ اس لئے کہ اکثر چیزوں کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان کو رٹنا بھی ضروری ہوتا ہے، علم کے میدان میں مختلف ناموروں کے نام ان کے مقولے ـــــ QUOTATIONS مختلف اصطلاحات ـــ TERMINOLOGY ریسرچ اسکالرز یا محققین کے مختلف نتائج FINDINGS ریاضی اور دیگر سائنسی علوم میں فارمولے، جغرافیہ اور تاریخ میں مقامات کے نام، ان کی خصوصیات اور تاریخیں وغیرہ ـــ لہٰذا ہمیں وہ طریقے اپنانا چاہئیں جو دونوں قسم کے سیکھنے میں مدد کریں۔

اب ہم اصول اور کچھ ضروری باتیں بتائیں گے جو عملی طور پر ہمارے لئے ممد و معاون ہو سکتی ہیں۔

(۱) سب سے پہلی چیز جو ان دونوں قسم کے سیکھنے کیلئے ضروری ہے وہ ہے ذہنی سکون اس لئے کہ دماغ میں شعوری حالت میں ایک وقت میں صرف ایک ہی چیز جگہ پا سکتی ہے، سیکھنا ہو، سمجھنا ہو یا رٹنا، دونوں حالتوں میں ضروری ہے کہ دماغ میں اس وقت اور دوسرے خیالات و تفکرات موجود نہ ہوں ـــــ سمجھنے میں تو اس لئے کہ چیزوں کو سمجھنے کا آلہ ذہن ہی ہے، جب وہ یکسو ہو کر کام نہ کرے گا تو کس طرح سے یہ عمل ممکن ہو سکیگا ـــــ اور رٹنے میں بھی زبان کے علاوہ ذہن کی مدد ضروری ہے جہاں ہنگامہ یا شور و غل ہو رہا ہو تو رٹنے سے بھی کوئی چیز یاد نہیں ہوتی، لہٰذا جب بھی ہم گھر میں یا اور کسی جگہ مطالعہ کریں تو اس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ دماغ میں پہلے سے موجود الجھنوں کو دور کریں اور کسی ایسی جگہ کا تعین کریں جہاں کسی ہنگامہ کے سبب دماغی سکون میں خلل نہ پڑے۔

(۲) لیکن دماغی سکون میں مخل ہونیوالی چیز صرف شور و غل یا پہلے سے موجود الجھنیں ہی نہیں ہیں بلکہ ایک اور چیز جو ہمارے ذہنی سکون کو متاثر کرتی ہے وہ ہے نیا پن ـــ NOVELTY یہ نیا پن کسی بھی چیز میں کسی بھی قسم کا ہو سکتا ہے ـــ مثلاً نئی جگہ، نیا مضمون ـــ نیا وقت، نئی پوزیشن ـــ

یہ چیزیں ہمارے ذہنوں میں ایک تناؤ TENSION پیدا کرتی ہیں اور یہ تناؤ اس وقت تک دور نہیں ہوتا جبتک

کہ ہم اپنے کو اس میں ADJUST (موزوں) نہ کرلیں اور اس موزونیت یا ADJUSTMENT میں بسا اوقات دو تین دن لگ جاتے ہیں اور بعض حالات میں ایک آدھ ہفتہ بھی ناکافی ہوسکتا ہے، لہٰذا وہ وقت جو مطالعہ یا سیکھنے میں لگنا چاہئے تھا ـــــ ADJUSTMENT میں لگ جاتا ہے

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عمر بھر کبھی بھی کوئی جگہ وغیرہ نہ بدلی جائے بلکہ جب ضروری ہو تو بدلنے سے گریز نہ کرنا چاہئے، لیکن ہر روز، ہر دو تین دن میں ہر ہفتہ یا ہر ماہ جگہ بدلنا ضرور مضر ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ بعض اوقات ایک ہی جگہ یا ایک ہی حال پر رہتے ہوئے اکتاہٹ سی ہو جاتی ہے، درحقیقت اس وقت نہ بدلنا مضر ہوتا ہے

مقصد یہ کہ ضروریات کے پیش نظر اور انسان کی فطری تلون مزاجی کی تسکین کے لئے جگہ وغیرہ نہ صرف یہ کہ بدلی جاسکتی ہے بلکہ ان کا بدلنا ضروری ہوجاتا ہے

(۳) تیسری چیز جو ضروری ہے وہ توجہ ـ ATTENTION ہے اور اس کا تعلق صرف سیکھنے ہی سے نہیں بلکہ ہر اس کام سے ہے جو انسان شعور کے ساتھ ارادی طور پر کرتا ہے۔ کسی بھی کام میں کامیابی کا بہت کچھ انحصار توجہ پر ہوتا ہے، بالخصوص دماغی کاموں میں تو ہم اس کے بغیر کامیابی کا تصور ہی نہیں کرسکتے۔

لیکن توجہ پیدا کرنا خود یہ ایک مسئلہ ہے لیکن اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ متعلقہ کام کیلئے محرک MOTIVE پیدا کیا جائے۔

محرک پیدا کرنے کا عمل دو طریقوں سے ہوسکتا ہے

(۱) دلچسپی پیدا کرنے سے اور (۲) افادیت کو پیش نظر رکھنے سے۔

دلچسپی پیدا کرنے سے مراد یہ ہے کہ متعلقہ کام میں کچھ ایسی چیزیں ڈھونڈھیں جنھیں دل پسند کرتا ہو اور اس لطف حاصل ہوتا ہو ـــ مثلاً اگر ہم سے کلاس میں کہا گیا ہے کہ اپنی نصاب کی کتاب میں سے ایک نظم زبانی رٹ کر لائی جائے اور دوسرے دن سنائی جائے تو ہم کتاب میں وہ نظم تلاش کرنے کی کوشش کریں، جس کا مضمون اور خیالات ہماری طبیعت کے موافق ہوں، نیز اسکی بحریں یا اشعار ایسے ہوں جنھیں حسن ترنم سے پڑھا جاسکے، لیکن ضروری نہیں کہ ہر چیز میں ہمارے لئے دلچسپی کا سامان موجود ہو یا اس میں ہم کوشش کرکے تلاش کرسکتے ہیں مثلاً ریاضی کے فارمولے اور سائنس کے عملی قانون ـ THEORETICAL LAWS وغیرہ ایسے موقعوں پر ہمکو دوسرے ذریعے سے مدد حاصل کرنا پڑے گی اور وہ ہے افادیت کو سامنے رکھنا، مثلاً اگر ان چیزوں کو وقتی طلبی کے سبب ان میں ہمارا دل نہ لگ رہا ہو اور طبیعت چاہ رہی ہو کہ سائنس اور ریاضی چھوڑ دی جائے تو ان کا یہ پہلو سامنے لانا چاہئے کہ انہی کے ذریعہ ہم علوم طبیعی PHYSICAL SCIENCE حاصل کرکے علم کے میدان میں آگے بڑھ سکتے اور دنیا میں ترقی حاصل کرسکتے ہیں، کیونکہ دنیا میں آج کل انہی کا سکہ چل رہا ہے، سوچیں کہ ان چیزوں کا انجام ہمارے لئے کس طرح سے بہتر ہوگا، یہ چیز فطری طور پر

ہمارے اندر ایک جذبہ اور ایک محرک MOTIVATION پیدا کردے گی جو ہمارے سیکھنے میں معاون ہوں گے۔ اس عمل سے ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کوئی غیر ضروری چیز ہوگی تو ہمارے سامنے آجائیگی اور اس میں فضول وقت گنوانے سے ہم بچ جائیں گے۔

(۴) ایک اور اہم چیز دماغ اور جسم کی تازگی ہے — کوئی بھی کام ہو جسمانی یا ذہنی، اچھی طرح سے اس کی ادائیگی تازگی میں ممکن ہے۔ اس کی غیر حاضری میں نہیں — تازگی کی غیر حاضری کا دوسرا نام تھکاوٹ ہے، اور تھکاوٹ اس حالت کا نام جس میں مستقل کام کرنے کے سبب ہمارے اعضاء حرکت میں کمی کر دیتے اور آرام مانگنے لگتے ہیں، اعضاء میں بھاری پن اور ہمارا دماغ دونوں ہی چیزیں آجاتی ہیں — اس واسطے صبح کا وقت مطالعہ کیلئے سب سے زیادہ موزوں ہوتا ہے بشرطیکہ سکون ہو کیونکہ اس وقت جسم و دماغ دونوں تازہ ہوتے ہیں۔

لیکن اس ضمن میں جو چیز زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ تھک جانے کے بعد مزید کام نہ کیا جائے۔ کم سے کم ذہنی کام تو بالکل نہ کیا جائے، مزید کام جو باقی رہ گیا ہو اسے پورا کرنے سے قبل تھوڑا آرام کر لیا جائے تاکہ تھکاوٹ تازگی میں بدل جائے ورنہ تھکاوٹ کے باوجود کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ذرا دیر کام کرنے کے بعد ہم بالکل جواب دیدیں گے اور ممکن ہے کام بھی پورا نہ ہوسکے۔

مطالعہ یا اور دوسرے کاموں کے درمیان تھوڑا سا وقفہ کر لینے سے بظاہر تو وقت کا اتنا نقصان ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ وقفہ ہمارے وقت کو بچاتا، ہمارے کام کو پورا کراتا اور مزید یہ کہ جسمانی صحت کو بھی نقصان سے بچاتا ہے۔

بعض اوقات دیکھا گیا ہے کہ ذہنی تھکاوٹ کے باوجود اگر ۱۵ — ۲۰ منٹ تک بھی ذہنی عمل اور جاری رکھا گیا تو اس کے بعد ذہن اس قدر بیکار ہو جاتا ہے کہ اس کے اعتدال NORMALTY تک آنے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں — اس طرح بظاہر ۱۵ ۲۰ منٹ کے فائدے نے گھنٹوں کا نقصان کرایا اور جسمانی طور پر نہ صرف یہ کہ دماغ کو متاثر کیا بلکہ بااوقات امراض قلب اور فساد ہضم وغیرہ کا سبب بھی بن جاتا ہے۔

فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو ہمارا مقصد جو کہ کسی چیز کا سمجھنا یا ذہن میں بٹھانا تھا وہ بھی پورا نہیں ہوتا — اس کے برعکس اگر ہم آرام کر لیں تو اب اس کے بعد جو کام کیا جائے گا، تجربات بتاتے ہیں کہ پہلے سے زیادہ رفتار کے ساتھ ہوگا۔

(۵) اس کے علاوہ ایک اور چیز ہے جس میں ہمیں توجہ دینا چاہئے اور وہ ہے سیکھنے کا مواد۔ LEARNING MATERIAL اگر مضمون بہت آسان ہے تو جلدی سمجھ میں آجائیگا، اس کے برعکس اگر وہ مشکل اور سخت ہے تو آسانی سے سمجھ میں نہیں آئیگا لیکن اس کے سبب اسے چھوڑ نہ دینا چاہئے بلکہ اُسپر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس کا بار بار

مطالعہ کیا جائے اور اس بات کے جاننے کی کوشش کی جائے کہ ہم کہاں کہاں غلطی ادا کر رہے ہیں ۔

(۶) بعض حالتوں میں ایک عمل اور مفید ہوتا ہے اور وہ ہے ایسوسی ایشن قائم کرنا ــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی سیکھنے والی چیز کو پہلے سے ذہن میں موجود شدہ چیزوں کے حوالے سے سمجھنا یا یاد کرنا ــــ مثلاً اگر انگلش لٹریچر کے طالب علم کو شکسپیر کی شاعری کے محاسن سمجھنا ہے اور وہ اردو ادب سے پہلے سے واقف ہے تو میر انیس کے محاسن شاعری کو سامنے رکھ کر اور ان میں ایک تعلق پیدا کر کے اسے سمجھے ۔ ان دونوں میں یکسانیت اور عدم یکسانیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے سے بات پورے طور پر اور جلد سمجھ میں آجاتی ہے ، یا اگر کوئی واقعہ ۱۹۴۷ء میں پیش آیا ہے تو یہ سوچ لے کہ آزادئ ہند کے سال یہ واقعہ پیش آیا وغیرہ وغیرہ ۔

اس سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ تقابلی جائزہ کی اہلیت آتی ہے ۔

(۷) اکثر مطالعہ کے لئے کمپنی کی ضرورت ہوتی ہے ، یعنی ہم جماعت طلباء کے ساتھ بیٹھ کر کسی موضوع TOPIC پر بحث کرنا ــــ لیکن یہ چیز اس وقت مفید ہوتی ہے جب متعلقہ موضوع پر پہلے سے دوسرے طلباء کے پاس کچھ علم ہو ، لہٰذا اس پر تبادلۂ خیال کرنے سے وہ پہلو جو اب تک سمجھ میں نہیں آتے تھے یا نظر سے پوشیدہ تھے صاف ہو جاتے اور سامنے آجاتے ہیں یا اگر پہلے سے تمام پہلوؤں پر جانکاری ہوتی ہے تو مزید نئے خیالات سامنے آجاتے ہیں ۔

(۸) کسی بھی چیز کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے میں ایک اور چیز جو مدد دیتی ہے وہ ہے تحریر یعنی کسی یاد کی ہوئی یا سمجھی ہوئی چیز کو بار بار رف کاغذ پر لکھا جائے ــــ اس لئے کہ کوئی بھی چیز اگر دماغ میں بٹھانی ہے تو اسمیں دماغی عمل کے ساتھ ساتھ اعضاء کی حرکات بہت متاثر کرتی ہیں ــــ اس کا نفسیاتی سبب ایک تو یہ ہے کہ ہم ہر بار لکھتے وقت اس مواد MATTER کو دماغ سے بار بار سوچیں گے اور دماغ میں ایک چیز کو بار بار لانے کے ہی دوسرے معنی دماغ میں بٹھا دینے کے ہیں ــــ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہماری نسیں ، اعصاب اور دماغ ایک دوسرے سے بہت متاثر INTERDEPENDANT ہوتے ہیں لہٰذا ہاتھ سے لکھنا جو کہ نسوں کا عمل MUSCLES BEHAVIOUR ہے دماغ کو متاثر کرتا ہے اور پھر اگر زبانی یاد کرنا ہے تو بار بار لکھنے سے ہماری غلطیاں بھی سامنے آئیں گی اور ہمارے ہجے SPELLING کی بھی اصلاح ہوگی ، اور اگر سمجھنے والی چیز ہے تو ہمارے اندر تحریری لیاقت WRITING ABILITY ــــ پیدا کرے گی ، اور پھر یہ طریقہ خصوصاً ہم طلباء کے لئے امتحانی نقطۂ نظر سے بھی بہت مفید ہے کہ موجودہ طرز تعلیم میں امتحانات میں سوالوں کے جوابات زیادہ تر تحریری ہوتے ہیں ۔

(۹) ابھی ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ کسی بھی چیز کو دماغ میں بٹھانے کے لئے اعضاء کو اسی کے مطابق حرکت دینے سے بہت مدد ملتی ہے ، اس کے لئے ایک

طریقہ تو تحریر تھا ـــــ دوسرا ہے افہام۔ مثلاً اپنے کلاس کے ان ساتھیوں کو جو کمزور ہوں یا جنھوں نے اب تک یہ موضوع نہ پڑھا ہو تفصیل کے ساتھ سمجھانا یہ تحریر سے بھی زیادہ مفید ہے، اس لئے کہ اس میں متعلقہ بات پر نسبتہ زیادہ سوچنے کا موقع ملے گا جو پورے طور سے ہمیں چیز کو یاد کرنے اور سمجھنے میں مدد دے گی اور پھر اس کے علاوہ دو فائدے ہیں۔ ایک تو یہ کہ جسکو ہم سمجھائیں گے اس پر ہمارا احسان رہے گا ـــــ دوسرے یہ کہ ممکن ہے وہ بیچ میں یا اس کے بعد اس کے متعلق ایسے سوالات اٹھائے جو اب تک ہمارے ذہن میں نہیں آتے تھے جن پر ہمیں اب مزید سوچنے کا موقع ملے گا۔

یہ تھے وہ اصول جن کو اپنا کر ہم اوراکی اور زبانی سیکھنے COGRITIVE AND VERBAL LEARNING ـــــ میں مدد حاصل کر سکتے ہیں ـــــ اگرچہ اس میں کچھ اصول ایسے بھی ہیں جو نہ صرف یہ کہ دوسرے اقسام کے سیکھنے میں معاون ہوں گے، بلکہ دوسرے کاموں میں بھی مدد دے سکتے ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کے بغیر سیکھا جا ہی نہیں سکتا۔ بلکہ یہ زیادہ تر FACILITATNG FACTORS معاون ہو سکتے ہیں●

افسانہ

انور حسین خاں نیوردی بارہ بنکی

یہ جانتا تو آگ لگاتا نہ گھر کو میں

احمد رہا کر دیا گیا ــــ آج پورے تین سال بعد اسے آزادی نصیب ہوئی تھی۔ اسے اپنی سزایابی کا رنج نہ تھا جب کہ اس نے غبن کے الزام میں سزا پائی تھی، لیکن نہ اس نے قید خانہ میں قدم رکھتے وقت شرمندگی محسوس کی تھی، اور نہ باہر نکلتے وقت ــــ اس نے ہنس ہنس کر جیل میں چکیاں چلائیں، پتھر کوٹے۔ کسی نے اس کو کبھی مغموم نہ دیکھا، ہمیشہ ہونٹوں پر تبسم تھا اور چہرے پر اطمینان کی جھلک۔

احمد نے انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی تھی اور سزایابی کے وقت وہ کسی ایک بنک میں کلرک تھا۔ اسکے ذمہ تین ہزار روپیہ کا غبن کا الزام تھا اور اثبات جرم کے بعد اسے تین سال کیلئے جیل ہوئی۔

دوستوں نے جب اس کی سزایابی کا حال سنا تو انھیں سخت حیرت ہوئی، کیونکہ احمد بہت ایماندار اور خدا پرست نوجوان تھا، اس کی دیانت ہمیشہ تمام شبہات سے بالاتر رہی تھی اور دوسرے لوگوں کے سامنے اس کی مثال پیش کی جاتی ــــ اس کی تنخواہ ڈھائی سو روپیہ ماہوار تھی، گھر میں دو کھانے والے، ایک وہ اور ایک اس کی نوجوان چھوٹی بہن ــــ سادہ رہن سہن کیا دونوں بھائی بہن ڈھائی سو روپیہ ماہوار میں آرام سے گذر نہیں کر سکتے تھے؟

احمد کو اپنی نوجوان بہن کی شادی کی فکر تھی ــ دن رات وہ اسی غم میں گھلا کرتا تھا، وہ شریف خاندان سے تھا، اس کے والد یو، پی، کے کسی ضلع میں سب ڈویزنل آفیسر تھے، کئی سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے، لیکن مخیر بہت تھے، کچھ بچا نہ سکے ــــ دفعتہً پلیگ میں انتقال ہو گیا ــــ آٹھویں دن احمد کی ماں بھی اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئی ــــ اس نے آخری وقت اشک حسرت بہاتے ہوئے اپنے بیٹے احمد سے وصیت کی تھی کہ میری بیٹی شاہین کو بہت آرام سے رکھنا، اسکی شادی کسی اونچے گھرانے میں کرنا تاکہ آرام و عزت کی زندگی گذارے ــــ احمد نے اپنی ماں کو یقین دلایا کہ اس کی وصیت کے ایک ایک لفظ کی پوری تعمیل کی جائیگی۔

شاہین احمد سے تین سال چھوٹی تھی، والدین کے فوت کے وقت اسکی عمر چودہ پندرہ سال تھی ــــ

ــــــ سترہ اٹھارہ سال کے نوعمر احمد نے اپنے باپ کی آنکھ بند ہوتے ہی فقر و فاقہ کا منہ دیکھا، اگر گھر میں مختصر سا کچھ اثاثہ تھا بھی تو علاج اور تجہیز و تکفین میں صرف ہو گیا، خاندان میں کون ایسا تھا جو ان غریب بھائی بہن کے سر پر ہاتھ رکھتا ــــــ لیکن نوعمر احمد نے ہمت نہ ہاری اور اس نے اپنی تعلیم ختم کر کے محنت کی، مزدوری کی، اپنا اور اپنی بہن کا پیٹ پالا، نہ کسی کا احسان لیا اور نہ کسی کے دروازے پر ہاتھ پھیلایا ــــــ رفتہ رفتہ اسے بنک میں سروس مل گئی، اسے دنیا میں اپنی بہن سے زیادہ کسی سے محبت نہ تھی، جو کچھ تنخواہ ملتی اپنی بہن کے ہاتھ میں دے دیتا ــــــ شاہین کی عمر اب انیس سال ہو چکی تھی، احمد کو ہر وقت اس کی شادی کی فکر تھی۔ کرنے کو وہ اب تک اس کی شادی کر دیتا لیکن ماں کی وصیت تھی کہ شادی اونچے خاندان میں کی جائے اور اس کے لئے کئی ہزار روپے کی ضرورت تھی ــ احمد اپنا پیٹ اور تن کاٹ کاٹ کر صرف ساڑھے پانچ سو روپے جمع کر پایا تھا ــــــ اتفاق سے ایک معزز اور تعلیم یافتہ نوجوان کے ساتھ اس کی بہن کی شادی طے بھی ہو گئی ــــــ شان و شوکت کے ساتھ شادی کرنے کے لئے کم از کم پانچ چھ ہزار روپیہ کی اشد ضرورت تھی، آخر یہ رقم کہاں سے آئے ؟

احمد کو اب راتوں کو نیند نہ آتی تھی، ہر وقت یہی فکر تھی کہ پانچ ہزار روپیہ کہاں سے آئے

دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ احمد کو کوئی بیماری ہے جو اسے اندر ہی اندر گھلا رہی ہے، اس نے کلرکی کے علاوہ صبح کے وقت ایک آدھ ٹیوشن بھی لے رکھا تھا، لیکن بہر حال شاہین کی شادی کیلئے معقول رقم مہیا نہ ہو سکی۔

جس دن احمد جیل سے رہا ہوا وہ بہت خوش تھا ــ اسے اطمینان تھا کہ میں نے بنک میں سے تین ہزار روپیہ کی رقم اڑائی اور اس کی عوض میں تین سال کی جیل کاٹی ــ لیکن میری بہن کی شادی تو ایک معزز گھرانے میں ہو گئی، میری ماں کی وصیت تو پوری ہو گئی۔

جیل سے نکلا ــــــ تو داڑھی خوب بڑھی ہوئی تھی بال جٹاؤں کی طرح ہو رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جوان درویش چلا آ رہا ہے ــــــ وہ بازار سے گذرا، بظاہر اسے پہچاننا اب آسان تو نہ تھا لیکن نہ جانے کس طرح ایک دوکاندار نے پہچان لیا اور اپنے ایک دوست سے کہا "اماں یار وہ تو چھوٹ گیا" دوست نے پوچھا "وہ کون؟" "اجی وہی بدمعاش! بنک کے غبن کا معاملہ بھول گئے؟" "نہیں! اچھی طرح یاد ہے۔ اس کلرک کا نام شاید احمد تھا" ــــــ "ہاں ہاں! وہی بدمعاش، دیکھ جا رہا ہے۔"

بات چیت تو آہستہ آہستہ چل رہی تھی، لیکن احمد نے نہ جانے کس طرح سن لیا، اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اس نے سوچا: دنیا میں ان لوگوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے، جو دوسروں کے لئے ایثار و قربانی کرتے ہیں، میں تو سمجھتا تھا کہ لوگ میرے اس جذبہ

کی قدر کریں گے ۔ اگر میں نے بے ایمانی بھی کی تو کسی یتیم دوشیزہ کی زندگی بنانے کے لئے ۔ لیکن دنیا سے مجھے چور اور بدمعاش کے خطابات مل رہے ہیں ، سچ تو یہ ہے کہ سماج کسی بے ایمان اور سزا یافتہ کی عزت کیوں کرے ؟ وہ نیت کو نہیں دیکھتی بلکہ ظاہری اعمال پر نظر رکھتی ہے ۔ اس نے سوچا کہ حالت تباہ ہو رہی ہے کمانے کو پیسہ نہیں ، تن پر کپڑے تک نہیں ——

اسطرح بہن کے پاس دلی کیوں کر جاؤں ، وہ اونچے گھرانے میں بیاہی ہے ، اسکی بھی ذلت ہوگی ، شہر میں لوگ پہچانتے ہیں —— لہذا بہتر یہی ہے کہ کچھ عرصہ کسی گاؤں میں محنت مزدوری کر کے کچھ روپیہ کمالوں ، اس کے بعد جب کچھ حیثیت بن جائے تب اپنی بہن کے پاس دلی جاؤں —— احمد نے ایک گاؤں میں سکونت اختیار کرلی ، اس نے نام کے ساتھ زندگی بھی بالکل بدل ڈالی تھی ، گاؤں کے پردھان نے ترس کھا کر تھوڑی سی زمین اسے کاشت کے لئے دیدی وہ محنت سے فارغ ہو کر خدمت خلق میں لگ جاتا ، چند ہی روز میں گاؤں کے تمام باشندے اس سے غیر معمولی محبت کرنے لگے ، ہر شخص اس کی عزت کرتا ، گاؤں میں اسکی حیثیت ایک خدا رسیدہ درویش کی ہوگئی ، اس کے کھیتوں کی نگرانی بھی اب دوسرے لوگ کرتے تھے اور وہ ہمہ تن خدمت خلق میں معروف ہو گیا تھا ، لوگ اب اسے غفور شاہ کے نام سے پکارتے تھے ——

واقعات نے غفور شاہ کو قبل از وقت بوڑھا کر دیا تھا اور سال ڈیڑھ سال کے اندر وہ اسقدر بدل گیا تھا کہ اب اسے پہچاننا مشکل ہو گیا تھا ——

غفور شاہ کے کانوں میں اب بھی احمد کی بداعمالیوں کے افسانے سنائی پڑتے تھے ، اس کا دل ٹوٹ جاتا تھا ، وہ غور کرتا تھا کہ سماج کی کیا حالت ہے ؟ وہ کسی کی قربانیوں کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتی —— وہ اپنی بہن کے پاس جانا چاہتا تھا ، دن رات اس کی نگاہوں میں شاہین کی صورت پھرتی تھی ، لیکن کچھ تو اسے یہ خیال ہوتا تھا کہ اس کا شاہین کے گھر جانا کہیں شاہین کی ذلتوں کا سبب نہ بنے اور کچھ یہ دشواری تھی کہ اس کے پاس ریل یا بس کے کرائے کیلئے کچھ روپئے بھی جمع نہ ہو سکے تھے ، اسے جو کچھ ملتا خدا کی راہ میں صرف کر دیتا تھا ۔

اسے شاہین کی محبت پر پورا یقین تھا ، اسے یقین تھا کہ چاہے سوسائٹی کی نگاہ میں احمد کتنا ہی ذلیل و خوار کیوں نہ ہو لیکن شاہین اس سے محبت ضرور کرے گی اور اس بات کی قدر کریگی کہ اپنی بہن کی زندگی کامیاب بنانے کے لئے بھائی نے اپنا زندگی کی تمام مسرتیں قربان کر دیں ، ایک دن اسی سوچ بچار میں اس نے شاہین کو خط لکھدیا کہ میں قید سے رہا ہو گیا ہوں ، اس وقت گاؤں رسول پور میں ہوں ، بہت جلد تم سے ملنے آؤں گا

یہ خط دیکھتے ہی شاہین کے پیر کے نیچے کی زمین نکل گئی ، خون خشک ہو گیا ، اسے خیال آیا ، اگر احمد جسنے تین سال کی سزا چوری کے الزام میں کاٹی ہے ، یہاں آ گیا تو کیا ہوگا ؟ میرے شوہر کی عزت خاک میں مل جائیگی اور نہ جانے خود میرا کیا انجام ہو ؟

شاہین نے اپنے میکے کے ایک عزیز کو ساتھ لیا اور
شوہر سے بہانہ کر کے سیدھی رسول پور آئی ــــ اس
گاؤں میں بھلا احمد کا کہاں پتہ تھا ؟ ــــ گاؤں والوں
نے اس سے کہا " تم بابا غفور کے پاس جاؤ ، ان کے
پاس بہت لوگ آتے ہیں ، وہیں پر تم کو احمد کا پتہ
لگ جائیگا " ــــ یہ بات شاہین کے دل پر لگی اور
وہ بابا غفور کی جھونپڑی میں گئی ــــ شام کا وقت
تھا ، چاروں طرف تاریکی مسلط ہو رہی تھی ــــ فقیر کی
جھونپڑی میں مٹی کا چراغ ٹمٹما رہا تھا ۔

اس دھندلی روشنی میں شاہین نے دیکھا کہ
ایک درویش جس کی داڑھی سینے سے نیچے ہے ، زلفیں
شانوں پر لہرا رہی ہیں ، چہرے پر ریاضت و تہجد گزاری
کا دلفریب رنگ ہے ، آنکھیں بند کئے ہوئے درود و
وظائف میں مصروف ہے ، دو ایک آدمی اس کے
پاس بہت مودب بیٹھے ہیں ۔

شاہین کی آہٹ سن کر فقیر نے آنکھ کھولی ــــ
ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی روشنی میں چاہے اور لوگ
نہ دیکھ سکیں لیکن غفور شاہ کی آنکھوں میں شاہین کی صورت
دیکھتے ہی آنسو بھر آئے ، وہ چاہتا تھا کہ اٹھ کر اپنی اس
پیاری بہن کو جس پر اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے ، کلیجہ
سے لگالے ــــ لیکن کچھ سوچ کر خاموش رہا ۔

اس نے پوچھا " بیٹی تو کہاں سے آئی ہے ؟
دولت کی آغوش میں کھیلنے والی شاہین اب اپنے
غریب بھائی کی آواز بھی بھول گئی ــــ اس نے
جواب دیا : بابا ! دلی سے آئی ہوئی ہوں ، کیا کام
ہے ؟ ــــ " مجھے ایک شخص احمد سے ملنا ہے
میں نے سنا ہے کہ وہ اس گاؤں میں ٹھہرا ہوا ہے ، اسلئے
آپ سے اس کا پتہ معلوم کرنے آگئی " ــــ

" کچھ تو پتہ دو کہ وہ کیسا ہے ؟ بوڑھا ہے یا جوان "
ــــ " بابا ! اس کی پچیس ، چھبیس برس کی عمر
ہوگی ، داڑھی مونچھ صاف کراتا ہے " ــــ " تمھیں
اس سے کیا واسطہ ؟ " ــــ " وہ میرا عزیز ہے "
غفور شاہ کے دل میں محبت کی آگ بھڑک اٹھی ــــ
اس نے سوچا کہ شاید شاہین جوش محبت میں مجبور ہو کر
اس سے ملنے رسول پور آئی ہو ، قریب تھا کہ اپنا راز
فاش کر دے ــــ لیکن پھر سوچ کر بولا " تم کو احمد
سے پیار ہے جو اس کے لئے دلی سے یہاں تک آئیں "
شاہین بولی : " محبت کیا ہے ــــ عزیز داری کا معاملہ
ہے ، اس لئے اس سے صرف دو باتیں کرنے آئی ہوں "
غفور شاہ کا چہرہ زرد ہو گیا ــــ وہ ضبط کر کے
بولا " بیٹی ! احمد میرے پاس آتا تو ہے ضرور ــ
لیکن اس وقت شہر گیا ہوا ہے ۔ آدھی رات تک آجائیگا
اگر قیام کرنا چاہو تو تمھارے لئے انتظام کر دوں "

" بابا ! مجھے ٹھہر کر کیا کرنا ہے ، اسے صرف ایک پیام
دینا ہے ، وقت کم ہے ، میں تو اسی وقت دلی واپس
جانا چاہتی ہوں "

" اگر کوئی مضائقہ نہ ہو تو پیام مجھ سے کہدو
میں احمد تک پہونچا دونگا "

" بابا ! اس سے یہ کہدیجئےگا کہ میرے گھر ہرگز
نہ آئے ورنہ اس کے لئے اچھا نہ ہوگا "

غفور شاہ کا دل بھر آیا، آنکھیں پرنم ہوگئیں، اس نے راز دل چھپانے کے لئے اپنا منہ دوسری جانب پھیر لیا اور دوسری طرف دیکھتے ہوئے بولا: "کیوں"؟

"اس لئے کہ اس نے چوری کی ہے اور تین سال کی سزا کاٹی ہے، میرا شوہر ایک بدمعاش چور کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا، اس کے آنے سے میری اور میرے شوہر کی سخت بدنامی ہوگی!!

"تمہارا شوہر تو چور بدمعاش سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتا ہے لیکن کیا تم بھی عزیز داری ترک کرنا چاہتی ہو؟" ——— "میں بھی ملنا نہیں چاہتی —— ایسے بدمعاش سے جنہیں اپنی عزت کا ذرا بھی خیال نہ ہو ایسے چور اور سزا یافتہ سے مل کر میں ذلت گوارہ نہیں کر سکتی" ——— غفور شاہ کلیجہ مسوس کر اور اپنے قلبی تاثرات چھپاتے ہوئے بولا: "بیٹی! ٹھیک ہے میں کل تک تمہارا پیغام احمد تک پہونچا دوں گا" ——— "بابا! آپ مجھ پر بہت بڑا احسان کریں گے، میں درخواست کرتی ہوں آپ اس سے پرزور الفاظ میں کہہ دیں کہ وہ میرے گھر ہرگز نہ آئے ورنہ اچھا نہ ہوگا" ——— "بیٹیا! تم مطمئن رہو"

شاہین سلام کر کے رخصت ہوگئی —— غفور شاہ نے دوسرے آدمیوں کو بھی رخصت کیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ——— امید کی آخری کرن بھی غائب ہو چکی تھی اور اب احمد کی زندگی بالکل تاریک تھی ——— "ہائے وہ بہن بھی مجھے چور اور بدمعاش کہتی ہے جس کے لئے میں نے چوری کی، پھر غفور شاہ کو کسی نے نہیں دیکھا!!

ہندوستان کو آداب!

تصنیف:۔ آر۔ے۔ مئی۔ن
ترجمہ:۔ رئیس انصاری

"گذشتہ سال کی بھیانک خشک سالی کے دوران حکومت نے کسانوں کو پتھر توڑنے کے کام پر لگا کر ان کو ایک وقت کی روٹی دی۔

کہا جاتا ہے کہ یورپی ممالک میں خوفناک اور عادی مجرموں کو یہ سزا دی جاتی ہے —— تو کہیں گذشتہ سال کی خشک سالی میں کسانوں کی تو کوئی سازش نہیں تھی؟"

والدِ محترم!

غیر ضروری تکلفات اور آداب و القاب پر وقت ضائع کرنے کے بجائے میں آپ سے براہ راست ایک سوال پوچھتا ہوں اور وہ یہ کہ۔ "ہندوستانی سے کیا مراد ہے؟" —— دس برس قبل ہی آپ کے انتقال فرما جانے کے بعد آپ سے یہ سوال کرنا کچھ مضحکہ خیز سا لگتا ہے۔ مگر مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ آپ یقیناً اس کو پڑھیں گے۔ آپ کو خیال ہوگا کہ بچپن میں لندن کے قیام کے دوران میں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ کیا آپ "آواگون" پر یقین رکھتے ہیں اور جواباً آپ نے اس پر اپنے پختہ عقیدہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا کہ آپ کو اپنے گناہوں کی وجہ سے اپنے اوپر کامل بھروسہ ہے کہ آپ دوبارہ ایک کتے کا جنم ضرور لیں گے —— غالباً اسی وجہ سے کتوں سے خصوصی طور پر بڑی محبت فرماتے تھے۔

ابھی کل رات کی بات ہے یا شاید اس سے پچھلی رات کی یا شاید .... بہرحال ابھی درمیان میں آپ کو میں نے "کیرالا منڈو" پہنے ہوئے خواب میں دیکھا تھا مگر یہ دیکھ کر میں حیرت میں پڑ گیا کہ ایک جنیو بھی آپ کے سینہ پر پڑا ہوا تھا —— ایک تاجر کا جنیو پہننا میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا —— آپ کو شاید کچھ خیال ہو کہ میں نے اس پر کافی اطمینان کا اظہار کیا تھا کہ آپ کو اپنی امیدوں کے برخلاف ایک کتے کا جنم نہیں ملا تھا —— مگر وہ آپ کی ناقابل فراموش رقت آمیز آواز —— آپ نے کیسے تاسف بھرے لہجے میں کہا تھا "میرے بیٹے بہت ہی برا ہوا، تم دیکھتے نہیں مجھے ایک برہمن کا جنم دیا گیا ہے"۔

جاگنے پر مجھے اس بات کا اطمینان تھا کہ ہندوستان
یقیناً آپ کسی نہ کسی جگہ ضرور موجود ہیں۔
لندن کا مجھے اپنا دوسرا سوال بھی بخوبی یاد ہے
...انے پوچھا تھا :
محترم! کیا میں درحقیقت ایک ہندوستانی
ہوں؟ ــــ جواباً آپ نے واضح طور سے اس کی
نفی کی تھی اور اس بارے میں کوئی قطعی بات معلوم کرنے
کے لئے مجھے ماں سے ملنے کا مشورہ دیا تھا۔ "بیٹے اس کا
بہتر فیصلہ تمہاری ماں کر سکتی ہیں"۔
میں نے ماں سے جس وقت یہ سوال کیا شاید
اس وقت ان کا آئرش دماغ آپ کے کسی غیر مہذب
برتاؤ پر متوازن نہ تھا، کیونکہ ان کے جواب سے میں یہ
نہ سمجھ سکا کہ ان کا اشارہ میری طرف تھا یا آپ کی طرف
یا آپ کے شفقت یافتہ کتے کی طرف ــــ انھوں
نے کہا تھا "خدا میری مدد کرے، گھر میں ایک ہی
بہت کافی ہے"۔
میرا مسئلہ اب بھی جوں کا توں ہے، آپ کا
نام لیکر جس کو عوام کی زبان سے سن کر مجھے سخت ناگواری
کا احساس ہوتا ہے، لوگ اکثر یہاں مجھ سے پوچھتے
ہیں "کیا آپ واقعی خود کو اب بھی ہندوستانی محسوس
نہیں کرتے ہیں"۔
میں حیران ہوں کہ ان کو کیسے مطمئن کیا جائے۔
ادھر حالت یہ ہے کہ ہندوستانی کھانے کی دکانیں
لوٹ رہے ہیں، صوبائی حکومتیں ایک کے بعد ایک ناکام
ہو رہی ہیں، ملکی معاشیات تباہ ہو رہی ہے اور بیروزگاری
کا یہ عالم ہے کہ بے روزگاروں کے صحیح اعداد و شمار معلوم
کرنے کے لئے کمپیوٹروں کی ضرورت پڑ گئی ہے اور کمپیوٹروں
کا استعمال اس ڈر سے نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے
مزید بے روزگاری پھیلے گی۔
اب اگر ہندوستانی ہونے سے منکر ہوا جائے
تو میرے جواب کو بد مذاقی اور مجھے آدابِ محفل سے
ناواقف قرار دیدیا جائیگا اور جواب اثبات کی شکل
میں دینے کا مطلب ہوگا اپنی زبان سے اپنے مستقبل
کی تباہی اور ہمہ وقت سنگین حالات اور ناگفتنی مشکلات
سے دوچار ہو جانے کا خوف۔ صورت حال ایسی نازک
بھی ہو سکتی ہے جس کا اندازہ آپ ہندوستان میں رہ
کر ہرگز نہیں کر سکتے۔
ہندوستان سے ایک ربطِ خاص ہونے کی وجہ
سے میری یہ اخلاقی ذمہ داری تھی کہ ان مسائل کے حل
کی طرف بھی توجہ دوں، میں نے اس میں کوئی کوتاہی
نہیں کی اور بیروزگاری کا ایک حل تلاش کر ہی لیا،
میرا نظریہ یہ ہے کہ سب بے روزگاروں کو بیروزگاروں
کی صحیح تعداد معلوم کرنے پر مقرر کر دیا جائے۔
دوسرے مسائل کے بارے میں بھی میرے
ذہن میں کچھ عمدہ تجاویز ہیں، مگر حکومت کے جذبات
کا احترام کرتے ہوئے میں ان کو منظر عام پر لانا مناسب
نہیں سمجھتا ــــ یہ بھی ممکن ہے وہ اس کو مداخلت
بیجا قرار دیدے، کیونکہ حکومتیں اپنے مسائل کو خود
ساختہ مفروضوں کے ذریعہ حل کرنے میں بے حد سکون
قلب محسوس کرتی ہیں، اس پر حکومت کا یہ حق ہے کہ

عملی طور پر ہر ناممکن کو اپنی بے عملی سے ممکن بنا دینے والے مسائل کی بہتات پر جی بھر کر فخر کرے یعنی گذشتہ سال کی بھیانک قحط سالی کے دوران حکومت نے کسانوں کو پتھر توڑنے کے کام پر لگا کر ان کو ایک وقت کی روٹی دی کہا جاتا ہے کہ یورپی ممالک میں خوفناک اور عادی مجرموں کو یہ سزا دی جاتی ہے ، اس سال بارش چونکہ تسلی بخش رہی ہے اس لئے ہوسکتا ہے سال گذشتہ کی خشک سالی کسانوں ہی کی سازش کا نتیجہ ہو ، واللہ اعلم بالصواب

میں بار بار دل مضبوط کر کے اپنے کو ہندوستانی محسوس کرانا چاہتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ دوسرے بھی ایسا ہی کریں ——— دوسروں سے میری مراد اوسط طبقے سے ہے دراں حالیکہ ان کے ان گنت مسائل ہیں مگر ان مسائل کو وہ جس دلجمعی سے نوازتے ہیں وہ جذبہ قابل ستائش ہے ، اسکا اندازہ ان کے حماقت زدہ چہروں سے بخوبی ہوسکتا ہے جس پر دنیا بھر کی عقلمندیاں ہمہ وقت قربان ہوتی نظر آتی ہیں ، خاکسار کا قلم بھی یہاں بطور عقیدت سیاہی کے دو قطرے ٹپکانے کی جرأت رندانہ کرنے ہی والا تھا مگر اچانک خیال آیا کہ ان جنب زندہ داروں کی ہمہ ہمی کے مقابل یہ باریکیاں کیا خاک ٹھہر سکیں گی ——— اپنی بیچارگی پر کافی افسوس ہوا .

ایک نیا تلا اصول یہ ہے کہ جو دیکھئے صرف اسی پر یقین کیجئے ، اسی بنا پر مجھے اعتراف ہے کہ متوسط طبقہ کے ہندوستانی مغربیت کو اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کیلئے یعنی میرا مطلب ان کے اخلاقی پہلو سے ہے ، ایک بدترین اخلاق سوز چیز سمجھتے ہیں ، میں بھی اس معیار شرافت پر ان کے پاکیزہ خیالات کا احترام کرتا ہوں اور احتراماً کوئی ایسا تبصرہ کرنے سے گریز کرتا ہوں جس سے ان کے یہ جذبات مجروح ہوں ، لیکن ——— اگر ترقی پسند امریکن ماہرین اعداد و شماریات بچوں کی سالانہ پیداوار کو بھی قومی پیداوار کا ایک لازمی جزو قرار دیکر ہندوستان کو صف اول کا ترقی پسند ملک قرار دیں تو کتنے ایسے حقیقت نواز ہوں گے جو اپنی خود پسندی کی بنا پر افزائش نسل کی گراں قدر خدمات سے سبکدوشی پر راضی ہو جائیں گے .

والد محترم ! یقین کیجئے میں نے ان باغی خیالات سے چھٹکارا پانے کی بھرپور کوشش کی ہے جس میں (آپ کے کردار کو مدنظر رکھتے ہوئے) خاصی کامیابی بھی ہوئی اور ہوا کے رخ پر چلنے کی مشق میں بعض اوقات میں نے کافی غلیظ اور کثیف دھوئیں کی بھی پرواہ نہیں کی ، میں نے اس بات کو کبھی فراموش نہیں کیا کہ آپ انگریزوں کے بڑے مداح تھے اور ہندوستان پر ان کی حکومت کے اس وجہ سے قائل تھے کہ آپ ہندوستانیوں کو اسی لائق سمجھتے تھے ، میرا لڑکپن کا زمانہ تھا ——— اس وقت جہاں میں آپ کی بہت سی باتوں سے بیزار تھا ان میں ایک یہ بھی تھی ، مجھے اس زمانہ میں انگریزی حکومت سے بھی اختلاف تھا اور اس کا اظہار میں یوں کرتا تھا کہ " خدا بادشاہ کو سلامت رکھے " ——— گانے کے وقت میں تھیٹر میں بڑی مستعدی سے اپنی سیٹ پر بیٹھا رہتا تھا ——— وفادار رعایا میں سے اکثر

تماشائیوں مجھے بیٹھا دیکھ کر مجھے مرعوب کرنے لگتے لیکن انکی دھمکیوں سے بے پرواہ ہو کر اس وقت تک ویسا ہی بیٹھا رہتا تھا جب تک کہ سلائڈ سے یہ انتباہ نہ دیا جاتا کہ قومی ترانہ کی توہین کرنے والوں کو جیل تک پہونچایا جا سکتا ہے ـــــــ یہ پڑھ کر میں مشینی انداز میں کھڑا ہو جاتا اور اس بات سے زیادہ لطف اندوز ہوتا تھا کہ عین میری پشت پر استادہ وہ بزرگ صورتیں میری اپنی حرکات و سکنات پر قومی ترانے کے آداب سے زیادہ توجہ دے رہی ہیں۔

ـــــ سینتالیس کو تو خیر آنا تھا ہی مگر اسکے ساتھ آزادی بھی آگئی اس وقت ہندوستان کے ریڈیو سے نشر ہونے والے صبح آزادی کی تقریبات کے اولین پروگرام میں آپ نے میری آواز ضرور سنی ہوگی لندن واپس آنے پر میں نے قومی ہیرو مہاتما جی کے بت کو آپ کی میز پر اور قومی پرچم کے شکل کے ایک بڑے ریشمی پردہ کو ہال کی سب سے بڑی الماری پر لہریں لیتے دیکھا تھا۔ بعد میں مجھے یہ بھی علم ہوا کہ ہندوستانی ہائی کمشنر سے بھی آپ کے گہرے مراسم ہیں، اس رسم و راہ کی خبر مجھے اپنے اسی دوست کے ذریعہ ملی تھی جو انگریزی قومی ترانہ کے وقت میری طرح دبکا بیٹھا رہتا تھا ـــ یہ وہی مسٹر کرشنا مینن تھے جن کے بارے میں آپ نے بہ رازِ شفقت سے مجبور ہو کر کئی بار مجھے ترک تعلقات کا مشورہ دیا تھا، کیونکہ آپ کے خیال میں وہ شخص ایک پکا دہشت پسند تھا .... بہرحال میں آپ کے دوستوں سے مل کر کافی خوش تھا۔

ہندوستانی ہوتے ہوئے بھی برطانوی شہریت اختیار کرنے پر مجھے دو والد صاحب دیے گئے، ایک تو والد نمبر (۱) جن کا جنگ عظیم دوم کے وقت بڑا چرچا تھا۔ جنگ سے قبل والا ان کا کھیل جنگ کے بعد چلاؤ میں تبدیل ہو گیا اور برطانوی بحریہ کی طرح وہ بھی ٹھنڈی سیاست کے ٹھنڈے بحر ناپیدا کنار میں کسی جگہ تہہ نشین ہو گئے اور اب لاپتہ قرار پائے ہیں، برطانوی بھی رجعت پسند کہلانے سے بہت گھبراتے ہیں اسی لئے اپنی پرانی اقدار کو ترک کر کے وہ بھی بہت تیزی سے ست روی آوارگی اور جنسیت کو اہمیت دے رہے ہیں۔

ان کی تقلید میں آپ کو بھی اپنا مالا باری برہمن ہونا یاد آیا اور آپ ہندوستان مراجعت فرما گئے۔

مجھ میں یہ تبدیلی آنا ناگزیر تھا، بظاہر اسی کو ہوا کا رخ پہچاننا کہا جاتا ہے اور باطن ـــــــ میرے خیال میں اس کو بیان کرنے کی حاجت نہیں ـــ ہندوستانی عملاً اس کا زبردست مظاہرہ کر رہے ہیں۔

آپ کو اس زمانہ میں " جولیس سیزر کی تقاریر " مصنفہ مارک انٹونی کا یہ جملہ بے حد پسند تھا " میں قیصر کو دفن کرنے آیا ہوں نہ کہ اس کی شان میں قصیدہ پڑھنے "

تبدیلی آب و ہوا کی خاطر پچھلے دنوں ہندوستان جانا ہوا تھا، ارادہ تھا ترقیاتی منصوبوں سے دنیا کو روشناس کراؤں گا۔ مگر میرے ہندوستانی دوستوں

مجھے وہاں پریشان کر دیا، ان کا اصرار تھا کہ میری کوششوں سے اور کچھ بھلے نہ ہو، ہندوستان کی شہرت کا جنازہ ضرور اٹھ جائیگا، حالانکہ میں نے جو کچھ ان کو کرتے دیکھا وہ یہ تھا کہ وہ بڑی جانفشانی سے اس کی قبر کو اور زیادہ گہرا کرنے میں مصروف تھے۔

ہماری کارکردگی کے تاریخی شواہد دنیا کی عظیم ترین حماقتوں کے مقابل بڑے موثر طریقہ پر پیش کئے جا سکتے ہیں، مثلاً آزادی سے قبل جیٹ طیاروں کے انگریز ماہرین کی نگرانی میں ہمارے انجینئر فاضل پرزوں کی مدد میں ایک اسکریو نما لوہے کی کیل تک نہ بنا سکے لیکن دعویٰ یہ تھا کہ آزادی ملتے ہی (یعنی ان تربیت کنندگان سے چھٹکارا نصیب ہوتے ہی) وہ اپنی آزاد مرضی سے صنعتی میدان میں ایسے کارہائے نمایاں انجام دینگے کہ ایک بار تو وہ صانع حقیقی بھی سوچنے پر مجبور ہوگا کہ اس نے ساری دنیا کو ہندوستان ہی کیوں نہ بنا ڈالا۔

آج آزادی کے چھبیسویں برس ٹاٹا کے ایک اعلیٰ عہدیدار نے دوران ملاقات اپنے کارخانہ کے بے ہنگم لوہے کے ڈلوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ انکشاف کیا کہ وہ پہلے جاپان برآمد کئے جائینگے تاکہ جاپانی ہماری ضروریات کے مطابق ان کے کل پرزے بنانے کے بعد پھر ان کو ہمارے سر پر دے ماریں، کیونکہ دنیا کے دیگر ممالک جہاں تک امریکی اور جاپانی یا چینی سامان کا تعلق ہے بیحد مہنگے واقع ہوئے ہیں مگر ہمارے تیار کردہ سامان کا ذکر آتے ہی وہ اپنے مکمل خود کفیل ہونے کی مصدقہ اطلاعات ہمیں فراہم کرنے میں کبھی کوئی غلطی نہیں کرتے۔

اپنی چار ماہ کی ہندوستان کی سیاحت کے خاتمہ پر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ہر سچا وطن پرست ہندوستانی جلد از جلد ہندوستان سے راہ فرار ڈھونڈھ نکالنے کا متمنی رہتا ہے اور مثال میں میں خود آپ کو پیش کرتا ہوں جو باوجودیکہ قابل رشک نوجوان ہونے کے عین جوانی میں ہندوستان کو خیرباد کہہ کر انگلستان میں آبسے۔

متذکرہ بالا موضوع ذرا وقت چاہتا ہے اور وضاحت بھی، سنہ سینتالیس میں جب آزادی اچانک ہندوستان میں مصدقہ طور پر منظر عام پر آپڑی اس وقت تک میرے والد نمبر (۲) کی اہمیت واضح طور پر ختم ہو چکی تھی اور ہندوستانیوں کو بھی انگریزوں سے کافی رغبت پیدا ہو چکی تھی اور ہر شخص اپنی جگہ مطمئن تھا کہ اسی درمیان میں خدا جانے کسی کی حماقت سے یا عقلمندی سے آزاد بھارت کے پہلے گورنر جنرل کی جگہ پر ایک انگریز کا تقرر ہو گیا، اسکو یہاں وہی اختیارات حاصل تھے جو ویٹ نام میں ڈاکٹر کیسنگر کو بحیثیت صدر اول کے۔ اس کے بعد ملک کے بہترین دماغ مل کر ایک آئین کی تشکیل کر سکے۔ اس حرکت کو برطانوی آئین کی نقل کہنا مناسب نہ ہوگا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے آئین اور برطانوی آئین میں کسی نہ کسی موضوع پر یکسانیت ضرور پائی جاتی۔ مگر فرق اسی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس فیصد ناخواندگی ملک گیر پیمانے پر تباہی اور کئی پشتوں کی غیر آئینی حکومت کے باوجود ان کو حکومتی سطح پر کسی آئین کی ضرورت میرے زمانہ تک تو بالکل

محسوس نہیں ہوئی اور طرہ یہ کہ ہندوستان کی آزادی بھی کسی آئینی دفعہ کے تحت نہیں بلکہ تاج برطانیہ کی اِرادت کے تحت وجود میں آئی۔

دوسری طرف ہندوستان کی سب سے بڑی پارٹی اور لائق ترین افراد کی جماعت پوری ذمہ داری کے ساتھ گاندھی جی کو قومی آئین کے تحت صرف "باپو" ہی بنا سکی ــــــ کیا پہلی گورنر جنرلی کو دیکھتے ہوئے اگر ان کو صدر مملکت سے بھی بڑھ کر کسی عہدہ پر فائز کر دیا جاتا تو کیا وہ غیر آئینی ہو جاتا؟

بے شک ہمارے آئینی باپو اپنے لائق بیٹوں سے اس سے اور زیادہ امید کر بھی کیا سکتے تھے!

خیر اب گاندھی جی یاد بھی کسکو ہیں، اشوک کے بعد دوسری غیر متنازعہ ہندوستانی شخصیت کی یادگار ان سے منسوب کی جانے والی ایک ٹوپی ضرور باقی رہ گئی ہے اور مزا یہ ہے کہ کم از کم مجھے زندگی میں ایک بار بھی ایسا اتفاق نہیں ہوا جب میں نے ان کو یہ ٹوپی پہنے دیکھا ہو۔

مشہور کہاوت ہے کہ مردے کو دفن کرنے کے بعد پھر چھیڑنا نہیں چاہئے اس لئے بہتر ہوگا کہ میں بھی ماضی کی باتیں بھلا کر حال کی باتیں کروں۔

ابھی ہندوستان آمد کے بعد سے میں نے اندرا گاندھی کی ہر وہ تقریر جو چھپا ہے انھوں نے لوک سبھا میں کی ہو یا عوامی جلسوں میں بڑی گہرائی سے سنی ہے ــــــ میرا خیال ہے کہ انھیں زبان و بیان پر پوری قدرت حاصل ہے، انکے خیالات کی بلندی صرف ایک اسی بات سے ظاہر ہو جاتی ہے کہ برنارڈ شا، ایچ جی، ویلس، اور ہیرولڈ لاسکی کے نظریہ کے مطابق جو چیزیں ان کے قارئین کے لئے مفید تھیں وہی ہندوستانی عوام کے لئے مفید ہیں۔

مختصراً یوں سمجھ لیجئے کہ جسطرح سے اخبار کے مدیر ذاتی طور پر اس خط کے چاہے جتنے ہی مخالف ہوں مگر وہ صحافتی دیانتداری کی وجہ سے اسی کو شائع کرنے پر مجبور ہیں۔

اسی طرح "اسٹیٹسمین" اور "ٹائمز آف انڈیا" یا "قائد" بھی ان کی تقریروں کو شائع کرنے سے انکار نہیں کرسکتے۔

یہ بھی صحیح ہے کہ عوام ان اخبارات کو ان کی قدیم روایات کی دہائی دیکر کافی اونچی آواز میں اسی طرح کے سہ کالمی سرخی والے بیانات کے خلاف چیختے ہیں مگر یہ اور بات ہے کہ گیدڑ نعرے کے بجائے بندر کی چیخ کے مشابہ کوئی آواز نکلتی ہے۔ اب یہ بحث فضول ہے کہ اس میں عوامی بددیانتی کو زیادہ دخل ہے یا سرکاری حکام کو اور جو یہ کہتے ہیں کہ اس سے ہندوستان کی گردن دنیا کے سامنے شرم سے جھکتی ہے وہ واقعی یا تو سادہ لوح واقع ہوئے ہیں یا پھر یہ کہ وہ دیدہ و دانستہ ہندوستان کو بدنام کرنا چاہتے ہیں، ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ امریکہ میں واٹر گیٹ، فرانس کی غیر مستحکم مخلوط وار حکومتیں، اٹلی سے امریکہ کو مافیا قسم کی منشیات کی برآمد، سماجی بددیانتی کی زندہ مثالیں ہیں ــــ یہاں تک کہ

تو مخصوص صفت برطانوی بھی اس کمی کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں بنا بریں اندرا گاندھی کے خصوصی مشیران کو مسلسل اس قسم کی خبریں فراہم کرکے ہر وقت مطمئن کرتے رہتے ہیں ، وہ جانتے ہیں کہ یہ سیاسی معاملات ہیں کوئی کرکٹ کا کھیل نہیں ۔

جناب اس لمبی بحث میں مجھ سے کوئی گستاخی تو نہیں ہو گئی ہے ــــــ لیکن برہمن کے جنم میں ہونے کی وجہ سے آپ کو ایسا محسوس ہونا قدرتی ہے میرا اپنا علم مجھے بتاتا ہے کہ برہمن ہر تنقید کو سخت ناپسند کرتے ہیں ــــــ اس لئے مجھے بھی آپ کا احترام کرنا چاہئے ۔

لیکن کیا میرے اس احترام سے آپ کے ذہن کی گندگی بھی صاف ہو جائیگی ؟

مجھے درحقیقت اس میں شبہہ ہے ، وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی عموماً گندی نالیوں کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سوچتے ہیں ، اور اسقدر زیادہ سوچتے ہیں کہ ذہن پر قابو نہیں رکھ پاتے ، اس طرح سوچنے کی ابتدا کیتھرائن میئو کی ایک تصنیف سے ہوئی جو انھوں نے ہندوستان کے بارے میں لکھی جسپر گاندھی جی نے بطور تبصرہ کہا تھا کہ یہ کتاب تصنیف سے زیادہ گندی نالیوں کی ایک رپورٹ ہے ۔

اس وقت سے یہ سلسلہ اتنا عام ہو گیا کہ ... ہیں ۔ تحصیل کو معائنہ کے لئے نالیوں کی کمی کی ... یت پیدا ہو گئی اور زیادہ وقت نہیں گذرا کہ نہرو

چودھری کو پریشان ہو کر کہنا پڑا کہ اگر ہم اسی طرح کے ہندوستانی بنے رہے تو اندیشہ ہے کہ گندی نالیوں کا وجود ہی باقی نہ رہے ۔

جن ہندوستانیوں کو گندی نالیاں نہ رہنے کا مسئلہ درپیش ہے ان کے اطمینان کیلئے میں برطانوی تاریخ کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں ــــ یہ ۱۸ ویں صدی کے اواخر اور برطانیہ کے پرعظمت وقتوں کی بات ہے ــــ ایک اسپیشل ٹرین لندن سے اسکاٹلینڈ کے لئے روانہ ہوئی ، عام لوگوں کے لئے عام ڈبے بھی تھے ، اس زمانہ میں گاڑیوں میں رفع حاجت کیلئے کوئی انتظام نہ ہوتا تھا ، تقریباً نصف فاصلہ طے کر لینے کے بعد گاڑی اسلئے رک گئی کہ لوگ حوائج ضروریہ سے فراغت حاصل کرلیں ، لوگ بڑی بے تابی سے اپنے اپنے ڈبوں سے باہر کودنے لگے اور ادھر ادھر دور دور کھلے میدان میں پھیل گئے ــ صرف ایک مخصوص ڈبے کے باہر ایک نفیس تہہ ہونے والی سیڑھی لگادی گئی اور یہ مخصوص مسافر کسی مزید خصوصی انتظام کا مطالبہ کئے بغیر اپنے پورے وقار کے ساتھ ڈبہ سے اتر کر اپنے ہمسفروں میں شامل ہو گیا ــــ کیا آپ جانتے ہیں یہ مخصوص گاڑی کا مسافر کون تھا ؟

بیگم وکٹوریہ ! ملکۂ ہندوستان

فقط ــــ باپ ہونے کے ناطے میں آپ کے پیر چھوتا ہوں اور رخصت ہوتا ہوں

(بشکریہ السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا)

ترجمان بیت المال کے قلم سے

اپنے سابقہ معمول کے مطابق شمسی بیت المال کمیٹی کی ماہانہ نشست مورخہ ۲۹ راگست ۸۳ء کی شب میں رفعت منزل میں منعقد ہوئی ـــــــ شرکائے مجلس میں جناب قاری محمد الٰہی صاحب کے علاوہ تمامی اراکین موجود تھے ــــ مجلس کی کارروائی کے آغاز کے طور پر حافظ محمد عقیل صاحب جوہری نے نہایت خضوع وخشوع کے ساتھ افتتاحی دعا فرمائی ، بعدازاں مندرجہ ذیل کارروائی عمل میں آئی ۔

جیساکہ پہلے طے ہوچکا تھا ہر تین سال کے بعد دو ارکان بیت المال کمیٹی کی رکنیت سے رضاکارانہ طور پر مستعفی ہوجایا کریں گے اور ان کی جگہ دو نئے ارکان کمیٹی میں شامل کرلئے جایا کریں گے ، الحاج محمد نفیس صاحب منیجر نے اپنی نجی مصروفیات کی بنا پر مستعفی ہونے کی خواہش ظاہر کی اور جناب فیروز الدین صاحب بوبجہ نے رضاکارانہ طور پر مستعفی ہونے کی پیشکش کی ۔ لیکن چونکہ سہ سالہ میعاد دسمبر ۸۳ء میں ختم ہوگی اسلئے جملہ اراکین نے بالاتفاق طے کیا کہ مذکورہ حضرات کے استعفوں پر نومبر ۸۳ء میں غور کیا جائیگا ۔

اسی سلسلہ میں ایک تجویز یہ پیش کی گئی کہ بجائے دو ارکان کے آئندہ تین ارکان کو کمیٹی میں شامل کرلیا جائے نیز یہ کہ ان کو ابھی سے شریک کرلیا جائے تاکہ آئندہ رمضان شریف میں کمیٹی کو ان کا تعاون بھی مل سکے اور ساتھ ہی وہ کمیٹی کے طریقۂ کار سے کماحقہ واقف بھی ہوجائیں ، اس تجویز سے اتفاق کرتے ہوئے فی الحال دو حضرات جناب الحاج محمد رئیس صاحب وکیل اور کراکری والے جناب حافظ محمد جمال کے نام متفقہ طور پر منظور کئے گئے ــــ مذکورہ ہر دو حضرات کی منظوری حاصل کرنے کے لئے جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب اور منیجر محمد نفیس صاحب کو مجاز کیا گیا ۔

فیض عام پرائمری اسکول کے تحت تدریسی خدمات انجام دینے والے شعبۂ تعلیم بالغان (جس کی مالی اعانت کی ذمہ داری شمسی بیت المال پر ہے) کی روز بروز گرتی اور بگڑتی ہوئی حالت پر اراکین بیت المال کمیٹی نے سخت

تشویش کا اظہار فرماتے ہوئے طے کیا کہ اس سلسلہ فیض عام ایسوسی ایشن سے سنجیدگی سے گفتگو کی جائے۔

برادری سے تعلق رکھنے والے باعزت مگر مستحق کنبوں کی پرسشش کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے گذشتہ سال کی طرح امسال بھی ان کے لئے لباس فراہم کرنے کی ایک اسکیم متفقہ طور پر مرتب کی گئی۔

فیض عام انٹر کالج میں تعلیم پانے والے نادار اور غیر مستطیع طلبہ کو جو تعاون بیت المال پیش کرتا ہے اس سلسلہ کی آئی ہوئی چند درخواستوں پر کمال ہمدردی سے غور کیا گیا اور طے کیا گیا کہ آئندہ سیشن سے الحاج محمد عادل صاحب کے مشوروں کی روشنی میں مزید اقدامات کئے جائیں۔

یہ بھی طے کیا گیا کہ رمضان المبارک سے قبل ایک نشست اور منعقد کی جائے تاکہ ضروری مسائل پر تبادلۂ خیال کر کے مناسب فیصلے کئے جا سکیں۔ اس کارروائی کی تکمیل کے بعد امداد کے لئے آئی ہوئی درخواستیں پیش ہوئیں جن پر کمال ہمدردی اور احساس ذمہ داری کے ساتھ غور و خوض کیا گیا اور متفقہ طور پر مندرجہ ذیل فیصلے کئے گئے:۔

- ادائگی قرضہ کے سلسلہ میں آئی ہوئی دو درخواستوں کو قابل پذیرائی ٹھہرایا گیا۔
- سلائی مشین کے لئے دو درخواستوں پر اثباتی طرز عمل اختیار کیا گیا۔
- ایک درخواست جو شادی کے لئے امداد سے متعلق تھی منظور کی گئی۔
- تعلیم کی مد سے تعلق رکھنے والی ایک درخواست کو اعانت کے قابل سمجھا گیا۔
- ماہانہ وظیفہ کیلئے ایک درخواست کے سلسلہ میں مثبت رویہ اپنایا گیا۔
- دو درخواستیں وقتی امداد کیلئے منظوری کے قابل ٹھہریں۔
- ایک درخواست چند در چند وجوہات کے پیش نظر مسترد کر دی گئی دیگر چار درخواستیں مزید تحقیق و تفتیش کیلئے روک لی گئیں۔

جملہ کارروائیوں کے بحسن و خوبی اختتام پذیر ہونے پر جناب حاجی اشتیاق حسین صاحب نے کمال دلسوزی کے ساتھ اختتامی دعا فرمائی۔

نوٹ

درخواست دہندگان سے درخواست ہے کہ آئندہ سے درخواستیں حاجی محمد الٰہی صاحب کو ادریسیہ منزل میں صبح ۹ ربجے سے ۱۰ ربجے تک دیا کریں۔

مکتوبات رامپور

مکرمی جناب ! السلام علیکم

امید ہے کہ مزاج گرامی بخیریت ہوں گے۔ آپکا محبت نامہ ملا، نمبری 988/73 ، 11/8/73 ، جس کو پڑھ کر بڑی خوشی اور مسرت ہوئی اور یہ بھی جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ رگ سنگ اپنی پنجابی برادری کا ہے ، بہتر ہوگا کہ اگر آپ اس میں اپنی شمسی برادری کی ترجمانی خلوص اور نیک دل سے کریں تاکہ اس برادری کی ایک پوزیشن اور ایک مقام دوسرے لوگوں اور دوسری قوموں کے سامنے آسکے۔

شمسی برادری کا خاص مقصد اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا لعد اس پر عمل کرنا اور دنیاوی ضروریات کے لئے خاص قسم کی تجارت کرنا اور اس میں ایک مقام حاصل کرنا ، اور نیک نیتی کے ساتھ روزی کمانا اور جہاں تک جس فرد کے لئے بھی ممکن ہوسکتا ہے خدمت خلق کرنا ہے ، اسی مقصد کو لیکر ہم کو او. آپ کو چلنا ہے ، اور اسی کی پیروی کر کے دنیائے عالم کے سامنے لانا ہے۔

کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں خدا کے فضل و کرم سے اپنی برادری کے کچھ نہ کچھ افراد نہ ہولیں ، یہ اللہ کا خاص کرم ہے لیکن یہ بھی ہم لوگوں کی ایک خاص کمی ہے کہ ہم لوگ ایک دوسرے سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتے ہیں جیسا کہ جناب عالی نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک بہت بڑا پلان اور مشن لیکر چل رہے ہیں کہ "کل ہند کانفرنس" کرانے اور سارے ہندوستان کی شمسی برادری کے لوگوں سے باہمی روابط پیدا کرانے کی تیاری میں ہیں تو میں جناب عالی کے اس جذبہ کی تائید کرتا ہوں ، اور خداوند تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس میں بہتری فرمائے اور اس نیک راہ میں برکت اور کامیابی عطا فرمائے۔

ابھی پچھلے دنوں قریب تین چار ماہ پہلے بریلی میں بھی اس طرح کا کچھ لوگوں میں جذبہ پیدا ہوا تھا اور یہ ایک کانفرنس جس کو بڑا تو نہیں کہا جا سکتا البتہ چھوٹے پیمانہ پر تو ہوتی تھی اور اس میں کچھ اضلاع کے شمسی برادری کے لوگوں نے شرکت بھی کی تھی لیکن یہ وسیع پیمانے پر نہ ہوسکی ، بہرحال کچھ تو ہوا نہ ہونے کے مقابلے میں ، میں نے بھی اپنی رامپور شمسی برادری کی طرف سے شرکت کی تھی اپنے پانچ ممبران انجمن کے ساتھ ، نائب صدر "انجمن اصلاح قوم پنجابیاں رامپور" کی حیثیت سے ، اس سے اگرچہ زیادہ فائدہ تو نہ ہوسکا لیکن کرنے سے کچھ نہ کچھ ضرور فائدہ ہوا ہے۔ لیکن اسمیں اب جو ایک خامی نظر آرہی ہے وہ یہ ہے کہ میرے خیال سے کانفرنسیں جو قبیلے انداز میں ہوتی ہیں اور اب تک چار مہینے کے لگ بھگ گذرنے جا رہے ہیں ، اس کے بعد کے جو پروگرام طے کئے تھے وہ سب ٹھنڈے پڑے ہیں اور کوئی اسمیں

حرکت فی الحال نظر نہیں آ رہی ہے۔

تو بہرحال یہاں میرے لکھنے کا اس کا یہ مقصد تھا کہ بھائی جان آپ جو ٭ کل ہند کانفرنس ٭ کرانے جا رہے ہیں اس میں اس طرح کا جوشیلا پن نہ ہو کہ وقت پر توجہ ہو رہا ہے وہ تو ہو جائے اور بعد کو ٹھپ پڑ جائے بہرحال آپ نے جو اخبارات اور رسالہ وغیرہ کا سلسلہ جاری کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ اس میں کامیابی عطاء فرمائے۔

اس سلسلہ میں میں جناب عالی کی خدمت میں ... بذریعہ منی آرڈر بھیج رہا ہوں، وصول فرمالیں اور مجھ کو بھی اپنا شریک کار تحریری طور پر اور جہاں تک میرے لئے ممکن ہے عملی طور پر سمجھیں، اور اس مقصد میں جو میرے لئے ممکن اور مناسب سمجھیں ان کے لئے اپنی خدمات پیش کرتا ہوں۔

اور آپ کا یہ "رنگ سنگ" بہت اچھا اور نیک جذبہ لئے ہوئے رسالہ ہے، خداوند تعالیٰ آپ کے لئے اور کل مسلمانان عالم کے لئے اس کو بہتری کی منزلوں پر پہونچائے اور کامیابی عطا فرمائے آمین

آپ کا قوم کا مخلص رفعت علی شمسی

نائب صدر انجمن اصلاح قوم رام پور، یوپی۔

انجمن اصلاح قوم پنجابیان، رام پور یوپی

شعبۂ زکوٰۃ!

انجمن اصلاح قوم پنجابیان

کے تحت چلنے والا ایک شعبہ مد زکوٰۃ کا ہے، اس کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کر رہا ہوں، یہی وہ شعبہ ہے جو اس وقت کا سب سے اہم تقاضہ ہے، اور جہاں جہاں قومی ہمدردی رکھنے والے اصحاب ہیں وہ اس ضرورت کو پہلی اور بنیادی ضرورت سمجھتے ہوئے اس شعبہ پر خصوصی توجہ فرما رہے ہیں، کیونکہ یہی اسلام کا ایک ایسا رکن ہے جو مساوات کا عملی طور پر نمونہ پیش کرتا ہے اور غریب اور امیر کے درمیان کی حد فاصل کو کم کرتا ہے اور ایک دوسرے کے جذبۂ محبت و اخوت کا ... کرتا ہے۔

جہاں ایک طرف زکوٰۃ ادا کرنے والا اس فریضہ کی ادائیگی پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے وہیں حصول زکوٰۃ کے بعد ایک غریب نادار اپنی ضروریات پوری ہو جانے پر سجدۂ شکر ادا کرتا ہے۔

انجمن کے اس شعبہ کا کام ایک ایسی کڑی ہے جو اجتماعیت کا اظہار کرتی ہے، دینے اور لینے والے

والے کو ایک دوسرے کی نظر سے اوجھل رکھتی ہے، تاکہ
انسان کی فطری کمزوری اس ہدیۂ تقدس پر احساس کمتری و
برتری کا عکس نہ ڈالے، کیونکہ یہ عکس زکوٰۃ کی اصل روح
کے منافی ہے۔ انجمن کی مجلس انتظامیہ نے اس کا طریقۂ کار
اس طرح رکھا ہے کہ ماہ رمضان المبارک سے پہلے چند
کمیٹیاں تشکیل دیدی جاتی ہیں جو مقامی اور غیر مقامی حضرات
زکوٰۃ اور ہمدرد قوم حضرات سے امداد و زکوٰۃ حاصل کرتے
ہیں۔ دینے والا حقدار کی تلاش و جستجو سے مبرا ہوجاتا
ہے اور مجلس انتظامیہ حقداروں کی تلاش و جستجو میں سرگرداں
ہوجاتی ہے اور وہ ماہ رمضان المبارک میں گھر گھر جاکر
مفلس و نادار بیوگان کو حسب ضرورت تقسیم کردیتے ہیں
یہ ایک ہنگامی تقسیم ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے
نادار لوگ بھی ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں ہے ان کو
اسی مد سے ماہانہ وظیفہ دیا جاتا ہے۔ اس مد میں سے
بیروزگار جوانوں، غریب طلباء اور مصیبت زدہ اشخاص کی
امداد بھی کی جاتی ہے۔ اس مد کا کل حساب و کتاب
علٰحدہ رکھا جاتا ہے۔

زکوٰۃ کمیٹی کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ یہ رقم جائز
حقداروں پر صرف ہو کچھ رقم اس لئے محفوظ رکھی جاتی ہے
کہ اتفاقیہ ضرورت درپیش آجانے پر کام آجائے۔ کون
ایسا ہے جو اس منظم اور پر وقار طریقۂ کار سے مطمئن نہ ہو۔
اس کام کی انجام دہی میں یعنی زکوٰۃ وصول
کرنے اور تقسیم کرنے میں وہ ہاتھ کام کرتے ہیں جو خود ماشاءاللہ
لاکھوں روپیہ کے کاروباری ہوتے ہیں اور جو اپنی انتہائی
مصروفیت کے باوجود اللہ کی خوشنودی اور اس کی رضا
حاصل کرنے کے لئے وقت صرف کرتے ہیں۔ قوم کے تمام افراد
ان پر پورا پورا اعتماد رکھتے ہیں۔

مجلس انتظامیہ قبل از وصولیابی قوم سے اپیل
کرتی ہے کہ وہ پوری پوری زکوٰۃ ادا کریں اور اپنی کل
زکوٰۃ کا کم از کم پچاس فیصد انجمن کے ذریعہ تقسیم کرائیں
کیونکہ ابھی تک بہت سے حضرات زکوٰۃ کی تقسیم کو اس
طرح جاری رکھے ہوئے ہیں کہ ایک ایک دو دو روپیہ
در بدر کے سوالی مرد عورتوں کو بانٹتے ہیں مگر گھروں میں
بیٹھی ہوئی لاچار و مجبور بیوگان کو اہمیت نہیں دیتے۔

انجمن کی جانب سے حقدار ضرورتمندوں کی امداد
سینکڑوں روپیہ سے کی جاتی ہے، پچاس، سو روپئے
سے ڈھائی سو روپئے تک فی ضرورت مند حقدار کو دیا
جاتا ہے۔

کچھ حضرات اپنے عزیز و اقارب کی امداد کرتے
ہیں، دس دس پانچ پانچ روپئے سے، مگر انجمن
کے ذریعہ تقسیم کرانا نہیں چاہتے۔ انجمن کے لوگوں کا
کہنا ہے کہ ہمارے یہاں رجسٹر میں جن افراد کے نام درج
ہیں ان ہی لوگوں کی آپ امداد کرنا چاہتے ہیں تو بھرپور
امداد کرنے کے لئے اپنی پوری پوری زکوٰۃ انجمن کے سپرد
کردیجئے۔

انجمن میں ایسے تمام حضرات کی فہرست موجود
رہتی ہے جو انجمن کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ بعض افراد
کی دی ہوئی رقم ان کے کاروبار اور حیثیت کو دیکھتے ہوئے
معلوم ہوتا ہے کہ ان کی دی ہوئی رقم پانچ فیصد بھی نہیں
ہے۔ اگر تمام لوگ اپنی اپنی زکوٰۃ مجلس انتظامیہ کی اپیل

کے مطابق پچاس فی صد ادا کر دیں تو ان اللہ کے بندوں کو رام پور شہر کے علاوہ مراد آباد، بریلی، آگرہ وغیرہ کی طرف دیکھنا نہ پڑے۔ کاش وطن دوست اور قوم پرور اس امر کی طرف توجہ فرمائیں جہاں دوسرے شہروں سے امداد اور تعاون حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہاں یہ نظریہ بھی ہوتا ہے کہ برادری کے دوسرے اضلاع میں رہنے والے لوگوں سے قربت حاصل ہو اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے کی راہ نکلے۔

انجمن کے ذمہ داران نے بتایا کہ ۱۹۷۱ء میں تقریباً ساڑھے سات ہزار روپیہ مذکورہ میں اکٹھا کیا گیا اور تقریباً سوا چھ ہزار روپیہ تقسیم کیا گیا — لگ بھگ سوا ہزار روپیہ ہنگامی حالات کے تحت ہے۔

جن اضلاع میں ایسی کوئی تنظیم نہیں ہے، وہاں پر اس کی کوشش ہونا چاہئے — ایسی تنظیم وقت کی اہم ضرورت ہے۔

ایم، ریاض شمسی
رام پور

آپ کے خطوط

محترم بریجہ صاحب!

آپ کا ارسال کردہ ماہنامہ رگ سنگ بابت ماہ ستمبر ملا ــــ پڑھا ــ مجھے بہت پسند آیا ــــ خاص طور سے آپ کا اداریہ " شہ رگ " .

اللہ تعالیٰ وہ دن قریب لائے کہ آپ کی اور قوم کی یہ آواز محترمہ کے کان میں پہونچ سکے ــ ویسے بظاہر یہ ہوتا ہے کہ انھوں نے کانوں میں تیل ڈال رکھا ہے .

بہرحال براہ مہربانی آئندہ شمارہ مجھے بذریعہ وی، پی، ارسال فرمادیں اور اپنا سالانہ چندہ مبلغ دس روپے مجھ سے وصول فرمالیں

شکریہ!

راقم سید ساجد علی شاہ میرٹھ

●

مدیر محترم : السلام علیکم

بزم رگ سنگ سے میری طویل غیرحاضری اور مسلسل خاموشی کے باوجود بھی آپ مجھ سے غافل نہیں ہیں ـ اس کا ثبوت رگ سنگ کے وہ تمام شمارے ہیں جو پابندی وقت کے ساتھ مجھے ملتے رہے ہیں ــــ اس عنایت کیلئے مشکور ہوں .

رودادجیل، سیاسیات اور سفرنامچ بہت خوب ہیں ــــــ ندیم الواجدی صاحب کے پرمغز مقالہ کو اور اوپر جگہ ملنی چاہیے تھی، آپ نے انھیں کنارے ڈال دیا ہے ــــــ غزلوں کے انتخاب میں کچھ اور سختی برتنے کی ضرورت ہے، آج اردو غزل گیسو و عارض اور ہجر و وصال کے فرسودہ راستوں سے گذر کر بہت آگے نکل چکی ہے، آج کی اردو غزل میں اُنچی دور کو ہم اچھی طرح محسوس کرسکتے ہیں ــــ زندگی کی حقیقتوں سے دامن بچا جانے والے شاعر نہ اردو ادب کو کچھ دے سکتے ہیں اور نہ قارئین کے مسائل کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان کی عکاسی ہی کرسکتے ہیں .

والسلام

اشتیاق احمد

۷۳/۸/۱۳

چیری ہل۔ یو۔ ایس۔ اے (امریکہ)
۱۵ر اگست ۱۹۶۳ء

بھائی میاں! آداب عرض

آپ سے ایک وعدہ کیا تھا، آج پورا کرنے کی کوشش کر رہا ہوں ــــ یوں تو کوشش کئی بار کی، لیکن پنسل سست رہی اور کاغذ کورا کا کورا ہی رہ گیا ــــ آج ایک خبر پڑھی ہے نیویارک ٹائمس میں، رہا نہ گیا کہ چپ کر جاؤں، کم از کم آپ سے تو کھل کے بات کر ہی سکتا ہوں۔

ایک بات بتاتا ہوں جو شاید بس ایک سال پرانی تو ہے ہی۔

"درجہ آٹھ پاس کرنے کے بعد میں نے اعلان کیا کہ نواں دسواں اب کرائسٹ چرچ اسکول میں ہی بیٹھے گا، باوجود تمام مشکلوں کے جیت میری یا بابا کی ہوئی اور میں اس اسکول میں تھا (اس اسکول کا انگریزی نام ہے) ــــ سو صاحب بچپن تو انگریزی اسکول میں نہ بیتا، لیکن نویں درجہ میں کرائسٹ چرچ میں میرا داخلہ ہو گیا ــــ وہاں پایا کہ انگریز کم، ہندوستانی زیادہ ہیں مطلب مسلمان ــــ پریڈ، رام نرائن بازار، ٹکاپور، بساط خانہ کے زیادہ ہیں دریا با لوگ کم کم ــــ کچھوں سے دوستی ہو گئی اور کافی گہری چھننے لگی، گو کہ اس درجہ میں کچھ ایسے بھی تھے جو شیواجی اور اورنگ زیب پر لڑتے تھے یوں کہوں کہ مجھے تو جمعہ کے روز انٹرول زیادہ اچھا تھا کیونکہ ۱½ گھنٹہ کا ہوتا تھا، لیکن ماحول میں کھنچاؤ بھی بنا رہا۔

خیر صاحب اس ۱½ گھنٹے کے انٹرول میں مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں احساس کمتری کا شکار ہونے لگا، کیونکہ اور دوست یار اردو کے ناول پڑھ رہے ہیں اور میں ان کا منہ دیکھ رہا ہوں (مجھے ایک ہی زبان آتی تھی اور انھیں اردو) ایک مہربان میری مدد کو سامنے آیا اور جلد ہی میں سڑک چلتے سینما کے پوسٹروں میں اردو کی عبارت کو دیکھ کر پڑھنے لگا ــــ نہ جانے کتنی مرتبہ ڈاکٹر دیوان ہربنس سنگھ کو پڑھا کہ امجدی بیگم اپنے آپ یاد ہو گئیں ــــ گھر میں نہ جانے کیوں لوگوں کو اچھا نہیں لگا لیکن کسی نے مجھے روکنے کی کوشش بھی نہیں کی، انھیں دنوں ناول پڑھنے کا شوق اپنے شباب پر تھا گو روز ایک دو ناول پڑھنا ضروری ہی تھا۔

جانتے ہیں اس جمعہ کے انٹرول نے بعد میں کیا گل کھلائے ــــ سعادت حسن منٹو کے افسانے دوسروں کی زبانی سننے لگا۔ قسمت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس جمعہ کو منٹو کا افسانہ سنتا تھا وہ جمعہ آیا ہی نہیں نہ جانے کیا ہوا (لکھ نہیں سکتا) کہ پھر کوئی افسانہ نہ سن سکا اور میری اردو صرف سینما کے پوسٹروں میں ہی رہ گئی۔ کئی لوگوں سے فرمائش کی، منت بھی کی، کہ سنا دے یار! چند ہی افسانے رہ جاتے ہیں لیکن نہ سن پایا اور نہ پڑھ پایا۔

انھیں دنوں کسی نے بتایا کہ ریڈیو سے کسی نے خبر سنی کہ سعادت حسن منٹو بھی اپنی داستان پوری

کئے بغیر اس دنیا سے چلے گئے ـــ پتہ نہیں آپ اپنے TEEN AGE میں کیسے رہے ہیں لیکن میں بہت SENTIMENTAL رہا ہوں ـــ اس خبر نے دل پر گہرا اثر کیا اور دل ہی دل میں یہ کہا کہ ایک دن وہ آئیگا جب میں منٹو کو خود پڑھوں گا چاہے وہ اردو میں ہو یا ہندی میں۔

میری زندگی میں وہ دن آیا ضرور۔ لیکن بہت اداس کر کے گیا ـــ وہ دن صرف بارہ سال بعد آیا۔ ایم۔ اے۔ فائنل کے دنوں میں میں نے منٹو کے افسانے پڑھے لیکن منٹو بہت دور چلا گیا اگر اس کو پڑھنے کا دوبارہ موقع ملے تو ایک جنم اور انتظار کر سکتا ہوں۔

بھائی میاں! میں کوئی بہت بڑا ہندی داں یا اردو داں نہیں ہوں ـــ لیکن میں نے اردو سیکھی تاکہ منٹو کو پڑھ سکوں، اور جب ایک بار یہ سلسلہ چل پڑا تو وہ کہنے سے کہیں رکتا ہے، چاہے گھر کے لوگ ناراض ہوں یا دوست منہ پھیرلیں۔

اخبار "نیویارک ٹائمز" کی کٹنگ بھیج رہا ہوں اس میں اردو رسم الخط میں جو مضمون چھپا ہے اس سے امریکہ میں اردو کی مقبولیت پر کچھ روشنی تو پڑتی ہی ہے۔

رگ سنگ کے اگلے شمارے کا انتظار ہے۔

آپ کا شیوگوپال سیٹھ ●

سوالات و جوابات — لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلوجی کے قلم سے

محمد سرور عالم — کانپور

س۔ چائے پینے کے فائدے اور نقصان کیا ہیں؟

ج۔ چائے مختلف مزاج کے لوگوں پر مختلف اثر کرتی ہے جن کا مزاج سرد اور بلغمی ہوتا ہے ان کے لئے چائے ایک حد تک مفید ہے، لیکن گرم مزاج والوں کے لئے چائے سخت مضر ہے۔

س۔ چائے کو چھڑانے کی کیا ترکیب ہے؟

ج۔ کسی بھی لت کو خواہ وہ چائے ہو اور کوئی اور مشروب چھوڑنے کے لئے مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہے

س۔ اگر آپ رگِ سنگ میں لطیفے دیں تو کیسا رہیگا؟

ج۔ اچھا خیال ہے — اگر مہذب اور معیاری لطیفے ارسال کریں تو شکریہ کے ساتھ شائع کئے جائیں گے۔

ندیم الہی — کانپور

س۔ جاہل اگر جہالت کی بات کرے تو کیا کرنا چاہئے

ج۔ خاموش رہنا چاہئے، کیا آپ نے سنا نہیں — جواب جاہلاں باشد خموشی۔

س۔ السلام علیکم، وعلیکم السلام اور سلام علیکم، علیکم سلام کے معنی کیا ہیں، تفصیل کے ساتھ بتائیے۔

ج۔ السلام علیکم کے معنی ہیں تم پر سلامتی ہو، وعلیکم السلام کا مطلب ہے اور تم پر بھی سلامتی ہو، اسی طرح سلام علیکم اور علیکم سلام کے معنی بھی وہی ہیں جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔

س۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام کیا ہے؟

ج۔ اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام اللہ ہے!

فراست علی، رانچی

س۔ آپ ہر سال رگِ سنگ کا زکوٰۃ نمبر ضرور نکالتے ہیں، کیوں؟

ج۔ اس لئے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ زکوٰۃ کی اہمیت سے واقف ہوں اور صحیح طور پر زکوٰۃ ادا کر کے اپنے حاجت مند بھائیوں کی تنگدستی اور افلاس کو دور کرنے میں مدد دیں۔

س۔ کیا زکوٰۃ کی رقم بیت المال کے نظم کے تحت خرچ

کتنا ضروری ہے ؟

ج۔ زکوٰۃ اس لئے فرض کی گئی ہے تاکہ معاشرہ کے اہل حاجت مسلمانوں کی منصوبہ بند طریقہ پر اس طرح مدد کی جائے کہ ان کی ضرورتیں بڑی حد تک پوری ہو سکیں ، اس مقصد کی بجا آوری کے لئے بیت المال کا نظم نہایت ضروری ہے ۔

س۔ شمسی بیت المال کی کامیابی پر روشنی ڈالئے ۔

ج۔ ہر ماہ رگ سنگ میں شمسی بیت المال کی کارگذاری کی روداد شائع ہوتی رہتی ہے اس کی کامیابی کا اندازہ اس کی کارگذاری سے لگایا جاسکتا ہے

●

جمال الدین — اجمیر

س۔ کچھ ایسی باتیں بتائیے جن سے دنیا و آخرت میں بھلا ہو ۔

ج۔ بتانے کو تو بہت سی باتیں بتائی جاسکتی ہیں — تاہم تین باتیں یاد رکھئے — اللہ تعالیٰ سے قربت حاصل کرنا چاہو تو اس کی مخلوق کے ساتھ بہتر معاملہ کرو — ایمان کی تکمیل کے لئے پسندیدہ اخلاق پیدا کرو اور اپنے متعلقین کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کرو — ان حاجتمندوں کو ان کے چہروں سے پہچان کر خیرات دو جو شرم و غیرت کی وجہ سے سوال نہیں کرتے ۔

س۔ انسانیت کی معراج کیا ہے ؟

ج۔ دوسروں کو خوش کر کے خوش ہونا ۔

س۔ انسان خود اعتماد کیسے بنتا ہے ؟

ج۔ جب انسان خدا شناس اور خود آگاہ بن جاتا ہے

●

مجیب احمد خاں — اندور

س۔ دنیا کی چند روزہ زندگی سے لوگ اس قدر پیار کیوں کرتے ہیں ۔

ج۔ دنیا کی زندگی چند روزہ ہونے کے باوجود اس قدر حسین جو ہے ۔

س۔ ہندوستان میں مسلمانوں کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے — کیا کیا جائے ؟

ج۔ منفی انداز فکر مضر ہوا کرتا ہے ، خدا اور اپنے قوت بازو پر بھروسہ کرنے والی قوموں کا مستقبل تاریک نہیں ہوا کرتا — مسلمانوں کا مذہب ناامیدی کو کفر قرار دیتا ہے ، پھر مسلمان مایوس کیوں ہوں ؟

س۔ آج کے دور میں انسان اس قدر پست اخلاق کیوں ہو گیا ہے ؟

ج۔ انسان بننا آسان نہیں ہے ، اب سے بہت پہلے غالب نے کہا تھا ؎

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

س۔ جگر مرادآبادی کا کوئی پسندیدہ شعر لکھئے ؟

ج۔ ملاحظہ فرمائیں :۔ سلامت تو ترا میخانہ تیری انجمن ساقی
مجھے کرنی ہے اب کچھ خدمت دار و رسن ساقی

فیروز بویجہ
کانپو
PER
COP

ڈائمنڈ جوبلی سال
لیدر گڈس، اسپورٹس لیدر گڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں۔
ایس محمد اسمعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ، کانپور، پوسٹ بکس نمبر ۲۷
ٹیلیگرام: "زین" کانپور
فون: ۶۲۷۰۸
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دنیا کے گوشہ گوشہ میں
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ
بینکرس:
• الہ آباد بینک
• چارٹرڈ بینک
• اسٹیٹ بنک آف انڈیا
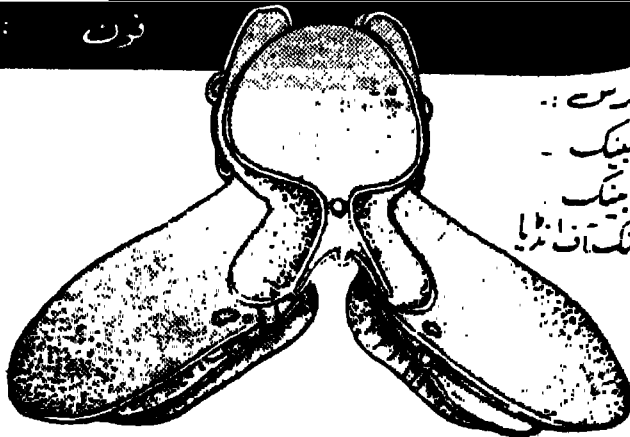
جو ہو سکے تو اسے جذب کر لو دامن میں
ٹپک رہا ہے رگ سنگ سے لہو یارو!
(قمر سنبھلی)

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

ماہنامہ رگ سنگ کانپور

سال سوم۔ شمارہ ۳۴
دسمبر ۷۳ء م شوال ۹۳ھ

عام شمارہ ــــــ ایک روپیہ
سالانہ ــــــ دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر
۸۹/۲/۴۲ کھنیا بازار۔ کانپور

فون
۶۰۴۷۲
۶۲۸۸۳
۶۲۸۷۱

مدیر
فیروز الدین بوہرہ

معاون مدیر
شاہد سرور

سرورق ــــــ آرٹیکو
تزئین ــــــ ابن یوش

خطاط ــــــ ملک ابو الحسنات الاعظمی

طابع و ناشر: مالک فیروز الدین بوہرہ
مطبوعہ لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور

دین و شرافت، اخلاق و مروت اور ہر پاکیزہ و طاہر اور پر جمال شے سے بیزار معاشرے میں دین پر قائم رہنے والے مومن کی وہی کیفیت ہوتی ہے جو ہاتھوں میں انگارہ دبائے ہوئے کسی شخص کی ... دوسرے اس کی اس کیفیت کا مذاق اڑاتے اور اس کی قدروں پر پھبتیاں کستے ہیں مگر مومن پست ہمتی کا شکار نہیں ہوتا، وہ بلندیوں سے ان بے خبر نادانوں پر ایک حسرت بھری نگاہ ڈالتا ہے اور پر نور و ضیاء پاش قافلۂ ایمان کے ایک معزز رہنما حضرت نوح علیہ السلام کی زبان میں کہتا ہے:

اِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ہود ۳۸)

(اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو ہم بھی تم پر ہنس رہے ہیں جس طرح تم ہنس رہے ہو)

(سید قطب شہید)

فہرست مضامین

جسکی اہمیت و افادیت تسلیم کی جا چکی ہے
ربر انڈسٹریز
کیمیکلس
کلنڈرس
جاجمئو
ڈائنگ اینڈ پروفنگ کمپنی
ربر انڈسٹریز
جاجمئو، کانپور
Phone :
62628
6144
64489

اداریہ

شہ رگ

اللہ رب العزت کا شکر و احسان ہے کہ شمسی برادری کے حلقوں میں ہماری آواز کو سنجیدہ غور و فکر کا مستحق سمجھا گیا اور کل ہند شمسی کانفرنس کے انعقاد کے لئے ایک عرصہ سے ہمارے ذہنا میں جو آرزو پرورش پا رہی تھی بالآخر اسکی تکمیل کے مواقع فراہم ہونے شروع ہو گئے ـــــ عرصہ سے رگ سنگ کے صفحات پر اور نجی خطوط کے ذریعہ ہم مختلف مقامات کے افراد سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے جسکے نتیجہ میں ہمیں متعدد خطوط اور تجاویز موصول ہوئی ہیں جن کے ذریعہ برادری کی کل ہند کانفرنس منعقد کرنے کی تائید کی گئی اور تعاون کا یقین دلایا گیا ہے۔ ان میں سے بعض خطوط اس شمارے میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ مذکورہ خطوط میں جن اہم امور کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ان میں فراہمی سرمایہ کے ساتھ ساتھ دیگر مقامات کے افراد سے رابطہ قائم کرنے اور کانفرنس کے انعقاد کے لئے ابتدائی تیاریوں کی تکمیل خاصے اہم اور ضروری مسائل ہیں اور یقیناً ان کی بجا آوری میں وقت لگے گا۔ ہم ان حضرات کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ اکتوبر ۱۹۹۲ء کی ابتدائی تاریخیں کانفرنس کے انعقاد کے لئے موزوں ترین تاریخیں ہوں گی ـــــ کانفرنس کے انعقاد کے اعلان کے ساتھ ساتھ ہمارے نزدیک ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ حضرات جو اپنے مقامات پر سرگرم کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فروری ۱۹۹۲ء کی آخری یا مارچ کی ابتدائی تاریخوں میں کسی مناسب مقام پر جمع ہو کر تقسیم کار کیلئے ایک باضابطہ لائحہ عمل مرتب کر لیں جیسے فراہمی سرمایہ، کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی اشاعت کیلئے مناسب اور ضروری لٹریچر اور مختلف مقامات کے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے کے ذرائع، ساتھ ہی انعقاد کانفرنس کے لئے مقام کا تعین جیسے امور پر تبادلۂ خیال کر کے طریق کار وضع کر لیا جائے اور پھر انہیں خطوط پر کام شروع کر دیا جائے۔ اسی کے ساتھ ہم برادری کے تمام اہل الرائے حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ اس مقصد کی تکمیل کیلئے مفید تجاویز، ضروری مشورے اور گراں قدر آراء سے مستفید فرمائیں۔ مختلف مقامات کے مسائل اور ساتھ ہی ہمہ گیر بنیادی تقاضوں سے واقفیت کی روشنی میں مجوزہ کانفرنس کو مفید سے مفید تر بنانے میں کافی مدد مل سکے گی ـــــ ہمیں پوری توقع ہے کہ اس اعلان کو آل انڈیا شمسی کانفرنس کے انعقاد کی طرف پہلا قدم تصور کیا جائیگا اور اس درخواست پر پوری سنجیدگی سے فوری غور فرما کر تاریخ اور مقام کے تعین میں مدد دی جائیگی جس کے ذریعہ فروری یا مارچ میں ہونے والے اجتماع کی خواہش کی گئی ہے تاکہ اس کے بارے میں جلد ہی باضابطہ اعلان کیا جا سکے ـــــ آخر میں ہم ان تمام حضرات کے تہہ دل سے مشکور ہیں جنکے مخلصانہ مشورہ اور تعاون کی یقین دہانیوں سے حوصلہ پا کر ہم کانفرنس کے انعقاد کا اعلان کر رہے ہیں۔ ہمیں پوری توقع ہے آئندہ بھی انکے اور ان جیسے دیگر حضرات کے گرانقدر تعاون سے ان شاء اللہ یہ عظیم الشان کام حسن و خوبی تکمیل پذیر ہو سکے گا۔

[illegible] کا ننگا حکم ہو جاتا ہے اور قدم قدم پر خدا اور رسول کی کھلی ہوئی تعلیمات، شرعی اصولوں اور سماج [illegible] بنیادی انسانی اخلاقیات کی زبردست حوصلہ شکنی ہوتی ہے۔

غالباً صرف یہی وجہ ہے کہ قرآن کے اندر سودی کاروبار کو خدا اور رسول کے خلاف اعلان جنگ اور فساد فی الارض سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی حسب ذیل آیات کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر غور فرمائیں۔

یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین، فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ، وان تبتم فلکم رؤوس اموالکم لا تظلمون ولا تظلمون۔

(سورۃ البقرۃ ۲۷۸-۲۷۹)

(ترجمہ):

ایمان والو! خدا سے ڈرو اور جو کچھ سود تمہارا لوگوں پر باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، ایسا کرو اگر واقعی تم میں ایمان ہے۔ لیکن اگر ایسا تم نے نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اسکے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اور اگر توبہ کر لو تو اصل لینے کے تم حقدار ہو، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پہ ظلم ہو۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فساداً ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض، ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم۔

(سورۃ المائدہ: ۳۳)

ترجمہ:

"جو لوگ اللہ اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں ان کی تگ و تاز کا مقصود فساد برپا کرنا ہوتا ہے ان کی سزا یہ ہے کہ (۱) بری طرح قتل کئے جائیں (۲) یا اذیت ناک حد تک انھیں سولی دیجائے یا (۳) ہاتھ اور پیر مخالف سمتوں سے بری طرح کاٹ دئے جائیں یا (۴) جلا وطن کر دئے جائیں، یہ ذلت اور رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں ان کے لئے اس سے بڑی سزا ہے۔"

مذکورہ بالا آیات سے حسب ذیل باتیں صاف اور انتہائی صریح انداز میں یہ نکلتی ہیں:۔

۱ــــــ سودی لین دین کا جاری رکھنا اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ ہے۔ یعنی جو حضرات یہ کاروبار کر رہے ہوتے ہیں وہ گویا اللہ اور اس کے رسول سے لڑ رہے ہوتے ہیں۔

۲ــــــ اللہ اور رسول سے جو لڑتا ہے اسکی سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اس کی ہستی کا ایک ایک تار و پود بکھیر کر رکھ دیا جائے۔

اور سب سے کم درجہ کی تعزیر یہ ہے کہ اسے انسانی سماج سے نکال باہر کر دیا جائے۔

غور کیجئے، سودی کاروبار کرنے والوں کا جرم اس سزا کے پیش نظر کتنا بھیانک اور روح فرسا ہے،

سودی کاروبار کے نتائج اور مضرات پر غور کرنے سے پتہ چلے گا کہ اس کاروبار کی بدولت ایک جانب دولت کی ریل پیل ہوگی اور دوسری جانب غربت فاقہ مستی اور مفلوک الحالی کی شرح بڑھتی جائے گی ایک جانب اختیارات اور حقوق کی فراوانی ہوگی اور دوسری جانب فرائض اور واجبات کی کمر توڑ کثرت ہوگی، ایک طرف کچھ انسان نما حیوان ہوں گے جو انتہائی صاف، ستھرے، صحتمند، عالیشان اور سر بفلک عمارتوں میں داد عیش دے رہے ہوں گے اور دوسری جانب کچھ انسان ایسے ہوں گے جن کا شمار چوہوں، بلیوں اور کتوں میں ہوگا، اور پھر مجموعی طور پر معاشرہ کی صورت یہ نکلے گی کہ مکر و فریب چوری، ڈکیتی، زناکاری، احتکار، خانہ جنگی، مفاد پرستی خود غرضی اور نہ جانے کتنی بے حیائیوں، بے شرمیوں اور برائیوں کے عفریت ہوں گے جو خدا کی دھرتی پر دندناتے پھر رہے ہوں گے، یہ ہے فساد فی الارض جو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ لڑنے کا لازمی نتیجہ ہے۔

یہ کھلی ہوئی اور ــــ دو اور دو چار ــــ کی طرح حقیقت ہے کہ سودی کاروبار کرنے والے انسانیت کے اس بنیادی حق کو چیلنج کر دیتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے ہر انسان کو دے رکھے ہیں یہ وہ بنیادی حق ہے جب اللہ تعالیٰ نے پوری کائنات کو پیدا کیا ہے یعنی حق خود اختیاری۔ یہ وہ بنیادی حق ہے جس کے پیش نظر اللہ کا دین ہے۔

سودی کاروبار اس حق کو چھین لیتا ہے اور انسان کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ چوہوں اور بلیوں کے زمرہ میں جا پہونچے۔

ظاہر ہے جو انہی کے لئے شریعت الٰہی اور رسالت کا وجود عمل میں کیا نہیں ہے بلکہ وہ تو ہر آزاد اور خود مختار انسانوں کے لئے ہیں۔ اسی طرح کائنات کی تخلیق کا بھی اور تخلیق انسان کا بھی مقصد ہی سرے سے فوت ہو جاتا ہے، ساری انسانی کائنات جنگل کی ایک مخلوق قرار پا جاتی ہے، جہاں طاقت ور کمزور کو پھاڑ کھاتا ہے، کمزور جب اسے دیکھتا ہے تو بچنے کیلئے راہیں تلاش کرنے لگتا ہے۔

یہ ہے وہ فساد فی الارض جس کے پیش نظر سودی کاروبار کو اللہ اور اس کے رسول کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا ہے۔

ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ بعثت نبوی کے بعد سراسر اللہ اور اسکے رسول کا دور ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے معاملہ پر غلبہ اور اقتدار رکھتا ہے اور افکار و نظریات اور عقائد و اعمال کی اس جنس کو تائید اور تقویت پہونچاتا ہے جس کا تعلق اس کی مرضی سے ہوتا ہے،

اس لئے سودی کاروبار کی بدولت انسان کے نظام اجتماع میں جو عظیم [illegible] پیدا ہوتا ہے وہ ظاہر [illegible] ہوتا رہتا ہے اور [illegible]

حد تک نہیں پہونچ پاتا جہاں انسان ہر پابندی سے یکسر آزاد ہوکر اپنی من مانی کرسکے گے۔

بعثت نبوی کے اس دور میں اگر فی الحقیقت کوئی جماعت دین کے صحیح تصورات کو لیکر اٹھے تو کوئی معنی نہیں ہے کہ انسانی معاشرت سے سودی جرائم کا یکلخت خاتمہ نہ ہوجائے اور زمین ساری کی ساری الٰہی نظام ربوبیت کے لئے بالکل پاک نہ ہوجائے۔

اللہ اور اس کے رسول کے خلاف معرکہ لینا کوئی کھیل نہیں۔ دین کے صحیح تصورات کی روشنی میں کام کرنے والی متحرک اور فعال جماعت کے سامنے جلدی وہ ساری تدابیر آجائیں گی جن کے ذریعہ وہ سودی لین دین کی جڑوں کو معاشرہ کی زمین سے اکھاڑ پھینکے گی اور معاشرہ کو پھر صحت بخش اور حیات افزا اصولوں پر از سر نو تعمیر کردے گی۔

آج بھی ہماری معاشرت کے اندر صحت اور تعمیر پسند ایسے عناصر موجود ہیں جو غور و فکر بھی کر رہے ہیں اور موقع کے انتظار میں بھی ہیں، وہ ابھی کسی فیصلہ کن نتیجہ تک نہیں پہونچ سکے ہیں۔ مگر ہمیں سو فیصدی امید ہے کہ حالات کا دباؤ جس تیزی کے ساتھ بڑھتا جارہا ہے وہ انھیں جلد ہی فیصلہ کن انداز میں کسی موقف کو اختیار کرنے پر مجبور کردے گا

واحد حل

انسانی معاشرت سے سودی جڑوں کو کاٹ پھینکنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ سودی کاروبار کے بالکل برعکس صدقاتی بنیادوں پر کوئی کام کیا جائے، کیونکہ معاشرہ کی تشکیل، سیرت و کردار کی تعمیر نیز آثار و نتائج کے اعتبار سے صدقہ سود کی بالکل ضد واقع ہوا ہے اور علاج بالضد کے اصول پر سود کا علاج صرف یہی صدقہ ہوتا ہے۔

حالات کی برق رفتاری نے ہمیں اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے، جہاں بیت المال کا قدیم تصور چھوڑ کر ہمیں صدقاتی بنیادوں پر (غیر سودی نہیں جیسا کہ اکثر مفکرین اسلام کا خیال ہے) ان بینکوں کا مقابلہ کرنا ہوگا جو تمام معاشرت کے سودی تعدیہ کے واحد ذمہ دار ہیں، ہمیں ان کے مقابلہ میں ایک ایسا بینک قائم کرنا ہوگا جو انسانی زندگی کے جسد اجتماعی میں قلب اور پھیپھڑوں کے وظائف انجام دے سکے۔

ایک دشواری

مگر قبل اس کے کہ ہم مستقبل میں خالص صدقاتی بنیادوں پر کسی بینک کے قیام کے امکانات اور عناصر کا جائزہ لیں حال کی ایک بنیادی دشواری کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔

وہ یہ کہ زندگی اور موت کا موجودہ نظام بنیادی طور پر تین اور پانچ کے تناسب پر یعنی خود غرضی، بے ایمانی اور مفاد پرستی کے شدید رجحانات پر قائم ہے یہی وجہ ہے آج تک اسلامی بینک کے قیام کے سلسلہ میں جتنی کوششیں کی گئی ہیں، سب کی سب رائیگاں، غیر مفید اور بے سود بن کر رہ گئیں، کیونکہ سودی جرائم خود غرضی کی راہ سے در انداز ہو ہوگئے اور خلوص و للہیت کی بنیاد پر شروع کئے جانے والے ان بینکوں

کا تار و پود بکھر کر رہ گیا۔ یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ آج جینے اور مرنے کا مقصود صرف مفاد خوشی اور تسکین نفس کا سامان فراہم کرنا ہے جو سرتاسر غیر اسلامی جاہلانہ اور بارگاہ الٰہی میں نامقبول اور غیر پسندیدہ ہے۔ اسکے بالمقابل اسلام کا تصور ہے جو زندگی اور موت کو نصفا نصف کے تناسب پر لے چلتا ہے یعنی اس کے نزدیک حیات و موت کی ساری کارگاہ کا مقصود تمام عالم کی پرورش اور کفالت ہے۔

غالباً یہی دشواری ہے جس کی وجہ سے صحت پسند مفکرین کسی بھی تعمیری کام کے لئے ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں مگر جس دن رحمت پروردگار جوش میں آئی اور یہ مفکرین حیات اور موت کو مذکورہ اسلامی بنیاد پر لے آنے میں کامیاب ہو گئے بس وہی دن ہوگا جس دن سے وہ ہر تعمیری، سنجیدہ، مستحکم اور ٹھوس کام انجام دے سکیں گے۔

اس دشواری کا حل

مذکورہ بالا دشواری بنیادی ہے۔ اس کا حل اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ:

- یتیموں اور بے کسوں پر کسی طرح کا کوئی بوجھ نہ ڈالا جائے۔
- سائل خواہ علم کا ہو یا کسی ضرورت کا اسے جھڑک کر نکالا نہ کر دیا جائے۔
- تحدیث نعمت کی جائے اور اس کی دو صورتیں ہیں اور دونوں ہی مطلوب ہیں۔

۱۔ دعوت و تبلیغ اور تعلیم کتاب و سنت بالخصوص موجودہ حالات کے اندر انذار کا پہلو بیش از بیش پیش نظر رکھا جائے۔

۲۔ نماز کی پابندی اور یہ بھی بالخصوص شب و روز کے دونوں کناروں پر

- صبر و ثبات اور استقلال کا دامن مضبوطی کے تھام لیا جائے۔

موجودہ حالات کے اندر اس حل کو ہم نے ہدایت و رہنمائی کی مستقل اور دائمی کتاب الٰہی سے اخذ کیا ہے۔ اگر اس میں کسی کو شبہ ہو تو وہ سورہ والضحیٰ اور سورہ ہود کی آخری آیات کا بغور مطالعہ کرے۔

یہ ہے بیمار انسانیت کے علاج، غذا اور پرہیز کا مکمل چارٹ ہمیں پوری امید ہے کہ حکیم ربانی کا یہ نسخہ ضرور کامیاب ثابت ہوگا اور عالم انسانی کو جس صحت کی مسلسل تلاش ہے اسے کلی طور پر وہ حاصل ہو جائے گی۔

اسلامی بینک کے امکانات

اسلامی بینک کے قیام کی بات اگرچہ قبل از وقت ہے مگر اسلام پسند، مخلص اور بے لوث عناصر فکر و خیال کی جن وادیوں میں حیران و سرگرداں ہیں۔ ہو سکتا ہے ہماری اس کوشش سے وہ اصل مسئلہ کو اس کے اصلی خط و خال میں دیکھ لیں اور مطمئن ہو کر حال کی موجودہ دشواری کا حل

پہلے تدارک کریں اور پھر اس کے بعد متفقہ طور پر صحیح رخ اختیار کریں۔

ڈاکٹر محمد نجات صاحب صدیقی نے جو جماعت اسلامی کی مشہور تحریک کے ایک مخلص اور سرگرم رکن ہیں " غیر سودی بنک کاری " کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ کتاب مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی سے چھپ کر شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کی غرض وغایت خود انہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

"اسلامی معاشیات پر لکھنے والے اس بات پر متفق ہیں کہ سود کے بغیر بھی بنکنگ کا نظام اس طرح چلایا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے معروف وظائف انجام دے سکے۔ یہ مفکرین اس بات پر بھی متفق ہیں کہ بنکنگ کی اسلامی تنظیم نو شرکت اور مضاربت کے شرعی اصولوں کی بنیاد پر کی جانی چاہئے مگر ابھی تک تفصیل سے یہ بات واضح نہیں کی جاسکی ہے کہ شرکت اور مضاربت کی بنیادوں پر نظام بنک کاری کا قیام کس طرح عمل میں آئیگا اور اسکے ذریعہ وہ تمام ضروری اور مفید خدمات کسطرح انجام پائیں گی جو جدید نظام بنک کاری انجام دیتا ہے۔ پیش نگاہ کتاب اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے"

شرکت اور مضاربت کے شرعی اصولوں پر بنک کے قیام کی راہ میں کچھ دشواریاں حائل ہیں۔ ان دشواریوں کی اصل بنیاد وہی ہے جس کا تذکرہ ہم اوپر کر آئے ہیں۔ ان کا حل ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک حسب ذیل ہے:۔

"اس نظام کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے ضروری ہے کہ جس ملک میں اسے نافذ کیا جائے وہاں سود قانوناً ممنوع ہو اور سودی لین دین کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے، جہاں اس قانون کو سختی کے ساتھ نافذ نہیں کیا جائے گا وہاں اس کا امکان باقی رہے گا کہ بعض اصحاب سرمایہ انفرادی اغراض کے تحت اجتماعی مفاد کو نقصان پہونچائیں، وہاں سودی لین دین کا چور بازار وجود میں آکر غیر سودی نظام کی کارکردگی کو متاثر کرسکتا ہے، اس ناگزیر شرط کے علاوہ بعض ایسے حالات بھی ہیں جن کو پیدا کئے بغیر اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ غیر سودی معیشت میں توازن پیدا ہوسکے، مثلاً حاجتمند صارفین کے لئے اجتماعی کفالت کا معقول انتظام اور سرمایہ کی ذخیرہ اندوزی کی محاصل کے ذریعہ ہمت شکنی، اجتماعی نظام کے اس اہتمام کے ساتھ اگر عام افراد معاشرہ دیانت، ذمہ داری اور سماجی خدمت کے جذبہ جیسے ان اوصاف کے بھی حامل ہوں جو اسلام اپنے پیرؤں میں پیدا

کرنا چاہتا ہے تو مجوزہ غیر سودی نظام بنک کاری بہ سہولت چلایا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب موصوف کا ذہن ایسا لگتا ہے جیسے دین کے صحیح تصور سے بالکل خالی ہے اس کا ثبوت خود کتاب کے عنوان ہی سے مل جاتا ہے پھر انھوں نے اس سلسلہ میں جو تفصیلات پیش کی ہیں وہ بھی فکر کی عدم صحت کی دلیل ہے۔

"غیر سودی بنک کاری" نہیں بلکہ یوں کہئے کہ "خالص اسلامی بنک کاری" جس کے اندر سودی جراثیم کے دراندازی ہونے کا دروازہ نہ صرف یہ کہ بالکل بند کر دیا جائے بلکہ انسانی معاشرت کے اندر اس طرح کا مفسدانہ کاروبار کرنے والوں کو کم سے کم درجہ میں معاشرہ سے نکال باہر کر دیا جائے۔

علاوہ ازیں سودی جراثیم کے دراندازی ہونے کی جو اصل وجہ ہے ڈاکٹر صاحب موصوف کا ذہن اس کی جانب بالکل نہ جا سکا اور وہ ہے پیسہ کی قیمت کا علی حالہ باقی رہنا۔

ظاہر ہے ایسی صورت میں نہ دیانت کام آئے گی اور نہ کوئی قانون، لہٰذا ضروری یہ ہے کہ روپوں کی قیمت امتداد زمانہ پر کم کرنے کی کوئی تدبیر اختیار کی جائے اور یہ تدبیر ہے صدقہ وزکوٰۃ کی واجبی ادائیگی کے علاوہ انفاق وایثار قرضہ حسنہ اور قابل ادائیگی واپسی قرضوں کا رواج

علاوہ ازیں شرکت ومضاربت کے شرعی اصولوں پر عملدرآمد کا امکان بھی اسی وقت ہوگا جبکہ صدقات کی واجبی مقدار کی تحصیل کے ذریعہ خود غرض عناصر کو پاک اور صاف کر دیا جائے اور یہ مقصد جب تک نظام بنکاری کے اندر عملاً شامل نہ ہو تب تک اسلامی بنیادوں پر اس نظام کا قیام بالکل ناممکن ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب کے اندر مختلف علماء مفکرین کی ان کتابوں کی فہرست بھی دی ہے جو انھوں نے بنکنگ کے اسلامی اصولوں پر لکھی ہیں اور ان پر تبصرے بھی کئے ہیں۔

ان مفکرین میں مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نعیم صدیقی، شیخ ارشاد احمد، محمد اکرام، ڈاکٹر انور اقبال قریشی شیخ محمود احمد، محمد عزیز، ڈاکٹر محمد عبداللہ العربی، انیس حسن الزماں اور ڈاکٹر ابو سعود کے اسماء خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی نے اپنی کتاب "سود" اور "رسائل ومسائل" کے دونوں حصوں میں غیر سودی نظام کا جو خاکہ اور بعض اعتراضات کے جوابات دئے ہیں ان پر خود ڈاکٹر صاحب موصوف نے جو تبصرہ کیا ہے وہ اگرچہ ان کی کتاب کی افادیت کے حق میں جاتا ہے مگر جس طرح خود ڈاکٹر صاحب کا ذہن صاف نہیں ہے، اسی طرح ان کا یہ تبصرہ بھی ناقص ہے۔

رسائل ومسائل حصہ اول کے اندر صفحہ ۳۰۴۔ ۳۰۵ پر اسلامی بینکنگ کی اسکیم میں زکوٰۃ وصدقات کی تحصیل وتقسیم کے کام کو متعدد وجوہ سے شامل نہ کرنے

کا جو خیال مولانا نے ظاہر کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ اسلامی بینکنگ کا انتظام زمین پر نہیں خلا میں قائم کرنا چاہتے تھیں۔ "رسائل و مسائل" حصہ چہارم کے صفحہ ۱۶۹ پر رائے ظاہر کی گئی ہے کہ:۔

"تخلیق زر کی پشت پر اگر سود اور فریب نہ ہو تو اس میں حرمت کا کوئی پہلو نہیں ہے"

یہ خیال بالکل درست ہے بلکہ ہم تو آگے بڑھ کر کہیں گے کہ صرف یہ کہ حرمت کا کوئی پہلو نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں تخلیق زر کا عمل عین رحمت ہے، اسی کو فضل الٰہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ہم اس جگہ یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ تخلیق زر کے عمل سے بینکنگ نظام کا الگ رہنا ضروری ہے اس عمل کو بالکل آزاد رکھنا ہوگا، اس پر ریاستی اور مرکزی حکومتوں کا اس طرح کا کنٹرول ہوگا کہ اس کی جہت کو سودی اور فریب کارانہ طریقوں سے دور رکھا جا سکے۔

اسلامی بینکنگ کے موضوع پر ڈاکٹر محمد ابو سعود کے خیالات نسبتاً وسیع اور اصابت فہم کے آئینہ دار ہیں، اس سلسلہ میں آپ کا مخصوص نقطۂ نظر یہ ہے:۔

"جدید معیشت کی اصل خرابی جو سود سے زیادہ بنیادی ہے یہ ہے کہ اس میں زر اس امتیاز کا حامل ہے کہ وقت گذرنے کے ساتھ اس کی قدر میں کوئی کمی نہیں ہوتی جبکہ دوسری تمام اشیاء کی قدر و قیمت وقت گذرنے کے ساتھ گھٹتی ہے، اس بنیادی خرابی کی اصلاح اصول زکوٰۃ سے ممکن ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ زر پر ایسے محاصل عائد کئے جائیں کہ وقت گذرنے کے ساتھ اس کی قدر گھٹتی جائے۔"

(خطوط رئیسیۃ فی الاقتصاد الاسلامی بحوالہ غیر سودی بینک کاری ص ۳۰۸۔)

مذکورہ بالا نقطۂ نظر حقیقت سے بالکل قریب تر ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ زر کا یہی امتیاز معاشرہ کے اندر سودی رجحانات پیدا کرنے کا ذمہ دار ہے، لہٰذا بینکنگ نظام اس طرح کا ہونا چاہئے کہ اس کا مزاج اس طرح کے زر کو بالکل گوارا نہ کر سکے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کے نزدیک زر کا اصل وظیفہ ذریعہ مبادلہ کا کام کرنا ہے نہ کہ ذخیرہ قدر کا۔ موخر الذکر وظیفۂ زر فساد کی جڑ ہے آپ کا یہ خیال مبنی بر حقیقت ہے مگر اس فساد کے ازالہ کے لئے جو تدبیر آپ نے پیش کی ہے وہ بالکل غلط ہے، موصوف کے نزدیک اس کے لئے ذخیرہ کئے جانے والے زر پر محصول عائد کرنا ضروری ہے اس کی ایک عملی شکل Stamp [illegible] Stamp رائج کرنا ہے یعنی روپیہ جو ذخیرہ کیا ہوا ہے اسے مارکیٹ میں جانے کے لئے کچھ پیسوں کے Stampe کے ساتھ مشروط کر دیا جائے۔

اس تدبیر سے بلا شبہ کچھ اصلاحات ہو سکیں گی مگر کاروبار میں نقصان نہ ہونے کی اس سے کوئی ضمانت نہیں ملتی۔

مذکورہ بالا فساد کا واحد علاج یہ ہے کہ ذخیرہ قدر

کرنے والوں کو نظام معاشرت سے بالکل نکال باہر کردیا جائے کیونکہ ایسی قدروں کے دلدادہ حضرات صحتمند معاشرت کے جسم میں ناسور کا کام کرتے ہیں لہذا جس طرح بھی ہوسکے اس ناسور کو نیست ونابود کردیا جائے، محاصل عائد کرنے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں یہ خطرناک جراثیم معاشرہ کے اندر موجود رہیں گے اور اپنے لئے برابر غذا فراہم کرتے رہیں گے۔

ہمارا نقطہ نظر

اسلامی بینک کاری کے سلسلہ میں ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسے صدقاتی اصولوں پر قائم کرنا چاہیے یعنی زر جسے بمنزلہ خون تصور کیا جانا چاہئے اجتماعی معاشرت کے تمام شعبوں سے یہاں پہونچ کر صاف اور شفاف ہوکر واپس معاشرہ میں چلا جائے جیسا کہ صدقات کا مقصود ہوا کرتا ہے۔

اس کی عملی صورت یہ ہے کہ اسلامی حیات و موت کا نظام قبول کرنے والے اپنی یومیہ یا ماہانہ کمائی کا نصف حصہ اپنی ضرورتوں کے لئے روک رکھیں اور نصف بینک کے حوالہ کردیں، یا اپنے اوقات کا نصف حصہ اپنی معیشت کے حصول کے لئے اور نصف اجتماعی خدمات کے لئے رضاکارانہ طور پر وقف کردیں اور پہلے سے کوئی جمع شدہ رقم ہو تو اسے بینک کے حوالہ کردیں۔ اس طرز عمل کے بعد انفاق اور قرض حسن نیز قابل ادائیگی قرضہ جات کا کوئی سوال باقی نہ رہے گا کیونکہ ایثار و قربانی کے اس طرز عمل میں یہ خود بخود شامل ہوگئے۔

اسلامی اصول کے مطابق جمع شدہ رقموں پر خود یہی بینک زکوۃ نکال لے گا اور اسے زکوۃ کھاتہ میں جمع کرے گا، بینک کا سارا عملہ صدقات کے عاملین طرز کا ہوگا، بنک پر ریاستی یا مرکزی حکومتوں کا کنٹرول ہوگا جو اسے زر کی گردش پر مجبور کریں گی۔

اس طرح معاشرہ کے اندر اولاً تو کوئی ضرورتمند باقی نہ رہے گا اسلئے کہ خون کی گردش تمام ہی اعضاء کو مطلوب مقدار میں پہونچ رہی ہوگی اور اگر بالفرض کسی عضو کو یہ خون نہ پہونچ رہا ہو تو اس کی حسب ذیل صورت ہے:۔

ضرورت مند بینک کو ایسی ضمانت پیش کرے جسے وہ قبول کرلے ـــ مثلاً ضرورتمند کے پاس جینے کا جو سامان بھی ہو اسے بینک کے سامنے لاڈالے اور اسے غیر مشروط طور پر اس کے حوالہ کردے جو اسکی پچھلی زندگی کا ایک طرح کا صدقہ ہوگا، ایسی صورت میں بینک اسی ضرورتمند کو خود اسی کی املاک دے، ضروری امور مثلاً قرض کی مقدار، واپسی کی میعاد وغیرہ کی تحریری دستاویز لینے کے بعد حسب ضرورت اسے قرضہ دے گا مگر اس شرط پر کہ جب تک وہ اس رقم کو واپس نہیں کرتا اپنے کاروبار پر عائد شدہ زکوۃ کی ادائیگی خود آکر بینک کو کرتا رہیگا ـــ بینک کا عملہ اس مقصد کے لئے اس کے پاس نہ جائے گا اور جب وہ لی ہوئی پوری رقم بینک کو واپس کردے گا تو اس بنک کا اب وہ باقاعدہ ایک عضو تصور کیا جائیگا اور اب بنک کا عملہ اس کے یہاں تحصیل زکوۃ کے لئے باقاعدہ حاضر ہوا کرے گا۔

ہم معاشیات کے طالب علم نہیں مگر قرآن کے

طالب علم ضرور ہیں۔ ہمارے خیال میں مذکورہ بالا بینکنگ کی نوعیت وہ مثالی نوعیت ہوگی جو موجودہ بینکنگ کی بے شمار الجھنوں کو سرے سے ختم کر دے گی ذخیرہ زر اور تخلیق زر کے حرام طریقوں سے انسانی زندگی جن مشکلات میں گھر جاتی ہے وہ سب کی سب رفع ہو جائینگی اور اگر بالفرض تھوڑی بہت باقی بھی رہیں گی تو ان کا ازالہ جلدی ہو جائے گا۔

غیر منقولہ جائدادوں کے بیعنامہ کی لاطائل غیر ضروری بلکہ سرے سے حرام کارروائیوں سے انسان نجات پا جائے گا۔ تجارت کے لئے باہمی رضامندی کی بنیاد حاصل ہوگی۔ مکر و فریب کا سارا تار و پود بکھر جائے گا۔ انسان کو خالص غذا میسر ہوگی اور اسکے نتیجہ میں لاتعداد شفاخانوں اور ڈاکٹروں کے وجود کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ مقدمات بہت کم ہو جائیں گے اور بالفرض تھوڑے بہت ہونگے بھی تو ان کے تصفیہ میں وہ مدت ہرگز نہ لگے گی جو آج کل کی نام نہاد عدالتوں میں لگتی ہے۔ یہاں کسیطرح کی کوئی کورٹ فیس نہ ہوگی تمام جھگڑے مقامی طور پر حل کرلئے جائینگے اور اگر عدالت تک جانے کی نوبت آئیگی تو آمد و رفت کا خرچہ عدالت کے ذمہ جائے گا۔ اسطرح پر عدالت مجبور ہوگی کہ وہ ایک ہی تاریخ کے اندر جھگڑے کا تصفیہ کر دے الغرض زندگی کے ہر شعبہ میں انسان ایک طرح کی راحت، سکون اور امن محسوس کریگا اور بیشمار اجتماعی اور معاشرتی الجھاؤ سے نجات پا جائیگا — یہ ہے مستقبل کا اسلامی بنک جو حالات کی ساعدت کے بعد قائم ہوگا اور قدیم بیت المال کا نعم البدل ہوگا اور اسطرح ہوگا کہ قرون اولیٰ کی یاد تازہ ہو جائیگی وما ذلک علی اللہ بعزیز

اسلام میں تبنیت کی حیثیت

ندیم الواجدی

مسلم پرسنل لا میں ترمیم و تنسیخ کی صدائے بازگشت ابھی تک جاری ہے۔

ایک طرف مسلم پرسنل لا کنونشن بمبئی کے منعقد ہونے کے بعد بعض سرکاری رہنماؤں نے اس کا یقین دلایا ہے کہ مسلم پرسنل لا میں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہ ہوگی جب تک عام مسلمانوں کی طرف سے اس کا مطالبہ نہ ہوگا، دوسری طرف مسلمانوں کے ایک نام نہاد طبقے نے یکساں سول کوڈ کے نفاذ کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔

حکومت کی یقین دہانی میں کہاں تک صداقت ہے اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پارلیمنٹ کے پچھلے سے پچھلے اجلاس میں بچوں کی تبنیت سے متعلق ایک بل پیش کیا گیا ہے اس بل کی دفعہ ۱۳ ملاحظہ فرمائیے:-

۱۔ حکم تبنیت اس تاریخ سے نافذ متصور ہوگا، جس تاریخ کی صداقت ڈسٹرکٹ کورٹ نے اپنے حکمنامے میں کی ہو یا اگر تحت دفعہ ۱۲ اس حکم کے خلاف کوئی مرافعہ کیا گیا ہو تو اس تاریخ سے جس کی صداقت عدالت مرافعہ میں کی گئی ہو۔

۲۔ وہ بچہ جس کے بارے میں حکمنامۂ تبنیت جاری ہوا ہو حکم نامہ میں مندرج تاریخ سے جملہ اغراض کیلئے (بشمول بلا وصیت انتقال کی صورت کے) مثل اپنے متبنیٰ گیرندہ کے حقیقی بچہ کے اور اس کے متبنیٰ گیرندگان مثل اس کے حقیقی والدین کے متصور ہوں گے، گویا وہ ان کے رشتۂ مناکحت کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے اور اس تاریخ سے اس بچے کے جملہ تعلقات اپنے خاندان پیدائش سے منقطع اور متبنیٰ گیرندگان کے خاندان سے قائم شدہ متصور ہوں گے، مگر شرط یہ ہے کہ:-

الف:- وہ بچہ کسی ایسے فرد سے شادی نہ کر سکیگا جس سے وہ شادی نہ کر سکتا اگر وہ اپنے خاندان پیدائش ہی میں رہتا۔

ب:- اگر کوئی جائداد تاریخ حکمنامہ تبنیت سے قبل اس بچہ کو حاصل ہو چکی تھی تو تابع ان ان شرائط کے اگر کوئی ہوں جن کے تحت وہ بچہ کو حاصل ہوئی تھی — وہ اس بچہ کی ملکیت میں باقی رہیگی۔

(د) متبنیٰ کسی فرد کو کسی ایسی جائیداد کے حقوق ملکیت سے محروم کر سکتا جو متبنٰی کرنے سے قبل اس کو حاصل ہو چکی تھی۔

بل پر غور کرتے ہوئے یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ایسا ہی بل ۱۹۵۶ء میں ہندوؤں کے لئے پاس کیا جا چکا ہے۔ اب حکومت یہ قانون عام ہندوستانیوں پر لاگو کر کے مشترکہ سول کوڈ کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے۔

اس بل کی دفعہ ۱۳ (۲) میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ قرآن وسنت اور اجماع امت کے قطعی خلاف ہے۔ اس مقالے میں اس بات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ اسلام میں متبنیٰ کی کیا حیثیت ہے؟

واضح ترین نص

اس سلسلہ میں اسلام کا نقطہ نظر مندرجہ ذیل آیت سے پوری طرح واضح ہو جاتا ہے۔ فرمایا ہے:

ما جعل اللہ لرجل من قلبين في جوفه وما جعل ازواجكم الّٰئي تظاهرون منهن امهاتكم وما جعل ادعياءكم ابناءكم ذلكم قولكم بافواهكم والله يقول الحق وهو يهدي السبيل۔

(پ ۲۱ س ۳۳ آیت ۴)

ترجمہ:

(واقع میں) اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اور (اسی طرح) تمہاری ان عورتوں کو جن سے تم ظہار کر لیتے ہو تمہاری ماں نہیں بنایا اور (اسی طرح) تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا نہیں بنایا، یہ صرف تمہارے منہ کی بات ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

آیت کا شان نزول

آیت میں تین چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلا جزء یہ ہے کہ اللہ میاں نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ بغوی اور ابن ابی حاتم نے سند سے ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت ابو معمر جمیل بن معمر الفہری کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہ ایک چالاک شخص تھا، قریش اس کے بارے میں اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ یہ شخص اپنے سینے میں دو دل رکھتا ہے۔ (۲) خود اس شخص کا گمان بھی یہی تھا، کہا کرتا تھا:

نفسي ينهاني ونفسي يأمرني

میرا ایک دل روکتا ہے اور ایک دل حکم دیتا ہے۔ یہ شان نزول ابن کثیر کے ارشاد کے مطابق حضرت ابن عباس، مجاہد، عکرمہ، قتادہ، ابن جریر وغیرہ سے منقول ہے (۳)

اس آیت کے ذریعہ ابو معمر کے اس دعوے کی تکذیب کی گئی ہے۔

دوسرا شان نزول ترمذی، مسند احمد ابن حنبل مستدرک حاکم وغیرہ میں ابن عباس کی روایت کے مطابق یہ ہے ایک مرتبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے کھڑے

ہوئے، آپ کو سہو ہو گیا تو منافقین نے کہا محمد کے دو دل ہیں، ایک ہمارے ساتھ (منافقوں کے ساتھ) دوسرا اپنے صحابہ کے ساتھ۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے (۵)

اس آیت کے ذریعہ منافقین کی تردید مقصود ہے۔

مولانا عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سورۃ کی ابتدار میں ارشاد فرمایا گیا کہ وحی کا خلوص دل کے ساتھ اتباع کرو اور اب اس آیت سے یہ جتلانا مقصود ہے کہ خلوص کا تقاضا یہی ہے کہ ایک طرف کا ہو جائے دو دلی اچھی نہیں ہے (۶)

اس شان نزول کو امام رازی نے تفسیر کبیر میں اختیار کیا ہے۔ باقی آرار کو نا قابل اعتنار قرار دیا ہے (۷)

مفسرین نے یہ شان نزول بھی ذکر فرمایا ہے کہ آیت حضرت زید بن حارثہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی، آنحضرتؐ نے انھیں متبنیٰ بنا لیا تھا جس سے قرآن پاک نے اس آیت کے ذریعہ منع فرمایا، آیت کے شروع کا جزر بطور مثال ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے سینے میں دو دل نہیں بنائے اسی طرح کسی شخص کے دو باپ بھی نہیں بنائے۔ ابن کثیر نے اسی شان نزول کو مختار قرار دیا ہے (۸)

اس آیت کے تین جزر ہیں،

جاہلیت کا دستور: پہلے جزر میں دور جاہلیت کے اس گمان اور دعوی کی تردید کی گئی ہے کہ کسی شخص کے سینے میں دو دل ہو سکتے ہیں۔ دوسرے جزر میں اس دستور کا قلع قمع کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہتا ہے کہ انت کظہر امی کو جاہلی دستور کے مطابق اسلام میں اس کی بیوی حرام نہیں ہوگی۔ فقہ کی رو سے اس مسئلہ کا نام ظہار ہے۔ قرآن پاک میں ظہار کا تفصیلی حکم سورہ مجادلہ میں ملتا ہے۔ ایک دستور یہ بھی تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کو متبنیٰ بنا لیتا تھا تو وہ حقیقی بیٹا کہلاتا تھا اسکی میراث بھی متبنیٰ کو ملتی تھی، متبنیٰ کی جاہلیت میں کیا حیثیت تھی؟ حافظ ابن کثیر سے سنئے۔

عرب منہ بولے بیٹوں کے ساتھ حقیقی بیٹوں کا سا برتاؤ کیا کرتے تھے، خلوت میں نامحرم عورتوں کے ساتھ بھی بیٹوں ہی کا سا معاملہ تھا، اسی لئے جب یہ آیت وماجعل اللّٰہ الخ نازل ہوئی تو ابو حذیفہ کی بیوی نے آنحضورؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سالم کو اپنا بیٹا کہتے ہیں اور اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی ہے اور سالم سے ابو حذیفہ کو بڑی محبت ہے اس پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اسے دودھ پلاؤ تم اس کی محرم ہو جاؤ گی (۹)

اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ مسند احمد میں حضرت عائشہ سے روایت کیا گیا ہے اور اس میں یہ ہے کہ متبنیٰ کو متبنیٰ کرنے کی میراث بھی ملتی تھی (۱۰)

زید ابن حارثہ کا واقعہ: عرض کر چکا ہوں کہ ایک شان نزول کے مطابق یہ آیت کریمہ حضرت زید بن حارثہ کے بارے میں نازل ہوئی بہتر ہوگا کہ ان کے بارے میں بھی مختصر طور سے کچھ عرض

کیا جائے۔

حضرت زید ابن حارثہ بنی کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں عکاظ کے بازار میں غلام بنا کر لایا گیا، مشہور صحابی حضرت حکیم بن حزامؓ نے زید کو اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کے لئے چار سو درہم میں خرید لیا جب حضرت خدیجہ آپ کے نکاح میں آئیں تو یہ غلام آپ کو ہدیہ میں دیدیا گیا، اس دور میں زید کے والد حارثہ اپنے بیٹے کو تلاش کرتے ہوئے وہاں پہونچے تو آنحضورؐ نے زید کو اختیار دیا چاہے وہ والد کے ساتھ چلا جائے اور جی چاہے تو یہیں رہے۔ زید نے آنحضورؐ کے پاس قیام کو ترجیح دی، بعد میں آنحضور نے انھیں متبنیٰ بنا لیا اور ان کی شادی ام ایمن سے ہوگئی جن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے ان کے فضائل میں یہ فضیلت دیکھئے کہ قرآن پاک میں ان کا نام لیا گیا ہے (۱۱)

آنحضور کو ان سے بڑی محبت تھی، امام بخاری نے ان کے مناقب میں تعلیقاً حضرت براء ابن عازبؓ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید سے فرمایا کرتے تھے:۔

انت اخونا ومولانا (۱۲)

تم ہمارے بھائی اور مولا ہو۔

آنحضورؐ کی زید بن حارثہ اور ان کے بیٹے اسامہ ابن زید سے محبت اور لگاؤ کا اندازہ اس روایت سے بھی کیا جا سکتا ہے جسے امام بخاری نے مناقب زید میں حضرت ابن عمرؓ سے نقل فرمایا ہے کہ ایک دفعہ آنحضورؐ نے ایک وفد روانہ فرمایا جس کا رہبر اسامہ ابن زید کو مقرر کیا گیا، لوگوں کو اس پر اعتراض ہوا، آنحضور نے اسی وقت ارشاد فرمایا کہ تم نے اسامہ کے باپ زید کی امارت میں بھی کلام کیا تھا اور اس کے بعد یہ الفاظ زبان مبارک سے نکلے کہ مجھے لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب زید تھے اور زید کے بعد اسامہ ابن زید (۱۳)

اسی طرح وہ مشہور واقعہ بھی آنحضور کی زید سے محبت اور تعلق کا واضح ثبوت ہے کہ زید بن حارثہ کے بیٹے کا رنگ باپ کے برعکس سیاہ تھا، لوگ اسی وجہ سے یہ کہا کرتے تھے کہ اسامہ زید کا بیٹا نہیں ہے۔ آنحضور کو اس واقعہ سے سخت تکلیف پہونچی تھی، امام بخاری نے حضرت عائشہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ میرے پاس قیافہ شناس آیا، آنحضور بھی وہاں تشریف فرما تھے، زید اور اسامہ دونوں ایک چادر میں لیٹے ہوئے تھے، قائف نے ان دونوں کے پیروں کو دیکھ کر کہا، ان ھذہ الاقدام بعضھا من بعض۔ اس جملے سے آنحضورؐ کو بڑی مسرت ہوئی (۱۴)

اسی محبت اور تعلق کی وجہ سے آنحضور نے زید کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور لوگ انھیں زید بن حارثہ کے بجائے زید بن محمد کہنے لگے تھے چنانچہ عبداللہ ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ ہم زید ابن حارثہ کو صرف زید بن محمد کے نام سے پکارا کرتے تھے، حتیٰ کہ قرآن نازل ہوا:

ادعوھم لاٰباءھم الخ (۱۵)

اس تفصیل سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اسلام میں ہندوؤں کی طرح گود لینے کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ آلوسیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

جعل المتبنی ابنا مما لا حقیقۃ لہ فی نفس الامر ولا فی شرع ظاہر (۱۶)

"متبنی کو بیٹا بنانا ان چیزوں میں سے ہے جن کی نہ شرع میں کوئی حقیقت ہے اور نہ نفس الامر ہی میں۔

قاضی ابوبکر جصاصؒ ذلکم قولکم بافواہکم کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

یعنی انہ لا حکم لہ وانما ھو قول لا معنی لہ ولا حقیقۃ (۱۷)

یعنی تبنیت کا کوئی حکم نہیں وہ بے معنی اور بے حقیقت قول ہے۔

قرآن پاک میں جب ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے منہ بولے بیٹوں کو حقیقی بیٹا قرار نہیں دیا تو اس کے فوراً بعد یہ ارشاد فرمایا:

ادعوھم لِاٰبائھم ھو اقسط عند اللہ فان لم تعلموا اٰباءھم فاخوانکم فی الدین وموالیکم (۱۸)

ترجمہ:۔ انھیں (متبناؤں کو) ان کے اباؤں کی طرف منسوب کرو یہ پسندیدہ ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک۔ اگر ان کے آباء سے تم ناواقف ہو تو وہ تمھارے بھائی اور دوست ہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں دو قول زیادہ شہرت رکھتے ہیں، اس سے قبل حضرت عبد اللہ ابن عمر کی روایت بخاری و مسند احمد کے حوالے سے نقل کی جاچکی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت صحابہ کے زید بن محمد کہنے کی مخالفت میں نازل ہوئی، دوسرا قول دارمی کی روایت سے تفسیر مظہری میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ آیت سہلہ بنت سہیل بیگم ابو حذیفہ کے واقعہ کے بعد نازل ہوئی۔ دارمی کی یہ روایت حضرت عائشہ سے ہے (۱۹)

اسلام میں تبنیت کی تردید حضرت زید بن حارثہ کی پہلی بیوی حضرت زینب بنت جحش کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ آنحضور نے ان سے شادی کرلی تھی جاہلیت میں دستور تھا کہ متبنی کی بیوی سے شادی نہ ہو سکتی تھی، آنحضورؐ کی شادی زینب سے ہوئی تو لوگوں نے اس پر اعتراض کیا کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بیوی سے شادی کرلی تو اس کے جواب میں قرآن پاک نے ارشاد فرمایا:

ما کان محمد ابا احد من رجالکم (۲۰)

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت زینب کی شادی کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب جاہلوں نے اس پر اعتراضات شروع کر دئے تھے (۲۱)

ایک اور آیت:۔ قرآن کریم میں پانچویں پارے کے آخری رکوع کی آیت تحریم میں ان عورتوں کی فہرست دی گئی ہے جن سے مسلمانوں کو نکاح نہ کرنا چاہیے، آیت کا جزو ملاحظہ فرمائیے:

وحلائل ابناءکم الذین من اصلابکم
(اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں)

اس آیت کے بارے میں حافظ ابن کثیر ارشاد فرماتے ہیں کہ اس میں نسبی اور رضاعی دونوں قسم کے بیٹوں کی بیویاں داخل ہیں۔ نسبی کا ذکر تو خود قرآن کی اس آیت میں موجود اور رضاعی اس مشہور حدیث سے یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب (۲۲)

آیت کریمہ اور حدیث مذکورہ سے صاف ظاہر ہے کہ اگر اسلامی شریعت میں متبنّی کی کوئی حیثیت ہوتی تو انکی بیویوں کا بھی استثنا کیا جاتا اور ان سے بھی نکاح حرام قرار دیا جاتا جب کہ قرآن و سنت میں صراحۃً تو کیا دلالۃً اور اشارۃً بھی ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے جس سے اس ذیل میں استدلال کیا جا سکے۔ اس کے برعکس آنحضور کا زید ابن حارثہ کی پہلی بیوی سے شادی کرنا متبنی پر واضح ترین رد ہے۔

ایک اعتراض کا جواب: رہا یہ اعتراض کہ قرآن نے تبنیت کو یہ کہہ کر رد فرمایا ہے کہ یہ تمہارے منہ کی بات ہے اس لئے اس سے ابنیت کا اثبات نہیں ہوتا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ نے دوسرے بہت سے مواقع اور معاملات میں اس منہ کی بات کا اعتبار کیا ہے اور اس سے رشتے ناطے اور حلال و حرام کے احکامات ثابت کئے ہیں جیسے نکاح میں ہوتا ہے کہ صرف زبانی ایجاب و قبول کے ذریعہ ایک حرام شے کو حلال اور باہمی رشتہ و اختلاط کو جائز قرار دیدیا جاتا ہے وراثت وغیرہ میں بھی اسی کا اعتبار ہے۔ پھر یہ کیسا تضاد ہے کہ ایک جگہ تو اس قولی چیز کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جب تبنیت کا مسئلہ آتا ہے تو اسی قول و قرار کو غیر معتبر قرار دیدیا جاتا ہے؟

اسے سمجھنے کے لئے اس طرح دیکھئے کہ قول بالافواہ کو موثر قرار دینے والا بھی ایک ہی ہے اور اسے غیر موثر قرار دینے والا بھی، لیکن نہ مطلقاً کہیں اسے موثر قرار دیا ہے اور نہ مطلقاً اسے غیر معتبر قرار دیا ہے۔ یہ اپنے فہم کا قصور ہے کہ ہم اقوال کو جگہ موثر قرار دینے کی وجہ سے یہ سمجھ گئے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جگہ اقوال بالافواہ کا اعتبار ہے اور دوسری خاص جگہ غیر موثر قرار دینے سے ہم تعارض ثابت کرنے بیٹھ گئے، ایک کو دوسرے پر قیاس کرنے لگے۔

مطلب صاف ظاہر ہے کہ دونوں احکام کے مواقع و محل الگ ہیں اور ہر موقع و محل میں جنس کے اعتبار سے اتحاد ہوتے ہوئے بھی بہت زیادہ فرق ہے جس کی وجہ سے دونوں کے احکام میں فرق پڑ گیا، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ نص کے مقابلے میں قیاس ناجائز ہے۔

یہ بات تو سب کے نزدیک مسلم ہے کہ زبانی قول و قرار کا اعتبار ہر جگہ نہیں ہے، مثلاً ہم اگر کسی شخص کی بیوی کو یہ کہدیں کہ یہ میری بیوی ہے تو کیا اس کو کوئی معتبر قرار دے گا؟ اس کے برعکس اس کا اعتبار بیع و شراء میں کیا جاتا ہے، اگرچہ اس میں بھی تفصیل ہے تاہم یہ چیز واضح ہوتی ہے

جن واقع میں قول بالافواہ کا اعتبار ہے اور
نا میں نہیں ہے ، اس کی بنیاد کیا ہے ؟ اگر
رریں تو اس کو سمجھ سکتے ہیں ۔ بنیاد یہ ہے کہ
چیزیں صرف اعتباری ہوتی ہیں اور جن کا کوئی حسی
د نہیں ہوتا وہ چیزیں صرف قول وقرار سے ثابت
تی ہیں ، لیکن جن چیزوں کی بنیاد صرف حسیات
ہوتی ہے ان میں اقوال واقرار کو بنیاد نہیں
یا جا سکتا بلکہ ان کے لئے حسی بنیاد ہی فراہم
نی پڑے گی ۔

دیکھئے رشتۂ ازدواج اس کی بنیاد
حسی امر پر نہیں بلکہ یہ رشتہ بہ ضرورت فرض کیا
گیا ہے اور پھر اس پر احکام جاری کئے گئے ہیں ۔
پھر یہ رشتہ کوئی حقیقی رشتہ نہیں ہے بلکہ
ضروری رشتہ ہے ۔

رہا ابنیت کا معاملہ تو یہ اعتباریات سے
خارج ہے اور اس کی بنیاد صرف حسیات پر ہے اور وہ
بنیاد ہے فقط جزئیت اور خون کا اختلاط ۔
اس لئے مختلف معاملات کو ایک دوسرے پر
قیاس کرنا صحیح نہیں ہے ۔

وحید رائے بریلوی

مدینے کو چلو

دیدہ و دل کا تقاضا ہے مدینے کو چلو
کوئی در پردہ یہ کہتا ہے مدینے کو چلو

ایک وارفتگیٔ شوق میں لغزیدہ قدم
چشم رحمت کا اشارہ ہے مدینے کو چلو

کوئی گلزار نہیں امن و سکوں کا حامل
بالیقیں جنت دنیا ہے مدینے کو چلو

دل یہ کہتا ہے کہ انوار حرم دیکھ چلے
مظہر عظمت کعبہ ہے مدینے کو چلو

تیرگی اپنے مقدر کی مٹانی ہے اگر
نور ہی نور کی دنیا ہے مدینے کو چلو

دیکھنا ہے جو تمھیں صبح ازل کے جلوے
آئینہ گنبد خضرا ہے مدینے کو چلو

خاک سے عرش الٰہی پہ پہونچنے کے لئے
ان کے دربار سے زینہ ہے مدینے کو چلو

رہ نہ جائے گا تمھیں کم نظری کا شکوہ
ہر طرف نور برستا ہے مدینے کو چلو

دیکھنا ہے جو مسیحا نفسی کا عالم
بس یہی غم کا مداوا ہے مدینے کو چلو

آنکھ کہتی ہے تمھیں نور بصارت کی قسم
ہر طرف عرش کا جلوا ہے مدینے کو چلو

ہاتھ کہتے ہیں ملے گوشۂ دامان کرم
بس یہی اپنی تمنا ہے مدینے کو چلو

عقل کہتی ہے کہ کچھ پاس نہیں ہے تیرے
عشق ہیہم یہی کہتا ہے مدینے کو چلو

خود سنور جائیں گے ہستی کے پریشاں گیسو
بخت بگڑا ہوا بنتا ہے مدینے کو چلو

اپنے ہونٹوں پہ درودوں کی سجا کر ڈالی
زیست کا مقصد اعلیٰ ہے مدینے کو چلو

جرم و عصیاں پہ ندامت اگر تم کو وحید
ان کے دامن کا سہارا ہے مدینے کو چلو

قطرہ سمندر میں

سلیمان سالک

۱۹ / اپریل

آپ نے مسجد نبوی کے قدیم اور جدید تعمیر کی ایک جھلک دیکھ لی۔

اب آئیے ہمارے ساتھ مدینہ طیبہ کے مضافات اور خود مدینہ طیبہ کی بستی میں اور چند چیزوں کی زیارت فرما لیجئے:۔

مسجد قبا

حضور نبی کریم نے جب مکہ سے ہجرت فرمائی تو آپکو معلوم ہے "ثانی اثنین اذ ہما فی الغار" حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے اور آپ کی اونٹنی۔

کئی روز کی مسافت کے بعد جب مدینہ کے قریب پہنچے تو اونٹنی اسی جگہ آکر بیٹھ گئی۔ تکان رفع کرنے کے بعد اس کو اٹھانے کی کوشش کی گئی تو وہ نہ اٹھی اور پھر اس کا کجاوہ کھول دیا۔ آپ ؐ نے وضو کیا نماز پڑھی، حضرت جبریل تشریف لائے، وحی کے یہ الفاظ نازل ہوئے:۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝

اور یہیں مسجد قبا کی بنیاد پڑ گئی، یہ پہلی مسجد تھی۔

صحن مسجد میں جس جگہ اونٹنی بیٹھ کر نہ اٹھی تھی وہیں ایک لانبا چبوترہ اور جہاں آپ نے نماز ادا فرمائی تھی، ایک محراب ترکوں نے اپنے دور میں مخصوص طور پر قائم کر دی تھی اور آس پاس پوری مسجد اب سعودی دور میں خاص طور پر اس قدیم عمارت کی جدید طور پر تعمیر کا پروگرام ہے اور مسالہ، سنگ مرمر اور دیگر سامان پھیلا پڑا ہے۔

معمار کام کر رہے ہیں، مزدور لگے ہوئے ہیں اب یہ مسجد بھی دیکھنے کی چیز بنے گی۔

پلاسٹر کے موقع پر اس محراب کی بھی توڑی

سجدہ گاہ کھودی گئی ۔ بے حد مضبوط مسالہ ہے ۔ کاٹنا مشکل ہے ــــــ لکھنے کی بات یہ ہے کہ اس کھدائی کے موقع پر موجود لوگوں نے بتایا ــــــ ایک نفیس خوشبو نکلنے لگی ۔ کھدائی بند کر دی گئی ۔ میں نے خود وہاں کی پڑی مٹی سونگھی تھی اور خوشبو موجود تھی ۔ شاید یہ حصہ اب نہ کھودا جائے اور جوں کا توں باقی رہنے دیا جائے ۔ تحیۃ المسجد کے طور پر دو نفلیں پڑھیں

جبل احد

احد سے حضور کو بے حد محبت تھی اور فرماتے تھے احد بھی ہم سے محبت کرتا ہے ۔ اسی پہاڑ کی گود میں جنگ احد ہوئی تھی جس میں صحابہ کی ذرا سی غلط فہمی اور بے استقامتی سے جنگ کا غلط نتیجہ سامنے آیا تھا ۔ ستر اجل صحابۂ کرام شہید ہو گئے تھے ، حضور کے دانتوں نے بھی یہیں نقصان اٹھایا تھا ، قبریں موجود ہیں ، یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک ایک مزار میں دو دو شہید لٹائے گئے تھے ۔

حضرت حمزہ رض

دامن کوہ میں ایک احاطہ ہے ، احاطہ کے درمیان چبوترہ اور اسی چبوترہ میں حضرت حمزہ اپنی شہادت کے بعد مدفون ہوئے ، آپ کی شہادت کا عظیم نقصان خود آنحضرت کو بہت کھلا تھا ، قبر کے برابر حضرت مصعب ابن عمیر رض کی قبر ہے ، حضرت حمزہ کی شہادت اتنی تکلیف دہ تھی کہ حضور نبی کریم نے اس شہید کو " سید الشہداء " فرمایا

ــــــ

قبلتین

ایک چھوٹی سی مسجد ہے ، یہاں بھی نماز مسجد اقصےٰ کی طرف رخ کرکے پڑھی جاتی تھی ، ایک صحابی تبدیلیٔ قبلہ کی خبر دینے یہاں تشریف لائے ، عصر کی نماز ہو رہی تھی ، دو رکعتیں ہو چکی تھیں ، دوران نماز یہاں بھی رخ صحیح ہوا ، بعض لوگ کہتے ہیں تبدیلیٔ قبلہ کی آیت یہیں اتری ۔

غزوۂ خندق

جنگ میں خندق کی تکنیک پہلے پہل یہیں استعمال میں آئی ، عرب اس طریقہ سے بے خبر تھے ، جنگ طوالت اختیار کر چکی تھی ، یہیں مجاہدین نے پیٹوں میں پتھر باندھے اور مشقت کی ۔

یادگار کے طور پر یہاں چھ مسجدوں کی زیارت کی ــ یہ مسجدیں موسوم ہیں :

مسجد عمر ـ مسجد رسول ـ مسجد علی ـ مسجد ابوبکر ـ مسجد فاطمہ اور مسجد سلمان رض کے نام سے ۔

یہاں ان بزرگوں کے خیمے تھے ، تعمیر صدیوں پہلے کی ہیں ۔ موٹے موٹے ناہموار بڑے بڑے پہاڑی پتھروں کو تلے اوپر رکھ دیا ہے ، محراب بنا کر چھت ڈال دی ، کسی میں موٹا پلاسٹر بھی ہے ، بحری رواج کے مطابق یہاں بھی پڑی ہے ، مرمت سے نا آشنا ، زیب و زینت سے بے پروا ۔

صحرائی محل وقوع ، دوپہر کا وقت ،

اونچا نیچا راستہ، ریگستانی فضا، یہاں آنکھوں کو پچھلے دور کی دھندلی سی تصویر نظر آئی۔ نہ جھاڑ ہیں نہ فانوس، نہ قالین نہ دری، نہ آرائش نہ زیبائش، نہ رنگ نہ روغن۔

وہ سختی جو عزم و ارادہ کی صلابت کا مظہر ہے،
وہ سادگی جو ایمان و یقین کی علامت ہے پھٹی پڑتی ہے صحرا کی مشعلیں نہ جانے کب سے روشن ہیں جو آنیوالے کو اس کی روشنی میں پچھلے دور کا عکس دکھا دیتی ہیں۔

یہیں پہاڑوں پر آس پاس آباد معصوم بچیاں اور بچے جھنڈ کی شکل میں حجاج کا استقبال کرتے آتے ہیں، عربی میں گیت گاتے ہیں اور بڑا دلچسپ لہجہ ہے سننے میں بڑا اچھا لگتا ہے، ہدیۃً لوگ پیسے دیتے ہیں

●

۲۱/اپریل

حضور نبی کریم ؐ کے روضۂ مطہر پہ جالیوں کے پاس دو سعودی سپاہیوں کی ہمیشہ ڈیوٹی رہتی ہے، یہ جوڑی جب آتی ہے ادب سے زیرِ لب صلوٰۃ و سلام پڑھتی ہے اور نگرانی میں مصروف ہو جاتی ہے۔

جالیاں پیتل کی ہیں، مضبوط اور خوبصورت ہر زائر کے دل میں یہ تمنا ہوتی ہے کہ جالیوں کے اندر کیا ہے؟ دیکھ سکے! لیکن آنکھ صرف ایک غلاف پر پڑتی ہے اور بس۔ جالیوں کے قریب آپ نہیں جا سکتے، ہاتھ نہیں ٹکا سکتے کہ حقیقت یہی ہے کہ یہ رویہ بے ادبی کا ہے، وہاں تو آنکھ اٹھنی ہی نہیں چاہیے لیکن اگر آپ نے تھوڑی سی جرأت کی تو پھر نگراں کا رویہ زیادہ سخت ہو جاتا ہے ——— خانہ کعبہ کے برخلاف وہاں تو غلاف کعبہ کو میں نے بلیڈ سے تراشتے، نوچتے، اور پھاڑتے دیکھا ہے۔ یہ بھی دیکھا ہے کہ کعبہ کی اینٹوں کا درمیانی مسالہ بھی کھرچ رہے ہیں اور اگر نگراں آ گیا تو رومال کے بنے کوڑے یا ہلکی ڈانٹ ڈپٹ۔

یہاں نگرانوں کا رویہ انتظامی معاملات میں سخت ہی نہیں بہت سخت ہے اور شاید ٹھیک بھی ہے!

ایک صاحب نے ——— میں نے دیکھا، جیب سے عطر کی ایک شیشی نکالی اور مزار شریف کے ایک نگراں کی طرف بڑھائی۔ نگراں نے کہا "ہدیہ"؟ اور زائر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس نے "شکراً" کہہ کے اپنے بادامی کوٹ کی جیب میں ڈال لی۔

زائر نے اب اور ایک شیشی نکالی، ڈاٹ کھولی اور داہنی ہتھیلی پر بائیں ہاتھ سے پوری شیشی الٹ دی اب ایک قدم اور بڑھا۔ عطر والا ہاتھ جیسے ہی جالیوں پر لگانے کو بڑھایا اسی لشکری نے جھپٹ کر گردن سے قمیص پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اپنے کوٹ کے جیب کی شیشی نکالی اور اس کے جیب میں ڈالدی، اور گھسیٹتا ہوا باب جبریل کی طرف چھوڑ آیا۔ واپسی پر میں نے دیکھا چہرہ پہ حقارت کے آثار ہیں اور عربی میں دھیمے دھیمے بڑبڑا رہا ہے

عصر کے بعد تین دن سے میں دیکھ رہا ہوں ریاض الجنۃ میں ایک آدمی آیا اور خاموشی سے بیٹھ گیا، چند منٹ بعد دو آدمی آئے وہ بھی کسی طرح جگہ نکال کر

پہلے آدمی کے پیچھے چپکے سے بیٹھ گئے پھر ایک آدھ آدمی اور آیا اور اس نے بھی پہلے سے بیٹھے کسی آدمی سے کچھ کہہ کر سرکایا اور بیٹھ گیا، پھر پہلا آدمی کھڑا ہوا اور اس نے نیت باندھ لی یہ چند آدمی جنہوں نے پچھلی صف میں جگہ بنالی تھی کھڑے ہوئے اور اقتدا کی، چار رکعتیں ختم کیں اور چپکے سے پہلے ایک آدمی کھسکا اور پھر ادھر ادھر دیکھ کر باقی آدمی بھی فرار ہوگئے۔

یہ لوگ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور یو۔پی کے — پیجامہ، ململ کا کرتا، بیلدار دوپلی ٹوپی، آنکھوں میں سرمہ!

وہ جو خالی قسم کے سنی ہمارے یہاں ہوتے ہیں سگ بارگاہ رضویہ — اپنے کو بتانے والے، اکابرین دیوبند کو گندی گالیاں دینے والے وہ جن کے نزدیک یہاں کافروں کی حکومت ہے۔ امام بھی کافر ہے لہٰذا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں اور اسی لئے وہ اپنی نمازیں اس طرح پوری کر رہے ہیں — چوروں کی طرح۔

حرم کی باجماعت نماز، حرم کا متقی اور پرہیزگار امام، مسجد نبوی اور مصلائے نبوی کا امام سوچئے تو سہی اس کے پیچھے ان کی نماز نہ ہو سکے؟ لاکھوں نفوس قدسیہ اور اہل اللہ کی اقتدا کرنے والا عظیم مقتدا مردود ٹھہرے؟ طبیعت کا فساد اور عقیدہ کے تضاد کی اس سے زیادہ گھناؤنی تصویر کہیں دیکھنے کو ملے گی؟

قادر مطلق اور مختار مطلق ذات باری تعالیٰ تو ہے ہی، یہ لوگ اس صفات ذات میں حضور نبی کریم کو بھی شامل شریک سمجھتے ہیں — پوچھنا یہ ہے کہ اس اختیار اور قدرت کے باوجود پچاس برسوں سے یہ حکومت مسلط ہے۔ اپنی اور اپنے پیارے نبی کی توہین برداشت کی جارہی ہے اور چھٹکارا نصیب نہیں دونوں بے بس، خدا بھی اور رسول بھی ——— اور یہ جان نچھاور کرنے والے یہاں آتے ہیں، تسلط دیکھتے ہیں اور چوروں کی طرح چلے جاتے ہیں — علی الاعلان احتجاج اور اپنے خیال و عقیدے کا اظہار بھی نہیں کر سکتے ——— باشندگان عرب ان کے نزدیک وہابی ہیں اور ان کے عقیدے کے مطابق خارج از اسلام!

خدائے قادر و توانا جس کو روئے زمین پر اگر کوئی جگہ پسند ہے تو حجاز اور مدینہ ہے، اگر کوئی ذات گرامی محبوب ہے تو وہ "سید البشر" ہیں، روحی لہ الفداء، صلی اللہ علیہ وسلم، تو وہ جس نے کمزور ابابیلوں سے قاہر ابرہہ کے ہاتھوں کی یلغار کے لئے ارسل علیہم طیراً ابابیل کا انتظام فرمایا اور پھر ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھس — کعصف ماکول

تاریخ شاہد ہے جتنی بار بھی ان حرمین الشریفین کے لئے فتنوں کے فتنہ نے سر اٹھایا تو وہ اس طرح نیست و نابود ہوئے کہ تاریخوں میں ان کو گمنامی کی ہی جگہ ملی اور یہ سب صدیوں میں نہیں قرنوں میں نہیں ساعتوں میں ہو گیا، حتیٰ کہ آل سعود کی حکومت کی انتظامیات سے پہلے، مسلمان حکمرانوں نے بھی اگر غلطی کی تو اس کا کچھ اتنی ہی سخت

رہی ، ان کو بھی ان غنچوں کی طرح کھلا دیا گیا جن پر حسرت بھی نہیں کی جا سکتی۔

تین چار پشت پہلے ، پچاس سال کے لگ بھگ جمعہ کے خطبوں میں چھپی ہوئی کتابوں میں پڑھے جانے والے ہمارے "خاقان ابن خاقان" سلطان ابن سلطان خاقان البرین وسلطان البحرین خلیفۂ وقت سلطان عبد الحمید کے آخری دور پر ایک چھپتی نظر ڈال لیجئے ۔ چپہ بھر زمین اور مٹی بھر سپاہ قابو میں ہیں لیکن طنطنہ کا یہ عالم ــــ ! آپ کے یہاں ابھی بھی پرانے ضعفاء موجود ہوں گے ، ان سے یا ان سے سفر حج کی سرگذشت سننے والوں سے پوچھئے کہ کیا جواب ملتا تھا ، خوش نصیب ہوتے تھے وہ لوگ جو سال چھ مہینہ میں جان لیکر پلٹ آتے تھے ورنہ مال واسباب، زاد راہ لٹ جایا کرتی تھی ، آدمی قتل کر دئے جاتے تھے ، حج کا سفر کیا تھا موت کے منہ میں جانا تھا ۔

بانگ درا میں علامہ اقبال مرحوم کی نظم "ایک حاجی مدینہ کے راستہ میں" اٹھا کے دیکھ لیجئے پچاس سال سے پہلے کسی سفرنامہ پر نظر ڈال لیجئے کہ کیا ہوتا تھا اور بادیہ نشینوں کے ہاتھوں نہیں ، مطامین نے بھی کن کن بدعات کو اسلام بنا رکھا تھا اور صرف لوٹنے کیلئے غضب خدا کا چار چار مصلے ، یہ اتفاق و یکجہتی کی تعلیم کا الٹا نتیجہ ، حد ہو گئی ! دور ان کا بھی پورا ہو گیا ، انتظام میں تبدیلی عمل میں آئی ، سعود کو خدمت سونپی گئی ــــ اور آج کے جانے والوں سے پوچھئے نہ فساد نہ جھگڑا ، سونا اچھالتے جائیے اور کوئی لپکنے والا نہیں ۔ قیمتی سے قیمتی اشیاء کے ڈھیر پڑے ہیں کوئی چھونے والا نہیں ، روشنی اور پانی کا وہ انتظام کہ متمدن ممالک سے بھی کچھ افزوں ، آدمی کیلئے ٹیکس پریشان کن نہیں ، مقرر کردہ نصف آمدنی حکومت کی اور نصف مستحقین اقرباء کی ، انتظامی امور کا وہ عالم کہ خیر القرون کی تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے یگانگت اتنی کہ چھوٹے بڑے کی تمیز مشکل ! ــــ

پھر یہ بھی سوچئے نگران اعلیٰ جل جلالہ بقول ان کے وہاں کی بربادی دیکھتا ہے اور چپ ، توہین رسالت پہ اس ذات اعلیٰ اور اقدس کے ہاتھ مفلوج بلکہ اور سونے کے ذخائر کے دہانے کھولدے ، پیٹرول کے چشموں کے لئے زمین کا سینہ چیر دے کہ سارا یورپ محتاج ! برسہا برس گذر گئے بربادی تو الگ رہی ارتقاء کی منزلوں کے لئے راہیں ہموار کردیں اور کرتے جا رہے ہیں ، دولت کی افراط کا یہ عالم کہ حکومت نے مزید آمدنی سے کنارہ کشی کا اعلان کر دیا ہے ،

ان لوگوں سے ایک بات پوچھنے کا جی چاہتا ہے ، آنحضور کے تصرفات واختیارات کے تو قائل ہیں ہی جن کے غلاموں نے قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دئے وہ خود آج اتنے بے بس اور بے مقدرت ہیں کہ وہ موجودہ حکومت کا کچھ نہیں کر سکتے اور خدا کی بھی ساری طاقت سلب ہو گئی ہے ۔
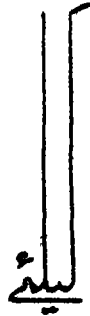
وسیم احمد اعظمی ——— مقیم حال کوتوالی حضرت گنج لکھنؤ

عورت

ایک مطالعاتی تجزیہ!

دنیا کی تاریخ تہذیب و تمدن اب تک جو کچھ منضبط ہو سکی ہے اس کا سلسلہ ولادت مسیح ؑ کے بہت قبل سے جڑا ہوا ہے۔

مہابھارت کی تاریخ آج بھی کوئی اجنبی چیز نہیں ——— شری کرشن کی بانسری کی گونج، سیتا اور راون کے قصے اور اس دور میں وید مقدس کی حکمرانی سب جانی پہچانی چیز ہے ——— پھر وید مقدس کے وہ چار اشلوک جن میں مرد و عورت کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں یا سماج کو برہمن، چھتری (کشتر)، ویش (بیش)، اور شودر وغیرہ طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ اس سے کون پڑھا لکھا واقف نہیں ——— اس نظام میں عورت کی حیثیت بازیچۂ اطفال سے کچھ زیادہ نہیں ہے اس کو انسانوں کے زمرے سے نکال کر جانوروں کے گلے میں کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام سے قبل عورت اپنے متعلقین کے لئے مصیبتوں کا سبب قرار دی جاتی تھی۔ شوہر کی موت کے بعد نکاح ثانی کی اسکو اجازت نہ تھی۔ حد یہ کہ وہ اپنی اس نحوست کی وجہ سے معاشرہ میں رہنے اور زندگی بسر کرنے کے قابل بھی نہیں سمجھی جاتی تھی۔

آج عورتوں کو جو کچھ حقوق دئے گئے ہیں، سب اسلام کی برکت ہے ——— آج جو لوگ تعدد ازدواج کی اباحت پر اعتراض کرتے ہیں انھیں مہابھارت کے دور کی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ تعدد ازدواج کی اجازت وہاں بھی تھی یا نہیں؟

تاریخی واقعات کی بہر حال ایک اہمیت ہوتی ہے اور خاص کر جب ان واقعات و حکایات کا ذکر کسی مذہبی کتاب میں پایا جاتا ہو تو اس کی صداقت سے انکار کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔

عورت اور برہمن ازم

برہمن ازم میں تعدد ازدواج کی رسم

[illegible] جاری ہے اور پہلے بھی تھی اور اس رسم کے پیچھے کوئی [illegible] جذبہ یا دوسا نہیں کام کر رہی تھی بلکہ یہ وہ نظریے (Theory) تھے جس نے عورت کو چوپایوں سے بدتر بنا دیا تھا، اس کی حیثیت اس سے واضح ہے کہ:

" تقدیر، طوفان، موت، جہنم، زہر، زہریلے سانپ ان میں سے کوئی اس قدر خراب نہیں جتنی عورت " (تمدن عرب ص ۳۷۲)

سوامی اراج کے قانون میں:

" عورت صغر سنی میں باپ کی مطیع ہے، جوانی میں شوہر کی اور شوہر کے بعد اپنے بیٹوں کی، اگر بیٹے نہ ہوں تو اپنے اقرباء کی، کیونکہ کوئی عورت ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اپنے طور پر خود مختار زندگی بسر کرسکے۔ " (تمدن عرب ص ۳۷۲)

ہندو مذہب میں ایک عورت کو زانیہ ٹھہرانے کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ:

" وہ کسی مرد کے ساتھ اتنی دیر علیحدہ رہی ہو جتنی دیر میں ایک انڈا تلا جا سکتا ہے۔ "

(تمدن عرب ص ۳۷۳)

مسٹر گستاولی بان لکھتے ہیں:

" ہنود یونانی، رومی اور اقوام حال کے کل قوانین عورت کو لونڈی یا طفل نابالغ تصور کرتے تھے۔ " (تمدن عرب ص ۳۷۳)

اور سیرۃ النبی جلد ششم میں ہے کہ:

" اسلام سے پہلے جو اخلاقی مذاہب تھے ان میں عورت کو اور عورت و مرد کے ازدواجی تعلق کو بہت حد تک اخلاق و روح کی ترقی مدارج کے لئے مانع تسلیم کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں بدھ، جین، ویدانت، جوگ اور سادھو پن کے تمام پیرو اسی نظریے کے پابند تھے "

اور کس قدر شرمناک اور انسانیت سوز ہے یہ بات کہ اگر کسی مرد کو اس کی بیوی سے بچہ نہ ہو سکا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی بیوی کو دوسروں سے ہمبستر ہونے کی اجازت دے اور اس غیر مرد سے ہمبستر ہو کر بچہ حاصل کرنے کی سعی کرے۔

" اسلام کے معاشی نظریئے " کے مصنف نے قدیم برہمنی نظام پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے:

" برہمنوں میں نیوگ کا رواج تھا، اولاد نہ ہونے کی صورت میں عورت کو حق تھا کہ وہ خسر وغیرہ کے حکم پر اپنے دیور یا کسی رشتہ دار سے حسب دلخواہ اولاد پیدا کرے۔ "

خود ستیارتھ پرکاش میں موجود ہے:

" جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ ہو تو اپنی عورت کو اس بات کی اجازت دیدے کہ " اے نیک بخت اولاد پیدا کرنے کی خواہش کرنے والی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے دوسرے خاوند کی خواہش کر، کیونکہ اب مجھ سے اولاد نہ ہو سکے گی " تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے لیکن اس بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کمربستہ رہے۔ "

(ستیارتھ پرکاش ص ۱۵۲)

پتہ نہیں آج نیوگ پر عمل ہوتا ہے کہ نہیں مگر اس کی

خرابیاں ایک مہذب اور شائستہ معاشرے کو برباد کرنے کے لئے کافی ہیں، رسم نیوگ کو کبھی بھی سراہا نہیں جا سکتا، چنانچہ دنیا کی مہذب اقوام خواہ ان کے نزدیک جنسی مصروفیت کسی بھی نوعیت کی ہو اس رسم سے نابلد ہیں، ان کے قومی اور ملکی قوانین اس رسم کو گوارہ نہیں کر سکتے۔ مگر اس سلسلہ میں ہندوازم نے عورت کو اسکی کھلی آزادی دی، خواہ اس کا شوہر راضی ہو یا نہ ہو۔

عورت اور یونان تہذیب و ثقافت کی تاریخ کا آغاز یونان ہی سے ہوتا ہے اور آج کی روشن خیالی کا تاریخی سہرا یونانی آرٹ اور فنون لطیفہ کے سر ہے مگر عقل سلیم اس دور کو کبھی بھی دور حریت اور فکر و نظر کے ارتقاء کا زمانہ کہنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ:

"یونانی عموماً عورتوں کو ایک کم درجہ کی مخلوق سمجھتے تھے، جن کا مصرف خانہ داری اور ترقی نسل تھا اگر کسی عورت کا بچہ خلاف فطرت پیدا ہوتا تو اس عورت کو مار ڈالتے تھے۔" (تمدن عرب ص ۳۷۳)

ان کے یہاں بھی ذرا سے فرق کے ساتھ ہندوازم کی طرح یہ رسم جاری تھی کہ:

"جس وقت کسی عورت کے بچہ ہو چکتا تھا۔ تو فوائد ملکی کی غرض سے اسے دوسرے شخص کی نسل لینے کے لئے اس کے خاوند سے عاریۃً لے لیتے تھے۔"

(تمدن عرب ص ۳۷۳)

طوائف کا طبقہ جس کو کسی بھی مہذب معاشرہ میں کوئی مقام حاصل نہیں وہ یونانیوں کے یہاں عزت و احترام کے لائق بھی جاتی تھیں، ڈاکٹر لی بان (Lebane) لکھتے ہیں:

"یونانی اپنے اعلی سے اعلی تمدن کے زمانے میں بھی بجز طوائف کے کسی کی قدر نہیں کرتے تھے۔"

(تمدن عرب ص ۳۷۳)

عورت اور روم یونان کی تہذیب و ثقافت کے بعد رومی اس کے وارث ہوئے اور روم ایک عرصۂ دراز تک مسیحیت کا گہوارہ رہا ہے اور آج بھی اس کو مرکزی مقام حاصل ہے، اس ملک میں جس مذہبی قانون کو حکمرانی اور فرماں روائی حاصل رہی ہے یا آج حاصل ہے اس کے مطابق عورت کی صحبت، اس سے تعلق و قربت شیطان کا کام ہے، مسٹر ترتولیان (Tarto Lebaan) مسیحیت کے ابتدائی دور کا امام ہے وہ مسیحیت کی عکاسی یوں کرتا ہے کہ:

"وہ شیطان کے آنے کا دروازہ، وہ شجر ممنوعہ کی طرف لے جانے والی، خدا کے قانون کو توڑنے والی، مرد کو غارت کرنے والی ہے۔"

(پردہ ص ۱۲ مولانا مودودی)

مسٹر ڈاکٹر گستاولی بان لکھتے ہیں:

"روم میں مرد کی حکومت اپنی بیویوں پر جابرانہ تھی، عورت ایک لونڈی کی حیثیت رکھتی تھی، جس کا معاشرہ میں کوئی حصہ نہ تھا اور شوہر کو پورا حق اسکی جان پر بھی حاصل تھا۔"

(تمدن عرب ص ۳۷۳)

ایک مسیحی مدبر مسٹر کرائی سٹم ——— (Mr. Christ Wiston) کے الفاظ میں عورت:

"ایک ناگزیر برائی، ایک پیدائشی وسوسہ، ایک مرغوب آفت، ایک خانگی خطرہ، ایک غارت گر دلربائی، ایک آراستہ مصیبت ہے۔"

(بحوالہ پردہ ص ۱۲ مولانا مودودی)

مسیحی دنیا نے عورت کے جذبات و احساسات اور اس کی ذات کو علم کلام کا موضوع بنا رکھا تھا ——— عورت کی نفسی تحلیل، شخصی پوسٹ مارٹم ان کا دلچسپ مشغلہ تھا، وہ یہ بھی طے نہیں کر پائے تھے کہ عورت میں روح انسانی ہے کہ نہیں؟ اگر ان کے اندر کسی قسم کی روح ہے تو کیا وہ بھی مردوں کی طرح زندگی بسر کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے یا کچھ اور مطلب ہے؟ کیا اس کے حصہ میں صرف غلامی ہے یا غلامی اور آزادی کے بین بین کسی اور درجہ کی مستحق ہے؟ محمد قطب اپنی عظیم فکری تصنیف "شبہات حول الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"كانت المرأة فى اوربا فى العالم كله هملاً لا يحسب له حساب. كان العلماء والفلاسفة يتجادلون فى امرها، هل لها روح ام ليس لها روح؟ و اذا كان لها روح فهل هى روح انسانية ام حيوانية؟ و على فرض انها ذات روح انسانية فهل وضعها الاجتماعى والانسانى بالنسبة الى الرجل هو وضع الرقيق ام هو شيئ ارفع منه قليلاً من الرقيق."

(شبہات حول الاسلام ۹۵)

سیرۃ النبی میں موجود ہے:

"عیسائی مذہب میں تجرد اور عورت سے بے تعلقی ہی کمال روحانی کا ذریعہ تھا"

(سیرۃ النبی جلد ششم ص ۱۷۱)

مسیحی علماء کا نکاح کے بارے میں خیال تھا:

"یہ محض حیوانی خواہشات کی بندگی اور ہوس رانی ہے، ان کی زبان میں اس فعل کا نام مہذب زناکاری تھا"

(پردہ مولانا مودودی ص ۲۲)

عہد قدیم باب واعظ میں بھی عورتوں سے احتراز کا حکم دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ:

"جو کوئی خدا کا پیارا ہے وہ اپنے کو عورت سے بچائے گا، ہزاروں آدمیوں میں سے میں نے ایک خدا کا پیارا پایا ہے لیکن تمام عالم کی عورتوں میں ایک بھی ایسی نہیں پائی جو خدا کو پیاری ہو"

(تمدن عرب ص ۳۷۳)

فرانس میں جو آج عورتوں کو ہمہ گیر آزادی دی جانے کی موافقت اور حمایت ہو رہی ہے اور عورتوں نے جس طرح دور قدیم کے نظام اخلاق کا جامہ اتار پھینکا ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عورتوں

کو قدیم نظام میں جو حیثیت دی گئی تھی وہ سراسر لغو اور خلاف عقل و دانش تھی، اس امر کا ثبوت اس فیصلہ سے ملتا ہے جو ۵۸۶ء میں فرانس کی مجلس قانون نے دیا تھا کہ عورت:

"انسان تو کہی جا سکتی ہے لیکن مردوں کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔"

(مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام ۲۰۶)

عورت اور یہود

یہودیت اگرچہ ایک آسمانی مذہب تھا مگر آج غیر الٰہی تعلیمات کی وجہ سے فطرت بہت دور ہوتی جارہی ہے اور عورت کو محکومیت کا درجہ دیتی ہے۔ انسائیکلوپیڈیا (Encyclopedia) میں درج ہے کہ:

"معصیت اول چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی اس لئے اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا ہے اور شوہر اس کا حاکم، شوہر اس کا مالک ہوتا ہے اور وہ اسکی مملوکہ۔" (تفسیر ماجدی)

حالانکہ معصیت کا ارتکاب نظام قدرت میں تبدیلی لانے کا اہل نہیں ہو سکتا، پھر بیچاری عورت اس غلطی کی وجہ سے اگر ہمیشہ کے لئے محکوم ہو جائے تو یہ کہاں کا انصاف ہے ــــــ قرآن حکیم کی تعلیمات اور احادیث رسولؐ سے اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ اس معصیت نے آدمؑ و حواؑ کو زمین پر اتروا دیا، مگر خود قرآن یا احادیث رسولؐ میں کہیں بھی اس کو عورت کی محکومیت کا موجب نہیں قرار دیا گیا!

یہودیت کا نظریہ درا صل اس نظام کی پیداوا ہے جو صرف ایک مخصوص طبقے کے مفادات کے لئے تشکیل دیا گیا تھا، اس طرح سے عورت کو نفسیاتی طور پر بھی احساس کمتری کا شکار ہونے میں ارباب یہود نے کامیابی حاصل کرلی، دیکھئے کس وثوق سے یہودی مفکر ٹرٹیلن (Tartellene) عورتوں سے خطاب کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے:

"کیا تمھیں معلوم نہیں کہ تم سب حوا کی بیٹیاں ہو، اس خدا کا حکم تم پر آج بھی قائم رہے گا اور تمھارا جرم بھی باقی رہیگا، تم سب ہی شیطان کا دروازہ شجرۂ ممنوعہ کو استعمال کرنے والی، خدا کی پہلی مخالفت کرنیوالی ہو، تم ہی وہ ہو جنھوں نے خدائی مرقع کو اس آسانی کے ساتھ میٹ دیا۔"

(بحوالہ مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام ۲۰۶)

عورت اور ایام جاہلیت

عرب جہاں ایام جاہلیت میں عورتوں کو حیوان سمجھا جاتا تھا۔ ان کا مصرف محض ترقی نسل اور خدمت تھا، لڑکیوں کی پیدائش نحوست اور بدقسمتی کی دلیل تھی اور زندہ درگور کرنے کی مستحق۔ ان کے زندہ درگور کرنے کے بیشمار واقعات سے جاہلیت کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ عورت کی تاریخی حیثیت جاننے کے لئے ڈاکٹر گستاؤلی بان "مرسیو کوساں پرسواں" کے حوالے سے ایک مکالمے کو نقل کرتے ہیں:

"آنحضرت اس وقت ایک لڑکی کو زندہ دفن

پر بٹھائے کھلا رہے تھے، قیس نے پوچھا "یہ کس جلاود کا بچہ ہے جسے آپ کھلا رہے ہیں" آنحضرت نے جواب دیا - "میرا بچہ ہے" - قیس نے کہا "باللہ العظیم میری بہت سی لڑکیاں ہوئیں لیکن میں نے انہیں زندہ دفن کر دیا اور کسی کو نہ کھلایا" - آنحضرتؐ نے فرمایا "اے بدبخت معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے تیرے دل میں کسی بھی قسم کی محبت انسانی نہیں پیدا کی تو ایک "نعمت عظمیٰ" سے جو انسانوں کو دی گئی ہے محروم ہے" (تمدن عرب ۳۶۹، ۳۷۰)

اس تعلیم نے ایک تاریخ کو جنم دیا ہے جس کے صفحات میں فطرت انسانی قوانین اسلام سے ہم آہنگ ہوتے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔

عورت اور اسلام

اسلام نے مردوں کے مقابلہ میں عورتوں پر ذمہ داریوں کا بوجھ کم رکھا ہے اور مرد کو مختلف ذمہ داریوں کا پابند بنایا ہے کیونکہ عورت کی فطری ساخت اور جسمانی نزاکت مرد کے برابر ذمہ داریاں اٹھانے کی متحمل نہیں ہو سکتیں، مرد کی اس برتری کو نظم قرآنی میں "الرجال قوامون علی النساء" سے تعبیر کیا گیا ہے کوئی اس کا مطلب یہ نکالے کہ نص قرآنی کی رو سے مرد کو عورت پر حاکم، ڈکٹیٹر ٹھہرایا گیا ہے، یہ صراحۃً غلط ہے بلکہ یہ تفریق عورت کے کسی اختیاری قصور پر نہیں رکھی گئی ہے بلکہ طبی اور نفسیاتی اصولوں کی روشنی میں جزوی طور پر اسے مرد سے کمتر بتایا گیا ہے

(باقی آئندہ)

مسعودہ حیات

ہم کہیں زمانے کی برہمی سے ڈرتے ہیں
وہ نگہ مقدر ہے کچھ اسی سے ڈرتے ہیں
جنس عشق بھی اب تو اس قدر ہوئی ارزاں
عاشقی کے پروردہ عاشقی سے ڈرتے ہیں
عمر بھر تو زہر غم شوق سے پیا ہم نے
دل کا اب وہ عالم ہے ہر خوشی سے ڈرتے ہیں
ظلمتوں نے گھیرا ہے بار بار دنیا کو
لوگ اب فضاؤں میں روشنی سے ڈرتے ہیں
ہم گنا تو سکتے ہیں تیری لغزش پا بھی
ہاں مگر بہار دل کی برہمی سے ڈرتے ہیں
گردش فلک سے اب کس کو خوف ہے لیکن
آدمی ہی دنیا میں آدمی سے ڈرتے ہیں
اب حیات کیا ہوگا پیکر وفا بن کر
لوگ اب وفاؤں کی زندگی سے ڈرتے ہیں

عمر انصاری

جن دنوں وہ خفا سا لگتا ہے
تن سے کچھ سر جدا سا لگتا ہے
دل دہلتا ہے جب کوئی طوفاں
ٹھہرا ٹھہرا ہوا سا لگتا ہے
سرد و گرم اتنے دل پہ گزرے ہیں
ہر فسانہ سنا سا لگتا ہے
مجھ پہ اور تیری چشم لطف و کرم
آج کچھ تو خفا سا لگتا ہے
کیا فسانہ ہے زندگانی کا
جب بھی سنئے نیا سا لگتا ہے
بات کیجے تو ہے بڑا ہشیار !
یوں عمر باؤلا سا لگتا ہے

طرفہ قریشی

کمال ہمت و عزم بلند کا دل ہوں
غبار راہ نہیں شہسوار منزل ہوں
مرا وجود ہے اسرار کائنات کا دل
مذاق خلقت کون و مکاں کا حاصل ہوں
کوئی نگاہ میں جچتا نہیں اب اپنے سوا
یہ کس کے آئینۂ حسن کے مقابل ہوں
مجھے جمال رخ ما سوا سے کیا نسبت
میں اپنے عکس رخ منفرد پہ مائل ہوں
مجھی سے طلعت بزم سخن ہے اے طرفہ
مجھے نہ بھولو کہ میں آبروئے محفل ہوں

شجاع فرخی

زندگانی کا ہر اک لمحہ سزا ہو جیسے
ہر طرف کرب کا دروازہ کھلا ہو جیسے
آج بھی یاد ہے ہر بات اسی دن کی طرح
اس کا ہر لفظ مرے دل پہ لکھا ہو جیسے
چہرے چہرے سے جھلکتا ہوا اک سوزِ دروں
ذہنوں پہ پھیلی ہوئی غم کی ردا ہو جیسے
آپ کو دیکھ کے محسوس یہی ہوتا ہے
دل میں جذبات کا اک حشر بپا ہو جیسے
یادِ ماضی کے پگھلتے ہوئے لمحوں کے طفیل
اب مرا خون بھی سیال بنا ہو جیسے
یوں جلایا ہے غمِ عشق نے دن رات مجھے
دشتِ احساس میں یادوں کا دیا ہو جیسے
یوں مری راہبری کا اسے دعویٰ ہے شجاع
وہ بھی دو گام مرے ساتھ چلا ہو جیسے

خوشتر مکرانوی

زندگی کا سانحہ ہر دن گوارا ہے مجھے
موت نے بیدرد راتوں میں پکارا ہے مجھے
وقت نے بے نقش سانچوں میں اتارا ہے مجھے
بے زباں حساس راہوں سے گزارا ہے مجھے
آ رہے ہیں سب نظر خاموش پھولوں کے قلوب
صبح کے احسان نے اے دوست مارا ہے مجھے
وقت کے بہروپیوں کی دیکھ کر رنگینیاں
تاکھ کی طرح مقدر نے پسارا ہے مجھے
آرزوں نے عمر بھر مجھ سے کیا ہے اجتناب
اپنے ہی حالات نے خوشتر نکھارا ہے مجھے

واحد پریمی

ہم ہنستے ہیں یوں گردِ افکار کے سائے میں
گل جیسے کھلیں شاخِ پرخار کے سائے میں
کیا غم انھیں مرنے کا کیا فکر انھیں جینے کی
ہر وقت جو رہتے ہیں تلوار کے سائے میں
رخسارِ سحر کی اب سرخی انھیں بننا ہے
جو الجھے ہیں گیسوئے شب تار کے سائے میں
یہ دھوپ تو بالآخر ڈھلنے ہی کو ہے یارو
کیوں بیٹھ رہے ہو تم دیوار کے سائے میں
ان شعروں میں ہوتا ہے نشتر کا اثر واحد
ہم شعر جو کہتے ہیں افکار کے سائے میں

ادبیات

سید قمر حسین قمر

دو قطرے آنسو

شام کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے سن سن کی صدا آ رہی تھی، دریا کا پانی لہریں مار رہا تھا ــــ ارشد ان لہروں کو خاموشی سے بیٹھا دیکھ رہا تھا ــــ سورج کی ڈوبتی کرنیں لہروں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھیں، ارشد کا دل بھی اس سورج کی طرح ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا ــــ زینت سے کل کی ملاقات اس کے دل پر جادو کا اثر کر گئی تھی، زینت جو حسن و جمال کی دیوی ہے وہ بھی ارشد کے ساتھ بی، اے، کی طالبہ ہے، حسن کے ساتھ ساتھ ذہانت بھی اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے، ارشد بھی اپنے کلاس کے ذہین لڑکوں میں شمار کیا جاتا ہے، دونوں پر ایک دوسرے کی ذہانت کا بہت اثر ہے.

آج کلاس ختم ہونے کے بعد ارشد باہر نکلا تو لڑکوں کی بھیڑ میں اس کے پاؤں لاشعوری طور پر زینت کو لگ گئے پھر بھی دونوں خاموشی سے باہر چلے آئے، چونکہ دونوں ایک ہی محلے کے رہنے والے تھے اس لئے دونوں کے آنے کا راستہ بھی ایک تھا.

" واہ بھئی! آپ نے مجھے اتنا ذلیل جانا کہ چوٹ لگا کر بھی تو جوتے کی ‚ تھوڑا راستہ طے کرنے کے بعد زینت نے ارشد سے کہا.

ارشد اس اچانک کی گفتگو سے حیرت میں پڑ گیا اسے یہ امید نہ تھی کہ زینت اس سے اس قسم کی گفتگو کرے گی، وہ ہکلاتا ہوا بولا: "کیسی چوٹ؟"

" اچھا تو آپ بھول گئے " زینت نے کہا.

ارشد کی پیشانی پر پسینہ آ گیا، اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا: " آئی ایم سوری "

اب ارشد نے زینت کے رکشے کا ساتھ چھوڑ کر اپنی سائیکل آگے بڑھا دی تھی، وہ اپنے گھر کے قریب تھا لیکن اس کو یہ دیکھ کر حیرت کی انتہا نہ رہی کہ سائیکل کے چند گز پیچھے رکشہ بھی آ رہا ہے، رکشہ ارشد کے گھر کے سامنے والی کوٹھی کے آگے رک گیا اور زینت رکشہ سے اتر کر مستی بکھیرتی ہوئی اندر چلی گئی، ارشد کو اس بات کا ابھی علم ہی نہیں تھا کہ زینت یہیں رہتی ہے ــــ اس وقت ارشد نے سائیکل روک دی تھی اور پھر رکشہ والے سے پوچھا ــــ " تمہارا نام کیا ہے؟ "

" رجب علی! حضور " رکشے والے نے

فوراً جواب دیا۔

"کیا تم روز اس سواری کو لے جاتے ہو؟"
ارشد نے دوسرا سوال کیا۔

"جی حضور!" کہتا ہوا رکشہ والا آگے بڑھ گیا

زینت ایک مالدار اور معزز گھرانے کی لڑکی تھی، اور ہمیشہ سے اسی لکھنؤ میں رہی ــــــ مگر ارشد اس سال ہی صرف پڑھنے کی غرض سے گورکھپور سے آیا تھا، اس لئے اس کو لوگوں کے بارے میں زیادہ معلومات نہ تھیں، وہ کلاس میں بالکل سیریس رہتا اور اپنے ساتھیوں سے بھی زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا، در اصل ارشد بڑا ہی خاموش طبع تھا اس لئے کلاس کے لڑکوں نے اسے "منحوس" کا خطاب دے رکھا تھا، پڑھنے میں ایک اچھا طالب علم ہونے کی وجہ سے لوگ اس کی قدر کرتے تھے ــــــ تنویر اپنے کلاس میں ہنس مکھ اور اپنی زندہ دلی کے باعث ہر دلعزیز تھا، کلاس کے سارے لڑکے اور لڑکیاں اس کی شرارتوں سے لطف لیتے تھے، جس دن وہ یونیورسٹی نہیں آتا اس دن کلاس میں سناٹا چھایا رہتا، قہقہے بلند نہیں ہونے پاتے، کئی بار تنویر نے اپنی گفتگو اور کھیل کود میں ارشد کو بھی شامل کرنا چاہا، لیکن ارشد جی اور نہیں ہاں میں سب باتوں کو اڑا دیتا، تنویر یا اور نوجوانوں کی طرح وہ دوسری لڑکیوں کی طرف نہیں دیکھتا ــــــ شاید وہ لڑکیوں سے خود شرم کھاتا تھا، اس وجہ سے وہ ابھی تک کسی لڑکی سے متاثر نہیں ہوا تھا، مگر زینت کی چند باتوں نے جیسے ارشد کی طبیعت اور ذہن کو بدل دیا جسے آج تک یونیورسٹی کا کوئی لڑکا یا لڑکی سعی ناتمام کے باوجود نہ کر سکے

سورج کے غروب ہوتے ہی وہ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا ــــــ شام ہو گئی تھی، آرام کرنے کی غرض سے وہ بستر پر دراز ہو گیا، زینت کی یاد دل میں لئے وہ سوچتا رہا ــــــ الجھنوں نے اسے آگھیرا تھا وہ خود سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کی طبیعت گھبرائی گھبرائی سی کیوں ہے۔

دوسرے دن جب وہ یونیورسٹی گیا تو اس نے کلاس میں زینت کو کھڑا پایا، ارشد کو دیکھ کر وہ مسکرا دی، جواباً ارشد بھی مسکرا دیا، اس طرح دونوں کی مسکراہٹ نے ایک دوسرے کو محبت کا پیغام دیدیا۔

دھیرے دھیرے ارشد اور زینت کے درمیان تعلقات قائم ہو گئے، شرم کے فاصلے کم ہوتے گئے ارشد میں بھی شوخی اور شرارت آگئی تھی، اب ارشد بھی وہ ارشد نہ رہ گیا تھا، وہ ایک نئے ارشد میں تبدیل ہو گیا، وہ اب کلاس میں ہنسنے بولنے اور دوستوں کی گفتگو میں سب سے زیادہ حصہ لینے لگا۔ لوگ پرانے ارشد اور اس وقت کے ارشد میں مقابلہ کرتے تو زمین و آسمان کا فرق محسوس کرتے، معلوم ہوتا تھا زینت کی محبت ارشد کے لئے خوشیوں اور مسرتوں کا تحفہ لائی ہے، ارشد کے لباس، رہنا سہنا، تمام چیزوں میں تبدیلیاں آگئی تھیں۔

ایک دن زینت اور ارشد شاپنگ کو نکلے،

امین آباد ٹہل رہے تھے کہ ایک کار ان کے قریب آکر رکی، کار ارشد کے مخلص دوست فرید کی تھی ـــــ فرید کار سے اتر کر باتیں کرنے لگا، تسلیم و آداب کے بعد ارشد نے فرید سے زینت کا تعارف کرایا۔

"ان سے ملئے، یہ ہیں مس زینت، میری کلاس فیلو اور ......" ارشد کہتے کہتے رک گیا

فرید بہت پرجوش طریقہ سے زینت سے ملا، وہ لکھنؤ میں ایک اعلیٰ افسر کی جگہ فائز تھا، لمبے قد، چوڑے سینے اور گورے جسم والے فرید کو زینت بغور دیکھتی رہی ـــــ کچھ دیر کی گفتگو کے بعد تینوں نے پاس کے ہوٹل میں چائے پی، چائے پینے کے بعد فرید جانے کو اٹھ کھڑا ہوا، چلتے وقت اس نے شام کے وقت ناشتے پر دونوں کو انوائیٹ کیا۔

دوسرے دن چار بجے دونوں فرید کے بنگلے پر آئے۔

فرید ان دونوں کا پہلے سے انتظار کر رہا تھا کچھ دیر کے بعد نوکر نے ناشتہ میز پر لاکر سجا دیا۔

"آئیے ناشتہ کیجئے" فرید نے زینت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ نے بہت زحمت کی" اس کی کیا ضرورت تھی" زینت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زحمت کچھ نہیں" ـــ "آئیے ارشد صاحب کیوں خاموش ہیں؟"

اب تینوں ناشتہ کرنے لگے، باتیں ہوتی رہیں دوران گفتگو میں فرید نے ارشد سے کہا "پکچر کا پروگرام بنے گا یا نہیں ارشد صاحب؟"

"دکھلائیے تو چلوں"

"چلو"

ناشتہ کرنے کے بعد تینوں پکچر دیکھنے چلے گئے

"اب کب ملاقات ہوگی؟"

فرید نے پکچر سے لوٹتے وقت زینت سے پوچھا

"بہت جلد"

"یعنی کب تک"

"اب دو چار دن کے بعد ہی میں آپ سے مل سکوں گی" زینت نے کہا۔

"او کے" کہتا ہوا وہ کار میں آبیٹھا، اور چند منٹ کے اندر ہی اپنی قیام گاہ پر پہونچ گیا

آج ۲۷ راگست ہے ـــ فرید صوفے پر نیم دراز ایک انگریزی ناول پڑھ رہا تھا، اتنے میں باہر سے گھنٹی بجی، اندر سے اس نے آواز دیا "جو صاحب بھی ہوں تشریف لے آئیں"

اتنے میں دروازہ کھلا ـــ پردے کو جنبش ہوئی اور چند لمحے کے اندر زینت فرید کے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔

زینت کو دیکھ کر فرید اٹھ بیٹھا اور مسکراتے ہوئے بولا "آئیے تشریف رکھئے"

"شکریہ" کہتے ہوئے زینت سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ کی قوت امدادی بڑی پختہ ہے"، فرید نے کہا

"کیوں؟" زینت نے تعجب سے پوچھا۔

"آج ہی ۲۷ر تاریخ ہے نہ ..... اور آج ہی آپ نے آنے کا وعدہ کیا تھا۔

"آئیے کافی نوش کیجئے"۔ نوکر کافی کا ٹرے لئے کمرے میں داخل ہوا۔

"اف! اس گرمی میں، اور کافی؟" زینت نے حیرت سے پوچھا۔

"جی ہاں! کچھ ایسی عادت پڑ گئی ہے" فرید نے الفاظ کو رک رک کر اور چباتے ہوئے جواب دیا اور کافی میں خود شکر ملانے لگا ـــــ اتنے میں کال بیل پھر چیخ پڑی ـــــ فرید اٹھنا ہی چاہتا تھا کہ ارشد حسب سابق مسکراتا، جھومتا اور بے تکلفی کے انداز میں اندر داخل ہوا ـــــ وہ یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ زینت اور فرید ایک دوسرے سے ہمکلام ہیں اور کافی کا دور چلنے ہی والا ہے۔

"آئیے ارشد صاحب کہاں تھے۔ کئی دن سے ملاقات نہیں کی آپ نے ـــــ کیسے تھے؟" فرید نے پوچھا۔

"ٹھیک تو تھا" ارشد نے مختصر سا جواب دے ڈالا اور خاموش ہو گیا۔

زینت نے ایک گلاس کافی ارشد کی طرف بڑھا دیا اور پھر دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگے موجودہ سیاست، فسادات، طلبا میں بے چینی معاشرہ کی خرابیاں اور بڑھتی ہوئی بے روزگاریاں خاص عنوان گفتگو رہیں۔

"ارشد صاحب! شاید آپ بور ہو رہے ہیں" کافی دیر کے بعد زینت نے ایک آنکھ دباتے ہوئے طنزاً پوچھا۔

"نہیں بور نہیں ہو رہا ہوں، آپ لوگ شوق سے باتیں کریں" میز پر رکھی ہوئی ناول اٹھاتے ہوئے ارشد نے جواب دیا۔

ارشد کچھ دیر ٹھہرا، دونوں کی آپسی گفتگو کا اندازہ کرنے کے بعد اجازت مانگی اور چل دیا ـــــ وہ راستے بھر سوچتا رہا۔ فرید کیوں اس طرح بدلا ہوا نظر آ رہا ہے، آخر کیا بات ہو گئی ہے۔ زینت میں بھی اب وہ بات نہیں رہی، اگر دونوں ایک دوسرے کو چاہنے بھی لگے ہوں تو یہ بھی کیا شرافت ہے کہ بچپن کے ایک دوست اور اپنے ایک محسن کو اس طرح بھی بھول جایا جائے زینت کا تجاہل عارفانہ اور اور تغافل اب ارشد کو کھلنے لگا، ارشد نے پورا اندازہ لگا لیا کہ زینت اور فرید میں اب وہی تعلقات قائم ہو گئے ہیں اور وہی جذبے ابھر آئے ہیں جو چند دنوں پہلے زینت اور ارشد میں تھے ـــــ گھر آتے آتے اسکا ذہن چکرا گیا ـــــ فرید کا برتاؤ، زینت کی بے رخی ـــــ انھیں خیالات میں وہ پہروں سا کھویا رہا۔

آج ۷ر اکتوبر ہے، فرید کے یہاں سے

اب تعلقات قریب قریب ختم ہو چکے ہیں ۲۷ر اگست کے بعد ارشد اس کے یہاں نہیں گیا اور نہ تو فریدہ ہی آیا زینت نے تو ارشد سے جیسے بغاوت پر کمر باندھ لی، وہ ارشد کے کیرکٹر کو اپنے ہم جماعت لڑکوں اور لڑکیوں میں خوب اچھال رہی ہے جو کہ سراسر غلط اور بے بنیاد ہے ـــــ ارشد انھیں وجہوں سے پریشان رہنے لگا ہے ، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے کہ وہ کیا کرے ـــــ اتفاقاً اگر یونیورسٹی میں دونوں کا سامنا ہو جاتا تو وہ منہ پھیر لیتی ، کئی مرتبہ وہ زینب سے گفتگو کرنے کے لئے آگے بڑھا مگر ہمت نہ پڑی ، جیسے زینت کوئی اجنبی لڑکی ہو ، وہ رک جاتا ، وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ عداوت کیوں ہے یہ تجاہل عارفانہ کیوں ہے تغافل کیوں ہے ..... لیکن .....

اب ارشد کی دنیا جیسے تاریک ہو گئی ہو ، وہ پھر خاموش رہنے لگا ـــــ کلاس کے لڑکے اسکی خاموشی اور پریشانی کا سبب پوچھتے مگر وہ کچھ نہیں بتاتا ـــــ سیر و تفریح بھی رخصت ہو گئی تھی

آج یونیورسٹی سے آنے کے بعد ارشد نے زینت کو لکھا:

زینت !

یہ میری زندگی کا پہلا اور شاید آخری خط ہے جو تمھیں لکھ رہا ہوں ـــــ ہو سکتا ہے تمھیں خط پاکر تعجب ہو کہ میں نے کیوں تمھیں خط لکھا ؟ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ اب تم سے دو بدو بات کرنے کی مجھ میں ہمت باقی نہیں رہ گئی ہے تمھاری بے اعتنائی سے دل میں ایک بہت بڑا زخم بن گیا ہے اور اس زخم کو رفو کرنے والا شاید ہی کوئی اب مل سکے ، میری زندگی میں ایک دو نہیں ہزاروں پریشانیاں تھیں لیکن تمھیں پاکر میں نے سب پریشانیوں کو بالائے طاق رکھدیا تھا لیکن تمھاری ایک ذرا سی لغزش نے ان زخموں پر نمک کا کام کیا ہے ، بس ہمیں تم سے اور کچھ نہیں کہنا ہے ، میں تم سے صرف اتنا ہی پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا محبت کے دھاگے اتنے ہی کمزور تھے کہ ایک ہی جھٹکے میں ٹوٹ گئے ، تم مجھے بھول گئیں ، لیکن میں تمھیں نہیں بھول سکا ہوں ۔

امید ہے تم میرے اس خط کا جواب آج ہی دے دوگی جواب کا منتظر ـــــ ارشد

ارشد خط کے جواب کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ اتنے میں پڑوس کے ایک لڑکے نے اس خط کا جواب لاکر دیا ، وہ پڑھ رہا تھا ۔

ارشد صاحب !

میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے نہیں بھول سکیں گے پھر بھی میں آپ کو یہ مشورہ دیتی ہوں کہ آپ مجھے بھول کر نصاب کے مضامین یاد کریں ، یہ آپ کے فائدے کے لئے میں ہدایت کر رہی ہوں نہ کہ اپنے جواباً ایک خوشخبری آپ بھی سن لیجئے ، وہ یہ کہ میری شادی ۱۶ر نومبر کو فرید سے ہونے جا رہی ہے ، کیا میں امید کر سکتی ہوں کہ آپ اس میں شریک ہو کر اپنی فراخدلی کا ثبوت دیں گے فقط

زینت

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

کلکتہ کا قتلِ عام

مصنف :- پی۔ سی۔ ماتھر　　مترجم :- رئیس انصاری بی۔ اے۔ ایل ایل ٹی

" ہندو مسلم اتحاد کے دن پورے ہوگئے اس راکھ کے نیچے یہ منافرت کی چنگاری ہمیشہ سلگتی رہیگی ، یہ زخم اتنے گہرے ہیں کہ اچھے ہونے پر بھی اندر اندر ان کی کسک محسوس کی جاتی رہیگی ـــــ اب ہم مل جل کر رہ ہی نہیں سکتے ، انگریزوں کے جاتے ہی ہم پھر ایک دوسرے کے گلے کاٹنا شروع کر دیں گے ، اب ہم صدیوں تک ایکدوسرے کو معاف نہیں کریں گے ، یہ آزمائش اب کبھی ختم نہ ہوگی " ـــــــــــــــ

۲۷ سال قبل ۱۶ اگست ۱۹۴۶ء کی بات ہے
یہ خونی داستان اس تاریخ سے شروع ہوکر بعد کے کئی ہفتوں تک جاری رہی اور نئے ہندوستان کی تاریخ میں ایک خونیں باب کا اضافہ ہوتا گیا۔ ہندوستان اور بالخصوص بنگال کے لئے ۱۹۴۶ء کی بڑی اہمیت تھی ، اسی زمانہ میں یہ بھی ظاہر ہوا کہ ملک کے اندر ہی کچھ ایسے مفاد پرست بھی ہیں جو صورتحال سے سیاسی فائدے بھی اٹھانا چاہتے ہیں۔

انہی سیاسی موقع پرستی اور حکومت کی آمرانہ حکمت عملی نے حالات کو تیزی سے بگاڑ دیا۔

اس سال ۷ مارچ کو انتخابات ہوئے بنگال میں مسلم لیگ کو واضح اکثریت حاصل ہوئی۔ ایوان کی کل ۲۵۰ نشستوں میں سے مسلم لیگ کو ۱۱۵ اور کانگریس کو ۸۶ نشستیں حاصل ہوئیں۔ ایوان میں ۳۴ نشستیں حکومت کے ذریعہ مخصوص طور پر محفوظ کی جاتی تھیں اور ان کو واضح ہدایت تھی کہ وہ صرف اکثریتی پارٹی کی حمایت کیا کریں۔ کانگریس کے لئے یہ شکست ناقابل برداشت تھی ، یہاں تک کہ مولانا آزاد جیسی سنجیدہ شخصیت کو بھی

ان نتائج سے تکلیف پہونچی اور انھوں نے اسے افسوسناک قرار دیا۔ کانگریس نے کھلم کھلا اس رائے شماری کو ایک سازش قرار دیا اور حکومت پر لیگ کی حمایت کا الزام لگایا۔

ان حالات میں ۲۴ر اپریل کو گورنر جان فریڈرک بروز نے حسین شہید سہروردی کو اسمبلی کی اکثریتی پارٹی کے لیڈر ہونے کی حیثیت سے اپنے وزرار کو نامزد کرنے کی دعوت دی۔ کانگریس نے مجلس قانون ساز میں حزب مخالف کے لیڈر کے لئے کرن سرکار رائے کو منتخب کیا۔ کانگریس کے تیور بدلے ہوئے دیکھ کر سہروردی نے کچھ وقت مانگا تاکہ ایوان میں کسی ایک پارٹی اور فرقہ کی حکومت کے بجائے عوام کی نمائندہ حکومت ہو۔

ہندو مسلمانوں کی ایک متحدہ نمائندہ حکومت کے قیام کے لئے سہروردی، کرن سرکار رائے کے ہمراہ دہلی گئے، وہاں اعلی سطح پر کیبنٹ مشن سے مذاکرات کا دور تھا اس کے باوجود انھوں نے مولانا آزاد اور کانگریس کے دیگر زعمار سے ملاقاتیں کیں۔ ایک اخباری کانفرنس میں انھوں نے کہا — "میں چاہتا ہوں کہ بنگال کے مسئلہ کو اس خوش اسلوبی سے حل کر دوں کہ پورے ملک کے لئے ایک قابل تقلید مثال قائم ہو جائے۔

اسی دوران ایسا محسوس ہوا کہ کانگریس نے سہروردی کی تجاویز کو قبول کرلیا ہے لیکن بعدہ کانگریس نے اپنی منظوری کو "پنجاب فارمولے" سے مشروط کر دیا — عجیب بات تھی کہ ملک کی سب سے بڑی فرقہ پرست کہی جانے والی جماعت کی یہ کوشش تھی کہ وہ غیر فرقہ وارانہ بنیادوں پر پہل کر کے ایک سمجھوتہ کرلے اور اس کے برخلاف جس کو ایک غیر فرقہ پرست اور بشمول مسلمانان ہند ایک نمائندہ ملکی جماعت کا دعوی تھا وہ "پنجاب فارمولے" کا نام لیکر اس کو فرقہ وارانہ بنیادوں پر حل کرنا چاہتی تھی کانگریس کی پیش کردہ تجاویز اتنی غیر معقول تھیں کہ آج ان بدلے ہوئے حالات میں بھی کوئی بھی صحیح الدماغ ان کو قبول نہیں کرسکتا۔

مسلم لیگ کو جیسے ہی کانگریس کی نیت پر شبہہ ہوا اس نے کیبنٹ مشن مذاکرات میں تو سخت رویہ کر ہی لیا ساتھ ہی برطانیہ کے خلاف عمل میں لائی جانے والی دوسری تحریکوں میں بھی تعاون دینے سے انکار کر دیا، جسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ کیبنٹ مشن کے مذاکرات ناکام ہو گئے اور بنگال مسلم لیگ کے قائد سہروردی کو مسٹر کرن سرکار سے بھی ہر قسم کے سیاسی روابط ختم کرلینا پڑے — ۲۰ر اپریل ۱۹۴۶ء کو سہروردی ناکام و افسردہ کلکتہ واپس لوٹ گئے۔

کانگریس کی یہ زبردست دوسری ناکامی تھی۔

اس سیاسی ناکامی نے کانگریس میں انتشار پیدا کر دیا۔ بنگال میں مسلم لیگ کو نیچا دکھانے کے لئے کانگریس کے انتہا پسند طبقہ نے عوام کو ورغلانا شروع کر دیا، مسلم لیگ اس کو کیسے برداشت کرسکتی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ لیگ کو کھلے بندوں مسلم عوام کو صف آرائی پر آمادہ کرنا پڑا۔

اس طرح ایک دوسرے کے مقابل صف آرائی کے نتیجہ میں کلکتہ کا یہ سانحہ عظیم ظہور پذیر ہوا۔

برطانیہ کی نظروں میں اپنی گری ہوئی ساکھ بحال

کرنے کے لئے کانگریس نے ہندو اکثریت کا دباؤ ڈالنا چاہا مگر برطانیہ اس وقت ہر قیمت پر ملک میں امن قائم رکھنا چاہتا تھا، مسٹر جناح نے حالات سے سمجھوتہ کرنے کے بجائے مردانہ وار حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو فوراً منظم کرنے کا منصوبہ بنایا۔ کانگریس کے لئے یہ ایک غیر متوقع فیصلہ تھا، مسٹر جناح واقف تھے کہ کانگریس کی بنیادوں میں سے سب سے کمزور اینٹ کون سی ہے جس کے ہٹتے ہی اس میں زلزلہ آجائے گا۔

۲۹ر جولائی کو مسلم لیگ نے راست اقدام کا اعلان کیا، جنگ کے ریزولیوشن کے الفاظ یہ تھے "مسلم لیگ کی مجلس عاملہ کا یہ اجلاس پورے برصغیر کے مسلمانوں کو یہ دعوت دیتا ہے کہ وہ ملک کی واحد نمائندہ جماعت اور اس کے قائد کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں اور متحد ہو کر حالات کا سامنا کریں اور قربانیاں دیں۔ کونسل مجلس عاملہ کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ راست اقدام کا ایک جامع لائحہ عمل مرتب اور مناسب انتظامات اور اقدامات کے لئے عام مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرے۔"

سردار پٹیل نے اس پر رائے زنی کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ اس قسم کی تجاویز سے حکومت برطانیہ سے زیادہ کانگریس کو مرعوب کرنا مقصود تھا!

مسلم لیگ نے عملاً کوئی راست اقدام نہیں کیا لیکن بنگال کے تشویشناک حالات کو دیکھتے ہوئے نوابزادہ لیاقت علی خاں نے برطانوی حکومت کو ان الفاظ میں متنبہ کیا۔ "اگر حالات نے ہمیں مجبور کر دیا تو ہم اپنے تحفظ کے لئے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے قانون کی خلاف ورزی کرنے سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔"

مگر چونکہ بنگال کی کشیدہ صورت حال کا سب کو پہلے سے علم تھا اس لئے اس پر کسی نے اس وقت زیادہ توجہ نہ کی۔

۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء لیگ گورنمنٹ کی جانب سے "راست اقدام کا یادگار دن" منانے کے لئے عام تعطیل کا اعلان کیا گیا۔ افواہیں زوروں پر تھیں اور دونوں طرف کے لئے سب کچھ کر گذرنے کے لئے تیار نظر آتے تھے۔

صوبائی حکومت کے دفاتر "رائٹرس بلڈنگ" میں واقع تھے۔ اس دن دفتر کا وقت ہو جانے پر بھی عمارت میں سوائے چوکیدار کے اور کوئی موجود نہ تھا۔ گورنر کے ہوم سکریٹری نے میرے کمرے میں آکر میری آمد پر پہلے حیرت کا اظہار کیا پھر میرے خیریت دریافت کرنے پر ہونٹ چباتے ہوئے کہا ہاں! اب تک تو سب خیریت ہی ہے۔"

مجھے اس کے عجیب جواب پر تعجب ہوا تو مگر میں خاموش ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد قائم مقام چیف سکریٹری داکر نے "بنگال کلب" جانے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا "اگر اتفاق سے وزیر اعلیٰ کو میری ضرورت پڑ جائے تو مہربانی کر کے انھیں "بنگال کلب" میں میری موجودگی کے بارے میں بتا دیجئے گا۔"

ان کے رخصت ہو جانے کے بعد ایک ماتحتی

سی، افسر اسٹریسی نے مجھے بتایا کہ سریندر ناتھ بنرجی روڈ سے گذرتے ہوئے اس نے کچھ مکانوں میں آگ لگی ہوئی دیکھی ہے اور بعض رکشے پر کچھ زخمی لیجائے جارہے ہیں۔

ہوم سکریٹری نے لال بازار پولس اسٹیشن کے حوالے سے کسی طرح کی وارداتوں کی تصدیق نہیں کی، اسٹریسی نے مجھے بتایا کہ "رائٹرس بلڈنگ" کے کارکنان کے پاس حالات سے نپٹنے کے لئے نہ کوئی منصوبہ ہے اور نہ کوئی انتظام، کیا ہونے والا ہے وہ اس سے بالکل بےخبر ہیں۔

ہم نے لنچ کے لئے رخصت لی اور سہ پہر بعد ملنے کا وعدہ کیا۔

سڑکوں پر پولیس والے کہیں دکھائی نہیں دئے — "راست اقدام" کی تقریب کے سلسلے میں کئی جلوس آکٹرلونی کالونی (شہید مینار) کی طرف جارہے تھے، لنچ کے دوران مجھے اپنے سکونتی علاقہ میں کچھ وارداتوں کی اطلاع ملی۔ پتہ چلا کہ جلوس کے نعروں سے مشتعل ہوکر ایک جگہ اس پر حملہ بول دیا گیا ہے، اتنی زیادہ تعداد میں لوگ زخمی ہوئے کہ قریبی اسپتال میں مریضوں کی گنجائش باقی نہ رہی۔

لنچ کے بعد میرا ارادہ گھر واپسی کا تھا مگر ......
ایک مسلح موٹر سائیکل سوار پولیس آفیسر نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کی درخواست کی کیونکہ مجھے فوری طور پر لال بازار پولس کنٹرول روم میں طلب کیا گیا تھا!! کیا آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ میری اس فوری طلبی کے پیچھے کون اہم شخصیت تھی؟

موٹر سائیکل سوار کے ساتھ آفس جاتے ہوئے کئی جگہ راستوں کو اینٹ پتھروں کی وجہ سے ناقابل گذر پایا، اور مکانوں پر آگ لگی ہوئی دیکھی — پولس ہیڈکوارٹر کی پشت پر واقع بڑا بازار میں سے بھی جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا، پورے علاقے بھر میں زخمی اور لاشیں بکھری پڑی تھیں۔

میں نے اپنے ہمراہی سے دریافت کیا کہ حالات پر قابو پانے کے لئے پولس نے اب تک کیا کارروائی کی ہے اس بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے انداز گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ اپنی ذمہ داری پر کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لئے اوروں کی طرح وہ بھی افسران بالا کے احکامات کا منتظر تھا۔ پولس کے عملہ کی بدعملی کی وجہ بتاتے ہوئے اس نے یاد دلایا کہ ۲۱ر نومبر ۱۹۴۵ء کو دھرم تلہ کے میدان کے چوراہے پر پولس کو ایک بےقابو مجمع پر گولی چلانی پڑی تھی جس سے رامیشور بنرجی نام کا کوئی غیر معروف طالب علم لیڈر ہلاک ہوگیا تھا، پولس انسپکٹر مسٹر ہمید کو اسی الزام میں معطل کیا گیا تھا، تحقیقات جاری تھی، اور ان کی جلد بحالی کی بھی کوئی امید نہ تھی، ان کی تقلید کرکے کسی کو اس معطلی کے زمرہ میں شامل ہونے کی خواہش نہ تھی،

اس کا کہنا تھا کہ مسلم لیگ گورنمنٹ اس کو نہ بخشے گی اور ہندوؤں پر گولی چلانے سے حزب مخالف ایک طوفان کھڑا کردے گی۔ پولس کی اس بےبسی نے اس کو غفلت اور لاتعلقی برتنے پر مجبور کردیا تھا۔
میں جب وقت پولس کنٹرول روم پہونچا،

وہاں بالکل سکون " حادثاتی نوٹس بورڈ " بالکل صاف تھا اور اعلیٰ حکام میں سے کسی کو بھی واقعات کی کوئی خبر نہ تھی۔

حسین شہید سہروردی بہ نفس نفیس اس وقت پولیس کنٹرول روم میں موجود تھے، ان کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں اور وہ حد درجہ پریشان تھے، بے خبری میں وہ بڑبڑائے " کوئی نہیں جانتا کہ اگلے لمحہ کیا ہونے والا ہے "

مجھے دیکھتے ہی وہ کچھ بے چین ہو اٹھے۔ مجھے پاس بلایا اور تھراتے ہوئے لہجہ میں بولے " میں نے تم پر ہمیشہ بھروسہ کیا ہے، آج بھی مجھے تم پر ویسا ہی اعتماد ہے، میں جانتا ہوں کہ بے حد جذباتی ہوتے ہوئے بھی تم اپنے فرائض سے کبھی غافل نہیں ہو سکتے میں تم سے صحیح صورت حال معلوم کرنا چاہتا ہوں "

انھوں نے ایک مسلح موٹر سائیکل سوار کو میری معیت میں دیکر میری طرف جواب طلب نظروں سے دیکھا۔

موٹر سائیکل کے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے ہمیں کئی جگہوں پر لاشیں خود ہی ہٹانا پڑیں۔ بعض جگہوں پر لاشیں اتنی زیادہ تھیں کہ مجبوراً ہمیں موٹر سائیکل سے انھیں روندکر نکلنا پڑا۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

رات بھر سو نہ سکا، یہ شعر دہراتا تھا اور روتا تھا

یہ کس کی لاش بے گور و کفن پامال ہوتی ہے
زمیں جنبش میں ہے برہم نظام آسماں تک ہے

دوسرے دن آفس پہونچا تو سہروردی صاحب کو اپنا منتظر پایا، معلوم ہوتا تھا سہروردی صاحب نے ساری رات وہیں دفتر میں گذاری تھی۔

اسی وقت مجھ سے بھی سینئر پولس آفیسر کوئی مسلم نہیں بلکہ ہندو پولیس آفیسر نے جن کو آزادی کے بعد انسپکٹر جنرل پولس بنا دیا گیا تھا، ایڑیاں بجاکر مسٹر ہارڈوک کو سلامی دی اور یہ رپورٹ دی

" جناب عالی! حالات پوری طرح قابو میں ہیں، آپ کو دی گئی رپورٹیں صحیح نہیں ہیں، جہاں تک مجھے معلوم ہے زیادہ سے زیادہ بیس آدمی ہلاک اور دو سو مجروح ہوئے ہوں گے "

میں نے اعداد و شمار کو یکسر گمراہ کن بتایا اور وزیر اعظم کو وہ تفصیلی رپورٹ پیش کی جس میں مجروحین اور ہلاک شدگان کی تعداد گلیوں اور سڑکوں کے حوالے سے میں نے درج کی تھی، سہروردی صاحب خاموش ہو گئے اور پنسل اٹھاکر میری مرتب کردہ رپورٹ کے نیچے یہ جملہ لکھدیا:

" اس رپورٹ سے میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ ہلاک شدگان کی تعداد دو سو اور مجروحین کی تعداد دو ہزار سے ہر حال میں زیادہ ہے "

اسی وقت گورنر بنگال مسٹر بروز علاقہ کا ایک سرسری معائنہ کرنے کے بعد پولس ہیڈ کوارٹر پہونچے میری مرتب کردہ رپورٹ کی بنیاد پر سہروردی صاحب

نے گورنر بنگال پر بہت زور دیا کہ اس صورت حال کے تحت رہ کر حالات پر قابو پانے کے لئے فوراً فوج طلب کرلیں۔

میں سمجھ گیا کہ میری رپورٹ پر بھروسہ کرتے ہوئے گورنر بنگال کو یہ انتہائی قدم اٹھانے کے لئے سہروردی صاحب اتنے پرزور الفاظ میں یہ مشورہ دے رہے ہیں لیکن چیف سکریٹری داکر، ہوم سکریٹری مارٹن اور پولس کمشنر ہارڈوک نے اسکی فوری مخالفت کی اور کہا کہ حالات اب بھی پولس کے قابو کے اندر ہیں۔

مارٹن نے ایک عجیب بات کہی " ذرا یہ بھی دیکھئے کہ اس اقدام سے وائسرائے کیا سوچیں گے؟ یہی نہ کہ ہم نے یہ بکھیڑا اس وقت کھڑا کیا ہے جبکہ وہ ابھی ہفتہ انٹریم گورنمنٹ کو اختیارات منتقل کرنے والے ہیں "

سہروردی صاحب سے ضبط نہ ہوسکا، انھوں نے تیز لہجہ میں جواب دیا " فوری طور پر امن کی بحالی کیلئے اس قدم کو جائز قرار دیکر کیا تم وائسرائے کو اس سے زیادہ مطمئن نہیں کرسکتے "

گورنر بروز نے اس غیر متوقع جواب کو حیرت سے سنا، اپنے ہیٹ کو اطمینان سے سہلاتے ہوئے اس نے کہا " اچھا، تھوڑا صبر کیجئے اور کچھ کرنے کیلئے ہمیں تھوڑا وقت دیجئے "

وہ غصہ میں بڑبڑاتا ہوا تیز قدموں سے چلتا ہوا اپنی کار تک پہونچا اور گورنر ہاوس چلا گیا۔ کنٹرول کے ٹیلیفون کی گھنٹی کو قرار نہ تھا، پتہ نہیں لوگوں کو یہ کیسے علم ہوگیا تھا کہ سہروردی صاحب پولیس ہیڈکوارٹرس میں موجود ہیں، ہر جگہ سے یہی مطالبہ تھا کہ حفاظتی پولس کا اور معقول اضافہ کیا جائے، لاتعداد لوگ ٹیلیفون پر مدد کی درخواستیں کر رہے تھے، مجھے حیرت تھی کہ ان میں مسلمانوں سے زیادہ ہندو تھے جن کی گفتگو سے اندازہ ہوتا تھا کہ انھیں سہروردی صاحب پر مکمل اعتماد ہے ادھر سہروردی صاحب ہر منٹ پر جائے وقوع کی تفصیل کے ساتھ اپنی جانب سے مستحقین کیلئے پولس کمشنر سے امداد بھیجنے کی درخواست کرتے تھے:

" کیا آپ بلاتاخیر اس علاقہ میں امدادی پولس نہیں بھیج سکتے؟ "

ایک طرف قتل و غارت اور آتشزنی کرنے والے منمانی کرتے پھر رہے تھے اور دوسری جانب بنگال کا انگریز گورنر گراں خوابی کے مزے لوٹ رہا تھا اور ان دونوں کے درمیان شہید اپنے کو مجبور و بے بس پاکر خون کے آنسو رو رہے تھے، وہ اس وقت رنج و اندوہ کی زندہ تصویر تھے، ان کا پیارا شہر جل رہا تھا اور وہ بے بسی میں ہاتھ مل رہے تھے

ٹیلیفون پر کسی نے اینگلو انڈین پولس فورس بھیجنے کی درخواست کی، جواب میں ہارڈوک کے منہ سے یہ الفاظ سنے " کیا بولیگا مسٹر! آپ جو منگتا ہے اس رکم کا سارجنٹس تو آپ ہی کے حکم، بھارت چھوڑو " کے ساتھ ہی بھارت چھوڑ گیا۔

ہارڈوک نہ صرف بدتمیز بلکہ بے وقوف اور بے صلاحیت بھی تھا، اکثر کئی موقعوں پر اسی درمیان

میں تحفظ کی درخواست پر وہ جواب دیتا تھا۔ "جناب میں کون ہوں جو آپ کے نجی معاملات میں مداخلت کروں، آپ دیکھتے نہیں کہ ہندو ہمیں ملک بدر کرنا چاہتے ہیں اور مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم سب اختیارات انھیں سونپ دیں، دیکھئے میں کتنا مجبور ہوں، آخر آپ کانگریس آفس فون کیوں نہیں کرتے؟"

کیا کسی کو اس سے بھی زیادہ کسی غیر ذمہ دار اور جابر پولیس آفیسر سے واسطہ پڑا ہے؟

دوسرے دن سویرے آٹھ بجے مجھے علم ہوا کہ کلکتہ میں ہنگامی حالات کا اعلان کر دیا گیا ہے لیکن امن قائم کرنے کی ذمہ داری پولیس ہی کو سونپی گئی ہے، اس کام کے لئے جو پولیس متعین کی گئی تھی اس کی تفصیل یہ ہے کہ لال بازار پولیس اسٹیشن میں حاضر پولیس مینوں کی تعداد دو سو تھی۔ کل ٹریفک کانسٹیبلوں میں سے تقریباً نصف یعنی ڈیڑھ سو کو خصوصی ڈیوٹی کے لئے طلب کیا گیا تھا، ان کے علاوہ سولہ انسپکٹر اور ایک سو چودہ سارجنٹ تھے۔ بغیر کسی خاص اہتمام اور اس معمولی جمعیت کے بھروسہ پر گورنر بنگال امن کی بحالی کے انتظامات پر پوری طرح مطمئن تھا کیا آج ایک معمولی فٹ بال شیلڈ کے مقابلہ کے لئے کھیلے جانے والے میچ کے لئے یا ایک عوامی جلسہ کے انتظام کے لئے اس سے پندرہ گنا پولیس مینوں کو نہیں متعین کیا جاتا؟

علاوہ بریں پولیس کو فسادزدہ علاقہ تک پہونچانے کے لئے نہ تو سرکاری گاڑیوں میں اضافہ کیا گیا اور نہ ہی عوام سے ہی اس قسم کا کوئی مطالبہ کیا گیا نہ ٹریفک پولیس کاروں پر لاوڈ اسپیکر ہی لگائے گئے کہ عوام کو ہنگامی قوانین کی خلاف ورزی کے خلاف متنبہ کیا جا سکے، رائٹرس بلڈنگ سے پیغام رسانی کا سارا اسٹاف غائب تھا اور یہاں تک کہ خفیہ پیغامات کی کتاب فولادی تجوری میں محفوظ ہر طرح کی دسترس سے باہر تھی۔

سکریٹریٹ کی عمارت میں کسی طرح کی کوئی گاڑی موجود نہ تھی، اپنی بیس سالہ مدت ملازمت کے دوران ایسی بد انتظامی اور لاپرواہی سے مجھے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا — آج میں یہ سوچنے پر مجبور ہوں کہ کیا سب کچھ ایک اتفاق تھا یا کسی سوچی سمجھی اسکیم کے تحت باقاعدگی سے سب کچھ کیا جا رہا تھا۔

گورنر بنگال بروز کے معمولات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا، کلکتہ میں اندھیرا بڑھنے کے ساتھ ساتھ قتل و خونریزی کی وارداتیں بھی بڑھ رہی تھیں اور اپنے شباب پر تھیں، کیا کچھ ہو چکا ہے اس کا صحیح اندازہ کسی کو نہ تھا، سہروردی صاحب نے فوج طلب کرانے کی ایک اور ناکام کوشش کی، گورنر نے شہید صاحب سے ہائی بلڈ پریشر کا عذر کر کے رسمی ملاقات تک کرنے سے انکار کر دیا۔

شہید صاحب وزیر اعلیٰ نے اپنے نجی اختیارات سے کرفیو کے احکامات جاری کر دئیے مگر اس کو نافذ کرانے کے لئے ریڈیو نے کوئی اعلان نہیں کیا، سرکاری پریس نوٹ میں بھی اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کرفیو کے

تھا کہ بارے میں خود حکومتی سطح پر کسی کو علم نہ ہو سکا۔
آخر فسادکی آگ بجھی مگر اس وقت جب خود عوام
اس سے تھک گئے۔

۱۸ر اگست ۱۹۴۶ء کو اپنے محکمہ کے ایک متعلقہ
اسٹور کی دوسری چابی لینے مجھے عطر پاڑے جانا پڑا، یہ
ہگلی پر واقع کلکتہ کی ایک مختصر نواحی بستی ہے، درحقیقت
مجھ سے جب یہ سب کچھ برداشت نہ ہو سکا تو میں نے اپنی
ذمہ داری پر پولیس کاروں پر لاوڈ اسپیکر نصب کرا کے
کرفیو کا باقاعدہ اعلان کرادوں، لاوڈ اسپیکر جس اسٹور
میں مقفل تھے ان کی دوسری چابی لینے میں عطر پاڑے
گیا، کلکتہ میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کو دیکھتے ہوئے ہگلی
اور ہاوڑہ میں جو کچھ دیکھا اس سے مجھے بے انتہا حیرت
ہوئی۔

ہاوڑہ میں حالات معمول کے مطابق تھے اور بازار
کھلے ہوئے تھے۔ عطر پاڑے میں دوکانیں کھلی تھیں اور
لوگ حسب معمول خرید وفروخت میں مصروف تھے، کیا
مطلب ہے اگر مسلمان ہی اس فساد کے ذمہ دار تھے
تو کلکتہ میں انھیں کے سکونتی علاقہ میں کیوں فساد ہوا
تھا، ہاوڑہ اور ہگلی میں انھوں نے فساد کیوں نہیں
کیا جبکہ یہاں وہ کلکتہ کے مقابلہ میں بہت زیادہ اکثریت
میں تھے؟

یہاں آکر میں نے آزادی کی سانس لی اور بڑی
بے تابی سے ڈھیر سی سبزیاں اور ڈبوں میں بند خشک
کھانے پینے کا سامان جلدی جلدی خریدنے لگا، کچھ
روز قبل بینک سے نکلوائی ہوئی رقم ایک نعمت

ثابت ہوئی۔ میں نے دل ہی دل میں اپنی اس دور
اندیشی کی تعریف کی، اس خریداری سے جو کچھ بچا میں
نے باقی سب کی ڈبل روٹیاں خرید لیں۔
ان ڈبل روٹیوں سے متعلق ایک عجیب واقعہ
ہوا جس کا مجھے خواب میں بھی خیال نہ آسکتا تھا:
ہوا یہ کہ سہروردی صاحب سے ملاقات ہونے
پر میں نے ان کو ہاوڑہ اور ہگلی کے حالات بتائے اور
ساتھ ہی اپنی "کارگذاری" کا صلہ بھی دکھایا، کھانے
پینے کے سامان کو دیکھ کر شہید صاحب نے سرسری طور
پر اپنے بارے میں جو کچھ بیان کیا اس کو سن کر بے اختیار
جی چاہا کر سارا کا سارا سامان ان کی کار میں رکھ دوں
قصہ کوتاہ میں نے ڈبل روٹیوں کے دو بنڈل زبردستی
ان کی کار میں رکھ دئے لیکن اس سے یہ افواہ اڑ گئی کہ
شہید صاحب لوٹ مار کرنے والوں کو ڈبل روٹیاں
تقسیم کر رہے ہیں، مجھے کیا خبر تھی کہ میری یہ ذرا سی
نیکی ان کی رسوائی کا سبب بنے گی۔
خیر سہ پہر بعد میں رائٹرس بلڈنگ پہونچا۔
چاروں طرف سناٹا تھا، دفتر کے چپراسیوں کی زبانی
معلوم ہوا کہ شہید صاحب مجھ سے ملنے کے لئے اتنے
بے چین تھے کہ کئی بار اپنے دفتر سے خود آکر دیکھ گئے
تھے، میرے پہونچنے کی اطلاع ملتے ہی وہ میرے کمرہ میں
تشریف لائے اور آتے ہی بڑے پیار بھرے لہجہ میں بولے
"ارے بھئی تمھارا "طلسمات" کہاں ہے؟ میں جانتا
ہوں کہ دفتر روانگی سے قبل تمھاری بیوی اسے روزانہ
تمھارے ہاتھوں میں بحفاظت تھما دیتی ہے۔

اس میں سے تھرمس نکالو دیکھو ایک پیالی تک بچی ہے یا نہیں؟ " انھوں نے آرام کرسی پر پیر پھیلاتے ہوئے اطمینان کی ایک لمبی سانس لی، مگر تکان اور ذہنی الجھن ان کے چہرہ سے صاف ظاہر تھی، میں ان کے لئے کپ میں چائے انڈیل ہی رہا تھا کہ ان کی نگاہ میری میز پر پڑے ہوئے سگریٹ کے ٹن پر پڑی۔ کچھ لمحوں تک وہ کچھ سوچتے رہے پھر سر کو ایک خفیف سا جھٹکا دیکر اٹھے اور بلا تکلف ایک سگریٹ سلگا کر انھوں نے چند سگریٹیں اور اٹھالیں اور کہنے لگے " اگر تمھیں ناگوار نہ ہو تو میں چند سگریٹیں اور لے لوں " میں نے اپنا عطر پارے سے خریدا ہوا سارا " خزانہ " ان کے سامنے انڈیل دیا۔ کیونکہ میں اسے گھر سے زیادہ دفتر میں محفوظ سمجھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ بولے:

" ماتھر! تو گویا تم بھی میری ہی طرح سوچتے ہو " پھر چند ضرورت کی چیزیں نکال کر انھوں نے بڑے مربیانہ انداز میں فرمایا " ان کو بڑی حفاظت سے خرچ کرنا، ہو سکتا ہے کافی لمبے عرصہ تک تمھیں ان پر ہی گذارہ کرنا پڑے۔ کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ " وہ جانے کے لئے اٹھے مگر نہ جانے کیا سوچ کر پھر واپس مڑ کر اسی آرام کرسی پر بیٹھ گئے، معلوم ہوتا تھا کہ انھیں اس وقت ایک ایسے ہمدرد اور غمگسار کی ضرورت تھی جو ان کا درد سمجھ کر ان کو تسلی دے سکے۔ کہنے لگے " ماتھر جو کچھ بھی ہوا بہت برا ہوا، کلکتہ حیوانوں کے ہاتھ میں ہے وہ نہ تو ہندو ہیں اور نہ مسلمان وہ صرف بے رحم قاتل ہیں، وہ ٹھگ، لفنگے اور آوارہ گرد ہیں۔

مذہب اور اخلاق سے نابلد، پیار سے ناآشنا، محبت سے ناواقف، وہ اس ملک کی سب سے بڑی بدبختی ہیں، ان کے لیڈر جو کل تک ان کی راہنمائی کے دعویدار تھے آج ان کی یہ بے راہ روی دیکھ کر ہم سے زیادہ خود اپنے ان پیرووں سے خوفزدہ ہیں، انھوں نے ڈائرکٹ ایکشن کا نعرہ تو دے دیا مگر سچ پوچھو وہ خود نہیں جانتے کہ اس سے ان کا مطلب کیا تھا، وہ بس موقع کی تاک میں رہتے ہیں۔ ہندو قوم کی لیڈر شپ دہشت گردوں کے ہاتھ پہونچ چکی ہے اور مسلم لیگ کی باگ ڈور کچھ مولوی نما داڑھی والوں کے ہاتھ میں ہے جو رات دن میری تکفیر کے درپے ہیں، اس وقت اگر میں ان لوگوں کو چوراہوں پر بھی کھڑا ہو کر پکاروں تو وہ میری نہیں سنیں گے اور دوسری طرف ہندو مہا سبھا، آر ایس ایس اور جن سنگھ وغیرہ میں سے کسی کی بات نہیں مانیں گے ہمیں اپنا رہنما تسلیم کرنے والے اس وقت ہماری بات پر کان دھرنے کو تیار نہیں اور دوسری جانب ان کے لیڈر بھی ان کی مرضی کے مطابق چلنے کو راضی نہیں پھر ایک اور بڑی مشکل ہے جس کا علاج کسی کے پاس نہیں اور وہ یہ کہ مسٹر جناح صرف انگریزی میں گفتگو کرتے ہیں ان کے حاشیہ بردار اور علاقائی لیڈر ان کی باتوں کو اپنی منشا کے مطابق توڑ مروڑ کر اپنی علاقائی زبانوں میں (ان علاقوں میں) ترجمہ کر لیتے ہیں اسی طرح گاندھی جی بھی آدھی ہندی آدھی گجراتی بولتے ہیں، ان کے الفاظ کو سب سے پہلے انگریزی میں اور بعد میں ہندوستان کی دوسری زبانوں میں ترجمہ کیا جاتا ہے

عوام تک جو کچھ پہونچتا ہے وہ گاندھی جی کے کہنے سے کچھ بھی مطابقت نہیں رکھتا۔ اس لئے صحیح معنوں میں عوام نہیں بلکہ وہ لیڈر قصوروار ہیں جو اکثر و بیشتر یہ بتانے سے قاصر رہتے ہیں کہ ان کے لیڈروں نے جو کچھ کہا اس کا مطلب وہ کیا سمجھے اور دراصل لیڈر کے کہنے کا کیا مطلب تھا۔ دیکھئے میرے کہنے کا کوئی غلط مطلب نکالنے سے پہلے آپ کو میری بات پر توجہ دینی چاہئے۔ اگر ذرا دیر کے لئے یہ فرض کر لیا جائے کہ میں ہندو ہوں تو میری اولین خواہش ہوگی کہ اس ملک میں رام راج قائم ہو جائے مگر میری طرح کسی لیڈر تک کو یہ علم نہیں کہ رام راج کیسا ہوتا ہے؟ گورا یا کالا؟

میں ایک بالکل سچا واقعہ بیان کرتا ہوں:

"جناب رامانند چیٹرجی اس کے راوی ہیں، ان کے بقول ایک بار جب وہ لوکمانیہ تلک کی عیادت کو گئے تو ان کی تسلی خاطر کے لئے کہدیا کہ تلک جی بہت ممکن ہے رام راج آپ کی زندگی میں قائم ہو جائے تو باوجود اتنی شدید علالت کے تلک صاحب بستر پر بے چین ہوکر بیٹھ گئے اور کہنے لگے:

"رامانند تو پھر پیشوائی تو ہمیں کو واپس ملے گی؟"

"اب آپ سمجھ گئے ہوں گے" سہروردی صاحب نے فرمایا "کہ اصلیت کیا ہے دوسری جانب میں یہ نہیں کہتا کہ ہندوستان کا مسلمان پاکستان کا صحیح مفہوم سمجھ کر اس کی حمایت کر رہا ہے، نہیں ماتھر ہرگز ایسا نہیں ہے۔ پاکستان مانگنے والے درحقیقت یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ قاضی اور خلیفہ کا دور ایک بار پھر واپس آجائے گا اس سے بھی آگے بڑھ کر وہ اپنی سلطنت اور نوابی کی واپسی کی آس میں پاکستان کی حمایت میں جان تک دینے سے نہیں گھبراتے، وہ کیبنٹ مشن اور اس سے ہماری پیچیدہ بات چیت سے بالکل ناواقف ہیں وہ بالکل نہیں جانتے کہ اس ترقی یافتہ دور میں حکومتیں کیسے قائم ہوتی ہیں، یہ بھولے بھالے سیدھے لوگ جدید حکومت اور اسکے سیاسی داؤں پیچ سے قطعاً ناآشنا ہیں،" وہ ذرا رکے اور پھر کہنے لگے: "ماتھر تم سمجھ گئے ہوگے ہم میں سے ہر ایک انگریز کو ہندوستان سے اس لئے نہیں نکالنا چاہتا کہ ملک و قوم ترقی کرے نہیں۔ اس کے برعکس میرا پختہ عقیدہ ہے کہ ہم آزادی اسلئے چاہتے ہیں کہ ہماری اپنی ترقی حکمرانی اور دولت سمیٹنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یعنی انگریز ہمارے راستے سے ہٹ جائے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک کلکتہ ہی میں کیا پورے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کے دن پورے ہوگئے منافرت کی آگ اگر ایکبار بھی بھڑک اٹھے تو یہ کبھی نہیں بجھتی، اس کی راکھ کے نیچے ہمیشہ اس کی چنگاریاں دہکتی رہتی ہیں، نفرت اور حقارت کے یہ زخم اتنے گہرے ہیں کہ زندگی کا کوئی مرہم ان کو مندمل نہ کریگا اوپر سے یہ زخم بالکل نہ معلوم ہوں گے مگر ان کی کسک سے ہمیں کبھی قرار نہ ملیگا"

انھوں نے ایک اور سگریٹ سلگایا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے، "میرے بھائی! اب ہم کبھی مل جل کر نہیں رہ سکیں گے۔ تم جلد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لوگے کہ کلکتہ کی طرح انگریزوں کے یہاں سے رخصت ہوتے ہی ہم ایک بار پھر ایک دوسرے کے گلے کاٹنا شروع کر دیں گے۔ تم کلکتہ کے شب و روز کے بارے میں سوچ سوچ کر پریشان ہو لیکن سچ جانو ہم صدیوں تک ایک دوسرے کو معاف نہیں کریں گے یہ ایک ایسی آزمائش ہے جو کبھی ختم نہ ہوگی، اپنی جان کی حفاظت کرنا، خدا تم کو محفوظ رکھے"۔

وہ دھیرے سے اٹھے، ان کی نگاہیں کھڑکی سے باہر دور خلاء میں کچھ دیکھ رہی تھیں۔ انھوں نے میری طرف محبت پاش نظروں سے دیکھا اور رخصت ہو گئے۔

آج میں نے ایک بالکل مختلف سہروردی کو دیکھا تھا، کیا واقعی کسی مسلم لیگی وزیر اعظم کی شخصیت اتنی دلفریب اور مسحور کن بھی ہو سکتی ہے،

لارڈ ویول، وائسرائے اور گورنر جنرل مملکت ہندوستان ۲۵ر اگست ۱۹۴۶ء کو معائنہ کی غرض سے کلکتہ پہونچے، ہوائی اڈہ پر گورنر بنگال فریڈرک بروز نے ان کا خیر مقدم کیا لیکن حسن شہید سہروردی غیر حاضر رہے پولیس نے وائسرائے کے معائنہ کے لئے راستوں کے ساتھ ساتھ مقامات کا بھی تعین کیا، معائنہ کے انتظامات برطانوی امارت وکار کردگی کا اعلیٰ نمونہ تھے ہم صرف ان راستوں سے گذرے جہاں فساد برائے نام ہوا تھا۔ گویا یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ فساد کی افواہ میں کچھ نہ کچھ صداقت ضرور تھی، اس معائنہ کا اختتام سینٹ زیویر کالج کے سامنے ہوا جہاں برطانوی ٹینک، بکتر بند گاڑیاں اور محفوظ فوجی دستے نمائش کے لئے موجود تھے۔

لارڈ ویول نے بروز کی قابلیت کی بہت تعریف کی "فریڈرک ہمیں تو بتایا گیا تھا کلکتہ کی سڑکوں اور گلیوں سے لاشوں کو بغیر روندے گندا ہی نہیں جا سکتا۔ مجھے تو یہاں ایک لاش بھی نہیں دکھائی دی"

بروز نے جو جواب دیا وہ اتنے مدھم لہجہ میں تھا کہ میں سن نہ سکا، وائسرائے کا سکریٹری جارج ایپل جو میرے پہلو ہی میں کھڑا ہوا تھا یہ سن کر چپ نہ رہ سکا "واقعی یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے" مجھ سے برداشت نہ ہو سکا اور میں نے ایبل سے کہا:

"وائسرائے چونکہ آٹھ دن بعد تشریف لائے ہیں اس لئے کافی دیر ہو چکی ہے اور تازہ لاشیں فراہم کرنے کے لئے یہ وقت بالکل ہی ناکافی ہے"

وائسرائے کی آمد سے پہلے ہم نے آیوڈین کے نقاب پہن کر تین دن اور تین راتیں مسلسل سڑکوں اور گلیوں سے 5869 صحیح و سالم لاشیں اٹھائی تھیں اور ان کا اجتماعی کریا کرم یا تجہیز و تکفین کی تھی۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں باڑوہ میں ایک معمولی ہنگامہ ہوگیا فوراً فوج کو امن قائم کرنے کے لئے طلب کرلیا گیا اور کرفیو کا نفاذ کردیا گیا نارٹن جونس جو کلکتہ کے قتل عظیم کے دوران نائب کمشنر پولیس تھا، چاہتا تھا کہ فوج فوری طور پر امن قائم کرنے کی ذمہ داری قبول کرے میں نے بریگیڈیر سے اسکا تعارف کرایا۔

بریگیڈیر نے کہا "مسٹر نارٹن! کتنے افسوس کی بات ہے کہ فوج آپ جیسے شریف اور مہذب شہریوں کی نقل و حرکت پر پابندی لگائے، آخر ابھی ہوا ہی کیا ہے۔ ایک معمولی ہنگامہ ہے، کیا پولس ان معمولی ہنگاموں سے بھی نپٹنے کی اہلیت نہیں رکھتی؟"

نارٹن نے بلا پس و پیش کے جواب دیا "کیوں نہیں بالکل کرسکتی ہے" اس پر بریگیڈیر نے یہ چبھتا ہوا سوال کیا "تو مسٹر نارٹن آپ نے یہی معقول انتظام کلکتہ میں سنہ ۱۹۴۶ء میں کیوں نہیں کیا؟" نارٹن خاموش ہوگیا

میں بھی اس سوال کے جواب کے لئے چار سال سے انتظار کر رہا ہوں۔

مجھے بس اتنا ہی عرض کرنا تھا

"بشکریہ "السٹرٹیڈ ویکلی"

خورجہ ۱۳/۱۰/۷۳ء

محترم فیروز صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

شمسی برادری کی کل ہند کانفرنس منعقد کر کے برادری کی ایک کل ہند تنظیم قائم کرنے کی آپ کی تجویز سے پوری طرح متفق ہوں۔ کام بہت بڑا اور وقت طلب ہے، بہتر ہو کہ ابتدائی طور پر کام شروع کر دیا جائے، پھر بھی کافی وقت درکار ہوگا اس لئے میری تجویز ہے کہ آل انڈیا شمسی کانفرنس آئندہ سال رمضان شریف سے قبل ستمبر ۱۹۷۴ء کی ابتدائی تاریخوں میں بلائی جائے۔ اس عرصہ میں تمام مراحل بآسانی گذارا جا سکے گا۔

جہاں تک جگہ کے تعین کا سوال ہے میں سمجھتا ہوں کہ کانپور موزوں ترین مقام ہو سکتا ہے۔

مجھے اس سلسلہ میں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنے میں یقیناً بڑی مسرت ہوگی۔

خدا کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔ والسلام

آپ کا مخلص :- عبیدالرحمٰن

•

مجلس استقبالیہ ۲۰/۱۰/۷۳ء

آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس

اجلاس خصوصی لکھنؤ ۷۳ء ۱۹ — ۲۵۔ چکمنڈی

نور منزل لکھنؤ

محترمی و مکرمی : تسلیم

آپ کا گرامی نامہ ملا۔ بہت بہت شکریہ!

سرکاری اور کانگریسی حضرات نے ہم کو مطلع کیا کہ وہ اس اجلاس میں شریک ہوں گے، چنانچہ ہم نے ان کے ناموں کا اعلان کر دیا ہے —— ہم نے غیر سرکاری اور غیر کانگریسی حضرات کو بھی مدعو کیا ہے اور اس کانفرنس میں شرکت

کرنے والوں میں کوئی امتیاز نہیں برتا جا رہا ہے ، کچھ غیر کانگریسی
حضرات نے شرکت کرنے کی اطلاع دی ہے اور بہت سے
حضرات کے جواب کا انتظار ہے ــــــ ان شاء اللہ
ان تمام غیر کانگریسی شرکت کرنے والے حضرات کے نام
بھی جلد از جلد شائع ہو جائیں گے ۔

آپ کے روانہ کئے ہوئے شمارے ہم کو موصول
ہو گئے ہیں ، ان شاء اللہ ان کو نمائش میں شامل کیا جائیگا

ہم اس کانفرنس کو سیاست سے پاک و صاف
رکھنا چاہتے ہیں ، صرف اردو صحافت کو فروغ دینے کیلئے
اور اردو کے صحافیوں کی مشکلات کو رفع کرنے کے لئے اس
کانفرنس کو کرنا مقصود ہے جیسا کہ آپ نے بھی تحریر کیا ہے ۔

ہم کو امید ہے کہ آپ کا خلوص اور تعاون ہم کو حاصل
رہیگا جو ہمارے لئے باعث فخر ہوگا ۔

آپ کی تجویز مجلس استقبالیہ میں پیش کر دی جائیگی

نیاز مند سلیم عمر
آفس سکریٹری

سے پوری طرح متفق ہوں اور ہر قسم کے تعاون کے لئے تیار
ہوں ، بہتر ہوگا کہ مجوزہ کانفرنس اگلے سال عید کے بعد
اکتوبر ۱۹۷۳ء میں منعقد کی جائے ، ممکن ہے کہ آپ
کہیں کہ اس قدر طویل وقفہ کیوں تجویز کیا جا رہا ہے ؟
تو اس کی نسبت عرض ہے کہ مجھ سے زیادہ بہتر طور پر آپ
کو اندازہ ہوگا کہ کانفرنس کی تیاری میں کافی وقت لگ جائیگا
سرمایہ کی فراہمی ، تمام مقامات کے لوگوں سے رابطہ قائم
کرنا ، ضروری تجاویز فراہم کرنا اور تنظیم قائم کرنے کیلئے طریق
کار متعین کرنا خاصے دشوار مرحلے ہیں جن کو طے کرنے میں یقیناً
کافی وقت لگے گا ۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس تجویز
پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے اور میری تائید کریں گے ، کیا
اچھا ہو کہ یہ کانفرنس کانپور میں منعقد کی جائے ، چونکہ کانپور
ہی اسکا محرک ہے بہتر ہوگا کہ کام کا آغاز کانپور سے ہی
کیا جائے ۔ ویسے جو آپ پسند کریں ۔ والسلام

طالب خیر :
محمد اسلام

لکھنؤ ۲۱/۱۰/۷۲ء

مکرمی فیروز الدین صاحب

سلام و رحمت !

پچھلے دنوں آپ کا خط ملا تھا جس میں ایک آل انڈیا
شمسی کانفرنس کے انعقاد کی تجویز کے ساتھ برادری کی کل ہند
پیمانے پر تنظیم قائم کرنے کا خیال ظاہر کیا گیا تھا ، اس کے
علاوہ رنگ سنگ کے ذریعہ بھی وقتاً فوقتاً اس خیال سے واقف
ہوتا آیا ہوں ــــ اطلاعاً عرض ہے کہ میں آپ کی تجویز

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بیحد مہربان ،
نہایت رحم کرنے والا ہے ۔

محترم بزرگو اور دینی بھائیو !
السلام علیکم و رحمۃ اللہ

عزیز و مکرم قاری محمد سالم صاحب پسر جناب حکیم الاسلام
قاری طیب صاحب نے سات سال ہوئے جامعہ دینیات
اردو کے سینٹر ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم کئے
اور ان سینٹروں میں سالانہ امتحانات پرائیویٹ ہر سال

پابندی سے ہوتے ہیں۔

خدا کے فضل سے آپ کے مدرسہ فیض عام شعبہ عربیہ مکھنیا بازار کانپور میں بھی ہر سال ہوتے ہیں، کم و بیش امیدوار ہر سال امتحان دیا کرتے ہیں۔

اس امتحان کے چار نصاب ہیں۔

۱ ۔ ابتدائی دینیات اردو ۲۔ عالم دینیات اردو۔
۳۔ ماہر دینیات اردو ۔ ۴ ۔ فاضل دینیات اردو۔

۱ ۔ اس جامعہ کے قیام کا اولین مقصد یہ ہے کہ اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پانے والے مسلمان لڑکے اور لڑکیاں جدید علوم میں دوسروں سے پیچھے رہے بغیر فارغ اوقات میں تھوڑا سا وقت دیکر ایمان سے اس حد تک مستند اور صحیح واقفیت پیدا کرلیں کہ اسلام کے خلاف تعلیمی یا تمدنی رنگ میں ہر آنے والے فتنے سے اپنے آپ کو بچا سکیں اور غلط خیالات و نظریات سے اپنے صحیح اور سچے اسلامی عقیدوں کو محفوظ رکھ سکیں

۲ ۔ جامعہ دینیات اردو کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ عمر کی قید کے بغیر مصروف اور کم تعلیمیافتہ مسلمان مرد و عورت نو عمر لڑکے اور لڑکیاں، محنت کش مزدور و کسان، پابند اوقات سرکاری یا پرائیویٹ ملازمین و تجار دوسرے کاموں کے ساتھ اپنے ذہن سے ضروری حد تک ایسی واقفیت حاصل کرلیں جو مستند بھی ہو، ان کی اسلامی زندگی کے لئے کارآمد بھی۔

استدعا :۔ اس نیک کام کے تعاون کے لئے مدرسہ و مکتب و اسکول کالج کے اساتذہ کرام و ذمہ دار حضرات سے ہماری گذارش ہے کہ وہ اس سلسلہ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے مدرسہ فیض عام شعبہ عربیہ کے صدر مدرس سے رابطہ قائم کریں۔

المشتہر
قاری محمد الٰہی
مدرسہ فیض عام شعبہ عربیہ۔ مکھنیا بازار ۔ کانپور

●

پیلی بھیت ۷۳/۱۰/۲۴ء

بھائی فیروز صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

عرصہ سے رگ سنگ کے صفحات پر کل ہند شمسی برادری کی کانفرنس منعقد کرنے اور برادری کی کل ہند پیمانے پر تنظیم قائم کرنے کی آپ کی تجویز پڑھتا آیا ہوں، گذشتہ ہفتہ آپ کے خط نے خاص طور پر اس تجویز کی طرف توجہ مبذول کرائی ــــــ تجویز نہایت مفید اور مناسب ہے اور آپ کے خلوص و دردمندی کی آئینہ دار، میں ذاتی طور پر آپ کی اس تجویز سے پوری طرح متفق ہوں۔

آپ نے وقت اور مقام کے تعین کے سلسلہ میں میری رائے دریافت فرمائی ہے، اس کے بارے میں بہتر تو یہ ہوگا کہ برادری کے اہل الرائے حضرات ہی کوئی فیصلہ کریں، تاہم میری ناچیز رائے یہ ہے کہ کام بڑا ہے اور اس کی انجام دہی میں وقت لگے گا، تقریباً برادری کے سب ہی حضرات مصروف زندگی گذارتے ہیں اس لئے ضروری کاموں کی تکمیل کے لئے مناسب ہوگا کہ کام ابھی سے شروع کیا جائے کہ لوگ آسانی سے وقت دے سکیں۔

اور تمام مراحل بحسن و خوبی طے ہو سکیں ۔ پوری دلچسپی اور محنت سے کام کیا جائے تو بھی میرے نزدیک ایک سال سے پہلے کانفرنس کا انعقاد ممکن نہ ہوگا اس لئے میری تجویز ہے کہ کانفرنس اگلے سال اسی ماہ اکتوبر ۱۹۷۳ء کی کسی مناسب تاریخ پر منعقد کی جائے ۔ مقام کے لئے یوں تو بہت سی جگہیں ہو سکتی ہیں لیکن میرے نزدیک کانپور موزوں ترین جگہ ہوگی ، یہ میری ذاتی رائے ہے ۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی دوسری جگہ اور وقت تجویز کیا جائے تو مجھے اس سے بھی اتفاق ہوگا والسلام

مشتاق ملاقات :- محمد ظفر احمد

●

علی گڑھ
۱۵/۱۰/۱۹۷۲ء

بھائی فیروز بوبجہ صاحب !

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

وقتاً فوقتاً ماہنامہ گ سنگ کے صفحات پر کل ہند شمسی برادری کی کانفرنس منعقد کرنے کی آپ کی تجویز اور اسکے بارے میں دوسرے لوگوں کے خیالات مطالعہ سے گذرتے رہتے ہیں ، کانفرنس کے انعقاد سے متعلق آپ کی تجویز نہایت معقول مفید اور دور رس نتائج کی حامل ہے ۔ میں اس سے پوری طرح متفق ہوں اور ہر طرح کا تعاون دینے کو تیار ہوں ، میری تجویز ہے کہ مجوزہ کانفرنس آئندہ سال اکتوبر ۱۹۷۳ء میں منعقد کی جائے ۔ میرے نزدیک کانفرنس کی تیاری اور دور دراز کے لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں خاصا وقت لگے گا اس لئے ایک سال کا وقفہ ضروری ہے ـــــ جگہ کے لئے میں سمجھتا ہوں کانپور موزوں ترین جگہ ہوگی ۔ اگر کانپور کی برادری ایسے میٹنگ کی ذمہ داریاں قبول کرے تو بڑی خوشی کی بات ہوگی ۔ والسلام

خیر اندیش :- معروف احمد

سوالات و جوابات

لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلومی
کے
قلم سے

توفیق احمد علی گڑھ

س. لوگ محبت کو پاگل پن کہتے ہیں تو نفرت کو کیا کہیں گے

ج. جو لوگ محبت کو پاگل پن کہتے ہیں وہ نفرت کو بھی
پاگل پن ہی کہیں گے فرزانگی نہیں کہہ سکتے

س. محبت کے بارے میں کوئی اچھا سا شعر سنائیے ؟

ج. محبت بے نیاز کوہ و صحرا
یہ بجلی خرمن دل ڈھونڈتی ہے

س. آخر لوگ محبت کو برا کیوں سمجھتے ہیں

ج. لوگ محبت کو نہیں بوالہوسی کو برا سمجھتے ہیں۔

محمد اسلم نانپور

س. ہندوستان کی سب سے بڑی اور سب سے خوشحال
ریاست کون سی ہے۔

ج. ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست اترپردیش
اور سب سے خوشحال ریاست پنجاب ہے

س. سچی خوشی اور سچے غم کی تعریف کیجئے۔

ج. ہمارے نزدیک سچی خوشی وہ ہے جو دوسروں کو
فائدہ پہونچا کر حاصل ہو اور سچا غم وہ ہے جو دوسروں
کا درد محسوس کرکے حاصل ہو۔

س. جوش ملیح آبادی کا کوئی ایسا شعر سنائیے جو آجکے
حالات پر پورا اترے۔

ج. سنئے :

یہ مانا رفتہ رفتہ زندگی پروان چڑھتی ہے
مگر اس رفتہ رفتہ کا نہیں ملتا نشاں اب تک

معین فاروقی لکھنؤ

س. کیا عرب اسرائیل جنگ فیصلہ کن ثابت ہوگی۔

ج. بڑی طاقتوں کی مصلحتیں آڑے نہ آئیں تو عرب
اسرائیل جنگ فیصلہ کن ثابت ہو سکتی ہے۔ اور اسرائیلی
جارحیت کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

س. [illegible] کے عربوں اور [illegible] کے عربوں میں کیا

فرق ہے۔
ج۔ ۱۹۶۷ء کے عرب تذبذب اور غفلت کے شکار اور عملی اتحاد سے محروم تھے ـــــ برخلاف اس کے ۱۹۷۳ء کے عرب حصول مقصد کے جذبے سے سرشار اور اتحاد کی دولت سے مالامال ہیں
س۔ کیا اسرائیل عربوں کا ایک اچھا پڑوسی بن سکتا ہے۔
ج۔ اب تک کے حالات تو یہی ثابت کرتے ہیں کہ اسرائیل عربوں کا اچھا پڑوسی نہیں بن سکتا پھر یہودیوں کی توسیع پسندی۔ عرب و اسلام دشمنی اور بدطینتی سے مستقبل میں بھی ان سے کسی بھلائی کی توقع نہیں کی جا سکتی

محمد رئیس کانپور

س۔ دنیا میں سب سے پہلے کیا چیز پیدا کی گئی
ج۔ دنیا میں سب سے پہلے نور محمدی پیدا کیا گیا۔ مشہور حدیث ہے:
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ
س۔ پردے کے مطلب کیا ہوتے ہیں؟
ج۔ اسلامی اصطلاح میں مسلمان عورتوں کے نامحرموں کی نگاہ سے مستور رہنے کو پردہ کہتے ہیں۔
س۔ ہمارے گھروں میں پردہ کا اہتمام کیوں نہیں ہے
ج۔ احساس مرعوبیت کا شکار ہو کر دوسروں کی نظر میں خود کو روشن خیال ثابت کرنے کی دھن میں ہم نے پردہ کو دقیانوسیت کی علامت سمجھنا شروع کر دیا ہے، نتیجہ ظاہر ہے

اختر عظیم گورکھپور

س۔ کیا اسلامی بنک کا قیام ممکن ہے
ج۔ اسلامی بنک کے قیام کے سلسلہ میں ضروری اقدامات بروئے کار لائے جائیں تو یقیناً ممکن ہے
س۔ کیا اسلامی بنک قائم ہونے سے سود کی لعنت کا خاتمہ ہو سکتا ہے
ج۔ اگر مسلم سرمایہ دار اپنی ذمہ داریوں کو صحیح طور پر محسوس کر کے اسلامی بینک قائم کر لیں اور اسے ٹھیک ٹھیک اسلامی اصولوں پر چلایا جائے تو مسلم معاشرہ سے سود کی لعنت یقیناً ختم ہو سکتی ہے۔
س۔ افسانہ اور حقیقت میں کیا فرق ہے
ج۔ وہی جو عالم خواب اور عالم بیداری میں فرق ہے

حبیب احمد اناؤ

س۔ لفظ باعَث اور لاحَق (ع اور ح پر زبر) درست ہے یا باعِث اور لاحِق (ع اور ح کے نیچے زیر)
ج۔ باعِث اور لاحِق بکسر عین و حاء صحیح ہے۔ عین اور حاء پر زبر کے ساتھ باعَث اور لاحَق کوئی لفظ نہیں اور نہ ہی اس طرح کثیر الاستعمال ہے کہ اردو کے لئے اسے صحیح قرار دیا جا سکے ●

ڈیلائٹ ..
Delite FOOT WEAR
مضبوط ...
MAZBOOT
پرنس ....
PRINCE
P.V.C
باوقار لباس پر موزوں
عمدہ جوتے
سوسائٹی میں آپ کی شان وشوکت کو دوبالا کرتے ہیں
اپنی پسند کے مطابق ہر قسم کے جوتے، چپل اور سینڈل
زنانہ، مردانہ، دیرپا اور مضبوط
تھوک وپھٹکر
خریدنے کیلئے ہمیشہ ہماری دکان کو یاد رکھئے
ہیڈ آفس
برانچ
گوھر فٹ ویر
میدہ بازار
کانپور
فون 57857

MONTHLY RAG-E-SANG KANPUR

REGISTERED No. L. 1797 DECEMBER, 1973 Phones : 68820, 60472, 62871

Registered with the Registrar of Newspapers R N. 19397/70

ONLY TITLE COVER PRINTED BY : UPPER INDIA PRINTERS, KANPUR-1.

PER
COPY

ڈائمنڈ جوبلی
سال
لیدر گڈس، اسپورٹس لیدر گڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں۔
ایس محمد اسمعیل اینڈ
حسرت موہانی روڈ، کانپور، پوسٹ بکس
ٹیلیگرام: "زین"
فون: ٦٢٧٠٨
بینکرس:
• الہ آباد بینک
• چارٹرڈ بینک
• اسٹیٹ بنک آف انڈیا
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دنیا کے گوشہ گوشہ میں
٧٢ برسوں سے
شہرت یافتہ

ماہنامہ

رکسش

کانپور

رہے کسی کو نہ احساس تشنگی باقی | ابن ہمایں
شراب ایسی رگِ سنگ سے کشید کرو | قمر علی

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

مدیر ــــــ فیروز الدین بوبیجہ
معاون مدیر شاہد سرور

سرورق ــــــ آرٹیکو

تزئین ــــــ ابن یونس

خطاط ــــــ ملک ابو الحسنات الاعظمی

طابع، ناشر، مالک : فیروز الدین بوبیجہ

مطبوعہ : یعقوب برقی پریس، نئی سڑک
کانپور۔

سال چہارم ــــــ شمارہ ۴۴

جنوری ۱۹۷۴ء م ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ

عام شمارہ ــــــ ایک روپیہ
سالانہ ــــــ دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر :
۸۹/۴۲ مکھنیا بازار ۔ کانپور

فون : 63883، 60472، 62871

اسلام دراصل اس تحریک کا نام ہے جو خدائے واحد کی الوہیت اور حاکمیت کے نظریہ پر انسانی زندگی کی پوری عمارت تعمیر کرنا چاہتی ہے۔ یہ تحریک قدیم ترین زمانہ سے ایک ہی بنیاد اور ایک ہی ڈھنگ پر چلی آرہی ہے اس کے لیڈر وہ لوگ تھے جن کو رسل اللہ (خدا کے فرستادے) کہا جاتا ہے ہمیں اس تحریک کو چلانا ہے تو لامحالہ ان ہی لیڈروں کے طرزِ عمل کی پیروی کرنی ہوگی کیونکہ اس کے سوا کوئی اور طرزِ عمل اس خاص نوعیت کی تحریک کے لئے ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

فہرست مضامین

اداریہ

شہ رگ

ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش الیکشن کے دروازے پر کھڑی ہے ، سیاسی سطح پر اٹھنے والی ہلکی ہلکی لہریں ایک بڑے طوفان کا پتہ دے رہی ہیں ، یہ طوفان ایک طرف حکمراں جماعت کے لئے محاسبہ و مواخذہ اور دوسری طرف عوام کو خوش آیند وعدوں اور دلفریب نعروں سے بہلانے اور مطمئن کرنے کا طوفان ہوگا ، چونکہ اندرا کانگریس ریاست میں حکمراں جماعت کی حیثیت رکھتی ہے اس لئے عوام فریبی کے زیادہ سے زیادہ وسائل اور مواقع اس کو حاصل ہیں اور بڑی حد تک اس نے ان وسائل اور مواقع سے کام لینا بھی شروع کر دیا ہے ، ریاست میں صدر راج کے نفاذ کے دوران اردو کیلئے چند مراعات کا اعلان اور اس کے بعد حکومت کی بحالی کے ساتھ قیادت کی تبدیلی اور تبدیل شدہ قیادت کے ذریعہ عوام اور خصوصًا مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے اعلانات اس بات کی غمازی کے لئے کافی ہیں کہ اس الیکشن کا سامنا کرنے سے پہلے اندرا کانگریس اقلیتوں اور خاص کر مسلمانوں کے دلوں پر لگے ہوئے زخموں کی ٹیس کو دلفریب وعدوں کی خواب آور گولیوں کے اثر سے کچھ دیر کے لئے دبا دینا چاہتی ہے ۔

۱۹۷۱ء کے پارلیمانی الیکشن کے موقع پر شریمتی اندرا گاندھی نے مسلم مجلس کے قائد ڈاکٹر فریدی کے ذریعہ مسلمانوں سے جو وعدے کئے تھے اور مسلمانوں کی بھرپور تائید کی بدولت اقتدار حاصل کرنے کے بعد ان وعدوں کو جس طرح پامال کیا ہے اسے نہ اندرا جی بھولی ہیں اور نہ ہی مسلمان فراموش کر سکتے ہیں ، رسوائے زمانہ مسلم یونیورسٹی ایکٹ ۱۹۷۲ء اسی وعدہ فراموشی کی بدترین مثال ہے جو اندرا حکومت کی طرف سے مسلمانوں کے معاملہ میں ملک کے سامنے پیش کی گئی اور جس کی مسلمانوں کے ساتھ ساتھ تمام انصاف پسند ہندوؤں نے بھی مذمت کی اور پھر اس دل آزار ایکٹ کے خلاف مسلمانوں کے پرامن احتجاج کو نشۂ اقتدار سے چور کانگریسی حکومت نے جس سفاکی اور بے دردی سے کچلا ہے وہ کوئی فراموش کر دینے والی چیز نہیں ہے ، ایوان اقتدار کی طرف سے انصاف اور اخلاق کے سارے دروازوں کو بند پاکر مسلم مجلس نے ملک کی انصاف پسند اور باضمیر

سیاسی پارٹیوں کے تعاون سے ایک تحریک کا آغاز کیا اور اعلان کیا کہ آئندہ الیکشن میں ہر قیمت پر کانگریس کو شکست دینے کی کوشش کی جائے گی ، مجلس کے اس اعلان کا اثر ایک طرف مسلم رائے عامہ کی طرف سے زبردست خیر مقدم کیا گیا تو دوسری طرف حکمراں حلقوں میں اس کی دھمک کو شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا ، کیونکہ مسلم مجلس ایسا ہی ایک فیصلہ ۱۹۶۷ء کے الیکشن کے موقع پر کر کے اس کا عملی ثبوت پیش کر چکی ہے .

اس موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان قیادت و سیادت کے خارزار میں الجھے بغیر متحدہ طریقہ پر اس فیصلہ کا ساتھ دیتے جو ان کی خودداری ، ان کے وقار اور ان کی ملی و تہذیبی انفرادیت کو قائم رکھنے نیز انکو محرومیوں ، ناکامیوں اور نا انصافیوں سے محفوظ رکھنے کی خاطر کیا گیا ہے اور اس طرح ایک بار پھر ثابت کر دیتے کہ وہ مغرور اور سرکش حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کر دینے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ اتر پردیش کے مسلمانوں کے ایک ناپختہ کار اور جوشیلے طبقے نے محض اپنی انا کی تسکین کی خاطر معاملہ فہمی دوراندیشی اور تدبر کے بجائے جذبات کو اپنا رہنما بنا کر مسلم لیگ کی بنیاد ڈالی اور مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور اس طرح ان کے وقار ان کے وزن اور ان کے مفاد کو مجروح کر ڈالنے کا سامان فراہم کر دیا ہے . ظاہر ہے کہ مسلم مجلس اپنی حلیف جماعتوں کے ساتھ مل کر مختلف حلقہائے انتخاب میں اپنے امیدوار کھڑے کرے گی اور ذمہ داران مسلم لیگ کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ مسلم حلقوں میں اپنی مقبولیت کا ڈھنڈورا پیٹنے کی خاطر اس کے بالمقابل اپنے امیدواروں کو میدان میں اتاریں گے ، نتیجہ ظاہر ہے . مسلمانوں کی طاقت آپس میں ٹکرا کر بے اثر ہو جائے گی اور یہ ایسا المناک حادثہ اور تکلیف دہ نقصان ہوگا جس کی تلافی تادیر ممکن نہ ہوگی ۔ لیکن ابھی حالات قابو سے باہر نہیں ہوئے ہیں ، موجودہ صورت حال نے نقصانات کے امکانات روشن کر دئے ہیں ، نقصانات سے محفوظ رہنے کا موقع ابھی بہر حال مسلمانوں کو حاصل ہے ، ضرورت اس امر کی ہے کہ باشعور اور سنجیدہ مسلم حلقے پوری دوراندیشی اور باریک بینی سے حالات کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپس کا یہ ٹکراؤ کس کے حق میں مفید ہوگا . اگر وہ اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ جوش و خروش اور جذبات کے ذریعہ مسلم مسائل کو حل کیا جا سکتا ہے تو ہمیں ان سے کچھ نہیں کہنا ہے لیکن اگر اس کے برخلاف وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ وقت سنجیدگی ، متانت اور تدبر کا متقاضی ہے تو انھیں سامنے آ کر مسلم رائے عامہ کی صحیح سمت میں رہنمائی کرنی چاہئے .

علم یقینی حاصل کرنیکے ذرائع

قسط دوم — از مولوی شریف حسین صاحب

زیرنظر مضمون حضرت مولانا شریف حسین مدظلہ کے مضمون کی دوسری قسط ہے ۔ پہلی قسط اکتوبر نومبر ۱۹۷۳ء کے شمارہ زکوۃ نمبر میں شائع ہو چکی ہے ۔ ناظرین کرام مذکورہ شمارہ سے ربط قائم فرمالیں ، بعض ترتیبی دشواریوں کی وجہ سے دسمبر میں یہ سلسلہ قائم نہ رہ سکا ۔ اس کے لئے ہم حضرت مولانا موصوف اور سالہ کے قارئین حضرات سے معذرت خواہ ہیں ——— ادارہ ۔

ثبوت نمبر ۴ ۔ دعویٰ :۔ اجسام حیوانیہ کی صنعت کا کوئی صانع ضرور ہے ۔

دلیل ——— کیونکہ ہم ان کی ساخت کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور صنعت بغیر صانع ہو نہیں سکتی ، پس ان کی صنعت کا کوئی صانع ضرور ہے اور وہی اللہ ہے اور یہی مطلوب تھا ۔

جملہ ثانیہ تشریح کا محتاج نہیں ، البتہ دلیل کا پہلا فقرہ کسی قدر وضاحت چاہتا ہے ۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ کوئی انسان اربع عناصر کی ترکیب سے ایک خاص شکل و ہیئت کا ڈھانچہ تیار کر کے اس میں کوئی ایسی چیز نہیں پھونک سکتا جس سے اس کے اعضاء پر گوشت و پوست آجاوے اور ہر ایک عضو خاص خاص کام دینے لگے ، مثلاً آنکھوں میں قوت بینائی اور کانوں میں قوت شنوائی ، زبان میں قوت ذائقہ ، دماغ میں قوت حافظہ وغیرہ پیدا ہو جائیں ، جب یہ کام انسانی طاقت سے باہر ہے تو اس کی بنانے والی کوئی اور طاقت ہے جو انسان سے ممتاز ہے ۔

اگر کہا جاوے کہ انسانی جسم و دیگر حیوانات کے اعضاء کی ساخت نطفہ سے ہوتی ہے تو ہم

پوچھیں گے نطفہ کی پیدائش کس سے ہوتی ہے، اگر اس کے جواب میں کہا جاوے کہ اس کی پیدائش جسم سے ہوتی ہے تو اس حالت میں بحکم علوم متعارفہ ۶۔ دور و تسلسل باطل ہے یعنی حادث چیزیں یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی اس کی علت نہ ہو، یا خود ہی ایک ہی اعتبار سے علت و معلول ہو، جیسے یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی دیوار خود ہی بغیر بنانے والے کے بن گئی ہو یا خود ہی دیوار ہو اور خود ہی اپنی بنیاد و اساس ہو اور لازم آئیگا، یعنی جو چیز ایک اعتبار سے علت ہے وہی چیز پھر اسی اعتبار سے معلول ہو جائے اور علت و معلول کا ایک ہونا باطل ہے۔

جب نتیجہ باطل ہوگیا تو دعویٰ یعنی جسم کی ساخت نطفہ سے اور نطفہ کی ساخت جسم سے" بھی باطل ہوگئی۔

اگر کہا جائے کہ ایک جسم دوسرے جسم سے بنتا ہے اور دوسرا تیسرے سے علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ بنتا چلا جائیگا اور اس کے کسی صانع کی ضرورت نہ ہوگی تو ہم دریافت کریں گے کہ آیا یہ سلسلہ کہیں ختم ہوگا یا نہیں، اگر ختم نہیں ہوتا اور یہ سلسلہ غیر متناہی چلا جاتا تو اس حالت میں تسلسل یعنی موجود چیز کا بے علت ہونا لازم آئیگا اور یہ بحکم علوم متعارفہ ۶ باطل ہے۔

پس معلوم ہوا کہ سلسلہ غیر متناہی باطل ہے اور ضرور کہیں اجسام کا سلسلہ ختم ہوتا ہے جو بغیر نطفہ کے بنا ہوگا۔

پس جو طاقت اس جسم کی جس میں سیکڑوں عجیب و غریب اعضاء اپنے اپنے کام کو پورا کر رہے ہیں بنانے والی ہے وہی ہستی مطلوب ہے۔

اگر کہا جائے کہ اجسام وغیرہ کی کوئی ابتداء و انتہا نہیں اور دور و تسلسل ایسی اشیاء میں ہوا کرتا ہے جو ابتداء و انتہاء رکھتی ہوں اس واسطے دور و تسلسل کا لازم آنا ہمارے مدعا کے منافی نہیں کیونکہ ہم اجسام کو ازلی و ابدی مانتے ہیں اور اس کی تردید بھی ماسبق میں ہوچکی ہے اور بتایا گیا ہے کہ دنیا کے اجزاء ازلی و ابدی نہیں ہوسکتے۔

ثبوت ۵۔

دعویٰ :۔ حیوانات کے اجسام کے اعضاء میں مختلف قوی افعال و حکم و فوائد رکھنے والا کوئی ضرور ہے

دلیل :۔ کیونکہ ہم اجسام حاسہ متحرک بالارادہ میں حکم و فوائد کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور کسی حکمت کا وجود بغیر حکیم کے ہو نہیں سکتا اور حکیم خود انسان ہو نہیں سکتا کیونکہ اس کی طاقتیں محدود ہیں تو معلوم ہوا کہ انسان کے سوا کوئی اور ذات ہے جس کی حکمت سے یہ کارخانہ چل رہا ہے اور وہی حکیم مطلوب ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے نام سے تعبیر کرسکتے ہیں۔

دنیا میں جب ہم کسی بڑھئی یا لوہار یا اور کسی کاریگر کے آلات کو یا کسی کل کے پرزوں کو ایک خاص شکل و وضع سے بنا ہوا اور خاص خاص کام کرنے کے واسطے بنا ہوا دیکھتے ہیں تو ہم یقین کر لیتے ہیں کہ غیر مدرک بے شعور

لوہے نے یہ خاص وضع خود اختیار نہیں کرلی بلکہ اسکو کسی کاریگر نے بنایا ہے اور کسی خاص فائدے اور مطلب کے واسطے اس بے جان عنصر کو مختلف اشکال میں متفاوت کاموں کے واسطے تبدیل کیا ہے

اسی طرح جب اجسام حیوانیہ کے اجزار کو غور سے دیکھتے ہیں اور ایک حصہ کی شکل وشباہت دوسرے سے اور دوسرے کی تیسرے سے جدا جدا کام لیتے ہیں، مثلاً آنکھ کی شکل کان کی صورت سے ممتاز ہے اور دماغ کی حالت معدہ کی حالت سے جدا ہے اور ہر ایک سے جدا جدا کام لیا جاتا ہے سی سے اشیار کی ظاہری صورت معلوم ہوتی ہے ورکسی سے آواز سنائی دیتی ہے اکوئی تفکر اور تدبیر کے کام آتا ہے، تو صاف اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ان میں ایسے حکم کی رکھنے والی اور مختلف امور کی صلاحیت و قابلیت پیدا کرنے والی کوئی عناصر سے الگ طاقت ہے اور وہی اللہ اور الٰہ حقیقی ہے۔

ثبوت ۶

دعوی:۔ عناصر کو باہم ترکیب دینے والا کوئی ہے

دلیل:۔ کیونکہ عناصر مرکب ہیں اور مرکب کے واسطے کوئی نہ کوئی مرکِّب ہوتا ہے پس عناصر کی ترکیب دینے والی وہی ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ وغیرہ ناموں سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس امر کا ثبوت کہ تمام عناصر مرکب ہیں یہ ہے کہ عناصر اتصال اور انفصال کو قبول کرسکتے ہیں اور اتصال وانفصال سوائے مرکب اشیار کے ہو نہیں سکتا۔ اس واسطے جن چیزوں میں اتصال اور انفصال نظر آئیگا وہ مرکب ہوں گی لیکن تمام عناصر میں اتصال وانفصال موجود ہے اور اتنے بڑے وسیع کروں کو آپس میں ترکیب دینا انسانی طاقت سے باہر ہے، اسی واسطے ضروری ہوا کہ ان کو آپس میں جوڑنے والی کوئی اور طاقت ہو اور وہی اللہ جسکی ہستی مطلوب ہے۔

ثبوت ۷

دعوی:۔ ابتدائے خلقت میں نوع انسان کا کوئی معلم ہونا ضرور ہے۔

دلیل کیونکہ ہم بنی نوع انسان میں علم وتعلیم کا سلسلہ جاری وساری دیکھتے ہیں اور سلسلہ علم وتعلیم کا بغیر کسی معلم کے بحکم علوم متعارفہ علم، "فعل کا وجود بغیر فاعل کے ناممکن ہے جیسے لکھنا بغیر کاتب کے، بولنا بغیر لافظ کے متحقق ہو نہیں سکتا، اس واسطے نوع انسان میں تعلیم کا وجود کسی معلم کے وجود ہی سے ہوگا اور وہی معلم اللہ تعالیٰ کے نام سے موسوم ہوسکتا ہے۔

تشریح:۔ ہم بنی نوع انسان کے ہر ایک فرد کو ابتدائے خلقت میں علم کے ذریعہ سے عاری اور اشیار کی ماہیت کی دریافت سے خالی پاتے ہیں، آہستہ آہستہ ہر ایک بچہ تعلیم وتعلم کے ذریعہ سے اشیار کا جاننا اور ان کی ماہیت کا پہچاننا حاصل کرتا جاتا ہے۔ اگر کسی بچہ کو اگرچہ وہ اپنے اندر بہت

قابلیتیں اور لیاقتیں بھی رکھنے والا ہو کسی ایسی جگہ میں چھوڑ دیا جائے جہاں اسے کوئی سکھانے والا نہ ہو تو وہ مثل دیگر حیوانات کے رہ جائے گا اور اس کے تمام کمالات طبعی و خواص روحانی ضائع و برباد ہو جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روح انسانی اپنی ذات کے اعتبار سے حصول علم میں کسی غیر کا محتاج ہے، کیونکہ اگر ماہیت اشیاء کا دریافت کرنا روح انسانی کا خاصہ ہوتا تو بحکم علوم متعارفہ ۶ " لازم اپنے ملزوم سے منفک نہیں ہو سکتا جیسے سفیدی دودھ سے "۔ روح انسانی کو بغیر کسی کے بتلانے کے ہر ایک چیز کی ماہیت سے خبردار ہونا چاہئے تھا مگر نتیجہ برعکس ہے آنکھ میں دیکھنے کا خاصہ ہے وہ کسی کے سکھلائے کے بغیر اپنا کام پورا کرتی ہے اور اس کے پورا کرنے میں کسی کی امداد کی محتاج نہیں، اسی طرح دیگر حواس ظاہرہ اپنے افعال متعلقہ کو اپنے خواص کے ذریعہ سے ہوا کرتے ہیں مگر روح انسانی اپنے افعال مثل تحصیل علوم و فنون و تدبیر و تفکر، تمیز حق و باطل وغیرہ اوصاف معنویہ کو دوسرے کی امداد کے بغیر پورا نہیں کر سکتا۔

پس جس طاقت نے اس کو ابتدائے آفرینش سے اجسام میں ان امور سے واقف و آگاہ کیا۔ وہی طاقت اللہ ہے۔

اگر کوئی سوال کرے کہ ہم اس کے واسطے کہ بیرونی معلم کی جو انسان سے ماسوا ہے ضرورت نہیں کیونکہ جہاں میں علوم و فنون کا سلسلہ اسی طرح ذائع و شائع ہے، ایک انسان دوسرے انسان سے اور دوسرا تیسرے سے حاصل کرتا ہے علیٰ ہذا القیاس یہ چکر لگا ہوا ہے، تو ہم دریافت کریں گے کہ آیا یہ سلسلہ کہیں منتہی ہوتا ہے یا نہیں، اگر منتہی نہیں ہوتا تو بنی نوع انسان کا ہیئت کذائی بغیر کسی فاعل کے موجود ہونا لازم آئیگا اور بحکم علوم متعارفہ ۶ :

" دور و تسلسل باطل ہے، یعنی حادث چیز میں یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی اس کی علت نہ ہو یا خود ہی ایک اعتبار سے علت و معلول ہو، جیسے یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی دیوار خود ہی بغیر بنانے والے کے بن گئی ہو یا خود ہی دیوار ہو اور خود ہی اپنی اساس و بنیاد ہو، باطل ہے کیونکہ کوئی معلول بغیر علت کے پایا نہیں جاتا، اگر کہا جائے کہ انسان کا ہیئت کذائی موجود ہونا ازلی ہے اور اس کی صفات بھی ازلی ہیں اور ازلی چیز کیلئے کسی فاعل کی ضرورت نہیں ہوا کرتی ہے تو ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ جس چیز میں پیدائش و فنا کے آثار پائے جاتے ہوں وہ ازلی ہو نہیں سکتی ورنہ چاہئے تھا کہ پیدائش و فنا کا وجود ہی نہ ہوتا اور یہ بات مشاہدے کے خلاف ہے اور جو چیز مشاہدے کے خلاف ہو وہ باطل ہوتی ہے، تو دنیا کا ازلی ہونا بھی باطل ہوا۔

اب رہی دوسری شق یعنی یہ سلسلہ کہیں ختم ہوتا

ہے، اب ہم پوچھتے ہیں جس پر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے
وہ کون ہے؟ آیا انسان ہے یا غیر؟ اگر انسان
ہے تو اس کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ ابتدائے فطرت
میں اشیاء کی ماہیت سے بے خبر ہوتا ہے، پس انسان
کے سوا باری تعالیٰ ہے جس کی ضرورت مطلوب ہے،

اگر کوئی کہے کہ خدا اگر واقع موجود ہے
تو نظر کیوں نہیں آتا۔ اسے معلوم ہونا چاہئے کہ
ہر ایک چیز کی دریافت کے لئے اس کے جنس سے
ایک آلہ ہوتا ہے جس سے اس کی حقیقت منکشف
ہوتی ہے اور اسی آلہ سے دوسری جنس کا کام جو
عبر جنس سے ہے ظہور میں نہیں آ سکتا۔ جس طرح آنکھ
کے ذریعہ سے مبصرات کا علم ہو سکتا ہے نہ مسموعات
اور نہ مذوقات کا، اسی طرح کان کے ذریعہ سے
صرف مسموعات کو جان سکتے ہیں نہ ملموسات۔
مذوقات اور مبصرات کو، ایسا ہی قوت خیالیہ
صرف معانی جزئیہ کا ذخیرہ جمع رکھتی ہے اور قوت
حافظہ معانی کلیہ کا، دیگر اشیاء کے حالات معلومات
سے انھیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

چونکہ یہ تمام آلات مادیہ ہیں اس واسطے
ان کے ذریعہ سے صرف مادی اشیاء کے حالات
و تعلقات سے واقفیت ہو سکتی ہے اور مادی
اشیاء کے حالات کو روح انسانی اس اعتبار سے
کہ وہ مادی جسم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے بذریعہ
اسباب و آلات مادیہ دریافت کر سکتا ہے مگر
ایسی ذات کو جو من کل وجوہ مادہ سے منزہ و پاک
ہے بذریعہ انھیں ذرائع مادیہ معلوم نہیں کر سکتا ہے
اور مشاہدہ حسی سے محفوظ یا محسوس نہیں ہو سکتا ہے
ہاں البتہ بذریعہ مراقبہ و توجہ کامل روح انسانی اپنے
آپ جسمانی تعلقات سے آہستہ آہستہ آزاد کرنا جائے
اور جب اس میں کامل یکسوئی کی طاقت آ جائے اور پوری
توجہ غور و فکر کے بحر میں مستغرق ہو جائے یہاں تک
کہ اس کے کان کسی بیرونی آواز کو محسوس نہ کر سکیں،
اس کی آنکھوں میں کسی ظاہری حسی چیز کا جلوہ نہ رہے
اس کا دل تمام تفکرات سے کنارہ کش ہو کر ایک چیز کی
طرف لگ جائے تو ایسی حالت میں روح انسانی
تعلقات جسمانی سے آزاد ہو جائے اور مجرد ذات
کے ساتھ مشابہت پیدا کر لینے سے اس ذات مجرد عن
السماوات کو (گویا) دیکھ سکتی ہے، کیا آپ نہیں
دیکھتے کہ جب کوئی انسان کسی مسئلہ مالاینحل کی عقدہ
کشائی میں مصروف ہوتا ہے تو اس وقت اس کی روح
کا تعلق حیات سے ٹوٹ جایا کرتا ہے اور وہ اپنی دھن
میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اگر اس کے پاس سے کوئی
جائے تو وہ اس کی شکل سے بے خبر رہتا ہے اور
آواز خلائق سے اس کے کان متاثر نہیں ہوتے
حتیٰ کہ بھوک پیاس تک اس کو نہیں ستا سکتی جب ایسی
حالت میں روح کا تعلق مادیات سے کم ہو جاتا ہے
تو کیا بذریعہ مشق و مزاولت کے ممکن نہیں ہو سکتا کہ روح
انسانی تمام علائق جسمانی سے کنارہ کش ہو کر مجردیت
اور محویت کے رنگ میں رنگا جا کر مجرد ذات کو دیکھ
لے ضرور ممکن ہے لیکن مشکل ہے پھر بھی محال نہیں!

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

—— ظہیر الدین خاں فیض آبادی

دنیا کی ظلمت منہ چھپانے کو جگہ تلاش کر رہی تھی گمراہی پشیمان تھی، اہل دنیا حسرت و نومیدی کی گھڑیاں گذار کر ایک ایسے آفتاب عالمتاب و شمس بازغہ کی طرف نظریں اٹھائے جوش و خروش سے ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے گویا کوئی ہرنی اپنے بچوں کو بچانے کے واسطے کسی انجانے خطرہ سے گردن دراز کئے اِدھر اُدھر نظریں گھما رہی ہے اور چھلانگ لگانے کو بالکل تیار ہے، شریعت بیضا کا سورج بمثال آن بان سے طلوع ہوا، ارتفاع احد النقیضین کی طرح ظلمت وغوایت مع حاری وموازی کے چوکڑیاں بھرتی ہوئی اس دنیا سے رخصت ہوگئیں، نبی کریم صلعم نے امن وسکون، چین و اطمینان کا مژدہ سنایا اور ارشاد گرامی ہوا،

"من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ"

پھر کیا تھا، ایک طرف تو تلاش حق میں ہمہ تن منہمک پیاسے و دیوانے تھے جو برسوں پہلے سے اس پیغام کو سننا چاہتے تھے اور دوسری طرف بدبخت ومردود ابوجہل اور اس کی جماعت کے لوگ تھے، جو اپنی پوری قوت سے مخالفت کے میدان میں لنگوٹ کس کر آ کھڑے ہوئے اور اس امر کی سعی میں پڑ گئے کہ شمع نبوت کو قوت سے گل کر دیں اور اپنی چودھراہٹ کو برقرار رکھیں۔

اللہ رب العزت کو کچھ اور ہی منظور تھا، پیاسے گھاٹ پر آئے اور چشمۂ نبوت سے سیراب ہوئے اور اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے رہے، کفر وعناد کے منہ پر ایک بھرپور طمانچہ لگاتے رہے۔

تاہم مسلمانوں کو ہر طرح ستایا جاتا، اذیتیں دی جاتیں اور ان کا گھر سے نکلنا، چلنا پھرنا حتی کہ حاجت اصلیہ کے تقاضے پر بھی انھیں مکہ میں کہیں نکلنے کی اجازت نہ ہوتی، ہر قدم پر انسانیت سوز مظالم سے دوچار ہونا پڑتا، بیچارے کچھ کر بھی نہ سکتے تھے انھیں مظالم سے تنگ آکر حضرت ابوبکر رضہ نے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور قبیلہ قارہ تک گئے بھی لیکن راستے میں قبیلہ قارہ کا سردار ابن دغنہ ملا اور اس نے

دریافت کیا کہ یہ سفر کس سلسلہ میں ہو رہا ہے؟
آپ رضؓ نے عرض کیا: قریش مکہ جو میری ہی نسل کے لوگ ہیں مکہ سے نکال رہے ہیں، میں اللہ کی زمین میں کہیں اور گذارہ کرلوں گا ـــ لیکن وہ انھیں لے کر مکہ واپس آیا اور اپنی پناہ دی۔ اس طرح دوبارہ آپ رضؓ مکہ آئے۔ اور پھر کچھ عرصہ بعد پیغمبر آخرالزماں کے ہمراہ مکہ سے مدینہ ہجرت کی تھی۔

مسلمان مکہ میں ستائے جاتے، انھیں صرف عزم و استقلال سے شریعت پر جمے رہنے کا حکم تھا۔ کوئی بھی شرعی فعل کھلی فضا میں کرنا محال تھا، کیونکہ قریش ہر ہر قدم پر ایذا رساں تھے۔ بالآخر شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ رب العزت سے دعا فرمائی کہ اے اللہ عمر یا ابوجہل میں سے کسی کو مسلمان کردے۔ دعا عمر رضؓ کے حق میں قبول ہوئی اور یہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ پھر کیا تھا اسلام میں بھی اتنے ہی پختہ اور مستقل نکلے جتنے جاہلیت میں تھے، اسلام کا پورا رنگ اختیار کرلیا اور ہاتھ میں ننگی تلوار لیکر اپنے ایمان کا اعلان مخالف فضا میں اپنی پوری آواز سے کیا اور یہ بھی اعلان کردیا کہ اب نماز حرم شریف میں ہوگی، کون ہے جو روکے اور مقابلہ کے لئے آئے، کسی کو ہمت نہ ہوئی کیونکہ سبھی (پورا عرب) عمر کی تلوار سے خائف تھے۔

اللہ تعالیٰ نے عمر کے ذریعہ اسلام کو پہلی بار سربلندی عطا فرمائی اور شریعت کے ارکان و افعال کھلے عام بہ بانگ دہل ادا کئے جانے لگے، زمانہ تیز رفتاری سے گذرتا رہا، اسلام مکہ سے نکل کر طائف پھر مدینہ پہونچا اور مدینہ منورہ کو ہی اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا، وہیں تبلیغ و ارشاد کا کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیرونی ممالک میں شروع کیا اور بہت سے سلاطین و امراء کو خط لکھے جن میں اسلام کی دعوت دی گئی تھی مذاہب باطلہ کے جور و ظلم سے اسلام کے انصاف کی طرف اور مختلف خداؤں کی عبادت سے اللہ واحد القہار کی بندگی کی طرف بلایا گیا تھا، غلامی کی ناپاک زنجیروں سے آزاد کراکر فضائے بسیط میں گھومنے پھرنے کی پوری آزادی بخشی گئی تھی، مدینہ منورہ میں ایک اسلامی ریاست قائم کی اور اسمیں قرآن کریم کو دستور اساسی بنایا، آہستہ آہستہ یہ دولت اسلامیہ اپنا نطاق وسیع کرتی رہی حتی کہ عمر رضؓ کے دور خلافت میں ایران اور روم بھی اس سلطنت نو ساختہ کے زیر نگیں ہونے لگے، کسریٰ کا کنگن حضرت سراقہ کے ہاتھ میں آیا اور اس طرح پیشین گوئی رسول پوری ہوئی۔

اسلام کو جتنا فروغ دور عمر میں ملا کسی زمانے میں نہ مل سکا۔

عمر ابن الخطاب حضرت نبی کریم صؐ کے منتخب خلیفۂ ثانی تھے، نہایت جری اور بہادر تھے، کسی طرح کی غلطی جو شریعت کے منافی ہو برداشت نہیں کرتے تھے، عہد نبوت سے اس طرح وابستہ تھے کہ کبھی کسی طرح کا ادنیٰ درجہ کا بھی تغافل نہیں ہوا، حضورؐ آپ سے بے انتہا محبت فرماتے اور بار بار آپ رضؓ کے

مناقب بیان فرماتے تھے۔ فرمایا:

• اگر میرے بعد نبوت باقی رہتی تو عمر نبی ہوتے۔

• لو کانت النبوۃ بعدی لکان عمر"

یہ مقولہ حضورؐ نے محض عمر رضؓ کی دلبستگی کیلئے نہیں کہا تھا بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ عمر اپنے مزاج، اخلاق و عادات کے اعتبار سے اس مرتبہ پر پہونچ چکے ہیں کہ مزاج نبوت اور مزاج عمر میں اتصال پیدا ہوگیا ہے، عمر ہر چیز بر انداز نبوت سوچتے ہیں ان کی پوری زندگی شریعت کے رنگ میں رنگ گئی ہے ان پر غلبہ حال نہیں ہوتا کہ حق سے انحراف کی گنجائش نکلے، یہ خود ہر حال پر غالب رہتے ہیں اور جو فیصلہ فرماتے ہیں شریعت کے عین مطابق ہوتا ہے غرضیکہ اپنے آپ کو آنحضورؐ کی ذات گرامی سے اس طرح وابستہ کر لیا تھا کہ اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، چلنا پھرنا حتیٰ کہ اعمال و افعال ظاہرہ و باطنہ سارے کے سارے آپؐ کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔

آپ رضؓ کے علم کا اندازہ آپ اس حدیث شریف سے لگا سکتے ہیں:

عن حمزۃ بن عبد اللہ بن عمر ابن الخطاب عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے سوتے ہوئے دیکھا کہ مجھے ایک پیالہ دودھ کی نبیذ کا دیا گیا، میں نے اس سے پیا، یہانتک
بینما انا نائم اذ رأیت قدحًا اوتیت بہ نبیذ لبن فشربت منہ حتی انی اری الری یجری فی اظفاری اعطیت فضلی عمر بن الخطاب، قالوا فما اولت ذلک یارسول اللہ، قال العلم (مسلم)	کہ سیرابی میرے ناخنوں تک میں جاری ہوگئی، میں نے اپنا بقیہ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ لوگوں نے دریافت فرمایا کہ آپ نے اس کی کیا تعبیر دی۔ حضورؐ نے فرمایا: دین کا علم۔

جس کی تعریف شارعؑ فرمائیں وہ اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے، کسی دوسرے سبب کی ضرورت اس شئے کے ثبوت کے لئے ہرگز ہرگز نہ ہوگی یہ تو رہی علمی استعداد جسے آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے ودیعت کیا، آئیے اب ذرا ان کے دین پر نظر کریں، کیا آپ رضؓ دین میں بھی کامل و مکمل تھے یا کچھ کمی تھی؟ اس کا بھی اعلان ہوا کہ آپ پوری طرح عمل پیرا ہیں، حضورؐ نے آپ سے متعدد بار مشورہ کیا، کئی بار آپ کے مزاج کے مطابق وحی کا نزول ہوا۔

بعض نادان جن کو شریعت کا کچھ بھی علم نہیں یا دشمنان اسلام جو اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کہ "متعدد بار وحی عمر کی مرضی پر نازل ہوئی یعنی وحی کے نزول میں عمر کو کچھ دخل ہے"۔

شاید انھیں علم نہیں کہ وحی کبھی کسی شخص کی مرضی پر نہیں اترتی بلکہ اللہ تعالیٰ خود موقع کے مطابق نازل فرماتے ہیں ۔

اب رہا سوال عمر کی مرضی کے موافق وحی کے نزول کا سو یوں سمجھئے کہ عمرؓ نے اپنے مزاج کو شریعت کے مطابق بالکلیہ بنا دیا تھا ، غرض جو بھی فعل صادر ہوتا شریعت کے مطابق اور اسی کے پرتو ہیں ، ٹھیک اسی طرح جیسے کہ کوئی ماہر نفسیات جب کسی کے پاس سے گذرتا ہے تو اس کے چہرہ پر نظر ڈال کر اس پر گذرنے والے کچھ حالات کا انکشاف کرتا ہے اور بسا اوقات اس کی یہ باتیں صحیح بھی ہوتی ہیں ۔ یا یوں کہئے کہ کوئی ماہر عمرانیات مجتمع کو حالات جاریہ کا تجزیہ کرکے بتاتا ہے کہ دس سال بعد سماج کے حالات اس طرح کے ہوں گے وہ باتیں اس کی صحیح بھی ہوتی ہیں ، مثلاً ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم نے وجدان کے ذریعہ اب سے کافی عرصہ پہلے یہ بتا دیا تھا کہ ہندوستان میں جمہوریت کا دور دورہ ہوگا ۔ اسی طرح کی دیگر مثالیں جو آئے دن اخبارات اور رسائل میں گذرتی رہتی ہیں ٹھیک اسی طور پر عمرؓ بھی شریعت کے مطابق غور و فکر کرتے اور ان پر اسرار و رموز ہائے پوشیدہ واضح ہوا کرتے اور شریعت کے مزاج کو سمجھ کر اگر کچھ اظہار فرماتے اور وہ بات پوری ہو جاتی تو یہ ان کی مرضی نہ ہوئی ، مرضی تو خداوند کریم کی ہوئی ، ان کا تو محض خیال تھا انھوں نے اپنی فراست دینی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ اب ایسا حکم منجانب اللہ آنا چاہیے ۔

اب رہا سوال ان کے دین کے اندر اس درجہ تبحر کا تو اس کے واسطے بھی مسلم شریف کی ایک روایت پیش خدمت ہے ۔

عن ابن شھاب قال حدثنی ابو امامۃ ابن سھل انہ سمع ابا سعید الخدری رضؓ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بینما انا نائم رأیت الناس یعرضون علیّ وعلیھم قمیصٌ منھا ما یبلغ الثدی ومنھا ما یبلغ دون ذلک ومرّ عمر بن الخطاب وعلیہ قمیصٌ یجرہ ، قالوا ما اولت ذلک یا رسول اللہ قال الدین (مسلم)	ابن شہاب سے مروی ہے فرمایا کہ ابوامامہ ابن سہل نے مجھ سے حدیث بیان کی کہ انھوں نے ابوسعید خدری رضؓ کو سنا کہہ رہے تھے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں سو رہا تھا کہ دیکھا لوگ مجھ پر پیش کئے جا رہے ہیں اس حال میں کہ وہ قمیص پہنے ہوئے تھے ، کچھ قمیصیں چھاتیوں تک پہونچتی تھیں ، کچھ اس سے نیچے تھیں ، عمر گذرے اور ان پر ایک قمیص تھی جو گھسٹ رہی تھی ، لوگوں نے دریافت فرمایا کہ اے رسول اللہؐ آپ نے اس کی کیا تعبیر نکالی ؟ آپ نے فرمایا " دین "

یہ ہوئی عمر بن الخطاب کی شخصیت شریعت اور شارع علیہ الف الف سلام کی نظر میں۔

اب آئیے ہم ذرا شریعت کے اندر انکی ترمیمات کا جائزہ لیں۔

پہلی بات تو یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ ترمیم یا تنسیخ کی دو صورتیں ہیں :

(۱) احداث فی الدین۔ شریعت نے اس کی اجازت مطلقاً نہیں دی ہے ، یہ بدعت ہوگی اور گمراہی کا پہلا پھاٹک جو سیدھا جہنم کا راستہ دکھلائے گا اور اس کے لئے کوئی وجہ جواز شریعت کے اندر یا باہر موجود نہیں۔

(۲) احداث بالدین۔ جو شریعت کی حفاظت کے لئے ہوئی اور امت کے واسطے سود مند و نفع بخش ہے ، اس کی اجازت ہے بشرطیکہ قرآن و حدیث اور اجماع میں سے کوئی بھی اس کے مخالف نہ ہو۔

اب رہی عمر بن الخطاب رضہ کے ترمیم کی جو شریعت میں کی یہ احداث بالدین کے تحت میں آتی ہے جس کی اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں ضروری بھی ہے۔

عمر رضہ نے اگر وتر کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا حکم دیا تو انھوں نے شریعت اور قرآن کی حفاظت کا ایک عملی طریقہ اختیار کیا ، اس پر علی ابن ابی طالبؑ نے لبیک کہا اور فرمایا کتنی اچھی بدعت عمر نے ایجاد کی ہے۔

صحابہ نے ان کی پیروی کی اور کسی کی زبان پر انکار یا ناپسندیدگی کے کلمات راہ نہ پا سکے ، یہ بات ہرگز نہ تھی کہ سبھی ان کے کوڑے سے ڈرتے تھے ، شریعت کے اندر دراندازی صحابہ کسی طور پر برداشت نہ کر سکتے تھے ، حتیٰ کہ عمر رضہ ایک مرتبہ مسجد میں منبر پر خطبہ فرما رہے تھے ، ایک بوڑھی کھڑی ہوئی اور اس نے کہا" اے عمر ! اب تمھاری یہ ہمت ہوگئی کہ تم شریعت میں کتر بیونت کرنے لگے " ، عمر رضہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ " الحمد للہ مدینہ میں اب بھی عمر کی گوشمالی کرنے والے لوگ موجود ہیں "۔ تفتیش سے معلوم ہوا کہ بڑھیا ہی غلطی پر تھی اور حق وہی تھا جو عمر رضہ کی زبان پر جاری تھا۔

دیکھا آپ نے جب شریعت کی بات آئی تو کس طرح رضہ نے تسلیم کر لیا اور بڑھیا کو اس کی غلطی اور گستاخی کے باوجود کوئی سرزنش نہ کی ، اس وجہ سے کہ بڑھیا اپنی سمجھ سے شریعت کی حفاظت کے واسطے کہہ رہی تھی اور یہ بھی سمجھ رہی تھی کہ میں حق پر ہوں ، یہی وجہ تھی جس نے عمر کو خاموش رکھا ورنہ عمر ؓ اپنے کوڑے کے سارے عرب میں مشہور تھے اور کوئی بھی غلطی کرنے والا بغیر غلطی کی سزا کے نہ بچتا اگر اس کی غلطی واقعی ہوتی تو۔

عورت

وسیم احمد اعظمی

ایک مطالعاتی تجزیہ

تعدد ازدواج اور ادیان سابقہ

خلاصہ یہ کہ نہ صرف عیسائیت اور یہودیت بلکہ اس زمانے میں بھی جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی، ہر ملک کا یہی حال تھا، نکاح ثانی، نکاح بیوگان وغیرہ معیوب سمجھا جاتا تھا۔ عورت کی کثرت سے جو مسائل پیدا ہوتے تھے ان کا انسداد غیر قانونی اور غیر اخلاقی طریقوں سے کیا جانے لگا تھا، ساری دنیا اسی افراط و تفریط میں مبتلا تھی، اخلاقی مفاسد کی بہتات تھی اور روحانی رشتوں کا احترام باقی نہ رہا تھا، ایسے وقت میں اور اس سے پہلے بھی بہت رشیوں منیوں اور پیغمبروں کے یہاں تعدد ازدواج پر عمل کیا جاتا تھا
ایک مسلمان کے لئے اس میں کوئی پریشانی والجھن کی بات نہیں کہ اس کے مذہبی قانون سے تعدد ازدواج کی اباحت کا ثبوت ملتا ہے، مسلمان اس کی توجیہ کر لیں گے مگر جو حضرات تعدد ازدواج کی تاریخی حیثیت کے منکر ہیں اور مخالفت پر کمربستہ ہیں وہ اس وقت کیا جواب دیں گے جب ان کے سامنے یہ حقائق لائے جائیں کہ:

حضرت یعقوب علیہ السلام کے چار بیویاں تھیں ۱۔ لیاہ۔ ۲۔ بلہہ۔ ۳۔ راخل ۴۔ زلفہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں

۱۔ صفورہ۔ ۲۔ جیشہ۔ ۳۔ دختر قینی۔ ۴۔ دختر حباب۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک سو بیویاں تھیں ــــ یہ وہ انبیاء ہیں جن کو عیسائی بھی نبی تسلیم کرتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کو انھیں کی نسل سے شمار کیا جاتا ہے۔

ایک مشہور پادری عماد الدین " ہدایت المسلمین " میں لکھتے ہیں کہ:

" داؤد ان سب لوگوں میں نور الٰہی کا مہبط اور دائرۂ عباد کا مرکز اور سلطنت اسرائیل کا پہلا مسیح ہے اور اس تاریکی کے عہد کا قمر بھی ہے کہ اسکی ضیاء کی کرنیں پشت اول پر ایسی نظر آتی ہیں جیسے

اندھیری رات میں چاند نکلنے کے قریب دھندلی روشنی ہو اکرتی ہے، دوسری پشت میں اسکے انوار خوب روشن ہیں۔

(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ص ۴۱)

حضرت داؤد علیہ السلام کی نیک روش کا ذکر بائبل میں بھی ملتا ہے:

میرے بندے داؤد نے میرے حکموں کو حفظ کیا اور اپنے سارے دل سے اس کی پیروی کی تاکہ فقط وہی کرے جو میری نگاہ میں اچھا ہو۔"

(کتاب سلاطین باب ۱۴)

مسٹر ہیگنس (Mr Heganeee) کے بقول:

"حضرت داؤد علیہ السلام خدا کی مرضی کے مطابق چلتے تھے جن کو خدا نے خاص اپنی شریعت کے احکام کی تعمیل کے لئے بنایا تھا۔"

(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ص ۴۲)

یہی حضرت داؤد علیہ السلام تھے جنھوں نے ایک سو شادیاں کیں

ان حوالجات سے بخوبی معلوم ہوتا ہے کہ تعدد ازدواج پر قدیم عیسائیت اور یہودیت میں عملدرآمد تھا ——— ویدک دور میں بھی تعدد ازدواج کا پتہ چلتا ہے۔

مہاراجہ دسرتھ جن کو برہما تانی (چاروں ویدوں کا جاننے والا) کہا جاتا ہے اجودھیا کے والی تھے۔ تین رانیاں اپنے پاس رکھ چھوڑی تھیں ۱۔ کوشلیا۔ ۲۔ سومترا۔ ۳۔ کیکئی، جن سے بالترتیب شری رام چند، لچھمن، شترگھن، اور بھرت پیدا ہوئے۔

راجہ پانڈو کی دو بیویاں تھیں ۱۔ کنتی ۲۔ مادری ——— کنتی سے یدھشٹر، بھیم اور ارجن پیدا ہوئے اور مادری سے نکل اور سہدیو پیدا ہوئے۔

راجہ سنتن نے دو شادیاں کیں۔ ۱۔ گنگا ۲۔ جوجن گندھا، جن سے بالترتیب بھیشم اور چکر انگد پیدا ہوئے۔

شری کرشن مہاراج جن کی عظمت و تقدس کے ترانے گائے جاتے ہیں اور ہندو ان کو اوتار کے روپ میں پیش کرتے ہیں انکی گوپیاں (بیویاں) ایک نہیں سیکڑوں تھیں۔

رشی لکسوان نے راجہ سنایا کی دس لڑکیوں سے شادی کی۔

بہر حال یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ رسم تعدد ازدواج بہت پرانی رسم ہے اور حضرت ابراہیم سے بہت پہلے کی ہے۔

اکثر انبیاء، رشی منی، اوتار اور خواص و عوام میں یہ رسم جاری تھی، شریعت موسوی اور قانون عیسوی میں اسے جائز قرار دیا گیا تھا ——— مذہب اسلام نے اتنی جدت ضرور کی ہے کہ اسنے رسم تعدد ازدواج کو تعمیری اور مقصدی سماج کی طرف ایک موثر قدم کا روپ دیا، اس رسم کے ساتھ جو بہت سی مذموم خواہشات وابستہ تھیں انکا

کرنے کی طرف دنیا کو متوجہ کرکے ایک نئے معاشرہ کو جنم دیا، جہاں تعدد ازدواج میں خانہ ویرانی کی جگہ خانہ آبادی بننے کی صلاحیت تھی

تعدّد ازدواج اور انگریز مفکرین

آج کے روشن خیال لوگ محدود تعدد ازدواج کی اسلامی رخصت کو عقلی و فکری، شخصی و سماجی، معاشرتی و اخلاقی اصولوں کی رو سے غلط اور بے بنیاد ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں اور اسلام کے "جائز تعدد ازدواج" پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں اور مذہب اسلام کو رجعت پسندی اور ہوس رانی کا مرقع بتلاتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے سامنے ملی، ملکی اور عالمی مسائل غالباً سماج و افراد کے تصرف سے باہر ہیں، ان لوگوں کی حیثیت ایک مرعوب تجدد پسند سے زیادہ نہیں، ان لوگوں کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسئلہ میں پہلے اہل مغرب کی رائے جاننے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اسی کو ترجیح دیتے ہیں، شاید انھیں لوگوں کو مشہور مورخ والٹیر نے تہذیب اسلام پر بحث کرتے ہوئے مخاطب کیا ہے:
" میں آپ لوگوں سے کہتا ہوں کہ وہ لوگ جاہل اور ضعیف العقل ہیں جو مذہب اسلام پر دیگر اتہامات کے علاوہ عیش پرستی اور راحت کوشی کا الزام لگاتے ہیں، یہ سب الزام بے جا اور صداقت سے معرّا ہیں "

(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ص ۱۰ مصنفہ محمد سلیمان فاروقی بی۔ اے)

مسٹر باسورتھ سمتھ (Mr. Smith) لکھتے ہیں کہ
" اسلام کی نسبت جو بات بار بار کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے اسقدر کامیاب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ایک بڑی حد تک شہوات نفسانیہ کو پورا کرنے کی اجازت دیتا ہے مگر اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں "

(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ص ۲۹)

مسٹر طامس کارلائل (Thomas Carlyle) اپنی کتاب " ہیروز اینڈ ہیرز ورشپ " میں لکھتے ہیں:
" اسلام کے شہوات کی نسبت میلان کے متعلق بہت کچھ تقریریں اور تحریریں ہوئیں اور اعتراضات انصاف کی حد سے بڑھ کر ہیں، وہ رخصتیں جو ہم کو قبیح معلوم ہوتی ہیں جن کی اجازت نبی عربی نے دی وہ خاص انکی ایجاد نہ تھیں، انھوں نے ان باتوں کو قدیم سے عرب میں مروج اور غیر معیوب پایا مگر انھوں نے جو کچھ کیا وہ یہ تھا کہ ان کو روک دیا نہ صرف ایک ہی طرف سے بلکہ کئی پہلو سے "

(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ۲۸، ۲۹)

ڈاکٹر گستاؤلی بان یورپ کے معاشرہ کی عکاسی یوں کرتے ہیں:
" مسلمانوں کا جائز کثرت ازدواج یورپ کے ناجائز کثرت ازدواج سے ہزارہا درجہ بہتر ہے

اسلام پر جس دریدہ دہنی سے نکتہ چینی کی جاتی ہے
اور جس بری صورت میں اسے پیش کیا جاتا ہے وہ
فرضی اور بھیب صورت بھی یورپ کے موجودہ معاشرہ
کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ دراصل یورپین
ممالک میں عصمت عنقا بن گئی ہے۔"
(بحوالہ اسلام اور تعدد ازدواج ۲۴)
ایک دوسرا انگریز مفکر کیسنن آنسر یک لیٹر
لکھتا ہے:
"انگریز جن کو ایک بیوی کے لئے کئی خاوند
پسندیدہ معلوم ہوتے ہیں، مسلمانوں پر جو کہ صرف
بیویوں کے تعدد کو پسند کرتے ہیں ہرگز طعن کرنے
کے مجاز نہیں، ہم کو قبل اسکے کہ کسی کی آنکھ کے
تنکے کا خیال کریں اپنی آنکھ کا شہتیر نکالنا چاہئے۔"
(اخبار سینٹ گزٹ لندن
مطبوعہ ۱۸۶۷ء)

یک زوجگی اور اسکے نتائج

مسیحی راہبوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے
انھوں نے جنسی داعیہ کو بالکل ختم کر دینا چاہا، جنسی داعیہ
نے ان سے کس طرح انتقام لیا اس کی بہت ہی مختصر روداد
ہسٹری آف یورپین کے مصنف مسٹر لیکی (W. E. H
Lecky) کی زبانی سنئے:
"پاپائے اعظم بست سوم زناکاری اور
خود اپنی ماں بہن کے ساتھ زناکاری کے مرتکب ہوئے
اسپین کے ایک اسقف ۱۱۳۰ء میں ستر کنیزیں رکھے
ہوئے تھے ــــ ہنری سوم حصر کے پادری کی ۱۲۷۴ء
میں ساٹھ ناجائز اولادیں نکلیں، ان سب کو مستثنیات

سمجھ کر تھوڑی دیر کے لئے ان سے قطع نظر بھی کر لیجئے تا
ہم اسے کیا کیجئے گا کہ اس زمانے کے پادریوں کی عام
بدچلنی و شہوت رانی کے ثبوت میں مستند شواہد کے دفتر
کے دفتر موجود ہیں، اچھوئیوں کی خانقاہیں اب
خانقاہیں نہیں رہی تھیں بلکہ حرام کاری کے اڈے اور
ناجائز بچوں کے قبرستان تھے، حرام کاری اور شہوت
پرستی کے جوش میں محرمات اور غیر محرمات کی تمیز بھی اٹھ
گئی تھی چنانچہ بار بار اس طرح کے قوانین کی ضرورت
پیش آئی کہ پادری اپنی ماؤں اور بہنوں سے الگ رہیں
..... خود ناصحین کی یہ حالت تھی کہ وہی سب سے
زیادہ آلودہ معاصی تھے ..... یہ سب کیا تھا وہی
رشتہ ازدواج کو ممنوع قرار دینے کا وبال! ساری
خرابیوں کی جڑ یہی تھی کہ شادی اور نکاح کے فطری
اور پاک طریقہ کے انسداد کی کوشش کی جاتی تھی۔
پانی کے بہاؤ کے فطری راستے کو روکئے گا تو وہ حوض کے اندر
لامحالہ گندگی اور تعفن پیدا کر دے گا ــــــ
(HSITORY OF EURO PE ANS)
(بحوالہ تعدد ازدواج ص ۹۳، ۹۴ مصنف مولانا
حامد علی میرٹھی)
مغربی ممالک میں قانون یک زوجگی کے بعد آزاد
صنفی تعلقات اس قدر عام ہوگئے ہیں کہ اس نے اپنے
تمام پچھلے ریکارڈس مات کر دئے ہیں۔
میکس نارڈن (Max Nordan) لکھتا ہے
"یک زوجگی کے قانوناً نافذ ہونے کے باوجود متمدن
ممالک میں مرد تعدد ازدواج ہی کی حالت میں رہتا ہے۔
ایک لاکھ آدمیوں میں سے مشکل سے کوئی ایک آدمی ایسا

ہوگا جو بستر مرگ پر یہ کہہ سکے کہ وہ اپنی پوری زندگی میں
ایک عورت کے سوا کسی سے آشنا نہیں ہوا ہے۔"
(بحوالہ تعدد ازدواج ص ۹۵)
مسٹر جیمس ہنٹن (JEMS HENTAN)
خود معترف ہیں کہ:
"جبراً نافذ کی ہوئی یک زوجگی تحبہ گری کی بہت
سی خرابیوں کی ذمہ دار ہے اور بعض اور جنگوں کا باعث
بنتی ہے، عورتوں میں رقابت کو تیز کرتی ہے اور (زوجین
کے درمیان) رابطہ کو جسمانی تعلق ہی تک محدود کر دیتی
ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رضاکارانہ تعاون اور عفت و
پاکدامنی اخلاقی فساد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔"
(بحوالہ تعدد ازدواج ص ۱۰۰)
اور مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر سی، جی جنگ (C. G.
Jung) کے لفظوں میں:
"افریقی مشنریوں کے ذریعہ تعدد ازدواج
کے خاتمہ کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ عصمت فروشی، تحبہ گری میں
غیر معمولی اضافہ ہو گیا ہے۔"
(بحوالہ تعدد ازدواج ص ۱۰۰)
جے، ای، کلیٹر میکفارلین (E. C. Mac-
[illegible]) اپنی کتاب "دی کیس فار پولی
گامی" میں جو یورپ اور خاص کر انگلستان میں تعدد
ازدواج کے اختیار کرنے کے حق میں دلائل پیش کرتی ہے
اس کتاب میں ایک سے زائد بیویوں کے نہ کر سکنے کے
خلاف یورپ کے ملکی قوانین کی پرزور مذمت کرتی ہے
مسٹر کلیٹر میکفارلین لکھتے ہیں کہ:
"انگلستان میں ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے

مطابق سترہ لاکھ چھتیس ہزار عورتیں تعداد میں مردوں
سے زیادہ ہیں، لیکن ایک سے زیادہ بیویوں کے خلاف
قانون نے اتنی عورتوں کے لئے شادی اور اولاد کی
خوشی خلاف قانون بنا دی ہے ۔ ۱۹۲۱ء کی ہی
مردم شماری کے مطابق ۵۴ لاکھ ۸۷ ہزار عورتیں
انگلستان میں ایسی ہیں جو پندرہ اور پینتالیس سال
کی عمر کے درمیان ہیں اور غیر شادی شدہ ہیں، ان میں
سے ۳۶ لاکھ ۵۵ ہزار عورتیں ایسی ہیں جن کا کوئی ذریعہ
معاش نہیں ہے، جب غیر شادی شدہ عورتیں معاش
کی تلاش میں مردوں کے مقابل میں اترتی ہیں تو لاکھوں
مردوں کو اپنی اجرت اتنی کم کر دینی پڑتی ہے کہ وہ اہل
و عیال کے اخراجات کے متحمل نہیں ہو سکتے، اس طرح
ان بیکار عورتوں کی تعداد میں اور اضافہ ہوتا جا رہا ہے
لیکن جب لاکھوں عورتوں کو مردوں کے علاوہ دوسری
عورتوں سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے تو انہیں اس سنگدل
اور خود غرض دنیا سے محض ضروریات حیات حاصل کرنے
کے لئے اپنے جسم کو بھی بیچنا پڑتا ہے۔"
(بحوالہ اسلامی روایات کا تحفظ ۴۲، ۴۳)
مسٹر کلیٹر آگے چل کر لکھتے ہیں:
"اکثر عورتوں کا ۷۵ فیصدی وقت ایک
خاوند کو حاصل کرنے یا حاصل کر کے اس کو اپنے قابو
میں رکھنے پر خرچ ہو جاتا ہے، ان حالات میں عورتوں کے
قوائے ذہنی بالکل برباد ہو جاتے ہیں، عورتوں کے
دل بغض و حسد، وحشیانہ نفرت [illegible]
اور ذلیل سازشوں کی وجہ سے تنگ و تاریک ہو جاتے
ہیں۔"

(بحوالہ اسلامی روایات کا تحفظ ص ۸۴)
فاضل مصنف ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں کہ:
"ہم اپنی عورتوں کو فاحشہ بنانے پر ہی اکتفاء نہیں کرتے بلکہ جہاں جہاں ہم عیسیٰ مسیح کا پیغام لے جاتے ہیں ہم اس کے ساتھ اپنا معاشرتی نظام بھی لے جاتے ہیں اور غیر مسیحیوں کو آمادہ کرتے ہیں کہ وہ بھی ہماری طرح اپنی عورتوں کو بازاروں میں ڈھکیل دیں تاکہ وہ بھی ہماری عورتوں کی طرح بے خانماں زنان بازاری بن جائیں۔"
(ص ۶۵ بحوالہ اسلامی روایات کا تحفظ ۸۵)
یک زوجگی کے قانون سے بیزار ہو کر ایک جگہ لکھتے ہیں:
"ہمارے ملک اور ایسے ممالک میں جہاں کثیر الازدواجی کا رواج ہے فرق صرف یہ ہے کہ وہ ایمانداری اور صاف گوئی سے کام لیتے ہیں اور ہم منافقت پر مجبور ہیں!"
(بحوالہ اسلامی روایات کا تحفظ ص ۸۶
مصنفہ سید جمیل واسطی ایم، اے،)
جو لوگ صرف زبان سے اس خدائی قانون کی مخالفت کرتے ہیں وہ ایک ثانیہ کیلئے ذرا اپنے نفس کا محاسبہ کریں اور اپنی اندرونی خواہشات و جذبات اور خوابیدہ اعمال کا مطالعہ کریں وہ اپنے کو عملی طور پر ناپاک تعدد ازدواج میں گرفتار پائیں گے ان کی خواہشات کی جولانی اور شہولت نے ایک عورت پر قناعت نہ کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ فطرت انسانی تعدد ازدواج کی متقاضی ہے۔

نفس کو۔ نفس کی خواہشات کو معیار بنا کر شریعت میں تبدیلی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ نفس کی خواہشات بدلتی رہتی ہیں، کسی عہد کی خصوصیات دوسرے عہد میں برقرار نہیں رہ پاتیں۔ روح عصر، زمانہ کا مذاق اس کا چلن ہمیشہ گردش کا پابند رہتا ہے، کل کا پسندیدہ معیار آج ٹھکرایا جا سکتا ہے، فرسودہ نظریات — پامال روش کے بھی دن پھر سکتے ہیں، یہ دنیا یونہی کروٹیں بدلتی رہتی ہے، اس لئے زمانہ کو، اس کی روش کو معیار ٹھہرا کر شریعت میں حسب دلخواہ تبدیلی لائی جاتی رہے تو یہ شریعت نہ ہوئی بازیچۂ اطفال ہوا۔
اسلام نے عورتوں کا جو تصور دیا وہ بہت بلند اور مقدس تصور ہے وہ ایک ایسا تصور ہے جس کی ترکیب میں تقدس و پاکیزگی، عظمت و رفعت، بخشش و رحمت کے عناصر شامل ہیں۔
اس تصور میں ایک مثالی معاشرہ بنانے کی صلاحیت ہے۔

لہذا
ہمیں یکساں سول کوڈ کی نہیں بلکہ بہ انہو سماجی ردعمل کی ضرورت ہے۔

دو غزلیں

نصر قریشی

وحشتِ تخیل کو گلزار بنائے رکھئے
یاد وہ پھول کہ پتھر پہ کھلائے رکھئے

کوئی شورش، کوئی ہنگامہ بپا ہو نہ کہیں
دل کی آواز تہِ سنگ دبائے رکھئے

بجھ گئے بادِ حوادث سے ستاروں کے دیئے
اک دیا آج سرِ راہ جلائے رکھئے

شب زدہ صبح کا خورشید سیہ پوش ہوا
دھوپ احساس کی ہر سمت جگائے رکھئے

جامِ جمشید سے کیا بات بنے گی کوئی
آئینہ چہروں کو آئینہ بنائے رکھئے

موم تو موم ہے فولاد پگھل جاتا ہے
سوچ کی آگ سے جسموں کو بچائے رکھئے

کون آشفتہ مزاجوں کا بھرم رکھتا ہے
آپ تو اپنے گلے ان کو لگائے رکھئے

نصرؔ سرداری بھی اک بازی گری ہے گویا
مردہ کاندھوں پہ علَم اپنے اٹھائے رکھئے

قمر سنبھلی

کچھ اس طرح سے* در آیا مرے خیال میں تو
نفس نفس میں بسی تیرے جسم کی خوشبو

نہ جانے کون سا دل پر وہ سانحہ گذرا
کہ میری آنکھوں سے غائب سے ہو گئے آنسو

خیالِ دوست کی سویا ہوں تان کر چادر
چلے گا اب نہ حوادث کی دھوپ کا جادو

مآلِ عشق کی آشفتگی کا کیا ہوگا؟
خدا کے واسطے تم مت سنوارنا گیسو

یہ آڑھی ترچھی لکیریں نہیں ہیں کاغذ پر
مرے قلم نے انڈیلا ہے بوند بوند لہو

وہ زندگی کا مداوا کریں گے کیا جن سے
ہوا نہ اپنا ہی دامان تار تار رفو

کمال کرتے ہو یہ تم کو کیا ہوا ہے قمرؔ
چلے ہو شہرِ ملامت کو لے کے نام نکو

* یہاں "سے" کا استعمال درست نہیں سمجھتا مگر صرف اس کی وجہ سے مطلع کا خون نہیں کر سکتا۔ قمر
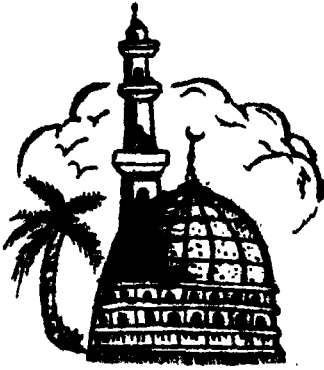
قطرہ سمندر میں

سلیمان سالک

۲۲ر اپریل

آج ایک ساتھی مریض کو دیکھنے کے لئے ——

مستشفی الملک گیا، بڑا کشادہ عوامی شفاخانہ ہے، ایک شامی ڈاکٹر سے مریض کا وارڈ اور پلنگ پوچھا اور میں آسانی سے پہونچ گیا، مریض ٹھیک تھا۔

دوپہر کی خوراک ہمارے سامنے آئی، دو روٹیاں، ایک انڈا، ایک تربوز کا ٹکڑا، ایک کھیرا، اور اس خوراک کو بہ آسانی لوگ کھا رہے تھے، روٹی کا ایک ٹکڑا کاٹ لیا اور پھر کھیرے کا ایک ٹکڑا دانت سے تراش لیا ایسا ہی تربوز کے ساتھ، میں حیران تھا، اور سارے مریض خوش سوائے ہمارے مریض کے، جس نے دودھ کے ساتھ روٹی کھائی۔

آتے جاتے دیکھا، مدینہ کو تعمیر میں کافی ترقی دی جا رہی ہے، امریکن طرز کی نئی عمارتیں چھ چھ آٹھ آٹھ منزلہ نظر آ رہی ہیں اور اندرونی آرائش و زیبائش کا تو حال نہ پوچھئے، صحرا نشینان عرب، خیموں میں زندگی گزارنے والی قوم کاش اقبال کے اس شعر کی روح کو سمجھتی ؎

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر،
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

گلیوں والا مدینہ وسیع سڑکوں والے مدینہ میں گم ہو رہا ہے، تنگ گلیوں، بوسیدہ مکانوں سے بڑی روایتیں اور یادیں وابستہ تھیں، زائر جب ادھر سے گذرتا تھا تو صحابہ کرام کے نقوش قدم ملتے تھے اور ان کے پسینہ کی خوشبو بھی آج کاروں کی ریل پیل سے وہ نشانات معدوم ہو گئے، افسوس تو یہ ہے پسینہ کی خوشبو بھی داب دی!

دھوپ تیز ہو رہی تھی، چند مسجدیں بستی میں نظر آئیں ——— آئیے چند لمحوں میں ان کو دیکھ لیجئے

مسجد علیؓ

بڑی سڑک کے کنارے ہے، گنبدوں والی چھت ہے، ۷ در ہیں، دیواریں تین فٹ چوڑی ہیں، پہاڑی پتھر سے تعمیر ہے، ایک منارہ بھی قدیم طرز کا ہے۔

مسجد عمرؓ

ایک بڑا گنبد وسط میں ہے، اندر نقش و نگار کی رنگ آمیزی کا ہے۔ گنبد کے دائرے میں قل کل یعمل علی شاکلته بڑا خوبصورت لکھا ہے اور صرف ایک منارہ ہے

مسجد مالکؓ

"ہذا مسجد سیدنا مالک بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ" لانبی ہے، سادہ ہے، بے منارہ ہے۔

مسجد ابوبکرؓ

مقفل ہے اندر گذر نہ ہو سکا، ایک بڑا گنبد، ایک منارہ قدامت کا علمبردار ہے۔ لکھا ہوا ہے "ہذا مسجد سیدنا ابوبکر صدیق رضؓ"

مسجد غمامہ

وسط شاہراہ پر ہے، خوبصورت ہے، چار طرف باغیچہ کا حصار ہے ایک گنبد اور ایک منارہ ہے دیکھ بھال اچھی ہوتی ہے اور عمدہ حال میں ہے۔

ہسپتال کی واپسی کے بعد جلتی ہوئی دوپہر اور چلچلاتی دھوپ میں ان مسجدوں میں حضوری کی سعادت ہوئی جن بزرگوں کے ناموں سے یہ مسجدیں نسبت رکھتی ہیں، بہر حال ان کے قرش ان مسجدوں کے امین ہیں، بعد میں آنے والے مسلمانوں نے ان کو باقی رکھا، سلاطین ترکی نے محافظت بھی کی اور ترقی بھی دی، آج بھی اچھے حال میں ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ موجودہ صورت تین سو برس سے کم کی نہیں۔

●

۲۲ر اپریل

آنحضورؐ کے جالی دار دروازہ کے اوپر سورہ حجرات کی ایک نہایت مناسب آیت طغرے میں لکھی ہوئی ہے:

"یاایها الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی"

یعنی حضور کے سامنے اونچی آواز میں بولنے سے پروردگار نے منع کیا ہے ——— لیکن افسوس ہے کہ یہ عرب معلم جن کی مادری زبان عربی ہے اس آیت کا مفہوم نہیں سمجھتے اور اپنے گلا" کو ہانکتے آتے ہیں اور اس زور سے چیختے ہیں اور تکرار اتنی تیز ہوتی ہے کہ مواجہہ میں کھڑے آدمی بے سکون ہو جاتے ہیں۔ اللہ ان کو ہدایت دے۔

●

۲۳ر اپریل

بپھرا ہوا دریا اور امنڈتا ہوا سیلاب ،
بند باندھنے سے بھی کبھی روکا جا سکا ہے ؟
پلکوں کا بند باندھ کر آنکھیں بند کرکے
کوشش کر رہا ہوں کہ امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو
روک لوں لیکن کامیابی نہیں ہو رہی ہے کیونکہ :

سرِ اشکم کم نمی گردد بہ سعی چشم تر بستن
کہ نتواں شدہ سیلاب را مانع ز در بستن

میں جنۃ البقیع میں ہوں ____

پرسکون جگہ ، نہ لوبان نہ اگربتی ، نہ پھول نہ چادر
نہ شمع نہ چراغ نہ عرس نہ قوالی ____ آدمی بھی تھوڑے
ہیں ، داخلہ کے پھاٹک کے قریب ایک نگراں کبھی کبھی
اس کی آواز گونج جاتی ہے ، میں تھم تھم کر قبروں کو
دیکھتا چل رہا ہوں ، بھربھری مٹی کی خام قبریں جو پختہ
تھیں وہ بھی کچی کر دی گئی ہیں کیونکہ ٹوٹی اینٹیں انھیں
قبروں پر ڈھیر ہیں ____ دل بے حال ، دماغ
مضطرب !

تیرہ سو برس سے یہ بھربھری مٹی کا چھوٹا سا
قطعۂ زمین نہ جانے کتنی بار فرشتے اس کو اٹھا لیگئے
ہیں ، جنت میں پلٹ دیا ہے اور پھر اسی جگہ لا کر
پیوند کر دیا ہے ۔

یہیں نبی کریمؐ کی اولاد ، ازواج مطہرات
عزیز و اقارب مدفون ہیں ، نہ جانے کتنے صحابہ کتنے
تابعین ، کتنے تبع تابعین ، مشائخ ، علماء ، صوفیہ
محدثین کا کیا شمار ، دس ہزار صحابہ کی تعداد
تو گنتی میں آچکی ہے جو یہاں مدفون ہیں ____ حضرت
حسن ، حضرت زین العابدین ، حضرت جعفر صادق
حضرت حلیمہ سعدیہ ، حضرت فاطمۃ الزہرا ، ام المومنین
عائشہ صدیقہ ، امام مالک ، امام نافع ، ابو سعید
خدری اور نہ جانے کتنے آفتاب و ماہتاب ، کس
قدر چاند اور ستارے ، نیز بیرون عرب کے علماء
و صلحاء کتنے خوش نصیب حجاج آسودۂ گور ہیں !

دیار شوق کہ درد آشناست خاک آنجا
بہ ذرہ ذرہ تواں دید جان پاک آنجا

تیسرے خلیفہ حضرت عثمان بن عفان کی
شہادت پوری اسلامی تاریخ کی دردناک شہادت
ہے ، ذوالنورین اور جامع قرآن جن کے آثار
اور سرمایہ نے صدہا بار ملت کی دستگیری کی ، جنکے
باغ جن کی زمین حیات میں ملت کے کے لئے وقف
رہی ، ابھی چند برس ہوئے وہ مکان جس میں
آپ کی شہادت واقع ہوئی تھی توسیع مسجد نبوی
کے سلسلہ میں کام آگیا ____ یہ اسی کا مزار
ہے ۔ چند پتھر بے ہنگم ، بے ڈول مزار مقدس
پہ رکھے ہیں ۔

بقیع موت کی بستی نہیں ، زندگی کی
شاہراہ ہے ، حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اس
اجاڑ خطے سے زندگی کے لئے پیام لینے آتے تھے ،
اے پاک سرزمین ! تجھ پر رحمت ہو تونے پیغمبر
کی تر آنکھیں دیکھی ہیں ۔

السلام اے بقیع کی گوشۂ تنہائی

میں آرام کرنے والو! بظاہر تمھارے جسم یہاں دفن کئے گئے لیکن مشاہدہ اجسام وہاں پہونچا دئے گئے، جہاں کسی کو موت نہیں آتی۔

السلام اے مدینہ میں دفن ہونے کی حسرت رکھنے والو! ہم تمھاری کامیابی پر تم کو مبارکباد دیتے ہیں۔

میں دست بدعا ہوں کہ کاش میری مٹی بھی یہیں کی ہو، یہیں دفن ہو اور پھر یہیں سے اٹھے —
منها خلقناكم و فيها نعيدكم و منها نخرجكم تارة اخرى.

●

۲۴ر اپریل

آج بعد فجر جب مواجہہ میں گیا تو خیال آیا کہ حجرہ نبی میں سیدنا صدیق اور سیدنا فاروق کی رسائی قیامت تک کے لئے کیسے ہوئی، یہ رتبہ بلند، یہ طالع ہمایوں تو پیغمبروں کا ہی حصہ ہے۔

ذی علم اسپر متفق ہیں کہ نبی کے بعد اگر بڑائی میں کسی کا مقام ہے تو حضرات شیخین ہیں، سیدنا صدیق اور سیدنا عمر۔ بالترتیب۔

آئیے موضوع سے خارج سہی لیکن، یہ دونوں حضرات رضی اللہ عنہم کی رسائی یہاں کیسے ہوئی ہے سن لیجئے:۔

سیدنا صدیق اکبر کا آخر وقت ہے، آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرما رہے ہیں،
"اے علی! جب میں وفات پا جاؤں تو تم خود اپنے ہاتھوں سے مجھے غسل دینا کیونکہ انھیں ہاتھوں سے تمنے میرے آقا کو غسل دیا تھا، پھر مجھے میرے پرانے کپڑوں میں کفن دے کر اس حجرۂ شریفہ کے سامنے رکھ دینا جس میں میرے آقا کا جسد اطہر آسودہ خواب ہے، دیکھنا اگر حجرے کے دروازے کا قفل خود بخود کھل جائے تب اسی حجرے میں مجھ کو دفن کر دینا ورنہ جنت البقیع میں"

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے عرض کیا "امیرالمومنین کی پرانے کپڑوں میں تکفین کیوں کی جائے؟ نئے میں کیوں نہیں؟" آپ نے فرمایا: نئے کپڑے زندوں کا حق ہیں مردہ کو تو پرانا ہی کافی ہے"

آپ نے حضرت عائشہ کو وصیت کی کہ میرے جنازے کو تیار کر کے حجرۂ نبی ص کے سامنے رکھ کر حضور سے میرا اسلام کہنا، پھر کہنا "ابو بکر آپ کے دروازے پر حاضر ہے" پھر جیسا حکم ہو ویسا کرنا۔

وصال ہو گیا اور سب کچھ وصیت کے مطابق کیا گیا —— قفل کھل گیا، بعض کہتے ہیں دروازہ بھی کھل گیا، صحابہ کرام کے مجمع نے آواز سنی:
اَدخِلوا الحبيبَ الى الحبيب فان الحبيب الى الحبيب مشتاق (حبیب کو حبیب سے ملا دو، حبیب کو حبیب سے ملنے کا اشتیاق ہے ——

(تاریخ آثار الدول)

اور حجرۂ شریفہ کے اندر اجازت کے مطابق، تدفین عمل میں آئی۔

●

فیروز ابولولو کی زہریلی تلوار کا بھرپور وار مسجد نبوی کی محراب میں عین نماز کی حالت میں کاری پڑا، اور یہی وار جان لیوا ثابت ہوا۔

آپ کا آخری وقت ہے اور آپ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے فرمایا: تم ام المومنین حضرت عائشہ کے پاس جاؤ عمر کا سلام کہنا اور درخواست کرنا کہ عمر جوار نبی میں اپنی قبر کے لئے جگہ چاہتے ہیں۔

حجرہ نبی میں جگہ صرف ایک تربت کیلئے اور تھی اور وہ جگہ حضرت صدیقہ رض نے اپنے لئے تجویز کر رکھی تھی تاکہ زندگی جن دو عظیم انسانوں کی رفاقت میں بسر کی تھی، آخرت تک بھی انھی کا ساتھ رہے۔

عبداللہ ابن عمر حضرت عائشہ کے یہاں پہونچے درخواست پیش کردی، ام المومنین گہری سوچ میں پڑ گئیں۔

حضرت عمر کو بے چینی تھی معاملہ اہم تھا — باپ کی گود، شوہر کی آغوش کا سوال تھا لیکن خاندان نبوت کا ایثار کیا کہنے، درخواست منظور ہوگئی حضرت عبداللہ دوڑتے واپس ہوئے اور حضرت عمر سے کہا: مبارک ہو۔ ام المومنین نے اجازت دیدی ہے، ام المومنین نے فرمایا یہ جگہ میں نے اپنے لئے رکھی تھی، لیکن عمر کی درخواست ایسی نہیں جو رد کی جاسکے، حق میرا ہے میں عمر کیلئے اپنے حق سے دستبردار ہوتی ہوں۔

حضرت عمر رو پڑے، وہ اس ایثار کی روح کو سمجھتے تھے، پھر حضرت عبداللہ سے آپ مخاطب ہوئے "جب میرا انتقال ہوچکے اور غسل و کفن سے فراغت ملے، پھر ام المومنین کے پاس جانا اور پھر ایک بار اجازت لینا" حضرت عبداللہ نے فرمایا کیوں؟ اجازت تو مل گئی ہے۔ حضرت عمر نے کہا:

"میری گردن پر ابھی خلافت کا بار ہے، میں امیر ہوں، مرتبہ کا لحاظ کرتے ہوئے اگر اجازت دی ہو تو مرنے کے بعد یہ لحاظ ختم ہوجاتا ہے، اگر انکار فرمادیں تو بقیع میں دفن کردینا اور اگر اجازت مرحمت فرمادیں تو زہے نصیب!

یہی ہوا، وصال کے بعد حسب وصیت پھر حضرت صدیقہ رض سے پوچھا گیا، انھوں نے فرمایا میں اجازت دے چکی ہوں، میں قائم ہوں، میں نے ایثار کیا ہے حضرت عمر رض حجرۂ نبی میں دفن کر دئے گئے۔

حضرت عائشہ نے اسی مسئلہ پر ایک مرتبہ فرمایا: اس حجرہ میں عمر رض کے بعد یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ میں وہاں موجود ہوں مجھے تم بقیع میں دفن کردینا اور آپ دیگر ازواج کے ساتھ بقیع میں دفن فرمادی گئیں۔

میں اس وقت اسی ٹکڑے پر کھڑا لحد عائشہ (ام المومنین) کے اس عظیم الشان ایثار پہ اشکوں کے موتی نچھاور کر رہا ہوں

(تحریر بقیع میں بعد عصر)

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل
نسیم صبح تیری مہربانی !

مولانا خلیل احمد انبہٹہ کے رہنے والے صاحب حال بزرگ تھے ، علمیت کا تو کہنا ہی کیا ، علمائے دیوبند کے ساتھ " میلاد شریف " کی محفلوں میں ان کو بھی تواتا جاتا ہے ، مذکورہ شعر وہ اکثر پڑھا کرتے تھے ، کیا خبر تھی مرنے کے بعد اس شعر کا کیا مفہوم کھلے گا ؟

بقیع میں حضرت عثمان رضؓ کے مزار کے قریب ہی آپ کو جگہ ملی ذوالنورین کے مزار کے پاس ، شہید کے لحد کے قریب ؎

یہ نصیب ! اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے
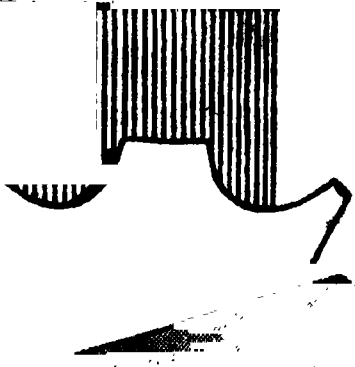
اب شعر پھر پڑھئے اور مقدرات کی سرفرازیاں دیکھئے ، گالیاں دینے والے سوچیں ، بقیع کا کوئی مدفون کافر و مردود ہو ہی نہیں سکتا ، کیوں پاک مٹی کی اہانت کر کے عذاب کے مستوجب بنتے ہیں ۔

شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پچھلے دنوں حج کے لئے اچھی صحت کو لے کے چلے ، بمبئی میں متوسلین اور معتقدین نے ہزاروں کی تعداد میں رخصت کیا ، جدہ پہونچتے پہونچتے واصل بحق ہو گئے ۔ چند دنوں سے وعظوں میں ، مجلسوں میں ، اکیلے بھی یہ شعر پڑھا کرتے تھے ؎

پھول کیا ڈالوگے تربت پر مری
خاک بھی تم سے نہ ڈالی جائے گی

مبالغہ نہیں حقیقت

——— اقبال رفیق

بات سچ کہہ رہا ہوں، یہ نہ سمجھو گا کہ میں نے کسی بوڑی پینے والے کی داستان لکھدی ہے۔

"دنیا کے مزدورد! ایک ہو"

یہ نعرے آپ نے بہت سنے ہوں گے، بہت ممکن ہے آپ کے کان بھی میری طرح سنتے سنتے تھک گئے ہوں دنیا کے مزدور تو کیا پہلے ایک شہر اور ایک کارخانے کے مزدور ایک ہو جائیں تو کمال ہے۔

آئیے آج آپ کو دوسرے ممالک کے مزدوروں کے حالات زندگی سے واقفیت کراؤں، آپ کو صرف تعجب ہی نہیں ہوگا بلکہ آپ بعض اوقات دانتوں کے نیچے انگلی بھی دبالیں گے۔

دنیا کے خوشحال ممالک میں امریکہ کا مقام سرفہرست آتا ہے۔ امریکہ نے مزدور سے کام لینے اور اس کی اجرت ادا کرنے کا طریقہ اسلام کے اصول کے مطابق اپنایا ہے — اسلام کا اصول ہے کہ مزدور کا پسینہ سوکھنے سے قبل اس کی اجرت دے دو۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ امریکہ ایک خوشحال ملک ہے، کیوں ہے؟ اس لئے کہ وہاں کا مزدور بھوکا نہیں مرتا۔ اس سے اسکی بساط کے مطابق کام لیا جاتا ہے اور اس کو اسقدر اجرت دے دی جاتی ہے کہ وہ خوشحال طریقے سے زندگی بسر کرلیتا ہے، اشیاء اس قدر ارزاں ہیں کہ وہ بآسانی مہیا کرلیتا ہے۔

امریکہ کے ایک مزدور کو سماج میں وہی مقام حاصل ہے جو ایک اعلیٰ خاندان کے مالدار کو حاصل ہے اس کے پاس بنگلہ بھی ہے، موٹر کار بھی، ٹیلی ویژن سیٹ بھی اور دوسری ضروری اشیاء بھی۔

ذرا مزدور کی زندگی کو پرمسرت بنانے کے ڈھنگ دیکھئے جب ایک مزدور کو کہیں نوکری مل جاتی ہے، یا یوں کہئے کہ ایمپلائمنٹ والے اس کو پکڑ کر لیجاتے ہیں اور کہیں نوکری دلا دیتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو ایمپلائمنٹ والوں کی خوشامد کرنی پڑتی ہے، رشوت دینی پڑتی ہے — وہاں وہ خود پکڑ کر لیجاتے ہیں اور ملازمت دلا دیتے ہیں، اس کے بعد ہی کچھ کمپنیاں ایسی ہیں جو اس کو ہر چیز مہیا کر دیتی ہیں — ایک چائے کے چمچے سے لے کر موٹر کار تک اس کے گھر میں آجاتی ہے اور اس کی ادائیگی ایسے اچھے ڈھنگ سے کی جاتی ہے کہ مزدور کی زندگی اس کی خوشحالی میں فرق نہیں پڑنے پاتا۔ اس کی مزدوری اس قدر معقول ہوتی ہے کہ وہ

قسطوں میں ادا کرنے کے بعد بھی پر مسرت زندگی بسر کرتا ہے، اشیاء اس کے لئے کس قدر ارزاں ہیں یہ بھی سن لیجئے۔

۱ ۔ ایک موٹر کار کی رقم ادا کرنے کے لئے اس کو صرف پچیس ہفتے کام کرنا ہوتا ہے۔

۲ ۔ ایک ٹیلی ویژن کے لئے اس کو صرف نو گھنٹے کام کرنا ہوتا ہے یعنی نو گھنٹے کام کی مزدوری سے وہ ٹیلی ویژن سیٹ خرید لیتا ہے۔

۳ ۔ کپڑا سینے کی مشین کے لئے اس کو پانچ گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے۔

۴ ۔ ایک لائٹر کے لئے اس کو دس منٹ کام کرنا ہوتا ہے۔

۵ ۔ ایک کلو مکھن کے لئے اسکو ۳۵ منٹ کام کرنا ہوتا ہے

۶ ۔ ایک درجن انڈے اس کو ۱۲ منٹ کام کرکے مل جاتے ہیں

۷ ۔ اعلیٰ قسم کا چلیٹر میٹر کپڑا ۳۵ منٹ کام کرنے پر مل سکتا ہے

۸ ۔ سلا ہوا پتلون حاصل کرنے کے لئے ۱۰۳ منٹ کام کرنا ہوتا ہے۔

آپ کو میری باتیں سن کر ہنسی آرہی ہوگی لیکن بات سچ ہے اور دیکھئے ابھی تو آپ نے دانتوں کے نیچے انگلی دبالی نہیں۔

۹ ۔ میں سگریٹوں کا پیکٹ صرف ۷ منٹ کی مزدوری میں خرید سکتا ہے۔

۱۰ ۔ ایک کلو آلو صرف دو منٹ کی مزدوری میں

۱۱ ۔ ایک کلو کافی خریدنے کے لئے ۴۳ منٹ کام کرنا ہوتا ہے۔

۱۲ ۔ ایک کلو چائے صرف ۵۲ منٹ کام کرکے خرید سکتا ہے

۱۳ ۔ ریفریجریٹر ۹۰ گھنٹے ۲۴ منٹ کام کرنے پر مل سکتا ہے۔

۱۴ ۔ ریڈیو یا ٹرانسسٹر کے لئے وہ ۶ گھنٹے ۲ منٹ کام کرتا ہے۔

ایک اور زیادہ دلچسپ بات ہے کہ وہاں مفت خوروں کی بھی کمی نہیں ہے، جعل سازی کرنے والے چشم زدن میں مالدار بن جاتے ہیں۔

کچھ لوگ تو صرف اپنا خون ہسپتالوں میں فروخت کرکے سال بھر میں دولت مند بن جاتے ہیں، ان کے جسم میں اس قدر خون بنتا ہے اگر اس کو نہ نکلوائیں تو ان کو نقصان ہو جائے۔

دوسری طرف ہمارا پیارا بھارت ورش سونے کی چڑیا آج کل تو اس سونے کی چڑیا کے پر کاٹ کر پتہ نہیں کس عجائب گھر (Zoo) میں بند کر دیا گیا ہے۔

ایک طرف حسین اور پرمسرت زندگی ہے۔ دوسری طرف سسکتے ہوئے اور دم توڑتے ہوئے غریب مزدور۔

امریکہ میں نوکری ملتے ہی کئی کمپنیاں گھیر لیتی ہیں، مکان، موٹر کار، فرنیچر کا انتظام خود بخود ہو جاتا ہے ۔ ہندوستان میں عام طور پر بال کی کٹوائی ایک روپیہ اجرت مقرر ہے لیکن امریکہ میں مزدوری معقول ہے وہاں کم از کم بارہ روپے دینے ہوتے ہیں، کپڑوں کی دھلائی اس قدر گراں ہے کہ بعض اوقات ایک پتلون اور قمیص کو دھلوانے کے بجائے نئی بنانے کو ترجیح دی جاتی ہے، یہی حال دوسری چیزوں کا ہے، کیا ہندوستان بھی اس منزل کو پا سکیگا

مدارس اسلامیہ

تصویر کا پہلا رُخ

واحد فیاضی جلالپوری

آج یہ سوال کیا جاتا ہے کہ مدارس اسلامیہ نے ہمکو کیا دیا ؟

ہم اس طویل ترین بحث میں نہیں پڑنا چاہتے اس کے متعلق تو میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ اسکی شہادت تاریخ کے صفحات پیش کریں گے تاہم ملک کی آزادی ، مذہب کی حفاظت ، ملت کا فروغ اور تو اور صرف یہی وہ ناقابل فراموش کارنامے ہیں جو نصف النہار کی طرح سے عیاں ہیں اور جس کے احسان سے دنیا ہمیشہ گرانبار رہے گی ، لیکن ! تھوڑی دیر کے لئے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ نے مدارس کو کیا دیا ؟

شاید آپ خوش ہوں کہ ہم ہر سال زکوٰۃ کی لمبی لمبی رقمیں تو دیتے ہیں ، میں بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ حضور ! یہ خوشی آپ کی انتہائی بے جا ہے ، وہ تو آپ کو دینا ہی تھا ، اسے دیتے نہ تو کرتے کیا ؟ وہ آپ کے استعمال کے قابل ہی نہیں ، اسے آپ رکھ ہی نہیں سکتے اسلئے اسے دے کر آپ نے مدارس کے اوپر نہیں ، بلکہ اپنے اوپر احسان کیا ہے جسے آپ نے غلط فہمی سے کچھ اور سمجھ لیا تھا ۔

سچ پوچھو تو اسکو بھی دینے میں فراخدلی سے کام نہیں لیا گیا ، اگر اسی مد کی رقم کو ہم پوری دیانتداری کے ساتھ دیتے تب بھی آج اکثر مدارس کی کسمپرسی کی حالت نہ ہوتی ـــــ طرفہ تماشہ یہ کہ اسی پیسے نے یہ غلط فہمی بھی پھیلائی کہ یہ لوگ زکوٰۃ خور ہیں ، اگرچہ حقیقت اور واقعہ کچھ اور ہی ہے ، اصل میں یہاں بھی ہم نے سوچنے میں ایثار و ہمدردی سے کچھ کام نہیں لیا اور تعبیر کے لئے ایک اذیت کوش لفظ کا انتخاب کیا یعنی زکوٰۃ کا ۔ لیکن بالفرض اگر ہم مان بھی لیں کہ وہ زکوٰۃ ہی کھاتے ہیں تو ہم کو کیا حق پہونچتا ہے کہ ہم دوسروں کی تذلیل و تحقیر کریں ۔

اگر اینٹ و پتھر سے بنی ہوئی مسجدیں اس لئے مقدس و محترم ہیں کہ اس میں آپ کا ایک فرض ادا ہوتا ہے تو بکرم انسانوں کی ایک جماعت کیوں نہیں قابل احترام بن سکتی ہے ان پر بھی تو آپ کا ایک فرض ادا ہوتا ہے، وہ بھی تو ایک فرض کی ادائیگی کا محل ہیں؟ اسلئے ذہن سے اسبابات کو نکال دیجئے ورنہ حفاظت دین کا اس دور میں سوال ہی اٹھ جائے گا، اس لئے کہ آپ اپنی گاڑھی کمائی کا ایک پیسہ بھی دینے کے لئے تیار نہیں، ادھر مدارس کے اخراجات پورا کرنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ علم دین کو تابوت میں رکھ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا جائے۔

ہمارے علماء نے بہت مجبور ہوکر اور بہت سوچ سمجھ کر حیلے کی شکل نکال کر اس کو جائز قرار دیا ہے، اب اگر آپ کو اس میں بھی کوئی اعتراض یا ناگواری ہو تو آپ اپنے جود و سخا سے کام لیجئے، یہی ہم بھی چاہتے ہیں۔

آپ کو اپنے بچوں کے مستقبل کا بڑا خیال ہے، آپ اپنے بچوں کو مدارس اسلامیہ میں اس خوف سے نہیں بھیجتے کہ اس میں ان کی زندگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیوں؟ کیا کوئی معقول وجہ ہے؟ یا مذہبی ہونا ہی کوئی مستقل جرم ہے؟

شاید اس وجہ سے کہ یہ پڑھنے کے بعد ساٹھ ستر پر کہیں مدرس بن جاتے ہیں، لیکن یہ قلت تنخواہ کی شکایت کس سے ہے، یہ مدارس کس کی جاگیر و ملکیت ہیں، یہ کس کے رحم و کرم پر ہیں، ان کی ذمہ داری کس کے سر ہے؟

آپ کے علاوہ اس کی سرپرستی کرنے والا کون ہے؟ آپ کو کون روکتا ہے، آپ کیوں نہیں ان کی تنخواہیں چھ چھ سو اور سات سات سو کر دیتے، اس شکایت کو تو آپ ہی رفع کر سکتے ہیں ____ لیکن ابھی تک آپ نے کیا نہیں، پھر بھی آپ کو شکایت ہے ؎

یہ عجیب ماجرا ہے کہ بروز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

کہ یہ صورت حال بھی آپ ہی کی پیدا کردہ ہے اور اسلئے ہی آپ کو شکایت بھی ہے۔

اگر آپ ان مدارس کی دل کھول کر امداد کریں تو آپ ان کو جس حالت میں رکھنا چاہیں رکھ سکتے ہیں اور عزت و وقار کی جتنی اونچی سطح پر لے جانا چاہیں لے جا سکتے ہیں، اس لئے کہ ان کی ترقی کا تمام تر دارو مدار آپ کے ہی کے چندوں، اور عطیات پر ہے۔

ایک باشعور قوم جانتی ہے کہ اس کا سب سے بڑا سرمایۂ حیات علم ہے، علم ہی بقائے قوم کی ضمانت ہے اور جہالت وہ خطرناک شعلہ ہے جو تھوڑی دیر میں بھی پوری قوم کو اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے، جن قوموں نے اس راز کو پالیا وہ نہایت سختی سے اس پر کاربند و عمل پیرا ہیں، انکے

یہاں ایک معمولی سے معمولی ٹیچر اور ایک بڑے سے بڑے انجینیر کی تنخواہ میں کوئی زیادہ فرق نہیں، جو تنخواہ ایک اچھے معلم کی ہے وہی وہاں کے وزیر اور گورنر کی ہے، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، انھیں ہر حال میں مضبوط ہونا چاہیئے، چنانچہ افریقہ وغیرہ کے متعدد ملکوں میں یہی نظام رائج ہے۔

لیکن افسوس! بدقسمتی سے مسلمانوں میں یہ ذہن نہ پیدا ہوسکا، عیسائی مشنریوں کو دیکھو، وہ آج اپنے مذہب کے فروغ و اشاعت کیلئے لاکھوں اور کروڑوں روپیہ پانی کی طرح بہاتی ہیں، ان کے یہاں نہ کوئی محصل ہے، نہ سفیر، تمام چندے خود بخود پہونچتے ہیں۔

ہندوستان کے اندر تمام اقلیتوں میں مسلمان سب سے بڑی اقلیت ہیں، عیسائی اور یہودی وغیرہ ان کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں، اسکے باوجود بھی وہ ہر سال لاکھوں اور کروڑوں روپیہ اپنی گاڑھی کمائی میں سے مذہب کے نام پر جمع کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے فروغ و اشاعت پر صرف کرتے ہیں۔

کاش! مسلمان بھی ان سے سبق لیتے اگرچہ خود ہماری بھی پوزیشن کبھی مثالی تھی۔

ہمیں چاہئے کہ ہم بھی اپنی گاڑھی کمائی کا کچھ حصہ اپنے مذہب کے فروغ و اشاعت کے لئے نکالیں اور ان کو ان جگہوں تک پہونچائیں جہاں جہاں سے مذہب کے فروغ و اشاعت کا کام متعلق ہے، ورنہ کل مستقبل کا مورخ تاریخ کے صفحات میں جلی حرفوں سے لکھے گا کہ بیسویں صدی کا حیرت انگیز واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی بھیڑ جنھوں نے لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں ہوکر بھی اپنے مذہب کے لئے کچھ نہیں کیا ـــــــ اور اسی دور کا دوسرا واقعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کی ایک مٹھی بھر جماعت نے اپنے رہنماؤں کے ہاتھ پر آسمان سے چاند و ستارے توڑ کر لاکر رکھ دئے

لیکن ـــــــ وقت ابھی باقی ہے ہم اگر چاہیں تو مستقبل کی تاریخ اور مورخ کے فیصلے کو بدل دیں ●

نوید سحر

عبرت بہرائچی

وہ اپنے آپ کو یوں بے نقاب لایا ہے
نگاہ شوق کا گویا جواب لایا ہے
قلم نوید سحر ہے ادیب و شاعر کا
جہان نو میں یہی انقلاب لایا ہے
یہاں تو کوئی بھی پہچانتا نہیں مجھ کو
مجھے کہاں دل خانہ خراب لایا ہے
مہک رہا ہے جو گلشن سا آج ویرانہ
جنوں کہاں سے یہ عطر شباب لایا ہے
کوئی بتائے کہ کب حسن بے اماں کے حضور
بجز جنوں کے مرے کوئی تاب لایا ہے
مثال قوس قزح جس کی ہو نہیں سکتی
وہ رنگ و روپ کسی کا حجاب لایا ہے
سکوں شناس کبھی آگاہ اضطراب ہوئے
نیا نظام یہی انقلاب لایا ہے

غزل

مہدی پرتاپ گڑھی

کتنا جاں سوز مرے شہر کا سناٹا ہے
اب تو ویرانوں کی قسمت ہی پہ رشک آتا ہے
سر پہ جلتی ہوئی اک دھوپ ہے تا حد نظر
میرا سایہ مرے قدموں میں چھپا جاتا ہے
میر و غالب کی روایات سے بدظن شاعر
بے ارادہ بھی اسی راہ پہ آجاتا ہے
یاد آتی ہے نوازش کبھی احباب کی جب
چہرۂ درد مرا اور نکھر جاتا ہے
قصر مستقبل رعنا کا تصور ہی کریں،
جی بہت ماضی کے کھنڈرات سے گھبراتا ہے
سوچنے لگتا ہوں میں بڑھنے کو غم کے سائے
جب کوئی لمحہ مسرت بکنار آتا ہے
جانے وہ لمحہ کب آئے گا مری ہستی میں
دل میں جو آس کی قندیل جلا جاتا ہے
اب تو دستک کے لئے ترسے ہے دل کی کھڑکی
ایک مدت سے یہاں کوئی نہیں آتا ہے
جانے کیا بات ہے اس دھرتی کا چہرہ مہدی
خون میں ڈوب کے کچھ اور نکھر جاتا ہے

چنان قحط سالے شد اندر دمشق

رئیس انصاری بی، اے، ایل، ٹی،

روزی مجھے کناٹ پلیس میں ملی تھی۔
فی الحال آپ سے پوری ہمدردی کرتے ہوئے آپ سے بھی جواباً ہمدردی کے دو الفاظ کی توقع کرتا ہوں اور وہ بھی اس بنا پر کہ اب آپ یہ بھی غور فرمائیں کہ روزی سے ملنے کے بعد مجھے کتنا "مخرب اخلاق" بننا پڑا ہوگا۔ درانحالیکہ آپ صرف (بیگم صاحبہ کی حد تک) مخرب اخلاق ہیں لیکن میں بھی اگر آپ کے بارے میں سوچ سوچ کر ....

ہاں تو جناب روزی ایک منسٹری جی کی سکریٹری تھی، اس کے اس طرح بتانے سے مجھے ایک "جھٹکا سا" لگا، لیکن جب اس نے یہ بتایا کہ آج کل اس کا ان سے کچھ "وہ" چل رہا ہے تو مجھے واقعی ایک جھٹکا سا لگا ایسا ہی جیسا کہ آپ کو مندرجہ بالا چند سطور پڑھ کر لگا ہوگا۔

(میرا خیال ہے کہ ایک چاند سی وفا شعار بیوی کی موجودگی میں رشک، حسد، جلن، وغیرہ الفاظ جذبات کا صحیح احاطہ نہیں کرتے، یہ بات اپنے کسی فہیم الافہام یا عالم العلوم قسم کے صاحب المصائب سے معلوم کیجئے گا)

تو محترم جس وقت وہ مجھے ملی اس کے ایک ہاتھ میں چار کلو گھی کا ڈبہ تھا اور بیگ میں ڈبل روٹی میں نے اندازہ لگایا کہ روزی جب ڈبے کو دائیں ہاتھ میں پکڑتی ہے تو لوگ اس کے دائیں ہاتھ کو اور جب بائیں ہاتھ میں پکڑتی ہے تو لوگ اس کے بائیں ہاتھ کو گھورنے لگتے ہیں!

دریں اثنار ایک نورانی صورت بزرگ نے بڑے کریہہ مگر اضطرابی و استعجابی لہجہ میں بغیر کسی تمہید و تعارف کے قریب آکر پوچھا "میم صاحب! آپ نے یہ گھی کا ڈبہ کتنے میں لیا ہے؟"

"جی! چھپن روپے میں"

بائیں جانب سے ایک چندنی چتکاری مہلشے جی نے حیرت سے رس بھری جیبا گھونٹ بھرتے ہوئے فرمایا:

"صرف چھپن روپے میں؟ یہ آپ نے کہاں سے مار دیا ہے؟"

روزی غصہ سے لال پیلی ہوکر بڑے تپاک سے بولی "شٹ اپ اٹ از مائی پرسنل افیر"

(Shut up It is my Personal affair)

تھوڑا آگے چل کر ہم ایک ریسٹوران میں داخل ہو گئے ہلکے ناشتہ کے دوران ہمیں احساس ہوا کہ میز کے آس پاس ہم دو کے علاوہ کوئی اور بھی ہے ، ہم نے ذرا تکلف سے غور کیا تو ایک عجیب طلسماتی نظارہ نظر نواز ہوا ، ہوٹل کا منیجر ، اسٹیوارڈ ، دو سکریٹریٹ کے چپراسیوں جیسے سفید پوش بیرے اور ساتھ میں مالک ہوٹل سیٹھ بانگڑ ڈلی سالو نریا ہمارے فارغ ہونے کے منتظر تھے ۔

میرے نگاہ اوپر اٹھاتے ہی منیجر نے پہلے تو دخل در معقولات " کی معافی چاہی جو اسے روزی کی جانب سے ایک ہلکے سر کے اشارہ سے مل گئی ورنہ زبان سے وہ شاید یہی کہتی " باؤ بھیا دفع ہو جلدی سے" کیونکہ اس کا واقعی "پرسنل افیر" کا معاملہ تھا ۔

مگر سیٹھ بانگڑ ڈولی کی " ہمت افزا گھڑک " کے سہارے اس نے پہلے کے مقابلہ میں ذرا تیز لہجہ میں گھی کے ڈبہ اور ڈبل روٹی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا ؛

" کیوں جناب یہ آپ کو کہاں سے مل گئی ؟

گھبراہٹ میں میرے منہ سے صرف اتنا نکلا :

" جناب عالی ! آپ اپنے کسی بیرے سے دریافت فرمالیں ، ہم نے ان چیزوں کو یہاں سے بالکل نہیں اٹھایا "

ایک بیرے نے چمک کر جواب دیا " بھلا آپ ہمارے یہاں سے کیسے اٹھائیں گے ، ہم نے تو پچھلے مہینہ سے ڈبل روٹی کے درشن تک نہیں کئے ،

حالانکہ سیٹھ نے اس کے بعد کئی بار کچھ غیر ضروری نوٹوں کو کچھ ضروری کاغذات سے الگ کرکے ان کے غیر ضروری بوجھ سے نجات پانے کے لئے ہمیں " راہ نجات " دکھانے کی کوشش کی مگر ہم دونوں نے آنکھیں بند کرکے سچے ہپی کٹ گیانیوں کی طرح اپنے بزرگوں کے اس قول پر غور کیا جس کے سہارے وہ عرصہ ۲۵ سال سے اپنے تین رنگوں کو یکرنگا گھول کر ہمیں الو بناتے آرہے ہیں اور ہم بکمال سعادتمندی کا بنتے آرہے ہیں ۔

ہم نے اسی نقش قدم کو بوسہ دیتے ہوئے اس " بحر ظلمات " کا پتہ بتانے سے بالکل انکار کردیا جس کا راز ظاہر ہوتے ہی اس آبِ حیات سے یقیناً محروم ہوجاتے اور محرومیوں کا کوٹہ اتنا زیادہ تھا کہ فی الوقت ہم اس میں اضافہ کے بالکل خواہشمند نہ تھے ، روزی نے از راہ انکسار و اخلاق یہ نہیں بتایا (اور بتانے کی ضرورت بھی غالباً نہیں تھی کیونکہ سیٹھ نے روزی کو خاص طور سے اپنے کچھ غیر ضروری نوٹ دکھائے تھے ۔ اس نے ڈبل روٹی یا گھی کے سلسلہ میں کوئی دست درازی تو کی نہیں تھی ہاں یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ ایک منسٹری جی کی سکریٹری تھی)

دوسرے دن وہ مجھے اجمل خاں روڈ پر ملی اور گول گپے کھانے کا تقاضہ کرنے لگی ۔

گول گپے منہ میں رکھتے ہی اس نے ان کے

"کچھ کڑوے" ہونے کی شکایت کی، میں نے دلاسہ دیتے ہوئے کہا، کوئی خاص بات نہیں ملاوٹ کرنے والا ملاوٹ کرکے کسی نئے فارمولے کا تجربہ کر رہا ہوگا"

یہ سنتے ہی اس نے منتری جی سے شکایت کی دھمکی دی اور بغیر "ٹاٹا" کئے اسکوٹر پر بیٹھ کر چل دی۔ وہ تو خاموش تھی مگر اس کا اسکوٹر بڑی دور تک ....

دوسرے دن کناٹ پلیس کے ایک کافی ہاؤس میں میں نے اس سے منتری جی سے شکایت والی بات پوچھی، روزی نے بتایا کہ منتری جی اصولی طور پر ملاوٹ کے سخت خلاف ہیں اور ان کا بس چلتا تو وہ اس گول گپے والے کو یقیناً پھانسی پر نہ سہی تو اس لیمپ پوسٹ سے تو ضرور لٹکوا دیتے جس کے نیچے وہ "حکومت کے خرچ پر اپنا کاروبار کر رہا تھا"۔ روزی کا کہنا تھا کہ وہ خود عوام سے اس بات کے شاکی تھے کہ لوگ کیسے بے حس ہیں جو ملاوٹ کے خلاف ایک شاندار قسم کا "مشاعرہ" تک نہیں کر سکتے،

میں نے خوش ہو کر اس کارروائی میں تاخیر کا سبب پوچھا، جواب میں روزی نے مجھے سرکاری معاملوں میں ذرا مدھم لہجہ میں گفتگو کرنے کی فہمائش کی اور پھر آہستہ سے کہا:

"وہ کہتے ہیں کہ ملاوٹ کرنے والے بھی تو ملک کی تعمیر میں ہاتھ بٹا رہے ہیں کیونکہ اس طور پر وہ بھی پیداوار بڑھاتے ہیں جس سے اشیاء کی کمی دور ہوتی ہے اور شریف آدمیوں کو کچھ نہ ملنے کے بجائے کچھ نہ کچھ تو مل ہی جاتا ہے۔ ہاں اگر اگلی فصل اچھی ہوئی تو پھر ان لوگوں پر ہاتھ ڈالیں گے۔ انھیں دکھا دیں گے کہ سرکار سوئی نہیں، اس نے صرف ایک جھپکی لی ہے"

روزی نے مصالحہ کے کچھ پیکٹ میرے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا: لو پکڑو بالکل خالص مصالحہ اب تو تمھیں سرکار سے کوئی گلہ شکوہ نہیں"

میں نے کہا: "بالکل ہے" دیکھتی نہیں کتنی مہنگائی ہے، عوام کتنے پریشان ہیں؟

وہ بولی "کہاں ہے مہنگائی، لوگوں نے سرکار کو بدلنے کا بلا وجہ شور مچا رکھا ہے، یہ مہنگائی چیزوں کی مصنوعی کمی کی وجہ سے ہوتی ہے اور مصنوعی کمی کی ذمہ داری ان بلیک مارکیٹیوں پر ہے نہ کہ سرکار پر۔ یہ جنتا سرکار کو حیران اور پریشان کرنے کے بجائے ان لوگوں کے خلاف کوئی قدم کیوں نہیں اٹھاتی؟ ہاں یہ ضرور ہے کہ عوام کو چاہئے کہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے کی غلطی نہ کریں اور باقی بچی ہوئی کارروائیوں میں سے جو مناسب سمجھیں سرکار کا مشورہ لے کر کریں، اگر یہ جنتا ایسا نہیں کرتی تو بقول منتری جی کے یہ جنتا سرکار کے خلاف ایک زبردست سازش کر رہی ہے اور تم دیکھنا کہ سرکار سازش کرنے والوں کے خلاف ہر مناسب قدم ضرور اٹھائے گی"

میں نے کہا: کمال کرتی ہو، یہ تم مجھ سے باتیں کر رہی ہو یا منتری جی کے سکریٹری کا لکھا ہوا کوئی سرکاری بیان دہرا رہی ہو"

روزی مسکرائی "بعض اوقات تم مجھے

پکے "بلیک اینڈ وہائٹ" معلوم پڑتے ہو۔ بے اختیار جی چاہتا ہے کہ تمھیں جی بھر کر پیار کروں مگر (وہ بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو سونگھ کر تحریک نزلہ کو اپنے ریشمی رومال میں لپیٹ کر نفاست پسندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولی)

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ مہنگائی کہاں نہیں بڑھی ہے روس میں، امریکہ میں، فرانس اور برطانیہ میں، کیا کوئی ترقی یافتہ ملک ایسا ہے جہاں چیزیں مہنگی نہ ہوں منتری جی کہتے ہیں کہ مہنگائی تو ترقی کی نشانی ہے اور دیکھو ..... (اس نے میرا ہاتھ سہلاتے ہوئے کہا) معاشیات کی ہر کتاب میں یہی لکھا ہے۔"

اس سے اگلے دن وہ ٹھیک چار بجے امر کالونی مارکیٹ میں ملی، میں مٹی کے تیل کی دوکان کے آگے ایک لمبی لائن میں کھڑا تھا۔ اس نے پہلے لائن پر ایک نگاہ ڈالی اور پھر اپنی سنہری کلائی گھڑی پر جو اسکے بقول اس کے کسی بہت زیادہ عقلمند قلمی دوست نے کسی قریبی محلہ سے بھیجی تھی) اور بولی "یہ بتاؤ کیا ارادے ہیں"؟

میں نے کہا "صبح سے کھڑا ہوں، بس باری آنے ہی والی ہے۔"

اس نے کہا "چھوڑو یہ سب تیل دیل، آج کسی طرح کام چلا لو، کل صبح ایک ٹین تمھارے گھر پہونچ جائے گا۔"

دوسرے دن وہ خود تیل کا ٹین اپنے اسکوٹر پر رکھ کر لائی، بیوی سے بھی تعارف ہوا، ٹین کا پیپا دیکھ کر بیگم کو "سوت" کے معنی بالکل یاد نہ آئے، اس کے اخلاق کی شان میں قصیدہ پڑھتے ہوئے انھوں نے مقطع ارشاد فرمایا کہ:

"تم کتنی خوش قسمت ہو، جب چاہتی ہوگی ڈبل روٹی، مصالحہ اور آٹا دال سب خرید لیتی ہو، ہم پر ایک احسان اور کرو، ہمیں پانچ بوتل دودھ کا کوپن اور بنوا دو۔"

بیگم کے اصرار پر مجھے دوسرے دن روزی کے دفتر جانے کا پکا وعدہ کرنا پڑا۔

منتری جی کی کوٹھی پر پہونچتے ہی سات باوردی سپاہیوں نے میرا استقبال کیا، پھر اوپر اور نیچے (بالکل نیچے) پہنے ہوئے کپڑوں کا بوسہ دینے کا اصرار کیا، خدا جانے انھوں نے مجھے کیا سمجھا ہمارے قلمی شاعروں کی بدولت وہ اتنا تو جانتے تھے کہ یہ دلی تو قطعی نہیں ہاں دکنی، کانپوری یا بریلوی ضرور ہو سکتا ہے اور میں سوچ رہا تھا کہ جنگی قیدی بخیریت ہیں، بنگلہ دیش میں چین ہی چین لکھا جا رہا ہے، اپنے بھارت میں (خدا کرے اسے کسی کی نظر نہ لگے!!) شانتی، اہنسا اور دھرم کرم کا راج ہے۔ جن سنگھی، مسلم لیگی اور جماعت خدا والے ضرور یو۔پی کے حمام میں تین.......

خیر! میں نے ان کو مایوس نہیں کیا، اندر قدم رکھتے ہی دیکھا کہ دلی کے اندر ایک سوئزر لینڈ اگا ہوا ہے ——— روزی ہی مجھے منتری جی کے پاس لے گئی، رسمی تعارف کے بعد منتری جی نے میری اور روزی کے تعلقات پر کافی اطمینان کا اظہار کیا اور مجھ سے

میری ملاقات کا مدعا پوچھے بغیر کہنے لگے،
" اب آپ ہی بتائیے کہ جلسے کرنے، جلوس نکالنے اور اس طرح کے غل غپاڑہ مچانے سے کہیں مہنگائی دور ہو سکتی ہے، حکومت کو خفیہ اطلاعات ملی ہیں کہ یہ لوگ ساہوکاروں اور غیر ملکی ایجنٹوں کے خرچہ سے مہنگائی کے خلاف یہ ہنگامے مچا رہے ہیں اس لئے سچ پوچھا جائے تو یہ مہنگائی ان ہی جلسے جلوسوں کی وجہ سے اور بڑھ رہی ہے۔ لوگوں کو چاہیے کہ ان جلسے کرنے والوں کے خلاف جلسے کریں اور جلوس نکالنے والوں کے ایک جلوس کے خلاف دو دو جلوس نکالیں۔

ان دو دو کے لفظ پر ایک زبردست قسم کے گھونسے نے میز کی گھنٹی میں جلترنگ کی آواز پیدا کردی۔ اندر آنے والے چست قسم کے چپراسی کو میں نے اندازوں میں وقت ضائع کرانے کے بجائے چائے لانے کا حکم دیا، اس وقت ذرا بھی پس و پیش کرنے میں منتری جی مجھے حزب مخالف کا لیڈر سمجھ کر آنے والے چپراسی کو ایوان کا مارشل سمجھ کر اگر حسب عادت کچھ فرما دیتے تو " دیگرے نیست " والی ایوان کی مکمل تائید سمجھ لینے میں روزی کو بھی مغالطہ ہو سکتا تھا۔

منتری جی نے چائے کو پیا نہیں بلکہ صحیح معنوں میں حلق کے اندر انڈیلا، اسی دوران میں اندر کے جذبات چائے پھاڑتے ہوئے منہ میں آتے ہوئے کہیں بیٹھے تھے ہی، گھونٹ کا نصف حصہ حلق میں ہی تھا کہ منتری جی اسٹارٹ ہوگئے " اگر یہ لوگ چاہیں تو گلے پھاڑنے کے بجائے کھیتوں میں مٹی پھاڑ سکتے ہیں، آرام دہ کمروں میں ٹھنڈے پنکھوں کے نیچے بحث و مباحثہ میں وقت برباد کرنے کے بجائے کھلیانوں میں، کھانوں میں اور گندی بستیوں میں جاکر کام کر سکتے ہیں، غریبی کے ساتھ اگر یہ غریب فوراً ہی نہ غائب ہو جائیں تو ہمارا ذمہ "

کمرے میں ہماری " ٹاپ سکریٹ " گفتگو کو سننے والے تین ہی تھے، منتری جی تو بول رہے تھے، میں، باپو جی اور اندرا جی کی دو بڑی تصویریں میں نے اپنی طرفداری زیادہ مناسب سمجھی تصویر جائے، تصویر والا جائے:

" لیکن جناب جو یہ ملازم پیشہ لوگ ہیں وہ بھلا کھیتوں میں .....

انھوں نے بات درمیان میں اچک لی:

" صاحب! آپ بھی غضب کرتے ہیں کھیتوں میں نہ سہی آنگن میں۔ اناج نہ سہی۔ مونگ پھلیاں تو بو سکتے ہیں، لہسن پیاز تو اگا سکتے ہیں، ملک آن واحد میں خود کفیل بن سکتا ہے، اقوام متحدہ میں ہماری اپنی پوزیشن مستحکم بن سکتی ہے اور ...... " خیر یہ تو بعد کی باتیں ہیں، فی الحال تو بازار میں کچھ بھی نہیں مل رہا ہے "۔

" آپ کہنا کیا چاہتے ہیں، کیا یہ سب دوکاندار راتوں کو جاگتے ہیں اور دن میں دوکانوں میں آکر اس لئے بیٹھ جاتے ہیں کہ اونگھیں "

اب رہی چیزوں کی کمی اور نایابی تو یہ سب سے زیادہ نامعقول بات ہے ، اجی جناب بس ایک ٹیلیفون کر دیجیے ہر چیز گھر پہ حاضر ، لوگوں کو جب خریداری کرنے کا ڈھنگ ہی نہ معلوم ہو تو حکومت اور دوکاندار دونوں مل کر بھی کیا کر سکتے ہیں ، لوگ سودا سلف خریدنے کے بجائے اگر لوٹ مار ہی پر آمادہ ہوں تو پھر بات ہی اور ہے ، کہیئے کچھ ضرورت ہو تو بھجوا دوں ؟ "

" لیکن جو بلیک میں بہت کچھ ہو رہا ہے — اس کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟ "

" دیکھئے ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ سب غلط ہے اور ان کے باغی ہونے میں بھی کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی ، لیکن ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ وہ کوئی نئی چیز نہیں ہیں ، وہ رام راج میں تھے ، تاریخی کتابوں میں بھی ان کا ذکر ہے ، غالب سے لیکر میتھلی شرن تک کی شاعری میں ان کا بڑا " دلربا " تذکرہ ہے اس لئے ان کے ساتھ لڑ جھگڑ کر حکومت قانون کو اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتی اور حکومت کو دیکھتے ہوئے آپ کو بھی کوئی ایسا کام ہرگز نہیں کرنا چاہیئے جو عام طور پر نہ ہوا ہو ——— بھگوان پر بھروسہ کیجئے ، اس کے وہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ، پھر قصوروار ہم بھی تو ہیں ، اگر ہم نہ خریدیں تو یہ بلیک پھر کیسے ہاتھ اور کیسے کر سکتے ہیں "

" لیکن شری مان جی ! بغیر خریدے تو ہم بھوکوں مر جائیں گے "

" یہ بالکل غلط ہے ، آج تک ایک بھی سرکاری رپورٹ نہیں آئی جس میں کسی کے بھوکا مرنے کا ذکر ہو ، ویسے تھوڑی فاقہ کشی صحت کے لئے بڑی مفید چیز ہے ، اس سے پیٹ خوب صاف رہتا ہے ، سول سرجن کے نام میں رقعہ لکھ دیتا ہوں ان سے معلوم کر لیجئے وہ میری ہی بات کی تائید کریں گے ، ہمارے بڑے بڑے نیتاؤں نے یہی راستہ دکھایا ہے اور اسی راستہ پر چل کر ہم کو سچی شانتی مل سکتی ہے "

" کچھ لوگ آپ حضرات پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ بڑے بڑے چندے لے کر آپ ہی لوگ ان ذخیرہ اندوزوں اور بلیک مارکیٹیوں کی پشت پناہی کرتے ہیں "

کہنے کو تو میں کہہ گیا لیکن کہنے کے بعد ہی مجھے احساس ہوا کہ راشن کی لائن میں لگ کر یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا ، ضرور یہ اس سوئٹزرلینڈ کی ماحول کا اثر تھا ، میں اپنے حواس ٹھیک ہی کر رہا تھا کہ منتری جی کی گرج سنائی پڑی :

" تم حد سے زیادہ بڑھ رہے ہو ، سی ، آئی ، اے ، کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو ، تم مخالفوں کے پٹھو ہو ، ہنگامی حالات میں افواہیں پھیلاتے ہو ، اس سے پہلے کہ میں تمھیں دھکے دے کر باہر نکالوں ، بہتر یہ ہے کہ تم خود ہی دفع ہو جاؤ "

دوسرے دن ابھی میں بستر سے اٹھ بھی نہ پایا تھا کہ روزی دھڑدھڑاتے ہوئے کمرے میں گھس آئی ، اس کے ہاتھ میں ایک فائل تھی اسنے

مجھے بتایا کہ میرے خلاف ڈی ، آئی ، آر ، لگائی جا رہی ہے ، پھر سکرا کر میرے بستر پر بیٹھتے ہوئے بولی " اگر میرا ہاتھ پکڑ سکتے ہو تو تمہارا ہاتھ سرکاری پکڑے سے بچ سکتا ہے ، میرا مختصر سامان کمرے سے باہر رکھا ہے ، اس کا جواب مجھے فوراً چاہئے بولو کیا کہتے ہو ؟ "

کہئے ! کیا میں دعا کروں کہ اسیط کا کوئی قحط آپ کے شہر تک بھی پہونچے !!

بشکریہ " ہندوستان "
ایس ، کیرول کی انگریزی کہانی سے ماخوذ ۔

موڈ کا اثر

—— نذیر احمد موہانی

جذبات احساس کی وہ قسم ہے جو اس وقت پیدا ہوتی ہے جب انسان کی کوئی شدید ضرورت پوری ہو جائے یا نہ پوری ہو سکے۔

ضرورت پوری ہونے پر مثبت جذبات جنم لیتے ہیں اور دوسری صورت میں منفی جذبات

منفی جذبات میں بھوک، ڈر، غصہ، افسوس، غم، فکر یا رشک و حسد جیسے احساسات شامل ہیں۔

مثبت یا منفی احساسات کے نتیجہ میں دماغ کی جھلی کے بعض مقامات پر جو اشتعالی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے وہ مختلف اعضاء کے اعمال و افعال میں تبدیلی پیدا کر دیتی ہے، جذبہ شدید ہو تو شریانوں پر تیزی کے ساتھ اثر انداز ہوتا ہے، عام طور پر ان میں تشنجی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور اندرونی اخراجی غدودوں کی سرگرمیاں تیز ہو جاتی ہیں۔

(۲) مثبت جذبات عام طور پر اعضاء کے لئے مفید ثابت ہوتے ہیں، ان سے قوت ملتی ہے اور توانائی میں اضافہ ہوتا ہے لیکن جیسا کہ کہاوت ہے "ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے" یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی مثبت جذبہ جیسے بے انتہا خوشی کا جذبہ کسی ایسے آدمی کے لئے خطرناک بن جائے جو دل کی بیماری میں مبتلا ہو۔

منفی جذبات کی صورت میں نظام جسمانی میں بہت سی تبدیلیاں انسان کی صحت کے لئے براہ راست خطرہ بن جاتی ہیں۔

(۳) شدید جذبہ نظام جسمانی کی ایک غیر معمولی کیفیت کو جنم دیتا ہے مگر زیادہ دیر قائم نہیں رہتی اس کی وجہ سے عضویاتی تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں، یہ نظام جسمانی کو طوفان کی طرح جھنجھوڑ دیتا ہے لیکن رفتہ رفتہ ناپید ہو جاتا ہے، البتہ اکثر و بیشتر متعلقہ موڈ کی صورت میں اپنا نشان چھوڑ جاتا ہے

موڈ بھی ایک جذبہ ہی ہے، البتہ اسکا اظہار اتنی شدت نہیں رکھتا، اس کا اثر دیر تک

رہتا ہے اور اس لئے انسان کی صحت پر خاطر خواہ اثر ڈالتا ہے ۔

شدید جذبات مختلف لوگوں پر مختلف اثر ڈالتے ہیں ، مثلاً کسی آدمی کو کوئی ناخوشگوار تجربہ غصہ اور اشتعال کا شکار بنا سکتا ہے مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جلد ہی یہ کیفیت ختم ہو جائے لیکن ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی اور انسان پر ناکامی کا اثر ہو کر خاصی مدت تک اس کا موڈ خراب رہے ، بیزاری اور ناکامی کی کیفیت اس پر چھا سکتی ہے وہ محض چیزوں کا تاریک پہلو ہی دیکھنے لگتا ہے اور چونکہ اردگرد کی چیزوں کی جانب سے اس کا رویہ غلط ہوتا ہے اسلئے یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مزید مصیبتوں میں گرفتار ہو جائے منفی موڈ زیادہ دنوں تک رہے تو چاہے وہ کسی بھی چیز کی دین ہو صحت کے لئے خطرہ بن جاتا ہے اس طرح کا موڈ عضویاتی باقاعدگی کے ساتھ عمل کو تباہ کر دیتا ہے اور اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتا ہے ، حالانکہ یہ عمل اعضا کی نارمل کارکردگی کے لئے ضروری ہے ۔

(۴) اگر منفی جذبات برابر ابھرتے رہیں ، زیادہ دیر تک قائم رہیں اور خراب موڈ کا باعث بنیں یعنی ایک ایسا دیرپا منفی جذبہ جنم لے جو نظام جسمانی کی حفاظتی سرگرمی کو ختم کر دے تو خون کا دباؤ بھی خاصی مدت تک قائم نہیں ہوگا اور وہ سارے مابعد نتائج جنم لیں گے جو طب کی زبان میں ہائپرٹنشن کی دین ہوتے ہیں ۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ پیٹ کی خرابی — آنتوں کا السر ضعف قلب کے نتیجے میں سینہ میں جلن اور درد ، نیز بعض جلدی بیماری دیرپا منفی موڈ سے براہ راست متعلق ہیں ، اس کے نتیجہ میں یہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور کبھی کبھی تو براہ راست ان کا ردعمل بیماریوں کی شکل اختیار کر لیتا ہے خوش مزاجی پر مبنی ایک مثبت موڈ اپنا مقصد حاصل کر لینے کے سلسلہ میں انسان کا اعتماد اس قوت میں اضافے کا باعث ہوتا ہے اور جسمانی نظام کی قوت مزاحمت میں شدید اضافہ کرتا ہے ۔

(۵) ان تمام باتوں کا جو خاص نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ ہمیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ منفی موڈ بیزاری اور مایوسی ہمیشہ ہمارے نظام جسمانی کو کمزور کرتی ہے ، اسے بے حد نقصان پہونچاتی ہے اور اس کی قوت مزاحمت میں کمی لاتی ہے ،

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی محسوس کرنا چاہئے کہ خراب موڈ ہماری صحیح رہنمائی نہیں کر سکتا ، انسان کو سب سے پہلے اپنے خراب موڈ کی وجہ تلاش کرنی چاہئے ، وجہ معلوم ہو جائے تو سکون کے ساتھ اس کا تجزیہ کرنا چاہئے اور اس پر قابو پانے کے طریقے سوچنے چاہئیں ، متعدد حالتوں میں اس طرح کی ذہنی سرگرمی مفید ثابت ہوتی ہے ، اس خراب موڈ سے جلد از جلد چھٹکارا حاصل کیا جا سکتا ہے اور اپنے منفی دیرپا جذبات پر کنٹرول کرنے کا راستہ معلوم کیا جا سکتا ہے ۔

آزاد ہندوستان کی فلاح و بہبود کے لئے ہر محب وطن کوشاں ہے، تمام اہل علم اور ارباب حکمت اپنی اپنی جگہ اہم ستون کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن بعض کلیدی اور بنیادی خصوصیات کی وجہ سے ایک معلم کی شخصیت زیادہ اہم ہے، تہذیب و تمدن کے ارتقا میں معلموں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔

ملک و قوم کے مستقبل کا انحصار بچوں کی تعلیم پر ہوتا ہے، ہر تعلیم کا ایک مقصد ہوتا ہے، اسکول کالج اور یونیورسٹی کے زمانہ قیام میں وہ نظریات بھی قائم ہوتے ہیں جو آئندہ شاہراہ زندگی میں رہنمائی کرتے ہیں۔ درسگاہ وہی اچھی ہوگی جہاں تعلیم اچھی ہوگی، جب تعلیم اچھی ہوگی تو ملک کا مستقبل بھی شاندار ہوگا۔

اسکول صرف سنگ و خشت کی خوبصورت عمارت کا نام نہیں ہے صرف میز، کرسی اور تختہ سیاہ کے انبار کا نام بھی نہیں ہے، عہد قدیم میں ہمارے اسلاف ان چیزوں کے بغیر بھی علم حاصل کرتے تھے، فطرت کی آغوش میں اور کھلی فضا میں وہ درسگاہیں اور تربیت گاہیں تھیں جن کا تعلق درویشوں کی خانقاہوں اور رشی منی کے آشرم سے تھا۔

اسکول کی سب سے اہم شخصیت معلم ہے، باقی سب چیزیں اس کی معاون ہیں، عمارت اور فرنیچر کے بغیر تو علم کا حصول ممکن ہے لیکن استاد کے بغیر اسکول کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

استاد بن جانا اتنی آسان بات نہیں ہے، استاد کا کام صرف اپنی شخصیت کا رعب قائم کرنا لڑکوں کو خوف زدہ رکھنا، ان کی غلطیوں پر سزا دینا، کاپیوں پر اصلاح دینا اور امتحان لینا ہی نہیں ہے، ایک استاد کا کردار ان باتوں سے بلند ہونا چاہئے۔ استاد کو بذات خود باعزت اور قابل احترام ہستی ہونا چاہئے استاد ایک مصلح اور اخلاقی و روحانی رہنما ہے،

پرانے زمانہ میں استاد کو گرو دیو کہا جاتا تھا اور مجازی باپ سمجھا جاتا تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اپنے استاد کی اتنی عزت کرتے تھے کہ جس سمت ان کا مکان تھا ادھر پاؤں پھیلا کر آرام نہ فرماتے تھے۔

علامہ اقبالؒ نے سر کے خطاب قبول کرنے کی یہ شرط رکھی تھی کہ ان کے استاد مولانا میر حسن کو بھی شمس العلماء کے خطاب سے نوازا جائے، اور حکومت نے ان کی یہ شرط مان لی۔

آج نئی نسل دنیا کے نو بہ نو تغیرات اور اقتصادی بحران سے زیادہ متاثر ہے وہ بے چین ہے، اسکے لئے تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ کوئی ملازمت حاصل ہو جائے، طالب علم جلد سے جلد سند حاصل کرنا چاہتا ہے، وہ علم سے زیادہ نوکری کا خواہشمند ہے۔ امتحان سخت ہوتا ہے تو وہ احتجاج کرتا ہے، استادوں کو اکثر ناخوشگوار حالات سے سابقہ پڑتا ہے، ان حالات سے مقابلہ کرنے کے لئے آج استادوں کو دانشمندی سے کام لینا چاہئے، طالبعلموں کو بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حصول علم ہی ان کا مقدم مقصد ہے کچھ استاد ایسے بھی ہوتے ہیں جو لڑکوں کے مزاج سے خود کو ہم آہنگ نہیں کر پاتے، وہ چاہتے ہیں کہ لڑکے بھی بزرگوں کی طرح سنجیدگی سے پیش آئیں ایسے لوگ اچھے استاد نہیں بن سکتے، ایک شخص جو لڑکوں کے ساتھ ہمدردانہ روش اختیار کرتا ہے چاہے وہ ذہین نہ ہو وہ بیشک ایک کامیاب استاد ہو سکتا ہے دنیا کا تمام علم بھی اس استاد کی مدد نہیں کر سکتا جو طالبعلم کی نفسیات نہ سمجھ سکے اور ان کے ساتھ نباہ نہ کر سکے استاد کی شخصیت ایسی ہو کہ وہ طالب علم پر اثر انداز ہو سکے اور طالب علم تمام عمر اپنے استاد کو یاد رکھ سکے، استاد کو شفقت سے پیش آنا چاہئے اور طالب علم کو بھی چاہئے کہ وہ استاد کو اپنے خاندان کا ایک فرد تصور کرے استاد کا برتاؤ بوڑھوں کی طرح نہیں بلکہ بزرگوں کی طرح ہونا چاہئے تاکہ طالبعلم دل سے ان کی عزت اور احترام کریں۔

درس دیتے ہوئے استاد کو خیال رکھنا چاہئے کہ یہ کام سخت گیری کا نہیں ہے، طریقۂ تعلیم ایسا اختیار کرنا چاہئے کہ طالبعلم کو مضمون سے دلچسپی پیدا ہو اور دل میں علم حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو، طالب علم محسوس کرے کہ قیمتی معلومات کا خزانہ اسے حاصل ہو رہا ہے، استاد کو چاہئے کہ وہ ادق الفاظ کا استعمال کر کے بچوں پر اپنی علمی قابلیت کا سکہ نہ جمائے بلکہ عام فہم زبان میں بڑے بڑے مسائل کو حل کر کے طالب علم کے ذہن میں اتار دے۔

استاد صرف تعلیم ہی نہیں تربیت بھی دیتا ہے خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، صرف علم ہی نہیں وہ طالبعلم کو تہذیب و تمدن کا سرمایہ بھی عطا کرتا ہے، یہی طالب علم زندگی میں داخل ہو کر کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں۔

مادر وطن کے مایہ ناز فرزند ڈاکٹر رادھا کرشنن اور ڈاکٹر ذاکر حسین صدر جمہوریہ کے عہدے پر پہونچے

سے پہلے معلم ہی تھے۔ وزارت اور حکومت کے دیگر شعبہ میں بھی اعلیٰ عہدوں پر وہ فائز نظر آئے ہیں۔ استادوں نے صرف اسکول ہی میں نہیں بلکہ اپنی علمی قابلیت اور ذہانت سے ملک و قوم کو بیش بہا فائدہ پہونچایا ہے اساتذہ نے ملک کے نونہالوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے زندگی کی شاہراہ پر گامزن کر دیا ہے ہر جگہ ہر شعبہ میں ان کے فیض و برکت کا چشمہ جاری ہے۔ حکمراں، سیاستداں، فنکار، قلمکار اور اہل ہنر بھی کسی نہ کسی استاد کے مرہون کرم ہیں، لیکن کیا یہ لوگ کبھی مڑ کر اپنے ماضی کی طرف دیکھتے ہیں کیا یہ لوگ کبھی اپنے گرو دیو اور مجازی باپ کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔

بڑی عجیب بات ہے کہ تہذیب اور انسانیت کے معمار اساتذہ آج اقتصادی زبوں حالی کا شکار ہیں، ان کی آمدنی اتنی قلیل ہے کہ وہ اپنے خاندان کو خوشحال نہیں رکھ سکتے، دوسروں کی زندگی سنوارنے والے بزرگ آج پریشان حال ہیں، ذرا سی توجہ کی ضرورت ہے، صرف وعدوں اور کاغذی منصوبوں سے نہیں بلکہ مثبت عمل سے اساتذہ کی معاشی حالت کو بہتر بنانا ہوگا، اگر آج وہ اپنے دھندلے اور غیر یقینی مستقبل کی فکر سے آزاد ہو جائیں اور انکو ذہنی یکسوئی حاصل ہو جائے تو وہ زیادہ بہتر طریقہ سے اپنے فرائض منصبی ادا کر سکتے ہیں، ذہنی و قلبی سکون حاصل ہو جانے کے بعد ہی وہ علمی، ادبی، طبیعی کیمیائی اور حیاتیاتی تحقیقات اور ایجادات میں اضافہ کر سکیں گے

ادبیات

حادثہ

اے، آر، جعفری

آج میں لکھنؤ اور اس کے حسین ماحول ـــــ پرکیف دنوں، رومان انگیز شاموں اور اس کی رنگین راتوں کو چھوڑ کر اپنے گاؤں جا رہی ہوں ـــــ ہاں وہی لکھنؤ جو عشق و محبت کا مرکز ہے، حسن و رعنائی کا مصدر ہے، لطافت و پاکیزگی کا مسکن ہے، خوشیوں اور مسرتوں کا منبع ہے ـــــ ہاں! وہی لکھنؤ جسے تاجداران "اودھ" نے اپنے خون و پسینہ سے سینچ سینچ کر حسین و رنگین بنایا تھا اور اسے دلکشی و خوبصورتی بخشی تھی، وہی لکھنؤ جہاں آنے کیلئے میں بے چین رہا کرتی تھی، جہاں کی مسرتوں و رنگینیوں سے لطف اندوز ہونے کی میں تمنا کیا کرتی تھی، جہاں کی حسین "شامیں" گذارنے کی میں آرزو کیا کرتی۔ آج وہی لکھنؤ اور اس کی رنگینی و زیبائی اور اس کی پرکیف "شام اودھ" مجھے کاٹ کھانے کو دوڑ رہی ہے، اور یہ ماڈرن شہر جو تہذیب نو کا حامل ہے مجھے اپنے غیر متمدن گاؤں سے بھی زیادہ حقیر اور قابل نفرت نظر آرہا ہے۔

میں کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی ہوں اور میری بیتاب نگاہیں دور خلاؤں میں کسی کو ڈھونڈ رہی ہیں میرے ہاتھوں میں اختر کا خط کانپ رہا ہے، اسمیں لکھا ہے:

"جاوید منزل - نشاط گنج
لکھنؤ

سعیدہ!

قبول ہوں کہ نہ ہوں یہ تو اور بات رہی
مگر یہ دل کی دعائیں سلام کہتی ہیں،

جب سے تم مجھے چھوڑ کر گئی ہو میں برابر ہجر و فراق کی آگ میں سلگ رہا ہوں، جل رہا ہوں، پگھل رہا ہوں اور نہ چاہتے ہوئے بھی تم کو یہ خط لکھ رہا ہوں، خدا جانے کون سا جذبہ ہے جو مجھے اس پر مجبور کر رہا ہے، تم اس سے پہلے بھی یہاں کئی بار آچکی ہو، یہ کوئی نئی بات تو نہیں؟ اس بار جب تم گئی ہو نہ جانے کیوں دل اداس سا ہے طبیعت بجھی بجھی سی ہے، ہر وقت تمھارا ہی سراپا میری نگاہوں کے سامنے گھومتا رہتا ہے، کہیں تم نے میرے دل کو اپنی نگاہوں کے تیر نیم کش سے گھائل تو نہیں کر دیا ہے

آخر وہ کیوں مرغ بسمل کی طرح تڑپ رہا ہے، مچل رہا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وہ بھی تمہارے حسن سحر انگیز کا گرویدہ وشیدائی ہوگیا ہے، تمہاری خوبصورتی پر مرمٹا ہے، تم ہی سوچو اگر میرا دل تمہارے لئے اتنا بیقرار و بے چین نہ ہوتا تو میں تم کو یہ خط کیوں لکھتا؟ کیا اس سے پہلے بھی میں نے تم کو کوئی خط لکھا ہے ——— میں تم کو اپنا جیون ساتھی بنانا چاہتا ہوں، کیا تم میری اس درخواست کو منظور کر لوگی۔

یہ اور بات ہے کہ تو آشنائے راز نہیں
مگر لبوں پہ ترا نام بار بار آیا

تمہارا اپنا۔ اختر

یہ خط پڑھتے ہی بے اختیار میری آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ نکلا ہے لیکن یہ آنسو غم کے نہیں ہیں بلکہ ان کے پس منظر میں ایک دائمی خوشی اور حقیقی مسرت وکامیابی مضمر ہے، میرے حسین خواب کی تعبیر پوشیدہ ہے، میں نے جس چیز کی آرزو کی تھی وہ مجھے مل گئی ہے میں نے جس چیز کی تمنا کی تھی وہ میں پا گئی ہوں، یہ خط میرے من مندر کے دیوتا کا ہے جسے میں نے دن ورات پوجا ہے، اس کی پرستش کی ہے، آج مجھے اپنی اس پرستش کا صلہ مل گیا ہے اور گذرے ہوئے حادثات کسی فلم کی سین کی طرح میری نگاہوں کے سامنے رقص کرنے لگے ہیں ——— میں کچھ ٹھٹھک سی گئی ہوں، میری نگاہیں کچھ جم سی گئی ہیں، میرا ذہن کچھ رک سا گیا ہے، اختر کے لئے میری یہ بیکلی یہ بے قراری، یہ بے چینی اور یہ اضطراب اسی حادثہ کی دین ہے، اس سے پیدا شدہ ہے اسی کی تخلیق کردہ ہے اسی موقع پر مجھے اپنی زندگی میں کسی نوجوان مرد کی کمی کا احساس ہوا تھا اور بغیر مرد کے عورت کی زندگی کی بے ثباتی معلوم ہوئی تھی۔ سچ ہے بغیر مرد کے عورت اس پرخار وادی میں کسی گم کردہ راہ مسافر کی طرح ہے یا کسی موجزن سمندر میں بے پتوار کشتی کی مانند ہے۔

آج ہی جیسا سہانا وخوشگوار موسم تھا گھر میں بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا چکی تھی، میں نے سوچا کیوں نہ آج "شام اودھ" کا مزہ لوٹا جائے، حضرت گنج کی سیر کی جائے، چنانچہ میں اپنی ایک سہیلی سلمیٰ کو ساتھ لے کر گھر سے روانہ ہوگئی اور بھابی کے کہنے کے باوجود میں نے اختر کو ساتھ نہ لیا۔

اختر اس کا چچازاد بھائی تھا لیکن وہ اسکو کبھی لفٹ ہی نہ دیتی تھی، اس سے سیدھے منہ بات تک نہ کرتی تھی، اسے خود بھی معلوم نہ تھا کہ آخر اسے اختر سے نفرت کیوں ہے؟ دنیا کی ساری خوبیاں اسی میں موجود تھیں مگر پھر بھی وہ اسے ایک نظر نہ بھاتا تھا۔

دونوں سہیلیاں سبک خرامی سے چلتی ہوئی گومتی کے کنارے پہونچیں اور اس پار جانے کی غرض سے ایک آرام دہ کشتی پر بیٹھ گئیں۔ چاند کی پرکیف وسادہ روشنی میں سعیدہ کا چہرہ

ماہِ کامل ہی کی طرح درخشاں و تابناک نظر آرہا تھا اس وقت وہ بڑی حسین اور جاذب نظر دکھائی دے رہی تھی جیسے سارے جہاں کا حسن اسی کے وجود میں سمٹ آیا ہو۔ گومتی کا صاف و شفاف پانی پگھلی ہوئی چاندی کی طرح بڑا بھلا معلوم ہو رہا تھا اور اس پر پڑتے ہوئے دونوں کے عکس تھرتھرا رہے تھے جیسے کسی انجانے خوف نے انھیں گھیر لیا ہو اور کشتی آہستہ آہستہ گومتی کی سرکش موجوں کا سینہ چیرتی ہوئی خشکی کی طرف بڑھ رہی تھی۔

دونوں کشتی سے اتر کر "شہیدوں کی یادگار" آئیں اور ذرا دیر کے لئے گومتی کے حسین و پرکیف منظر میں گم ہوگئیں اور پھر حضرت گنج کے راستہ پر گامزن ہوگئیں۔ یکایک وہ ایک خیال اور تصور سے کانپ گئی اور اس نے سوچا " میں نے یقیناً غلطی کی ہے۔ رات کا وقت ہے کم سے کم اختر کو ہی ہمراہ لے لیا ہوتا" لیکن

ع ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے

(غالب)

اس خیال کا کسی کے ذہن میں پیدا ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آئے دن چھیڑ چھاڑ، عصمت دری اور اغوا کے واقعات اخباروں کی زینت بنتے ہی رہتے ہیں ——— اس سڑک پر لوگوں کی آمد و رفت بہت کم تھی۔ ہر طرف سکوت و خاموشی کی حکمرانی تھی ماحول پر چھائی ہوئی اس خاموشی کو کبھی تو جھینگر کی تیز آواز توڑ دیتی یا پھر پتوں کی چرچراہٹ فضا میں ارتعاش پیدا کر دیتی اور وہ کسواں دیکھے خوف سے سہم جاتی۔ وہ اپنے اس خوف کا اظہار کس سے کرتی۔ کیا اپنی اس سہیلی سے جس کی نگاہوں میں خود خوف و ہراس کی پرچھائیاں نظر آرہی تھیں۔ تھوڑی دور جاکر دونوں نے ٹیکسی کی اور حضرت گنج پہونچ کر وہاں کی دلچسپیوں اور رنگینیوں میں کھو گئیں ——— اچانک سعیدہ کی نظر ہاتھ پر بندھی ہوئی رسٹ واچ پر پڑی۔ کافی رات گذر چکی تھی۔ سلمیٰ پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی۔ بازار کا شباب ڈھل رہا تھا رنگینیاں سرد پڑ رہی تھیں۔ سڑکیں ویران ہو رہی تھیں اور سناٹا بتدریج بڑھتا ہی جا رہا تھا ——— کافی دیر بعد ادھر سے خالی ٹیکسی گذری اور وہ گھر کے لئے روانہ ہوگئی۔

آج اختر کو بھی گھر پہونچنے میں غیر معمولی تاخیر ہوگئی تھی۔ بسوں کی آمد و رفت پہلے ہی بند ہو چکی تھی۔ ٹیکسی کی کوشش میں بھی وہ ناکام ہو چکا تھا اس لئے اس نے مجبوراً پیدل چلنے کی ٹھان لی۔ یہ اس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی، اکثر دوستوں کے چکر میں اسے دیر ہو جایا کرتی تھی۔ ابھی اس نے مشکل سے تھوڑا ہی فیصلہ طے کیا ہوگا کہ اسے ایک ٹیکسی آتی ہوئی نظر آئی۔ اس نے روکنے کا اشارہ کیا لیکن وہ نہ رکی البتہ ایک نسوانی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا "گاڑی روکو ... روکو، میں یہیں اتروں گی۔ جواب میں ایک خوفناک قہقہہ بلند ہوا ہا، ہاہا نہیں یہ تمہاری منزل نہیں ہے تمہاری منزل میں ہوں۔ اب تم مجھ سے بچ کر کہاں جا سکتی ہو؟ یہ حسین رات، یہ تنہائی، یہ شراب و شباب۔ آج کی رات کتنی حسین و پرکیف گذرے گی"۔

ایک مظلوم عورت کی عزت و ناموس بچانا اس کا فرض تھا لیکن وہ اس عورت کی مدد کیسے کرے؟

کیا پولیس کو فون کرے ؟ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ حسن اتفاق سے ایک خالی ٹیکسی اور گذری اسے ۔ ایسا محسوس ہوا جیسے قدرت بھی اس کا ہاتھ بٹا رہی ہو اس نے ایک سمت اشارہ کیا اور پھر سیٹ پر بیٹھتے ہی غیر اختیاری طور پر اس کا ہاتھ پتلون کی پچھلی جیب میں چلا گیا ۔ اس کا ریوالور بالکل محفوظ تھا ۔ آج کے انسانیت سوز دور میں کسی عام شخص کا ریوالور رکھنا کوئی تعجب کی بات نہیں ، وہ جب بھی رات گئے واپس آنے کا پروگرام بناتا اپنا ریوالور ضرور ساتھ لے لیتا کیونکہ آج کی ماڈرن تہذیب نے جہاں اور چیزوں میں ترقی کی ہے وہاں اس نے انسانیت کشی اور نسل کشی میں بھی نمایاں ترقی کی ہے ــــــ آج انسانی جان کی قیمت چند حقیر سکوں سے بھی کمتر ہے اس لئے اس قسم کی حفاظتی تدابیر کرنے پر آج کل کا ہر شریف انسان مجبور ہے ، وہ اگر ایسا نہ کرے تو شاید یہ شریف انسان اپنے ہی ہم جنس " حیوان نما انسان " کے ظلم و ستم کا شکار ہو جائے ۔

" اسٹاپ ، اسٹاپ "

ہینڈز اپ ، ہینڈز اپ "

پیچھے والی ٹیکسی سے ایک پر وقار اور بارعب آواز فضا میں گونجی اور ڈرائیور کے حواس اڑا لے گئی ، ٹیکسی سے ایک نوجوان ریوالور لئے ہوئے نکلا اور دوسری ٹیکسی کی طرف بڑھ گیا ، عورت جو پہلے ہی سے خوفزدہ دہراساں تھی اپنی زندگی ہی سے بالکل ناامید ہو گئی ــــ نوجوان نے عورت کو اپنی ٹیکسی میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پوچھا تمھیں کہاں جانا ہے ؟ عورت کو یہ آواز کچھ جانی پہچانی سی لگی اور وہ اسکو پہچاننے کی کوشش کرنے لگی ــــ اچانک نوجوان کی نگاہیں عورت کے چہرے پر پڑیں اور وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا ، اور بے اختیار اس کی زبان سے نکلا " سعیدہ " اور سعیدہ ایک آہ سرد کھینچ کر اختر اختر کہتے ہوئے اسکے سینے سے جا لگی ــــــــ ایک بار پھر ایک دوسرے سے نگاہیں چار ہوئیں اور آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ پیام دے گئے ، کچھ وعدے کئے گئے ، ــــــ اب سعیدہ کی نفرت محبت میں تبدیل ہو چکی تھی ، اختر نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو وہاں اسے نفرت و حقارت کی جگہ پیار و محبت کا لہریں لیتا ہوا ساگر نظر آیا اور وہ پیار و محبت کے اس حسین ساگر میں ڈوبتا ہی چلا گیا ۔

اس خوفناک حادثہ کے بعد لکھنؤ میں زیادہ نہ رک سکی اور دوسرے ہی روز اپنے گاؤں واپس چلی آئی تھی لیکن اپنا دل اختر کو دے آئی تھی اور اب میں پہروں بیٹھی اختر کے بارے میں سوچا کرتی آج بھی میں اپنے کمرے میں تنہا بیٹھی ہوئی اختر کے خیال میں گم تھی کہ اچانک پوسٹ مین نے ایک رنگین لفافہ میری جانب بڑھا دیا ــــ اور آج میں پھر وہیں جا رہی ہوں ہمیشہ کیلئے جہاں سے کبھی نہ آنے کا عزم کر کے واپس آئی تھی ●

غزلیں

علی عباس امید

دور تک شوخ خوشبوؤں کے پہاڑ
پھر بھی جنگل ہے کچھ اجاڑ اجاڑ

ہوش کھو دیتی ہے ہر اک لمحہ
زندگی! تیری خامشی کی دہاڑ

سوچتی رہتی ہیں یہ دیواریں،
کیا کبھی دور ہوگی چھت کی آڑ،

تیری صنعت کا شاہکار ہے یہ
غنچۂ نو کو اس طرح تو نہ پھاڑ

دی ہے دستک حسیں خیالوں نے
گھر میں تنہائی کی پڑی ہے دراڑ

سو چکا چاند تھک چکے تارے
پھر بھی بجتے ہیں میرے گھر کے کواڑ

لکھنے والے کو بھول کر یارو!
کیوں عبارت سے کر رہے ہو بگاڑ

کس طرح چاندنی کا بوسہ لے
شاخ کو جب ترس رہا ہے تاڑ

ہر خلا سے گذر کے تو امید
آسمان ادب پہ جھنڈا گاڑ

ایمن جعفری

زنگ لائی وقت کی شدادگی
کھا گئی سب کو گرانی شہر کی

کتنی ظالم ہے یہ رُت کھٹ چاندنی
چھین لیتی ہے اندھیروں کی ہنسی

سر بصحرا کون گذرا ہے ابھی
سونی سونی ہر گلی ہے شہر کی

ڈوب کر زہراب درد و کرب میں
لوگ کرتے ہیں شکایت پیاس کی

یخ زدہ ہیں یوں تمناؤں کی دھوپ
برف کے صحرا میں جیسے چاندنی

کتنی چیخیں آنسوؤں میں دفن ہیں
کتنی یادوں کا کھنڈر ہے زندگی

حذف کر دی میں نے ماتھے کی لکیر
اب نہ ماضی ہے نہ مستقبل کوئی

ان گنت چہروں میں مدغم ہو گیا
اپنے ہی زخموں کے بن میں آ دبی

ریزہ ریزہ ہو گئی ایمن صدا،
جب بھی میں نے زیست کو آواز دی

فریسکو
ہول سیل کا
معروف مرکز۔
فون رہائش 75079
آفس 74527
ہمہ اقسام کے
خوشنما ، پائدار اور آرامدہ
جوتے
فریسکو فٹ ویر، شو مارکیٹ آگرہ ۳

تدبیر کی اہمیت

کفیل الرحمٰن نشاط بی، اے (علیگ)

ہماری نظر میں صرف تقدیر کے لکھے پر بھروسہ کرکے بیٹھ جانا اور یہ سمجھ لینا کہ خدا اور رسول اور اسلام نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے پرلے سرے کی حماقت ہے۔

قرآن کریم کی مختلف آیات میں اس کی ہدایت کی گئی ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے اپنانے کی پوری سعی کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ توکل اس کا نام نہیں کہ آدمی مفلوج بن کر گھر میں بیٹھ جائے اور اپاہج بن کر یہ کہے کہ تقدیر میں جو لکھا ہے وہ تو پورا ہوکر رہے گا، ہاتھ پیر نہ ہلائے بلکہ بحدامکان ہاتھ پیر ہلانا اعمال صالحہ کے لئے اور بقائے حیات کے لئے ضروری ہے، ذرا سوچئے کہ اگر اعمال کے لئے اور بقائے حیات کیلئے جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی تو یہ کارخانۂ عالم ہی کیوں قائم کیا جاتا جہاں ہر دم بھاگ دوڑ، تن دہی اور جفاکشی مطلوب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء کرام کو تبلیغ و ہدایت کے سلسلہ میں مشقت فرمانے کی کیا ضرورت تھی، فرما دیتے کہ لوگوں کے مقدر میں اگر راہ یاب ہونا ہے تو میری مسلسل جدوجہد کے بغیر بھی وہ راہ یاب ہو جائیں گے۔

یاد رکھئے تقدیر پر بھروسہ اور توکل کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ آدمی تدبیر سے دامن بچالے، دین کے معاملات میں راہ فرار اختیار کرنے کا یہ اچھا ذریعہ ہے، دنیوی معاملات میں آپ ہر قسم کے نقصان سے چاہے وہ مالی ہو یا جانی بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔

اگر کچھ لوگ آپ کی جان لینے کے درپے ہوں اور تلواریں سونت کر سر پہ آ کھڑے ہوں تو آپ وہاں تقدیر پر بھروسہ کرکے بیٹھے نہیں رہنگے بلکہ اپنی جان بچانے کی پوری کوشش کریں گے، چاہے آپ کی اس کوشش میں کوئی دشمن ہلاک ہی کیوں نہ ہو جائے غور کرنے کی بات ہے کہ آپ کو اپنی جان تو اس قدر عزیز اور پیاری ہے کہ اس کے لئے آپ دوسرے کی جان لے سکتے ہیں، آپ کو اپنا مال اس قدر پیارا ہے کہ اس کے برباد کرنے والے کو آپ ہلاکت کے

غار میں گر سکتے ہیں، یہاں آپ تدبیر کے دامن کو نہیں چھوڑتے، سوال یہ ہے کہ آپ تقدیر پر صابر وشاکر ہیں تو دین کے معاملہ میں کیوں ہیں، چلیئے اگر یہ مان لیا جائے کہ آپ تقدیر پر دینی اور دنیوی معاملات میں صابروشاکر ہیں تو یہ دانشمندی کی علامت نہیں، اسلام نے اس کی کہیں تعلیم نہیں دی، جو لوگ ایسی بات کرتے ہیں وہ اسلام کی تعلیمات سے اسکی روح اور مقصد سے کوسوں دور ہیں، مسلمان کو اسلام میں دینی اور دنیوی ترقی کی خاطر ہر جائز تدبیر کی کھلی چھوٹ ہے، اسلام یہ نہیں کہتا کہ مسلمان جدید علوم اور ترقی سے بے بہرہ رہیں اور اس طرح ان کا شمار ایک پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ قوم میں ہو بلکہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر ممکن ترقی کرو مگر شرط یہ ہے کہ دین کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے۔

ابتدائے اسلام ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا رہو مگر اس کے ساتھ دوسری قوموں کی تعلیمات، ان کے طرز معاشرت، ان کی زبانوں سے واقفیت ہو تو سودمند ہے، اسی فائدہ کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو دوسری زبانیں سیکھنے کی ہدایت فرمائی چنانچہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا، حدیث اس طرح ہے:۔

عن زید بن ثابت قال امرني رسول الله صلى الله عليه وسلم ان اتعلم له كلمات من كتاب يهود وقال اني والله ما آمن يهود على كتابي قال فما مر بي نصف شهر حتى تعلمته له، قال فلما تعلمته كان اذا كتب الى يهود كتبت اليهم واذا كتبوا اليه قرأت له كتابهم (ترمذی)	زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم فرمایا کہ میں آپ کے خطوط لکھنے کے لئے یہود کی زبان سیکھ لوں اور آپ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے یہودیوں کے لکھنے پر اعتماد نہیں ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ ابھی نصف مہینہ بھی مجھ پر نہیں گذرنے پایا تھا کہ میں نے آپ کی خدمت کی خاطر ان کی زبان سیکھ لی، یہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسکو سیکھ لیا تو جب آپ یہود کو کوئی خط لکھتے تو آپ کی طرف سے میں انھیں لکھتا اور جب وہ کوئی خط آپ کے نام لکھتے تو میں اس کو پڑھ کر آپ کو سنا دیتا

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ بوقت ضرورت اپنی زبان کے علاوہ دوسری اور غیر ملکی زبان کے سیکھنے میں ذرہ برابر مضائقہ نہیں، جب سریانی زبان کی اجازت ثابت ہوئی جو دوسری قوم کی اور اجنبی زبان تھی تو پھر ہماری ضروریات کا دائرہ جسقدر وسیع ہوتا جائے اسی کے لحاظ سے ہم دوسری زبانوں کو بلا تامل سیکھ

سکتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ دوسرے لوگوں کی دشمنی بدخیبی کا علم ہو تو ان کی زبان اور ان کے طرز عمل، طرز بود و باش وغیرہ سے واقفیت ضروری ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سریانی زبان کی تحریریں یہود سے پڑھوا لیتے اور بعض اوقات لکھوا بھی دیتے تھے لیکن آپ کو ان پر بھروسہ نہ تھا اسی لئے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ کو ان کی زبان سیکھنے کا حکم فرمایا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی موقع پر بھی تدبیر کا دامن چھوڑنا پسند نہ فرماتے تھے اور آج کے پسماندہ مسلمانوں کی طرح صرف تقدیر پر بھروسہ کرکے نہیں بیٹھے رہتے تھے

تقدیر کی حقانیت کا ہر مسلمان کے لئے دل وجان سے اعتراف ضروری ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ تدبیر سے بھی آنکھ بند کرلینا مناسب نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر مختلف تدبیروں سے اسلام کی اشاعت کی سعی فرمائی، غزوات کیے، دشمنوں کو زیر کیا، صلح نامہ مرتب فرمایا، دنیا کے عظیم بادشاہوں کے نام اپنے فرامین بھیجے تب جاکر اسلام نے اپنی نورانی کرنوں سے عالم کی تاریکیوں کو دور کیا، صحابہ جنکے بارے میں ارشاد رسول ہے کہ میری تمام امت میں میرے صحابہ کی مثال ایسی ہے جیسا نمک کھانے میں کہ جیسے نمک کے بغیر کھانا لذیذ اور اچھا نہیں ہوسکتا اسی طرح میری امت کی اصلاح میرے صحابہ کی اتباع کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

" حضرت حسن ؒ صحابہ کے دور کے گذرنے کے بعد بڑی حسرت کے انداز میں یہ فرماتے ہیں کہ جب ہمارا نمک ہی ختم ہوگیا تو اب ہمارے دین میں لذت کہاں اور کیسے؟ "

(مشکوٰۃ شریف)

انھوں نے اشاعت اسلام میں مختلف تدابیر سے کام لیا اور پوری دنیا کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرایا۔

دستور خداوندی ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ کامیابی کے لئے اسباب اور تدابیر کو بڑا دخل ہے

●

تین شعر

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں

سب کچھ اور ہے تو جسکو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے تونگری سے نہیں

علامہ اقبال رح

مرکزی اجتماعی تنظیم شمسی برادری

شمسی برادری کا دقیق نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس پورے ملک میں پھیلی ہوئی یہ ایک بڑی برادری ملکی سطح پر گمنام نظر آتی ہے ـــ ایسا کیوں ہے؟ اس گمنامی کے اسباب کیا ہیں؟ ـــ جب اس بات پر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس برادری کے اندر وہ اوصاف مفقود ہیں جن کے ذریعہ کوئی قوم ملکی سطح پر ابھرتی چمکتی اور شہرت پاتی ہے۔

جب تک کسی قوم کا کردار سیاسی اور سماجی نہ ہو وہ گمنامی کی گہرائیوں میں پڑی رہتی ہے اگرچہ اس کے پاس لاتعداد دولت موجود ہو۔ سیاسی کردار قوم کو اہل اقتدار سے ملاتا ہے اور امور اقتدار میں شامل ہونے کا موقع دیتا ہے اور حاکم وقت سے وابستہ امور اپنی ذات اور اپنی قوم کی افادیت کے لئے حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح سماجی کارکن اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر عوامی اجتماعات میں شرکت کر کے غریب اور نادار لوگوں کی امداد اور اعانت کر کے سماجی اصلاح سے متعلق تنظیموں سے وابستگی حاصل کر کے عوام میں اپنی شہرت حاصل کر سکتا ہے اور اپنے وجود کو بحیثیت ایک عوام دوست اور انسانیت کا پیکر منوا سکتا ہے۔

تیسری بات ہمت اور حوصلے سے اپنا تحفظ کرنا، حق کے لئے جد و جہد کرنا، کسی طرح کا دباؤ قبول نہ کرنا اور ہر آنے والی مصیبت کا حوصلے سے دفاع کرنا۔ اس دفاع میں جان مال، اور ہر متاع کو داؤں پر لگا دینا۔ اپنے اندر احساس برتری کو ابھارنا۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہ قوم ایک بڑی تاجر قوم تسلیم کی جاتی ہے اور یہ صحیح ہے۔ ملک کے ہر گوشہ میں جس جگہ بھی شمسی برادری کے خاندان موجود ہیں ان میں پڑھے لکھے بھی ہیں اور ان پڑھ بھی مگر سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تجارت میں لگے ہوئے ہیں اور زیادہ تر وقت اسی ادھیڑ بن میں صرف ہوتا ہے، اس کے بعد جو وقت صرف ہوتا ہے وہ دین اور مذہب سے وابستگی کو ظاہر کرتا ہے۔ لیکن یہی تو زندگی کے دو جزو نہیں ہیں کہ دولت کماؤ عیش و آرام حاصل کرنے کے لئے۔ مذہب سے وابستہ رہو اللہ سے جنت حاصل کرنے کے لئے۔ یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ جنت کا حقدار کون ہے۔ بہرحال دولت سے عیش و آرام تو حاصل ہو ہی جاتا ہے، آخرت کی خبر خدا جانے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ قوم کے سبھی لوگ سماجی

اور سماجی بن جائیں ۔ یا دولت سے بے نیاز ہوکر تجارت
کرنا چھوڑ دیں ، یا خدانخواستہ مذہب سے دور ہوجائیں ۔
بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ ایک خاندان میں اگر چار لڑکے ہیں
تو ہر ایک کو اپنے لئے الگ الگ پیشوں میں ہونا چاہئے
کوئی سرکاری ملازمت میں ہے تو کوئی زراعت میں اور
تجارت میں ، اس طرح ہر ایک اپنے اپنے لئے الگ
میدان بنالے گا ۔۔۔ یہ ایک ابتدائی خاکہ ہے ۔ اس کے
علاوہ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ہندوستان جیسے
وسیع ملک میں پھیلے ہوئے ہر ہر ضلع کے لوگ اپنے برابر
والے ضلع کے بھائیوں کے حالات سے لاتعلق رہتے ہیں
بہت مخصوص سی رشتہ داریاں رکھتے ہیں اور خوشی و غم
کے موقعوں پر شریک ہوتے ہیں ۔ یہ انتشار اور لاتعلقی بھی
قومی ترقی کے لئے ایک کمزور پہلو ہے ۔۔۔ پہلی بات
جو تیزی کے ساتھ پیدا ہوتی جارہی ہے اور جو قومی تنظیم اور
ترقی کے لئے ایک نیک فال کی حیثیت رکھتی ہے وہ یہ کہ اب
ہر ضلع میں اصلاحی تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں ۔ اب ضرورت
اس بات کی ہے کہ ایک اجتماعی مرکزی تنظیم قائم ہو ، ایسی
تنظیم کے اصول و قواعد کیا ہوں گے ، اس سے کس طرح کے
فوائد حاصل ہوں گے ۔ اس سلسلہ میں میرے ذہن میں جو
چند مشترکہ مسائل ہیں ان کو اپنی مرکزی اجتماعی تنظیم کے
سپرد اس طرح کرنا چاہتا ہوں ۔

(۱) محکمۂ امداد و تعاون ۔
(۲) بین اضلاعی شادیاں ۔
(۳) فروغ تعلیم ۔ صنعت و حرفت ۔
(۴) تجارت ۔

سب سے پہلے ہمیں اس بات کی کوشش کرنا ہے
کہ ہر ضلع میں فلاح برادری کے سلسلہ میں انجمن قائم کرنا
چاہئے ، اس کے مسائل ، اپنے ضلع کے حالات اور
اپنے وسائل سے طے کرنا اور اپنے طور پر اوپر لکھے ہوئے
شعبوں کا قیام اور ان میں دلچسپی لینا ، ان کو فروغ
دینا ، یہ اپنی مقامی تنظیموں کی کارکردگی کے طور طریقے ہو
سکتے ہیں ۔ یہاں مجھے اس تفصیل میں جانا نہیں ہے
میرا مقصد اظہار مرکزی اجتماعی تنظیم شمسی برادری کا سے
ہے ، یہ ہر ہر ضلع کی تنظیم کے عہدیدار کسی ایک مرکز پر
جمع ہوکر مرکزی انتخاب کریں اور مرکز کے لئے صدر سکریٹری
وغیرہ چن لیں ۔ ظاہر ہے یہ سب لوگ مختلف جگہوں کے
ہوں گے ۔ یہ عہدیدار اپنا دستور اور طریقۂ کار طے
کریں گے جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

ہر ضلع کی تنظیم اپنے آپ کو مرکز سے وابستہ کرنے
اور اپنی تنظیم کو مضبوط بنانے و ترقی کرنے کے لئے باقاعدہ
مرکزی تنظیم سے رجسٹریشن کرائے گی جس کی کچھ فیس مقرر
کی جاسکتی ہے جو مرکز کو ادا کرنے پر مرکز سے وابستگی کی
سند حاصل ہوجائے گی ، ایک وفد مرکزی تنظیم کے نام
پر اس کے پروگرام لے کر پورے ملک میں جہاں جہاں
برادری کی تنظیمیں ہیں دورہ کرے گا ۔ لوگوں سے میل
ملاقات کریگا ، وہاں کی کارکردگی کا جائزہ اور رپورٹ
تیار کرے گا ۔

سب سے پہلے ہمیں نمبر ۳ ، ۴ کے شعبوں
پر کام کرنا ہوگا اور صنعتی ادارے کے طور پر ایک کارخانہ
قائم کرنا ہوگا جس کے حصص ہر ہر ضلع میں فروخت کرکے

ممبر بنا کر ایک معقول سرمایہ فراہم کر کے چلایا جائے، اس کے علاوہ امداد و تعاون حاصل کر کے اس کارخانے کو فروغ دیا جائے، اس سے حاصل شدہ منافع سے بعد بنیادی رقم میں سے تجارت کے لئے مخصوص کر کے تجارتی خرید و فروخت سے منافع حاصل کیا جائے۔

اسی سے متعلق ایک شعبہ نشر و اشاعت کا ہو جس طرح رگ سنگ کام انجام دے رہا ہے وہ شعبہ تمام اعداد و شمار اور تفصیلات رگ سنگ کو فراہم کرتا ہے وہاں سے اس کی اشاعت ہوتی رہے، اس کارخانہ کیلئے خام مال کی خریداری اور تیار مال کی فروخت سے اس طرح کا تعلق قائم کیا جائے گا کہ ہر ہر ضلع میں ایجنسی کے خواہشمند کو ایجنسیز دی جائیں گی، کاریگروں کی فراہمی میں بھی صنعت کار بنانے کی کوشش کی جائیگی، اس شعبہ پر کنٹرول کرنے سے شعبہ نمبر (۱) امداد و تعاون کا کام جاری ہو جائے گا اور ہر ضلع کی تنظیم کو حسب حیثیت کم و بیش اور حسب ضرورت امداد و تعاون دیا جاتا رہے گا جس سے یہ بین الاضلاعی تنظیمیں اپنا کام فروغ تعلیم، امداد غرباء جیسی اسکیموں پر خرچ کریں گی۔

اس کے بعد شعبہ نمبر (۳) بین الاضلاعی شادیوں کا ہے، اس مرکزی تنظیم کے پاس ہر ضلع سے شادی بیاہ کے وہ خواہشمند جو اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی دوسرے ضلع میں کرنا چاہتے ہوں اپنے پتے اور تعارف مرکز کو بھیج دیں، ان دونوں فریقوں سے خط و کتابت کر کے ایک دوسرے کو پتے فراہم کردہ تعارف اور ملاقات، سوچنے سمجھنے اور رشتے قائم کرنے کا موقع دے، غریب اور نادار لڑکیوں کی شادی بیاہ کے سلسلہ میں اصلاح رسوم کے ساتھ مالی مدد بھی کرے۔ اس کے علاوہ جو ضروری قومی افادیت کے کام ہوں ان پر بھی غور کیا جا سکتا ہے۔

مرکزی اجتماعی تنظیم کے سلسلہ میں میرے ذہن میں جو چند باتیں تھیں وہ تحریر کر دیں، اب ان پر غور و خوض کرنا اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنا اور تجاویز پیش کرنا برادری کے ہر ہمدرد کا اخلاقی فرض ہے، میں اپنے آپ کو برادری کی خدمت کے لئے جان و مال سے پیش کرنے کو تیار ہوں اگر قوم کو میری ضرورت ہو یہ پیشکش میری اپنی اسی برادری کے لئے ہے جو سارے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔

آپ کا مخلص :- ایم ریاض شمسی، دریبہ پان، رامپور

ضروری اعلان

کاغذ کی ہوشربا گرانی سے متاثر ہو کر ہم رگ سنگ کی سالانہ قیمت میں اضافہ کرنے پر خود کو مجبور پا رہے ہیں لہذا جن حضرات کے ذمہ سالانہ خریداری کی رقم واجب الادا ہے وہ جلد از جلد سابقہ قیمت کے حساب سے ہی روانہ کر دیں ورنہ سال رواں کیلئے اضافہ شدہ قیمت ادا کرنا ان کی اخلاقی ذمہ داری ہوگی۔ (منیجر)

کہ لوگ کہتے ہیں...

آپ کے خطوط

ایم ریاض شمسی
دریبہ پان رامپور

مکرمی فیروز بھائی!　اسلام علیکم

بعد سلام علیک کے عرض ہے آج دسمبر کا پرچہ ملا، سابقہ دلچسپی کی طرح اول تا آخر پڑھا، "شذرنگ" میں آپ کے مقصدیت کے طرف بڑھتے ہوئے قدم سے واقفیت ہوئی۔

ابھی حال میں میرا بریلی جانے کا اتفاق ہوا وہاں برادری کے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں مجھے یہ جان کر تعجب ہوا کہ لوگ "رنگ سنگ" سے واقف نہیں ہیں، میرے ایک محترم جناب یامین صاحب ہیں میں نے ان سے رنگ سنگ کے سلسلہ میں جب بات کی تو انھوں نے "رنگ سنگ" دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، لہٰذا آپ اس پتہ پر نمونہ کا پرچہ بھیج دیں اور میرے حوالہ سے خط و کتابت بھی شروع کر دیں،
محمد یامین اسلام بوٹ ہاؤس، شو مارکیٹ، بریلی،

میرا خیال ہے جب تک ہر شہر میں برادری کے متعدد لوگ "رنگ سنگ" سے واقف نہ ہوں اور اس کے ذریعہ اٹھنے والی تحریک میں دلچسپی نہ لیں تب تک کسی کانفرنس کی کامیابی کی امید کم ہے، اس کے لئے آپ ایک وفد کی شکل میں توسیع اشاعت کے لئے ہر شہر میں برادری کے افراد کو ممبر بنائیں،

فقط ایم، ریاض، شمسی
دریبہ پان، رام پور

•

محفوظ کیفی　　۲۸ نومبر ۷۳ء
پیرو، بھوجپور آرہ

مکرمی! تسلیم

رنگ سنگ کا تازہ شمارہ نظر نواز ہوا، کرم فرمائی کا شکریہ!

حسب روایت یہ شمارہ بھی خوب ہے دلچسپ مضامین نظم و نثر سے آراستہ ہے۔

حباب ہاشمی
شہاب الدین روڈ رائے بریلی

محب مکرم ! سلام ورحمت
کل کی ڈاک سے طویل انتظار کے بعد آپ کا مرسلہ لفافہ جس میں سے کسی رئیس صاحب کے نام آپ کی تحریر برآمد ہوئی اور حضرت جگر مرادآبادی مرحوم کا یہ شعر بیساختہ میری زبان پر تھا ؂
ایک پرچہ، سادہ ، اک لفافہ رنگیں
اے دل بے سکوں دشمن نے ترا جواب آیا
میرے نام کا خط آپ نے رئیس صاحب کے لفافہ میں بند کر دیا ہوگا ، ایسا میرا خیال ہے ، آج رنگ سنگ کا تازہ شمارہ ملا ، یاد فرمائی کا بہت بہت شکریہ !
وحید رائے بریلوی کی نعتیہ نظم " مدینے کو چلو " بہت خوب ہے ، مسعودہ حیات اور طرفہ قریشی کی غزلیں اچھی ہیں ، حصہ نثر ابھی نہیں دیکھ سکا ، کتابت کی طرف مزید توجہ دیں ۔
خدا کرے آپ مع الخیر ہوں والسلام
آپ کا مخلص حباب ہاشمی

●

رئیس اختر قمر
بھوپال
۲ / ۱۲ / ۷۶ء

محترمی ! سلام مسنون
امید کہ مزاج بخیر ہوں گے
کافی انتظار کے بعد خط کا جواب ملا ، لیکن لفافہ چاک کرنے کے بعد اس میں سے جو تحریر برآمد ہوئی وہ کسی شاعر صاحب سے متعلق تھی جسے پڑھ کر یقین ہوا کہ غالباً لفافہ بند کرتے وقت مجھ سے متعلق خط کسی اور صاحب کے لفافہ میں بند ہوگیا اور ان کا خط میرے لفافے میں ملفوف ہوگیا ، اس خوبصورت سہو پر عجیب لطف محسوس ہوا ۔
باقی حالات بدستور ہیں والسلام
مخلص رئیس اختر قمر

●

عبدالمجید
گوڈ آرٹ اسٹوڈیو مکرانہ

بزرگوار مدیر اعلیٰ صاحب
خلوص و نیاز ۔ مزاج گرامی
آپ کا رسالہ " رنگ سنگ " خوشتر مکرانوی سے برائے مطالعہ لے لیا کرتا ہوں ، بہت پسند ہے ، آپ اپنی صحافت کے ذریعہ تعمیری کام انجام دے رہے ہیں ، اس رنگ سنگ کی توصیف و تعریف میری نظر میں تو یہی ہے کہ میں اردو ڈائجسٹ اب بعد میں پڑھتا ہوں اور پہلے اسے ۔
اس میں زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق صحیح رہنمائی ملتی ہے ۔
والسلام
خیر اندیش عبدالمجید گوڈ اسٹوڈیو مکرانہ

سوالات و جوابات

ایم جے جواب حاضر ہے

علامہ معلومی کے قلم سے

ایم مسعود احمد، ناظر باغ، کانپور

س۔ ادیب کے امتحان کے فوائد پوری تفصیل سے بتائیے۔

ج۔ ادیب اور اس کے مماثل دوسرے اردو امتحانات متعدد فوائد کے حامل ہیں۔ ازاں جملہ چند فوائد یہ ہیں — • ہر سال ملک کے طول و عرض میں ایک مستند اردو داں طبقہ پیدا ہوتا ہے • ان امتحانات نے اس اردو کش دور میں اردو زبان و ادب کی شمع کو فروزاں ہی نہیں رکھا بلکہ اس کی روشنی بھی تیز کی • یہ امتحانات حکومت اتر پردیش کی نئی تعلیمی پالیسی کے تحت ایک بڑے اردو داں طبقہ کے لئے باعزت روزگار کا وسیلہ ثابت ہوئے ہیں۔

س۔ کیا یہ پرچہ باہر بھی جاتا ہے؟

ج۔ اگر باہر سے آپ کی مراد بیرون ہند سے ہے تو بحمد اللہ رنگ رنگ، سعودی عربیہ، نائیجیریا، انگلستان اور شمالی امریکہ تک جاتا ہے۔

عبدالمجید گوہر آرٹ اسٹوڈیو مکرانہ

س۔ رنگ رنگ اور دیگر اردو جرائد؟

ج۔ نظر اپنی اپنی، پسند اپنی اپنی۔

س۔ رنگ رنگ اور خوشتر گرامی؟

ج۔ محب اور محبوب!

س۔ کیا میں برائے سرورق فوٹو گراف پیش کر سکتا ہوں؟

ج۔ چشم ما روشن دل ما شاد!

محمد رئیس کانپور

س۔ زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے انسان کو کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

ج۔ زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے انسان کو محنت کشی، مستقل مزاجی اور دیانت داری

کا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔

س۔ کیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں انسان کو دنیاوی علوم حاصل کرنے کی ضرورت ہے؟

ج۔ یقیناً ضرورت ہے۔ یہودیوں سے خط و کتابت کرنے کی خاطر حضور اکرمؐ نے اپنے صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تھا، اس سے ثابت ہوا کہ دینی کاموں کی بجا آوری کی خاطر دنیاوی زبانوں کا سیکھنا ضروری ہے۔

س۔ کیا حضورؐ کے زمانہ میں کوئی اچھے شاعر گذرے ہیں۔ اگر گذرے ہیں تو ان کا کوئی ایسا شعر سنائیے جس میں حضور اکرمؐ کی تمام زندگی کا نمونہ بیان ہوا ہو۔

ج۔ حضرت حسان بن ثابتؓ حضور اکرمؐ کے زمانے کے نہایت نامور اور قابل تکریم شاعر گذرے ہیں، آپ دربار نبوت کے شاعر تھے۔

عطاء الرحمٰن، رانچی

س۔ اکبر الہ آبادی نے سنجیدہ شعر بھی کہے ہیں، مثلاً؟

ج۔ مثلاً۔
(۱) فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

---

(۲) نگاہیں کاملوں کی پڑھی جاتی ہیں زمانہ میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

س۔ اقبالؔ کا ظریفانہ رنگ؟

ج۔ ملاحظہ فرمائیں:

تھے وہ بھی دن کہ خدمت استاد کے عوض
دل چاہتا تھا ہدیۂ دل پیش کیجئے
آیا ہے وہ زمانہ کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجئے

س۔ غالبؔ کی شوخی؟

ج۔ پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا!

ابرار احمد خاں بریلی

س۔ حکومت اتر پردیش کارکردگی کے معاملہ میں سنجیدہ ہے، کیا واقعی؟

ج۔ اگر الیکشن سامنے نہ ہوتا تو "واقعی سنجیدہ" کہے جانے کی مستحق ہوتی۔

س۔ مسلم لیگ اور مسلم مجلس؟

ج۔ علی الترتیب

ملک الموت کی ضد ہے کہ میں جاں لیکے ٹلوں
سربسجدہ ہے مسیحا کہ مری بات رہے

محمد علی (عرف نیتا) بجنور

س۔ کانگریس اور جن سنگھ؟

ج۔ ظاہر میں تو خفا ہیں مگر دل میں پیار ہے
گو کوستے ہیں، کہتے ہیں "تیرا برا نہ ہو"
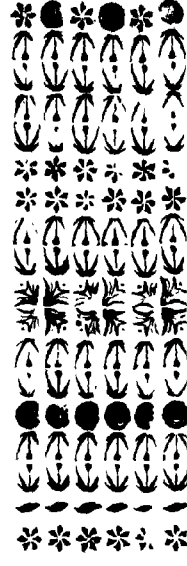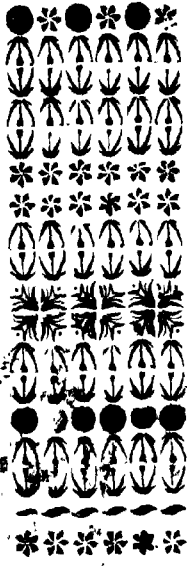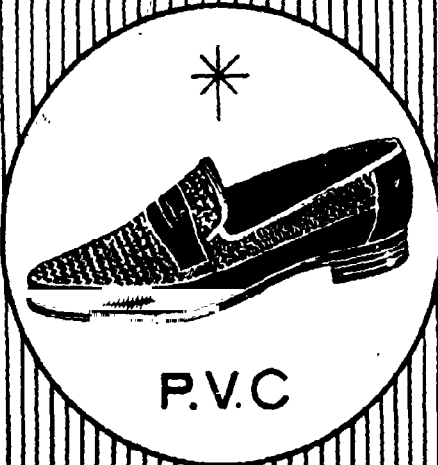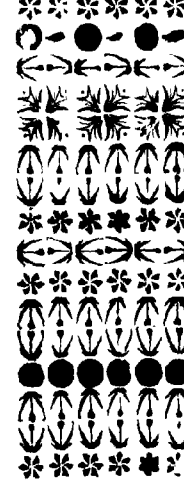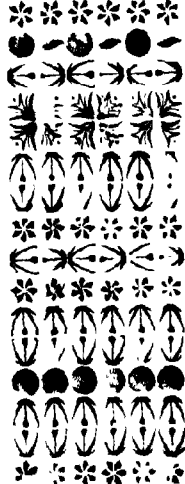
MONTHLY RAG-E-SANG KANPUR

REGISTERED No. L. 1797 JANUARY 1974 Phones: 68820, 60472, 63883

Registered with the Registrar of Newspapers R. No. 19397/70

ماهنامه
بروز بوکچه

ڈائمنڈ جوبلی سال
لیدر گڈس، اسپورٹس لیدر گڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں۔
ایس محمد اسمٰعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ، کانپور، پوسٹ بکس نمبر ۲۷۰
ٹیلیگرام: "زین" کانپور
فون: ۶۲۷۰۸
بینکرس:
• الہ آباد بینک
• چارٹرڈ بینک
• اسٹیٹ بنک آف انڈیا
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دنیا کے گوشہ گوشہ میں
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ

خوں دے رہی ہے کیا رگ سنگ دیکھئے
ہے گلشن ادب پہ نیا رنگ دیکھئے
ظفر اشک سنبھلی

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

...

ماہنامہ رگ سنگ کانپور

مدیر فیروز الدین بوبجہ

معاون مدیر شاہد سرور

سرورق آرٹیکو

تزئین اجنا یونس

خطاط م ابو الحسنات الاعظمی

سال سوم شمارہ ۴۵

فروری ۱۹۷۲ء محرم ۱۳۹۲ھ

عام شمارہ ایک روپیہ
سالانہ دس روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر
۸۹/۴۲ کھنیا بازار کانپور

فون ۶۳۸۸۳
۶۰۴۷۲
۶۲۸۷

طابع ناشر مالک
فیروز الدین بوبجہ

مطبع
لیتھو ترقی پریس نئی سڑک کانپور

> اسلام کو تانبے کے ان سکوں کا خزانہ مطلوب نہیں ہے جن پر اشرفی کا ٹھپہ لگایا گیا ہو۔ وہ سکے کے نقوش دیکھنے سے پہلے یہ دریافت کرتا ہے کہ ان نقوش کے نیچے خالص سونے کا جوہر بھی ہے یا نہیں؟ ایسا ایک سکہ ان جعلی اشرفیوں کے ڈھیر سے اس کے نزدیک زیادہ قیمتی ہے۔
>
> (مولانا ابو الاعلیٰ مودودی)

فہرست مضامین

بالآخر اتر پردیش الیکشن کے مرحلہ میں داخل ہوگیا ۔

الیکشن ـــــــــــ

جس کے ذریعہ رائے دہندگان اپنے پسندیدہ امیدواروں کو ووٹ دے کر پانچ سال کیلئے اپنے مستقبل کی امنگوں ، آرزوؤں ، خوشیوں اور ضرورتوں کی تکمیل کے لئے سیاہ وسفید کا مالک بناکر بے بس ہوجائیں گے ، کیونکہ جمہوری طرز حکومت میں رائے دہندگان اپنے نمائندے منتخب توکرسکتے ہیں ، پھر اگر منتخب شدہ نمائندے بے لگام ہوجائیں ، عوامی مفاد کے برخلاف اپنی اغراض کی پیروی کرنے لگیں ، صریحی طور پر عوام سے غداری کا ارتکاب کرنے لگیں ، اس انتخابی منشور کی دھجیاں بکھیر دیں جس کے ذریعہ لوگوں سے دلفریب وخوش آیند وعدے کرکے ووٹ حاصل کئے تھے ، ان تمام بداعمالیوں ، بدعنوانیوں اور وعدہ خلافیوں کے خلاف انتخاب کنندگان احتجاج توکرسکتے ہیں لیکن ان کو غلط راہ پر چلنے سے روک نہیں سکتے ـــــــ سامنے کی بات ہے سنہ ۱۹۷۱ء کے پارلیمانی انتخاب کے موقع پر شریمتی اندرا گاندھی نے غریبی ہٹاؤ" کا نعرہ لگاکر سارے ہندوستان میں اپنی ذات اور اپنی پارٹی کو مرکز توجہ بنالیا تھا ، اسی کے ساتھ مسلم مسائل کو ایماندارانہ اور منصفانہ طور پر حل کرنے کا حتمی وعدہ کرکے مسلمانوں کا بھرپور اعتماد حاصل کرلیا تھا لیکن حالات وواقعات گواہ ہیں کہ موصوفہ کے مذکورہ بالا سارے نعرے اور وعدے فریب کے سوا کچھ نہ تھے ، آج محترمہ غریبی کم کرنے کے بجائے اشیائے ضروریہ کی گرانی اور کمیابی کو بین الاقوامی مسئلہ قرار دیکر اپنے جرم کی پردہ پوشی کر رہی ہیں ، ساتھ ہی انھیں یاد بھی نہیں رہا کہ انھوں نے مسلمانوں

ہندسے ان کے مخصوص ملی مسائل کو حل کرنے کے لئے کچھ وعدے بھی کئے تھے لیکن ان کے اغماض اور تغافل پیشگی کے باوجود ملک کے عوام کانگریس کے اقتدار کا بوجھ برداشت کرنے اور ارباب اقتدار کی بدانتظامی اور بے عنوانی دیکھتے رہنے پر مجبور ہیں۔ آئینی طور پر ایسا کوئی حربہ نہیں جس کو استعمال کرکے اندرا گاندھی اور ان کی پارٹی کو اقتدار سے محروم کرکے ملک کو اس خونیں انقلاب کی یلغار سے محفوظ رکھا جا سکے جس کی لہریں گجرات سے اٹھنی شروع ہو گئی ہیں۔

اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام رائے دہندگان ووٹ دینے سے پہلے گذشتہ حالات و واقعات کا پوری سنجیدگی سے جائزہ لیں۔ دیکھیں کہ اتر پردیش کی پسماندگی، غربت اور جہالت کی ذمہ داری کس کے سر عائد ہوتی ہے۔ وہ کون لوگ اور کون سی سیاسی پارٹی ہے کہ جس کے زیر سایہ خودسر، بد دیانت اور غیر ذمہ دار انتظامیہ کروڑوں افراد کے ساتھ بھیانک مذاق کر رہا ہے، ذخیرہ اندوزی، ناجائز منافع خوری اور چور بازاری پنپتی اور پھلتی پھولتی رہی ہے۔ اقلیتوں اور خصوصاً مسلمانوں کے جائز مطالبات سے قصداً ناروا اغماض اور مجرمانہ چشم پوشی برتی جا رہی ہے وہ دیکھیں گے کہ ان تمام معاملات و مسائل کی ذمہ داری حکمراں کانگریس کے سر عائد ہوتی ہے جو ایک مختصر وقفہ کو چھوڑ کر گذشتہ ۲۷ برس سے بلا شرکت غیرے اس ریاست کے سیاہ و سفید کی مالک رہی ہے اور آج بھی نہایت بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ ترغیب و تحریص کے سنہرے خواب دکھا کر اور خوبصورت وعدوں کے طلسم کے ذریعہ ایک ہمہ گیر مہم چلا کر اقتدار پر قابض ہونے کی کوشش کر رہی ہے جس کے لئے ایماندارانہ طور پر اس کے پاس کوئی جواز نہیں ہے۔

حکمراں کانگریس کے علاوہ مخالف پارٹیوں میں تین بڑی پارٹیاں ابھر کر سامنے آئی ہیں جو اسمبلی کی جملہ ۴۲۵ نشستوں کے الیکشن لڑنے کا اعلان کر رہی ہیں یعنی تنظیم کانگریس، جن سنگھ اور بی، کے، ڈی، ایس، ایس، پی، اور مسلم مجلس کا متحدہ محاذ، ان کے علاوہ سوشلسٹ پارٹی کمیونسٹ پارٹی فارورڈ بلاک مسلم لیگ اور سوتنتر پارٹی وغیرہ جزوی طور پر اپنی اپنی طالع آزمائی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔

جہاں تک جزوی طور پر طالع آزمائی کرنے والی پارٹیوں کا تعلق ہے ان سے کسی مثبت اور موثر فیصلہ اور کارنامہ کی توقع فضول و عبث ہے کیونکہ ایسی پارٹیاں ہمیشہ یا موقع پرستی کا مظاہرہ کرتی آئی ہیں اور اصولوں کے بجائے بے اصولیوں پر اتفاق کرکے سیاسی و انتظامی ماحول کو گندہ و پراگندہ کرنے کا موجب بنی ہیں یا پھر عضو معطل ثابت ہوتی ہیں، لہذا ایسی پارٹیاں خواہ ...

جلو میں کیسے ہی دلفریب نعرے ہوں قابل توجہ نہ ہونی چاہئیں۔

اس لحاظ سے صرف تین پارٹیاں انتخابی میدان میں رہ جاتی ہیں، تنظیم کانگریس، جن سنگھ اور اتحاد ثلاثہ پر مشتمل بی۔کے۔ڈی، ایس۔ایس۔پی اور مسلم مجلس کا متحدہ محاذ، ان میں سے وقت و حالات کے تقاضوں نے جن سنگھ کے جارحانہ فرقہ پرستی کے نظریات کو پہلے ہی بڑی حد تک مسترد کر دیا ہے اور رہا سہا کس بل اس کے داخلی انتشار نے نکال دیا ہے۔

تنظیم کانگریس اپنے نظریات اور ذہنی ساخت کے لحاظ سے حکمراں کانگریس سے کچھ زیادہ مختلف نہیں اور ایسے ہی عناصر کا مجموعہ ہے جو قومی خدمت کے نام پر اپنی خدمت کرنے میں یقین رکھتے ہیں۔

ایسی صورت میں اتحاد ثلاثہ ہی حکمراں کانگریس کا صحیح، طاقت ور اور قابل توجہ حریف ہے جو اس صوبہ کو سیاسی استحکام، متوازن منصوبہ بندی اور بد دیانتی و بدعنوانی سے پاک و صاف انتظامیہ دے سکتا ہے، جو اس ریاست کی سب سے بڑی، اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔

ایک دوسرا رخ بھی ہے جس کی بنا پر اتحاد ثلاثہ دوسری تمام پارٹیوں کے مقابلہ میں قابل ترجیح اور لائق تائید ہے ——— آزادی کے بعد سے اب تک اس ریاست کے مسلمانوں کے ساتھ ان کے انتشار اور سیاسی عدم مرکزیت کی وجہ سے سوتیلے پن کا مظاہرہ کیا جاتا رہا ہے، اکثریتی فرقہ کے قہر و غضب کا ہوا دکھا کر کانگریس کی آستاں بوسی پر مجبور کیا جاتا رہا ہے اور اس طرح ان کا سیاسی استحصال کیا جاتا رہا ہے لیکن بی۔کے۔ڈی، ایس۔ایس۔پی اور مسلم مجلس کا اتحاد مذکورہ صورت حال کو ختم کرنے میں ایک موثر رول ادا کر سکتا ہے اور ہندو مسلمانوں کے درمیان سیاسی بازیگروں کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کا قلع قمع کر سکتا ہے۔

اسلئے اس موقع پر خاص طور سے مسلمانوں کو انتہائی غور و فکر اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی رائے کا استعمال کرنا چاہئے کیونکہ وہی ایک فیصلہ کن عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لحاظ سے اپنے ساتھ ہونے والی ناانصافیوں کے انسداد کی پوزیشن کے حامل ہیں، ہیجانی جذباتی اور غیر سنجیدہ فیصلہ آئندہ پانچ سال تک نقصان اٹھانے اور کف افسوس ملنے کا موجب ہوگا۔

جمہوری طرز حکومت میں مناسب وقت پر مناسب فیصلہ کرنے والے گروہ ہی فائدہ

رہتے ہیں، وقت کی رفتار کو روکنے والا کوئی آلہ ابھی تک ایجاد نہیں ہوا اور نہ ایجاد ہونے کی توقع ہے، البتہ وقت کی رفتار کا رخ موڑا جاتا رہا ہے اور آج بھی موڑا جا سکتا ہے اسلئے تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ جمہوری تقاضوں کا لحاظ کرتے ہوئے ان امیدواروں کو کامیاب بنائیں جو مکمل طور پر وقت کی رفتار موڑنے کی اہلیت رکھتے ہوں ورنہ جزوی کامیابیاں تو یقیناً حالات کو جوں کا توں رکھنے کی مرتکب ہوں گی۔
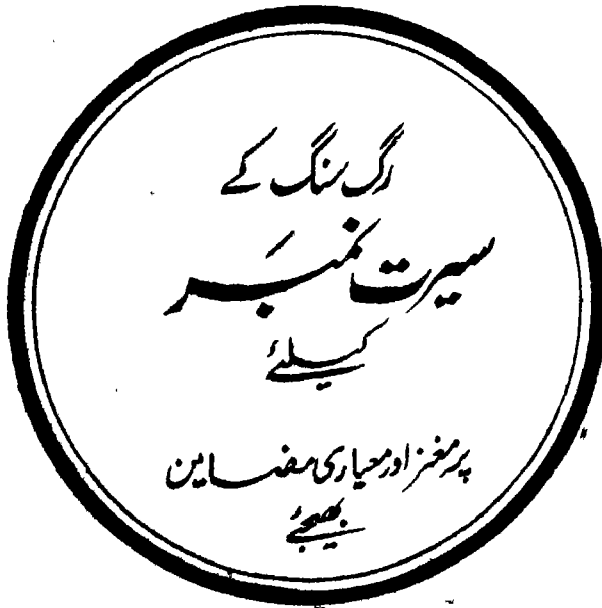
مولوی شریف حسین صاحب

عقیدۂ توحید

ایک فطری ضرورت

دینی تعلیم و تربیت کا پہلا مقام گھر ہے ، دوسرا مدرسہ تیسرا بزرگان دین کی صحبت .

دینی تعلیم و تربیت کی اولین ذمہ داری والدین پر ہے ، اس کے بعد استاد پر ، اور اس کے بعد بزرگان دین پر .

لیکن برسوں سے زندگی کا یہ بنیادی اہم فرض جس طرح انجام پا رہا ہے اس کے یہ نمایاں اثرات ہیں کہ مذہب سے بیزاری بڑھتی ہی جا رہی ہے اور یہ احساس بالکل مفقود ہوتا جا رہا ہے کہ دین ہی عارضی و ابدی زندگی کی کلید کامیابی ہے .

وجہ ظاہر ہے کہ وہ گھر جو دینی تعلیم و تربیت کا گہوارہ ہے اس میں تعلیم و تربیت کا جو رنگ ڈھنگ ہے وہ نرا پوست ہے ، بے مغز پوست جسد بے روح .

صرف لفظی تعلیم ہے ، کلمۂ طیبہ جو دینی تعلیمات کا سنگ بنیاد ہے اس کو طوطے کی طرح رٹایا جاتا ہے قرآن مجید جس میں زندگی کے علم و عمل کی مکمل تفصیل ہے وہ اس طرح پڑھا دیا جاتا ہے کہ پڑھنا ، نہ پڑھنا دونوں برابر . اس کے بعد والدین سمجھتے ہیں کہ وہ گویا تعلیم و تربیت کے فرض سے سبکدوش ہو گئے والدین کے افکار و خیال ہی دینی عناصر سے خالی ہوں بالفاظ دیگر وہ خود ہی فطرت انسانی سے ناآشنا ہوں تو پھر دینی تربیت کا سوال ہی کیا ؟

مدارس میں دینی تعلیم فقہی مسائل تک محدود ہے ، حالانکہ فقہی مسائل کا جاننا تو اسکے لئے ضروری ہے جو اپنی زندگی کو از سرتاپا دین بنانا چاہتا ہے ، جو یہ سمجھتا ہے کہ دین ہی زندگی اور زندگی ہی دین ہے . گھر کے صاحبزادے میں یہ شعور پیدا ہی نہیں ہوا تو دین اور دین کے مسائل سے کیا دلچسپی

بزرگان قوم کے حلقۂ درس و تدریس میں اوراد و اشغال ، اذکار و مکشوفات کے تحت قرآنی آیات کی توجیہ و تاویل پہ دینی تعلیمات کا دارو مدار

یا پھر کتابوں میں جیسا پڑھا ویسا ہی کانوں میں ٹھونس دیا ، ان تمام خرابیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اوراد و اشغال ختم قرآن اور ایصال ثواب کی مجالس ، زیارت آثار و قبور بزرگان دین وغیرہ ہی دینی اعمال سمجھے جاتے ہیں ، کردار ، اطوار ، تہذیب ، معاشرت افکار و تصورات کا کوئی تعلق دین سے نہیں رہا ۔ بلکہ ہمہ وقت ہوائے نفس کی اتباع ہی اتباع رہ گئی خالق خواہشات و جذبات کی اتباع غائب ۔

اللہ عزوجل کا ربّ الٰہ واحد ہونا یعنی مسئلہ توحید !

دل و دماغ کی تمام توانائیوں کا یعنی تمام قوتوں کا (یا تمام صفات وجودیہ یا تمام صفات کمالیہ کا) مبدأ ہے ۔

اوصاف انسانیت اور محاسن اخلاق کی بنیاد و اساس ہے ۔

امراض نفسی و قلبی کا واحد نسخۂ شفا ہے ۔

فطرت انسانی کا اصل جوہر ہے ، روح زندگی ہے ۔ دنیاوی فلاح و فوز کی کلید کامیابی ہے ۔ سکون و اطمینان کا ابدی سرمایہ ہے ۔

اور وہ صرف ایک عقیدہ و علم کلام کا ایک مسئلہ بنا ہوا ہے جس سے لذت ذہنی تو حاصل ہو جاتی ہے مگر زندگی کی کوئی تلخی دور نہیں ہوتی ۔

یہی وجہ ہے کہ ہم اس کے خیر و برکات سے محروم ہیں ، زندگی کے گوشے گوشے میں ظلمت بھری ہوئی ہے ، مشرکانہ ، کافرانہ یعنی غیر فطری طریقوں کی اتباع کی جا رہی ہے ۔

جدید مفکرین اسلام نے دینی تعلیمات کا جو بیڑہ اٹھایا ہے اس کا انداز یہ ہے کہ عبد و رب کی فطری نسبت کو راعی و رعایا کے قانونی تعلق کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے اور جو زیادہ تر عارضی زندگی کے سیاسی ، معاشی و اقتصادی مسائل کو سلجھانے میں الجھا ہوا نظر آتا ہے ۔

دین کا وہ جزو جو دینی تعلیمات کا روح رواں ہے اور دعوت توحید کا حقیقی منشا ہے یعنی حیات آخرہ تعلیمات میں اس کو بطور چاشنی ذمہ داری و جواب دہی کی حد تک بیان کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ جس سے ایک مستقل زندگی اور اس کے نفع و ضرر کا کوئی ایسا یقینی تصور پیدا نہیں ہوتا کہ انسان ہمہ تن ادھر متوجہ ہو جائے ، اور اسی زندگی کا نفع و نقصان بہرحال پیش نظر اور وہی زندگی مطلوب و مقصود ہو جائے ۔

اللہ شناسی اور اللہ پرستی اگر حیات آخرہ کے قرآنی تصورات سے خالی ہو جو فطرت انسانی کے اصلی داعیات ہیں تو وہ ہوا پرستی و نفس پرستی سے کچھ کم نہیں ہے ۔

حیات آخرہ کے مضمحل یا غیر صحیح تصور سے وہ نسبت الٰہیہ صحیح طریقہ پہ قائم اور قوی نہیں ہو سکتی جس کے بعد ہی آدمی انسان رب عزوجل کا

باشعور و باادب بندہ ہو سکتا ہے۔

الحاصل دینی تعلیمات میں علم وعمل کی وہ روشنی مفقود یا کہیں اتنی دھیمی پائی جاتی ہے کہ جس سے زندگی کا ہر گوشہ تاریک روشن ہو جاتا ہے اور آدم علیہ السلام کی اولاد علیہ اللہ ہو جاتی ہے۔

توحید و معاد (حیات آخرہ)

انسانی زندگی کے یہی دو اہم اور بنیادی مسائل ہیں۔ توحید و معاد (حیات آخرہ) یہ انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ نظام کائنات ان ہی دو مسائل کو سمجھنے کے لئے قائم و باقی ہے۔ توحید اور حیات آخرہ کی صحیح (الہی) تعلیمات ہی فطرت انسانی کی حقیقی ترجمان و رہنما ہیں۔

اس چند روزہ زندگی میں اعتدال و توازن اور ابدی زندگی میں راحت و شادمانی ان ہی دو فطری مسائل سے وابستہ ہے، ان حقائق سے انسان جسقدر اعراض و انحراف کرے گا اسی قدر افکار و آلام میں مبتلا رہے گا اور یہی افکار و آلام درد و اذیت کا نمونہ ہیں۔

قرآن مجید جو اس وقت روئے زمین پر خالص الہی تعلیمات کی واحد و آخری کتاب ہے اور اپنی وضاحت و بلاغت کے لحاظ سے آپ اپنی نظیر ہے اس میں حیات آخرہ کے حقیقی تصور کو ذہن نشین کرنے کے لئے صرف دو ہی لفظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جنت و جہنم۔

ابدی زندگی کے ابدی سکھ و ابدی دکھ کی مکمل تصویریں ان دو الفاظ میں کھینچی گئی ہے۔

فطرت انسانی غیر محدود و لازوال راحت و شادمانی کی طالب ہے اور درد و اذیت سے فراری۔ ابدی راحت کے طالب کو ابدی راحت کی دنیا "جنت" حاصل کرنے اور ابدی درد و اذیت کی دنیا "جہنم" سے محفوظ رہنے کی دعوت دی گئی ہے۔

واقعہ عرض کرتا ہوں کہ اس زمانہ کے داعی الحق جو متکلمانہ و فلسفیانہ انداز سے ہر باطل نظریہ کی تردید کرنے کا کافی ملکہ رکھتے ہیں وہ بھی الفاظ جنت و جہنم کو اپنی تحریرات میں استعمال کرتے ہوئے ذرا شرماتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

"جنت" ایک غیر محدود و لافانی دنیا ہے۔ حسن و جمال کا ایک عالم، عیش و طرب، لذت و تعیشات کی ایسی دنیا جہاں کا ساز و سامان زندگی عشرت افزا، سرور آگیں، تازہ بتازہ نو بنو۔ جہاں ناقابل اظہار کیف و مستی کی وہ ساعتیں ہونگی جب کہ تشنگان دید لقائے رب نظارۂ جمال حق سے لذت یاب و مدہوش رہیں گے۔

انسان اپنی فطرت کو ٹٹول کر دیکھے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک ایسی زندگی کا مطالبہ اس کے اندر موجود ہے۔

عدم تکمیل مطالبات کی صورت میں حسرت

ویاس کی آگ میں جلتے بھنتے رہنا ہی فطرت انسانی
کا اقتضاء ہے ، جہنم اس کرۂ آتشیں کا نام ہے
یہاں حسرت و یاس کی آگ مختلف آتشیں صورتوں
سے انسان کو مبتلائے سوز و تپش رکھے گی ۔

غیر محدود و لازوال زندگی کی راحت و
شادمانی کا ساز و سامان بھی غیر محدود و لازوال
ہوگا ۔ درد و اذیت کا سامان بھی غیر فانی ہوگا ۔

حیات آخرہ کے دونوں رخ سکھ و دکھ
کے مصداقات فطرت انسانی میں موجود ہیں اسکا
انکار کرنے والوں کو اللہ پاک خالق فطرت
نے اندھے ، گونگے ، بہرے جانور کے الفاظ سے
خطاب فرمایا ہے ۔

واقعہ یہ کہ جو قرآنی تعلیمات کا منکر ہے
یا اس سے غافل ولاپرواہ ہے ، وہ اپنے فطرت
کے حقیقی داعیات و مطالبات کی طرف سے اندھا
بنا ہوا ہے ۔

تعجب ہوتا ہے ان حضرات پر جو ان اندھوں
کے خیالات کی روشنی میں (جو دراصل تاریکی ہے)
قرآنی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

حیات آخرہ کا انکار کرنا یا اس کی ایسی
تاویل و توجیہ کرنا جو انسان کے فطری جذبات کے
بالکل مغائر ہو ایک ہی حیثیت رکھتا ہے ۔

بڑی بے باکی اور جاہلانہ انداز سے
فرمایا جاتا ہے کہ جن نعمائے جنت ، عقوبات
جہنم کی تفصیلات کتاب و سنت میں درج ہیں
وہ بطور تمثیل ہے نہ کہ بطور واقعہ ۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ حیات آخرہ کے حقائق کو
قرآن نے جو بیان کیا ہے ان کو کسی توجیہ یا تاویل کے
بغیر من وعن تسلیم کرنے والے انسان کی عقل شاید
حیات آخرہ کے قرآنی تصور کو سمجھنے سے عاجز و قاصر
ہو مگر انسان کو انسان ہی کی نسل سے ماننے والے اور
انسانی زندگی کو فطرت انسانی کی روشنی میں سمجھنے والے
انسان کے نزدیک حیات آخرہ کا وہی اصل نقشہ ہے
جو قرآن کے مبینہ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے ۔

انسان کی فطرت کے جذبات و داعیات سے
قطع نظر کرکے انسان کے انجام آخرہ جنت کا جو تصور
بعض حضرات کی جانب سے جو پیش کیا جاتا ہے ایسا
معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک افیونی کی دنیا ہے ، پھر اپنے
ظنی و تخمینی نتائج کو قرآن ہی سے ثابت کرنا عقل و دانش
کی قابل افسوس کوتاہی ہے ۔

اسی طرح اہل نار کی دائمی زندگی کا جو لوگ
انکار کرتے ہیں یہ بھی اللہ تعالی کی صفت رحمانیت
کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے ۔

اللہ تعالی کا یہ ارشاد ایسے لوگوں کے متعلق ہے
جو قرآنی حقائق کو ظن و تخمین کی راہ سے حل کرنے کی کوشش
کرتے ہیں

ومنهم اميون لا يعلمون الكتاب
الا اماني وان هم الا يظنون

ان میں سب لوگ جاہل کتابی (الہی) علم نہیں رکھتے
لیکن دل خوش کن اور خیالی باتیں کرتے ہیں ۔

حیات دنیا کی غرض

اللہ عزوجل نے انسان کو یہ عارضی زندگی، زندگی کا یہ ساز و سامان، عقل و دانش، علم و آگہی عطا فرما کر اس ابدی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کا موقع عنایت فرمایا جس کا انسان تمنائی ہے۔

عارضی زندگی میں راحت و غم کی شیرینی و تلخی جو انسان کو پہونچتی رہتی ہے وہ دراصل ابدی و مستقل زندگی کی شیرینی و تلخی کا ایک نمونہ ہے۔ تاکہ انسان اس کو دیکھ کر اس ابدی عالم لذت و سرور کی تعمیر میں مصروف رہے جس کی تعمیر کے اجزاء ایمان (یعنی خوبیٔ افکار) وعمل صالح (یعنی خوبیٔ کردار) ہیں۔ اور عارضی زندگی کا سکون و اطمینان بھی اس کے مضمرات ہیں اور ابدی عالم درد و اذیت (یعنی جہنم) کی تعمیر کے اجزاء افکار قبیح یعنی زندگی کے غیر فطری نظریئے و اعمال بد، اخلاق رذیلہ، اتباع ہوی و نفس قرآن میں جس کی تعبیر کفر و شرک نفاق (ارتداد) بدعت اور اس کے توابعات فسق و فجور سے کی گئی ہے۔

عارضی زندگی میں بد امنی، فتنہ فساد، حزن و غم اس کے عارضی نتائج ہیں۔

خوبیٔ افکار یعنی ایمان و خوبیٔ کردار یعنی اعمال صالحہ کا سنگ بنیاد لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے اور اس کی پوری عمارت زندگی کے تمام شعبوں میں عملاً و علماً اتباع رسالت ہے۔ دنیاوی تعیشات اور تکلفات و تنعمات و ذخائر سیم و زر سے بے رغبتی (صرف امانتی تعلق) قصر ایمان اتباع رسالت کا اہم بنیادی جزو ہے۔ اہل علم اہل حق کی زندگی اس اہم جزو سے کچھ کچھ خالی خالی نظر آتی ہے۔

توحید لا الہ الا اللہ کا مختصراً مفہوم یہ ہے:

انسان تمام مخلوقات سے (بہ تعلق ربوبیت و مملوکیت و محکومیت) بے تعلق ہو کر خالق رب مالک حقیقی و حاکم مطلق سے وابستہ ہو جائے جو حقیقی کارساز و کارفرما ہے۔ اپنی اصلاح و فلاح کے لئے خواہشات نفسانی اوضاع زمانہ کے قید و بند سے نکلکر خود کو اپنے خالق و رب کے حوالہ سپرد کردے اور سیدنا محمد رسول اللہؐ کی رہبری میں تمام امانت الہیہ کو تحت امر الہی کرتے ہوئے یہ چند روزہ زندگی بے خوفی و بے فکری کے ساتھ گذار دے اور بطور انعام الہی ایک غیر محدود ابدی پُر مسرت زندگی کا مستحق ہو جائے۔ یہی انسان کی حقیقی تمنا و آرزو ہے جو بالکل فطری ہے۔

قلب انسانی جو غیر محدود آرزوؤں اور تمناؤں کا گہوارہ ہے وہ ایسی نعمتیں چاہتا ہے جو نہ زوال پذیر ہوں اور نہ محدود، فطرةً وہ اپنے خالق و رب کی دید و لقا کا بھی تمنائی ہے اور درد و اذیت غم و حزن سے اس کو نفرت بھی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان خواہشات کو ایک غیر محدود قدرت رکھنے والی ذات ازلی و ابدی خالق فطرت کے سوا کون پورا کر سکتا ہے •

> زیرِ نظر نظم "عیدِ قرباں" اپنے عنوان کے لحاظ سے
> جنوری کے شمارے میں شائع ہونی چاہیئے تھی
> لیکن قدرے تاخیر سے موصول ہونے کے باعث
> شائع نہ ہو سکی تاہم ایک بلند پایہ معیاری نظم ہونے
> کی بنا پر موجودہ شمارے میں اس کی اشاعت
> ضروری سمجھی گئی اسی کے ساتھ حرمت الاکرام صاحب
> کی دوسری نظم نے مجبور کر دیا کہ اسے بھی اسی کے
> ساتھ شریکِ اشاعت کیا جائے۔ ہمیں امید ہے
> کہ دونوں نظمیں اسی دلچسپی اور سنجیدگی سے پڑھی
> جائیں گی جس کی وہ مستحق ہیں۔ (ادارہ)

عیدِ قرباں

صبحِ تابندہ! نہ ہنس ہنس کے ہمیں دیکھ اس طرح
کون روشن کرے بیداریٔ جاں کی قندیل
تری پھیلی ہوئی کرنوں کی صدا کون سنے
کوئی رہرو نہیں لذت کشِ اندازِ رحیل
ذوق پایاب ہے آسودۂ ساحل کیا کیا
کوئی اژدر ہوا دجلہ ہے نہ بپھرا ہوا نیل
ذبحِ فرزند کے تیور کوئی کیا پہچانے
نہ توانائیِ کردار نہ سوزِ تخئیل
عیدِ قرباں! تجھے مہمان بنائیں کس کا
نہ براہیم ہے کوئی نہ کوئی اسماعیل

کلیمِ دل کا بیاں لا الٰہ الا اللہ
حریمِ جاں کی اذاں لا الٰہ الا اللہ
نہ کوئی نالۂ شب ہے نہ کوئی آہِ سحر
ہم اہلِ دل کی فغاں لا الٰہ الا اللہ
محمدِ عربی کا پیامِ عام ہوا
پکارتا ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ
اک ایک حرف کے سینے سے پھوٹتی ہے کرن
یہ قافلہ ہے رواں لا الٰہ الا اللہ
یہ وہ کمال ہے جس کے لئے زوال نہیں
متاعِ بے ہمہ داں لا الٰہ الا اللہ
ہے اہلِ درد کا طرزِ کلام ہی کچھ اور
کہ ہے دلوں کی زباں لا الٰہ الا اللہ
ہر آرزو ہوئی جاتی ہے شعلۂ رقصاں
نفس نفس ہے تپاں لا الٰہ الا اللہ
خوشا کہ روحِ مسلماں ہے ہمنگِ اذاں
یہ ایک حرفِ گراں: لا الٰہ الا اللہ

ملک کے طول و عرض میں

اپنے مال کی خصوصیات کیلئے

حبیب شوز تیار کردہ شو مارکیٹ آگرہ

پہچانا جانا

فون 72509

جاہلیت کے نئے روپ

مسلمانوں کیلئے چیلنج

بدیع الواجدی

تاریخ کی شہادت

اگر یہ کہا جائے کہ اسلام ایک طویل جدوجہد عظیم ترین کوشش اور باطل قوتوں سے نہ دبنے والی ایک طاقتور حقیقت کا نام ہے تو یہ ایسی بات ہوگی جس کو تاریخ کی شہادت بھی حاصل ہے۔ اسلامی تاریخ کا وہ کون سا دور ہے جب اس کے چراغ کو بجھا دینے، بڑھتے اور پھیلتے ہوئے اثرات کو ختم کر دینے اور مٹا دینے کی کوشش نہیں کی گئی۔ اسلام پر ہر زمانہ میں داخلی حملے بھی ہوئے اور خارجی بھی، اس کے شیرازے کو بکھیر دینے اور اجتماعی قوت کو پاش پاش کر دینے کی سازشوں سے اسلام کا ہمیشہ مقابلہ رہا ہے، مگر مسلمانوں کو خدا کی نصرت اور مدد حاصل رہی، انھوں نے اس امانت کو اپنے سینوں سے لگائے رکھا، اس کی حفاظت کی، اس کے چراغ کو ہواؤں کی زد سے دور رکھا اور اس طرح اسلام کے ارتقاء کو تنزل، استحکام کو ضعف اور شجاعت کو بزدلی سے بدلنے کا ہر خواب خواب ہی رہا، اسلام کے تار و پود بکھیر دینے، اس کے جمے ہوئے قدموں کو اکھاڑ دینے کے خیال کو عملی شکل و صورت نہ مل سکی۔ باطل قوتوں سے اسلام کے مقابلے کی داستان ایک طویل داستان ہے۔ اس داستان کا لفظ لفظ حرف حرف متاثر کن اور عبرت خیز ہے، آج بھی مسلمانوں نے اسلام کی حفاظت کے لیے عزم کی پختگی اور ہمت و اولوالعزمی کے ارادوں کی دولت جدوجہد کی یہ تاریخی داستان ہی فراہم کرتی ہے۔

نئے دور کا فتنہ

نئے دور کا فتنہ لادینیت کا فتنہ ہے، اس کا

سب سے بڑا مقابلہ اسلام سے ہے ، الحاد و ارتداد کے دروازے کھلے ہوئے ہیں ، تشکیک کے اصنام تراشے جارہے ہیں ، مذہب سے تنفر پیدا کرنے کی مہم زوروں پر ہے ، لایعنی شکوک و شبہات کے ذریعہ مذہب کی لغویت ، بے مقصدیت اور عدم ضرورت کا اثبات کیا جارہا ہے ، بے خدا تہذیب کی سمت سفر جاری ہے ، لادینیت کے داعی مذہب کو نئے دور کے لیے مضر اور غیر ضروری سمجھتے ہیں ، ان کا دعوی ہے کہ مذہب کے نظریۂ ارتقار کے مطابق دنیا اس مرحلہ میں داخل ہوگئی ہے جہاں اسے خدا کی ضرورت باقی نہیں رہتی

لادینیت کے محاذ پر

اس محاذ پر مختلف نظریے اور تحریکیں سرگرم عمل ہیں ، کمیونزم ، اشتراکیت ، سرمایہ داری ، سیکولرزم اور وحدت ادیان ، یہ سب نظریئے اور تحریکیں اپنی اپنی جگہ کام کررہی ہیں ، کام مختلف ہیں ، کام کا انداز جداگانہ ہے مگر نتیجہ سب کا ایک لادینیت رد عمل سب کا واحد ، الحاد اور زندقہ !

اس محاذ سے ان عارضی اور خود ساختہ نظریوں کی کمین گاہ سے تشکیک کے تیر برسا کر اسلام کو مجروح کرنے کی کوشش عرصہ سے جاری ہے ۔

نظریوں کی اساس

یہ سب نظریات اور تحریکیں دراصل جاہلیت کے مختلف روپ ہیں ، اگرچہ ایک کی بنیاد خدا کی نفی اور مذہب کے انکار پر رکھی گئی ہے ، اخلاقی قدروں کی پامالی اس کے بنیادی مقاصد میں داخل ہے ، دوسرے کے پاس زر ، زن ، زمین کا نعرہ ہے ، کسی کے دامن میں ایک مذہب اور ایک دین کا فرسودہ تخیل ہے مگر حقیقی بنیاد ان سب میں مشترک ہے اور وہ ہے بے خدا زندگی ! جاہلیت کا مطلب یہی ہے ، انسان اس پورے عالم کے بارے میں یہ سوچتا ہے کہ یہ خود بخود بن گیا ، اس کا کوئی خالق نہیں ہے ، سب لوگ خود کھاتے پیتے ہیں ، انھیں کوئی نہیں پالتا ، دنیا اور اس کے خالق کے بارے میں انسان کا یہ تصور ہی خدائیت سے ہٹا کر مادیت کی طرف رہنمائی کرتا ہے ، وہ زندگی کو مادی فائدوں کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے ، اس کا مطمح نظر یہ ہوتا ہے وہ اپنی ضرورتوں اور حاجتوں کو حسب خواہش پورا کرے اس کا ذہن محدود اور مختصر دائرے میں رہ کر سوچنے والا ہوتا ہے ، اسے مادیت سے اتنی فرصت کہاں کہ ذہن کی محدودیت ختم کرے ، وہ آگے بڑھ کر یہ بھی سوچے کہ یہ کارخانہ یونہی نہیں چل رہا ہے ، اس کو کوئی چلانے والا بھی ہے ، انسان اپنی زندگی میں اسی کا محتاج ہے ، دین اور لادینیت کی راہیں یہیں سے جدا ہوتی ہیں ، اسلام نے انسان کو خدا کا بندہ اور خلیفہ قرار دیا ہے ، خدا اس بندے کا معبود اور حقیقی خالق ہے ۔

دوسری طرف یہ نظریئے انسان کی حیثیت

اس مشین کی سی قرار دیتے ہیں جو مات دن چلتی رہتی ہو اس کے نزدیک خدا کا تصور ایک بے حقیقت شے کا نام ہے ۔

لادینیت کی صلیب پر

جنسی جرائم ، سماجی گناہ ، قانون شکن حرکات، اخلاق سوز کارروائیاں معاشرے کے ساتھ رگِ جاں کی طرح وابستہ ہیں ۔

حیرت ہوتی ہے جو لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر امن اور قانون کے احترام کی درخواست کرتے ہیں ، اپنی انفرادی زندگی میں قانون کے مجرم اور امن کی بارگاہ کے خطاکار ہوتے ہیں ۔

قوم سے کہا جاتا ہے قومی املاک کی حفاظت کیجئے مگر قوم اس اپیل کو لغو سمجھ کر نظر انداز کر دیتی ہے ۔ سرکاری املاک پر حملے کئے جاتے ہیں ، ریلیں لوٹ لی جاتی ہیں ، اسٹیشن راکھ کے ڈھیر بنا دئے جاتے ہیں ، زندگی میں تعطل پیدا کر دیا جاتا ہے اور بڑی عجیب بات یہ ہے کہ یہ کارنامے عام طور سے اس نسل سے سرزد ہوتے ہیں جس سے قوم کے مستقبل کی امیدیں وابستہ ہیں ، ملک جن کی قیادت کا منتظر ہے ۔ انھیں عملی زندگی میں دیکھ کر انکے کردار کا تجزیہ پڑھ کر احساس ہوتا ہے کہ انھیں سنوارنے اور کسی قابل بنا دینے کے جو جتن کئے جا رہے ہیں وہ بیکار محض ہیں ، وہ تخریبی زندگی کے اس مقام پر پہونچ چکے ہیں جہاں سے واپسی اس تعلیم کے ذریعہ ناممکن ہے جو اسکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں دی جاتی ہے ۔

ان چیزوں کو سیاسی انتشار اور نوجوانوں کے عالمی اضطراب کے خوبصورت عنوان دے کر صرف نظر کیا جا سکتا ہے مگر یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ہم اپنے معاشرے کا سطحی مطالعہ کرتے ہیں اگر گہرائی سے سوچا اور ان انتشار و اضطرابات کے اسباب کو تلاش کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ لادینیت کا زہر ہے جو معاشرہ کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے ۔

نئی نسل کی منزل؟

ان دین بیزار ، اسلام دشمن نظریات کے پہلو میں دلکش ، جاذب نظر اور دلفریب لٹریچر کا ایک ذخیرہ ہے ، نعروں کا شور ، معاشی ضرورت کی تکمیل کا مشورہ اور جنسی تعیش و تسکین کی فراہمی کے عزائم ان نظریات کی متاع ہیں ، ان کی بقا کا دار و مدار ، ان کے نفوذ و اثر کی ساری قوت یہی چند بظاہر خوش کن ، پر اثر مگر اندرونی طور پر گمراہ کن اور مکروہ نعرے لٹریچر اور مشورات ہیں ۔

آج کے انسان کو کھانے کے لئے روٹی پہننے کے لئے کپڑا اور عیش کے لئے عورت کی ضرورت ہے اور یہ باطل نظریے انھیں چند چیزوں کی طرف داعی ہیں ، اگر دیکھا جائے تو ان میں کشش اور جاذبیت

بھی ہے اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ لادینیت کا تصور خود ایک جاذب نظر تصور ہے۔ ذرا سوچئے انسان کا یہ احساس کہ انسان سے بڑا، بہتر کوئی نہیں ہے، انجام کے اعتبار سے بھیانک سہی مگر اس احساس کی کشش اور اس کی جاذبیت سے انکار مشکل ہے۔

حال ہی نئی نسل کو جو تعلیم دی جا رہی ہے اس کی بنیاد ہی لادینیت پر ہے۔ اسکو ایسا لٹریچر فراہم کیا جا رہا ہے جو اسکو احساس دلائے کہ تم خود مختار ہو، جو جی چاہے کرو، کوئی محاسبہ نہیں کریگا۔ وہ توڑ پھوڑ ہنگامے جنھیں نوجوانوں کی حالمی بے چینی کا عنوان دے کر نظر انداز کیا جا رہا ہے ان کی بنیادی وجہ یہی لٹریچر ہے، اس کا یہ احساس کہ اس سے برتر کوئی نہیں ہے اسے جنونی حرکات کے ارتکاب پر مجبور کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ اس نسل کی منزل کون سی ہے؟ جواب بہت سہل ہے، اگر یہ حالات رہے تو صاف صاف کہا جا سکتا ہے کہ لادینیت کی آخری سرحد اس کی منزل ہے۔

لٹریچر اور نعروں کا اثر

میں مرعوب نہیں ہوں ان عارضی اور وقتی نظریات سے مرعوب ہونا بھی نہ چاہئے مگر اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ان کے لٹریچرز اور نعروں میں بہت زیادہ کشش ہے خاص طور سے نئی نسل کے لئے، اسکا لئے اس نسل کا رجحان مذہب کی طرف کم ہے کہتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے ایک ایسے ادارے کا طالب علم جس نے اسلام کے ہزاروں مجاہد اور حلقہ بگوش پیدا کئے جب دہلی کی ایک یونیورسٹی میں تعلیم کے لئے پہنچا تو خدا کا انکار کر بیٹھا۔ معلوم ہوا اسے کمیونزم کا لٹریچر فراہم کیا گیا تھا۔ ایک دینی درسگاہ کے طالب علم کے لئے اس لٹریچر میں اس قدر کشش ہو سکتی ہے تو ان اداروں کے طالب علموں کو تصور وار کس طرح ٹھہرایا جا سکتا ہے جن تک مذہبی تعلیم کی خوشبو بھی نہیں پہونچی ہے۔

کہیں ایسا نہ ہو ...؟

خدانخواستہ ایسا ہو، مگر کیا بعید ہے کہ آنے والے لمحوں میں یہاں سمرقند و بخارا کی سرگذشت نہ دہرائی جائے، حالات کی زبان تو یہی کہہ رہی ہے اگر حالات کے آئینے میں مستقبل کی تصویر دیکھی جا سکتی ہے تو یہ کہنا پڑے گا کہ اگر مسلمانوں نے قربانی اور جد و جہد کی راہ ترک کئے رکھی تو لادینیت کا طوفان پورے معاشرے میں پھیل جائے گا، اسے نفوذ کی قوت حاصل ہو جائے گی، اس کے لئے راہ ہموار کی جا رہی ہے، سیکولرزم کے نام پر مذہبی حقوق پہ ڈاکے پڑ رہے ہیں۔

احتساب کی ضرورت

سمرقند و بخارا کی خونیں سرگذشت کا یہ پہلو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں خطرات کو دیر میں محسوس کیا گیا جب پانی سر سے گذر گیا تو ہاتھ پیر چلانے کی تیاری شروع ہوئی، لادینیت نے پنجے گاڑ لئے تو انھیں اکھاڑ پھینکنے کی فکر ہوئی، خدا کرے یہ کہانی یہاں دہرائے جانے کی

کو نظر انداز کی جائے۔ اگر ایسا ہوا تو تاریخ کے صفحات میں ہمارے لئے صرف ذلت اور رسوائی ہوگی۔ ہمارے لئے آخرت میں جواب دہی مشکل ہو جائے گی، ہمیں اپنا احتساب کرنا چاہئے۔ جو ذمہ داری اور دور جدید کے تقاضے ہماری ذات سے وابستہ ہیں انھیں پورا کرنے کی کوشش اور اسلام کے مطالبوں پر اپنے آپ کو قربان کر دینے کی عملی خواہش ہی ہمارا اصل احتساب ہوگا۔ اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو حضرت ابوبکرؓ کے اس تاریخی جملے کی تفسیر بن جانا چاہئے

"اینقص الدین و انا حیّ"	کیا ہماری زندگی میں دین میں کتر بیونت ہو۔

خاص طور سے وہ لوگ جو خواص کی اصطلاح میں داخل ہیں اپنے نفسوں کے محتسب ہوں۔ حضرت معاویہؓ نے ایک مرتبہ مشہور عالم حضرت احنف بن قیس سے سوال کیا "زمانے کا کیا حال ہے؟"

آپ نے جواب دیا "زمانہ تم ہو، اگر تم ٹھیک ہو تو زمانہ بھی ٹھیک ہے۔ اگر تم بگڑ گئے تو زمانے کا خدا حافظ" خواص دراصل زمانہ ہیں، اصلاح و فساد انھیں کے سنورنے اور بگڑنے پر موقوف ہے

اسلام کی حفاظت

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی حفاظت کا وعدہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور وہ یقیناً اسلام کو دائمی شوکت اور وجاہت سے نوازے گا لیکن اگر اس کام کے لئے اللہ پاک اپنے بندوں میں سے ہم لوگوں کو منتخب کرلے تو یہ ہماری سب سے بڑی سعادت ہوگی۔ اس سے پہلے بھی مسلمانوں نے بارہا یہ خدمت انجام دی ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ملاحظہ فرمایئے

یا ایها الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطوا و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون	اے ایمان والو صبر کرو اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو اور مورچوں پر جمے رہو اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پاؤ

یہ آیت ہم ایمان والوں کو مورچوں پر ڈٹے رہنے کی ہدایت کر رہی ہے، یہ ہدایت اس لئے ہے کہ ثبات قدمی کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی جائے، ان مورچوں سے باطل کی قوت پاش پاش کی جائے۔ اس آیت کے اندر صبر، تلقین صبر، استقلال اور اتحاد کے چار بڑے سبق ہیں، اگر یہ فراموش نہ کئے جائیں تو ان مورچوں پر ڈٹے رہنا کوئی مشکل نہیں۔

خطرناک طرز فکر

یہ طرز فکر غلط، گمراہ کن اور خطرناک ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے تو وہ خود اس کی حفاظت کرے گا، ہمارے لئے فکر اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔ اگر یہ طرز فکر ہے تو یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اپنے مفکرین کے پیش نظر اسلام کا اہم ترین باب جہاد نہیں ہے۔ اگر اسلام کی حفاظت کے لئے مسلمانوں

کے کچھ فرائض نہیں ہیں تو آخر جدوجہد اور قربانی کے اس باب کی کیا ضرورت تھی ؟ ۔

اسی طرح قیامت کے انتظار میں عملی قوت کو دفن کر دینے کا طرز عمل بھی اذیت ناک ہے ، اگر روایات میں ذکر کی گئی علامات قیامت کے ظہور کا دور ہمارا دور ہے تو اسے عملی دنیا سے کنارہ کش ہونے کی بنیاد بنانا ، بالکل غیر مناسب ہے ۔ ہمیں صحابہ کرام رض کی زندگی کو اپنانا چاہئے ، قیامت کا خوف انھیں ہم سے کہیں زیادہ تھا ، آنحضورؐ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ ان کی زندگی پر نقش ہو جاتا تھا ، یہی وجہ ہوئی کہ جب آنحضورؐ قیامت کے بارے میں کچھ ارشاد فرماتے تو وہ دنوں مضطرب ، خائف اور اداس رہا کرتے تھے ان میں وہ لوگ بھی تھے جنھیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی مگر وہ لوگ اسلام کی اشاعت اور حفاظت سے ایک منٹ کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے ۔

آج اسلام کے تحفظ کی بھی ضرورت ہے اور اشاعت کی بھی ، مختلف حلقوں سے اسلامی تہذیب وتمدن ، معاشرت ، زبان وتعلیم وغیرہ کو قومی دھارے اور سیکولر بہاؤ کے نذر کر دینے کی جو مہم چلائی جا رہی ہے ، ہماری ذرا سی بھی غفلت اور لاپرواہی بھی اس مہم کو کامیاب بنا سکتی ہے ۔

ضرورت یہ ہے کہ ہم اسلام کی حفاظت کے لئے سیسہ پگھلائی ہوئی دیوار بن جائیں ، ہمارا یہ عمل در اصل اس بات کا فیصلہ ہوگا کہ ہم جہاں بھی رہینگے اپنے دین کے ہوکر رہیں گے ۔

ماضی کی غلطی

ماضی میں مسلمانوں سے جو غلطی ہوئی اس کا خمیازہ آج بھگتنا پڑ رہا ہے ، ہم ایک ہزار برس تک یہاں حکومت کرتے رہے ، اس زریں عہد کے روشن نقوش آج بھی ہمارے وطن کی چھاتی پر ثبت ہیں ، کاش ان نقوش میں یہ نقش ضرور شامل ہوتا کہ ہم نے ایک ہزار سالہ دور حکومت میں اسلامی اشاعت کا فریضہ بھی انجام دیا ہے ، جو لوگ ہماری طرف بڑھے انھوں نے اسلام کو قبول کر لیا ، مگر خود ہماری کوشش کبھی یہ نہ ہوئی کہ اسلام یہاں کا واحد مذہب ہو سکے ، اسلام کے پیغام کو ہر فرد تک پہونچایا جا سکے ، اگر ایسا ہو گیا ہوتا تو آج جس خطرے کا ہمیں سامنا ہے وہ نہ ہوتا ، علماء اور صوفیاء اپنی زندگی میں سلاطین کو راہ راست پر لانے ، انھیں ہدایت کی روشنی فراہم کرنے میں لگے رہے ، امراء کے طبقہ نے ادھر کبھی توجہ نہیں کی وہ صرف یہ سوچتے رہے کہ ہم غالب ہیں ، بادشاہ اور حکمراں ہیں لوگ آئیں ، ہمارے دین کو سمجھیں اور قبول کرلیں ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنا دین لے کر ان کے پاس جائیں اس غلط ذہن نے کتنا نقصان پہونچایا اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ، افسوس پچھلی نسلیں یہ فراموش کر گئیں کہ ہمارے اس طرز عمل کا نقصان آئندہ نسلیں برداشت کریں گی ۔

صحیح تجزیہ !

آج ہم اس مقام پر کیوں نظر آ رہے ہیں ہمیں

جس مقام پر ہونا چاہئے تھا اس پر دوسروں کا قبضہ کیوں ہے؟ دوسرے لفظوں میں ہم داعی اور مبلغ کے بجائے مدعو اور مبلّغ کیوں بن گئے؟

صورت حال کا حقیقی تجزیہ کیجئے تو واضح ہوگا کہ ہم نے اپنے ذہن کو مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں تک محدود کر دینے کو مذہب کی معراج تصور کر لیا ہے۔ ہمارے پاس دوسروں کو دینے کے لئے بہت کچھ تھا اور ہے مگر جب اس طرف توجہ اور احساس نہ ہو تو ہونا کبھی نہ ہونے کے برابر ہو جاتا ہے۔

نتیجہ یہ نکلا دین سمٹ کر رہ گیا جس کے چرچے ہر جگہ ہونے چاہئے تھے وہ صرف چند جگہوں اور مخصوص دائروں میں محصور ہو گئے، بتدریج ہم اس موڑ پر پہونچے جہاں ہم سے ہماری پہلی اور حقیقی حیثیت سلب کر لی گئی اور وہ حیثیت دی گئی جو مدعو کی ہوتی ہے اس شخص کی ہوتی ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور وہ اس لئے دوسروں کا دست نگر اور محتاج ہو۔

دین کا غلط تصور

دین کا فقط یہ تصور کہ چند عبادات و اعمال کا مجموعہ ہے دراصل ایک بہت بڑی غلط فہمی ہے، دین کی حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی ہم نے سمجھ رکھی ہے۔ اسلام زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اسلام کے پاس تمدنی، سیاسی اور معاشی حل بھی ہیں، دنیا ان پر عمل کر چکی ہے، تاریخ ان کی افادیت، اہمیت اور ہمہ گیریت پر شاہد ہے۔

ہیں مختلف ازموں، تہذیبوں اور نظریوں کا مدعو اس لئے بننا پڑا کہ ہمارے پاس جو کچھ تھا ہم نے اس کی طرف دعوت دینی چھوڑ دی۔

معاشی نظریے کو لیجئے، دولت کی ہوس موجودہ صدی کا سب سے بڑا المیہ ہے۔ معاشی مساوات کا نعرہ لگانے والے یہ لوگ جو ان معاشی نظریوں کی قیادت کرتے ہیں بظاہر غریبوں کے ہمدرد، مزدوروں کے معاون نظر آتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی نعرہ بازی سے دولت کی ہوس پوری کی جاتی ہے، سرمایہ دارانہ نظام اور سوشلسٹ نظام میں صرف طریقہ کار کا فرق ہے مقصد ایک دوسرے کے قریب ہے، راستے الگ الگ منزل ایک ہے، سرمایہ دار اس دنیا کو لاوارث سمجھ کر لوٹتے ہیں اور اپنی جیبیں بھرتے ہیں، وہ لوگ جو اس نظام کی مخالفت کرتے ہیں ان کا مطمح نظر یہ ہے کہ اس دنیا کے بڑے بڑے سرمایہ داروں سے لوٹ لوٹ کر دولت جمع کی جائے۔ دولت دونوں کا مقصد ہے اور دونوں اسی مقصد کے حصول میں لگے ہوئے ہیں۔

اسلام کا نقطۂ نظر

اسلام ان دونوں کی نفی کرتا ہے وہ نہ اس نظام کو پسند کرتا ہے کہ چند لوگ غریبوں کی دولت اپنے قبضے میں کر لیں اس کے نزدیک یہ نظام بھی غلط ہے کہ چند لوگوں سے دولت چھین کر تقسیم کر دی جائے

اس مسئلہ میں اسلام کا نقطۂ نظر واضح ہے، اسلام اچھے پیرا[illegible] کو دولت کی ہوس اسے مقصد زندگی بنانے سے منع کرتا ہے:

ولا تمدن عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا منہم زھرۃ الحیاۃ الدنیا لنفتنہم فیہ ورزق ربک خیر و ابقی۔

(طٰہٰ: ۱۳۲)

دنیوی زندگی کی اس شان و شوکت کو نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھو جو ہم نے ان میں سے مختلف لوگوں کو دے رکھی ہے، وہ تو ہم نے انھیں آزمائش میں ڈالنے کیلئے دی ہے اور تیرے رب کا دیا ہوا رزق حلال ہی بہتر اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

•

اسلام نے دولت کو آزمائش قرار دے کر انسان کو اس کی ذمہ داری یاد دلائی ہے۔

انما اموالکم و اولادکم فتنۃ

(تغابن)

تمھارا مال اور تمھاری اولاد آزمائش ہے

•

اور یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیے:

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم

(توبہ: ۳۴)

جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے

•

قرآن میں جگہ جگہ اس دولت کے خلاف اعلان کیا گیا ہے جس دولت سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہیں کیا جاتا، جو ظلم، معصیت اور فریب سے حاصل کی جاتی ہے۔

دوسری طرف اسلام انفرادی ملکیت کی بھی نفی نہیں کرتا، کمیونزم کی طرح اسلام کا یہ نقطۂ نظر نہیں ہے کہ مالداری کا خاتمہ کر دے بلکہ وہ دولتمندوں کو زکوٰۃ کی ہدایت کرتا ہے۔ ترغیب و ترہیب کے ذریعہ غریبوں پر خرچ کرنے کی طرف توجہ دلاتا ہے۔

حدیث میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من صاحب ابل ولا بقر ولا غنم لا یؤدی زکوتہا الا جاءت یوم القیامۃ اعظم ما کانت واسمنہ تنطحہ بقرونہا وتطؤہ باخفافہا کلما نفذت اخرھا عادت اولہا حتی یقضی بین الناس

(مسند احمد، بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اونٹوں، گایوں اور بکریوں کے جو مالک زکوٰۃ ادا نہیں کرتے قیامت کے روز ان کا یہ حال ہوگا کہ ان کے یہ جانور پہلے سے زیادہ بڑے اور موٹے ہو کر سامنے لائے جائیں گے جتنے وہ دنیا میں تھے اور یہ اس شخص کے سینگ ماریں گے، پاؤں سے کچلیں گے۔ لوگوں کے اعمال کے فیصلے تک ایک کے بعد دوسرا آتا جائے گا۔

•

آفاقی مذہب

اسلام ایک مستقل اور آفاقی مذہب ہے، اسلام کے مطالعہ سے دلچسپی رکھنے والا کوئی بھی انسان اس کی آفاقیت کا انکار نہیں کرسکتا، اسلام کے دامن میں انسان کے طرز معاشرت، معاملات، سیاسیات اور معاشیات وغیرہ کے متعلق خدائی قوانین اور اصول موجود ہیں، اسلام کے مخاطب دنیا بھر کے لوگ ہیں، اسلام کا پیغام عام ہے، اسلام پکارتا ہے نجات میرے سائے میں ہے، باقی سب کچھ ضلالت ہے۔

فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون ۔	اور حق کے بعد گمراہی کے علاوہ ہے ہی کیا، تم کہاں پھرے جاتے ہو۔

مستقل تہذیب

اسلامی تہذیب ایک مستقل اور دوامی تہذیب ہے، اس لئے کہ یہ تہذیب انسان کی گڑھی ہوئی نہیں ہے، اس تہذیب کا خالق انسان کا خالق ہے اسی لئے اسلامی تہذیب کی حیثیت عارضی نہیں ہے اسمیں دوام ہے اس کی ہدایت اور دعوت بقا قیامت کے وجود تک مقدر کی گئی ہے۔

ہمارے دو کام

اس وقت سب سے بڑا کام اسلام کی بقاء اور حفاظت کا ہے، دوسرا مسئلہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا ہے، یہ دونوں سوال اور مسئلے اہم ہیں اور ان کے حل کی ذمہ داری ہم مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے، ہمیں یہ فیصلہ کرلینا چاہیئے کہ باطل تہذیبیں چاہے جتنی زبردست قوت، طاقت اور توانائی کے ساتھ حملہ آور ہوں ہمیں ان کے حملوں سے نہ صرف اسلام کا دفاع کرنا ہے بلکہ اسلام کو اس کی اصل روح کے ساتھ باقی رکھنے کے لئے اقدام بھی کرنا ہے۔

ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارا وجود وقار اور عظمت اسلام کے وجود، وقار اور عظمت کے ساتھ وابستہ ہیں۔

اسلام کی حفاظت اور دوسروں تک اس کی دعوت کو پہونچانے کے لئے سب سے پہلے ہمیں خود اسلام کا عملی نمونہ بن کر دکھانا چاہیئے، ہمیں چاہئے کہ ہم اپنی ہر مشکل کا حل، ہر مصیبت کا ازالہ، ہر تکلیف کا علاج، ہر زخم کا مرہم اور ہر دکھ کی دوا اسلام میں تلاش کریں، دوسرے دامنوں میں پناہ لینے کی کوشش ہماری مرعوبیت کی دلیل ہے۔

اسلام کے داعی اور مبلغ

صحیح بات یہ ہے کہ اسلام کی دعوت و تبلیغ، اشاعت و حفاظت کے بڑے ذمہ دار علماء ہیں، علماء مذہب کے ہر شعبے سے واقفیت رکھتے ہیں، وہ دنیا کے نشیب و فراز سے بھی باخبر ہیں وہ انبیاء کے وارث اور علوم نبوت کے امین ہیں، انکے

سینوں میں قرآن و حدیث کی دولت ہے، اسی لئے ان اہم مطالبوں کی تکمیل کی ذمہ داری ان ہی لوگوں پر ہے، ہلا کو اس کی صحیح اسپرٹ اور اصل روح کے ساتھ وہی لوگ دوسروں تک پہونچا سکتے ہیں۔

نئے علماء کو دعوت

عربی مدارس نے ۱۸۵۷ء کے بعد ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے، یہ وقت تھا جب اسلام اور مسلمان باطل قوتوں کے نرغے میں تھے، اسلام کے تحفظ کے بہت سے ذرائع اور وسائل ختم کر دئے گئے تھے، لوگ اس دور کی تہذیب اور معاشرت اختیار کرتے چلے جارہے تھے، اس اہم اور نازک موڑ پر مدارس نے رہنمائی کی۔

اسلام کے لئے مضبوط اور مستحکم قلعوں کے باشندوں سے مخاطب ہوں کہ وہ اپنی ذمہ داری محسوس کریں اس سے پہلے کہ یہاں سمرقند و بخارا کی سرگذشت دہرائی جائے نئے علماء کو قیادت سنبھال لینی چاہئے۔

رباعی

از یونس قنوجی

جام مئے تقدیر پئے بیٹھا ہے
اقدام سے اعراض کئے بیٹھا ہے
میداں میں ہے لاف زن غرور باطل
اور تو ہے کہ تسبیح لئے بیٹھا ہے

یونس قنوجی

نذرِ حسینؓ

اے ماہتابِ چرخِ صداقت تجھے سلام ‏ اے آفتابِ صبحِ صداقت تجھے سلام
اے شانِ دودمانِ رسالت تجھے سلام ‏ اے نکتہ دانِ حرفِ محبت تجھے سلام

حق کوش و حق شناس و حقیقت نگر ہے تو
جس پر خودی کو ناز ہے وہ دیدہ ور ہے تو

زندہ ہے تیرے دم سے جہاں میں وفا کا نام ‏ روشن تری جبیں نے ہے صبر و رضا کا نام
سرچشمۂ حیات ہے تیری فنا کا نام ‏ معراجِ زندگی ہے تری نقشِ پا کا نام

ہے زینتِ قبائے حرم تیری موجِ خوں
تیرے قدم پہ کنگرۂ عرش سرنگوں

تیرا جلال تیری انا تیرا سوز و ساز ‏ تیری ادائے سجدہ گذاری ترا نیاز
تیری دعا رکا حسن ترے عشق کا گداز ‏ یزداں شکار، کفر شکن، دوست کارساز

قربان گاہ شوق کی ہے تجھ سے آبرو
تیرے لہو سے دامنِ تاریخ سرخرو

جب کربلا کی ریت میں کچھ سرکشی بڑھی ‏ جب مشعلِ اصول و اساسِ عمل بجھی
جب برقِ تیغِ جور و ستم کوندنے لگی ‏ جب عظمتِ شریعتِ بیضا پہ آ بنی

سر دے کے راہِ حق میں کیا دیں کو سربلند
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

وہ اسوۂ جمیل ہے میری نگاہ میں ‏ سود و زیاں کی ہیچ ہے جس کی راہ میں
ملتی ہے زندگی کی تڑپ جس کی آہ میں ‏ پنہاں ہے ہست و بود جہاں کی پناہ میں

وہ اسوۂ جمیل شہادت کہیں جسے
مفتاحِ بابِ عظمتِ ملت کہیں جسے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وفا کیش صحابیہ اور بے جگر مجاہدہ

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا

انجم عثمانی

جب ایمان روح میں سما جاتا ہے تو جوش اور ہوش کی سرحدیں مل جاتی ہیں۔ دل و دماغ، جذبات و افکار ایک دوسرے میں جذب ہو کر اس لرزہ خیز صدا میں ڈھل جاتے ہیں جو موت کے زرد لبوں پر بھی خدائے واحد کو پکارتی ہے تو وجود کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر خاک پر بکھر جاتا ہے اور تمام فاصلے طے کر کے روح اپنے خالق حقیقی سے جا ملتی ہے۔ جوش اور ہوش کی یہی روحانی طاقت تھی جس نے حضرت صفیہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کو بلندیوں پر پہونچا دیا۔

حضرت صفیہ رض حضرت امیر حمزہ کی حقیقی بہن اور قریش کے ضعیف العمر سردار عبد المطلب کی بیٹی تھیں اور حضور کی وہ خوش نصیب پھوپھی تھیں جن کے لیے آخرت کا ابدی سکون اور ایمان کی وہ لازوال دولت جس کے سامنے قصر شاہی کا فلک بوس غرور بھی زمیں بوس تھا، مقدر کیا جا چکا تھا۔

حضرت صفیہ رض نے منکرین خدا کی تلواروں تلے خدا کی وحدانیت اور رسول کی رسالت کی تصدیق کی تھی۔ آپ نے دین اسلام قبول کر کے اپنے وسیع و عریض وطن کے مقابلہ میں قبر کے تنگ گوشہ کو ترجیح دی تھی تاکہ اس میں اتر کر وہ اپنے معبود حقیقی سے مل سکیں۔

اس بے جگر مجاہدہ کا یہ عالم تھا کہ جب جنگ احد میں لوگ آقائے نامدار حضور کی شہادت کی غلط خبر سن کر میدان چھوڑنے لگے تھے تو اس مجاہدہ نے ہی انھیں للکارا تھا، جس آواز سے مایوس انسان میں نیا ولولہ، نیا جوش پیدا ہوا وہ اس عظیم مجاہدہ کی ہی آواز تھی۔ یہی صدا تھی کہ جو مجاہدین کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ میدان میں پلٹ آئے، اس قابل احترام خاتون نے ہی ان کو پکارا تھا کہ:

"ٹھیرو کدھر جا رہے ہو؟
جہاد جیسی عظیم نعمت
کو ٹھکرائے جاتے ہو۔ اپنے

محسن حضور ﷺ کی دشمنوں سے
کے نرغے میں چھوڑ کر جا
رہے ہو۔ رک جاؤ تم میں
سے کوئی نہیں جائے گا۔
میدان جہاد میں پشت
دکھانا صاحب ایمان کا
شیوہ نہیں "۔

آپ کی اس پرجوش اور ایمان افروز صدا نے ہی مجاہدوں کے قدم روک دیئے۔ یقین اور ایمانی سوز و گداز سے بھری آواز نے شکستہ قلوب میں نئی روح پھونک دی، وہ جیسے نیند سے چونک اٹھے اور غیرت ایمانی سے لبریز نعروں کے ساتھ میدان جنگ میں لوٹ آئے اور ایسے لوٹے کہ فتح و کامرانی ان کے قدم چوم رہی تھی۔

اس قدر جوش کے ساتھ ساتھ حضرت صفیہ رض صبر کا پیکر بھی تھیں۔ انتہا یہ ہے کہ جب حضرت امیر حمزہ رض کو شہید کر دیا گیا اور شہید بھی اس طرح کیا گیا کہ جسم کا کوئی حصہ باقی نہ تھا جو زخمی نہ ہو تو آپ اپنے بہادر بھائی کی لاش کو دیکھنے چلیں۔ اسی وقت حضور ﷺ نے ان کے بیٹے زبیر رض کو آواز دی کہ جاؤ اپنی ماں کو روک دو کہ وہ اپنے بھائی کی لاش نہ دیکھ پائیں گی۔ بیٹے نے آکر حکم سنایا تو فرمایا کہ میں جانتی ہوں کہ میرے بھائی نے راہ خدا میں جان دی ہے اللہ اور اسکے رسول کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ خدا اور رسول کے حکم کی تعمیل پر میں آنسو کیوں بہاؤں ؟ اور جب ان کو حضور نے اجازت مرحمت فرمادی تو واقعۃً انکی قوت ایمانی نے معمولی جذبات کو کچل کر رکھ دیا، اور آپ نے اپنے بہادر بھائی کی لاش کو دیکھ کر صرف انا للہ و انا الیہ راجعون کہا۔

کتنی حسین ہے وہ موت جو زندۂ جاوید کردے اور کتنا عظیم تھا حضرت صفیہ کا صبر کہ جسنے اتنے سخت وقت میں بھی خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کی۔

اس عظیم مجاہدہ کی بہادری کا یہ عالم تھا کہ جب مدینہ شریف کی ساری تیغ آزما مسلم آبادی غزوۂ خندق کے محاذ پر سمٹ آئی تھی، جب یہودیوں اور مشرکوں کی مشترکہ افواج کو اپنی قوت ایمانی کا یقین دلانے کے لئے ہر فرد بے چین تھا۔ جب شوہروں نے اپنی بیویوں کو مدینہ میں خدا کے حوالہ کیا اور باپ اپنے شیر خوار بچوں کو کمزور ماؤں کے سینے سے چمٹا دیکھ کر شہادت کو گلے لگانے چل دیا تھا اس وقت مدینہ میں یہودی یہ خطرناک سازش کر رہے تھے کہ مجاہدوں کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر سب کو ختم کر ڈالا جائے اس وقت حضرت صفیہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ ان کے سینے میں بھی وہ آتش سوزاں ہے جو خدا کے منکروں کو خوف و دہشت سے شل کر ڈالتی ہے۔

قلعۂ اطم کی فصیل پر سیاہ فام خطرات میں چمکنے والی حضرت صفیہ کی دو نسوانی آنکھیں جائزہ لے رہی تھیں اور زبان ان الفاظ کی ادائیگی میں مصروف تھی۔ حسان! اے حسان! دیکھ رہے ہو وہ

قلعہ کے دروازہ تک آپہونچا تھا، یقیناً یہ بزدل یہودیوں کا جاسوس ہے جو کھل کر ہماری طاقت کا مقابلہ کرنے کے بجائے چھپ کر آیا ہے، حسان! جاؤ، اس کا سر تن سے جدا کر دو اور اس کو شجاعت اور بزدلی کا فرق سمجھا دو ـــ حضرت حسانؓ کے لبوں سے ایک مجبوری آہ نکلی ـــ اگر اس قابل ہوتا اور ضعف مانع نہ ہوتا تو کیا اس وقت عورتوں کے درمیان بیٹھا دکھائی دیتا ـــ یہ سن کر حضرت صفیہ ایک جوش کے ساتھ قلعہ کے دروازے پر پہونچیں اور چشم زدن میں ایک کوہ افگن ضرب بن کر اس کی ناپاک کھوپڑی کو پاش پاش کر دیا، یہودی مرد ایک بزدل لاش کی طرح بہادر مومنہ کے قدموں میں گر پڑا ـــ ایک مرد کو قدموں میں پڑا دیکھ کر حضرت صفیہ کا سر بجائے غرور سے اونچا ہونے کے بارگاہ الٰہی میں شکر کے لئے جھک گیا اور انھوں نے اس خالق حقیقی کا شکر ادا کیا کہ جس کے تصور سے وہ قلعہ سے باہر موت کے منہ میں کود پڑی تھیں، حضرت صفیہ نے اس ناپاک کھوپڑی کو تن سے جدا کر کے قلعہ کے سامنے ڈال دیا تاکہ جب دشمن حملہ کرنے آئیں تو یقین کر لیں کہ قلعہ میں صرف عورتیں ہی نہیں جانباز مرد بھی ہیں، جن کی شجاعت میں انسان کی نہیں خدا کی طاقت نظر آتی ہے۔

چنانچہ جب یہودی قلعۂ اطم پر شب خون مارنے آئے تو اس لاش کو دیکھ کر الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور ان کو یقین ہو گیا کہ قلعہ میں عورتیں ہی نہیں مرد بھی ہیں ـــ لیکن وہ یہ فراموش کر رہے تھے کہ اسلام کے دائرہ میں مرد اور عورت کی اونچ نیچ نہیں ہے، دونوں ایک ہی خالق حقیقی کی عبادت کرتے ہیں اور دونوں کے لئے ایک ہی خدائے بزرگ و برتر کے غیبی لشکر امداد کو آتے ہیں۔

بقیع کی خاموش قبرستان میں آج بھی یہ عظیم مجاہدہ، یہ بے جگر اور وفا کیش صحابیہ میٹھی نیند سو رہی ہیں کہ جن کی بہادری کی قسمیں کھائی جا سکتی ہیں اور جن کا صبر و استقلال، فدائیت اور جاں نثاری سے تاریخ اسلام کے اوراق آج بھی روشن ہیں۔

قطرہ سمندر میں

از
سلیمان سالک

۲۲ ر اپریل ،

اشراق کے بعد حرم سے نکل ہی رہا تھا کہ معلم کے منجھلے لڑکے نے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کے کہا " پرسوں جمعہ ہے روانگی ہوگی سلیمان صاحب طیار ! " اور وہ تو چلا گیا ، میں از خود رفتہ سڑک پہ تا دیر کھڑا رہا ، ہائے ان جلووں سے

لگی آگ میرے جگر میں یوں
نہ لگے کسی کے بھی گھر میں یوں
نہ تو لو بڑھی نہ چمک ہوئی
نہ شرر اڑے نہ دھواں اٹھا

مبہوت ، سراسیمہ ، میرا وجود بچوں کے غباروں کی طرح سمٹ گیا جیسے پن کر دیا جاتا ہے اور ہوا نکل جاتی ہے ، کیا مجھے جانا پڑے گا ؟
ابھی تک میں اس گلستان میں تتلی کی طرح اڑتا رہا ، اس چھوٹی سی عظیم الشان بستی کو جتنا بھی دیکھا بہت کچھ دیکھا اور حق یہ ہے کہ کچھ بھی نہیں دیکھا ،

ابھی تک ہوش بھی نہ تھا ، مصروف اس طرح تھا کہ جیسے یہیں رہنا ہے ، لیکن قسام ازل نے مقدر میں دس روز لکھے تھے ، سہ شنبہ ۱۵/۴ سے جمعہ ۲۵/۴ تک اور بس . ع

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

جہاں زندگی کے دس ہزار سال گذرنے تھے وہاں صرف دس روز ؟ اے اللہ ! یہ وقفہ مختصر بھی بہت ہے جہاں کی ایک لمحہ کی حضوری کے لئے بڑے بڑے اہل اللہ ، بڑے بڑے اصفیا ترستے چلے گئے . کم نہیں ، تیری مہربانی ! اے اللہ ! ان سجدوں کو قبول فرمالے جو تیرے محبوب کی چوکھٹ پہ تیرے لئے کئے گئے ہیں ، رحمۃ للعلمین کے دربار سے خالی بھیجنا تیری شان پہ داغ ہوگا ، اس سفر کو قبول فرمالے ! ستار العیوب نامۂ اعمال کی سیاہیاں میٹ دے ، پردہ پوشی فرما . تجھے گنبد خضرا کا واسطہ !

ہوش آیا اور پھر مسکن کی طرف چل دیا۔ آہستہ آہستہ
گھر سے واپس ہوا تھا تو مدینہ کی ڈھارس تھی، عظیم
سرکار سے عظیم بارگاہ تک۔ لیکن اب دل دھڑک
رہا ہے، نبضیں ڈوب رہی ہیں، آگے اندھیرا ہے
کس چوکھٹ پہ سر پھوڑوں گا۔

ایک سیلاب کرم آیا تھا جسنے چہ بچہ سے نکال کر
دریاؤں اور سمندروں کی گود میں ڈال دیا، وسیع و
ارفع پاٹوں اور موجوں سے کھیلنے کے لئے؟ کیا اب
پھر اس کیڑے کو اسی چہ بچہ میں، اسی نالی میں،
کلبلانے کے لئے واپس کر دیا جائے گا؟

مالک! تیرے محبوب کے دربار میں لوگ
سکون مانگنے آتے ہیں، میں نے اضطراب چاہا
لوگ عافیت چاہتے ہیں، میں نے درد کی آرزو کی،
لوگ زندگی کی میٹھی مسکراہٹ چاہتے ہیں، میری درخواست
چشم گریہ بار کی ہے، تیرے اختیار میں سب کچھ
ہے داتا! وہی دیدے جو میں چاہتا ہوں، تیری
گلی میں ایک انوکھا سوالی آیا ہے اس کی آرزو
کی لاج رکھ لے!

میرے چہرے کی نمائشی طمانیت، میرے
سینہ کا ظاہری سکون تجھ پر ظاہر ہے ورنہ حقیقت
ہے میرے مالک

از گردش چشم واژگوں می گریم
در جور زمانہ بیں کہ چوں می گریم
با قدِ خمیدہ چوں صراحی شب و روز
در قہقہ ام ولیک خوں می گریم

(احمد بیگ اصفہانی)

اسی عالم میں قیام گاہ پہونچ گیا اور نڈھال
لیٹ گیا ——— سوچتا رہا: پروانہ کی سیاہ
بختی دیکھئے کہ اسے شمع کے سامنے لایا جاتا ہے اور جلنے
نہیں دیا جاتا۔

سیاہ بختی پروانہ بیشتر زیں نیست
کہ روئے شمع بنہادند و سوختن نہ دہند

محبت کی دیوانی عورت کے پاس اس کا محبوب
صرف ایک رات کیلئے آگیا، مسرتوں کے باغیچے
کی کلی کلی کھل گئی، آنکھوں میں رکھ لے، سینہ چیر کے
بند کر لے، کیا کیا کرے؟ ——— لیکن
ان تمام خوشیوں میں ایک کانٹا بھی ہے جو چبھ رہا ہے کہ صبح
ہوتے ہی پھر ہم کو فراق کی آگ میں جلنے کے لئے چھوڑ کر
چلا جائے گا۔ وہ پہلو میں محو استراحت ہے، یہ سوچ
رہی ہے:

سجن سکارے جائیں گے نین مریں گے روئے
بدھنا ایسی کیجئے بھور کبھو نا ہوئے،

معصوم محبت، بے پناہ محبت ناممکن کو ممکن بنانے
کی حسرت کر رہی ہے "بھور کبھو نا ہوئے" کی آرزو،
تو دیکھئے، سورج اب نکلے ہی نہیں، صبح اب ہو ہی
نہیں ——— لیکن کیا کبھی ایسا ہوا ہے؟ اور
ہو سکتا ہے؟ — صبح ہوگی اور وہ چلے گئے، دل پھر
بھی بیتے، زمانہ نے کبھی اپنے فطری تقاضے کی ادائگی
سے گریز کیا ہے؟ اور کر سکتا ہے؟
لطفی مشہدی کا ایک شعر لکھ دیتے

شد چو مہمانِ من آں شمع شب افروز امشب
کاش تا صبح قیامت نہ شود روز امشب

مذاق کی بات نہیں، محبت میں ایک ایسا وقت بھی دل پہ گذرتا ہے جب ناممکن الوقوع اور انہونی باتوں کو آدمی امکانی سمجھنے لگتا ہے، جو کچھ نہیں ہوا جو کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔ تصورات کے پردہ پہ اور تخیلات کے ماحول میں یہ ہفتخواں بھی طے ہو جاتا ہے لیکن ہوتا وہی ہے جو ہونا ہے ——— رات ختم ہوگی، کل کا سورج مشرق سے طلوع ہوگا اور بلبلاتے ہوئے، سر پٹکتے ہوئے عشوہ گری کی دلربائیاں دلِ بے چین کا سارا کرب جانے میں رکاوٹ نہ ڈال سکے گا۔

معصوم دل سہی، مگر اس کی آرزو پر، اس کی خواہش پر، زمانہ، وقت، حقیقت، کائنات کا مفاد اور گیتی کے مظاہر کو کیسے قربان کر سکتا ہے؟

"ابھی کچھ نا ہوئے اور" "شمع شب افروز" کی ہماری سے ہماری رات جس میں آرزوؤں اور تمناؤں کے سیکڑوں ماہتاب جگمگانے لگے ہیں تو اس رات کا صبح قیامت تک سویرا ہی نہ ہو، کبھی سکتا ہے؟

کروڑ دل حسرتیں اور بے شمار آرزوئیں کل کی صبح کی آمد کا انتظار کر رہی ہیں، آج بھی رات جس کی ہم صبح نہیں چاہتے، نہ جانے کتنی روحوں نے تڑپ تڑپ کر سسک سسک کر گذاری ہوگی اور ان کا سہارا اس رات کی "[illegible] گذشت" [illegible] کل کا سورج ان کی خوشی کا پیام لائے گا؟ قریب ہے

گھر میں کبھی ماتم سرائیاں ہو سا گئی، کبھی ہم وصلِ محبوب سے شادکام ہونا گئے، شاخیں اجڑیں گی کبھی ہماری سیج میں پھولوں کی چادر بچھے گی۔

تو ۲۴/۲۵ کی صبح آئے گی، آنی ہے، اس کو ٹالا نہیں جا سکتا، کوئی چپکے سے اتنی مہین آواز سے جتنی آواز پھولوں کی پتیاں پھیلنے میں ہوتی ہے، جیسا وہ کھلتے ہیں کہ:

"تجھ کو اپنے فراق کا تو غم ہے
لیکن ان کے غموں کا احساس
کیوں نہیں جو تیرے فراق
میں بے چین ہیں، جو تجھ کو
اپنے سینے سے لگانا چاہتے
ہیں۔ اپنے غم کو بھول جا اور
ان کی خوشی بھی تو کچھ ہے"

تیری کھیتی جب خشک ہو جائے گی تو ابرِ کرم پھر برسے گا۔ تجھے پھر بلایا جائے گا، تجھے بلاتو سے نہیں؟ کیا تو اپنی مرضی سے آیا تھا؟ کیا تو مختار ہے؟ تیرے پیروں میں طاقت پیدا کی گئی، تیرے پیروں میں ہمت، تیرے سینے میں طلب پیدا کی گئی اور تجھ کو بلا لیا گیا۔ اور اب تو جس نے بلایا تھا اسی کے کہنے سے واپس جا، تو پھر بلایا جائے گا، ایک صبح سعید ایک روزِ عید ایسا بھی آئے گا۔

جمعرات ۲۴ اپریل

آپ نے اپنے تاج محل کو تو دیکھا ہی ہوگا اور ہم یہ بھی فرض کیے لیتے ہیں کہ آپ کی حسن کاری اور خوش نگاہی نے مختلف زاویوں سے، مختلف شکلوں سے مختلف جگہوں سے دیکھا ہوگا اور دل نے بڑا لطف لیا ہوگا، پورا چاند آسمان پہ اور مرمر کا حسین مرقعہ، زمین پہ اور دریا کے کنارے، نوراً علی نور — تاج اور ارض تاج کو میں نے بھی دیکھا ہے!

آج میں آگرہ میں نہیں، مدینہ طیبہ میں ہوں، قسمت کی بات ہے، رات کے پچھلے پہر آنکھ کھل گئی ساتھی سب نیند کے انتہائی شباب کے عالم میں تھے میں چپکے سے اٹھا، گرانی سر میں نام کو نہ تھی، ہوائی پہنی، کپڑے پہنے اور سڑک پہ دروازہ کھلے چھوڑ کر چلا یا (عام طور پر دروازے کھلے ہی رہتے ہیں)

سڑک سنسان ہے، ہندوستانی وقت سے اب رات کے ۳ بجے ہوں گے، پر کیف وقت ٹھنڈی ٹھنڈی مدینہ کی نسیم، اٹھیرا اٹھیرا یثرب کا وقت، سڑک پار کی اور میں مسجد نبوی کے برابر سے وہ سڑک جو سنسان اور غیر آباد ہے کئی دن سے دیکھ رہا ہوں اس پر چل دیا۔

کچھ دور تک کوارٹر نما مکان ملتے رہے غالباً کروبیوں اور سوڈانیوں کی بستی تھی جو مشقت پیشہ ہیں اور بل ڈوزر، ٹرک چلانے کا کام کرتے ہیں، جب آگے بڑھا میدان سا ملا اور میدان کے بعد ایک کھجوروں کا باغیچہ، کھجور کے جھنڈ پر نگاہ پڑی، تو پس منظر میں ایسا منظر دکھائی دیا کہ دل کے سارے تار جھنجھنا اٹھے — گنبد خضرا، وہ مینارے، اور چاند!

حسن عقیدت کی بات نہیں، حریم پیغمبر سے محبت کی بات نہیں، منظر کچھ اتنا دلکش تھا کہ اگر ابو لہب اور ابو جہل بھی ہوتا تو کلمہ پڑھنے لگتا۔

وہ جو حمید نے کہا ہے:

ہوا ہے یوں بھی کہ ہنگام دید، پہروں تک
گئی نگاہ تو پھر لوٹ کر نہیں آئی،

شاید اس فنکار کو بھی کچھ ایسے ہی منظر سے سابقہ پڑا ہوگا اور جبھی اتنا تاج محل جیسا حسین شعر کہہ دیا۔

ہر انسان پہ بعض اوقات ایک کیفیت طاری ہوتی ہے کہ جب شعور میں اس کے کچھ ہوتا ہے اور لاشعور میں کچھ دیکھ رہا ہے وہ مغرب کی طرف تصور میں مشرق کی پرچھائیاں تھرک رہی ہیں، دماغ الجھا ہے، لین دین کے کاموں میں تفکرات مقدمات کی پیچیدگیوں میں پھر رہے ہیں، آدمی دیکھ رہا ہے زید کو لیکن الجھاوے میں نکل رہی عمر والی باتیں۔

تاج محل کا پس منظر ہے کیا؟ صنعت و فن کی معجزہ کاریوں پہ نہ جائیے، آپ کو ہوا و ہوس کا، محبت و ارتباط کی ایک تا دیر قائم رہنے والی والی یادگار اور بس!

لیکن اس چاند، اس کھجور کے جھنڈ، اس گنبد خضرا، یہ منارے، یہ مدینہ، یہ ساڑھے تین کا وقت یہ بقول قائل

نیم خلد نہ وزد مگر ز جو ئبار ہا
کہ بوئے مشک می دہد ہوائے مرغزار ہا
نسیم روضۂ امم بجہد بخشد دم بدم
ز بس دمید پیش ہم بطرف جو ئبار ہا
مہے دو ہفتہ سال او سواد دیدہ خال او
شگفتہ از جمال او بہشت با بہار ہا

چہرہ اس منظر کی طرف، آنکھیں گنبد و میناؤ کا سمت، لیکن نظر میں تیرہ سو برس کے اسلامی مد و جزر کے خاکے۔ ایک یتیم کی ولادت، اخلاق و اصول ایک کا نام، تحریک اور اس کی ابتدا، شدائد اور مصائب کے پہاڑ، چمکتی تلواریں، صحابہ کرام کے سرفروشانہ عزائم فتوحات، فاتحانہ یلغار اور اس کے شریفانہ مظاہر، اور اچانک ایک تیز ہوا کا جھونکا آیا، بدن میں جھرجھری سی آئی ـــــ اور پھر نگاہوں میں وہی گنبد خضرا، وہی چاند اور پھر میں مسجد نبوی بھاگا کہ کہیں تہجد کا وقت ختم نہ ہو جائے ـــــــ دھکیا، دروازے کھل چکے تھے اور میں مشاغل میں مصروف ہو گیا۔

یہ رات عجیب رات تھی دل کہہ رہا تھا
تمہارے وصل کی راتیں کبھی نہ بھولیں گی
مزے ملے انہیں راتوں میں عمر بھر کے مجھے

•

۲۵ اپریل یوم الجمعہ

عشاء پڑھ کے آیا اور سو گیا، تہجد کے وقت آنکھ کھل گئی اور بستر چھوڑ کر حوائج کے بعد نہا دھو کے حرم نبوی چلا گیا، آج آخری رات تھی، سڑک پہ آ کے چاند کو، چاندنی کو، جی بھر کے دیکھا کہ اب یہ میسر نہ ہوگا، اور حرم پہونچ گیا۔

کچھ تو یہ وقت ہی جاں سوز اور دل گداز ہوتا ہے اور کچھ روانگی کا احساس، رخصتی کی تکلیف نے اور بھی قلب کو مضطرب کر رکھا تھا، تحیۃ المسجد کی نفل کے بعد تہجد کی رکعات ادا کیں، ابھی فجر میں وقت تھا مسجد دلھن بنی ہوئی تھی، پرسکون عمارت میں آہستہ آہستہ چل کے دربار رسالت میں پہونچ گیا، مسجد نبوی کا یہ حصہ مسجد نبوی کا دل ہے اور آپ یقین کیجئے اگر آدمی یہاں دل لے کر آئے تو آگ سینہ میں بھر کر واپس ہوگا میں اپنا کیا کہوں ع

سینہ خالی، آنکھیں ویراں، دل کی حالت کیا کہئے

رندھے ہوئے گلے اور آنسو بھری آنکھوں سے دست بستہ سلام عرض کیا، آدمی بہت تھوڑے تھے بالکل جالی کے پاس کھڑے ہونے کی سعادت ملی۔ ہونٹ کپکپا رہے تھے، تھوڑا آگے سرک کر رفیق غار کی خدمت میں سلام پیش کیا، پھر تھوڑا اور آگے سرک کر حضرت عمر کی خدمت میں سلام عرض کیا اور پھر پلٹ کر دربار نبوت میں سوز صدیق کا واسطہ دیکر دوبارہ حاضری کی درخواست پیش کی اور واپسی کی اجازت طلب کی، زبان کو یارا نہ ادائے الفاظ نہ تھی یہ کچھ نہ کہنا ہی سب کچھ کہہ دیا تھا کہ فجر کی اذان ہونے لگی، یہ پرکیف حالت ختم ہوئی اور ہم ریاض الجنۃ کو چلدئے، جگہ مل گئی، سنتیں ادا کیں اور پھر نماز فجر ـــ دیر تک دعا میں مصروف رہے اور

بے ارادہ حرم سعود کو پیرا اٹھنے لگے۔

حرم کی صراحیاں، فانوس، قالین میرے جذبات سے گذشتہ ہو رہے تھے کہ دالان میں پہونچ کر گنبد خضرا کو دیکھا۔

سپیدۂ سحر کی نمود ہونے لگی تھی، صبح کا سہانا سماں وہیں بیٹھ گیا اور ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگا۔

سورج طلوع ہوا، بلند ہوا، اشراق پڑھی اور باب مجیدی سے باہر آگئے، ایک ریسٹوران میں ہلکا ناشتہ، "تلیانی شا" کے ساتھ لیا اور گھر پہونچ گئے۔

ساتھی سامان اٹھوا رہے تھے، بس آچکی تھی، بستر باندھا، حمال کے حوالہ کیا، ایک جھولا، ایک لوٹا — ایک جانماز رکھ لی اور پھر فکروں میں ڈوب گئے۔

جمعہ کی نماز کا وقت آرہا تھا، کھانے سے فراغت کرکے پھر باہر نکل کھڑے ہوئے۔

ہر ہر چیز پر، ہر ہر مکان پر الوداعی نظریں ڈال رہے تھے —— حرم پہونچ گئے، حرم بھر چکا تھا، اصحاب صفہ کے چبوترے پر نماز پڑھی اور ہلکے قدموں سے مسجد نبوی سے نکلنے لگے جہاں بس کھڑی تھی، بس تیار تھی، آدمی منتظر تھے، ڈرائیور غائب!

عصر تک بیٹھے رہے اور ڈرائیور نہ آیا، بس پھر چھوڑی اور عصر کے لئے حرم پھر چلے اور جب عصر کے بعد پلٹے تو ڈرائیور آچکا تھا —— "بیٹھو بیٹھو" اور سب بیٹھ گئے، گھنٹی ہوئی، بس چل دی!

نہ جانے کیا بات ہے، فجر کے بعد سے آنسو نہیں نکل رہے ہیں، دل ہل نہیں رہا ہے، بے قراری اور اضطراب پر قابو ہے —— مکہ کی واپسی پر پورے وجود کا بلبلانا یاد ہے، بس چل رہی ہے شہر مدینہ سے گذر رہی ہے، شہر مدینہ آنکھوں سے گذر رہا ہے، شاہراہیں گذر رہی ہیں، دوکانیں گذر رہی ہیں، آنکھیں اطمینان سے سب کچھ دیکھ رہی ہیں اور دل پورے وثوق کے ساتھ مطمئن ہے۔

دو وجہیں سمجھ میں آتی ہیں، یا تو

خشک شد کشت امید و قحط نہ شد تخم وفا
ز آتش دل تا در ابر چشم من باران نماند

سینہ کی لگی ہوئی آگ نے آنکھوں کے بادلوں کو سکھا دیا ہے اور کھیتی مرجھا گئی، وفا کا بیج جل گیا ہے، یا پھر — جو صبح دعا مانگی تھی وہ قبول ہو گئی!

●

۲۶ / اپریل

مدینہ سے عصر کی چلی ہوئی بس نماز مغرب کے لئے ایک صحرا میں روکی گئی —— لق و دق صحرا جدھر نگاہ اٹھتی ہے آسمان سے دور جاکر ملتی ہوئی زمین یہ منظر بڑی حد تک سمندر کے اس منظر سے ملتا جلتا ہے جس کو شروع میں کہیں عرض کر چکا ہوں اور جبھی علامہ اقبال نے اس زمین، اس صحرا کو بحر خشک سے مشابہت دی ہے: ع

اس بیاباں یعنی بحر خشک کا ساحل ہے دور

وضو کیا، مغرب کی نماز جماعت سے پڑھی اور دو سنتوں کے بعد بھاگے "التوفیق" بس اسی

کی طرف پھر بھاگنے لگی، عشا پھر ایک منزل پر پڑھی گئی اور پھر بس بھاگی اور صبح ۹ بجے ہم جدہ پہونچ گئے۔

۲۷ اپریل

مدینۃ الحجاج میں بس سے اترا اور ہولڈال بچھا کر سو گیا۔ تھکن سے چور چور تھا، ظہر میں جگایا گیا نہایا، کپڑے پہنے، مسجد میں نماز پڑھی۔

جدہ کا موسم اچھا نہیں، وہی جو ہندوستان میں ساحلی شہروں کا حال ہے۔ ہوا ٹھنڈی چل رہی مگر پسینہ سوکھتا نہیں، لاکھ نہاؤ مگر بدن چپچپایا سا رہتا ہے۔

ٹہلتا ہوا ملاباری ہوٹل میں پہونچ گیا، کھانا کھایا، غنیمت تھا اور پھر سگریٹ کے کش لگاتا ہی جا رہا تھا کہ "عبدالرحیم انصاری" لپٹ گئے، بولے:

"پکڑ ہی لیا" "ڈھونڈھ ہی لئے گئے"۔ ساتھیوں کو خبر دینے کے لئے بھاگے، میں نے روکا اور کہا کہ کی خلاف دعدہ کی شکایت کی تلافی آج رات کی رات کرلو، لیکن تھوڑا جدہ دیکھ لینے دو، مجھے کوئی کام نہیں، میں جہاز کی روانگی تک بالکل تمہارا ہوں اور ایک ٹیکسی لیکر "سارگابل" چل دے۔ میں نے انصاری سے کہا، یہ سارگابل کیا ہے؟

"ایک بازار" — "عربی کے حروف تہجی تمام گ" کہاں سے آگیا؟" — انھوں نے کہا: "اب نیا تلفظ جنم لے رہا ہے۔

ٹیکسی ایک جگہ رکی، سڑک کے پتھر پر لکھا تھا "شارع قابل" اور یہ "سارگابل" کا صحیح تلفظ تھا۔

جدہ کی دوکانیں بڑی شاندار، جن دوکانوں میں گھسا زیادہ تر مجھے ایرکنڈیشنڈ نظر آئیں، سڑکوں پر چلنے والے آدمی کم، کاریں زیادہ، جہاں دیکھو ڈھیر کا ڈھیر کاروں کا لگا ہوا ہے، اور نئی کاریں، امپالا اور رولس رائس، چھوٹی کاریں تو نظر ہی نہ آئیں، البتہ ایک چھوٹی جیپ کہ جو ہمارے یہاں کے جیپوں سے بے مبالغہ ½ چھوٹی اور کاریں اتنی تیز کہ پیر ایکسیلیٹر پر رکھا اور میٹر کی سوئی ۸۰۔ ۹۰ پہ رینگنے لگی۔ ڈرائیور سیٹ رائٹ ہینڈ ہے، میں بائیں کا عادی ہوں قدم قدم پہ گمان ہوتا ہے اب آنے والی گاڑی سے ہماری گاڑی کی ٹکر ہوئی۔

انصاری کے ساتھ پیدل ٹیکسی پر خاصہ جدہ گھوم لیا، ابھی بہت ماڈرنائز ہونا ہے، قدامت مشکل سے پیچھا چھوڑے گی، چلتے چلتے ایسا معلوم ہوتا ہے کبھی ہم بے حد متمدن شہر میں ہیں اور کبھی گمان ہوتا ہے کہ یہاں تمدن کی ہوا بھی نہیں آئی۔

عصر انھیں کے ساتھ پڑھی، مغرب سے ذرا پہلے مدینۃ الحجاج گئے تاکہ ساتھیوں کو خبر کردوں کہ میں دیر میں آؤں گا اور مغرب پڑھ کر ان کے ساتھ ان کے دوستوں کی مجلس میں چلا گیا۔

جدہ میں مختلف ملکوں کے سفارتخانے ہیں، غیر ملکوں کے کاروباری آفس ہیں اور ایک طرح کا بین الاقوامی شہر ہے —— تو یہاں

ہندوستان اور پاکستان کے خوش ذوق لوگ بھی ہیں —
یہاں میں نے دیکھا علمی مجلسوں میں صرف زبان کا اتحاد مقدم رہتا، پولیٹیکل کیریکٹر کم، باہر سے حج کے دنوں میں یا عمرہ کرنے والوں میں اگر کوئی صاحب فن آگیا تو اس سے استفادہ بھی کرتے ہیں اور اپنے ذوق کا مظاہرہ بھی ——— نہ جانے کیسے میرے بارے میں ان کو شروع ہی میں پتہ چل گیا تھا اور مکہ کے دوران قیام دوبار وعدہ لئے لیکن میں نکل نکل گیا اور آج مقبول انصاری کے ہاتھ پکڑ ہی لیا گیا۔

مغرب کی نماز کے بعد پیدل مختصر راستوں سے گذرتا انصاری کے ہمراہ جا رہا تھا کہ ایک نئی شاپنگ بلڈنگ کے سامنے ڈھیر سی چمکدار کاریں کھڑی دیکھیں میرے وہم میں بھی نہ تھا، مجھ فقیر، پھٹے حال شخص سے ملاقات کرنے والوں کی یہ گاڑیاں ہیں، استقبال کرنے والے چند نئے چہروں نے خوش آمدید کہا، اور نہایت پرتکلف کمرے میں جہاں بہترین قالین صوفے پڑے ہوئے تھے گھسیٹ کر بٹھا لیا —
ایک ایک شخص سے تعارف ہوا اور ادبی گفتگو ہونے لگی ——— چائے آئی، وہ بسکٹ اور مٹھائی بھی تھی جس کی لذت سے زندگی نا آشنا تھی، وہ ظروف تھے جن کو دیکھا ہی نہ تھا۔

بہرحال شعر خوانی شروع ہوئی ——— ان دوستوں نے بہت کچھ سنایا بھی اور سنا بھی، مجھے افسوس ہے کہ میں ان کو کچھ نہ دے سکا کہ میری یاد داشت میں بہت کم تھا اور حج کے راستے میں وہ سب نے کے چلنا ممکن بھی نہ تھا لیکن خوش ہوں کہ کلیۃً محرومی نہ رہی اور رات کے ڈیڑھ بجے نشست اختتام پذیر ہوئی پتوں کا تبادلہ ہوا اور میں ایک صاحب کی کار پر انھیں کے ساتھ مدینۃ الحجاج کو چل دیا

ہم احباب صرف اتنی ہی دیر کے تھے، یہ رابطہ اول بھی تھا اور آخر بھی۔ یہ تعلق یہیں شروع ہو کر یہیں ختم ہوگیا، صرف آئندہ کے لئے حاشیۂ خیال میں چٹکیاں لینے کے لئے یاد رہ گئی۔

گاڑی جب اسٹارٹ ہوئی تو انھوں نے کہا چاہیں تو رات میں جدہ کیسا لگتا ہے دیکھ لیں اور گاڑی چھوٹی بڑی سڑکوں سے، نئی نئی بستیوں سے گذرتی رہی، رات بھیگ چکی تھی، جھپکیاں آ رہی تھیں پھر بھی گھومتا رہا اور پھر گھنٹہ بھر بعد ہماری گاڑی مدینۃ الحجاج کے گیٹ پر آ کر رکی، گلے مل مل کے رخصت ہوئے اور میں جب کمرے میں پہونچا ہوں تو چپکے سے بستر پر دراز ہوگیا۔

•

۲۸ / اپریل

رات کو بڑی دیر میں سویا تھا، فجر کی اذان کے بعد جگانے پر بیدار ہوا، پھر بھی نماز مل گئی، مسجد سے واپس ہوا تو سامان بندرگاہ کے لئے جا رہا تھا، سورج نکل آیا ہے، ایک عربی ریستوران میں چائے پی رہا ہوں اور یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔
بارہ بجے ہم لوگ خود بھی بندرگاہ چل دئے سامان جا ہی چکا تھا، سارے ٹرک، ٹھیلا گاڑیاں

شرطوں پر جا رہے ہیں، اندر نہیں جانے دیا جا رہا ہے
سنا ہے کوئی طوفان آنے والا ہے۔

عصر کے وقت اتنی تیز ہوا چلی، اتنی سرد
کہ برفانی موسم کی بوچھار، بندرگاہ میں کھڑے جہاز
جھولے کی طرح جھول رہے ہیں، جہازوں نے
روانگی ملتوی کر دی، سامان پھر مدینۃ الحجاج کو
جا رہا ہے اور خود بھی لوگ واپس ہو رہے ہیں۔
کمرے کے دروازے بند کر لئے ہیں اور
ہولڈال کھول کر عشاء پڑھی اور سو گیا۔

•

۲۹ر اپریل

فجر کے وقت سامان پھر بندرگاہ جا رہا ہے
گیٹ کھلے ہیں، سامان جہازوں پر پہونچ گیا،
لوگ پہونچ گئے اور جہاز ٹھیک ۱۰ر بجے روانہ
ہو گیا ——— محمدی سے آیا تھا، مظفری
سے جا رہا ہوں۔

سرزمین حجاز! الوداع!

•

۲ر مئی

جہاز ہندوستان واپس آ رہا ہے، ۲۹ر۴ کو
چلا تھا، آج ۵ر۴ تاریخ ہے، موسم نہایت
اچھا ہے اور اچھا ہی رہا، جو طوفان جدہ کے ساحل
پہ اچھل کود مچا رہا تھا اور جس نے جہاز کو ایک دن
کی تاخیر میں ڈال دیا، جدہ ہی میں غرق ہو کر رہ گیا

مظفری میں جہاں اور بہت سے دلدادہ دین
اور کرم فرمایان سفر ہیں۔ ایک بزرگ قاضی جواد حسین
صاحب بھی ہیں، ۷۰ـ۷۵ کی عمر، خوش وضع
اچھے طبیب، عالم دین، مولانا یوسف دہلوی کے
ساتھیوں میں ہیں، کرت پور میں مکان ہے، صاحبزادے
سعودی عرب میں ملازم ہیں، اکثر آنا جانا رہتا ہے
مولوی ہیں اور خاندانی مولوی لیکن پیرانہ سال نوجوان
بہ ایں قابلیت و علمیت دلچسپ و سادہ اور بایں
مولویت مولویوں کے چکر سے آزاد ——— عربوں
پر گفتگو چل نکلی، فرمانے لگے:

"عربوں کی سرشت میں اسلامیت
ہے لیکن ان پر اوپر سے لادینیت
لادی جا رہی ہے، ہم ہندوستانی
مسلمانوں کی جبلت میں دین نہیں
ان پر اسلامیت خارجی طور پر ٹھونسی
جا رہی ہے اور جیسی زندگی میں
مذہب کا لباس ان پر چست اور
ان پر ڈھیلا ہے۔ عربوں کو دین
سے بیگانہ کرنے کی اسکیم یورپ
و امریکہ کے اہل نظر چلا رہے ہیں
اور ہم پر دین ٹھونسنے کے اچھے
یا برے فعل کے ذمہ دار ہمارے
تقلید پرست علماء اور مبلغین ہیں"
بات سے آپ اختلاف کتنا ہی کریں لیکن یہ
تو آپ کو سوچنا ہی پڑے گا کہ اگر یورپ کے اہل نظر

اور ہمارے علماء درمیان سے ہٹ جائیں اور انکے سارے کئے دھرے کو سپردِ آب کر دیں تو ہندوستان میں عام مسلمان کی شکل وصورت کیا ہوگی ؟

ڈبیہ کھولی، ایک پان میری طرف بڑھایا، انکار پر خود اپنے لبوں میں دبالیا اور تمباکو کھاتے ہوئے بولے: تمہاری کیا تواضع کروں؟ میں نے کہا، سگریٹ! ــــــ بولے ارے میاں لطیف پیکٹ تو لاؤ، اس وقت تو میں ان کو شراب بھی پلا سکتا ہوں، کیونکہ یہ میری کڑوی باتیں پی رہے ہیں، پھر بولے:

"عرب کو طواف کرتے دیکھا ہے آہستہ آہستہ جیسے وقار کا سمندر نماز پڑھتے دیکھو تو خلوص کا مرقع، ملتزم پہ دیکھو تو جیسے ماں کے سینے سے چمٹا ہو ــ قرآن کی تلاوت میں ثواب کی خاطر نہیں پڑھتا، اس تو میں موقع ومناسبت سے کیفیات کا اظہار ہوتا ہے، برخلاف سالک صاحب ہمارے ہر قول وعمل میں تصنع، تکلف کے عناصر نمایاں ہوں گے، توحید میں شرک کی آمیزش، جانی والہانہ پن [illegible] تلاوت کی آواز میں [illegible] ۔ [illegible] میں [illegible]

صلاۃ وسلام بھی اور دل سوز واضطراب سے بے بہرہ ہے ــــ اور یہی وجہ ہے اسی فیصد ہندوستانیوں کے نزدیک ایک بدعت ہے اور دربارِ رسول ایک خانقاہ سے زیادہ کچھ نہیں، جیسے آتے ہیں ویسے ہی چلے جاتے ہیں۔"

ایک اور صاحب مولانا عبدالسمیع صاحب اس موضوع پر کہ عرب میں دین موجود ہے بولے "ایک بدو کا علاج ایک امریکن ڈاکٹر کر رہا تھا، مرض بھی پیچیدہ تھا، علاج میں توجہ بھی اسے کرنی پڑی، ڈاکٹر کا تعین مشن کی طرف سے تھا اور مشن کا مقصد اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ جس طرح ہو اقتصادی، معاشی، انتظامی، طبی ہر طرح سے انھیں مذہب سے بیگانہ کیا جائے، بلکہ متنفر، عیسائیت سے اگر رغبت ہو خیر!

بدو اچھا ہوگیا، عرب خوددار ہوتے ہیں شفا یابی کے صلہ میں ڈاکٹر کو کیا نذر کرے؟ خود دولتمند ہے نہیں، اس نے کہا (ایک مترجم کے ذریعہ) ڈاکٹر کو ہماری شکر گذاری اور ہدیۂ امتنان دو اور ان سے کہو ہمارے پاس کچھ نہیں، ہم آپ کو کچھ نہیں دے سکتے، سوائے دعا کے اور دعا یہ ہے اللہ ڈاکٹر کو دولت اسلام سے نوازے، ان کے پاس سب کچھ ہے سوائے دولت اسلام اور ہمارے پاس کچھ نہیں سوائے اسلام [illegible] [illegible] ایک عرب، ایک [illegible]

عرب کی غیرت دیکھئے لیکن یورپ کو عرب سے سب کچھ چاہئے ــــــ سونا چاہئے، پٹرول چاہئے، کروسیم چاہئے، یہاں کا خشک صحرا چاہئے، یہاں کی گرم ریگ چاہئے، لیکن ــــــ اسلام نہیں چاہئے۔

عرب آج بھی جب کہ بازار میں شہوانی اشیاء کی افراط، آرائشی سامان کی بہتات ہے، وہ اپنی پرانی روایت قدیم تاریخ سے علیحدہ نہیں کہا جاسکتا، آج بھی عفت و عصمت کا محافظ ہے، آج بھی ریڈیو کے ہنگاموں، قاری باسط کے لحن پر جھومتا ہے، ٹیلی ویژن ہے لیکن فحاشی نہیں، ڈرامے نہیں ــــ عسکریت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

آج بھی یہاں چوری، زنا، رہزنی، شراب کا وجود نہ ہونے کے برابر ہے، آج بھی ان کی خواتین یورپ کی طرح فحاش بلکہ ہندوستان کی طرح بے پردہ بھی نہیں!

یہ وادیٔ غیر ذی زرع کے رہنے والے یہ تپتے پہاڑوں کے پڑوسی، یہ گرم ریگستانوں کے رہرو، ابد تک اسلام کے سائے میں زندہ رہیں، ان کا مکہ ان کا مدینہ دنیا کے کروڑوں لوگوں کے لئے منارۂ نور بنا رہے ●

ــــــ (آئندہ) ــــــ

تحریر:- محمد علی الصابونی (استاذ شرعی کالج مکہ مکرمہ) ترجمہ و تلخیص وسیم احمد اعظمی

بعض بزعم خود تعلیمیافتہ لوگوں کا خیال ہے کہ پردہ جو مسلمان عورتوں کیلئے ضروری قرار دیا گیا ہے یہ اسلام کا فرض کردہ نہیں ہے بلکہ عباسی دور حکومت کی دین ہے اور بعض فرماں رواؤں کی سفارش پر لازم کیا گیا۔

یہ ایک فرسودہ تصور ہے جس کا صحت ویقین کے ساتھ دور کا بھی واسطہ نہیں ہے، ان نا سمجھ لوگوں کے اس تصور کے دو ہی محرکات ہو سکتے ہیں، یا تو وہ اسلام اور اس کی تعلیمات سے ناآشنا ہیں، یا پھر اس تحریک کی بنیاد وہ خواہشات ہیں جن کا مطمح نظر ہی اسلام کو بدنام کرنا اور اس کی تعلیمات کو بے حقیقت بنانا ہے۔

پردہ اور اسلام

باری تعالیٰ نے متعدد مواقع پر ارشاد فرمایا ہے:-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ ۳۳/۳۳	اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم زمانۂ جاہلیت کے دستور کے موافق مت پھرو۔

ایک موقع پر ان لوگوں کو اس کی تلقین کی گئی جو امہات المومنین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کی چیزیں مانگتے ہیں یا کچھ سوالات کرتے ہیں کہ وہ پس پردہ ہو کر کچھ پوچھیں۔

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ۳۳/۵۳	اور جب تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔

ایک جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُل لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ	اے پیغمبر! اپنی بیبیوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دوسرے مسلمانوں

چمڑے کے تمام
سفری سامان
کیلئے
ٹریول گو
حسرت موہانی روڈ کانپور
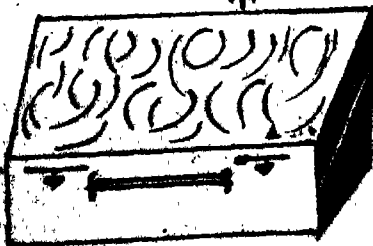
عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ط

۳۳/ ۵۹

(کی بیبیوں سے بھی کہہ دیجئے کہ (سر سے) نیچے کر لیا کریں (اپنے چہرے کے) اوپر تھوڑی سی اپنی چادریں، اس سے جلدی پہچان ہو جایا کرے گی تو آزار نہ دی جایا کریں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ ، وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۔

۲۴/ ۳۱

(اسی طرح) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دیجئے کہ (وہ بھی) اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع) کو ظاہر نہ کریں، مگر جو اس (موقع زینت) سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کے ہر وقت چھپانے میں حرج ہے) اور اپنے دوپٹے اپنے سینوں پر ڈالے رہا کریں۔

•

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ "پردہ" مسلمان عورتوں کے لیے قطعی طور پر وجوب کا حکم رکھتا ہے، یہ کسی کی کورانہ تقلید و پیروی نہیں ہے

پردہ کی حکمت اور اسباب وجوب۔

پردہ کی فرضیت اور اس کے اسباب و محرکات پر غور کیا جاتا ہے تو یہ امر بالکل روشن ہو جاتا ہے کہ اس " اسلامی فرضیت " سے مقصود ان برائیوں کا انسداد ہے جو انسان کے دلوں میں گھر کر لیتی ہیں

یہاں یہ بات فراموش نہ کرنا چاہئے کہ بعض بیمار قلب، نفس پرست عورتوں سے مذموم خواہشات وابستہ رکھتے ہیں اور ہمہ وقت ایسے مواقع کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں جن میں وہ ان معصوم صفت عورتوں کی زندگی سے کھیل سکیں ۔

ہر پڑھا لکھا جانتا ہے کہ آج کی اخلاق سوز برائیاں موجودہ بے پردگی کے سبب ظہور پذیر ہوئی ہیں، اسی وجہ سے آج کی ماڈرن نسل نکاح جیسی اہم ضرورت سے گریزاں ہے، کیونکہ موجودہ بے پردگی نے انھیں بہت سے دوسرے راستوں سے آگاہ کر دیا ہے جس سے وہ "بلا مزاحمت احدے" اپنی مذموم خواہشات پوری کرتے رہتے ہیں اور یہ طرز عمل بلا شبہ ایک ترقی پسند ملک، ایک شائستہ معاشرت کی تباہی کیلئے کافی ہے ۔

اسلام نے معاشرہ کی دکھتی نبض پر ہاتھ رکھا اور اس مرض کا انسداد " پردہ " کے شرعی وجوب سے کیا اور اس کے احکام و آداب کی پابندی کا حکم دیا۔

عورتوں کا بے پردہ نکلنا، اپنے کو نقدر قیمتی لباس، نئے رنگ و روپ، ماڈرن چہرے مہرے میں پیش کرنا، مردوں کی سوسائٹی میں جانا، یہ سب برائیاں فحش گری، عصمت فروشی کی طرف ایک "سوز قدم" کی حیثیت رکھتی ہیں، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ
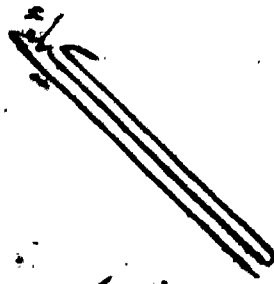
نے پردہ کے وجوب سے ان تمام اسباب کا قلع قمع کر دیا جن سے اس پرخطر راستہ کی طرف رہنمائی ہوتی تھی۔ عورتوں کو مردوں کی محفلوں میں جانے سے روکا اور مردوں کو اجنبی عورتوں کی طرف دیکھنے سے منع کیا، عورتوں کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ بلا محرم سفر نہ کریں اور اپنی عفت و عصمت کی از خود حفاظت کریں۔

جب ہم ان واضح باتوں پر غور کرتے ہیں تو یہ بات خوب خوب واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ عورتوں کی "بے پردگی" اور ان کا بے مقصد سڑکوں پر نیم عریاں گھومنا یہی وہ قوی اسباب ہیں جن سے جرائم جنم لیتے ہیں اور معاشرہ تباہ ہو جاتا ہے۔

ایک عرب شاعر نے غالباً ایسے ہی موقع کے لئے کہا ہے:۔

كل الحوادث مبدأها من النظر
ومعظم النار مستصغر الشرر
والمرء مادام ذا عين يقلبها
في اعين الغيد موقوف على خطر
يسر مقلته ما ضر مهجته
لا مرحبا بسرور عاد بالضرر

(ترجمہ) تمام حادثات کی ابتدا نگاہوں ہی سے ہوتی ہے (اگرچہ نگاہ کا ملنا ایک معمولی فعل ہے) مگر جہنم کا بڑا حصہ چھوٹے چھوٹے شراروں پر ہی مشتمل ہے، اور جوان آدمی جب تک اپنی نگاہوں کو گھماتا پھراتا رہتا ہے یہ خطرے کا نشان بنا رہتا ہے، ایسی خوشی کو ختم کر دینا ہی مفید ہے جس سے نقصان کا اندیشہ ہو، ایسے سرور کو خوش آمدید نہیں کہا جا سکتا جو مضرت کے ساتھ ملحق ہے۔

طلاق کی زیادتی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ازدواجی زندگی موجودہ "بے پردگی" سے مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، ازدواجی زندگی کی مفلوجیت سماج و افراد کی موجودہ برائی جنھوں نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، یہ سب اسی بھیانک مرض کے ثمرات ہیں۔

پردہ عقل کی روشنی میں

بالفرض پردہ کے سلسلہ میں نصوص قرآنی کا نزول نہ بھی ہوتا پھر بھی عقل اس کے وجوب کو چاہتی، اس لئے کہ مرد و عورت کے درمیان جنسی کشش کی وجہ سے ایک فطری رجحان پایا جاتا ہے اور دوسرے انسان کا دل خواہشات کا مسکن ہے اور انسان اپنے اعصاب پر مختار کل نہیں ہوا کرتا بلکہ وہ گرد و پیش کے حالات سے متاثر بھی ہو جایا کرتا ہے اسی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ما ترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔ (بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ)	میں نے اپنے بعد عورتوں سے زیادہ مضر اور نقصان دہ فتنہ مردوں کے لئے کوئی نہیں چھوڑا۔

ایک دوسری جگہ موجود ہے:۔

ان الدنیا حلوۃ خضرۃ وان اللہ	دنیا ایک میٹھی اور شاداب جگہ ہے اور اللہ تعالی

مستخلفکم فیہا فناظر کیف تعلمون فاتقوا الدنیا واتقوا النساء فان اول فتنۃ بنی اسرائیل کانت فی النساء

نے تمھیں اس میں خلیفہ بنایا ہے وہ یہ دیکھتا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو، دنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو اس لئے کہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے ہوا۔

(مسلم شریف)

خود قرآن شریف میں بھی اس کی صراحت ہے:۔

وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا۔ (۲۵ / ۲۰)

اور ہم نے تمھارے بعض کو بعض کے لئے فتنہ بنایا ہے کیا تم صبر کروگے (یعنی صبر کرنا چاہئے) اور آپ کا رب خوب دیکھ رہا ہے۔

جب عورت بے پردہ نکلتی ہے تو شیطان اسکی رہنمائی کرتا ہے اور اس سے سماج و افراد دونوں متاثر ہوتے ہیں، شادی شدہ اور غیر شادی شدہ دونوں ہی زندگیوں کو خطرہ لاحق ہوتا ہے۔

شادی شدہ زندگی یوں تباہ ہوتی ہے مثلاً اگر کوئی حسین وجمیل عورت، نیم عریاں، نیم نمایاں ہوکر نکلے اور اس مرد کی بیوی اس عورت کے برخلاف بدصورت ہو تو وہ مرد اپنی بیوی کے ساتھ دو ہی قسم کا برتاؤ کریگا یا تو وہ اپنی منکوحہ کو نظروں سے گرا دے گا اور سب وشتم سے کام لے گا یا پھر اپنی منکوحہ کو طلاق دے کر اس حسین وجمیل عورت کی طرف توجہ دے گا۔

غیر شادی شدہ یا تو خواہشات نفسانی کو پورا کرنے کے لئے ماڈرن راستوں کا سہارا لے گا اور وہ انسانی رنگ وروپ میں ایک بھیڑیا ہوگا جو انسانی حرمتوں کا پاس ولحاظ نہ کرتے ہوئے معصوم زندگیوں اور ان کی عصمتوں سے کھیلتا ہے یا پھر وہ اپنی خواہشات کو روکے گا اور اجبار سے کام لے گا، پھر لازمی طور پر ایک ذہنی خلجان اور پریشان خیالی میں مبتلا ہو جائیگا

یہ سب چیزیں ایک صالح معاشرہ کی تباہی اور آنے والی نسل کے لئے باعث ہلاکت ہیں۔

خلاصہ کے طور پر ہم یہ بیان کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ "پردہ" ایک لازمی شے ہے اور برائیوں سے بچنے کا بہترین ذریعہ بھی، اس کے ذریعہ معاشرہ سے برائیوں کا انسداد اور اس کی روک تھام ہو سکتی ہے اس کے ذریعہ عصمتوں کی صیانت اور معاشرہ کی حفاظت ہو سکتی ہے

پردہ پر کئے گئے اعتراضات
اور ان کے جوابات

مذہب کے سلسلہ میں بعض دریدہ دہن اور گستاخ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ :۔

"جب پردہ فرد ومعاشرہ کی حفاظت اور اس کی صیانت کیلئے ایک ضروری چیز ہے تو مردوں کو اس سے مستثنیٰ کیوں رکھا گیا ؟ کیا فتنہ ساز صرف عورتیں ہی

ہوا کرتے ہیں مرد نہیں ہوتے ہیں
کیا صرف عورتوں کو دیکھنے سے ہی
پراگندہ خیالی ہوتی ہے مرد سے
نہیں ہوتی ہے

ان اعتراضات کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنا کافی ہوگا کہ معترض نے مرد و عورت کے مزاج و ساخت کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ اسلام نے مردوں کو "غض بصر" کا حکم دیا اور عورتوں کو پردہ کا مکلف بنایا اور جب عورتوں کو مردوں کی سوسائٹیوں میں جانے سے روکا تو وہیں مردوں کو بھی عورتوں کی محفلوں میں شرکت سے منع کیا اور ہر ایک کو مروت، رحمت، عفت و عصمت، عظمت و رفعت کا درس دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۔

اور عورتوں کے بارے میں حکم ہے:۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۔

یہ تمام احکامات اس بات کی طرف صراحتاً مشیر ہیں کہ اسلام نے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا جس سے تھوڑا بھی خطرہ لاحق ہوتا تھا۔ جب ہم پردہ کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرتے ہیں تو قوانین اسلام اور فطرت انسانی کو ہم آہنگ ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں کیونکہ اسلام نے انسانی جبلتوں اور فطری رجحانات کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو پردے کا مکلف بنایا اور مردوں کو اس سے مستثنیٰ رکھا۔ کیونکہ مردوں کی مصروفیات عورتوں سے الگ ہوکر تجارت و زراعت، صنعت و حرفت وغیرہ ہیں اور اگر اب اس کو پردے کا مکلف بنایا جاتا ہے تو وہ "تیز گامی" باقی نہیں رہ جاتی، برخلاف اسکے عورتوں کی تمام تر مصروفیات اندرون خانہ تک محدود ہیں لہذا اس کو پردے کا مکلف بنایا گیا، گویا گھر ایک سلطنت ہے اور عورت اس کی وزیر داخلہ اس کی تمام تر مصروفیات داخلی امور سے متعلق ہوتی ہیں اور مرد اس کا وزیر خارجہ ہوتا ہے اور اس کی تمام تر ذمہ داری خارجی امور سے متعلق ہوتی ہے

اس پوری تفصیل سے پردے کی شرعی حیثیت اہمیت اور ضرورت پر خاصی روشنی پڑ جاتی ہے اور انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

تجربات بتلاتے ہیں کہ اگر اسلام کی اس واضح اور موثر تعلیم کو پوری طرح اپنا لیا جائے تو انسانی معاشرہ ایک لاثانی معاشرہ بن جائے گا، انسانی ماحول کی پاکیزگی اور اس کی نظافت کا انحصار عورت و مرد کے باہمی روابط کی پاکیزگی اور طہارت پر ہے اور یہ چیز اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب اسلامی تعلیمات کو من و عن اپنانے کی کوشش کی جائے

افسانہ

فرض کے کفن میں

اختر کاظمی

ہوٹل کے پارکنگ شیڈ میں ابھی ابھی ایک سفید مرسڈیز کار آکر رکی ہے ـــــ میں اپنی ٹیبل کی چکناہٹ سے نظر پھسلا کر ادھر ہی دیکھ رہا ہوں، اس گاڑی سے ایک وجیہہ اور خوبصورت مرد، سرمئی سوٹ میں ملبوس، اپنی ٹائی کی گرہ ٹھیک کرتا ہوا اترا ہے میں اسے بغور دیکھنے لگا ـــــ وہ اپنے مخصوص انداز میں چلتا ہوا کاونٹر تک چلا آیا ہے ـــــ مجھے کچھ دھندلا سا یاد آنے لگا ہے۔ ایک ملازم اس کا مختصر سا سامان لئے آرہا ہے، وہ نوجوان میری طرف پشت کئے ہوئے اب بھی کاؤنٹر کلرک سے باتوں میں مشغول ہے ـــــ ملازم اس کا سامان لئے ہال کے زینے سے اوپری منزل کی طرف جارہا ہے ـــــ اب وہ نوجوان کسی رجسٹر پر دستخط کررہا ہے ـــــ شاید اس نے کوئی کمرہ کرایہ پر لیا ہے ـــــ اب وہ ادھر ہی آرہا ہے۔

میں چونک پڑتا ہوں ـــــ "اشوک"؟

اس کی آنکھوں میں چمک عود کر آئی ـــــ

"ہیلو رمن!" وہ میری طرف بڑھا ـــــ "تم یہاں"؟

"یہی سوال میں تم سے کروں تو"؟ ـــــ میں نے اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا، وہ مسکرادیا وہی مخصوص انداز تھا جو اسی کا خاصہ تھا۔

"آؤ! اوپر کمرے میں چلتے ہیں، اطمینان سے باتیں ہوں گی"۔

اس نے کہا تو میں اس کے ہمراہ ہوگیا۔

موسم سرما کے آسمان پر آج بادلوں کا جمگھٹ تھا، ہواؤں میں کچھ زیادہ ہی خنکی تھی، سردی کے باوجود بھی موسم بے حد خوشگوار تھا، اپنے عزیز دوست کی برسوں بعد اچانک ملاقات پر موسم انگڑائیاں سا لیتا ہوا محسوس ہوا۔ کمرے میں پہونچ کر ہم دونوں بغلگیر ہوکر ایک صوفے پر جم گئے ـــــ ملازم کمرے کی ہلکی پھلکی صفائی میں مصروف تھا۔

"کمرہ تو صاف ہے"۔ اشوک اس سے مخاطب ہوا "جاؤ کافی لے آؤ"۔

نوکر چلا گیا تو وہ میرے چہرے کی طرف دیکھ کر مسکرایا "بھابی کیسی ہے؟ بچے کتنے ہوگئے؟"

"کیوں دو، سونیا اکثر تمہیں یاد کرتی ہے۔
"ملوں گا، بھابی سے ملوں گا، کلکتہ تم نے کب چھوڑا؟"
"عرصہ ہوا، یہیں مقیم ہوں"
"اف! پانچ برس!" وہ رومال سے اپنا چہرہ صاف کرنے لگا، جس پر شاید پانچ برسوں کی مسافت کی گرد جم گئی تھی۔
"تم تو محبوب کی ایک جھلک ہوگئے اشوک" میں نے بات چھیڑی، "نہ خود آئے نہ خط آیا"
"تمہارے کلکتہ چھوڑنے کے بعد سلسلہ ہی ختم ہوگیا، تمہارے وہاں سے چلے آنے کے ڈھائی مہینہ بعد شاید میں گیا ہوں گا، تمہارے پتہ پر پہونچا تو وہاں ایک سکھ فیملی کو موجود پایا۔"
کافی آگئی، اس نے کافی بنانے کے درمیان بھی سلسلۂ کلام جاری رکھا ——— "بھابی سے پھر تو جھگڑا نہیں ہوا؟ تم نے ایک بار لکھا تھا کہ......"
"ہاں اشوک! بات تو طلاق تک پہونچ گئی تھی، مگر میں گڈو کا منہ دیکھ کر رہ گیا، سونیا کی سرد مہری اور اس کی طنزیہ باتوں نے بڑی ہتک کی، حالات دگرگوں ہو گئے تھے، میں نے بہت ضبط سے کام لیا"
میں اپنی پیالی اٹھا کر کافی سپ کرنے لگا ——— اشوک خلا میں گھور رہا تھا، جیسے ماضی کے دھندلکوں میں کچھ تلاش کر رہا ہو۔
"اشوک! کافی" میں نے ٹوکا۔
"ہوں، اور تبھی سے میں کلکتہ میں مقیم ہوں"
میں اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگا
"ان پانچ برسوں میں چند ایام ہی مسرت آمیز تھے، باقی شب و روز تو میں کرب کی سولی پر لٹکا رہا، یاس والم کے سمندر میں غوطہ لگاتا رہا۔"
"کوئی غیر متوقع حادثہ؟"
"غیر متوقع تو ہے رمن لیکن بلا عنوان حادثہ کیا ہے طویل داستان ہے میرے دوست!"
"عشق وغیرہ کا کوئی چکر؟"
"چکر تو یہی تھا، لیکن عجیب سا، اف! وہ لڑکی ——— حسن و شباب و رنگ کا اتنا حسین سنگم آج تک میں نے کہیں نہیں دیکھا، مگر ——— بے حس پتھر اور میں پانچ برس کے شب و روز اس پتھر کو پگھلانے میں مصروف رہا۔"
"کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے" میں نے ٹوکا
"ہونے دو رمن! اب تو ہر ٹھنڈی چیز سے انسیت ہو گئی ہے، میں نے پینا بھی سیکھ لیا ہے"
"شراب؟ اشوک تم؟"
"ہاں دوست! لیکن وہ بھی میرے غموں کے زہر کو زائل نہ کر سکی، میں خود ہی محسوس کر رہا ہوں کہ میں کیا تھا اور اب کیا ہو گیا ہوں؟ ڈیڈی کی کمائی ہوئی دولت پانی کی طرح بہاتا رہا ہوں!"
"تمہاری ناکامی پر مجھے از حد ملال ہو رہا ہے کمال ہے کہ تمہارے جیسے کے لئے بھی کس غرور اور نخوت کے پیکر نے انکار کر دیا؟"
"نہیں رمن! اس پر کوئی الزام دے کر حق تلفی

نہیں کروں گا ، وہ تو مہر و وفا کی دیوی ہے "

" کمال کرتے ہو، ایک طرف تو ..... ؟ "

" قصہ ہی سن لو رمن ! " ـــــ وہ سرد سانس لے کر بولا ـــــ " تمہارے پتہ سے ناکام لوٹ کر ہوڑہ نریندر کے یہاں جا رہا تھا ، اگلے چوراہے پر سگنل نہ ہونے کی وجہ سے گاڑی روک کر کھڑا ہو گیا معاً پشت سے کسی گاڑی کا میری گاڑی میں دھکا لگا یہ تو کہو داہنا پیر بریک پر ہی تھا ورنہ یقیناً آگے کھڑا ہوا سائیکل سوار گیا تھا کام سے ۔ میں نے مڑ کر دیکھا پیچھے خوبصورت امپالا تھی ، میں گاڑی سے اتر پڑا ساتھ ہی امپالا سے ایک لڑکی اتر کر کھڑی ہو گئی ، میں اس پیکر حسن کو دیکھتے ہی مبہوت رہ گیا ۔

" سوری ! معافی چاہتی ہوں "

میرے کانوں میں رس گھل گیا ۔ تھوڑے توقف کے بعد وہ کچھ یاد سی کرتی ہوئی بولی :

" آپ اشوک بابو تو نہیں ؟ "

" جی ! ؟ " ـــ میں حیران رہ گیا ،

" آپ مجھے کیسے جانتی ہیں ؟ "

" آپ کی تصویر میرے پاس ہے "

" آپ کے پاس میری تصویر ؟ " ـــ میرا تجسس بڑھتا جا رہا تھا ۔

" جی ہاں ! آپ کے اور میرے ڈیڈی میں پرانے تعلقات ہیں ، آپ کا رشتہ میرے لئے آیا ہے خط اور آپ کا فوٹو گراف ! "

" اوہ ! میرا سانس رکتا ہوا محسوس ہوا ، چلتے وقت ڈیڈی نے کوئی پتہ بھی تو دیا تھا اور ملنے بھی ہو لینے کو کہا تھا ، آنند صاحب ... ہاں ! آنند کٹیر کا پتہ ـــــ تو یہ ہے بلور کا ٹکڑا جو میری زندگی کا نور بننے والا ہے ـــــ میں نے نمستے کے لئے ہاتھ جوڑ دئے اور اس نے بھی جواباً ہاتھ جوڑے اس کا سراپا جائزہ لیا تو بے حد متاثر ہوا ، قدرت کا وہ حسین شاہکار نہایت سادہ سے لباس میں تھا چہرہ مصنوعات وغیرہ سے عاری اور کیا کہوں آنکھوں میں کاجل کی لکیر تک نہیں تھی ۔

" گاڑی غالباً صحیح و سلامت ہے " وہ چونکتی ہوئی بولی ـــــ " چلئے سگنل ہو گیا " اور میں چونک کر گاڑی میں بیٹھ گیا ، کراسنگ پار کر کے وہ اپنی گاڑی میری گاڑی سے آگے نکال لے گئی اور مجھے لیڈ کرنے لگی ـــــ ہاں تو میں ہوڑہ جا رہا تھا ، کہاں مسحور و مسحر سا آنند کٹیر جا پہونچا ، وہاں میرا نہایت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا ، مجھے محسوس ہوا جیسے میں مسرت کے شبستاں میں پہونچ گیا ہوں ۔

اشوک نے جیب سے سگریٹ کیس اور لائٹر نکالا ، ایک سگریٹ منتخب کر کے سلگایا اور بولا :

" چند دنوں میں بڑی خوش فہمی میں مبتلا رہا میری ہونے والی پتنی شرمیلا واقعی بہت شرمیلی تھی بہر صورت وہ بے مثال تھی ، لیکن سب میرا وہم نکلا ، بعد کو معلوم ہوا ، وہ تو زخمی ہرنی ہے ، یہ بات خود اسنے بڑی سادگی سے بتا دی ، البتہ اس شکاری لٹیرے کا نام نہیں بتایا ، میں نے اپنا ہر قیمتی لمحہ اس کے

قرب میں گذارا، جب حسین تصویر کو صرف نگاہوں سے چومتا تھا، ایک دن چھو کر دیکھا تو برف کی سل نکلی! بے جان پتھر! ______ وقت سمٹ کر جیسے ایک محور پر گردش کرنے لگا، قطرہ سمندر نظر آنے لگا میرے سمجھا تھا وہ سب کچھ بھول کر مجھ سے پیار کرنے لگی ہے حال جتنا روشن و تابناک محسوس ہوتا تھا اتنا ہی دھندلا نکلا، وہ اب تک کسی اور ہی دیوتا کی پوجا کرتی جا رہی تھی جس دن میں نے حسن کی دیوی کی خدمت میں محبت کے پھول نذر کئے میری آس ٹوٹ گئی، نہ اس نے قبول ہی کیا نہ انکار ہی کیا، دیر تک سسکیاں لیتی رہی ۔ میں نے اسے تسلیاں دیں، اس کا غم بانٹ لینے کا وعدہ کیا، وہ بدستور رہی، میں نے اپنی بات سو سو بار کہی:

"میں تم سے پیار کرتا ہوں شرمیلا!"

"شادی کا پیغام بھی تو آیا ہے آپ کا"

وہ یوں کہتی جیسے ہواؤں سے کہہ رہی ہو، خلا سے مخاطب ہو۔

"ہاں میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں"

"تو کر لو شادی"

بھگوان جانتا ہے رتن وہ لہجہ کیسا ہوتا تھا دماغ میں بھنور کی سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، نہ انکار تھا نہ اقرار، عام حالات میں بھی اس نے نہ کسی بات پر اعتراض کیا تھا نہ نکتہ چینی، لگتا یوں ہے یاس و الم میں ڈوبی ہوئی صرف والدین کے لئے جی رہی ہے، میں اتنا خود غرض نہیں ہوں جو دولھا بن کر اس کے دروازے جا کھڑا ہوتا اور دلھن کے روپ میں برف کی سل اٹھا لاتا۔

"ہاں اشوک! کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے"

مجھے ماضی کواکب فلکی کی طرح چمکتا ہوا دکھائی دیا،

"کیسا ہو جاتا ہے؟" ـــ وہ مجھے گھورنے لگا۔

"پیار کی آگ میں جھلس جانے کے بعد نہ تو جیتے ہیں نہ مرتے ہیں، چلتی پھرتی زندہ لاش ہو جاتے ہیں نہ کوئی حسرت نہ کوئی آرزو، نہ جینے کی تمنا نہ مرنے کی جستجو! کبھی کبھی پیار یوں بھی فنا ہوتا ہے"

"کون ایسا بدنصیب تھا جس نے کسی معصوم کلی کو زخمی کر کے چھوڑ دیا؟"

"واقعی وہ کوئی بدنصیب ہی رہا ہوگا"

میرے دل سے سرد آہ نکل گئی، سنیما کے فلیش بیک کی طرح ماضی نظر آنے لگا، ایک ادبی نشست میں میری شرکت گیٹ سے داخلہ کے وقت پشت پر کسی لڑکی کا نقرئی قہقہہ، آنند صاحب کا مجھ سے ہاتھ ملانا، اپنی بیٹی شرمیلا سے تعارف کرانا، میرا اسٹیج پر کویتا سنانا، سامعین سے شرمیلا کا پرجوش داد تحسین و آفریں قبول کرنا، شرمیلا کا مجھ سے پھر ملنا، اور پھر اکثر ملتے رہنا، آنند صاحب کے اصرار پر میرا ٹیوشن پڑھانا، چند دنوں بعد شرمیلا کی اپنے لئے دلچسپی بڑھتی ہوئی محسوس کرنا، ایک روز اسے لیجا کر سونیا اور گڈو سے ملانا تاکہ وہ اندھیرے میں کوئی قدم نہ اٹھا دے، اس کا انس بتدریج بڑھتے

ہی جانا، ایک دن شرمیلا کا پاگل پن سے مجھ سے اظہار
عشق کرنا، میرا جیسے آسمان سے زمین پر آگرنا، اسے
ٹیوشن پڑھانا بند کرنا، ایک روز اس کا میرے یہاں
آنا، دوسرے روز سے سونیا کا چیکنگ شروع کرنا، میرا
ہر طرف سے صفائی دینا، سونیا کا دماغ ہر طرح ماؤف
ہوتے ہی جانا، بات طلاق تک جا پہونچنا، میرا انضباط
کرنا اور سونیا کا کلکتہ سے لیکر چلے آنا، سب کچھ
تو دھند میں لپٹا ہوا آئینہ تھا، اُف! شرمیلا
کاش تو خود کو بدل سکتی۔

"میں نے وہ شیشہ توڑ دیا ہے رمن!" ـــــ
اشوک بولا۔ "زندگی کے پانچ برس میں احساس کی
صلیب پر لٹکتا رہا، اب میں انجانے شادی کرلونگا۔"

"نہیں اشوک! ایسی غلطی کبھی نہ کرنا، کلکتہ
واپس جاؤ، وہ ضرور مان جائے گی، وہ برف کی سل
نہیں ایک زخمی پھول ہے جو تمہارے پیار کی شبنم پاکر
کھل اٹھے گا۔"

"نہیں رمن! کانٹوں کی اس بستی میں مجھ کو
نہ بھیجو، میں کہتا ہوں وہ تجھ کو کبھی پیار نہیں کرے گی"

"پیار کے بدلے تمہیں ضرور پیار ملے گا ـــ
پیار سے تو پتھر بھی پگھل جاتے ہیں اشوک! وہ تو پھر
بھی گوشت پوست کی ہے۔"

"پھر سوچوں گا!" ـــ وہ ٹھنڈی کافی پینے
لگا ـــ "اچھا اب میں چلتا ہوں" ـــ میں نے
اٹھ کر اسے اپنا پتہ دیتے ہوئے کہا "جب جی چاہے
چلے آنا، اور ہاں ڈیڈی کو اپنی خیریت کا کیبل ضرور
بھیج دینا۔"

"ٹھہرو رمن!" وہ اٹھ کھڑا ہوا ـــ میں بھی
تمہارے ساتھ چلوں گا" ـــ اس نے کمرہ مقفل
کیا اور میرے ہمراہ چلا آیا۔

فلیٹ پہونچتے ہی میرے اوسان خطا ہو گئے
سونیا کے پاس بیٹھی ہوئی شرمیلا چائے سپ کر رہی تھی
اشوک پر کچھ اثر انداز ہوا، وہ اٹھکر اس کی بغل میں کھڑی
ہوگئی "آپ تو بتائے بغیر ہی چلے آئے، سب لوگ
بہت پریشان ہیں، آپ کے ڈیڈی کو ٹرنک کال کیا
گیا، کوئی جواب نہیں ملا، ایک خیال تھا سوچ نکلا
آپ کے ہوڑہ والے دوست نریندر سے معلوم ہوگیا
کہ آپ یہاں چلے آئے ہیں، اس خیال سے کہ آپ
رمن بابو کے علاوہ اور کہیں جا نہیں سکتے میں یہاں
چلی آئی، ڈیڈی ساتھ آئے ہیں، ڈیلائٹ میں
ٹھہرے ہیں، بھگوان جانتا ہے کیسے کیسے خیالات
ان تین دنوں میں دل میں اٹھ رہے تھے۔"

اشوک نے مسکرا کر مجھے آنکھ ماری اور سونیا
سے نمستے کرنے لگا۔

"ڈیڈی بہت پریشان ہیں اشوک! جلدی
چلو" ـ شرمیلا نے ٹوکا۔

"اور تم بالکل پریشان نہیں ہو؟" وہ
طنزیہ بولا۔

وہ لاجواب سی ہوگئی ـــ سر خم کرکے بائیں
ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن کو داہنے ہاتھ کی کلمہ کی
انگلی کے ناخن سے یونہی کھرچنے لگی۔

"تم جاؤ ، میں نہ جاؤں گا" وہ مصنوعی غصہ سے بولا ـــــــ اسے روہانسی دیکھ کر ذرا توقف کے بعد بولا "اچھا رونا مت ابھی چلتا ہوں ، پانچ برس ہوگئے بھابی کے ہاتھ کی چائے پیئے ہوئے ، پی لوں گا تو چلوں گا"

"تو کیا ..... ؟"

"ابھی کہاں ، ابھی تو آیا ہوں ، راستے میں رکتا رکاتا ہوا ، تم لوگ ایروپلین سے آئے ہو گے ؟"

"ہاں !"

شرمیلا نے کہا اور مجھے محسوس ہوا جیسے اس نے اشوک کی محبت قبول کرلی ہو۔

ان دونوں کے رخصت کے بعد ایک ردکونا کے سانس بھی نہ لے پایا ہونگا کہ دیکھا سونیا کے اکھڑے اکھڑے سے تیور ہیں اور منہ بھی قدرے پھولا ہوا ہے

"یہ یہاں کیسے آگئی ؟" ـــ "یہی میں آپ سے پوچھوں تو ؟" ـــ اس بے رخائی سے جواب دیا،

"سونا ! افسوس ہوتا ہے اب تک تم مجھے سمجھ نہ پائیں ، مجھے کیا معلوم یہ یہاں کیسے آگئی ؟"

"کہتی تھی کسر یتا" میں جو آپ کی نئی کویتا چھپی ہے اس کے نیچے اس کٹیا کا پتہ چھپوا دیا ہے اسی پر آ دھمکی، کہئے اسے دیکھ کر پھر سے محبت تو نہیں جاگ اٹھی ؟"

"میں تم سے ہزار بار کہہ چکا ہوں اور پھر کہہ رہا ہوں کہ وہ مجھ سے پیار کرتی ہے میں اس سے نہیں ! اور میں اس کی وہ محبت اپنے فرض کے کفن میں لپیٹ کر کب کا دفن کر چکا ہوں۔

یہ سن کر وہ مسکرانے لگی ـــــــ

اچھا چھوڑیئے میں تو مذاق کر رہی تھی ، آپ نے اتنی دیر کردی گڈو کے اسکول کے آنے سے پہلے شاپنگ کرا لائیے"

میں بھی مسکرا دیا ، میں نے غور سے دیکھا سونیا کے بائیں کنپٹی کے بال کچھ کچھ سفید ہو چلے تھے !

مضمون نگاران اور شعرا حضرات کی خصوصی توجہ کیلئے

رگ سنگ اپنی ابتداء سے لے کر اب تک ہر سال سیرت نمبر کی خصوصی اشاعت کا اہتمام کرتا آیا ہے ، آپ کا گرانقدر تعاون ہمیشہ اس طرح کا سامان پہونچاتا رہا ہے کہ ہر اشاعت گذشتہ اشاعت کے مقابلہ میں زیادہ معیاری اور جاذب توجہ ثابت ہوتی آئی ہے

حسب سابق سیرت نمبر کی اشاعت کی تیاریاں شروع ہو چکی ہیں ، رگ سنگ کی ترقی پذیر روایت کو برقرار رکھنے کے لئے آپ سے درخواست ہے کہ خصوصی توجہ فرماتے ہوئے اپنی نگارشات نظم و نثر جلد ہی ارسال فرمائیں تاکہ ترتیب و تدوین کے مراحل سے یکسوئی کے ساتھ گذرا جاسکے ۔ سیرت نمبر کی اشاعت سے ہمارا مقصد اسکے سوا کچھ نہیں کہ رسول اکرمؐ کی مبارک زندگی کے عملی پہلوؤں کو اجاگر کرکے آج کے ترقی پسند ذہنوں کے سامنے اسلام کے اخلاقی معاشرتی ، تہذیبی اور سیاسی آداب و اصول پیش کئے جائیں اور اسطرح انھیں مذہب کے بارے میں غور و خوض اور حق و باطل کے مابین امتیاز کرنے کے مواقع فراہم کئے جائیں ، امید ہیکہ آپ اس اہمیت کو نظر انداز نہ کریں گے ۔

(مدیر)

ترجمان بیت المال

محصلہ برائے شمسی بیت المال کھنیا بازار، کانپور

۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۴ء

نمبر	نام	پتہ	چرم	تعداد
۱	جناب محمد مظفر صاحب سولیجہ	کھنیا بازار	چرم بکرا	۴
۲	" محمد اشتیاق "	چپل والے	"	۱
۳	" اکرام الٰہی "	گلاس والے	"	۱
۴	" حاجی فصیح الدینؒ	پانی والے	"	۳
۵	" محمد شمیم صاحب	چمڑے والے	"	۱
۶	" رئیس احمد صاحب	"	"	۱
۷	" حسین احمد "	میلہ بازار	"	۱
۸	" رئیس الحسن "	کھنیا بازار	"	۱
۹	" ماسٹر محمد حنیفؒ	مجید احمد روڈ	"	۲
۱۰	" حاجی ارشاد الٰہیؒ	لیدر والے	"	۱
۱۱	" محمد عادلہ	بنیائن والے	"	۱
۱۲	" محمد عالیشان "	کراکری والے	"	۱
۱۳	جناب حاجی سراج الٰہی صاحب مرحوم		چرم بکرا	۱
۱۴	" خالد مجید صاحب	حسرت موہانی روڈ	"	۱
۱۵	" ایس فضل حق "	ہوزری والے	"	۱
۱۶	" عبد الرؤف "	گلوری مارکیٹ	"	۱
۱۷	" شجر احمد "	باغیچہ والے	"	۲
۱۸	" حاجی محمد عثمان "	اسٹیشنری والے	"	۲
۱۹	" احمد حسن "	اویس منزل	"	۲
۲۰	" محمد تسکین "	تولیہ والے	"	۲
۲۱	" آفتاب احمد "	گلاس ویر	"	۴
۲۲	" ارشاد محمد "	نور منزل	"	۲
۲۳	" فرحت النساء صاحبہ (معرفت محمود صاحب بجلی والے)	کھنیا بازار	"	۱

نمبر	نام	پتہ	رقم
۲۴	جناب حاجی اشتیاق الٰہی صاحب	چرم بکا	۱
۲۵	" احمد الٰہی صاحب	تولیہ والے "	۲
۲۶	" حافظ اخلاق الحسن "	سگرٹ والے "	۲
۲۷	" حاجی رحمت الٰہی "	گلاس ویر "	۲
۲۸	" محمد عابد "	باغیچہ والے "	۱
۲۹	" محمد سلطان "	اسٹیشنرس "	۱
۳۰	" محمد عاشقین "	شیشی والے "	۱
۳۱	" اشہر علی "	پھول والا باغیچہ "	۱
۳۲	" حاجی قطب الحسن "	"	۱
۳۳	" محمد امین "	گلاس ویر "	۱
۳۴	" حافظ شان الٰہی "	مرحوم "	۱
۳۵	" حاجی احسان الٰہی "	آٹا دی "	۱
۳۶	" محمد رئیس "	چھاتے والے "	۵
۳۷	" حاجی احسان الٰہی "	توپخانہ بازار "	۲
۳۸	" شان الٰہی "	چپل والے "	۱
۳۹	" محمد متین "	احاطہ کمال خاں "	۱
۴۰	" ڈاکٹر حاجی نور الحسن "	حسرت موہانی روڈ "	۱
۴۱	" حاجی معین الاسلام	پائپ والے "	۲
۴۲	" رحمت الٰہی "	چپل والے "	۱
۴۳	" اسرار احمد "	گھڑی والے "	۱
۴۴	" ایس ایم شفیق بھائی "	جھاڑو والے "	۵
۴۵	" حافظ عبد الاحد "	لیدر والے "	۱
۴۶	" شان الٰہی "	دلیل نگر "	۱
۴۷	" ایس ایم رئیس احمد "	ایڈوکیٹ "	۶
۴۸	" محمد سجاد "	ہولڈال والے "	۱
۴۹	جناب ظہیر الحق صاحب	سائیکل والے چرم بکا	۱
۵۰	" حاجی اسلام احمد "	بندوق والے "	۶
۵۱	" " محمد اختر "	وارث منزل "	۱
۵۲	" محمد یوسف "	"	۱
۵۳	" محمد زاہد "	دفتی والے "	۲
۵۴	" حاجی محمد نفیس "	منیجر "	۲
۵۵	" محمد رفیق "	حسرت موہانی روڈ "	۱
۵۶	" محمد شبلی "	آنولہ والے "	۱
۵۷	" سید احمد بوبچہ "	"	۱
۵۸	" فرید احمد بوبچہ "	"	۲
۵۹	" محمد الٰہی "	"	۲
۶۰	" ادریس "	دفتی والے "	۲
۶۱	" فیروز الدین بوبچہ "	"	۲
۶۲	" حافظ محمد یوسف گرد "	"	۱
۶۳	" حسن احمد "	چھٹے والے "	۱
۶۴	" حافظ عثمان "	"	۱
۶۵	" محمد احسن صاحب	چپل والا زینہ حسرت موہانی روڈ "	۱
۶۶	" محمد عامل صاحب	بنیائن والے "	۱
۶۷	" محمد لئیق "	بوتل والے "	۱
۶۸	" ڈاکٹر افتخار "	افتخار آباد "	۱
۶۹	" محبوب الٰہی "	غبارے والے "	۱
۷۰	" محمد وارث "	اکبر پلاسٹک "	۲
۷۱	" قمر النساء صاحبہ	لکھنیا بازار "	۱
	(معرفت جمال الٰہی صاحب)		
۷۲	" رئیس احمد صاحب	توفیق منزل اسلام الٰہ	۲

۷۳ جناب محمد رئیس صاحب پٹنہ والے کھال بکرا ۱
۷۴ " منظور الہی " قدوائی نگر " ۱
۷۵ " سرور احمد " گھڑی والے " ۱
۷۶ " اسلام احمد شمسی " اینچی والے " ۵
۷۷ " ظفر الہی " تیل والے " ۱
۷۸ " رئیس الدین " لیدر والے " ۱
۷۹ " حاجی نصیب الدین تیل والے " ۱
۸۰ " تعریف الہی صاحب کمپٹ والے " ۱
۸۱ " محمد عتیق " پٹاخے والے " ۱
۸۲ " حاجی محمد ادریس " گرو " ۲
۸۳ " " عرفان " رحیم منزل " ۲
۸۴ " حافظ اسرار الہی " اناوی " ۱
۸۵ " " احکام الہی " " ۱
۸۶ " محمد یوسف " تبریزی " ۱
۸۷ " محمد رشید نواب " تیل والے " ۲
۸۸ " محمد معین " آتشبازی والے " ۱
۸۹ " شبیر حسین وارثی " توپ خانہ بازار " ۱
۹۰ " انیس الحسن " ہدایت لیدر " ۱
۹۱ " حاجی احسان کریم " ۳
۹۲ " محمد حنیف " ہوزری والے " ۱
۹۳ " راشد سلطان بوچہ " ۱
۹۴ " انیس الحسن " ۲
۹۵ " محمد حسین صاحب جھولے والے " ۱
۹۶ " محمد جلیل " " ۱
۹۷ " محمد سعید سولجہ " ۱

۹۸ جناب انوار الہی صاحب الہ آبادی کھال بکرا ۱
۹۹ " محمد آفاق " ناخون والے " ۱
۱۰۰ " کلام الہی " ۱
۱۰۱ " محمد رشید گرو " لیدر والے " ۱
۱۰۲ " نوشاد محمد " نور منزل " ۱
۱۰۳ " حافظ جمال الہی " ۱
۱۰۴ " اہلیہ محمد یوسف " تبریزی " ۱
۱۰۵ " اسرار الحسن " سچیو " ۱
۱۰۶ " حاجی شریف الحسن " مرحوم " ۴
۱۰۷ " بیگم محمد حسین " لکھنوی " ۱
۱۰۸ " عبد القدیر " اسٹیشنری والے " ۲
۱۰۹ " حاجی سرتاج احمد سگریٹ والے " ۱
۱۱۰ " ظہیر الحسن " سرتاج بوٹ ہاؤس " ۱
۱۱۱ " محمد آفتاب " بنیائن والے " ۱
۱۱۲ " احمد دین " توپخانہ بازار " ۱
۱۱۳ " حاجی محمد الہی " ادریس منزل " ۴
۱۱۴ " محمد رئیس " بادشاہ ہوٹل " ۱
۱۱۵ " جاوید اسلام " " ۱
۱۱۶ " حاجی لعل محمد " توپخانہ بازار " ۱
۱۱۷ " محمد ایوب " جوتے والے " ۳
۱۱۸ " فضل الرحمن " عرف منا " ۱
۱۱۹ " محمد معین الاسلام " ۱
۱۲۰ " توقیر احمد پانی والے " ۱
۱۲۱ " محمد صابر صاحب " ۱
۱۲۲ " حاجی رئیس الدین مول گنج " ۱

جناب حاجی قاری محمد الٰہی صاحب کھال بکرا ۱
۱۲۴ " حاجی محمد ابراہیم " بائیسکل والے " ۲
۱۲۵ " محمد کفیل " بوتل والے " ۱
۱۲۶ جناب احترام حسین صاحب چمن گنج کھال بکرا ۱
۱۲۷ " احسان الحق " احسان منزل " ۱
۱۲۸ " منظور الٰہی " کپڑے والے " ۱

جملہ :- ۱۹۵

پڑوا ——— بھینس

جناب حاجی اسلام احمد صاحب بندوق والے ۲
" محمد عقیل جوہری " ۱
" فصیح الدین " پالی والے ۱
" عتیق پسر فاروق " نیڑے والے ۱
" خورشید " گلاس ویر ۱
" نفیس الاسلام " ۱
" ڈاکٹر عبد الحسن " ۱
" احسان شعلہ " ۱
" محمد احمد " آئینہ والے ۱
" شان الٰہی " بٹن والے ۱
" فضل الرحمان " موچی والا گھر ۱
" ارشاد الٰہی " فیض آبادی ۱

جناب انیس الحسن مسجد صاحب ۲
" محمد صابر " بٹن والے ۱
" محمد رئیس " چیپ لیدر ۱
" محمد معین الدین " گھڑی والے ۲
" ذکریا " پالی والے ۱
" شریف الحسن " چپل والے ۱
" ڈاکٹر سرتاج الٰہی " ۱
" قطب الحسن فرید الحسن " وارثی ۱
" اسلم " تیل والے ۱
" وسیم (حمید) امین الاسلام ۱
" متفرقات ۱۰
کل ——— ۳۵ کھالیں

قسم کھال	تعداد	مجموعی قیمت
بکرا	191	Rs 3283 = 02
بھیڑ	4	Rs 20 = 00
بھینس و پڑوا	35	Rs 1367 = 00
ہڈی		Rs 146 = 00
میزان :—	234	Rs 4816 = 02

(نوٹ)

اگرچہ بہت احتیاط سے کام لیا گیا ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی غلطی رہ گئی ہو تو ادارہ اسکی معذرت چاہتا ہے اور درخواست کرتا ہے کہ غلطی کی نشان دہی کرکے مشکور فرمائیں ۔

۲/۱/۷۴ء

محترمی! وعلیکم السلام

مزاج گرامی!

رگ سنگ کا شمارہ ماہ اکتوبر و نومبر زیر مطالعہ تھا کہ آپ کا گرامی نامہ مورخہ ۲۸/۱۲/۷۳ء ملا، یاد آوری کا شکریہ!

رگ سنگ میں وہ سب کچھ پایا جو آج کل کے ماہناموں میں مفقود ہے۔

ضرورت ہے کہ رگ سنگ اور اس جیسے رسائل کی ترویج و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ کوشش کی جائے۔

آپ کا مقصد بلند اور خیالات پاکیزہ۔ دعا ہے کہ خداوند کریم آپ کو آپ کے ارادوں میں کامیاب کرے آمین۔

یہ معلوم ہو کر اور بھی مسرت ہوئی کہ بھائی ریاض صاحب نے اس سلسلہ میں کچھ کام کیا ہے اور کچھ خریدار بھی فراہم کئے ہیں، دعا کیجئے کہ مجھکو بھی اللہ توفیق دے کہ میں بھی رگ سنگ کی کچھ خدمت کر سکوں

والسلام ۔ محمد اکرام

●

محترم جناب ایڈیٹر صاحب "رگ سنگ"

السلام علیکم ۔ مزاج گرامی

آپ کو یاد ہوگا کہ سال گزشتہ آپ ہی کی خواہش پر ایک ٹمنگ کھیل کے شائقین کی آپ کے دولتکدہ پر ہوئی تھی جس میں نئی نسل کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے طے ہوا تھا کہ اسپورٹس کی طرف ان کا رخ موڑ دیا جائے اور اس سلسلہ میں ایک کمیٹی کی تشکیل بھی ہوئی تھی جو اس کام کو انجام دینے کے لئے مقرر ہوئی تھی اور مجھ کو اس کا صدر چنا گیا تھا۔

بحمد اللہ سال گزشتہ تو جو خدمت سپرد کی گئی تھی اسکو انجام دینے کی بھرپور کوشش کی تھی لیکن سال موجودہ میں انتہائی مصروفیت کی بناء پر ذمہ دارانہ خدمت کرنے سے معذور ہوں اور اس لئے آپ کے رسالہ کے ذریعہ استعفار پیش کرتا ہوں امکانی تعاون کیلئے ہمیشہ تیار ہوں۔ ارشاد

علامہ معلومی کے قلم سے

احمد کمال، جارس

س۔ کیا دولت مند ہونا گناہ ہے ؟

ج ۔ دولت مند ہونا گناہ نہیں لیکن اس کا غلط استعمال گناہ ہے ، اپنی دولت سے غریبوں کا دل دکھانا اور اس کو ستانا گناہ ہے ۔

س ۔ اگر انسان ایک ٹھوکر کھا کر نہ سنبھلے تو ؟

ج ۔ اسے برابر ٹھوکریں کھانے کے لئے تیار رہنا چاہئے

س ۔ آدمی موت سے کب ڈرتا ہے ؟

ج ۔ بزدل آدمی موت سے ہر وقت ڈرتا ہے لیکن بہادر انسان مسکراتے ہوئے موت سے آنکھیں ملاتا ہے ۔

نصیب الدین ، پٹنہ

س ۔ دنیا میں جینے کا راستہ کیا ہے ؟

ج ۔ راستی اور راست بازی

س ۔ انسان اپنی قدر و منزلت کب کھو دیتا ہے ؟

ج ۔ جب غلط کام کرنے لگتا ہے ۔

طفیل احمد ، دھلی

س ۔ دنیا کا سب سے بڑا پلیٹ فارم کون اور کہاں ہے ؟

ج ۔ سون پور کا پلیٹ فارم سب سے بڑا ہے جو صوبہ بہار میں واقع ہے

س ۔ دنیا میں سب سے زیادہ گیہوں کہاں پیدا ہوتا ہے ؟

ج ۔ دنیا میں سب سے زیادہ گیہوں شمالی امریکہ میں پیدا ہوتا ہے ۔

س ۔ دولت اور صحت میں کیا فرق ہے ؟

ج ۔ دولت پر لالچ کی نظر زیادہ رہتی ہے لیکن فائدہ کم اٹھایا جاتا ہے ، تندرستی زندگی کا لطف بڑھاتی ہے لیکن لالچ کی نظر وہاں تک نہیں پہونچتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ غریب بھی اپنی صحت دے کر دولت نہیں لینا چاہتا ۔

افضل نقوی ، رائے بریلی

س ۔ کیا یہ سچ ہے کہ اردو کا مستقبل تاریک ہے ؟

ج ۔ ع ۔ ” پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا “

ڈیلائٹ ..
Delite FOOT WEAR
مضبوط ...
MAZBOOT
پرنس ....
PRINCE
P.V.C
باوقار لباس پر موزوں
عُمدہ جُوتے
سوسائٹی میں آپ کی شان وشوکت کو دوبالا کرتے ہیں
اپنی پسند کے مطابق ہر قسم کے جوتے، چپل اور سینڈل
زنانہ، مردانہ، ڈیریا اور مضبوط
تھوک و پرچون
خریدنے کیلئے ہمیشہ ہماری دکان کو یاد رکھئے
ہیڈ آفس
برانچ

MONTHLY RAG-E-SANG KANPUR
REGISTERED No. L. 1797 FEBRUARY 1974 Phones:68820,60472,63883
Registered with the Registrar of Newspapers R. No. 19397/70

سرورق نمبر

پاکیزہ اجتماعی قدروں کا ترجمان ادبی مجلہ

April 1974

ماہنامہ

کتاب

فیروز بویجہ

FER
COPY
3/-

کانپور

ڈائمنڈ جوبلی
سال
لیدر گڈس، اسپورٹس لیدر گڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں۔
ایس محمد اسمٰعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ، کانپور، پوسٹ بکس نمبر ۲۷۰
ٹیلیگرام: "زین" کانپور
فون: ۶۲۷۰۸
بینکرس:-
• الہ آباد بینک
• چارٹرڈ بینک
• اسٹیٹ بنک آف انڈیا
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دُنیا کے گوشہ گوشہ میں
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ

اجالا دیگی فضاؤں کو صبح نو کی طرح
وہ شوخیاں جو رگ سنگ کی شرار میں ہیں
یونس قنوجی

مدیر

فیروز الدین بوسیجہ

معاون مدیر

شاہد سرور

سرورق ــــ اڈٹیکو

خطاط ــــ م ابوالحسنات الاعظمی

طابع ناشر مالک :
فیروز الدین بوسیجہ

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

ماہنامہ رگ سنگ کانپور

سال چہارم شمارہ ۴۷ و ۴۸

سیرت نمبر

اپریل و مئی ــــ ۱۹۷۴ء
ربیع الاول و ربیع الثانی ــــ ۱۳۹۴ھ

عام شمارہ ایک روپیہ ۵۰ پیسے
سالانہ پندرہ روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر
۸۹/۴۲ مکھنیا بازار کانپور (یوپی)

فون :-
۶۳۸۸۳
۶۰۴۷۲
۶۲۸۷۱

مطبوعہ
لیتھو رنگ پریس نئی سڑک کانپور

دنیا میں فتنہ کی اصل جڑ اور فساد کا اصلی سرچشمہ انسان پر انسان کی خدائی ہے ، خواہ وہ بالواسطہ ہو یا بلاواسطہ ، اسی سے خرابی کی ابتدار ہوئی اور اسی سے آج بھی بس کے زہریلے چشمے پھوٹ رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ تو خیر انسان کی فطرت کے سارے راز ہی جانتا ہے مگر اب تو ہزارہا برس کے تجربہ سے خود ہم پر یہ حقیقت پوری طرح منکشف ہو چکی ہے کہ انسان کسی نہ کسی کو اِلٰہ اور رب مانے بغیر نہیں رہ سکتا ، گویا اس کی زندگی محال ہے اگر کوئی اس کا اِلٰہ اور رب نہ ہو ، اگر اللہ کو نہ مانے گا تب بھی اسے اِلٰہ اور رب سے چھٹکارا نہیں ہے بلکہ اس صورت میں بہت سے اِلٰہ اور ارباب اس کی گردن پر مسلط ہو جائیں گے

(مولانا ابوالاعلیٰ مودودی)

●

اس شمارے میں

اداریہ

شہ رگ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت تاریخ انسانی کیلئے ایک ایسا دلآویز عنوان ہے جسے دنیا کبھی فراموش نہ کرسکے ، ایک ایسی حقیقت افروز داستان ہے جسے جتنی بار دہرایا جائے اتنی ہی زیادہ لذت وحلاوت حاصل ہوتی رہے گی ، ایک ایسا حیات آفریں موضوع ہے جسے جتنی بار چھیڑا جائے اتنی ہی زیادہ ایمان ویقین میں پختگی آتی رہے گی ، طفولیت کے معصوم لمحات ہوں یا جوانی کے ہنگامہ پرور اوقات ، منصب نبوت کی اہم ترین ذمہ داریوں کی بجا آوری ہو یا خانگی مسائل کی نگہداشت ، کمزوروں کی دلدہی ودادرسی ہو یا سرکشوں کو راہ راست پر لانے کی مشکلات ، زندگی کا کوئی ایسا گوشہ نہیں جسے آپ نے اپنے پاکیزہ اعمال کی روشنی سے منور نہ کیا ہو ، آپ کی مبارک زندگی کا ایک ایک لمحہ رشد وہدایت کا ایسا سرچشمہ ہے جس سے دنیا ابدالآباد تک سیراب ہوتی رہے گی ، صدیاں گذر جانے کے بعد بھی عالم انسانیت آپ کی سیرت مقدسہ کا مطالعہ کرکے اکتساب فیض پر مجبور ہے اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے آپ کی اتباع وپیروی وسیلۂ نجات . کی طور پر مقدر ہو چکی ہے ۔

ادارۂ رنگ سنگ کو اس بات پر فخر ہے کہ اسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا شرف حاصل ہے اور اسی تعلق کی بنا پر وہ اپنی ابتدا سے لے کر اب تک حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک خصوصی سیرت نمبر کی اشاعت کا اہتمام کرتا آیا ہے ـــــ زیر نظر شمارہ بھی اس بارگاہ عالی میں ایک حقیر نذرانہ کے طور پر پیش کرنے کی سعادت ادارہ کو حاصل ہوئی ہے ،

اس کے لئے ہم خدائے کارساز کے شکرگذار ہیں کہ اس نے ناساعد حالات میں بھی اسمیں اس فرض کی بجاآوری کی توفیق عطا فرمائی ۔

اپنی کوتاہی ، کم نگاہی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرتے ہوئے اتنا مزید عرض کریں گے کہ اس خصوصی نمبر کی اشاعت سے ہمارا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ سیرت مقدسہ کے چند گوشوں کو بے نقاب کرکے عام انسانوں کے سامنے دنیا و آخرت کی کامرانی و کامیابی کی راہیں کھولی جائیں ، ایک لذیذ حکایت سے خود لطف اندوز ہوا جائے اور دوسروں کیلئے لطف اندوزی کا سامان بہم پہنچایا جائے ، ایک سرچشمۂ رشد و ہدایت سے خود اکتساب فیض کیا جائے اور دوسروں کو اکتساب فیض کی دعوت دی جائے ——

ہزاروں سلام اور لاکھوں درود اس آفتابؐ نبوت پر جس نے ہمارے دلوں کو ایمانی حرارت اور ایقان کا نور بخشا —— ہزاروں سلام اور لاکھوں درود اس ماہتابؐ ہدایت پر جس نے دنیا کو جہالت اور گمراہی کی تاریکی سے نجات دلائی —— ہزاروں سلام اور لاکھوں درود اس صاحبؐ کتاب پر جس نے بندوں کو خالق کائنات کی مرضی و منشاء سے آگاہ فرمایا اور عبادت و عبودیت کے آداب سکھائے ۔

اس خصوصی اشاعت کے سلسلہ میں ادارہ رنگ ترنگ کی کوششیں کہاں تک کامیاب ہوئیں اس سے قطع نظر ہم اپنے قارئین سے درخواست کریں گے کہ مطالعہ کے بعد اگر کوئی کوتاہی گرفت میں آئے تو اس سے ہمیں ضرور مطلع فرمائیں ، اسکے لئے ہم انتہائی مشکور ہوں گے ——

ساتھ ہی اپنے ان تمام قلمی معاونین کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں جنھوں نے اپنا پرخلوص تعاون دے کر ہمیں اس اہم ذمہ داری کو پورا کرنے کا اہل بنایا ۔

مولوی شریف حسین صاحب

سُلُوکُ بِالقُرآن

یعنی

انسان اور قرآن

دین حق کی وجدانی تفہیم جس سے اللہ کی الوہیت اور بندہ کی عبدیت واضح ہو، بہ توفیق سبحانہ تعالیٰ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم ۱/۱۴) — (اور کوئی رسول نہیں بھیجا ہم نے مگر بولی بولنے والا اپنی قوم کی تاکہ ان کو سمجھائے)

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

یہی ایک دعویٰ کلمہ ہے اور سب سے زیادہ زور الٰہ کے سمجھنے اور الٰہ کے واحد کے ماننے پر ہے جس کے لئے انسان مکلف ہے، اللہ کو تو سبھی مانتے ہیں، اللہ کا منکر کوئی نہیں، اللہ کے بزعم خود انکار سے بھی اللہ کا ہونا ہی ثابت ہوتا ہے۔

اعتبارات الٰہ، موجودیت، موصوفیت فاعلیت اور مالکیت و حاکمیت ہیں، ان سب کو مجموعاً الوہیت سے تعبیر کیا جاتا ہے، تفصیلات علم رسالت میں مندرج ہیں جو بذریعہ وحی بصورت قرآن والفرقان مکتوب بہ جان موسومہ انسان روحی فداک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا جس سے لازم ہے کہ ہر انسان کما حقہ استفادہ کرے تاکہ اسکی دنیا بھی اچھی ہو اور دین بھی اچھا ہو کیونکہ یہی فوز عظیم ہے۔

انسان

سوال:- مجھے آپ سے نفس انسانیت کے مفہوم اور اس کی تعلیم و تربیت پر کچھ سمجھنا ہے۔

جواب:- اجسام پر حکومت کرنا بادشاہت ہے، دنیا نے بادشاہت کو جمہوریت سے بدل دیا ہے نظام عالم اب اسی کے تحت ہے، ہر مملکت اپنے حدود ارضی رعایا پر حکومت کرتی ہے، یہ حکومت چند عہدوں کے توسط سے جاری رہتی ہے، مثلاً

وزرار، معتمدین، نظمار، تعلقداران، تحصیلداران، اجرائے حکومت میں ان کے ہاتھ ہوتے ہیں ـــــ ان عہدوں میں حکومت سے کچھ اقتدارات ملتے ہیں۔ ان اقتدارات سے عہدہ دار رعایا و برایا کے حقوق میں تصرف کرتاہے، مجھے اس تصرف عہدہ دار میں یہ پوچھنا ہے کہ عہدہ دار اپنے اقتدار حاصلہ کو حکومت سے ملاہے کیا اپنے ارادۂ ذاتی یا مرضی سے رعایا پر استعمال کرتاہے یا اقتدارات کا محل تصرف بھی حکومت کے مقرر کردہ قانون کے تحت ہوتاہے۔

جواب ـــــ مشاہدات روزمرہ کے اعتبار سے یہ کھلا علم و عمل ہے کہ عہدہ دار کو جو اقتدار ملاہے اس کا اپنا نہیں بلکہ حکومت کاہے اور اس کا محل تصرف بھی حکومت کا مقرر کردہ یعنی حکومتی ہوتاہے جسکو قانون یا دستور کہتے ہیں۔

اس تفہیم سے یہ ظاہر ہوا کہ اقتدار اور محل تصرف عہدہ دار کے ذاتی نہیں ـــــ اس مفہوم کو سمجھنے کے بعد لاالہ الااللہ کے مفہوم پر کافی روشنی پڑتی ہے، انسان میں بھی جو اقتدار و تصرف ہے اسکا اپنا نہیں ہے۔

اگر عہدیداران اقتدارات کو اپنی ارادت اور مرضی سے استعمال کرے تو وہ نافرمانی اور غاصبانہ حکومت سمجھی جائیگی جو اس شخص کیلئے مستوجب سزا اور احتساب ہوگی۔

جب ان عملی مشاہدات کا ہر شخص قائل ہے تو بات صاف ہوگئی، اس کے بعد ان واقعات کے مشابہ ایک پہلو ہے جس کا نام دین اسلام ہے اس میں بھی اسی طرح کی مشابہت پائی جاتی ہے۔

کیا آپ یا اور کوئی انسان جو ارض و سمار میں بستا ہے یہ بتا سکتاہے کہ اس نے اپنے جسم کے کسی عضو کو بنایا، یا اس جسم میں جو قوتیں ہیں وہ اسکی اپنی ہیں اور ان اجسام انسانی کی نشو و نما کیلئے جو کچھ کہ ارض و سمار میں ہے وہ انسان کا اپنا بنایا ہواہے ـــــ؟ تو ہر انسان ایک ہی جملہ میں اپنا فہم پیش کرے گا کہ انسان اور دوسری مخلوقات اور ان تمام مخلوقات کے اندر کی تمام توانائیاں یا دوسرے الفاظ میں۔ اقتدارات جو پائے جارہے ہیں اور جن پر انسان متصرف ہے قطعاً ان میں سے ایک بھی اس کی اپنی نہیں بلکہ وہ خود اور پوری کائنات کسی کے زیر ارادت مخلوق ہو رہی ہے مگر اس کے برخلاف انسان اپنے پر اور پوری کائنات پر غلط علم سے من مانے تصرف کرتاہے جس کا نام نفس و ہویٰ ہے۔

اب کہیں جامعہ انسانیہ یا اسلامیہ نہیں ہے اور نہ دین کی تعلیم و تربیت بلکہ اسلام صرف ایک قومیت کی حیثیت سے ہے۔ اور اس قومی نظریہ میں بھی عبادت کا مفہوم بگڑا ہواہے، اگر کہیں ہے تو صرف نماز روزہ کی حدتک وہ بھی آج کل شاذ و نادر۔

اب اگر ہم غور کریں تو صاف واضح ہوگا کہ افراد انسانی اس عالم کے عہدہ دار اور ان کے اندر کی توانائیاں اقتدارات کے مشابہ ہیں اور انسان جو تصرف کر رہاہے وہ پوری توانائیوں کو اپنی ملک

سمجھ کر جیسا جی چاہتا ہے ویسا موجودات عالم پر استعمال کرتا ہے ، تو معلوم ہوا کہ انسان کا ایسا سمجھنا غلط ہے اسلئے عمل بھی غلط ۔ اس وجہ سے انسان اپنے جملہ حوائج میں حیرانیوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہے ۔

کتاب و سنت صرف انسان ہی کیلئے اصلاحی علوم کی حامل ہیں لہذا انھیں علوم کے تحت نفس و ہوائے انسانی صحیح ہوجائیں تو انسان کا علم و عمل بھی صحیح ہو جائے گا ، اب ہر انسان چونکہ خلیفۂ ارضی ہے اور اپنی قوتوں کو ہر آن صرف کئے بغیر اس کی انسانیت رہ نہیں سکتی لہذا عمل سے پہلے اسی عمل سے پہلے اسی عمل کے علم کو سمجھنا چاہئے اور سمجھنے والی ذمہ دار شخصیت نفس انسانی جسکو جی کہتے ہیں وہی مکلف ہے ۔ وہ ایسی غیر معمولی شخصیت ہے کہ اس کی ہر حرکت محفوظ ہے ۔

چنانچہ سائنس نے اپنے تجربوں سے صاف اور واضح کر کے ہمارے مشاہدے میں لا دیا کہ انسان جب تقریر کرتا ہے تو اس کی تقریر محفوظ رہتی ہے جس کو اخذ کر کے ریڈیو ہر جگہ پھیلا دیتا ہے ۔ اگر یہ تقریریں کہیں محفوظ نہیں تھیں تو کس طرح ان کو اخذ اور نشر کیا گیا ۔

دوسرے یہ کہ انسان کی وسعت قلبی بھی ہمارے سامنے ہے کہ وہ جہاں ہو وہاں بیٹھے بیٹھے اور ممالک کے مقامات کو جو اس کے دیکھے ہوئے ہوں اب بھی ویسے ہی دیکھ سکتا ہے جیسے بیٹھے ہوئے کمرے کی چیزوں کو ۔ یہ وسعت قلبی کم و بیش سب میں ہے ، ایسا انسان اپنی فضیلتوں اور عالم پر متصرفانہ قوتوں کے باوجود اپنے کو صرف قوائے حیوانیہ یعنی کھانا ، پینا ، جننا ، پالنا وغیرہ کی حد تک محدود سمجھ رکھا ہے ، وہ کسی انسانی یونیورسٹی میں سبق انسانیت کو پڑھے اور سمجھے بغیر اپنے آپ کو استعمال کر رہا ہے ، واقعہ نفس الامری میں انسان بطن مادر سے جہل لے کر آیا تھا ، جیسے جیسے عمر بڑھی اس نے علوم و فنون سیکھے اور سمجھے اور ان کے واسطے سے اکتساب معاش کی طرف متوجہ ہو گیا ۔

اس کا آنکھ بند کر کے جہلاً اقتدار پر من ما نے تصرف کرنا موجب فساد بن گیا ، چنانچہ اس وقت پوری دنیا مختلف تکالیف کا منبع بنی ہوئی ہے ۔ اگر وہ دیگر علوم و فنون کی طرح انسانیت کو سمجھتا تو یہ مصروفیت جہل اٹھ جاتی اور واقعی انسان ہو جاتا اور ایسا علم صحیح علم ہے اور اس کا ثمرہ صحیح عمل ہوگا ۔ ایسے علم کو دوسرے لفظوں میں اطاعت اور فرماں برداری کہا جاتا ہے ، اطاعت و فرماں برداری افسر کے احکام کی تعمیل کا نام ہے ۔

احکام سمجھے بغیر اطاعت مطلق نہیں ہوتی ۔

بہر حال انسان رسالت محمدیہ سے انسانیت کا پورا فن سیکھے اور سمجھے تو اس کے اقتدامات کا استعمال اور ان کا محل تصرف بھی صحیح ہو جائے گا اور یہ دنیا بھی جو محل ٹریننگ ہے صحیح عمل سے آراستہ ہو کر آخرت میں لِکُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوا کا مصداق بن جائے گی ۔

اللہ پاک ہمیں امر الٰہی کی تعمیل اور اتباع سنت

کی توفیق عطاء فرمائے، آمین
صلی اللہ علی النبی الامی !

دعا سے متعلق

لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر ۳۴/۶)	آس مت توڑو اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ۔

اللہ تعالیٰ قادر مطلق اور غنی ہیں، بندہ عاجز اور محتاج حق سبحانہ وتعالیٰ خالق رب اور الٰہ ہیں ۔ بندہ مخلوق، مربوب اور مالوہ ۔

بندہ محتاج اور اللہ الغنی میں یہ اعتبار احتیاج و غنا یہی نسبت ہے کہ بندہ مانگے اور اللہ دے اللہ تعالیٰ تو بے مانگے دیتے ہیں اور پھر مانگنے پر درخواست رد ہونے کی مایوسی کا تصور کیسے پیدا ہو سکتا ہے ۔

بندہ کی ہر مانگ اور ہر طلب بارگاہ ایزدی سے قبولیت سے سرفراز ہوتی ہے، اس پر یقین تقویت ایمان کا موجب اور عین واقعہ کے مطابق بھی ہے مشاہدہ میں البتہ یہ بھی نظر آتا ہے کہ ایک شخص نے کچھ مانگا اور وہ اسکو نہیں ملا، یہ صحیح ہے ۔ لیکن ایسا ہونا ردِّ دعا یا منافیٔ قبولیت نہیں ہے اس بارے میں ایک مثال سے پوری تشفی ہو سکتی ہے

ایک بچہ ہے جو اپنے باپ کے زیر ربوبیت اور اس کو بہت پیارا ہے ، یہ بچہ مبتلائے یرقان ہے اور پلاؤ زردہ کھانا چاہتا ہے ، باپ اپنے بچہ پر ہر آن متوجہ ہے اور اس کی ہر خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے لیکن باوجود بچہ کے اصرار اور ضد کے اس کو پلاؤ زردہ نہیں کھلاتا کیونکہ جانتا ہے کہ پلاؤ زردہ اسکے حق میں بوجہ مرض خوراک نہیں بلکہ زہر ہے اسلئے پلاؤ زردہ بچہ کو نہیں دیتا اور دینا بھی نہیں چاہئے ، اگر دیگا تو باپ نہیں دشمن قرار پائے گا ۔

باپ کے تقاضائے محبت کا اگر جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ پلاؤ زردہ تو اس کو نہیں کھلاتا مگر اسکو کوئی عمدہ میوہ جو اسکے مرض میں مفید ہو یا کم از کم مضر نہ ہو کھلاتا ہے یا کوئی اچھا اس کی پسند کا کھلونا لا دیتا ہے

یہ بالکل ظاہر و واضح ہے کہ باپ کا بچہ کو رب کا مربوب کو دینا نہ دینا کلیتہً خود بچہ اور مربوب کے نفع و نقصان اور فائدہ و ضرر پر منحصر ہے ۔

بلاشبہ حق سبحانہ تعالیٰ جو علیم و خبیر ہیں جب کسی کی مانگی ہوئی چیز کو اس کے حق میں مضر جانتے ہیں تو وہ اسکو نہیں دیتے یا مانگتے ہی دینا نقصان دہ ہوتا ہے تو بھی نہیں دیتے البتہ پھر بعد میں دیتے ہیں، مگر ہر صورت میں دیتے ضرور ہیں اور دعا کا قبول ہونا برحق یعنی اللہ تعالیٰ بندہ کو جو مانگے وہ دیتے ہیں یا دعا کے ساتھ ہی یا دیر سے ، اور اگر مانگی ہوئی چیز اسکے حق میں مضر ہے تو کوئی دوسری چیز بہتر نعم البدل عطا فرماتے ہیں، حتیٰ کہ اگر کوئی بندہ ناقص اور بے استعداد کسی بھی چیز سے تمتع کے قابل ہی نہ ہو تو اسکو اپنی اس محرومی پر فتح و غلبہ پانے ، یکسوئی اور اطمینان قلب

جیسی نعمت سے سرفراز کر کے مسرت بے کراں بخشتے ہیں غرض کہ الحمد للہ علی احسانہ اللہ تعالیٰ ہر دعا قبول فرماتے ہیں، جو مانگے دیتے ہیں، فوراً یا دیر سے، کم مانگو زیادہ دیتے ہیں، اسباب راحت مانگو راحت دیتے ہیں، ادنیٰ مانگو اعلیٰ دیتے ہیں، مگر یہی کہ بندہ مانگے اور اللہ ہی سے مانگے۔

اَمَّنْ يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ۔
(النمل ۵/۲۰)

(بھلا کون پہونچتا ہے بے کس کی پکار کو جب اسکو پکارتا ہے)

ذکر و فکر

اس زمین و آسمان میں ان گنت کائنات یا مخلوقات ہیں، ان کے منجملہ انسان بھی ایک مخلوق ہے پوری کائنات میں ایک انسان ہی قابل تذکرہ ہے لہذا ہم اسی ایک انسان کے اندرونی حالات پر غور کریں تو جملہ انسان بلکہ جملہ مخلوقات کھل کر سمجھ میں آجائینگے ایک انسان کو سمجھنا پوری مخلوقات کو سمجھنے کے برابر ہے، اسلئے ہم ایک ہی انسان پر غور کریں گے۔

انسان میں دو چیزیں مشترک ہیں ایک جسم دوسری روح، یہ دونوں علحدہ علحدہ پائے نہیں جاتے جسم بغیر روح کے یا روح بغیر جسم کے نہیں پائی جاتی بلکہ دونوں مل کر پائے جاتے ہیں۔

جسم میں جب روح ڈالی جاتی ہے تو جسم کے جملہ اعضاء و جوارح اپنے وظیفہ طبعی میں مصروف ہو جاتے ہیں جسطرح کان محل سماعت، آنکھ محل ابصار ہے، اسی طرح جملہ اعضاء و جوارح اپنی قوتوں کے محل ہیں اور مصروف ہیں، ان میں ایک مقام قلب کا بھی ہے یہی محل علم و فہم ہے، ہم اس مقام پر انسانی معروفیات کو سمجھ رہے ہیں، قلب محل علم ہے۔

انسان اس دل میں جس کا دوسرا نام محل خیالات ہے مستغرق ہے، اس دل میں انسان کے لوازمات جسمی اور اور ان کی فراہمی کے تفکرات رہتے ہیں، مثال کے طور پر روپیہ کی فکر، معاش کی فکر، کھانے پینے کی فکر، صحت و عافیت کی فکر، متعلقین کی فکر، غرض کہ ہر فکر انسان کو اپنی طرف ہر آن متوجہ رکھتی ہے، وہ اسمیں اتنا گھرا ہوا رہتا ہے کہ کسی آن اس مقام سے ہٹنا اس کے اپنے بس کی بات نہیں، یہ ایسی صحیح بنیادی بات ہے کہ کوئی انسان اس سے اختلاف کرنا تو درکنار خود اسی میں مبتلا ہے۔

یہاں یہ رشتہ و تعلق بھی واضح ہو جاتا ہے کہ انسان کو جن حوائج جسم کی فکر ہے وہ ارض و سماء میں موجود ہیں غیر موجود کا مطالبہ یا خواہش نہیں ہے، اس کے لئے یہاں اس قدر علم ضروری ہے کہ انسانی جسم کی تخلیق سے پہلے پوری کائنات کی تخلیق کئی ہزار سال قبل فی ستۃ ایام ہوئی۔ خلق لکم ما فی الارض جمیعاً سے یہی بات سمجھائی جارہی ہے، یہ پوری کائنات انسان ہی کے جسم کی نشوونما کے لئے بنی ہے جو ان گنت اور بیشمار ہے جس سے معلوم ہوا کہ حوائج انسانی کی بھی گنتی نہیں اور یہ غیر محدود کائنات غیر محدود حوائج انسانی کیلئے ہے

(محمود ا/۲ جمہ دلنا میں)

پس ان دونوں چیزوں کو ملانے اور غور کرنے سے انسان کی تعریف "مجموعہ حوائج" نکلتی ہے۔

یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ انسان اپنے حوائج بشری کی تکمیل کرنے والی اشیاء کی طرف متوجہ رہتا ہے جن سے اسکا اپنا ایک لائیفک رشتہ یا تعلق ہوتا ہے۔

ان توجیہات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ دل محل تفکرات ہے اور نظام جسمانی کے قائم رکھنے کی فکر اس کا کسی حال میں پیچھا نہیں چھوڑتی۔

اب یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ انسان کے جی میں جو خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ اس کی اپنی ارادت سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ خالق ارض وسما جس نے کائنات کو انسان سے پہلے مخلوق فرمایا ہے وہ خود ہی انسان کے دل میں اس کے خیالات بھی پیدا کرتا ہے اور یہ خیالات مخلوقات ہی کے توسط سے آتے ہیں جو اس کے اپنے پیدا کردہ نہیں ہوتے مثلاً کھانا، پینا روپیہ، پیسہ، اقتدار، اولاد، شادی بیاہ اور صحت و عافیت وغیرہ۔

غرض کہ یہی خیالات انسان کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں اور انہیں میں وہ منہمک رہتا ہے، یہ بات بالکل روزمرہ انسانی عملیات میں واضح ہے کہ انسان کا دل انہیں مخلوقات کے ذکر میں لگا ہوا ہے۔

دینی سلاسل میں کوشش اس امر کی کی جاتی ہے کہ یہ دل جو محل تفکرات جسمی (ذکر مخلوق میں) ہے وہاں ذکر الٰہی قائم کیا جائے۔

ابتداءً جب اس دل میں ذکر الٰہی بٹھانے کی کوشش کی جاتی ہے تو یہ دل مبتلائے وساوس ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس پر قابو پاتے پاتے برسوں میں وساوس بند ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اسی کیا نفس میں کیا دل میں بلکہ ہر رگ و بن میں جاری ہو جاتا ہے اور یہ اجراء ذکر غیر معمولی مشقتوں محنتوں اور ریاضتوں سے ہوتا ہے، یہی سلوک و ولایت ہے۔

اگر ہم اس ملکہ قلبی کو جو محل ذکر و فکر کائنات ہے اس کے خالق کے بھیجے ہوئے علم جس کا دوسرا نام رسالت ہے متوجہ رکھیں تو بہت آسانی سے یہ ذکر خلق ذکر حق میں مبدل ہو سکتا ہے:-

یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر۔ (البقرہ ۲/۲۳)	حق تبارک وتعالےٰ انسان کے لئے آسانی چاہتے ہیں مشکل نہیں۔

اگر کوئی مشکل مصلحۃً انسان پر ڈالی جاتی ہے تو اسکا بار بھی وسعت انسانی پر رکھا گیا ہے:-

لا یکلف اللہ نفساً الا وسعھا۔ (البقرہ ۲/۴۰)	اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے۔

اس انسانیت کے حل کو

لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرکم (الانبیاء ۱۷/۲)	ہم نے آتاری ہے تمہاری طرف کتاب کہ اسمیں تمہارا ذکر ہے۔

میں ملاحظہ فرمائیے جو اسی انسان کا موسومہ خط ہے۔ خط کی یہی تعریف و توصیف ہو سکتی ہے کہ خط لکھنے والا جس کو خط لکھتا ہے اس میں اسی کا ذکر کرتا ہے

چنانچہ حق تعالیٰ کا کلام قول ہے اور یہ پوری کائنات اللہ کا فعل ہے تو قول کو فعل میں ملاحظہ فرمائیے کہ الحمد سے والناس تک اسی انسان کے جسم و روح کا ذکر ہے ——— روزمرہ زندگی میں انسان اپنے حوائج بشری میں مبتلا رہتا ہے مثلاً کھانا، پینا، نہانا، دھونا وغیرہ

اگر سارے افعال بشری کو قول الٰہی جل شانہ میں تلاش کریں تو وہ سب کے سب اس میں مل جائینگے خواہ اچھے ہوں یا برے۔

اس مطابقت قرآنی و انسانی سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کا دل محل تفکرات ہے اور اگر یہی ذکر و فکر جو نفسی ہے الٰہی ہو جائے تو یہی تبدیلی اصل انسانیت ہے۔

نری روحانیت ملکیت اور نری جسمانیت حیوانیت ہے اور دونوں کو باہم جمع کرنا انسانیت ہے ——— یا دوسرے لفظوں میں نہ تو انسان فرشتہ ہے اور نہ شیطان، بلکہ دونوں کا مرکب۔

گناہ نہ کرنے کا نام ملکیت اور گناہ کرنے کے بعد اس پر اصرار شیطنیت ہے۔ حق تعالیٰ نے حیوان کو کالانعام فرمایا اور انسان کو تاج خلافت عطا فرمایا۔ لہٰذا فکر قلبی ہی کو ذکر الٰہی بنانا انسان کی انسانیت کے قریب تر ہے۔

یہاں اس قدر تعلیم دینی کافی ہے کہ انسان اپنے جی میں جن خیالات کے توسط سے حوائج جسم کی تکمیل چاہتا ہے اور جو اس ارض و سما میں ہیں۔

خلق لکم ما | پیدا کیا تمہارے واسطے
فی الارض جمیعًا | جو کچھ زمین میں ہے

(البقرہ ۳/۱ ۱)

کے ارشاد میں شامل ہیں، وہ چیزیں کیا خود انسان کی بنائی ہوئی ہیں؟ یا اس کی اپنی چیزیں ہیں، کیا خود اسکا جسم اور اس کے جسم کے سارے اعضاء خود اس کے بنائے ہوئے ہیں؟ کیا جسم انسانی میں جو قوتیں ہیں وہ اس کی بتمامہ (تمام کی تمام) اپنی ہیں جو انسان کے زیر تصرف ہیں؟

تو ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ انسان نے نہ تو کائنات کو بنایا نہ اپنے جسم کو، نہ جسم کے اعضا و جوارح کو اور نہ ان کے اندر کی قوتوں کو۔

یہ بھی انسانی مشاہدہ ہے کہ کسی بنانے والے کے زیر تصرف پانی خاک، موسم، پھل، غذائیں، اجناس وغیرہ بنتے جا رہے ہیں جو انسان کے استعمال میں ہیں انسان اپنے جی میں بلا انکار اس کو مانتا ہے کہ یہ پوری چیزیں میری اپنی مخلوق نہیں ہیں بلکہ خالق ارض و سما کی ہی بنائی ہوئی ہیں جو میرے زیر استعمال ہیں۔

تو اب اس سے واضح ہوا کہ آفاق میں پوری کائنات اور انفس میں پورے اعضا و جوارح اور سارے جذبات، حواس و قویٰ (خواہشات نفس) جہاں تک لفظ مخلوق کے تحت آتے ہیں ان میں کوئی چیز بھی میری اپنی نہیں بلکہ تمام اللہ سبحانہ تعالیٰ کی ہی ہیں جیسا کہ قول - لہ ما فی السموات وما فی الارض میں واضح فرمایا گیا ہے اور چونکہ ساری چیزیں میرے ہی لئے بنی ہیں اس لئے میرے جی میں انکا خیال

پیدا ہوتا ہے ۔ اس طرح میرے دل کا ان اشیاء کی طرف متوجہ رہنا ہی حق تعالیٰ کی نسبت تخلیق و منشاء سے متعلق رہنا ہے۔ اسلئے انسان کے قلب کا ان اشیاء کی طرف متوجہ نہ ہونا ناممکن بلکہ تقاضائے بشریت سے قطع نظر کرنا ہے، اسی کو غلط فہمی سے ترک دنیا سمجھا گیا ہے۔

اب فہم رسالت کے تحت صرف اتنا ہی مجاہدہ ہے کہ جو چیز میرا جی مانگتا ہے اسکو شریعت میں دیکھے اگر اجازت ہے تو ان کو استعمال کرے اور اگر اجازت نہ ہو تو ترک کر دے۔

ترک دنیا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

کتاب و سنت میں امر نفسی کے تحت حوائج بشری کی تکمیل منع ہے:۔

ولا تتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله (ص ۲/۲۳)	اور نہ چل جی کی خواہش پر پھر وہ تجھ کو بچلا دے اللہ کی راہ سے۔

اور امر الٰہی کے تحت (ان کی تکمیل) جائز ــــ تو بات صاف اور آسان ہو گئی کہ یہ فکر بشری جو عادت بشری ہے تعمیر امر الٰہی و اتباع سنت سے عبادت ہو گئی عادت نہ رہی، اس طرح انسانی تفکر جیسا کا ویسا رہا صرف نسبت علمی صحیح ہو گئی تو فکر انسانی تبدیل بحکم الٰہی سے ذکر الٰہی تلاوتہ اناء اللیل واناء النهار کے بموجب عبادت کا مصداق لگی قطع نظر اس کے کہ نفس انسانی یا جی کیا کہتا ہے اس کی عملی زندگی آپ کے ملاحظہ میں پیش کی جاتی ہے۔

انسان کا جی جس کسی چیز کو مانگتا ہے وہ اسکو دیتا ہے، یعنی انسان جی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور جس چیز کو دیکھتا ہے یا خود کو یا اپنی طرح کے کسی اور انسان کو اس کا مالک سمجھتا ہے، یہی روزانہ انسانی عادت ہے کہ اشیاء کو اپنی سمجھتا ہے اور جی جو بولے سنتا ہے یعنی جی کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔

کتاب وسنت میں صرف اسی نفس انسانی کے عملی زندگی کے علم کو بدلنے کی دعوت دی گئی ہے کہ جن چیزوں کو وہ اپنی یا غیر کی ملک سمجھتا ہے یہ اسکا علم غلط ہے بلکہ وہ اشیاء جو اسکی تکمیل مہانداری کیلئے بنی تھیں ان کو وہ غلط فہمی سے اپنی یا غیر کی ملک سمجھتا ہے، جب چیز یا اسکی بنائی ہوئی نہیں ہیں تو غیر کی ملک کو اپنے جی کے حکم سے استعمال کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اس غلط فہمی کا نام کتاب وسنت میں کفر ہے، لہٰذا مختصر اور آسان بات بغیر قلب کی فکر کو بدلے یہ نکلی کہ انسان جن اشیاء کی فراہمی کے فکر میں ہے وہ حق تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کی ہیں مگر ہر چیز اپنے وقت پر ملتی ہے، یہاں مسئلہ تقدیر شامل ہو رہا ہے لہٰذا تقدیر سے متعلق دو ایک جملے مختصراً لکھے جاتے ہیں۔

انسان کے اس عالم میں آنے کے بعد سے

اب جس عمر میں موجود ہے اس وقت تک گذشتہ زندگی میں جو کچھ بھی اس پر دکھ درد، صحت و عافیت شادی بیاہ، حزن و ملال، ترقی و تنزل، مال اور اولاد، اقتدار اور حکومت جو کچھ بھی اس پر گذرتے ہیں وہ سب کے سب اس کے جسم و نفس پر مخلوق اور ظاہر ہونے سے پہلے حق تعالےٰ کے علم میں موجود تھے، ان موجودات علمی کو انسان پر وارد ہونے سے پہلے تقدیر یا قدر کہتے ہیں یہی واقعات انسان پر یا پوری کائنات پر وارد ہونے سے پہلے وکل شیئ عندہ بمقدار میں بیان کئے گئے ہیں اور یہ واقعات و ظہورات بہ تعین اوقات عالم میں ظاہر ہوتے ہیں یہ حق تعالےٰ کے علم کے پابند ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ جو چیزیں مجھ پر ظاہر ہونے والی ہیں وہ اپنے وقت پر ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں، یہی اس حدیث میں ذکر ہے کہ تمھاری چیزیں دوسرے کو نہیں دی جا سکتیں اور دوسرے کی چیزیں تمھیں نہیں مل سکتیں جس کے لئے جو مقدر ہیں اس کو اس کے اپنے وقت پر ملیں گی، تو معلوم ہوا کہ جو چیزیں جس وقت ملیں گی وہ تحت علم الٰہی ہوں گی، ان کے سوا میرا جی جن چیزوں کو مانگتا ہے وہ علم الٰہی کے تحت نہیں ہوتیں لہٰذا ایسا نفسی مطالبہ قرآن پاک میں اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى میں بیان کیا گیا ہے، تو واضح ہوا کہ ارادۂ نفسی کا نام تمنا ہے اور ارادۂ الٰہی کا نام کُن۔ "کُن" کا مخاطب حق تعالیٰ کے علم میں معلوم ہے اور تمنا کا مخاطب نفس میں کچھ نہیں، یہی جہل و ظلمت ہے۔

نفس انسانی میں تمنا کے باوجود "کن" بھی زیر استعمال ہے، اس کن کو سمجھنے سے پہلے انسانی تعریف ملاحظہ فرمائیے:-

انسان کثیر الحاجت ہے ــــ یہ حاجتیں دو قسم کی ہیں، ایک اختیاری، دوسری غیر اختیاری۔

غیر اختیاری حاجتیں روپیہ، پیسہ، عزت و دولت، اقتدار، شادی بیاہ، امراض و شفاء وغیرہ ہیں ــــ یہ انسانی حاجتیں ارادۂ الٰہی سے پوری ہوتی ہیں، ان حاجتوں کو جب انسان چاہتا ہے تو وہ تمنا بن کر رہ جاتی ہیں مگر پوری نہیں ہوتیں۔ اسلئے کہ یہ بڑی ضرورتیں ہیں جو ارادتِ مطلقہ کے تابع ہیں جو "کُن" سے پوری ہوتی ہیں۔

اختیاری ضرورتیں انسان کے اندر کی روحانی قوتوں سے جب وہ چاہتا ہے پوری ہو جاتی ہیں مثلاً کھانا پینا وغیرہ ــــ غیر اختیاری امور میں تمنا کے باوجود انسان میں کُن بھی اختیاری امور میں پایا جاتا ہے جس میں کن مطلقہ کی مشابہت پائی جاتی ہے کُن کو سمجھنے کیلئے انسانی خیال کو سمجھئے جب کسی کام کو کرنے کا خیال دل میں آتا ہے تو انسان اس خیال کے توسط سے جس کام کو کرنا چاہتا ہے جانتا ہے، جس کو جانتا ہے اسکو معلوم کہتے ہیں، اس معلوم کو انسان میں کام کرنے کا عزم پیدا ہوتا ہے وہی کُن ہے جو معلوم سے متعلق ہوتا ہے یہی معنی ہیں کُن۔

فیکون کے ۔

جی میں جو خواہشات پیدا ہوتی ہیں ان کو علم الٰہی (شریعت) کے بموجب بدلنے سے عادت عبادت ہو جاتی ہے ۔ ونہی النفس عن الہویٰ فان الجنۃ ھی الماویٰ میں یہی چیز واضح کی گئی ہے ۔

مطالبۂ سلوک اس قدر ہے کہ نفس (انسانی) اشیاء کا اپنے کو یا غیر کو مالک نہ سمجھے بلکہ حق تعالیٰ کو ان کا مالک سمجھ کر دیکھے ، یہ دیکھنا قرآن کریم میں مرتبۂ آثار یا عالم شہادت کا وجہ اللہ ہے اور امر نفسی کو امر الٰہی سے بدل دے ۔

اس تفہیم سے یہ بات نکلی کہ فکر انسانی ذکر الٰہی میں کس طرح آسانی سے بغیر ریاضت مشقت یا محنت کے بدل سکتا ہے ۔

اب انسانی مشاہدہ اشیاء میں تملیک اور افعال بشری میں (فرماں برداری) حکم کا مصداق بن گیا ــــــــ اور یہی مقصد نبوت ہے ۔

مولانا محمد انجم کانپوری ادیب

راہ اور رہبر

اسلام اور پیغمبر اسلام کی مقدس سیرت کا جائزہ

سیرت ایک عربی زبان کا لفظ ہے جسکے معنی ہیں؛ چلنا، پھرنا ـــ اصطلاح تاریخ میں یہ لفظ اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی فرد کے شخصی کردار اور اس کی چال وچلن کا جائزہ لیا جائے جس میں اس کے علمی وعملی کارنامے اسکی نمایاں خدمات، اس کے سماجی ومعاشرتی اخلاق ایثار وخلوص وفاداری وامانت داری کو کافی دخل ہے جس کا دار ومدار اس کی علمی لیاقت، عملی صداقت اور نیک جذبات ہوا کرتے ہیں۔

ظاہر بات ہے کہ جب کسی شخص کے اندر یہ تمام کمالات بدرجۂ اتم موجود ہوں تو اس کی شخصیت عوام الناس بلکہ خواص الناس سے بھی ممتاز ہوجاتی ہے اور سلیم الطبع جماعت اس کے قول وفعل کو قابل اتباع، اس کے کردار کو اپنے لئے نمونہ اور اس تحریکی جدوجہد کو اپنے لئے کامیابی اور کامرانی کا زینہ اور ذریعۂ نجات تصور کرتی ہے بشرطیکہ وہ بانیٔ تحریک بھی اپنی دعوت کا عملی مجسمہ ہو۔

مذکورہ بیان کے تحت ہم آپ کے سامنے اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت واحوال کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

تاریخی حیثیت سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ چکی ہے کہ اسلام سے پیشتر اس کائنات میں بہت سے ادیان و مذاہب ظہور پذیر ہوئے اور ہر ایک نے اپنے دور میں ان تمام حسن صفات کی دعوت دی جو کلیتہً اس دور میں مفقود ہو چکی تھیں، اگرچہ ہر ایک مذہب کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ انسان کو اسکے خالق سے بہرہ ور کر کے اس کو امن وسکون کے راستے پر گامزن کر دیا جائے لیکن اس سلسلہ میں ہر ایک کا طریق کار جداگانہ تھا ـــ اسلام نے اس طریق کار

میانہ اور متوسط اقدام کیا ، اس نے لوگوں کے سامنے ایسی روشن تعلیمات پیش کیں جس میں توسط اور میانہ روی کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اس نے ایسے اصول و فرامین جاری کئے جس میں نہ تو اتنی قید و بندش ہے کہ کسی کی طبیعت پر بار گراں ہو اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ اسلامی اصول کا اپنانا انسانی طاقت سے بالاتر ہے اور نہ ہی اتنی آزادی اور چھوٹ ہے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہو جائے جیسے کہ بے نکیل کا اونٹ ـــــ اسلام نہ تو اس قدر صعوبت اور مشکلات سے دوچار کرتا ہے کہ طبیعت مضمحل ہو جائے اور طبعی اور نفسانی خواہشات پر چھری پھر جائے اور نہ اسکو اتنی آوارگی پسند ہے کہ دل سے خدا کا خوف ہی جاتا رہے بلکہ اسلام تو خوف و رجا سے مرکب ایک تیسری چیز کا نام ہے۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد اب ہم اپنے اصل مضمون کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

میرے عزیزو! کسی بھی شریعت اور ملت کے فروغ کی ضمانت بانیٔ مذہب کے کردار ہوا کرتے ہیں اور اسی حساب سے وہ تدریجی منازل طے کرتا ہے آج جب ہم اسلام پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ آخر اس قلیل مدت میں اسلام دنیا کے اِس کونے سے اُس کونے تک کیسے پھیلا حالانکہ جس وقت اسلام کی ضیاء پاش کرنیں پھوٹی تھیں اس وقت عرب میں بلکہ سارے عالم میں کفر و ظلمت کی گھنگھور گھٹائیں ہر جانب محیط تھیں اور فی الوقت نہ تو ایسے آلات تھے جس کے ذریعہ اس ندائے حق کو بآسانی دوسری جگہ پہونچانے میں مدد ملتی اور نہ ان سواریوں کی فراوانی تھی جس کے ذریعہ سے اس مذہب کے شیدائی اس کی اشاعت کے لئے دوسرے مقامات پر جلد از جلد قلیل مدت میں سفر کر سکتے ہوں۔ ایسے نازک وقت میں جبکہ ہر قسم کے اسباب منقطع ہو چکے تھے اور قبیلہ کا قبیلہ بلکہ آپؐ کے خصوصی اقربار اور رشتے دار آپ کی دعوت کے سخت مخالف تھے آخر اسلام نے کس طرح عروج کی منزلیں طے کیں؟ درحقیقت اسلام کا نصیب ہی اچھا تھا، خدائے تعالیٰ نے اس کو ایک نیر تاباں عطا کیا تھا جس کی نورانی صداقت نے دنیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا جو بیک وقت علم و عمل کا نمونہ تھا، امانت و دیانت جس کا شعار تھا، وفاداری اور اخوت جس کا شیوہ تھا، صبر و ایثار جس کی فطرت تھی، جو عزم و استقلال کا پہاڑ تھا جسکے اندر ... کی تاریکیوں کو مٹانے کے لئے قمری صلاحیت موجود تھی ـــ قرآن کریم نے ان الفاظ کی شہادت پیش کی ہے:

وداعیاً الی اللہ باذنہ وسراجاً منیرا۔ (قرآن)	اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو اپنی مرضی سے نبی بنا کر بھیجا ہے اور آپ کو ایک روشن چاند بنایا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی عمر اور سن طفولیت ہی کچھ اس قسم کی تھی جس سے آپ کی برتری اور قیادت کا صاف پتہ چلتا ہے جیسا کہ ابو طالب اور آپ کے دادا عبد المطلب اور بعض راہبوں نے اپنی روحانی فراست

سے جان لیا تھا اور سلمان فارسی جیسی شخصیتیں آپ کی قدم بوسی کی منتظر تھیں ، اس قول کی شہادت دائی حلیمہ کے اس قول میں ملتی ہے جس کو بعض کاتبین سیرت نے نقل کیا ہے ، دائی حلیمہ کا بیان ہے کہ :

"جس دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
میرے یہاں زیر پرورش تھے ایک
دوسرا بچہ بھی تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم نے کبھی بھی اس پستان میں منہ
نہیں لگایا جس سے دوسرا بچہ دودھ
پیتا تھا ۔"

آپ نے یہ کردار اس عمر میں پیش کیا جبکہ بچوں کو اس عمر میں داہنے بائیں کی شناخت نہیں ہوتی اس سے آپ کے انصاف کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ نے نبوت اور قیادت حاصل کرنے کے بعد کس قدر انصاف کیا ہوگا ۔

یہ آپ کی طفلانہ نمائش کی ایک مثال ہے نبوت مل جانے کے بعد آپ نے جس انصاف اور حسن کردار اور بہترین کارکردگی سے دعوت و تبلیغ کا کام انجام دیا آج عالم میں اس کی نظیر ناپید ہے اسلام کو جس قدر ترقی اور فروغ حاصل ہوا وہ در اصل آپ کے حسن کردار کا صدقہ ہے ۔

آنحضرت بچپن ہی سے بہت نرم مزاج واقع ہوئے تھے اور آپ کی یہ صفت بہت بڑا معجزہ تھی ۔ اسلام کو اس مخصوص صفت سے وہ مدد ملی جو ادیان سابقہ کو اپنے نبیوں کے خوارقات اور معجزوں سے ملی تھی ۔

ایک دوسری چیز جو آپ کی مخصوص صفت تھی وہ آپ کی جامعیت تھی ۔ انبیاء کرام کی سیرت پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ ہر نبی اپنی جگہ اپنی دعوت کا سرچشمہ اور عملی نمونہ ہے ۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کو بعض مخصوص صفات سے خصوصی دلچسپی اور تعلق ہے اور اپنی تمام نیک خصلتوں کے علاوہ وہ اپنی اس مخصوص صفت میں زیادہ مشہور ہے ۔ مثال کے طور سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی مہمان نوازی میں مشہور ہیں ، حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے طیش و جلال میں [illegible] ہیں اور حضرت یوسف اپنے حسن میں بے مثل ہیں ۔

آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ ہمارے نبی کا کیا مقام تھا ، ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام اوصاف کا مرکب اور مجموعہ تھے جو آپ سے پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام میں انفرادی حیثیت سے [illegible] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت ابراہیم کی طرح مہمان نواز تھے ، آپ نے لوگوں کے ساتھ دردمندانہ سلوک کا جو ریکارڈ پیش کیا ہے آج تک اس کی نظیر ناپید ہے ۔ آپ نے بسا اوقات ایک ایک مہمان کو سات بکری کا دودھ پلا دیا اور خود بھوک کی سوزش برداشت کی ۔ اسی طرح اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ناحق چیزوں پر غصہ آ جاتا تھا تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] فطرتاً مستحکم اور نرم مزاج تھے ، ناجائز [illegible]

کو بھی بہت سخت جلال آجاتا تھا ۔۔۔ واقعۂ حنین سے آپ کی اس صفت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے بعض صحابہ کا بیان ہے کہ جلال کے وقت آپ کو اتنا طیش آتا تھا کہ چہرہ بالکل سرخ ہوجاتا تھا گویا انار کے دانے رخسار مبارک پر بکھیر دئے گئے ہوں اور اسی طرح سے حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح خدا نے آپ کو بھی جمال جہاں آرا سے سرفراز کیا تھا ۔۔۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت یوسف کے حسن پر فریفتہ ہوکر مصری دوشیزاؤں نے اپنی انگلیاں تراش لی تھیں آخر ہمارے نبیؐ کا حسن و جمال کیسا تھا؟ ۔۔۔ آپ نے فرمایا:

لواحی زلیخا لو رأین جبینہ
لآثرن قطع القلوب علی الید

ترجمہ

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

حضرت براء ابن عازب کی صاف حدیث ترمذی میں موجود ہے ۔ فرماتے ہیں:

" میں چودھویں کے چاند کو اور آپ کے حسن کو دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ کس کا حسن زیادہ جاذب ہے، آخر کار میں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اس ماہتاب سے کہیں دلکش ہے ۔"

خدائے پاک نے اپنے نبی کو ہر قسم کے اوصاف جمیلہ سے نوازا تھا، آپ کی سیرت کو بھی مقدس بنایا آپ کی صورت کو بھی حسین و جمیل بنایا تاکہ کوئی شخص آپ پر بے جا تنقید نہ کرسکے ۔ کیوں کہ جب کوئی شخص دوسرے پر نظر ڈالتا ہے تو پہلے اس کی صورت سامنے آتی ہے بعد میں وہ اس کی سیرت کا متلاشی ہوتا ہے آپ کو حسن و جمال بھی اس لئے دیا گیا کہ کوئی نووارد بھی آپ پر انگشت نمائی نہ کرسکے ۔

اسکے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ میں بعض ممتاز چیزیں نظر آتی ہیں جس میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ کا کردار اور آپ کی سیرت انسانی زندگی کے ہر گوشہ میں بخوبی رہنمائی کرنے کی پوری صلاحیت رکھتی ہے ۔ اس کے برخلاف اسلام سے قبل جو انبیاء آئے ان کا پیغام و کردار بعض اقوام اور مخصوص افراد کے لئے ہوا کرتا تھا اور اس کے مخاطب مخصوص مزاج و مکان رکھنے والے افراد ہوا کرتے تھے لیکن آپ رحمۃ للعلمین ہیں آپ کا پیغام کل کائنات کے ان انسانوں کے لئے پیغام امن اور ان کے امن و سکون کا ضامن ہے ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے حق میں ایک منصف رفیق حیات تھے تو آپؐ اپنے پڑوسیوں کے لئے ایک بہترین ہمسایہ ۔ آپؐ جہاں محراب و منبر کے چراغ اور زینت تھے وہاں میدان کارزار میں ایک ہوشیار کمانڈر ۔ اگر آپ کی شہری زندگی شہر والوں کے لئے نمونہ ہے تو آپ کی

سادگی اہل بادیہ کیلئے مشعل راہ ۔ اگر آپ نے لوگوں کو زہد و تقویٰ اور معرفت الٰہیہ کی تعلیم دی تو آپ نے ان کو خود داری اور باوقار زندگی گذارنے کیلئے تجارت اور زراعت کے زریں اصول سکھائے آپ نے زندگی کے کسی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑا ۔ انسانی زندگی کے ہر مرحلہ میں آپ کا پیغام سنگ میل بننے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے اور آج بھی اس مادی دور میں آپ کی سیرت کو وہی تازگی حاصل ہے جو ۱۴۰۰ برس پہلے تھی ۔

باری تعالیٰ ہر محمدی کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار کا آئین بنائے ۔

امید کی شمع

اختر کاظمی

زندگی ــــــــــ

کتنا دلکش و حسین عنوان ہے، پیدا ہونے سے قبل از مرگ کی مدت کا ــــــــ خدا معلوم اسمیں کتنی تہیں ہوتی ہیں، ہر ایک لمحہ ایک تہہ ہوتا ہے ــ بنی نوع انسان کا وجود ان تہوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔ ہر تہہ اپنا الگ رنگ و مقام رکھتی ہے لیکن غم جیسی دبیز وگراں کوئی تہہ نہیں ہوتی ــــــــ کبھی کبھی تو یہ اتنی دبیز ہوتی ہے کہ خاک کے پیکر کو خاک میں ملا ہی دیتی ہے خوشی نام کی تہہ سب سے کمزور و ہلکی پھلکی ہوتی ہے، اسکا وجود سائے کے مشابہ ہوتا ہے اور سائے کا کوئی روپ نہیں ہوتا، خوشی کو لمحوں کے پیمانے میں بھی ناپنا کبھی کبھی دشوار گذار ہو جاتا ہے ــــــــ غم اور خوشی کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ــــــــ نگاہ جھکی، دل کا سورج غروب ہوا، غم کے بادل چھا گئے ــــــــ نگاہ اٹھی، کچھ دیکھا مسرت کی کرن ہونٹوں پر نمایاں ہو گئی، تاہم کبھی کبھی غم سے خوشی کا درمیانی فاصلہ طے کرتے ہوئے برس اور صدی گذر جاتی ہے، بہر صورت لوگ جیتے رہتے ہیں خواہ خوشی کے گیت گائیں یا غم کے جام پئیں۔ اگر غم کے بعد امید کی تہہ ہو تو زندگی کا کچھ سفر ہموار ہو جاتا ہے۔

امید کی شمع روشن کئے ہوئے نگینہ نے غم کی دبیز تہہ کا بار اپنے اوپر کچھ زیادہ نہ پڑنے دیا تھا ــ شادی کے بعد سے ان سولہ سالوں میں اس نے بیشمار تہیں توڑی تھیں، ناممکن سی بات تھی پھر بھی دل کو آس تھی، اس کے یقین نے اس ناممکن کو ممکن میں بدل دیا تھا ــــــــ بمبئی سے شاہد کا تار آیا تھا ــ وہ واپس اپنے گھر آرہا تھا، غم اور خوشی کے درمیان فاصلہ کتنا طویل تھا اور اس نے یہ فاصلہ مختصر بنا دیا، اس مدت میں اس کا یقین کئی بار ڈگمگایا ــ لیکن آج اسے اپنے یقین اور بلند عزم رہنے کا ثمر ملا تھا جس مسرت کا انتظام اور اہتمام اس نے کیا ــــــــ زنانہ میلاد کیلئے گھر گھر بلاوا بھیجا سنڈیلے کے اسپیشل لڈو منگوائے تھے، اس خوشی میں اس کی ساس، نندیں اور دیور شریک تھے، سب کو اپنا کھویا ہوا شاہد مل رہا تھا، ۱۶ برس کی جوان بیٹی شیریں جس نے باپ کا منہ تک نہ دیکھا تھا اس کی آمد کی خبر سن کر دل میں طرح طرح کی قیاس آرائیاں کر رہی تھی اور نگینہ کے دل کی خوشی کو تو کوئی جان نہیں سکتا تھا۔ اس کے لئے ہر طرف مسرت

کے شیرازے بکھر رہے تھے، سارا گھر خوشیوں کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔

اُف! کتنے منحوس تھے وہ دن، کتنی پُرسوز تھیں وہ راتیں ـــــ اب پھر سے بادِ نسیم جھولا جھلائے گی، پھر سے فضا خوشیوں کے گیت گائیگی کتنی سہانی ہونگی گھڑیاں ـــــ کیا واقعی؟ وہ سوچتی ہوئی آئینہ کے سامنے جا بیٹھی، چہرے پر نظر پڑی تو مایوسی کی کرنیں دل میں ابھر آئیں ـــ نہ سہی جھریاں تاہم باسی گلاب تھا چہرہ ـــ سر میں جا بجا سفید بال عمر کی چھتیسویں منزل کا پتہ دے رہے تھے ـــــ چن چن کر سفید بال اکھاڑ پھینکے ـــ چہرے پر مصنوعات سے شادمانی بکھری، آنکھوں سے سرخ ڈورے غائب ہو چکے تھے پھر بھی آج شرمانی کیفیت طاری ہو رہی تھی ـــــ خوبصورت سوٹ زیبِ تن کیا تو روپ نکھر آیا ـــــ سامنے فرج پر شیریں کی تصویر رکھی ہوئی تھی، کبھی وہ تصویر دیکھتی تھی، کبھی آئینہ ـــــ ایک روپ کے دو پوز تھے ـــ پھر وہ شرما گئی ـــــ یہ سنگار کر لینے شاہد اکتالیس کی عمر میں کیا اب تک ویسا کا ویسا ہی ہوگا؟ اس میں بھی تو کئی تبدیلیاں آچکی ہونگی نہیں نہیں! اسے یوں بن سنور کر نہ رہنا چاہئے شیریں دیکھے گی تو کیا سوچے گی آج ممی کو کچھ ہوگیا ہے ـــــ کوئی کچھ بھی سوچے وہ تو ایسے ہی شاہد کے روبرو پیش ہوگی اور اسے یہ دکھا دے گی کہ سولہ سال کے طویل انتظار اور کدورت کی گرد میں لپٹ کر بھی نگینہ آج نگینہ ہے۔

وہ ماضی میں کھو گئی ـــــ کتنا پیار کرتے تھے وہ اسے شادی کے بعد چار سال تک کبھی ایک پل کیلئے بھی اسے جدا نہ کیا تھا، ہر لمحہ پیار میں ڈوبا ہوتا تھا، دو دن کے لئے بھی وہ والدین کے یہاں چلی جاتی تو بلانے کیلئے جا دھمکتے ـــــ اپنے ہاتھ سے منہ میں لقمہ تک کھلاتے تھے ـــــ اور پھر ـــــ نہ جانے کیا ہوا کہ یکلخت پیار کے گلشن میں خزاں آگئی، چار سال کے عرصہ میں وہ اس کی صرف ایک خواہش نہ پوری کر سکی تھی ـــــ اولاد کی خواہش نے شاہد کو بے صبر بنا دیا اس کا سب سے بڑا ارمان یہ تھا کہ آنگن میں اور گھر میں ننھے منے کی ہنسی اور کلکاریاں سنائی دیں ـــــ خدا کی مرضی میں کسکا دخل، اسے تو کچھ اور ہی منظور تھا ـــــ شاہد نے اچانک اپنی غیر متوقع حرکت سے سب کو چونکا دیا ـــــ وہ روبی نام کی کسی لڑکی جسے ٹیوشن پڑھاتا تھا سے نکاح کر کے بمبئی چلا گیا ـــــ نگینہ پر بم پھٹ کر گرا، رگوں میں گردش کرتا ہوا لہو سرد پڑ گیا ـــــ سسرال والوں نے اس کے درد کو ہر ممکن طریقے سے بانٹنے کی سعی کی ـــــ وہ بیمار ہو گئی، چند دنوں میں ایسی لاغر ہو گئی کہ اٹھنا بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا ـــــ ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ایک خوشخبری سنائی وہ ماں بننے والی تھی ـــــ وہ تڑپ کر رہ گئی، کتنی بدنصیب تھی وہ کہ اپنے بطن میں کھلنے والے پھول کی خبر اسے نہ سنا سکی ـــــ ہر طرف سے غم کی دبیز و گراں تہہ سے اس کا وجود ڈھکتا چلا گیا، پھر بھی ماں بننے کی خبر سن کر اس کے دل کو آس ہو گئی، اس نے امید کی شمع روشن کر لی۔

کسی کو کچھ خبر نہیں تھی کہ شاہد بمبئی کے کس مقام پر ہے، کیسا ہے۔ چھوٹے بھائی احمد نے وسیع و عریض شہر کا کونا کونا چھان مارا۔ مایوس ہو کر واپس لوٹ آیا، اشکوں میں ڈوبے ہوئے شب و روز گذرنے لگے، ننھی کلی شیریں نے دنیا میں قدم رکھا، نگینہ کے دل کی تڑپ کچھ کم ہونے لگی، اسے یقین ہونے لگا تھا کہ اس کی تڑپ ایک نہ ایک دن شاہد کو ضرور کھینچ کر اس کے پاس لاکر کھڑا کر دے گی ـــــ یقین کی روشنی میں اس نے دن گننے شروع کئے۔ دن سے مہینے اور مہینے سے سال ـــــ والدین لینے آئے تو جانے سے انکار کر دیا ـــــ جس ڈیوڑھی پر دلھن بن کر آئی تھی اس ڈیوڑھی سے شوہر کی زندگی میں ہی بیوگی کا ماتم کرکے وہ کیسے جا سکتی تھی ـــــ سال سے دو سال ہوئے، دو سے تین اور چار ـــــ شاہد کا بھولا بسرا والدہ، بہن یا بھائی کے نام بھی کبھی کوئی نامہ نہ آتا تھا خدا جانے وہ زندہ بھی تھا یا ......؟ ایک بار نگینہ کا یقین ڈگمگا گیا ـــــ دو ایک سال اور گذر گئے اب وہ صرف اس کی سلامتی اور زندگی کی دعا مانگتی تھی یا خدا جہاں کہیں بھی رہیں زندہ او خیر رہیں، خوش رہیں خوش تو ہوں گے ہی، خوشی کے لئے ہی تو دوسری شادی کی تھی، بچے بھی ہوں گے۔

جہاں نگینہ سسرال والوں کو ہر طرح سے خوش رکھتی تھی وہاں سبھی اس کا بڑا خیال و احترام کرتے تھے۔ وہ مقام جو شاہد اسے دیتا ملا ہوا تھا، ہر طرح سے اسے خوش رکھنے کی کوشش کی جاتی، لیکن وہ درد جو اسے شاہد سے ملا تھا کون بانٹ سکتا تھا، یہ تو ایک الگ ہی غم تھا ـــــ دیکھتے دیکھتے سولہ برس کا عرصہ گذر گیا، ننھی سی بچی شیریں اب ماشاءاللہ نظر میں اترنے لگی تھی، رشتے کے پیغام بھی آنے لگے تھے، ذہین قدر سے تھی، بی، اے کے دوسرے سال میں تھی، اس سے اپنی ماں کا درد کوئی راز نہ رہا تھا، کبھی اس کے سینے میں چھپ کر کبھی سینے سے بھینچ کر اسے تسکین دیتی تھی ـــــ نگینہ تھی کہ اب بھی بے وفا شاہد کی محو انتظار تھی۔

کئی روز پہلے بمبئی سے احمد کے کسی دوست کا خط آیا تھا، اس نے شاہد کے متعلق لکھا تھا کہ وہ باندرہ میں کسی نرسری اسکول میں ٹیچر ہے، باندرہ ہی میں رہتا ہے، مگر تنہا ـــــ روبی نے اسے اولاد سے اب تک محروم رکھا تھا ـــــ دونوں میں عرصہ سے اختلاف چل رہا ہے ـــــ شاید نوبت طلاق تک پہونچ چکی ہو، وہ وطن آنے کے لئے بے چین ہے لیکن شرم کے احساس نے پاؤں میں زنجیریں ڈال رکھی ہیں ـــــ اس اطلاع پر احمد بمبئی بھاگا مگر اس بار بھی وہ مایوس لوٹ آیا ـــــ شاہد نام کا کوئی آدمی اسے نہ مل سکا ـــــ نگینہ کے دل میں جو ہلکی سی مسرت کی کرن پھوٹی تھی، سرد پڑ گئی ـــــ اور پھر اچانک اس کا تار آیا کہ وہ کل شام کی گاڑی سے گھر آ رہا ہے ـــــ اسے کوئی مسرت نہ ہوئی شاید پیشگی خوشی سے خدا ناراض ہو جاتا ہے لیکن دل میں امنگیں جو جاگیں تو سب کچھ بھول گئی، خوشی سے بار بار شیریں کو سینے سے بھینچ لیتی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ آئی ماضی کے خوابوں کو کیا یاد کرنا۔

محفل میلاد کے لئے عورتیں جمع ہونے لگیں، کسی کو شاہد کی بابت خبر نہیں تھی ۔۔۔۔ یہ تو بعد میں بتایا جائے گا ۔۔۔۔ احمد بھائی کے خیر مقدم کیلئے اسٹیشن جا چکا تھا ۔۔۔۔ نگینہ جو میلاد پڑھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی دو تین نوعمر لڑکیوں کو ہمراہ لے کر چوکھٹ پر جا بیٹھی ۔۔۔۔ کچھ لمحے یوں ہی گذر گئے ۔۔۔۔ زیادہ دیر ہونے لگی تو عورتوں میں کسمساہٹ شروع ہو گئی، میلاد شروع کرنے کی ضد ہونے لگی ۔۔۔۔ احمد کی دیر کی وجہ سے نگینہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ طوعاً و کرہاً پڑھنا شروع کیا۔ ٹھہر ٹھہر کر گھڑی دیکھتی تھی۔ مایوسی بڑھی تو زبان لڑکھڑانے لگی ۔۔۔۔ عورتیں حیران تھیں کہ آج نگینہ کیسے پڑھ رہی ہے؟ نہ تو وہ آواز تھی اور نہ وہ ترنم ۔۔۔۔ سلام کے بعد میلاد ختم ہو گیا۔ سب کے ہاتھ دعا کیلئے اٹھ گئے۔

چہرے پر ہاتھ پھیر کر جیسے ہی نگینہ نے نظر اٹھائی احمد کو مضمحل صورت لئے تنہا کھڑا پایا دل ٹوٹ کر شیشے کی طرح بکھر گیا، امید کی شمع کی لو آخری بار تھرائی اور بجھ گئی، یوں تیز چیخ مار کر روئی کہ اہل محفل کا دل موم ہو کر بہہ گیا، ہر دل سوگوار اور ہر آنکھ اشک بار ہو گئی، کون ایسا تھا جو نہیں جانتا تھا کہ نگینہ کیوں رو سکتی ہے، اگر اوقت پتھر بھی ہوتا تو پگھل جاتا۔

احمد نے بھیگی آنکھوں سے بھابی کی طرف دیکھا اور بڑھ کر اس کے موتی سے اشک اپنے دامن میں جذب کر لئے ۔۔۔۔ "چپ رہو بھابی! اسکو روتی ہو؟ اس انسان کو جس کے سینے میں فولاد کا دل ہے؟ نہیں نہیں بھابی! اب مت رونا، تمھاری دنیا میں شاید خدا نے شوہر کا وجود نہیں لکھا ہے، ہم سب تمھارے ہیں، ماں کے بعد تمھارا مقام ہے بھابی! خدا کیلئے ان آنسوؤں کو روکو ورنہ سارا عالم جل کر رہ جائے گا بھابی ....."

وہ بے ہوش ہو کر فرش پر آ رہی۔ محفل پر سکتہ کا سا عالم طاری ہو گیا، سب اسے ہوش میں لانے کی تدابیر میں مصروف ہو گئے، کوئی پانی کی چھینٹیں مار رہا تھا تو کوئی پنکھا جھل رہا تھا ۔۔۔۔ اسی وقت کسی گوشے سے شیریں کے چلانے کی آواز آئی جو شاید نگینہ کے کانوں میں بھی پڑی ہو:

"ممی ممی! پاپا آگئے"

سبھی باہر کے دروازے کی طرف دیکھنے لگے واقعی شاہد تھا ۔۔۔۔ چہرے پر داڑھی تھی اور اسی وجہ سے احمد اسے اسٹیشن پر نہ پہچان سکا تھا، خدا معلوم شیریں نے کیسے پہچان لیا تھا ۔۔۔۔ شاید شاہد نے نگینہ کی دوسری کاپی کو دیکھتے ہی پہچان لیا تھا اور باپ کی آنکھوں میں شفقت کا سایہ بیٹی نے پڑھ لیا تھا۔

تیز تیز قدموں سے بڑھتا ہوا شاہد بے ہوش نگینہ کے پاس آ گیا۔ نبض دیکھی تو بند تھی۔ حرکت قلب بند ہو جانے سے سینہ کا زیر و بم کب کا معدوم ہو چکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

ـــ ایک جنگی قائد کی حیثیت سے

(وسیم احمد اعظمی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں ایک معلم اخلاق ماہر تعلیم، مصلح اور ریفارمر ہیں وہیں آپ ایک جنگی قائد بھی ہیں۔

آپ کے اس پہلو پر اتنا کم لکھا گیا ہے کہ اب بہت سے لوگ یہ بات بھول گئے ہیں کہ آپ میدان جنگ کے ایک دلیر سپاہی اور باشعور قائد بھی تھے۔

جنگ عظیم اول کے ماہر جرنیلوں نے قرآن عظیم سے جنگی رہنمائی حاصل کی ہے اور انہی کے سب سے بڑے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی قیادت کی روشنی میں جنگیں لڑ کر کامیابی حاصل کی ہے۔

جنرل ٹیٹن ـــــ جس نے ـــ سنہ ۱۹۳۹ - ۴۵ء کی جنگ میں ایک قائد کا رول ادا کیا ہے جب وہ امریکہ سے فرانس لڑنے کے لئے گیا تو فن جنگ کی دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بجائے قرآن مجید اور سیرت نبوی کا مطالعہ کرتا تھا اور کہا کرتا تھا "ان کا مطالعہ بہت ہی مفید اور سبق آموز ہے"

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی تبلیغ و اشاعت کیلئے پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا اور کفار مکہ ہر ہر قدم پر رکاوٹ بننے لگے تو ضرورت ہوئی کہ کوئی ایسی جگہ تلاش کی جائے جو ایک مرکز کے لحاظ سے اچھی اور دفاعی مصالح کیلئے مناسب ہو مدینہ کو آپ کی ہجرت کا ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا ــ قوموں کی زندگی میں دفاع کی سیاست بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ برطانوی جنرل مسٹر "برڈ" اپنی کتاب "ڈائرکشن آف وار" میں اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"جو قوم آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اسے اپنے دفاع و تحفظ کیلئے ہمہ وقت لڑائی کیلئے تیار رہنا چاہئے اگر وہ تیار نہیں رہے گی تو آزادی کے

ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی ،
اسے جلد ہی غلامی کا طوق پہننا
پڑے گا "

آپ کا مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرکے تشریف لانا جنگی نقطۂ نظر سے بڑی اہمیت کا حامل ہے جنرل اکبر خاں کی رائے ہے کہ " ہجرت دراصل مکہ کی ناکہ بندی کیلئے تھی جسے آج کل کی اصطلاح میں بلاکیڈ (BLOCKADE) کہتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ تشریف لانے کے بعد اندرونی اور داخلی استحکام کے لئے جو موثر اقدام کیا اس میں مسجد نبوی کی تعمیر کو خاص اہمیت حاصل ہے ۔ مسجد نبوی کی تعمیر اور اس کی بنا کی بنیادی وجہ مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنا تھا کہ وہاں وعظ و نصیحت بھی ہو سکے اور تبادلۂ خیالات بھی ۔ مہاجرین اور انصار میں مواخات و برابری کا درس داخلی استحکام کی دوسری نہایت مضبوط اور اہم کڑی تھی ، ہجرت کے سولہ سترہ مہینے بعد تحویل قبلہ پر عمل جہاں امر خداوندی کی بجاآوری تھا وہیں اس کا دوسرا مقصد مسلمانوں کو یہ باور کرانا تھا کہ اسلام کا منبع و مرکز دراصل مکہ معظمہ اور کعبۃ اللہ ہے ۔

برسبیل تذکرہ یہ بتا دینا ضروری ہے کہ مدینہ ایک ایسی جگہ واقع ہے جو مکہ اور شام وغیرہ کی تجارت کا سب سے آسان ، قریبی اور مرکزی راستہ ہے غالبًا اسی لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو وقاعی مرکز اور تبلیغ اسلام کی حیثیت دی تھی ،

اور اس کی وجوہات یہ تھیں کہ :

۱ـــــ مکہ والوں کو تجارت کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑے گا ۔ غذا اور رسد کی قلت کا سامنا کرنا پڑے گا نیز نقل و حمل کی دشواریوں سے دوچار ہونا پڑے گا ۔

۲ـــــ تجارتی مقاطعہ ہو جائے گا اور مکہ والوں کی مدینہ سے کھجوروں اور غلہ کی تجارت بند ہو جائیگی ،

۳ـــــ اہل مکہ نے اگر مدینہ سے جنگ کا ارادہ کیا تو انھیں دور دراز کی مسافت طے کرکے آنا پڑے گا اور مالی بحران سے دوچار ہوں گے ۔

۴ـــــ اس جنگ میں شکست ہوئی تو وہ ہمیشہ کیلئے ختم ہو جائیں گے اور ان کا ضد اور عناد پر مصر رہنا محال ہو جائے گا ۔

غالبًا اسی سے متاثر ہو کر " برڈ " لکھتے ہیں :

" جب کوئی حکومت جنگ کرنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہئے کہ مالی اور معاشرتی حالات کا نہج ایسا قائم کرے کہ اپنے ملک کا معاشی نظام تو بحسن و خوبی جاری رہے مگر دشمن کے سیاسی وقار کو کمزور اور تجارتی اقتدار کو ختم کر دے "

یہ جنگی دستور ہے کہ دوران جنگ مقدس مقامات کی حفاظت اور اس کو منہدم کرنے سے بچانا ہر فوجی کا فرض ہوتا ہے ـــ مکہ میں حرم نام سے ایک علاقہ تھا اس کا مطلب یہ تھا کہ اس میں جنگ نہیں کی جا سکتی ، اس مصلحت کو پیش نظر رکھتے ہوئے

آپ نے بھی مدینہ میں ایک علاقہ " حرم " کے نام سے مقرر کیا، آج کل کی اصطلاح میں اسے " OPEN CITY " کہتے ہیں۔

اب اگر کفار مکہ اس علاقہ میں آکر حملہ کرتے تو مسلمانوں کو بھی کھلی چھوٹ ہوتی کہ حرم مکہ میں بھی جنگ کریں

یہاں یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد ایک آسمانی دین کی تبلیغ واشاعت اور ایک خدا کی عبادت کیلئے دعوت دینا تھا، مگر جب دشمنان اسلام اسلام کو مٹانے اور اسلامی تہذیب اور اس کے مخصوص کلچر کو ختم کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہو گئے تو اب مسلمانوں کے لئے اس کے علاوہ کہ اب اپنے دفاع کی سوچیں اور اس باطل نظریہ اور تحریک کو سر ابھارنے سے پہلے ختم کرنے کے لئے دفاعی جنگ کریں کوئی اور راستہ نہ تھا۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مدینہ میں ایک " حرم " مقرر کیا۔ اب کفار مکہ کو تجارت کے سلسلہ میں ادھر سے گذرنے کے لئے اجازت لینی پڑتی، بصورت دیگر دور دراز راستوں سے سفر کرنا پڑتا۔

مقصد دفاع پر بحث کرتے ہوئے وسٹین لکھتا ہے:-

" دفاعی سیاست کے معنی دشمن کے وسائل اور سلسلہ آمد و رفت اور نقل و حرکت کا صحیح مطالعہ کرنا ہے "

آپ نے اسی مقصد کے تحت مدینہ کے اطراف میں سعد ابن وقاص کی قیادت میں ایک دستہ بھیجا اور اس بات کی ہدایت کی کہ رات کو سفر کریں اور دن میں روپوش ہو جایا کریں، اس دستے نے جو خفیہ اطلاعات دیں وہ جنگی مصالح کے لئے بہت مفید و معاون رہیں ۔

حضرت عبد اللہ ابن جحش کی معیت میں بارہ آدمیوں کی ایک ٹولی مکہ کی طرف بھیجی اور ایک مہر بند تحریر دی، اور اس بات کی ہدایت کی کہ دو دن کے بعد اس کو کھولا جائے۔ دوسرے دن جب عبد اللہ ابن جحش نے لفافہ کھولا تو اس میں لکھا تھا۔

فسر حتی تنزل بین مکۃ والطائف فترصد بہا قریشا و تعلم فی اخبارھم۔ (طبری ص ۱۲۷۴) (بحوالہ سیرت النبی جلد اول)	برابر چلے جاؤ یہاں تک کہ نخلہ میں جاکر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ میں ہے اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو اور ان کی خبریں دریافت کرو

اور خود دفاعی پیش قدمی کے بطور انصار صحابہ کا ایک دستہ لیکر مدینہ کے نواحی قبیلوں میں تشریف لیگئے اور ان سے معاہدہ کیا کہ " قبیلہ قریش کو کوئی مدد نہ دیگا لڑائی چھڑ جانے پر غیر جانبدار رہے گا، اپنے علاقہ میں امن و امان قائم رکھے گا، آئندہ جھگڑوں میں نہ کفار قریش کا ساتھ دے گا اور نہ مسلمانوں کا۔

جہاں اس خفیہ تنظیم کو اطراف مدینہ میں پھیلانا اور خود صحابہ کی ایک جماعت لے کر جانا، معلومات فراہم کرنا تھا وہیں دشمنوں کو مرعوب کرنا اور احساس کمتری میں مبتلا کرنا بھی تھا۔

آپ نے صحابہ کرام کو ایک قلیل عرصہ میں جو جنگی تعلیم دی اس کا تعارف کراتے ہوئے جنرل اکبر خاں لکھتے ہیں :

"آنحضرت نے قلیل ترین مدت میں مسلمانوں کے اندر اعلیٰ درجہ کا عسکری نظم و ضبط اور بہترین حربی استعداد اور عزم ، حوصلہ ، بے نفسی اور خود اعتمادی ، جفاکشی اور ایثار پیشگی ، اطاعت شعاری و فرماں بر داری اور اخوت و مساوات کی بے مثال خوبیاں پیدا کر کے منظم و مرتب فوج بنا دیا تھا (حدیث دفاع)

غزوات اور جنگی حکمت عملی

جنگ میں کیا کھویا اور کیا پایا جاتا ہے ؟ تو اجمالاً یہ کہ جنگ ہمیشہ بدحالی ، تباہ کاری ، اخلاقی رذائل اور پریشانی و تنگ دستی لاتی ہے اور عافیت و سکون خوشحالی و امن و آشتی کو ختم کر دیتی ہے ۔ مگر غزوات نبی کے دامن میں یہ سب چیزیں نہیں تھیں ، کیونکہ اس کا مقصد ایک دین اسلام کی تبلیغ اور حقیقی امن و سکون کے پیغام کو عام کرنا تھا ۔

یہاں ہم غزوۂ بدر کا اجمالاً تذکرہ کرنے کے بعد اس کے میدان وقوع کو بیان کرنا ضروری تصور کرتے ہیں ——— غزوۂ بدر کا سبب یہ تھا کہ ابوجہل نے حضرت معاذ انصاری سے کعبہ میں کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دو گے تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے ۔ انھوں نے جواب دیا تھا کہ تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا تو ہم تمھاری شام کی تجارت روک دیں گے" ——— اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ ان کا کاروان تجارت روک دیا جائے کہ وہ مجبور ہو کر مسلمانوں کو کعبہ جانے کی اجازت دیدیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ مکہ کا تجارتی قافلہ نشیبی علاقہ سے مکہ پہونچ گیا ہے پھر بھی کفار مکہ جنگ کے ارادے سے آرہے ہیں تو آپ صحابہ کرام کی ایک جمعیت (۳۱۳) کے ساتھ ان کے مقابلہ کیلئے تشریف لے گئے اور میدان بدر میں پہونچنے کے بعد فوراً بدر کے چشمے پر قبضہ کر لیا اور کفار مکہ کی طرف جانے والے پانی کے بہاؤ کو روک دیا اور اپنے لئے عریش کے ٹیلے پر ایک جھونپڑی بنوائی تاکہ وہاں سے میدان جنگ کو دیکھ سکیں ۔ جب کفار کو مناسب جگہ نہ ملی تو انھوں نے نشیبی علاقہ میں خیمے نصب کر دئے یہاں یہ بتا دینا خالی از مصلحت نہیں کہ میدان بدر چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھرا ہوا ہے ، یہ ساڑھے پانچ میل لمبا اور اسی قدر چوڑا ہے اس کا زیادہ حصہ ریتیلا ہے ۔

پہاڑی علاقوں میں ایام جنگ میں وادیوں اور نشیبی علاقوں میں پڑاؤ ڈالنا خطرے سے خالی نہیں کیونکہ تیز بارش ہو جانے پر وادیوں میں پانی بھر آتا ہے اور اگر بارش تیز نہ ہوئی تو نشیب میں کیچڑ ہو جاتی ہے جس سے فوج کی آمد و رفت میں غیر معمولی دشواری پیدا ہو جاتی ہے اور فوج سخت جانی اور مالی مشکلات میں مبتلا ہو جاتی ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ تمام مصالح و حالات تھے اور کفار مکہ غیظ و غضب میں مبتلا اور

اس بات سے بے پرواکہ بارش ہو جانے میں کیا کیا صعوبتیں اٹھانی پڑیں گی، خیمہ زن ہو گئے، اتفاق سے بارش ہوگئی اور وہ دشواریوں میں مبتلا ہو گئے اور ادھر مسلمانوں نے اس دلیری اور جانفشانی سے حملہ کیا کہ کفار مکہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور ناکام و نامراد شکست خوردہ واپس چلے گئے۔

اس شکست کے بعد بجائے اس کے کہ انکے جذبات سرد پڑ جاتے انھوں نے از سر نو جنگ کی تیاری شروع کردی اور ایک نئے عزم، نئے حوصلے کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنے کی نیت سے روانہ ہوئے مگر آنحضرت ؐ کے مقرر کردہ آدمی نے کفار کی ان جنگی سرگرمیوں سے آگاہ کر دیا، آنحضرت ؐ ان کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے احد پہاڑ تک تشریف لے گئے، اس غزوہ کی دفاعی حکمت عملی کو بیان کرنے سے پہلے احد پہاڑ اور اس کا محل وقوع بیان کر دینا ضروری ہے۔

احد کا پہاڑ مدینہ منورہ سے شمال کی جانب تین میل دور شرق سے مغرب تک پھیلا ہوا ہے، چونکہ پہاڑی برابر نہیں ہے بلکہ اس میں بہت سی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں اور درے ہیں جن کی وجہ سے جنگ کے دفاع میں خاصی اہمیت پیدا ہو جاتی ہے۔

آپ تقریباً ایک ہزار کا لشکر لے کر احد تک گئے اور کفار مکہ کے لشکر سے بچ کر درہ سے ہوتے ہوئے اس کے عقب میں پہونچ گئے۔ آپ نے جبل عینین اور احد پہاڑ کے درمیان قیام کیا اور پانی کے تمام چشموں پر قبضہ کر لیا اور عبداللہ ابن جبیرؓ کو تیراندازوں کے ایک ماہر دستے کا افسر بنا کر عینین پہاڑ کے پاس تعینات کر دیا، سواروں کے دستہ کا افسر حضرت زبیرؓ کو مقرر کیا اور ان کی حفاظت کیلئے ماہر تیراندازوں کو مقرر کر دیا اور انھیں ہدایت دی کہ فتح ہو یا شکست تاحکم ثانی اپنی پوزیشن نہ چھوڑیں اور کہا کہ تمھاری اس ناکہ بندی کا مقصد و منشأ یہ ہے کہ دشمنوں کا لشکر اسلامی لشکر پر پیچھے سے یلغار نہ کر سکے اور چند آدمیوں پر مشتمل ایک جری دستہ کو احد پہاڑ کے عقب میں مقرر کیا تاکہ وہ درہ کی ناکہ بندی کرلیں اور کفار کے بھاگتے ہوئے سپاہیوں کو گرفتار کرلیں۔ اگرچہ بعد میں تیراندازوں کی ذرا سی غفلت اور عجلت کی وجہ سے یہ فتح عارضی شکست میں بدل گئی مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدبرانہ آنکھوں نے اس کو بھانپ لیا اور آپ کی جنگی حکمت عملی کی وجہ سے نقشہ الٹ گیا اور عارضی شکست دائمی فتح میں تبدیل ہوگئی مگر تیراندازوں کی عجلت اور جلد بازی سے صحابۂ کرام کی خاصی تعداد شہید ہوگئی۔

کفار مکہ کو اس پیہم شکست نے اگرچہ غمزدہ کر دیا تھا مگر ان کی جنگجو طبیعت نے انھیں چین سے بیٹھنے نہ دیا اور ایک مرتبہ پھر اسلام اور اس کے سرفروشوں کو ختم کرنے کے لئے مکہ سے روانہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ میں مقررہ آدمی نے ان کی اس سازش سے آگاہ کر دیا، آپ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا بالآخر اس نتیجہ پر پہونچے کہ قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے۔ آپ نے مدینہ کے چاروں طرف خندق کھودنے کا حکم دیا، کام اگرچہ دشوار تھا مگر رات

دن کی مسلسل جدوجہد نے اس کو آسان بنادیا اور مدینہ کے ہر چہار جانب خندق کھود دی گئی، کفار مکہ آئے اور اس جنگی حکمت عملی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے، چونکہ وہ دور سے آئے تھے زادراہ کی تنگی اور تیز و تند ہواؤں سے پسپا ہو کر معمولی جھڑپوں کے بعد ناکام واپس چلے گئے۔ مسلمانوں کی ان پیہم کامیابیوں کی جہاں اور بھی وجوہات تھیں وہیں قرآن حکیم کی مجاہدانہ تعلیم، مساوات کا درس جہاد (NATIONSAT, WAR) کا جذبہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا میدان جنگ کا مطالعہ تھا، غالباً مسٹر کیگل انھیں باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے "آپریشن آف وار" میں لکھتے ہیں:

"جنگ شروع کرنے سے پہلے یہ معلوم کرلینا ضروری ہے کہ لڑائی کن کن حالات اور کن کن اثرات کے تحت لڑی جائیگی میدان جنگ کس قسم کا ہے؟"

جنگی حالت میں عفو و درگذر کا درس

جنگ باز دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک وہ جو عرفاً اور عقلاً دونوں طرح جنگ میں حصہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو موجودہ دور میں —— BELLIGERENTS —— کہا جا سکتا ہے، ان میں جوان مرد وغیرہ شامل ہیں۔ دوسرے وہ جو جنگ میں حصہ لینے کی عادتاً و عرفاً صلاحیت نہ رکھتے ہوں یعنی NONCOMBATANT ان میں عورتیں، بچے، بیمار، سیاح، زخمی، خانقاہ کے زاہد وغیرہ شامل ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اہل قتال سے جنگ کرنے کا حکم دیا اور غیر اہل قتال سے مقاتلہ کرنے سے روکا۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں فوج بھیجتے تھے تو ہدایت فرما دیتے تھے کہ عبادت گاہوں کے خادموں جن سے کوئی ضرر وابستہ نہ ہو اور خانقاہ کے زاہدوں کو قتل نہ کیا جائے:

"لا تقتلوا اهل الصوامع"

ایک مرتبہ میدان جنگ میں ایک مقتولہ عورت کی لاش دیکھی تو چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا، ناراض ہو کر فرمایا:

ما كانت هذه	یہ تو لڑنے والوں میں
تقاتل فيمن يقاتل	شامل نہیں تھی۔

پھر سالار لشکر کو کہلا بھیجا کہ،

"عورت اور اجیر کو قتل مت کرو"

ایک حدیث میں ہے کہ،

لا تقتلوا شيخا	بوڑھے ضعیف لوگوں
ولا طفلا صغيرا ولا	چھوٹے بچوں اور عورتوں،
تغلوا وضموا اغنامكم	کو قتل نہ کرو اور مال
واصلحوا واحسنوا،	غنیمت میں چوری نہ کرو،
ان الله يحب المحسنين	جنگ میں جو کچھ ہاتھ آئے
ابو داؤد	ایک جگہ جمع کرو، نیکی اور احسان
ص ۳۵۲ جلد اول	کرو کیونکہ اللہ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔

جنگی قیدیوں کی رہائی

جنگی قیدیوں کی رہائی کے دستور کو اگر تاریخی حیثیت سے دیکھا جائے تو یہ بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایجاد معلوم ہوتا ہے۔

موضوع کے تمام پہلوؤں کا احاطہ مشکل ہے، یہ دیکھنے کیلئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگی رہنمائی کس طرح فرمائی ہے ایک تفصیل کی ضرورت ہے۔ تاہم ہم نے جو گفتگو کی ہے مختصر ہی سہی اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ماہر جنگباز بھی تھے اور مدبر فوجی رہنما بھی۔
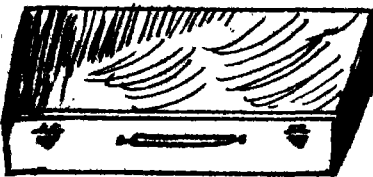
آبلے سماج کے

احمد نسیم

"تو اداس کیوں ہے نیرو؟"

"بھیا! تم کچھ کام کیوں نہیں کرتے ہو جس سے گھر میں سکھ شانتی ہو۔"

"پگلی! تو چاہتی ہے تیرا بھائی اپنا پیٹ بھرے، غریب بھوکے سو جائیں؟ ہم اور کوٹ پہنیں، کوئی فٹ پاتھ پہ سردی سے دم توڑے، نہیں نیرو! نہیں! اتنا بزدلی نہ بنا اپنے بھیا کو۔ گھبرا مت، سمے بدلنے والا ہے، سماج واد آ کر رہے گا۔"

بھیا! تم سمجھتے کیوں نہیں؟ کتنے بھولے ہو تم، یہ الکشن مینی فیسٹو تک محدود رہنے والی باتیں ہیں۔ سماج واد کوئی ایک منتری، ایک سرکار نہیں لا سکتی، اس کے لئے ہم سب کو بدلنا ہوگا، غریب ہو یا امیر، اونچے ہوں یا نیچے، جب تک ہم سب خود کو نہیں بدلیں گے، جب تک ہم سب میں ایک دوسرے کیلئے قربانی کا جذبہ نہیں ہوگا سماج میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں۔"
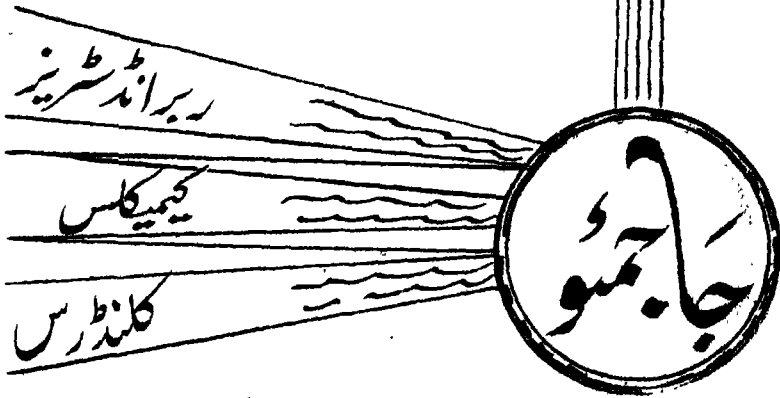
"ہشت! تو بچی ہے، سرکار کی طاقت کو کیا جانے؟" کہتے ہوئے گوپال باہر نکل گیا۔ نیرو حسرت سے دیکھتی رہ گئی، گھر میں راشن نہیں، وہ چاہ کر بھی نہ بتا سکی ——— "سماج واد زندہ باد" ——— باہر سے نعروں کی آواز آ رہی تھی

گوپال ایک فیکٹری کے فورمین کا بیٹا تھا، ماں مر چکی تھی، بہن اس سے چھ سال چھوٹی تھی، باپ نے دونوں بچوں کو ماں کی کمی نہیں محسوس ہونے دی ——— گوپال بی، اے، کا اسٹوڈینٹ تھا، نیرو ہائی اسکول کی۔ اچانک ایک رات گھر میں چور گھسے، باپ فیکٹری میں تھے بھائی بہن سوتے رہ گئے، چور گھر کا سارا سرمایہ سمیٹ لے گئے، بوڑھے باپ کی کمر ٹوٹ گئی، چوری کا صدمہ بچوں کا غم، بوڑھا جسم، چلتی ہوئی مشین کی لپیٹ میں آ گیا "دوڑو، دوڑو" شور ہوا، مالک بھی آئے، ادھم پر نگا ہیا۔

"ایکسیڈنٹ" ——— کسی نے کہا۔

"نہیں! خودکشی" مالک کی کرخت آواز تیکھی چتون نے سب کے لب سی دئے۔

پولیس نے پنچنامہ بھر کر لاش کے ٹکڑے گوپال

کے حوالے کر دئے اور ساتھ ہی سو سو کے پانچ نوٹ مالک نے بڑھا دئے۔

" یہ کیا ہے؟ " بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گیا۔

" ۱۷ سال کی خدمت کا صلہ! مجھے افسوس ہے فنڈ یہ پہلے ہی لے چکے تھے، پھر بھی کفن دفن کے لئے ضروری ہیں "

گوپال نے نوٹ تھام لئے ——— یہ نوٹ گویا مشعل تھے انقلاب کی، گوپال کے سینے میں امارت کے خلاف نفرت کی آگ بھر گئی ——— اور آج وہ نیتا بن چکا تھا ایک ایسی پارٹی کا جو غریبوں کی ہمدرد، امیروں کی دشمن تھی ——— وہ بدلہ لے گا۔ انتقام ...!

انتقام کی جوالہ بے بسی کے سمندر میں ڈوب کر انسانیت بن گئی۔ گوپال دوست تھا بے بس، لاچار و مجبوروں کا ——— اچانک پورے ملک میں سماج واد کا نعرہ گونج اٹھا، ملک کی کہنہ پارٹیوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ہار گئیں۔ غربت نے امارت کو شکست دے دی۔

" نیرو! میں تجھ سے کہتا تھا ایک دن یہ دیوار ٹوٹ کر رہے گی۔ غریبی ختم ہو جائے گی، اب بینک پہ کسی کالے ناگ کا نہیں جنتا کا راج ہوگا ——— ہم آزاد ہو گئے نیرو! اب میں تیرے لئے سب کچھ کروں گا "

" سچ مچ بھیا! کیا وحشی انسان بن گئے؟ "

" ہاں نیرو! اب میں بہت جلد بینک سے قرضہ لے کر کوئی کاروبار کروں گا "

خوشیوں میں وقت گذرتا گیا لیکن جشن کی رونق پیٹ کی جوالہ نہ بجھا سکی، نیرو کے اصرار پر گوپال نے بینک سے طفی پر پز اسکیم کے تحت روپے کی درخواست دے دی۔ اس کی سمجھ میں اور کچھ نہ آیا، سوچا ایک چھوٹا سا ہوٹل کھول کر اپنے ساتھ دوسروں کا پیٹ بھرے۔

بینک منیجر نے درخواست پر غور کر کے ایک پرچی دیتے ہوئے گوپال سے کہا: ۱۰ ار تاریخ کو فیلڈ آفیسر تمھارے ہوٹل کا معائنہ کر کے روپیہ منظور کریں گے

" جی ہوٹل؟ ہوٹل تو میں کھولنا چاہتا ہوں میرا کوئی کاروبار ہوتا تو میں قرض کیوں مانگتا؟ "

" ساری مسٹر! ہم روپیہ آپ کو نہیں دے سکتے "

" منیجر! بھوکا روٹی مانگتا ہے، جس کا پیٹ بھرا ہوا اسے روٹی دینے سے فائدہ؟ "

" یہ بات آپ سرکار سے کریں، ہمارے اختیار میں جو تھا بتا دیا "

" یہ کیسا انصاف؟ " گوپال پرچی کو مسلتے ہوئے مڑ گیا۔

انصاف؟ ——— بینک منیجر کے ہونٹوں پہ ایک تلخ مسکراہٹ ابھری اور ڈوب گئی ——— اور گوپال گویا ڈوبتا جا رہا تھا، تلخیوں کی گہرائی میں ———
سماج واد زندہ باد " دور کسی ویرانے کی صدا کی مانند ذہن پہ ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔

سماج واد کا انتظار عوام نے گویا قحط میں کسان

کے اڑتے ہوئے ہلکی کا پٹر سے گرنے والی روٹی کی طرح کیا — انتظار — انتظار .....

اچانک آسمان سے بم گرنے لگے " انقلاب زندہ باد " " اتحاد زندہ باد " نیتاؤں کی للکار سے دیش گونج اٹھا — مہاجروں کے لئے بارڈر کھول دئے گئے — " ٹیکس " ؟ — کیوں ؟ مہمان نوازی کے لئے ! — دیش جنگ جیت گیا سماج وادی منتریوں کی جے جے کار سے فضا معمور تھی ، مہنگائی کیوں ؟ — جنگ مہنگائی لائی

اور پھر ایک ریس شروع ہوگئی — چاول بنام گیہوں ، گھی بنام تیل ، روشنی بنام تاریکی ، نیتا بنام جنتا — بھاشن بھاشن بھاشن — بٹ نو راشن ! صبر صبر صبر —

بھیا ! بھوک بھاشن سے نہیں مٹتی ، میں بھوکی ہوں ، تن پہ کپڑا نہیں ، مکان کا کرایہ باقی ، آٹا ایک روپیہ اسی پیسے کلو — بچے کھچے زیورات بک چکے ہیں ، بھیا ! باپ کی لاش کی قیمت بھر شٹا چاریوں نے پانچ سو دی تھی ، بہن کی عصمت سماج وادی کتنے میں خریدیں گے ؟

گوپال کی چیخ سے کمرہ گونج اٹھا — میں رکشہ چلاؤں گا ، مزدوری کروں گا ، مجھے معاف کردے میری بہن " روتے ہوئے وہ باہر نکل گیا

مہینوں کی جدوجہد " نو ویکنسی " کا جواب رکشہ چلانے کے لئے لائسنس چاہئے — لائسنس کے لئے روپیہ ، روپیہ کے لئے نوکری ، نوکری کے لئے روپیہ — انسانیت بے بس ہوکر ٹی ، بی ، بن گئی — علاج کے لئے روپیہ ؟ "

مرض بڑھتا گیا ، فاقہ ، فکر ، احساس شکست بہن بھائی کو ٹی ، بی ، ہسپتال لے گئی ، ڈاکٹر نے معائنہ کے بعد ایکسرے لکھ دیا ، ایکسرے کیلئے روپیہ ؟

اسپتال سے واپسی کے بعد اچانک نیرو کی نگاہ دیوار پر لگے ہوئے بوسیدہ پوسٹر پر پڑی — پردھان منتری کی تصویر — " سماج واد آکر رہے گا ، غریبی ہٹانے کیلئے ہمارے ہاتھ مضبوط کریں "

ایک بجلی سی گری — بے بس دوشیزہ لکھشمی بائی بن گئی —

" بھیا ! تمھیں بہت تیز بخار ہے ، تم گھر چلو میں دوا لے کر آئی "

" دوا ؟ لیکن ڈاکٹر نے تو کوئی دوا نہیں لکھی ، ایکسرے لکھا ہے ، نہیں تو گھر چل — شیرنی قید ہوگئی ۔

رات کو بخار بہت تیز ہوگیا — " کیا میرا بھائی دوا کے بغیر دم توڑ دے گا ؟ نہیں ! — پھر ؟ — خون نے جوش مارا — " میں سماج وادیوں سے اپنے بھائی کی زندگی مانگوں گی — اٹھ کھڑی ہوئی " کہاں جا رہی ہے ؟ " — ایک نحیف سی آواز ۔

" ابھی آئی بھیا ! "

بھائی آواز دیتا رہا ـــ پاؤں بڑھتے رہے، رات
کے دس بجے نہ خوف کا احساس نہ زمانے کا غم،
بھائی کی زندگی کی شمع لئے وہ بڑھتی رہی ـــــ
دین دیال کا گھر آگیا ـــ دروازہ اندر سے بھڑا
ہوا تھا۔

"کون" ـــ آواز آئی۔

"میں نیرو"

"نیرو کون؟ آجاؤ اندر"

وہ داخل ہوگئی ـــ سامنے صوفے پر سفید
کپڑے میں ملبوس دین دیال محو حیرت نیرو کو دیکھنے
لگا۔ اس کی سوالیہ نگاہیں اٹھی ہوئی تھیں۔

"میں گوپال کی بہن ہوں، وہ بہت بیمار
ہیں، علاج کیلئے روپے نہیں"

"گوپال کون؟ وہی لڑکا جس نے میرے
الکشن میں کام کیا تھا؟"

"جی ہاں" کہتے ہوئے نیرو نے
نفرت سے منہ گھما لیا ـــ دین دیال کے منہ سے
شراب کی بدبو آرہی تھی۔

"کیا بتاؤں آج نوکر بھی گھر چلے گئے ـــ
تمہاری کچھ خاطر نہیں کرسکتا"،

"معاف کیجئے میں خاطر کے لئے نہیں
آئی میں اپنی غرض کے لئے آئی ہوں"

"غرض؟ غرض کیسی؟ حکم دو" وہ
مسکرایا۔

ایک ایک پل نیرو کیلئے بھاری تھا، دین دیال
کی آواز بہک رہی تھی ـ کمرے میں لگی ہوئی عریاں
تصویروں پہ اس کی نگاہ پڑتی، کبھی نیرو پہ، وہ
جھینپ جاتی۔ "مہاشے جی! آپ نے جواب نہیں دیا"
"ابھی لو" کہتے ہوئے وہ اٹھا، الماری سے
سو سو کے پانچ نوٹ نکال لئے ـ نیرو کو محسوس ہوا
بھائی زندہ ہوگیا، وہ سب کچھ بھول گئی، اپنے ماحول
سے بے خبر ـ اچانک باز نے شکار پر حملہ کردیا ـ
عصمت؟ ـ نہیں! بھائی کی زندگی ـ ایک کیف
مستی میں ڈوبتا جارہا تھا دوسرا تاریکیوں میں ـ باپ
کی لاش ۵ سو ـ بہن کی عصمت ۵ سو ـ دور سماج
واد زندہ باد کے نعرے لگ رہے تھے۔

انجم عثمانی

تبلیغ کا صحیح مفہوم

سیرت رسولؐ اور احکام قرآن کی روشنی میں

ایک مرتبہ بیروت کے مسیحی اخبار "الوطن" نے لاکھوں عرب عیسائیوں کے سامنے یہ سوال رکھا تھا کہ دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے ؟ اس کے جواب میں ایک عیسائی عالم داور مجاعص نے لکھا تھا :

" دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانہ میں (مدینہ منورہ میں آپ دس برس حیات رہے تھے) ایک نئے فلسفہ ، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی ، جنگ کا قانون بدل دیا ، ایک نئی قوم پیدا کی اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی ، لیکن ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا ۔ وہ کون ؟ ___ محمد بن عبداللہ اسلام کا پیغمبر ، اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود ہی پورا کر دیا اور اپنی قوم اور پیروؤں کیلئے اور اس سلطنت کیلئے جس کو اس نے قائم کیا ترقی اور دوام کے اسباب خود مہیا کر دئے اس طرح کہ قرآن اور احادیث کے اندر وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت ایک مسلمان کو اس کے دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے ___ حج کا ایک سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اقوام انسانی میں اہل استطاعت ایک جگہ جمع ہوں اور اپنے قومی ، دینی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں ، اپنی امت پر زکوۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقہ کی حاجت پوری کی ، قرآن کی زبان کو دنیا کی دائمی اور عالمگیر زبان بنا دیا کہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بن جائے ___ قوم کے ہر فرد کو ترقی کا موقع اس طرح عنایت کیا کہ یہ کہدیا کہ ایک مسلمان کو کسی دوسرے مسلمان پر صرف تقوی و بزرگی حاصل ہے ، اسی بنا پر اسلام ایک حقیقی جمہوریت بن گیا جس کا سربراہ قوم کی پسند سے منتخب ہوتا ہے ، مسلمانوں نے ایک مدت تک اسپر عمل کیا ، یہ کہکر کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر کوئی فوقیت نہیں ، اسلام میں داخل ہونا ہر ایک پر آسان کر دیا ___ مسلمانوں کیلئے اسلامی ممالک میں امن و اطمینان سے سکونت کی ذمہ داری یہ کہکر اپنے اوپر

لے لی کہ تمام مخلوق خدا کی ہے تو خدا کا سب سے زیادہ
محبوب وہ ہے جو اس کی مخلوق کو سب سے زیادہ فائدہ
پہونچائے ـــــ خاندانی اور ازدواجی اصلاحات
بھی اس کی نظر سے پوشیدہ نہ رہیں۔ اس نے نکاح
و وراثت کے احکام مقرر کئے۔ عورت کا مرتبہ بلند
کیا، نزاعات و مقدمات کے فیصلے کے قوانین بنائے
بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بیکار
نہ ہونے دیا، علم کی اشاعت اور تعلیم اس کی بڑی
کوششوں کا حصہ رہیں ـــــ اس نے حکمت کو
ایک گمشدہ مال قرار دیا۔ اس سبب سے مسلمانوں نے
اپنی ترقی کے زمانہ میں ہر دروازہ سے علم حاصل کیا،
کیا ان کارناموں کا انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی
قرار نہ پائے گا؟ "

(سیرت النبی ج ۴ ص ۲۱۲)

وہ کیا طریقۂ کار تھا کہ جو دشمن بھی یہ کہنے پر مجبور
ہے کہ "آپ دنیا کے سب سے عظیم انسان تھے"
کیا اسباب تھے کہ تمام تر مشکلات کی بلند دیواروں
کو پھلانگ کر جہالت کے مہیب اندھیروں کو سر کر کے
اسلام کا نور پھیلا اور اس طرح پھیلا کہ دشمن بھی اعتراف
پر مجبور ہوئے؟ متعصب مخالفین کی نظر میں چاہے
اس کا جواب "تلوار اور جبر" کیوں نہ ہو لیکن حقیقت
یہ ہے کہ اس کا جواب صرف ایک اور ایک ہے اور
وہ ہے ـــــ اسلام کی تبلیغی دعوت۔

آئیے اسباب کا جائزہ لیں کہ تبلیغ کیا ہے؟
تبلیغ کسے کہتے ہیں؟ اس کا دائرہ کتنا ہے؟ اور
آپؐ نے کن حالات میں کس انداز سے اس موثر ہتھیار
کو اپنایا؟ اور موجودہ دور میں کس انداز کی تبلیغ کی ضرورت
ہے؟ اور قرآن کریم نے تبلیغ کے سلسلہ میں کیا احکامات
جاری فرمائے ہیں؟

لفظ تبلیغ کے لغوی معنی پیغام رسانی کے ہیں
اور اصطلاحی معنی ہیں کہ جس چیز کو ہم اچھا سمجھتے ہیں
اس کی خوبیوں کو دوسرے افراد، قوموں اور ممالک
تک پہونچائیں اور اس اچھائی کو قبول کرنے کی دعوت
دیں۔

تبلیغ کی ضرورت اور اہمیت

کسی بھی تحریک، کسی بھی ازم، کسی بھی نظریہ اور کسی بھی
دستور کو لاگو کرنے کیلئے افراد کو اس کی تفصیل بتلانے
اس کی جانب بلانے اور دعوت دینے کی ضرورت
پیش آتی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ آپؐ نے اس فریضہ
کو بخوبی انجام دیا ہے۔ آپ نے خداوند کریم کے
احکامات کے مطابق تمام عالم انسانی کو تبلیغ فرمائی،
اور اس میں جغرافیائی حدود، نسلی امتیاز، قبائلی اور
لسانی تقسیم کو مد نظر نہیں رکھا بلکہ دنیا کی ہر قوم، ہر زبان
اور ہر ملک میں صدائے الٰہی پہونچانے کا فرض عظیم
انجام دیا۔

آغاز وحی میں ہی خداوند کریم نے تبلیغ کا حکم صادر
فرمایا۔

یا ایھا المدثر قم فانذر	اے چادر پوش اٹھ کھڑا ہو
مدثر ـــ ۱	اور ہوشیار و آگاہ کر

اور پھر بار بار حکم ہوتا ہے کہ:

بلّغ ما انزل الیك	جو تیری طرف اتارا گیا اس کو اور وں کی طرف پہونچا

اور

فذکر ان نفعت الذکری (اعلیٰ)	لوگوں کو نصیحت کر اگر نصیحت فائدہ مند ہو
وذکّر فان الذکری تنفع المومنین (ذاریات ۳)	اور نصیحت کر کہ نصیحت ایمان والوں کو فائدہ پہونچاتی ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی آیتوں میں اس کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا، چنانچہ آپ نے تمام زندگی اپنے قول اور عمل دونوں سے اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دیا اور اپنے اصحاب کو بھی اس کی تلقین فرمائی، آپؐ نے ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے فرمایا کہ :-

علی! تمھاری کوشش سے ایک آدمی کا بھی دین حق قبول کر لینا دنیا کی سب سے بڑی سعادت ہے" (صحیح مسلم باب خیبر)

اصول تبلیغ

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے کہ جس نے اس موثر شے کے استعمال کا صحیح اور مفید طریقہ اپنے پیغمبر کے ذریعہ انسانوں تک پہونچایا اور نہایت جامع و مختصر دلنشیں انداز میں اپنے ماننے والوں کو بتلایا کہ اللہ کے پیغام کو کس طرح سے لوگوں کو پہونچایا جائے اور کس انداز سے حق کو قبول کرنے کی دعوت پیش کی جائے۔ ارشاد ہوتا ہے :-

ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (نحل - ۱۶)	اپنے پروردگار کی راہ کی جانب لوگوں کو دانائی اور عمدہ نصیحت کے ذریعہ بلا اور ان سے مناظرے خوش آئند طریقہ سے کر۔

سید سلیمان رحؒ نے اس آیت شریفہ کی تشریح اس انداز میں فرمائی ہے کہ "تبلیغ و دعوت کے تین اصول مسلمانوں کو سکھلائے گئے، عقل و حکمت موعظہ حسنہ اور مناظرہ بطریق احسن"

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ "مسلمان متکلموں نے بیان کیا ہے کہ تبلیغ و دعوت کے یہ تین اصول وہی ہیں جو منطقی استدلال میں عام طور پر استعمال کئے جاتے ہیں، یعنی ایک تو "برہانیات" جن میں یقینی مقدمات کے ذریعہ سے دعوی کے ثبوت پر دلیلیں لائی جاتی ہیں دوسرے "خطابیات" ہیں جن میں موثر اور دلپذیر اقوال سے مقصود کو ثابت کیا جاتا ہے اور تیسرے "جدلیات" جن میں عام اقوال اور فریقین کے مسلّم مقدمات سے استدلال کیا جاتا ہے، قرآن پاک نے پہلے طریقہ کو حکمت، دوسرے کو موعظہ حسنہ اور تیسرے کو جدال سے تعبیر کیا ہے اور استدلال کے یہی وہ تین طریقے ہیں جن سے ایک شخص دوسرے شخص کے سامنے اپنے مدعا کو ثابت کر سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کر کے اس کے قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں تو عموماً تین طریقے برتتے ہیں۔ یا تو اس بات کے ثبوت میں کچھ

دلنشیں دلیلیں پیش کرتے ہیں یا اس کو مخلصانہ نصیحت کرتے ہیں اور موثر انداز سے اس کو نیک و بد اور نشیب وفراز سے آگاہ کرتے ہیں یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے رد کرکے اس کی غلطی کو اس پر واضح کرتے ہیں۔ پہلے طریقہ کا نام "حکمت" دوسرے کا نام "موعظہ حسنہ" اور تیسرے کا نام "جدال بطریق احسن" ہے۔ (سیرت النبی ج ۴ ص ۲۷۶)

تبلیغ کے موثر ہونے کیلئے ضروری ہے کہ نرم انداز اختیار کیا جائے، شائستگی، تہذیب اور خیر خواہی کا طریقہ اپنایا جائے۔ درشتی، تکلیف کو برداشت کیا جائے، اس لئے کہ سختی، درشتی، بدتہذیبی کا طریقہ غلطی میں ضد کو شامل کردیتا ہے اسلئے قرآن کریم نے پیغمبروں کو بھی اپنے مخالف سے نرمی سے ہی بات کرنے کی تاکید فرمائی ہے، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کو بھی اگر فرعون جیسے سرکش کے سامنے پیغام حق لے جانے کا حکم ہوتا ہے تو نرمی کی تاکید کی جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

اذھبا الی فرعون انہ طغی فقولالہ قولاً لیناً لعلہ یتذکر او یخشیٰ (طٰہٰ ـ ۲)	تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے تو اس سے نرم گفتگو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کرے یا (خدا سے) ڈرے۔

پیغمبروں سے بڑھ کر نہ کوئی داعی بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے زیادہ سرکش، مگر ایسے موقعوں پر بھی نرمی اور تحمل کی تلقین کی جاتی ہے اور ایک جگہ حضور کو منافقوں کے بارے میں یہ حکم ہوتا ہے کہ:۔

فاعرض عنھم وعظھم وقل لھم فی انفسھم قولاً بلیغاً۔ (نساء ـ ۹)	تو ان سے درگذر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان سے ایسی بات کہہ جو ان کے دلوں پر اثر کرے۔

اس کے علاوہ یہ حکم فرمایا گیا کہ دین الٰہی کو آسان بنا کر بتدریج پیش کرو، یہ نہ کرو کہ ان کے ساتھ سختی برتو اور سب کچھ ان پر ایکدم تھوپ دو۔ نفسیات انسانی سے قریب ترین رویہ کو ہی حضور اکرمؐ نے اختیار فرمایا، چنانچہ جب آپ نے معاذ بن جبلؓ اور ابوموسیٰ اشعری کو یمن میں تبلیغ دین کے لئے روانہ فرمایا تو ارشاد فرمایا:۔ یسّرا ولا تعسّرا وبشّرا ولا تنفّرا۔
(صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۶۲)

حضرت معاذ بن جبل سے مزید فرمایا کہ "تم یہودیوں اور عیسائیوں کی ایک قوم کے پاس جاؤ گے تو ان کو پہلے اس کی دعوت دینا کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں، محمد اس کے رسول ہیں، جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رات دن میں پانچ اوقات کی نماز فرض کی ہے، جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ خدا نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے یہ صدقہ ان کے دولتمندوں سے لے کر ان کے غریبوں کو دے دیا جائے، جب وہ یہ تسلیم کرلیں تو دیکھو صدقہ میں چن چن کر بڑھیا مال نہ لینا اور مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا کہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۲۶۳)

فطرت انسانی سے قریب ترین سچی تبلیغ کے یہ وہ اصول ہیں جن سے پہلی بار حضورؐ کے ذریعہ دنیا آشنا ہوئی، ایسے اصول جو زور زبردستی کے راستہ کے بجائے عقل وفہم، یقین وعمل کا مطالبہ کرتے ہیں۔

صحیح تبلیغ کا دائرہ

اللہ اللہ کس قدر شاندار اور لاجواب طریقہ سے تبلیغ کے اس عظیم کام کی انجام دہی کا درجہ بدرجہ حکم ہوتا ہے اور قرآن کریم تبلیغ کے اس دائرہ کا آغاز کس قدر آسان اور فطرت کے مطابق کرتا ہے جیسے دھیرے دھیرے پانی اپنی قدرتی رفتار کے ساتھ پہلے اپنے آس پاس کی زمین کو سیراب کرتا ہے اور پھر آگے اور آگے بڑھتا جاتا ہے، سب سے پہلے قریبی لوگوں کو تبلیغ کا حکم ہوتا ہے:۔

وانذر عشیرتک الاقربین (شعراء ۔ ۱۱)	اور اپنے سب سے نزدیک کے اہل خاندان کو ہوشیار کرو

گھر اور خاندان کے بعد اپنے شہر اور اس کے قرب وجوار کا حکم ہوتا ہے:۔

لتنذر ام القری ومن حولها (شوری)	تاکہ تو مکہ اور اس کے قرب وجوار کو آگاہ کرے۔

یہ حکم عظیم اپنا دائرہ اور وسیع کرتا ہے اور ہر اس شے کو جس میں احساس اور عقل وفہم کی علامتیں موجود ہیں شامل کرتا ہے:۔

ان هو الا ذکر وقرآن مبین لینذر من کان حیا (یسین ۵)	یہ قرآن تو ایک نصیحت ہے اور خدا کا کلام ہے تاکہ ہوشیار کرے اسکو جو زندہ ہے۔

پھر جن تک بھی یہ آواز پہونچ جائے ان سب سے خطاب ہے:۔

لانذرکم به ومن بلغ .	تاکہ تمہیں آگاہ و ہوشیار کروں اور ان کو جن تک یہ آگاہ کرنے والی آواز پہنچے

پھر بتدریج دائرہ اور وسیع ہوتا ہے اور تمام انسانوں پر محیط ہوجاتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:۔

هذا بلاغ للناس (ابراہیم ۔ ۷)	یہ قرآن تمام انسانوں کیلئے پیغام ہے۔

اور پھر تمام کائنات کو اپنی دعوت وتبلیغ کے دائرہ میں شامل فرمایا، ارشاد ہوا:۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعلمین نذیرا الذی له ملک السموات والارض (فرقان ۔ ۱) {سیرالنبی ج ۴}	برکت والا ہے وہ خدا جسنے حق وباطل میں امتیاز بتانے والی کتاب اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کی تاکہ وہ دنیا جہان کیلئے آگاہ اور ہوشیار کرنے والا ہو، وہ خدا جسکی ملکیت میں آسمانوں اور زمینوں کی سلطنت ہے

کس قدر عمدہ اور کامیاب راستہ قرآن کریم نے متعین فرمایا ہے کہ پہلے خود کو سنوارو پھر بتدریج دوسروں کو اور آہستہ آہستہ اس دائرہ کو وسعت دو، ایک دنیا تسلیم کرتی ہے کہ اپنی بات کو تسلیم کرانے کیلئے پہلے اس پر خود عمل ضروری ہے تاکہ دوسروں تک پہونچا سکے، پھر درجہ بدرجہ کا اسی لئے حکم فرمایا کہ لوگ

یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ کیسا چراغ ہے جس کے قریب اندھیرا ہے؟ اور جو دور تک روشنی کی بات کرتا ہے۔

ایک غلط فہمی

عام طور پر لوگ "تبلیغ دین" سے وہ عام صورت تبلیغ سمجھتے ہیں کہ جس میں اپنی دیگر مصروفیات کو ترک کر کے صرف یہی کام کیا جاتا ہے، اسی لئے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تبلیغ دین کے اس اہم فریضہ کو ادا کرنا چاہئے تو ان کا جواب عدیم الفرصتی کی شکایت کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کبھی کبھی دوسری مصروفیات کو ترک کر کے بھی اس کام میں مصروف ہونا چاہئے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہئے کہ تبلیغ دین صرف اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔

دین اسلام میں تنگی اور مشکلات نہیں بلکہ آسانی اور وسعت ہے، تبلیغ کیلئے یہی صورت دائم ضروری نہیں کہ افراد اپنی تعلیم، اپنی ملازمتیں، اپنے دفاتر، اپنے گھر اور اپنے کنبہ کو یکسر خیرآباد کہہ کر اور روایتی انداز میں کاندھے پر ایک عدد بستر لٹکا کر شہر در شہر گاؤں در گاؤں کو چھانتے پھریں۔ یقیناً موقع بموقع اس کام کیلئے بھی نکلنا چاہئے لیکن موجودہ دور میں کہ جب معاشی کفالت کیلئے سخت جدوجہد لابدی ہے اور انسانی مصروفیات میں انتہائی اضافہ ہو چکا ہے ایک خاص طبقہ کے علاوہ افراد اس طور پر کہ اس اہم کام کو بحسن وخوبی انجام نہیں دے پاتے۔

رسول کے طریقۂ تبلیغ اور قرآنی احکامات و اصول تبلیغ کا جائزہ لیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی پوری زندگی اور آپ کی حیات طیبہ کا ہر عمل امت کیلئے تبلیغ تھا اور ساتھ ساتھ دنیاوی مسائل سے بھی آپ غافل نہیں رہے، معلوم ہوا کہ ہم بھی صحیح طور پر تبلیغ دین کے اس اہم فریضہ کو بھی مکمل طور پر ادا کر سکتے ہیں کہ جب آپ کے اسوۂ حسنہ بہ ہمہ وقت اور زندگی کے ہر شعبہ میں قائم رہیں۔

تبلیغ کا صحیح مفہوم

تبلیغ کا صحیح مفہوم قرآن کے احکامات اور عمل رسول کی روشنی میں یقیناً یہی ابھرتا ہے کہ ہم اپنی پوری زندگی کو سیرت رسول کے سانچے میں ڈھال لیں اور جب ہماری زندگی کی مصروفیات دینی اور دنیاوی دونوں آپ کے قول وعمل کے مطابق ہوں گی تو ہماری مصروفیات خود بخود تبلیغ دین کا سبب بن جائیں گی اور پھر ہم کسی دفتر میں ملازم ہوں یا مزدور ہوں، طالبعلم ہوں یا معلم غرض کہ کسی بھی پیشہ سے تعلق رکھتے ہوں اور دنیا کے کسی بھی گوشہ میں ہوں ہر جگہ اس فریضہ کو انجام دے سکیں گے۔

تبلیغ دین کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ لوگوں کو مسجدوں اور مدرسوں میں روک کر باتیں کریں، بلکہ تبلیغ دین یہ بھی ہے کہ ہم سفر میں اپنی جگہ کسی کمزور مسافر کو دے دیں، کسی کو راستہ بتا دیں، جہاں اور جو کام کرتے ہیں اسے ایمانداری سے انجام دیں

تمام افراد سے محبت اور اخلاق سے پیش آئیں اور اپنے عمل کے ذریعہ سے عملی تبلیغ کا نمونہ پیش کرتے رہیں۔

تبلیغ کا مفہوم صرف یہی نہیں ہے کہ اپنے گھر بار کاروبار اور بال بچوں سے بے پروا ہو کر نکل پڑیں بلکہ تبلیغ کے صحیح اور وسیع مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ اس فریضہ کو بتدریج اپنے عمل اور قول دونوں سے انجام دیں (بتدریج تبلیغ کرنے کے احکامات اوپر گذر چکے ہیں) ۔ پہلے اپنے آپ کو سیرتِ رسول ؐ کے مقدس سانچے میں ڈھالیں اور پھر اپنے قریب سے شروع کر کے حتی الامکان پیغام الٰہی کی دعوت دوسروں تک پہونچائیں ۔
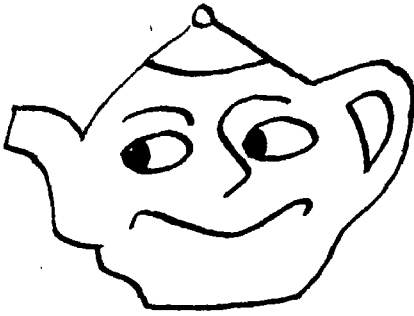
جاوید شہبازی

نعتِ رسول

نام پاک آپ کا اے شہ انبیاء ، اسم اعظم ہے ذوقِ سفر کے لئے
خضرِ راہ حقیقت تو سرکار ہیں ، کیوں بھٹکتا پھروں راہبر کے لئے

کیا زمین وزماں کیا عرب اور عجم ، ہر طرف ان کا جاری ہے لطف و کرم
بزمِ کون ومکاں کا اجالا ہیں وہ ، رحمتیں عام ہیں بحر و بر کے لئے

غیر ممکن کہ اصل ضیا مل سکے ، نقشِ پائے حبیب خدا مل سکے
کیوں نہ ان کے تصور سے ہی مانگ لوں ، روشنی اپنے تاریک گھر کے لئے

میں کہ بے بال و پر اور بے مال و زر ، جانتا ہوں میں انجام ذوقِ سفر
عشق پامال ہی مجھ کو کر دے مگر ، وقف ہو جاؤں اس رہگذر کے لئے

ان کے در پر جو ہوتی نہیں حاضری ، ہوگی کوئی یقیناً کمی میں کسی
ورنہ جاوید میری دعائیں کبھی ، یوں بھٹکتی نہ پھرتیں اثر کے لئے

طفیل احمد

نعت

مجھے اے جذبِ کامل کھینچ لے چل پھر مدینے میں
وہیں ہے لطف مرنے میں وہیں ہے کیف جینے میں
زمین و آسماں کون ومکاں سب کچھ اسی کا ہے
ہے روشن شمع عشق مصطفےٰ جس کے بھی سینے میں
محمد مصطفےٰ ہی حاصل کون ومکاں ٹھیرے
نہیں تھا ان سے بہتر کوئی قدرت کے خزینے میں
حدیث شافع محشر یہی اعلان کرتی ہے
شفاعت کی اگر ہو آرزو آؤ مدینے میں
ہزاروں میکدے قربان اس بزم رسالت پر
کہ جام بادۂ وحدت وہیں آتا ہے پینے میں
مٹا ہر طرح کی تشنگی کا ہے وہاں رندو
کہ ہیں تشریف فرما ساقیِ کوثر مدینے میں
طفیل احمد مرسل ملی ہے دولت ایماں
تنِ خاکی ہے میرا ہند میں جاں ہے مدینے میں

معراج

از عبدالمتین فاروقی

یہ محمد بن عبد اللہ کی معراج نہ تھی بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج تھی ، دوسرے لفظوں میں تقدیر انسانیت کی معراج تھی ، اس سے مشیت الٰہی کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ آپ کی رہنمائی سے یہ امت اور انسانیت کہاں تک پہونچے گی ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ آپ کی رہنمائی کے انتہائی نتائج تھے :-

مقابلہ ——— اور ——— موازنہ

معراج نبوی کے اہم نکات	انسانیت کی معراج کیا ہے
۱۔ شرح صدر	۱۔ خیالات و علوم کی وسعت
۲۔ براق کی سواری	۲۔ ترقی کی تیز رفتاری اور بجلی کی حکومت
۳۔ ملائکہ اور انبیاء کی ملاقات	۳۔ تزکیۂ نفس اور روحانی ترقی کا کمال
۴۔ سیر جنت اور مشاہدۂ جمال	۴۔ اخروی سعادتوں کا حصول اور دیدار حق
۵۔ مسجد اقصیٰ میں انبیاء کی امامت	۵۔ مرتبہ خلافت الٰہی (دنیا اور آخرت کا کمال)

دین کامل خدا کے بندوں کو جہاں تک لے جا سکتا تھا خدا کے ایک بندے کو وہاں تک لے جایا گیا ، اور وہ نعمت جو صاحب معراج کی ہدایت اور رہبری سے دین کامل کے اطاعت گذاروں کو دنیا اور آخرت میں ملنے والی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری پوری دکھائی گئی تاکہ آپ کاروان انسانیت کو جس منزل کمال کی طرف لیجا رہے ہیں وہ آپ کیلئے غیب نہ رہے بلکہ مشہود بن جائے ، آپ ہر چیز کو سمجھ لیں ، پھر حیات ، سفر حیات اور منزل حیات کے متعلق پوری پوری معرفت ، بصیرت ، ایمان اور ایقان حاصل کرنے کے بعد مسافران حیات کو اس منزل کمال کی دعوت دیں ۔

تھے اور یہ ناگزیر بھی تھا کہ:- ۱۔ اپنے ظالم وطن مکہ ۲۔ عرب کے غیر عربی عناصر خاص کر یہودی قبائل ۔۔ ۳۔ خانہ بدوش عرب قبائل ۔۔۔ ۴۔ عرب کے حضری زندگی رکھنے والے شہر یا شہری مملکتیں مثلاً طائف ۔۔۔ ۵۔ عرب میں بیرونی دخل انداز یعنی ایرانی اور رومی صوبے، محفوظات نوآبادیاں وغیرہ ۶۔ عرب کے ہمسایہ ممالک ۔۔ وغیرہ میں سے ہر ایک کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی "سیاست کاری" خصوصی مسائل سے دوچار ہو اور ان کو حل کرنے کے لئے وہ ہر جگہ الگ اور بدلی ہوئی رہے ۔ سطور ذیل میں آنحضرت کی صرف مکی سیاست سے بحث کی جائے گی

مکہ کی اہمیت

شہر مکہ کا قدیم جغرافیہ نگاروں کے الفاظ میں ۔۔ "ناف ارض" پر ہونا چاہے اسلام کی عالمگیر توسیع میں کتنا ہی ممد و معاون رہا ہو لیکن یہاں زمانہ مابعد سے ہمیں کوئی بحث نہیں ۔۔۔ دیکھنا یہ ہے کہ عہد نبوی میں اس کو کیا اہمیت حاصل تھی؟ ہمیں ان عشرتی پادریوں کا لحاظ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جو مصلحتاً مکہ اور مکہ والوں کو کوئی اہمیت دینا نہیں چاہتے اسی طرح ان روحانی عظمتوں یا دیگر لاحاصل قصوں سے بھی یہاں سروکار نہیں جو کرۂ ارض کے بننے میں مکہ کے حصے وغیرہ سے متعلق ہیں۔

شہر مکہ میں جو عرب بستے تھے وہ قریش کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں، ان کے تجارتی تعلقات کی اہمیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ چونکہ اس زمانے میں جزیرہ نمائے عرب میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی اور ہر قبیلہ اپنے رہنے سہنے کے جنگلوں، پہاڑوں میں انتہائی خود مختاری برتتا تھا اور اس کے علاقہ سے گذرنے کے لئے زمانہ حال کے پاسپورٹوں سے بھی زیادہ دشواریاں تھیں اسلئے کاروانوں کے سفر کرنے اور بین الممالک تجارت کے عرب سے گذرنے کے لئے خفاروں اور بدرقوں کا ایک وسیع اور ترقی یافتہ نظام وجود میں آگیا تھا، اس نظام نے عرب میں سیاسی تو نہیں لیکن ایک معاشی وفاق ضرور قائم کر دیا تھا، اس وفاق میں قریش کے موقف کا اندازہ مشہور مورخ محمد بن حبیب (وفات ۲۴۵ھ) کے اس بیان سے ہو سکتا ہے:-

> "ہر تاجر جو یمن یا حجاز سے وہاں (دومۃ الجندل، جو عرب کے شمال میں ہے) جانا چاہتا تو جب تک قبائل مضر کے علاقہ سے گذرنا ہو قریشی خفارے کی خدمات حاصل کرتا کیونکہ نہ تو کوئی مضری اور نہ مضریوں کا کوئی حلیف قریشی خفارے کو تکلیف دیتا. چنانچہ قبائل کلب (بنی الجشم سے حلیفی کے باعث) اور قبائل طے (بنی اسد سے حلیفی کے باعث) قریشیوں کو نہیں چھیڑتے تھے. قبائل ربیعہ کے پورے علاقہ میں تاجر اپنے لئے بنی عمرو بن مرثد کا خفارہ حاصل کرتے تھے ۔۔۔ بحرین کے صدر مقام المشقر کو جانے کے لئے بھی قریشی خفارہ حاصل کیا جاتا تھا ۔۔۔ جنوبی عرب میں مہرہ جانے

کے لئے بنی محارب کا خفارہ لیا جاتا تھا — حضرموت کے سوق رابیہ جانے کے لئے قریشی کاروان بنی آکل المرار کی خدمات حاصل کرتے تھے جس کے باعث آکل المرار جلد اپنے حریفوں پر غالب ہوگیا — عکاظ عرب کا سب سے بڑا سالانہ میلہ تھا جسمیں تمام عرب کے قبائل سامان لاتے تھے مثلاً قریش، ہوازن، غطفان، عضل، قیس، جبار، مصطلق، احابیش وغیرہ "

اس کے سوا زمانہ جاہلیت میں قریش اپنے حج کے سلسلہ میں مکہ کے مضافات میں منیٰ میں جمع ہوتے تھے۔ سنہ ھ میں بیعت عقبہ کے سلسلہ میں مورخین نے ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ سے ملنے سے پہلے آنحضرت پندرہ قبائل کے پڑاؤں میں تبلیغ کے لئے گئے تھے، انمیں سے کندہ عرب کے انتہائی جنوب میں رہتے تھے، کلب انتہائی شمال میں دومۃ الجندل میں بستے تھے، بنی حنیفہ بحرین کے پاس انتہائی مشرق میں آباد تھے، ان کے علاوہ وہاں یمن کے، مدینے کے، غرض عرب کے ہر حصے کے لوگ آتے تھے اور یہ ہر سال ہوتا تھا۔

غالباً یہی وجہ تھی کہ سنہ ۸ھ میں مکہ فتح ہوا تو سنہ ۹ھ میں تاریخ اسلام میں " عام الوفود (سفارتوں کا سال) کے نام سے مشہور ہوا کیونکہ عرب کے ہر حصے سے مدینے میں سفارتیں ٹوٹ پڑیں اور فاتح مکہ کے مذہب اور فاتح مکہ کی حکومت کو ماننے کا اعلان کرتی گئیں اور یہ سفارتیں بھی عرب کے ہر حصہ سے آئی تھیں۔

جیسا کہ اوپر عرض ہوا سیاست نبوی کے چند اصول عام اور ہمہ گیر تھے پہلے انھیں کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے یہ مکہ سے مقابلہ کرنے میں بھی اتنے ہی ملحوظ رہے جتنے دیگر سیاسی وحادثوں کے سلسلہ میں۔

۱۔ تبلیغ رسالت :-

سب سے پہلا اصول جو ہر حالت میں پیش نظر رہا وہ یہ تھا کہ جس مشن اور مقصد کو لیکر آپؐ اٹھے تھے اس کی اشاعت ہو، اس غرض کیلئے مالی منفعت اور خواہش انتقام کو نظر انداز کرنا بھی گوارہ کیا جاتا تھا چنانچہ جب آنحضرتؐ نے شہر مکہ کو بلا شرط اور بزور فتح کر لیا تو یہ بہت آسان تھا کہ اس مالدار شہر کو آپ لوٹ لیتے اور مہاجرین کی مغصوبہ جائدادوں اور دیگر کثیر جسمانی اور مالی نقصانوں کا بدلہ لیتے — ابوسفیان گرفتار ہوکر ہاتھ آئے تو کچھ نہیں تو ان سے چند ہزار کا فدیہ ہی طلب کرتے — اس کی مزید مثالیں جمع کرنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔

۲۔ اندرونی استحکام

کوئی بڑی سے بڑی سلطنت بھی جو سخت اندرونی خلفشار میں مبتلا ہو اکثر حقیر اور کمزور دشمنوں تک کا مقابلہ نہیں کرسکتی، تاریخ عالم اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

یہاں اس اصول مسلمہ کا بیان مقصود نہیں بلکہ یہ دکھانا ہے کہ ناگزیر باہمی اختلافات کو کس طرح روکا یا دور کیا جاتا تھا — اور کس طرح اختلافات کو مٹانے سے اپنی قوت میں اضافہ ہوتا تھا۔

جس وقت آنحضرتؐ ہجرت کرکے مدینہ آئے ہیں تو مسلمانان مدینہ اوس اور خزرج کے دو رقیب اور خون کے پیاسے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ابھی بعاث کی معرکہ آرائی کا خون بھی خشک نہیں ہوا تھا۔ ان دونوں متصادم قوتوں کی سرداری کوئی قابل رشک حالت نہیں کہی جاسکتی، جس طرح آج اسلامی مبلغین کو ممالک متحدہ امریکہ میں ایک حل نہ ہونے والی گتھی سے سابقہ ہے کہ وہاں حبشیوں میں تبلیغ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ امنا لیکن آپ گوروں کی نیچنگ پر اتر آنے والی تنگ انسانیت قوم کو اسلام کے برکات سے ہرگز متمتع نہ ہونے دیجئے، اور گورے نومسلم نہیں چاہتے کہ حبشی مسلمان ہوکر ان سے سماجی مساوات حاصل کرلیں۔

عرب کے خانہ بدوش بدو آج بھی اپنے حضری اور بستیوں میں رہنے والے بھائیوں کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ عہد نبوی میں تو حضری آبادی آج سے بھی کم تھی، فوجی مہموں میں بدوی رضاکاروں کا ضبط جیسی صبر آزما چیز ہوگی محتاج بیان نہیں۔

سب سے مقدم یہ کہ ہجرت کرکے مدینہ آئے تو وہاں ایک نراج تھا، ایک شہری مملکت تک نہیں پائی جاتی تھی۔ چند مدنی عرب قبائل مسلمان ہوگئے تھے اور چند میں ابھی تک اسلام پوری طرح نہیں پھیلا تھا، ان کے ساتھ ہمسائے میں ہزاروں کی تعداد میں یہودی رہتے تھے جو زراعت، تجارت، صنعت غرض جملہ معاشی زندگی پر حاوی تھے، ان میں بھی آپس میں خوں ریز اور امٹ رقابتیں تھیں اور ان کا اپنا ایک مذہب اور تمدن تھا اور ان کے اسلام قبول کرنے کی اتنی بھی توقع نہ تھی جتنی لامذہب بدؤں کی، ان سب کے ساتھ سینکڑوں مہاجرین تھے جو مکہ کے بیسیوں قبائل سے تعلق رکھتے تھے، ان تمام عناصر میں ایک وفاقی وحدت پیدا کرنا اور مدینے میں ایک شہری مملکت قائم کرکے اس کا ایک دستور مرتب کرنا اور اس کے ذریعہ راعی ورعایا کے حقوق وفرائض کا تعین کرنا اور پھر ان تمام متصادم اور ضائع ہونے والی توانائیوں کو ایک مرکز پر لاکر ان سے کام لینا یہ ابتدائی سیاست خارجہ ہی کے مسائل سے تھے اور طے ہوچکنے کے بعد اندرونی مسائل بن گئے۔

مدینہ کی حفاظت کیلئے علاوہ اس اندرونی استحکام کے اس کی ضرورت تھی کہ آس پاس کے قبائل سے دوستی کی جائے چنانچہ ہجرت کے چند مہینے بعد ہی آنحضرتؐ مدینہ کے جنوب مغربی ساحل سے متصل علاقہ کا بار بار دورہ شروع کرتے ہیں اور ینبوع وغیرہ میں رہنے والے قبائل سے حلیفی کرتے ہیں کہ ان پر کوئی حملہ کرے تو مسلمان ان کو مدد دیں گے اور مسلمانوں پر کوئی حملہ کرے تو یہ مدد کو آئیں گے ـــ بعض معاہدات میں آنحضرتؐ کے دشمنوں سے دوستی نہ رکھنے کی شرط منظور کی گئی تھی بعض میں اتنی پابندی بھی نہ تھی اور قبیلہ غیر جانبدار رہنے پر آمادہ ہوا تھا، بعض میں مسلمانوں کی دینی لڑائیوں میں ان قبائل کو مدد دینے سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ بہرحال مدینہ کے چاروں طرف دوستوں میں اضافہ اور مخالفوں میں کمی کی مسلسل کوشش جاری رہی۔

ایک اور اصول یہ قرار دیا گیا تھا کہ عرب میں جو شخص

یا خاندان یا قبیلہ مسلمان ہو وہ ہجرت کر کے مدینہ یا اسکے مضافات میں آبسے ـــــ یہ سیاست فتح مکہ تک باقی رہی (لا ھجرۃ بعد الفتح مشہور حدیث اسی سیاست کے اختتام کا اعلان تھی) اور بہت کم اس کی استثنیٰ منظور کیا جاتا تھا۔ اس سیاست کا نتیجہ دوگونہ تھا مسلمان فوج کے لئے محفوظ رضاکاروں میں روزافزوں اضافہ اور ان نومسلموں میں اسلام کی گہرائی

۳۔ انسانی خون کی عزت

عہد نبوی میں دس سال میں دس لاکھ مربع میل کا علاقہ فتح ہوا جس میں یقیناً کئی ملین آبادی تھی، اسطرح روزانہ تقریباً ۲۷۴ میل مربع کے اوسط سے دس سال تک فتوحات کا سلسلہ ہجرت سے وفات تک جاری رہا۔ ان فتوحات میں دشمن کا ماہانہ ایک آدمی قتل ہوا اسلامی فوج کا نقصان اس سے بھی کم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ہے:۔

انا نبی الرحمۃ	میں رحمت کا پیغمبر ہوں
انا نبی الملحمۃ۔	میں جنگ کا پیغمبر ہوں۔

اس کا اس سے بہتر ثبوت کیا ہو سکتا ہے، دشمن کے ستر آدمیوں کا مارا جانا (جنگ بدر میں) سب سے بڑی تعداد ہے۔ یاد رہے کہ یہ عہد نبوی کی سب سے پہلی جنگ تھی۔

۴۔ فنون حرب کی ترقی واستفادہ

دشمن کو بے بس کر دینے اور ساتھ ہی خونریزی کو کمترین حد تک گھٹا دینے کیلئے ایک ہی طریقہ ہو سکتا ہے کہ فنون حرب میں اتنا کمال حاصل کیا جائے کہ حریف مقابلہ ہی نہ کر سکے، اس غرض کے لئے ہر اچھی چیز چاہے کسی ملک کی ہو اختیار کی گئی۔

عربوں میں صف بندی کا رواج نہ تھا، جوش کا بے وقت اور بے محل استعمال اور اسلحہ کا بیکار خرچ بھی عام چیز تھی۔ جنگ بدر ہی سے آنحضرت ؐ نے اپنے سپاہیوں میں صف بندی شروع کر دی تھی اور معائنہ میں جو آگے پیچھے نظر آتا تھا اسے درست کیا جاتا تھا (حوالہ ابن ہشام) فتح مکہ کے وقت تو صف آرائی ایک مخصوص افسر کے سپرد ہو گئی تھی جو وازع کہلاتا تھا (حوالہ طبری) ہر فوج کا مہم پر روانگی سے پہلے شہر کے باہر (معائنہ) عرض ہوتا تھا اور کم عمر رضاکار یا سواری یا اسلحہ نہ رکھنے والے یا اور طور پر نامناسب افراد (مثلاً مشرکین، یہود وغیرہ) علاحدہ کر دیئے جاتے تھے (حوالہ ابن سعد، ابن ہشام طبری وغیرہ) جنگ بدر میں صف آرائی کے بعد جو جامع ہدایات دی گئی تھیں وہ یہ تھیں کہ:ـــــ "جب تک میں حکم نہ دوں کوئی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے، دشمن دور ہو تو تیر چلا کر بیکار ضائع نہ کرے بلکہ زد پر آئے تو مارے، اس سے قریب آئے تو پتھر پھینک کر مارے اس سے بھی قریب آئے تو نیزہ اور پھر تلوار چلائے وردی کی غیر موجودگی میں اور شب خون کی ضرورتوں کیلئے اسلامی سپاہیوں کیلئے "شعار" (واچ ورڈ) مقرر کئے گئے تھے اور ہر دو بدو مقابلہ کے وقت سپاہی اسے دہراتا اور حریف وہ لفظ نہ دہراتا تو معلوم ہو جاتا کہ وہ رفیق نہیں ہے بلکہ دشمن (حوالہ ایضاً)

خندق کے ذریعہ محصور شہر کی مدافعت اسی

اصول کی ایک دوسری مثال ہے، چنانچہ جنگ خندق میں شہر مدینہ پر دشمن کو حملہ آور ہونے سے اسی کے ذریعہ روک کر ناکام واپس کیا گیا۔

خیبر کی لڑائی میں منجنیق سے دشمن کے مشہور قلعے میں پتھر برسائے گئے تھے۔ طائف کے محاصرے میں مزید برآں دبابے بھی استعمال کئے گئے تھے جو ترقی پاکر زمانۂ حال میں خود بخود حرکت کرنے والی ٹینک کی صورت میں نظر آتے ہیں۔

دبابہ ایک پہیے والی گاڑی ہوتی ہے جس کے اوپر بیل کا یا کوئی موٹا چمڑا منڈھ دیا جاتا تھا تاکہ تیروں سے اندر رہنے والے آدمیوں کو صدمہ نہ پہونچایا جاسکے فصیلوں کو کھودنے اور مماثل کام کرنے کیلئے اسے کام میں لایا جاتا تھا — طائف میں منجنیق کے علاوہ عرادہ بھی برتا گیا تھا جو منجنیق ہی کی طرح پتھر وغیرہ دور پھینکتا تھا۔

فوجوں کی مشقیں، گھوڑوں، اونٹوں، گدھوں، وغیرہ کی دوڑ، تیراندازی کے مقابلے اور فوجی اسپورٹ وغیرہ ایک مستقل مضمون کے محتاج ہیں، نمازوں کے ذریعہ صف بندی، روزے کے ذریعہ ہر موسم میں پیاس یوں بھوک پیاس کی مشق، حج کے ذریعہ عرفات وغیرہ کے بے آب و گیاہ علاقوں میں کوچ اور قیام کی عادت وغیرہ ان کے علاوہ ہیں۔ سرکاری اصطبلوں، محفوظ چراگاہوں اور اسلحہ خانوں کا قیام بھی اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔

۵۔ خبر رسانی اور ناکہ بندی:-

ایک اور چیز جو عام تو تھی لیکن جس کا قریش کے سلسلہ میں بہت مکمل مظاہرہ ہوا وہ یہ ہے کہ دشمن کی ہر نقل و حرکت سے پوری طرح باخبر رہیں اور اپنی نقل و حرکت سے اسے آخر تک بے خبر رکھیں — اس غرض کے لئے مکہ میں بھی آپ کے نامہ نگار متعین تھے خندق کے معرکہ میں قریش نے مدینہ کے شمال کے قبائل غطفان وغیرہ کے دس ہزار کے جم غفیر کے ساتھ حملہ کیا تھا، اتنا بڑا لشکر عرب میں غیر معمولی بات تھی، اتفاق سے اسی زمانہ میں آنحضرت عرب کے شمال میں دومۃ الجندل کی طرف گئے ہوئے تھے، آپؐ کا آدھے راستے سے واپس آجانا اور محاصرہ کنندوں کے پہونچنے سے دو ہفتہ کی مہلت پاکر خندق کی کھدائی کو مکمل کرنا خبر رسانی کے عمدہ انتظام پر دلالت کرتا ہے، اسی طرح فتح مکہ کی مہم کی تیاری ایک شخص نے مدینہ سے قریش کو لکھ بھیجی تو پیام رساں راستے میں پکڑا گیا — اپنی خبروں کو پھیلنے سے روکنے کیلئے ناکوں کی بندش (حبس طرق) جتنی مکمل ہوچکی تھی اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دس ہزار کا لشکر مدینہ سے مکہ کی طرف چلتا ہے اور مضافات مکہ میں پڑاؤ ڈالنے سے پہلے دشمن کو خبر نہیں ہوتی اسکا ایک اور طریقہ غلط سمت میں جانے کی خبر مشہور کرنا تھا کہ دشمن مغالطہ میں مبتلا ہوکر غلط سمت میں سفر کرکے چکر کھاکر منزل مقصود پر پہونچنا بھی ہر وقت زیر عمل تھا اور مورخین نے صراحت سے لکھا ہے کہ: — صرف تبوک کی مہم میں سفر کی درازی اور موسم کی خرابی کے باعث سپاہیوں سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ کہاں

جاتا ہے ورنہ ہمیشہ "توریہ" (دکھاوا) کیا جاتا تھا۔

۶۔ معاشی دباؤ

یہ سب جانتے ہیں کہ قریش نے آنحضرت اور آپ کے متبعین کو کس طرح تکلیفیں دے کر ترک وطن پر مجبور کیا تھا اور کس طرح ان مہاجرین کی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا، اسی طرح سب لوگ اس سے بھی واقف ہیں کہ قریش کا روزگار زیادہ تر تجارت سے حاصل ہوتا تھا اور تبادلہ اشیاء کے ذریعہ وہ نفع کمایا کرتے تھے اور اس غرض کیلئے سردیوں میں جنوب یعنی یمن وغیرہ کو کارواں لے جاتے تھے اور گرمیوں میں شمال یعنی شام، فلسطین مصر، عراق وغیرہ جایا کرتے تھے۔

شمالی راستہ اس علاقہ سے گذرتا تھا جو مدینہ اور ینبوع کے مابین ہے ـــــ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ ہجرت کے چند مہینے بعد ہی اس علاقہ کے باشندوں نے آنحضرت صلعم نے مخالفت پیدا کرنے شروع کر دئے تھے اور جب اس کی ایک حد تک تکمیل ہو گئی تو قریشی کارواں کا راستہ بند کر دیا گیا اور جب وہ زور دکھا کر گذرنے لگے تو ان کے کاروانوں کو حق غنیم کے تحت لوٹ لیا جانے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش نے ساحلی راستہ مجبوراً ترک کر دیا اور صحرا میں سے ہو کر عراق جانے لگے لیکن جلد ہی آنحضرت صلعم کا اثر نجد تک پھیل گیا تو وہ راستہ بھی ہاتھ سے نکل گیا ـــــ قریش کو یمامہ اور بحرین سے بھی غلہ ملتا تھا، ان علاقوں پر اسلامی اثر کے پھیلنے خاص کر ثمامہ ابن اثال کے مسلمان ہونے پر غلہ کی برآمد مکہ کو روک دی گئی تھی۔ (ابن ہشام)

متعدد قیمتی کاروانوں کے لٹنے کے علاوہ، ذرائع معیشت کا بند ہو جانا قریش کو مطیع کرنے کا سب سے مقدم اور سب سے موثر ہتھیار ثابت ہوا۔

۷۔ غنیم کے دوستوں کو توڑ لینا۔

دوسری اہم تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ مختلف وسائل سے قریش کے دوستوں کو اس دوستی سے توڑنے اور مسلمانوں سے جوڑنے پر آمادہ کیا جائے یہ طریقہ بہت آہستہ چلا، مگر بالآخر بہت کارگر ثابت ہوا ـــــ بیعت عقبہ میں جو مدینے والے مسلمان ہوئے تھے وہ اصل میں قریش سے حلیفی کرتے آئے تھے، دستور مملکت مدینہ میں مدینہ کے یہودیوں کو اس شرط پر کسی حملہ آور کے خلاف مدد دینا منظور کیا گیا تھا کہ وہ قریش کو کبھی کوئی مدد نہ دیں نہ ان کے جان و مال کو کوئی پناہ، اسی دستور میں مدینہ کے غیر مسلم عربوں کی حفاظت اس شرط سے منظور کی گئی تھی کہ وہ قریش کو نہ تو خود کوئی مدد دیں اور ان کی جان و مال پر مسلمان حملہ کریں تو آڑے آئیں، اطراف مدینہ کے قبائل سے بھی معاہدات میں اسے ملحوظ رکھا گیا۔

کاروانی اسٹیشنوں پر جو لوگ رہتے ہیں انہیں کاروانوں کے ٹھہرنے کے زمانے میں کھانے پینے کی چیزیں، پانی اور دیگر ضروریات کے فروخت سے روزگار نکلتا ہے، آج کل بھی حجاج کا قافلہ اونٹوں

پڑ جائے تو کبھی کبھی دلتا پہلے سے منزلوں پر تیار یاں ہونے لگتی ہیں اور دور دور سے بدوی تربوز، گھی بھیڑ، بکری وغیرہ وہاں لے جاتے ہیں۔ قریشی کاروانوں کے رک جانے سے متعدد قبائل نے روزگار کیلئے آنحضرت سے [illegible] طلب کی تھی اور آشجع وغیرہ اسی طرح حلیف بنے تھے (حوالہ ابن سعد)

اس سلسلہ میں سب سے اہم کارنامہ صلح حدیبیہ ہے۔ سنہ ھ میں مدینہ میں مسلمانوں کو دو خطرے تھے شمال میں خیبر اور جنوب میں مکہ۔ دونوں سے ایک ہی وقت میں مقابلہ ممکن نہ تھا۔ دونوں کی بڑھنے والی دوستی کو روکنا اور ہم خیالی کو ہم عملی کی صورت اختیار نہ کرنے دینا بھی ضروری تھا۔ یہ بھی خوف تھا کہ اگر مسلمان خیبر پر حملہ کرنے جائیں تو مدینہ کو فوج سے خالی پاکر مکہ والے آکر لوٹ نہ لیں اور مکہ پر حملہ کریں تو یہی خطرہ خیبر سے تھا۔ صلح حدیبیہ میں قریش کو اس بات پر آمادہ کر دینا کہ وہ مسلمانوں کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں گے (اور اس کے معاوضے میں مسلمان قریش کا تجارتی راستہ کھول دیں گے اور دس سال تک باہم صلح رہے گی) ایک زبردست سیاسی فتح تھی جو مسلمانوں نے حاصل کی کیونکہ قریش کو اس وقت موثر مدد دے سکنے والے صرف خیبری ہی رہ گئے تھے۔ ان کو بچھڑا دینے اور پھر تباہ کر دینے سے قریش کا آئندہ کوئی مددگار نہ رہا۔

۸۔ دشمنوں سے گھیرنا :۔

مذکورہ بالا اصول کا ناگزیر نتیجہ یہ تھا کہ رفتہ رفتہ قریش کے اطراف چاروں طرف مسلمان۔ یا مسلمانوں کے حلیف تاآنکہ اور قبائل جمع ہو جائیں قبائل اسلم [illegible] اس کی بہت نمایاں مثال ہیں جو مکہ کے اطراف [illegible] رہتے تھے۔

آنحضرت کا [illegible] اقتدار سے یہ اصول تھا کہ بات کا پاس رہے [illegible] حلیفوں کی مدد سے کبھی غفلت نہ کی جائے۔ اس کے ساتھ اسلامی فوجوں کی جنگی برتری فتوحات کی دھاک، معاشی وسائل پر زبردست اقتدار [illegible] نے چوطرف کے چھوٹے چھوٹے قبائل کو آنحضرت کا مطیع کر دیا تھا۔

۹۔ [illegible]

دشمنوں میں پھوٹ ڈالنا بھی ایک مفید اصول کے طور پر اکثر عہد نبوی میں برتا گیا تھا۔ جنگ خندق اس سلسلہ میں کئی نظیریں پیش کرتی ہے۔ محاصرہ کرنے والے متحدین میں سے قبیلہ غطفان کو اس بات پر آمادہ کر لیا گیا تھا کہ وہ بعض شرائط پر محاصرہ اٹھا کر اور قریش کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں مگر ان شرائط پر خود مسلمان افسر آمادہ نہ ہوئے گو آنحضرت ص ان پر راضی تھے۔

دوسری نظیر اسی جنگ خندق میں قریش اور مدینہ کے یہودیوں میں پھوٹ ڈلوانا تھا۔ اس میں جتنی زبردست کامیابی ہوئی اس سے سب واقف ہیں کہ قریش نے بیزار ہو کر محاصرہ اٹھا دیا اور بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

۱۰۔ دشمن کے ایک طبقہ کو موہ لینا

یہ اصول بھی بہت مفید ثابت ہوتا ہے، اور بیان
یہ قریش کے غلے کی منڈی جو یمامہ میں تھی بند کرا دی
تھی، مورخ بیان کرتے ہیں کہ اس سے مکہ میں قحط
دار ہوگیا، اس سال عرب میں بارش نہ ہونے کے
ب عام کال بھی تھا، اس دباؤ کی قوت کا جب قریش
ندازہ ہوگیا تو پھر یہ بندش اٹھالی گئی اور وہ بہت
نون ہوئے ـــــ یہی نہیں بلکہ اسی زمانہ میں پانچ
اشرفی کی خطیر رقم مکے کے سردار ابوسفیان کو بھیجی گئی
یہ مکے کے فقراء میں تقسیم کر دے۔

ان کارروائیوں سے مکہ میں بیسیوں بہی خواہ
ا ہوگئے اور اسی طرح کی سیاست سے مختلف مواقع
اور مختلف ممالک میں مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا۔

۱۱۔ معزز دشمنوں کا اسلام میں بھی اعزاز:۔

اس مختصر تبصرے کے آخر میں اس اصول
کا ذکر کیا جا سکتا ہے جو کہ حدیث میں ہے:۔

خیارکم فی الجاہلیۃ خیارکم فی الاسلام اذا فقہوا۔	غیر مسلم معزز اسلام لانے پر بھی معزز رہیں گے اگر وہ اسلامی قوانین سے بھی واقف ہو جائیں۔

یہی وجہ تھی کہ عمرو ابن العاص رضؓ کے اسلام
لانے پر انھیں سابقین اولین کا سردار بنا کر فوجی مہم پر
بھیجا گیا۔ ابوسفیان کے اسلام لاتے پر نہ صرف
ان انعام و اکرام دیا گیا بلکہ ان کا گھر امن گاہ قرار
دیا، انھیں لشکروں کی سرداری اور صوبوں کی

گورنری بھی فوراً دی جانے لگی، خالد بن الولید کو
(باوجود احد میں مسلمانوں کی شکست کا واحد سبب ہونے
کے) اسلام لاتے ہی سیف اللہ کے قابل رشک
خطاب سے سرفراز کیا گیا۔

اگر سیرت النبی کا ان امور کی تلاش کیلئے مطالعہ
کیا جائے تو نہ صرف مذکورہ بالا اصولوں کی مزید نظیریں
بلکہ اور نئے سیاست کاری کے اصول بھی نظر آ سکتے ہیں
یقین ہے کہ اہل علم ان سے مستفید ہو کر اوروں کو محروم
نہیں رکھیں گے۔

حوالجات

[۱] آنحضرت کی وفات کے وقت پورا جزیرہ نمائے
عرب اور جنوبی فلسطین آپ کے زیرنگیں آچکا تھا تفصیل
کیلئے ملاحظہ ہو HAMIDULLAH, DOCUMENTS
SUR LA DIPLOMATIE MUSULMANS.

[۲] ایرانی اور بیزنطینی حکومتیں اس وقت کی دو عالمگیر
سلطنتیں WORLD POWERS تھیں۔

[۳] تاریخ طبری میں ۲۷ھ کے واقعات کے تحت تفصیل
سے حضرت عثمان کے زمانے میں اندلس (اسپین) پر حملہ
مذکور ہوا ہے، گبن نے بھی یورپی ماخذوں سے اسکی
توثیق کی ہے DECLINE AND FALL مطبوعہ
آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ج ۵ ص ۵۵۵ یہ فوجیں
مزید کمک نہ ملنے کے باوجود وہیں مقیم رہیں تاآنکہ ۹۲ھ
میں طارق و موسیٰ بن نصیر نے آکر فتح کی تکمیل کی،
ایشیا اور افریقہ میں ترکستان سے تونس تک اور آرمینیا

سے بلوچستان بلکہ سندھ تک عربی قبضہ ہو چلا تھا۔
۲ھ عرب، ترک، پٹھان، بلوچی وغیرہ مراد ہیں جن کی تعداد
بیس کروڑ سے کم نہیں ہے، ملایا میں سرکاری اعداد کے موافق
ساڑھے چھ کروڑ مسلمان ہیں، ان کو خارج رکھا گیا ہے
۵ھ مثلاً جنوبی افریقہ میں، گوا جیسے متعصب کیتھولک
علاقے میں نومسلم موجود ہیں، نومسلم نیپالی بھی نایاب نہیں
۶ھ مثلاً ہندوستان میں یہ ایک عجیب نظارہ ہے
کہ بعض قومیں قانون کے ذریعہ اپنے مذہب کو بدل رہی ہیں
تو مسلمان شریعت اپلیکیشن ایکٹ وغیرہ کے ذریعہ رواج
کے زنگار کو دور کر رہے ہیں، پاریس کے پروفیسر
ماسینیوں نے اپنے ایک حالیہ مضمون میں لکھا ہے
کہ سرمایہ داری اور اشتراکیت تصادم اس تمدن کیلئے
امکانات بڑھا دیتا ہے جو سود کو حرام سمجھتا ہے۔
۷ھ (CITY-STATES)
۸ھ ـ DIPLOMACY کی اصطلاح خود یورپین
زبانوں میں اپنے لغوی معنوں سے بہت دور جا پڑی
ہے بعض وقت اس سے مراد محض سفارتی تعلقات ہوتے
ہیں، بعض وقت اس سے مراد سیاست خارجہ ہوتی ہے
اور بعض وقت سفیروں اور وزرائے خارجہ کی کارکردگی مراد
ہوتی ہے، اسی آخری مفہوم کیلئے " سیاست کاری "
کا لفظ برتا گیا ہے جو مکرم ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب
کا تجویز کردہ ہے، یہ ضروری نہیں کہ ہر جگہ لفظ کام دے
سکے لیکن لفظ قابل اشتقاق ہونے اور مفہوم کو اچھی طرح
واضح کر سکنے کی بنا پر کافی کارآمد معلوم ہوتا ہے۔
۹ھ عربی ادبیات میں قبیلہ کی لیڈروں کی حیثیت سے

ضرب المثل ہے، یہ عربوں کے شہر حیرہ تک
نہیں کرتا تھا، پروفیسر کرنیکو نے لکھا ہے کہ
کے لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اسی لئے عربی بدو
معتقدات کی وہ پابندی نہ کرنے پر قابل ملامت
لیکن لوٹ مار نہ کرنے کی مخالفت اچھی عیسائیت
۱۰ھ کتاب المحبر (مخطوطہ برٹش میوزیم) باب
" اسواق العرب "
۱۱ھ کچھ اور تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو کتاب
" قانون بین الممالک " ص ۲۰

مضمون نگاروں سے

ناقابل اشاعت مضامین صرف اسی صورت
میں صاحب مضمون کو واپس بھیجے جائینگے
جب کہ اس کے ساتھ واپسی ٹکٹ بھی
ہو۔ بصورت دیگر انھیں ضائع کر دیا
جائے گا ــــ ادارہ

ہمارا دور جس میں ہم سانس لے رہے ہیں ایک زوال آمادہ دور ہے ، اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت یا امتیاز یہ ہے کہ اس میں تباہی کے شعلوں سے دنیا کا فاصلہ نہ ہونے کے برابر ہو گیا ہے اور اب اس احساس کو تقویت ملنے لگی ہے کہ دنیا کو اس تباہی سے کوئی اعجاز ، کوئی غیبی قوت ، کوئی ایسا انقلاب ہی بچا سکتا ہے جس میں نفوذ کی قوت ہو جو طرز فکر کا رخ بھی بدل سکتا ہو اور عمل کا بہاؤ بھی ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم اس دور میں پیدا ہوئے ، ہمیں اس عہد کا فرزند بنایا گیا جس شر غالب ہے خیر مغلوب بدی کا درجہ فائق ہے نیکی کا کمتر ، اچھائی کچھ نہیں اور برائی سب کچھ ، اس طرح سے یہ المیہ ہمارا امتحان اور آزمائش بھی ہے ، ممکن ہے ہماری ثبات قدمی ، ہمارے استقلال اور ہمارے عزائم کو یہ آزمائش درپیش ہو ، یا یہ امتحان ہمارے ذہن و فکر کا امتحان ہو ، دل و دماغ کا امتحان ہو ۔

مذہب سے بیزاری

ہم ایک ایسے دور کے پروردہ اور ایک ایسے عہد کے بیٹے ہیں جس میں مذہب کو ایک بے ضرورت لایعنی اور لغو سمجھا جانے لگا ہے ، لوگ اس کو افیم سمجھتے ہیں ، وہ آدمی اس معاشرے کا اہم ترین آدمی ، محترم شخصیت ، متمدن کہلانے کا مستحق ، باعزت زندگی گذارنے کا حقدار ہے جو مذہب کا انکار کرتا ہے رسالت کی ، معاد کی ، حشر و نشر کی ، جنت و دوزخ کی ، ثواب اور عذاب کی نفی کرتا ہے ، جو اس قوت کا منکر ہے جو دنیا کو عدم سے وجود بخشنے والا ہے وہ قوت جس کی تعبیر کیلئے ہم مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں ــ الہ ، اللہ ، خالق ۔ مذہب سے بیزاری کی یہ مہم اس دور کی سب سے بڑی مہم ہے

جاہلیت کی طرف

نیا دور جاہلیت کا دور ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ

وسلم کی بعثت سے پہلے عرب تہذیب کی جو حالت تھی، نئی تہذیبیں بھی وہی رنگ اختیار کر رہی ہیں۔ اسی قالب میں ڈھل کر سامنے آ رہی ہیں۔ ہمیں ایک ایسے دور کا سامنا ہے جہاں کسی خدا کا نام نہ ہو۔ جہاں صرف انسانوں کی حکومت ہو، دولت کی حکومت ہو، دلوں کی حکومت ہو، جہاں خواہشوں کی راہ میں مزاحمت نہ ہو۔ جہاں کوئی رکاوٹ اور روک ٹوک نہ ہو، وہ ہوں اور ان کے ارادے چاروں طرف خودمختاری اور انسان کی حاکمیت کا شور ہے لوگ ایک ایسے نظام کی تلاش میں مصروف اور سرگرداں ہیں جو ان کی آزادی اور حریتِ فکر و عمل کی راہ نہ روک سکے ـــــ خودمختاری اور حاکمیت کا نعرہ بلند کرنے والے یہ لوگ سوچتے ہیں یہ دنیا خود بخود وجود میں آ گئی، اس کا کوئی خالق نہیں، اس کی پیدائش محض ایک اتفاق ہے اسی طرزِ فکر کا نتیجہ ہے کہ لوگ انسان کی پیدائش کو بھی ایک اتفاق ہی قرار دیتے ہیں، ایک ایسی بے مقصد مخلوق جو خود بخود پیدا ہو گئی ہے۔ قرآن کا یہ دعویٰ (نعوذ باللہ) غلط ہے کہ "انسان کی پیدائش عبادت کیلئے ہوئی ہے"۔ ایسے لوگ سمجھتے ہیں کہ انسان ان سب چیزوں کا حاکم ہے اور یہ سب چیزیں اس کی محکوم بلاشبہ قرآن بھی یہی فرماتا ہے، وہ انسان کو متبوع اور دنیا کو تابع، انسان کو مسخر اور دنیا کو مسخر قرار دیتا ہے :-

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض	تمہارے لئے زمین و آسمان کی چیزیں مسخر کر دیں۔

لیکن قرآن انسان کو نرا حاکم یا خودمختار قرار نہیں دیتا، وہ نہ یہ کہتا ہے کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا ہو گئیں بلکہ اس کا اعلان ہے :-

خلق اللہ ما فی السّمٰوات وما فی الارض۔	اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی سب چیزیں پیدا کیں۔

فریب ذات

جاہلیت سے متاثر اور مذہب کے منکر یہ افراد انسان کو کسی نظام کے پابند نہیں بنانا چاہتے، مگر اس کے باوجود وہ کسی نہ کسی نظام کے ماتحت اور کسی نہ کسی اصول کے پابند ہیں، بلکہ بڑا المیہ تو یہ ہے کہ انسان ہوتے ہوئے بھی وہ انسانی نظام کے زیر اثر ہیں اور خدائی نظام کے منکر، فریب ذات میں مبتلا یہ لوگ عقل کے ناخن لیں، ذرا سوچیں اگر حاکمیت اور خودمختاری انسان کا پیدائشی حق ہے تو وہ کسی ایک شخص، ایک خاندان یا کسی ایک طبقے میں کیسے محدود ہے؟ یہ چند انسان جو کروڑوں انسانوں پر حکومت کریں گے، ایک قانون بنائیں گے جسمیں حسب خواہش ترمیم بھی ہو گی، جو بدلا جاتا رہے گا مگر جس کی پابندی سب کیلئے ضروری ہو گی خود ساختہ اصولوں اور قانون کی کتابوں سے عدل کی توقع بنجر زمین سے پھل اگانے کی توقع کے مترادف ہے۔ اس نظام میں بھاری کا پلڑا بھاری رہے گا، کمزور کا کمزور، یہ نظام طاقت کا نظام ہو گا، بازی کبھی اشتراکیت کے ہاتھ میں ہو گی اور کبھی کمیونزم کے

ساری دنیا کھیل کا میدان بنی رہے گی اور یہ سارے لوگ صرف تماشائی

خطرناک تحریک

جاہلیت نے اس دور میں خطرناک روپ دھارا ہے۔ اس خطرناک طرز فکر اور نظریۂ حیات سے خطرات کا سامنا صرف مسلمانوں ہی کو نہیں ہے پوری دنیا کو ہے یہ عظیم فتنہ جس کا میں ذکر کر رہا ہوں تاریخ کا سب سے بڑا فتنہ ہے، خاص طور سے اسلام کیلئے۔ اسلام کے لئے بیشک وہ خطرہ بھی عظیم تھا جب آنحضرت ؐ کے وصال کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ کے عہد میں قبائلی ارتداد کا فتنہ پھیلا اور حضرت صدیق اکبر نے اس کی بیخ کنی کی سلام کو ہر دور میں ارتداد کے فتنوں اور تشکیک کے ذروں کا سامنا رہا ہے، مگر یہ فتنہ ان تمام فتنوں سے تلف ہے۔ اس میں ذہن اور طرز فکر بدلنے کی صلاحیت بھی ہے اور جاذبیت و کشش بھی، یہ فتنہ صرف ارخانوں میں محدود نہیں ہے، صرف اخبارات میں ں کی آواز نہیں سنی جاسکتی، یہ فتنہ نصاب کی کتابوں ں بھی ہے اور تاریخوں میں بھی، یونیورسٹیوں اور ۃ سوں میں بھی ہے، لائبریریوں اور کتب خانوں میں تا ہے۔ اس کی آواز کھیتوں اور کھلیانوں کی خاموشی ، بھی سن سکتے ہیں اور شہروں کی گونج میں بھی۔

یہ تحریک جسے لوگ کمیونزم سے تعبیر کرتے ہیں رے سروں پر مسلط ہے، ہمارے ذہنوں، دلوں دماغوں پر قبضہ جمانے کے لئے تیار ہے، اس تحریک میں خدا کی گنجائش نہیں ہے، مذہب اور اخلاق کی گنجائش نہیں ہے، عدل وانصاف کی گنجائش نہیں ہے، درد اور اخلاص کی گنجائش نہیں ہے، یہاں صرف ایک چیز کی تبلیغ ہے " حاصل کرو جس طرح سے بھی ہو سکے لوٹ کے ذریعہ، ظلم کے ذریعہ، اس کیلئے خون ریزی کی ضرورت ہو تو پروا نہیں، زخم کاری کی ضرورت ہو دریغ نہیں، ہر وہ چیز جو مذہب میں حرام اس میں جائز، اخلاقیات جن کی مثبت، کمیونزم انکا منکر، بس ایک ہی نعرہ زر، زن، زمین ——— کارل مارکس کا فلسفۂ حیات " دنیا دولت کے گرد گھومتی ہے " اس تحریک کی عملی بنیاد ہے اور اسی نظریۂ حیات کی تبلیغ اس کا مقصد۔

مساوات کا منشور

یہ تحریکیں اور باطل نظریئے جن کے دامن میں دلفریب منشورات ہیں، مساوات کا نعرہ بلند کرتے ہیں سب ایک ہیں، کوئی کسی سے بڑا اور کوئی کسی کا حاکم نہیں " ——— مگر ذرا ان کے کردار کی تحریر پڑھئے ساری حقیقت فاش ہو جائے گی، ان کے اندرون میں جھانک کر دیکھئے، مساوات کا شور مچانے والے یہ لوگ مساوات اور عدل کی بارگاہ کے سب سے بڑے مجرم اور خطا کار قرار دئے جانے کے مستحق ہیں۔ ذرا ان سے انسانی خون کی قیمت پوچھئے، یہ تنگ نظر اور متعصب لوگ جن کے یہاں ظالم کو مظلوم اور مظلوم کو ظالم قرار دینا نہایت آسان ہے اور جو رات دن

مساوات اور برابری کے نام پر چیخ وپکار میں مصروف رہتے ہیں، وہ القرآن کی یہ آیت دیکھیں، مساوات کا یہ تصور جو آنحضرت ؐ کے ذریعہ قرآن میں پیش کیا گیا ہے کیا کہیں اور مل سکتا ہے ؟

ونرید ان نمن	ہمارا ارادہ ہے کہ ہم ان لوگوں
علی الذین استضعفوا	پر احسان کریں جو زمین پر
فی الارض ونجعلهم	کمزور ہیں، ہم انھیں اپنا لیڈر
ائمة ونجعلهم الوارثين	اور وارث بنائیں ۔
۲۱ (الفرقان)	

مساوات کا یہ قرآنی منشور مساوات کے دوسرے تمام منشورات کیلئے چیلنج ہے ۔ چاروں طرف رنگ ونسل کے خاتمے کی بات ہو رہی ہے، کالے گورے کا فرق مٹانے پر غور کیا جا رہا ہے مگر وہ لوگ شاید بھول گئے کہ چودہ صدی پہلے یہ فرق مٹایا جا چکا ہے رنگ ونسل کا یہ امتیاز جو اس دور کی سب سے بڑی خصوصیت ہے ختم کیا جا چکا ہے ۔ اسلامی تاریخ کے زرّیں صفحات اپنے سینوں میں یہ سنہرا واقعہ محفوظ رکھتے ہیں ۔ حضرت زید جو آنحضرت ؐ کے منہ بولے بیٹے تھے ایک غلام تھے مگر آنحضرت ؐ نے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کی ، انھیں کے بیٹے کا ذکر ہے حضرت اسامہ کو جب آپ نے غزوۂ روم میں شرکت کیلئے جانے والے ایک ایسے لشکر کا سردار قرار دیا جس میں بڑے بڑے صحابہ شریک تھے ، کچھ صحابہ نے دبے دبے لفظوں میں اس انتخاب یا تقرری پر اعتراض کیا تو آپ نے بیماری اور شدید بیماری (آپ مرض الموت میں مبتلا تھے) کے باوجود مسجد میں تشریف لاکر   سے خطاب کیا اور کہا میں یہ کیا سن رہا ہوں تم میں سے کچھ لوگ اسامہ پر اعتراض کر رہے ہیں، اس سے پہلے بھی انھوں نے اس کے باپ زید کی قیادت پر اعتراض کیا تھا حالانکہ اللہ کی قسم زید بھی اس منصب کا اہل تھا اور اس کا بیٹا اسامہ بھی ۔

اس عظیم ترین شخصیت نے حجۃ الوداع کے مشہور خطبے میں مساوات کا یہ درس دیا تھا:

ان اللہ اذھب	اللہ نے تم سے جاہلیت
عنکم عبیۃ الجاھلیۃ	کا غرور اور باپ دادا پر
وفخرھا بالآباء انما	فخر ختم کر دیا ، انسان
ھو مومن تقی وفاجر	یا تو متقی مومن ہے یا بدبخت
شقی الناس کلھم	فاجر ، آدمی سب آدم ؑ
بنو آدم وآدم من	کی اولاد ہیں اور آدم مٹی
تراب ۔	سے پیدا کئے گئے ۔

اخلاقی انارکی

اس وقت سب ایک دوسرے سے متصادم ہیں، خود غرضی اور مفادات کے جراثیم کچھ اس طرح ہم سے لپٹ کر رہ گئے ہیں کہ اترنے کا نام نہیں لے رہے ہیں جس طرف دیکھئے تشدد، ہنگامے، توڑ پھوڑ ، پوری دنیا دولت کے نشے میں ہے ، اسکے اردگرد طواف کر رہی ہے ، ہر شخص یہ پرانا سبق فراموش کر چکا ہے کہ ذلت وعزت صرف خدائی چیز ہے ۔

جھوٹے ہتھکنڈوں، ظلم، فریب اور قتل سے عزت حاصل نہیں کی جاسکتی، کاش یہ لوگ آنحضرتؐ کا دیا ہوا درس پڑھ لیتے:

"ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے سے نفرت نہ کرو، ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، اللہ کے بندو بھائی بھائی بن کر رہو۔"

غیر مطمئن زندگی

بے خدا تہذیب نے جو کچھ دیا ہے وہ غیر مطمئن زندگی ہے جب کہ باخدا تہذیب کے دامن میں لازوال سکون اور ہمیشہ رہنے والی عافیت کی دولت ہے دنیا خدا سے بچ کر گذرنا چاہ رہی ہے ــ کیوں؟ سکون کیلئے! مگر جس کے دامن میں پناہ لے رہی ہے وہ خود سکون کی دولت سے محروم ہے۔

کتنے لوگ ہیں جو اس فریب کو سمجھ گئے ہیں اور خدا کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے ہیں، سکون اور امن کی جستجو کا تلاش مشن لے کر لاکھوں کی تعداد میں شہر در شہر چکر لگاتے ہوئے ہپی ازم سے وابستہ یہ نوجوان آخر کیا چاہ رہے ہیں کیا کر رہے ہیں؟ بے خدا زندگی اور تہذیب کی جاذبیت اور کشش کو خیرباد کہہ کر باخدا زندگی کے "خشک صحرا" میں انہیں کیا ملے گا؟

مرض کا علاج

یہ مرض ہے مگر ایسا نہیں کہ اس کا علاج نہ ہو، ان بھٹکتے لوگوں کی راہنمائی کوئی نہ کرسکے، آنحضرتؐ کی روشن تعلیمات، انسانیت کش مظالم کی مذمت کرتی ہیں، ان کا سدباب کرتی ہیں آپ کی تعلیمات میں معاشی تقسیم کا نعرہ لگانے والے کیلئے قابل ذکر اصول اور ضابطے ہیں، موجودہ دور کے ساوات کے پیغمبروں کیلئے چیلنج تھی، بے خدا زندگی کے پاس جو کچھ نہیں ہے وہ اس زندگی کے پاس ہے جو باخدا ہے۔

سیرت نبوی کی راہنمائی

اس نازک مرحلے پر جب کہ اندھیروں اور تاریکیوں کی دبیز چادر ہمارے سروں پر مسلط ہے اور خیر کا چہرہ نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک ہی سے رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اسلئے کہ آپ کی حیثیت قرآنی دعوے کے مطابق یہ ہے:

وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔	آپ کو دنیا بھر کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

سیرت نبوی کی خصوصیت ہے کہ وہ انسان کو اخلاقی اور روحانی طاقت بخشتی ہے اور مختلف الخیال لوگوں کے درمیان محبت، ساوات اور ہم آہنگی قائم کرنے میں بڑی موثر ثابت ہوتی ہے، وہ دلوں سے نفرت کے غبار کو چھانٹتی ہے، اس کا مطالعہ ہمیں خالق سے قریب کرتا ہے، جہالت اور تاریکی میں حق کا پیغام سنانے کیلئے عزائم کی دولت فراہم کرتا ہے ــ

دعوت و تبلیغ کا سلیقہ بھی دیتا ہے، سیرت کا مطالعہ ایسی راہ متعین کرتا ہے جس پر چل کر ابدی نجات حاصل کی جا سکتی ہے، سیرت کی روشنی عام ہے، اس سے ہر قسم کے لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جاہل اور کم پڑھے لکھے بھی اور وہ لوگ بھی جو عالم ہیں ـــ سیرت کا فائدہ صرف مسلمانوں ہی کو نہیں پہونچے گا بلکہ اس سے فائدہ دوسری قومیں بھی اٹھا سکتی ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ سیرت کی روشنی میں دنیا نے اپنے مقاصد متعین کئے ہیں، اسی لئے ابن تیمیہؒ نے ایک ایسے شخص کو جو علم و یقین کی دولت کھو چکا تھا اور اسکی تلاش میں سرگرداں تھا وصیت کی تھی کہ صرف سیرت نبوی کا مطالعہ کرو کہ یہی علم و دانش کا سرچشمہ ہے اسی کو قرآن نے "الحکمۃ" سے تعبیر کیا ہے

حسن احمد صدیقی
(فاضل دیوبند)

ظرافت سیرت کا ایک پہلو

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ بزرگی انتہا سے زیادہ سنجیدگی، ترش روئی اور اکھڑپن کا نام ہے ایسا خام عقیدہ رکھنے والے لوگ ادنیٰ درجہ کے ہنسی مذاق اور معمولی سی خوش طبعی کو بھی بزرگی اور تقدس کے منافی سمجھتے ہیں، ہمیشہ تیوری چڑھائے رکھنا ان کا معمول بن جاتا ہے، خدوخال سے ہمیشہ ترشی اور بیزاری ہی ٹپکتی رہتی ہے۔

عوام اور جاہلوں کے دماغوں میں تو ہمیشہ ہی یہ تصور جاگزیں رہا ہے کہ متقی اور اللہ والے لوگ خشک طبیعت غمگین اور زرد روئی صورت ہوتے ہیں لیکن بعض تعلیم یافتہ اور ہوشمند حضرات بھی اسی قسم کا خام اور عامیانہ تصور اپنے ذہنوں میں بسائے ہوئے ہیں۔

وقار و سنجیدگی بے شک بزرگی اور ولایت کا زیور ہیں، جو شخص یکسر طور پر وقار و سنجیدگی سے محروم ہو گا وہ قطعاً بزرگ کہلانے کا مستحق نہیں ہو سکتا، حقیقی بزرگ وہی ہوتے ہیں جن کی شخصیت وقار، سنجیدگی اور متانت کے زیورات سے آراستہ ہو جن کے تشخص پہ حلم بردباری اور سادگی کی چھاپ ہو۔

لیکن ہلکے پھلکے ہنسی مذاق کو بھی بزرگی اور عبدیت کے منافی سمجھنا نادانی اور کم علمی کی بات ہے ایک واہی اور غلط تصور ہے، مطائبہ و مزاح اگر بزرگی کے حق میں زہر ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، اگر خوش طبعی شجر ممنوعہ ہوتی تو صحابہ کرام کبھی اس کے قریب نہ پھٹکتے، آنحضورؐ سے زیادہ پروقار اور خدا ترس کون ہو سکتا ہے؟ صحابۂ کرامؓ سے زیادہ تدین اور تشرع بڑے سے بڑے ولی میں بھی ممکن نہیں۔

آنحضورؐ کی تو خیر بات ہی کیا آپ تو سراپا رحمت

تھے۔ آپ تو آیات قرآنی میں ڈھلا ہوا زندہ پیکر تھے آپ کی تو رگ رگ میں دین تحلیل تھا ـــــ خود صحابۂ کرام کا یہ عالم تھا کہ ہمہ وقت خدا کی یاد میں ڈوبے رہتے تھے، اپنا ہر قدم اسلام کی منشا کے مطابق اٹھاتے تھے، ہر گھڑی ان کے اذہان وقلوب پر خدا کا خوف اور رعب طاری رہتا تھا، جو خضوع، خشیت اور پرہیزگاری صحابۂ کرام کی فطرتوں میں رچی ہوئی تھی دنیائے اسلام میں اس کی نظیر نہیں ملتی بلکہ بڑے سے بڑے ولی اور اونچے سے اونچے امام میں بھی صحابہؓ کے تقدس و ورع کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا، انھوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا آپ کی مبارک صحبت میں بیٹھ کر دین کی دولت براہ راست حاصل کی تھی، شب و روز آنحضورؐ کے افعال و احوال کا مشاہدہ کیا تھا، اسی لئے ان کا ایمان دنیا کے تمام مومنین ومحسنین کی بہ نسبت قوی تھا انکے معتقدات مذہبی نقطۂ نظر سے قابل قدر و انعام اور لائق تحسین و آفریں تھے، ان کا ہر عقیدہ مستحکم اور ان کا یقین منجمد یقین تھا ـــــ ہمارے یقین کی طرح کھوکھلا، متزلزل اور بے روح نہیں۔

لیکن یہی حضرات (جو ہر وقت ہر لمحہ ہر سانس خدا کی یاد میں غرق رہتے تھے جن کے قلوب درد محبت کی بیش بہا نعمت سے بہرہ ور تھے جو خوف خدا میں بھی اپنی مثال آپ تھے) گاہ بگاہ اور کبھی کبھی ظرافتاً اور خوش طبعی کے طور پر ایک دوسرے کے ساتھ ہنسی، مذاق بھی کرتے رہا کرتے تھے، ان کی مجلسوں میں وقتاً فوقتاً لطیف اور پر مسرت مزاح کی چھینٹیں بکھرتی رہتی تھیں ـــــ بعض صحابہ تو کبھی کبھی کی خوش طبعی اور ظرافت کو ضروری اور لازمی قرار دیتے تھے اور اس کی اولین وجہ یہ تھی کہ ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا خوش طبعی فرماتے دیکھا تھا اور آنحضورؐ کی ہر بات، ہر ادا اور ہر طریقہ کو اپنا لینا صحابۂ کرامؓ کی فطرت بن چکا تھا۔

کون نادان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی قابل اتباع نہیں ہے، آپ کے نقش قدم پر چلنا ضروری نہیں ہے بیشک اور لاجرم آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر وصف ہر طبعی میلان، ہر طریقہ امت کیلئے معیار ہے حجت ہے، بہترین کسوٹی اور لاجواب آئیڈیل ہے، ہمیں ہر معاملہ میں آنحضورؐ کی روش پیش نظر رکھنی چاہیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام عادات و اطوار اپنائے بغیر ایمان و احسان کی تکمیل ممکن نہیں ہے۔

کتابوں کی ورق گردانی کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کا مزاج نہایت شگفتہ تھا آپ انتہا سے زیادہ خوش اخلاق اور شیریں مقال تھے۔

آنحضورؐ اور صحابہؓ کی ظرافت اور خوش طبعی کے ان گنت واقعات تاریخ کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں ـــــ میں نمونہ کے طور پر چند واقعات آپکی خدمت میں پیش کروں گا لیکن ان واقعات کو آپ کے سامنے لانے سے قبل میں یہ گذارش کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اسلام نے ہر جائز و ناجائز

مذاق کی اجازت نہیں دی اور ہر قسم کے مزاح کو مستحسن قرار نہیں دیا ــــــ جو مذاق بے ہودگی بے حیائی اور چھچھورے پن کے قبیل سے ہو اسلام اس سے محترز رہنے کی تاکید کرتا ہے اسی طرح اس مذاق کو بھی قابل ترک و اجتناب قرار دیا گیا ہے جس سے کسی کی دل شکنی اور اہانت ہوتی ہو جسے عرف عام میں تمسخر کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

قرآن حکیم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے :-

یاایھا الذین اٰمنوا لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرًا منھم ولا نساء من نساءٍ عسیٰ ان یکنّ خیرًا منھن ولا تلمزوٓا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق بعد الایمان ومن لم یتب فاولٰئک ھم الظالمون ۔ سورہ حجرات رکوع ۲ آیت ۱۰	اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مذاق مت اڑاؤ نہ مرد مردوں کو مذاق کا نشانہ بنائیں اور نہ عورتیں عورتوں کو ۔ ممکن ہے کہ جن کو مذاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہو وہ مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں اور باہم الزام تراشی مت کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو ، ایمان کے بعد ناموں میں فسق پیدا کرنا بری روش ہے اور جو لوگ اس طرز عمل سے باز نہ آئیں وہی ظالم ہیں ۔

اس آیت میں صراحۃً تمسخر و تضحیک سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے ، یہ مذموم صفت عورتوں میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے ، بعض مرد بھی اس بری عادت کا شکار ہوتے ہیں ، دوسروں پر پھبتیاں اور آوازے کسنا ، دوسروں کی سادہ لوحی ، چال ڈھال اور سیدھے پن کا مذاق اڑانا ان کی دل لگی میں داخل ہوتا ہے ، اسلام انسانوں کی توہین اور اہانت گوارہ نہیں کرتا وہ اس دل لگی اور مذاق سے مجتنب رہنے کا اصرار کرتا ہے جس سے دوسروں کی تحقیر و تنقیص ہوتی ہو ، نیز اس آیت میں الزام تراشی اور بہتان زنی جیسے خبیث امراض سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے ، اسی طرح لوگوں کے لئے غلط اور برے نام تجویز کرنے کو معیوب قرار دیا گیا ہے اور اس حرکت سے بھی پہلو تہی کرنے کی فہمائش کی گئی ہے۔

بہر حال اسلام ہرگز ہرگز اس مذاق کی اجازت نہیں دیتا جو دوسروں کو حقیر و ذلیل کرنے کیلئے عمل میں آتا ہو جو دوسروں کیلئے ہتک و تحقیر کا باعث بنتا ہو اور جس سے دوسروں کی شخصیت مجروح ہوتی ہو۔

ترمذی میں ایک حدیث حضرت ابن عباس رضؓ سے مروی ہے ، فرماتے ہیں :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لاتمارِ اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدًا فتخلفہ ۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنے بھائی سے مباحثہ نہ کر اور نہ اس سے (بیہودہ) مذاق کر اور نہ وعدہ کر کے اسکی خلاف ورزی کر ۔

اس حدیث میں اسی مذاق سے روکا گیا ہے جسپر

"سخریہ وتمسخر" کا اطلاق ہوتا ہے اور جو اسلام میں معیوب اور قابل مذمت ہے۔

اجمالی طور پر یہ بات ذہن نشین کر لیجئے کہ اسلام صرف اس مذاق کی اجازت دیتا ہے جو از راہ شگفتگی اور مخاطبین کو خوش کرنے کیلئے ہو اور اس میں کذب، توہین تمسخر اور تضحیک کے عناصر شامل نہ ہوں۔ آئیے اب سرسری طور پر ان واقعات کا جائزہ لیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی، ظرافت اور زندہ دلی کا اعلان کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور گذارش کی:۔

حضور! میرے لئے دعا کر دیجئے کہ حق تعالیٰ شانہ مجھے جنت میں داخل کر دیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا:۔ پھوپھی جان! کوئی بڑھیا جنت میں داخل نہیں ہوگی۔

یہ سن کر حضرت صفیہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ اداس ہوگئیں اور بوجھل قدموں سے واپس جانے لگیں۔ حضورؐ صحابہؓ سے مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ ان سے کہدو کوئی بڑھیا بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوگی بلکہ خدا تعالیٰ ہر بوڑھی عورت کو جوانی اور بانکپن عطا کر کے جنت میں داخل فرمائے گا۔

آنحضورؐ نے کچھ دیر مذاقاً انھیں حیرانی اور پریشانی میں مبتلا کیا اور پھر اس کے بعد حقیقت واضح فرمائی ـــــ بات تو سچ ہی تھی، لیکن آپ نے کچھ اس انداز سے کہی کہ اس میں مذاق اور خوش طبعی کا پہلو شامل ہوگیا۔

بالکل اسی انداز کا ایک اور واقعہ ہے، اسمیں بھی آپؐ نے ایک سچ اور صحیح بات کو کچھ اس طرح ارشاد فرمایا کہ وہ بجائے خود مزاح بن گئی ـــــ ہوا یوں کہ ایک مرتبہ آپؐ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور عرض کیا:

یا رسول اللہ! مجھے ایک اونٹ عنایت فرما دیجئے ـــــ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم تمھیں اونٹنی کا بچہ دیں گے ـــ ان صاحب نے گذارش کی مجھے سواری کیلئے پورے اونٹ کی ضرورت ہے اونٹ کا بچہ بوجھ برداشت نہیں کر سکتا، آپ مجھے اونٹ عطا فرمائیں ـــــ حضورؐ نے فرمایا: ہم تو تمھیں اونٹنی کا بچہ ہی دیں گے ـــ وہ صاحب خاموش ہوگئے تو آپ تبسم انداز میں گویا ہوئے "آخر ہر اونٹ کسی نہ کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوتا ہے"

دوستوں میں مذاق کے طور پر یہ بھی چلتا ہے کہ ایک صاحب دبے دبے پاؤں آئے اور دوسرے صاحب کی آنکھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تاکہ وہ پلٹ کر دیکھ نہ سکے، مقصد یہ ہوتا ہے کہ بتاؤ میں کون ہوں چنانچہ وہ صاحب پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں اپنے دوستوں کے نام لینا شروع کر دیتے ہیں انھیں میں سے کوئی ایک ہوتا ہے ـــ بعض سمجھدار اور ذہین لوگ ہاتھوں کے لمس وغیرہ سے ہی صحیح اندازہ کر لیتے

ہیا کہ کون ہو سکتا ہے اور پہلی ہی مرتبہ میں صحیح نام
بتا دیتے ہیں ___ بات تو یوں ہی سی ہے لیکن بہرحال
مذاق میں داخل ہے اور واقعاتی زندگی میں اس کا ثبوت
ملتا ہے ۔

کچھ اسی قسم کا ایک واقعہ آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی ذاتِ گرامی سے متعلق ہے ___ واقعہ یہ
ہے ___ حضورؐ کے ایک صحابی جن کا نام زاہرؓ تھا،
یہ گاؤں کے رہنے والے تھے ، دیہاتیوں کا سا رہن
سہن تھا ، لباس عموماً بے ترتیب اور میلا رہا کرتا تھا
شکل و صورت کے بھی اچھے نہیں تھے لیکن حضورؐ کو
ان سے بہت محبت تھی ___ زاہرؓ گاؤں سے سبزیاں
لا کر شہر کے بازاروں میں فروخت کیا کرتے تھے ، یہی
ان کا ذریعۂ معاش تھا ___ ایک دن حضور صلی اللہ
علیہ وسلم بازار پہونچے ، حضرت زاہرؓ پر نظر پڑی ،
وہ اپنی دکان لگائے بیٹھے تھے اور سودا فروخت
کرنے میں منہمک تھے ، حضورؐ کو یہ انہماک بہت
پسند آیا ، آپ آہستہ آہستہ پشت کی جانب سے
ان کے قریب پہونچے اور ان کی دونوں آنکھوں پر
مضبوطی کے ساتھ اپنا دست مبارک رکھ دیا ، زاہرؓ
تڑپ کر بولے ، کون ہے ؟ چھوڑو مجھے ___
حضور نے نہیں چھوڑا ___ کچھ لمحوں بعد زاہرؓ نے
محسوس کر لیا کہ یہ تو محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
بس کیا تھا اب تو انہوں نے خود چھڑانے کی بجائے
حضورؐ سے چمٹنا شروع کر دیا ___ حضورؐ بھی
سمجھ گئے کہ زاہر نے تاڑ لیا ، اب حضورؐ نے ہنس کر
فرمایا : اس غلام کا خریدار کون ہے ؟ ___
زاہرؓ بولے : خدا کی قسم یہ مال تو بہت کھوٹا ہے ،
حضورؐ نے پر یقین لہجے میں کہا : لیکن تم خدا
کے نزدیک تو بہت قیمتی مال ہو ___ سبحان اللہ
کتنا انوکھا مذاق تھا اور کتنی پاکیزہ گفتگو ۔

جب پانچ سات یا دس بیس انسان ایک
جگہ جمع ہو جاتے ہیں تو تھوڑی بہت دل لگی اور
فقرے بازی لازماً عمل میں آتی ہے بلکہ مجلسوں اور
دعوتوں میں تو ہلکا پھلکا مزاح تہذیب و شائستگی
کا مظہر سمجھا جاتا ہے ، بالعموم وہ مجلسیں جہاں
چند بے تکلف احباب موجود ہوں خوش طبعی اور
ظرافت کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہیں ، انسان
کتنا بھی سنجیدہ اور خاموش طبیعت کیوں نہ ہو لیکن
یار دوستوں کے جھرمٹ میں بے اختیار ہنسی مذاق
اور مسکراہٹ و تبسم کے تبادلہ پر مجبور ہو جاتا ہے

ایک دعوتِ خاص میں آنحضور صلی اللہ علیہ
وسلم ، عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ موجود تھے اور
کھجوریں تناول فرما رہے تھے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم
اور عمر فاروقؓ کھجوریں کھا کر گٹھلیاں حضرت علیؓ کے
آگے ڈالتے جا رہے تھے ، حضرت علیؓ دانستہ انجان
بنے رہے اور کچھ نہیں بولے ، جب کھجوریں ختم ہو گئیں
تو عمر فاروقؓ نے مزاحاً کہا : ___ اے علیؓ ! تم
نے ہم سے زیادہ کھجوریں کھائی ہیں اور گٹھلیاں انکی
شہادت دے رہی ہیں ___ مطلب یہ تھا کہ تم
نے کم کھائی ہیں اسلئے ہمارے آگے گٹھلیاں کم کم

با اور تم نے کھجوریں زیادہ کھائی ہیں اسلئے تمھارے
ئے گٹھلیاں بھی زیادہ ہیں ـــــ حضرت علیؓ عمر
روقؓ کی بات سن کر مسکرائے پھر دھیمے لہجے میں
ـلے: دیکھئے صاحب! کھجوریں تو ہم لوگوں نے
ابر ہی کھائی ہیں ہاں فرق اتنا ہے کہ آپ نے گٹھلیوں
میت کھائی ہیں اور میں گٹھلیاں تھوکتا رہا ہوں،
پ کھجوروں کے ساتھ الا ماشاء اللہ گٹھلیاں بھی
ـا گئے ہیں ـــــ حضرت علیؓ کے اس برجستہ
ذو معنی جواب پر آنحضورؐ بھی بے ساختہ ہنس
پڑے۔

بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ بات اپنی نوعیت
کے اعتبار سے لطیف اور شگفتہ نہیں ہوتی لیکن کہنے
والے کا انداز اتنا دلنشیں اور خوش لہجہ ہوتا ہے کہ
سامع اور مد مقابل ہنسے بغیر نہیں رہتا۔

حضرت انسؓ کو ایک بار حضورؐ نے خاص مذاق
کے انداز میں یا ذا الاذنین کہہ کر آواز دی یعنی
اے دو کان والے ـــــ ظاہر ہے کہ انسان دو
کان والا ہی ہوتا ہے، ایک کان تو کسی کا نہیں ہوتا
لیکن آپ نے مذاقاً کچھ اس انداز سے یہ جملہ کہا کہ
حضرت انسؓ مسکرا پڑے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ کسی انسان سے
کہیں: "اے اشرف المخلوقات صاحب!"
یہ بات لطیفہ تو بے شک نہیں ہوگی لیکن آپ کا لب
و لہجہ اور کہنے کا انداز مخاطب کو ہنسنے پر مجبور کر دیگا
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچوں سے بے تحاشا
لگاؤ تھا، بچوں میں دلچسپی لینا اور ان کے ساتھ
ہنسی مذاق کرنا آپ کی عادت ثانیہ تھی، بچوں کو خوش
کرنے اور انھیں بہلانے کے لئے اکثر بے ترتیب
اور بے معنی الفاظ بولا کرتے تھے مثلاً کہا کرتے
خرقة في عين كل جقة ـــــ کھینچ تان
کر اس کے معنی یہ نکالے جا سکتے ہیں "ہر مچھر کی آنکھ
میں مڈی کا جبڑا ہوتا ہے" ـــــ ظاہر ہے ایک
بے معنی جملہ ہے لیکن آپ بچوں کی نفسیات سے واقف
تھے، آپ جانتے تھے کہ بچے اس قسم کے فقروں سے
خوش ہوتے ہیں اسلئے جب آپ بچوں کی مجلس میں آتے
تو خود بھی بچہ بن جاتے اور بچوں کی طرح دانستہ
بے ربط اور بے معنی کلمات زبان مبارک سے نکالتے
بچے آپ کی ان باتوں سے بے حد مسرور اور محظوظ
ہوا کرتے تھے۔

حضرت انسؓ کے بھائی ابو عمیر نے سرخ رنگ
کی ایک چڑیا پال رکھی تھی، عربی زبان میں اس کو
نُغَیر کہا جاتا ہے اور ہمارے ملک میں اس کو
"لال" کہتے ہیں، ابو عمیر اس چڑیا کو ہر وقت
اپنے ساتھ لئے پھرتے تھے، اگر کبھی اتفاقاً کبھی چڑیا
ان کے ساتھ نہ ہوتی تو حضورؐ پر مذاق لہجے میں کہا
کرتے یا ابا عمیر ما فعل النغیر۔ (اے
ابو عمیر تمھاری چڑیا کیا کر رہی ہے؟) یہ جملہ کہتے
ہوئے آپ کا لہجہ اتنا دلکش اور پیارا ہوتا کہ ابو عمیر
کے ذہن میں ایک کیفیت نشاط موجزن ہو جاتی اور
وہ معصوم انداز میں ہنس پڑتے۔

ہماری دنیا میں جو لوگ بڑے کہلاتے ہیں اور با عظمت سمجھے جاتے ہیں عموماً ان کی داخلی اور بیرونی زندگی میں بڑا بعد ہوتا ہے، سماجی زندگی کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور نجی زندگی کا رنگ کچھ اور، گھر سے باہر نکلتے ہیں تو نہایت شفیق، کریم، مخلص، ہنس مکھ اور خوش اخلاق نظر آتے ہیں، گھر میں آتے ہیں تو انتہائی بدخو، بدمزاج اور بدزبان بن جاتے ہیں۔ گھر سے باہر قدم نکالتے ہیں تو انگ انگ سے سادگی ٹپکتی ہے، گھر میں داخل ہوتے ہیں تو تصنع اور نمائش کا اچکن اتر جاتا ہے، بات بات پر جھلاتے ہیں، تیوری چڑھاتے ہیں، آپے سے باہر ہوتے ہیں ____ دراصل ہمارے معاشرہ کا ہر بڑا اور اونچی سطح کا آدمی ایک روایتی ہاتھی ہوتا ہے جس کے کھانے کے دانت کچھ اور ہوتے ہیں اور دکھانے کے کچھ اور۔

جو لوگ حقیقی طور پر بڑے اور صاحب کردار ہوتے ہیں ان کی سماجی اور ذاتی زندگی بالکل ایک طرح کی ہوتی ہے، ان کی پبلک لائف اور پرائیویٹ زندگی میں کسی قسم کا کوئی بعد اور تضاد نہیں ہوتا۔

آنحضورؐ چونکہ فطری طور پر بڑے معلم اور صاحب کردار انسان تھے اس لئے آپ کی خارجی اور اندرونی زندگی بالکل یکساں تھی، آپ جیسے شفیق اور مہربان باہر نظر آتے تھے ایسے ہی گھر میں دکھائی دیتے ____ آپ جس طرح اپنے اصحاب کے ساتھ کبھی کبھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے اسی طرح اپنے اہل خانہ کے ساتھ بھی خوش طبعی فرمایا کرتے تھے آپ کا ہر وصف حقیقی تھا، آپ جتنے اپنے دوستوں پر مہربان تھے اتنی ہی اپنی بیویوں سے بھی محبت کرتے تھے ____ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ حقیقی صفات و اوصاف سے متصف ہوتے ہیں ان کے صفات و اوصاف اور طرز عمل میں کسی قسم کی تبدیلی اور تغیر واقع نہیں ہوتا خواہ وہ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، ان کا رویہ سب کے ساتھ ایک جیسا رہتا ہے وہ فطری طور پر سب کیلئے خوش اخلاق اور نرم خو ہوتے ہیں انکے کردار کے چہرے پر تصنع اور ریا و نمود کے میک اپ کی تہہ جمی ہوئی نہیں ہوتی جو وقتاً فوقتاً غائب ہو جاتی ہے اور کردار کا چہرہ پھر سیاہ اور بدنما ہو جاتا ہے۔

آنحضور کی زندگی میں کسی طرح کا کوئی تضاد نہیں دکھائی دیتا، آپ کی داخلی اور خارجی زندگی ایک ہی رنگ میں رنگی ہوئی تھی، آپ جتنے ہنس مکھ اور خوش مزاج احباب و اصحابؓ کیلئے تھے اتنے ہی ہنس مکھ اور خوش اخلاق اپنی ازواج کیلئے بھی تھے۔

ایک مرتبہ لوگوں نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ حضور جب گھر میں ہوتے ہیں تو طرز عمل کیسا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ نے فرمایا "الین الناس بساما ضاحکا" (سب سے زیادہ نرم خو خندہ جبیں اور ہنس مکھ)

اور ایسی نرمی اور لینت کی انتہا یہ تھی کہ کبھی کسی کو جھڑکا نہیں، کبھی کسی پر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔

ایک مرتبہ آنحضورؐ اور حضرت عائشہؓ کے مابین کسی بات پر اپنائیت کی خوشگوار جھڑپ ہو رہی تھی جیسا کہ ہر میاں بیوی میں ہوا کرتی ہے ابھی یہ تکرار جاری ہی تھی کہ اچانک ابو بکرؓ تشریف لائے — ابو بکر صدیقؓ نے جب حضرت عائشہؓ کو حضورؐ کے ساتھ زبان چلاتے دیکھا تو ان کا چہرہ تمتما اٹھا انھیں اپنی بیٹی کی یہ حرکت بڑی ناگوار گذری۔ وہ غصہ کی حالت میں آگے بڑھے تاکہ عائشہؓ کو زد و کوب کریں لیکن ایک دم آنحضورؐ آڑے آ گئے اور عائشہؓ کو بچا لیا — کچھ دیر بعد جب ابو بکر صدیقؓ چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکرا کر کہا، اگر ہم نہ بچاتے تو آج آپ کی خیر نہیں تھی — حضرت عائشہؓ حضورؐ کا یہ جملہ سنکر مسکرا دیں اور تکرار محبت میں بدل گئی۔

بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ خود تو اپنی بیوی کے ساتھ ہر قسم کا ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کر لیتے ہیں لیکن جب کبھی بیوی خوش طبعی اور مذاق کرنا چاہتی ہے تو ان کا منہ چڑھ جاتا ہے، پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں جیسے بیوی نے کوئی سنگین جرم کر دیا ہو، جیسے اسکو دل لگی اور ہنسنے ہنسانے کا حق نہ ہو۔

آنحضرتؐ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ آپ نے خود بھی اپنی ازواج کے ساتھ خوش طبعی فرمایا اور اگر ازواج میں سے کوئی آپ کے ساتھ ہنسی مذاق کرتیں تو آپ غصہ نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے ہنسی مذاق میں دلچسپی لیا کرتے تھے۔ ان کی باتوں سے مسرور اور محظوظ ہوا کرتے تھے۔

ایک بار — مخصوص موڈ کی حالت میں آنحضورؐ نے اپنی محبوب شریک حیات حضرت عائشہؓ سے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! اگر تم مجھ سے پہلے مرجاؤ تو اس میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، میں تمھیں اپنے ہاتھوں سے غسل دونگا، اپنے ہاتھوں سے کفناؤں گا، جنازہ کی نماز پڑھاؤنگا اور اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتاروں گا — حضرت عائشہؓ حضورؐ کے اس سنجیدہ اور لطیف مذاق پر ذرا بناوٹی غصہ سے بولیں، "جی ہاں! یہ سب تو آپ کر دیں گے ہی، مگر یہ بھی تو ہوگا کہ اسی دن میرے حجرے میں آپ اپنی دوسری بیوی کے ساتھ آرام فرما رہے ہوں گے، حضورؐ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ پر دو بھر ہو گئی ہوں؟" — حضور حضرت عائشہ کی اس پر مزاح اور ناز بھری خفگی پر ہنس پڑے۔

ازواج مطہرات نے بخوبی آپؐ کے مزاج کا مطالعہ کر لیا تھا، آپؐ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ حضورؐ جائز بے تکلفی اور پاکیزہ مذاق سے خوش ہوتے ہیں چنانچہ کبھی کبھی وہ آنحضورؐ کی موجودگی میں باہم ہنسی مذاق اور چھیڑ چھاڑ کرتی رہا کرتی تھیں۔ حضرت عائشہ نے ایک مرتبہ کوئی خاص

چنیز پکائی، اس وقت حضرت سودہ رضؓ بھی موجود تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کے درمیان تشریف فرما تھے، بے تکلفی کا ماحول تھا، حضرت عائشہ نے حضرت سودہ سے کہا: کھاؤ — انھوں نے انکار کیا — انھوں نے پھر اصرار کیا کہ کھاؤ — حضرت سودہ نے پھر انکار کیا — اب حضرت عائشہؓ نے کہا کھاؤ ورنہ یہ دلیہ (حریرہ) تمھارے منہ پر مل دوں گی — حضرتؓ اپنی ہٹ پر قائم رہیں — حضرت عائشہ نے وہ حریرہ لے کر ان کے منہ پر لیپ دیا، اس بے تکلفی پر آنحضورؐ خوب ہنسے اور سودہ رضؓ سے کہا تم ان کے منہ پر مل دو چنانچہ انھوں نے بھی عائشہ رضؓ کے منہ پر لیپ دیا، حضور ایک بار پھر ہنسے۔

انسان کی فطرت ہے کہ وہ انتہائی محبت اظہار خوش طبعی یا موڈ کی حالت میں اپنی بیوی کے نام کو مخفف کر کے پکارتا ہے۔ مثلاً نام اگر شمیمہ ہو تو شمو کہہ کر، نجمہ ہو تو نجو کہہ کر، زینب یا فرزانہ ہو تو زینی یا فرو کہہ کر پکارتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بیشک ایک جلیل القدر پیغمبر تھے، شاہِ امم تھے، رحمۃ اللعالمین تھے، لیکن آپ کی نس نس میں وہی خون گردش کر رہا تھا جو تمام بنی نوع انسان کی رگوں میں رواں ہے۔ آپ کی عادات اور اطوار بیشک تمام انسانوں سے جداگانہ اور عالی تھے لیکن آپ کی فطرت اور جبلت وہی تھی جو تمام انسانوں کی ہوتی ہے، جو ہر مرد کا خاصہ ہے۔ آپ بھی اپنی بیوی کو اظہار محبت اور ظرافت کے طور پر فرضی اور تخفیف شدہ ناموں سے آواز دیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے کہ آپؐ بسا اوقات حضرت عائشہ رضؓ کو "عائش" کہہ کر اپنی طرف متوجہ کیا کرتے تھے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ظرافت اور خندہ جبینی کی وجہ سے صحابۂ کرام رضؓ کا دل آپؐ سے گھل گیا تھا، آپ ان سے اس درجہ مانوس اور بے تکلف ہو گئے تھے کہ کبھی کبھی آپؐ کے ساتھ ہنسی مذاق کر لیا کرتے تھے اور اس قسم کے کلمے اور جملے زبان پر لاتے تھے جو مزاح اور شگفتگی سے پر ہوں، صحابہ رضؓ بے ادب نہیں تھے، ان کے قلوب آنحضورؐ کی عظمت و توقیر سے بھرے ہوئے تھے بلکہ جو ادب اور احترام ان حضرات نے رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہے اس کی مثال تیرہ سو سال کی طویل تاریخ بھی پیش نہیں کر سکتی ہے — اس نہایت درجہ کے ادب اور احترام کے باوجود صحابہ رضؓ وقتاً فوقتاً ظریفانہ فقرے زبان پر لے آیا کرتے تھے جن سے بے تکلفی اور دوستی ٹپکتی تھی۔

غزوۂ تبوک کے موقع پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک چھوٹے سے خیمہ میں تشریف فرما تھے اس خیمہ کا دروازہ بھی بہت چھوٹا بنایا گیا تھا، ایک عام قد اور جسم کا آدمی بھی اس میں جھک کر ہی داخل ہو سکتا تھا اتفاقاً اس وقت عوف ابن مالک اشجعی رضؓ آپ سے ملنے کیلئے آئے، عوف ابن مالک اشجعی رضؓ کے بارے میں اتنا عرض کر دوں کہ یہ صحابی غیر معمولی

موٹے اور بڑے اونچے قد کے تھے، جسم کا پھیلاؤ بھی غیر معمولی طور پر وسیع تھا، بڑے ڈیل ڈول کے آدمی تھے انھوں نے خیمہ کے دروازے پر پہونچ کر آنحضور کو سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: اندر آجاؤ ـــــ انھوں نے پہلے خیمہ کو اور اسکے دروازہ کو ایک نظر دیکھا، پھر استفہامیہ انداز میں بولے سرکار! کیا پورا کا پورا آجاؤں؟

مقصد یہ تھا کہ اگر میں اپنے موجود بدن کے ساتھ دور لگا کر گھس بھی گیا تو اتنی جگہ کہاں ہے کہ خیمہ میں زیادہ لوگ بیٹھ سکیں، پھر میرا بدن بھی غیر معمولی فربہ اور طویل وعریض ہے جو کئی آدمی کی جگہ گھیرے گا، ـــــ ان کا یہ ذو معطلب اور مزاحیہ جملہ سن کر حضورؐ بے اختیار خندہ زن ہوگئے۔

ظرافت اور شگفتہ مزاجی چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ ہی کا ایک جزو تھا لہذا اصحابہ کرامؓ بطور اتباع وقتاً فوقتاً آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہا کرتے تھے اور خوش طبعی کا سلسلہ آنحضورؐ کی غیر موجودگی میں جاری رہتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ، ابوبکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ ایک ساتھ تشریف لے جارہے تھے، دائیں بائیں ابوبکرؓ و عمرؓ اور بیچ میں علیؓ پرلطف بات یہ تھی کہ ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں بڑے لمبے قد کے تھے اور حضرت علیؓ انتہائی پستہ قد تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد عمر فاروقؓ نے کہا: علی ہمارے درمیان ایسے ہیں جیسے "لنا" کے درمیان نقطہ

لنا میں ایک لام شروع میں ہے اور آخر میں الف اور بیچ میں نون کا نقطہ ہے ـــــ بہر حال عمر فاروق نے ان کے پستہ قد پر مزاحیہ انداز میں یہ چوٹ کی ـــــ حضرت علی بے حد ذہین اور حاضر جواب انسان تھے فوراً برجستہ بولے:ـــ ہاں یہ تو ٹھیک ہے، لیکن اگر "لنا" کے درمیان سے نقطہ جدا کردو تو "لا" رہ جائے گا اور لا تو مہمل لفظ ہے یا حرف نفی ہوسکتا ہے، دونوں ہی صورت میں اس کے کوئی معنی نہیں۔

مقصد یہ تھا کہ اگر لنا میں کوئی معنی پیدا ہوئے ہیں تو وہ نقطہ کا فضل وکرم ہے نقطہ کو صاف کردو تو معنی بھی صاف ہوجاتے ہیں اور باقی ماندہ لفظ مہمل رہ جاتا ہے ـــــ حضرت عمر فاروقؓ اس جوابی طنز کو سن کر ہنس پڑے۔

حضرت عمر سے متعلق "موطا" میں ایک عجیب وغریب واقعہ مذکور ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے کسی شخص سے اس کا نام دریافت کیا، اس نے کہا "جمرہ" یعنی چنگاری ـــ انھوں نے باپ کا نام پوچھا۔ اس نے جواب دیا "ابن شہاب" یعنی شعلہ۔ حضرت عمر نے سوال کیا: کون سے قبیلہ سے تعلق رکھتے ہو؟ ـــــ جواب ملا "حرقہ سے" یعنی سوزش سے ـــــ انھوں نے معلوم کیا قیام کہاں ہے؟ ـــــ جواب ملا حرہ میں یعنی گرمی میں عمر فاروق نے پوچھا حرہ میں کس حصہ پر سکونت

اختیار کر رکھی ہے؟ اس نے جواب دیا "لظیٰ میں" یعنی شعلہ بار میں ـــــ یہ سننے کے بعد حضرت عمر فاروق رض نے ایک ٹھنڈا سانس لیا، مسکرائے پھر زیرلب بولے: جا بھئی اپنے گھر والوں کی خبر تو لے وہ جل کر راکھ تو نہیں ہو گئے"

میرے سامنے اس وقت عربی اور اردو کی جو کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان میں ان گنت ایسے واقعات مرقوم ہیں جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کی ظرافت اور خوش طبعی کو واضح کرتے ہیں، میں نے اپنے مضمون میں حسن پیدا کرنے کے لئے چند خاص واقعات کتابوں سے اٹھائے ہیں، ان کو ملاحظہ کرنے کے بعد آپ پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گی کہ ظرافت سیرت کا ایک پہلو ہے اسوۂ حسنہ کا ایک جزو ہے، بشرطیکہ ان زاویوں اور حدود سے تجاوز نہ کیا جائے جن سے تجاوز کرنے کی اسلام نے ممانعت کی ہے اور جن زاویوں اور حدود کو پھلانگنے کے بعد ظرافت تمسخر اور پھوہڑ پن کے سانچوں میں ڈھل جاتی ہے۔

خوش طبعی اگر اعتدال کے دائروں سے خارج ہو جائے تو یہ بھی معیوب اور قبیح بن جاتی ہے، افراط یہاں بھی جائز نہیں، ظرافت اور خوش طبعی کی مقدار آٹے میں نمک کے برابر رہنی چاہئے ـــ اس سے زیادہ آگے بڑھنا اور اعتدال کے دائروں سے تجاوز کرنا غیر مناسب اور قابل تنبیہ ہے۔

بیشک ہر مستحسن اور محمود چیز اعتدال کی صفت کھو کر معیوب اور مذموم ہو جاتی ہے، ہر وقت کا ہنسی مذاق، ہر وقت کے قہقہے اور چہچہے انسان کی سنجیدگی اور شخصیت کو ٹھیس پہونچاتے ہیں ـــ انسان کا تشخص اور ترفع فنا ہو جاتا ہے اور لوگ اس کو جوکر اور مسخرہ سمجھنے لگتے ہیں، ظریف اور مسخرہ میں آسمان و زمین کا فرق ہوتا ہے، آپ ظریف اور خوش طبع بننے کی کوشش کیجئے اور جوکر و مسخرہ بننے سے پرہیز کیجئے۔ زیادہ ہنسنا بیشک غلط ہے۔ حدیث میں ہے: کثرۃ الضحک موت القلب زیادہ ہنسی دل کو مردہ کر دیتی ہے مگر کبھی کبھی تو کوئی غیر مناسب نہیں ہے"

دو حمدیں

مظفر حنفی

بیکسوں کے لئے سہارا تو
ڈوبتوں کے لئے کنارا تو

ایک کے واسطے فرازِ صلیب
ایک کو طور کا نظارا تو

بو تری دامنِ صبا میں ہے
ہر شگوفے سے آشکارا تو

ہم سے تیرے لئے کروروں ہیں
اور لے دے کے اک ہمارا تو

دن میں راتوں کی یاد ہے تجھ سے
رات میں صبح کا ستارا تو

اِس طرف ہولناک طوفاں ہے
اُس طرف نور کا منارا تو

تھک گئے ہم گناہ کر کر کے
رحم کرتے ہوئے نہ ہارا تو

چراغِ حرم کے اجالے میں تو
برہمن کے اونچے شوالے میں تو

امیروں کے ہر لقمۂ تر کے ساتھ
غریبوں کے سوکھے نوالے میں تو

ترا ہی غضب قحط سالی میں ہے
لگاتار ساون کے جھالے میں تو

نگاہِ تمنا میں تیری جھلک
جڑا ہے حسینوں کے بالے میں تو

تری سختیاں تودۂ سنگ میں
جواں مرد ہاتھوں کے چھالے میں تو

کہیں گدڑیوں میں ٹھٹھرتا ہوا
کہیں بیش قیمت دوشالے میں تو

وہاں بے زبانوں کی آواز ہے
یہاں فلسفی کے مقالے میں تو

اُدھر خوف جاں بن کے بزدل کے پاس
اِدھر سر بکف ہے جیالے میں تو

حرمت الاکرام

احمد رسل صلی اللہ علیہ وسلم

نہ یہ میری خواہش نہ یہ التجا ہے کہ میرا سفینہ کنارے لگا دو
مگر عرض یہ ہے کہ امواج طوفاں سے ٹکرانے کا تم مجھے حوصلہ دو
مرے عزم محکم کو آواز دیتی رہے تا ابد میری منزل کی دوری
خلاؤں میں مدت سے کھویا ہوا ہوں مجھے راستہ زندگی کا بتا دو
مرا عزم فکر و نظر ہر قدم پر الجھتا ہے احساس کی مشعلوں سے
لرزتا ہوں اندیشۂ گمرہی سے، مجھے روح کی منزلوں کا پتہ دو
تمہارے درِ پاک سے آگے بڑھنے کی جرأت کہاں میرے ذوقِ سفر کو
شرف دے کے اپنی حضوری کا مجھ کو حد ارتقائے محبت بتا دو
دلِ کشتہ کو نالۂ نیم شب کا نہ ہے کچھ فغانِ سحر کا سلیقہ
زمانہ ہوا، سازِ یہ بے صدا ہے، اسے بھی کوئی نغمۂ جانفزا دو
اندھیروں کے وحشت اثر پیچ و خم میں بھٹکتی ہے اور کہاں نکہت پائی
مرے سوزِ پنہاں کو بیدار کر دو مری آرزوؤں کو شعلہ بنا دو
حوادث کی آغوش میں مسکراؤں شرر لیروں کو میں لالہ و گل بنا دوں
مجھے وہ نگاہِ حقیقت نما دو، مجھے وہ دلِ زندگی آزما دو

خورشید افسر بسوانی

تجلیٔ بام و در

نہ جادۂ کہکشاں میں بھٹکے نہ حسنِ شمس و قمر میں گم ہیں
مری نظر کے تمام اشارے حرم کی شام و سحر میں گم ہیں
جب ان کے روضے کے پاس ہونگے تو دل کا عالم ہی اور ہوگا
ابھی ہے نظروں سے دور منزل ابھی تو حسنِ سفر میں گم ہیں
حضورِ اکرمؐ کا آستانہ ہے رنگ و انوار کا خزانہ
تمام خورشید و ماہ و انجم تجلیٔ بام و در میں گم ہیں
رہِ مدینہ میں آ گئے ہیں تمام جلوے سمٹ سمٹ کر
ہزاروں جنت نما نظارے حضورؐ کی رہگذر میں گم ہیں
جنوں پسندوں میں فیضیابِ جمال سب ہو چکے ہیں لیکن
ابھی تک اربابِ عقل و دانش حصارِ نقد و نظر میں گم ہیں
تجھے خبر کیا کہ آج واعظ ہماری نظریں ہیں کتنی پیاسی
ابھی نہ کر ذکرِ کوئے جنت ابھی ہم اس رہگذر میں گم ہیں
یہ وہ خلش ہے کہ جس کو افسر نبی کی دوری نے بخشدی ہے
تمام کیفیتیں جہاں کی ہمارے دردِ جگر میں گم ہیں

سوویٹ سرکاری نظریہ کے مطابق کوئی مسلمان ترقی پسند تب ہی کہلا سکتا ہے اگر وہ خدا پر ایمان سے مکمل طور پر دست کش ہو جائے، اپنے تہذیبی ورثے کو مکمل طور پر خیر باد کہہ دے اور اپنا اسلامی نام ترک کر دے

سوویٹ حکام اس معاملہ میں کسی قسم کی نرمی برتنے کیلئے تیار نہیں، اگر کوئی مسلمان سوتوی مسلمانوں کے سامنے ایسی احمقانہ باتیں کہنے کو تیار ہو جائے کہ اسلام کے جو چالیس احکام ہیں ان میں اکتالیسواں حکم یہ بھی ہونا چاہئے " روسی زبان پر عبور حاصل کرنا " تو بھی وہ سوویٹ حکام کی نظر میں غیر مشتبہ نہیں ٹھہرتا کیونکہ ایسی باتیں کہتے وقت بھی وہ اسلامی احکام ہی کا حوالہ دیتا ہے اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ خدا ہی کرتا ہے، اس سرکاری سوویٹ نظریہ کا اظہار ایک سے زائد بار ہوا ہے لیکن اس کا غیر مبہم ترین اظہار سوویٹ ماہر نظریہ این، اشیرود کے ایک مضمون میں ہوا ہے جس کا عنوان ہے " اسلام اور قومی روابط " یہ مضمون سوویٹ جریدے " سائنس اور مذہب " کے ۱۹۷۳ء کے دسویں شمارے میں شائع ہوا تھا، اس کا ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔

مضمون کا مطالعہ کرتے وقت آدمی یہ محسوس کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ سوویٹ نقطۂ نگاہ اور اس نقطہ چینی میں جو ہندوستانی مسلمانوں کے رویہ کے

خلاف ہندوستانی کمیونسٹ اور ان کے ہمسفر یعنی سیکولرزم کے غالی حامیوں کی طرف سے ہوتی رہتی ہے کافی مشابہت ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ ہندوستانی کمیونسٹ اور ان کے ہمسفر چونکہ محروم اقتدار ہیں اس لئے وہ اپنی بات روسیوں کی طرح کھل کر نہیں کہہ سکتے —————— عبدالخبیر،

جب سرمایہ دارانہ نظام کا ظہور ہوا تو سماجی شیرازہ بندی کی ایک نئی شکل ابھری، سماجی شیرازہ بندی کی یہ نئی شکل قوم تھی، قومی اقتصادیات اور قومی تہذیب کو فروغ دینے کے لئے قومی وحدت اور قومی احساس کو تقویت دینا ضروری ہو گیا، اس عمل کے نتیجہ میں قومی ریاستیں وجود میں بھی آئیں اور ان کا استحکام بھی ہوا، سوال یہ ہے کہ اس عمل کی طرف اسلام کا رویہ کیا تھا جس نے جاگیرداری اور قبل از جاگیرداری دور میں جنم لیا؟

مسلم تنظیموں اور مسلمان مولویوں کا خیال یہ تھا کہ قوموں کا وجود میں آنا اور قومی اقتدار کی نشو و نما اسلام کے اصولوں اور اسلامی اقدار کیلئے خطرہ ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کے قومی احکام اور ان کی قومی ریاستوں کی تشکیل کی مخالفت کی کیونکہ اس میں انھیں اپنے مذہب کیلئے خطرہ نظر آتا تھا، مسلمان مولویوں کا یہ خیال بے بنیاد بھی نہیں تھا کیونکہ مغربی یورپ میں قومی ریاستوں کی تشکیل سے مذہب کی بنیادوں کو ضعف پہونچا تھا۔

ہمارے ملک کی وہ قومیتیں جو ایسے علاقوں میں رہتی تھیں جہاں اسلام کا دور دورہ تھا وہاں قومی ریاستوں کی تشکیل سوشلسٹ انقلاب کے فوراً ہی بعد شروع ہو گئی، ان قومیتوں کے نام ہیں: قازق، تاتارک ترکمان، کرگز، باشکر اور چیچن وغیرہ ـــ یہاں جن ریاستوں کی تشکیل ہوئی وہ نئی قسم کی ریاستیں تھیں، سوشلسٹ ریاستیں جو سرمایہ دارانہ قسم کی ریاستوں سے مختلف تھیں یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندوں کو سیکولرزم کی راہ پر گامزن کرنے میں کافی مشکلات پیش آئیں۔

مسلمانوں کی مذہبی تنظیموں اور مولویوں نے شرق کے عوام کی سماجی یا قومی نجات کی سرگرم مخالفت کی، انھیں یہ گوارہ نہیں تھا کہ عوام میں قومیت کو فروغ ہو، مسلمانوں کی مذہبی تنظیمیں اور مولوی یہ درس دیتے تھے کہ قومی یا طبقاتی وحدت اسلامی وحدت کی ضد ہے۔ یہ تصور کہ مسلمان قومیں مذہبی طور پر ایک اکائی ہیں خود قرآن میں موجود ہے اس دینی وحدت کو مسلمان من اللہ سمجھتے ہیں لہٰذا یہ وحدت دوامی ہے اور اس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا، جہاں تک قومی وحدت کا تعلق ہے اسلام انھیں دوسری انسانی تخلیقوں کی طرح ہی سمجھتا ہے جو ناپائیدار ہیں، اس کی تائید پان اسلامکم مبلغ خفانی

مظہر کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتی ہے :

" جہاں تک موجودہ دور کی ایک اصطلاح قومیت کا تعلق ہے اسلام کی تعلیمات میں اس کا کہیں ذکر نہیں ، اسلامی تعلیمات کے مطابق مذہب اور قومیت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں ، اسلام کی تعلیمات صرف ایک ملت کو تسلیم کرتی ہیں جو بین الاقوامی اسلامی ملت ہے "

موجودہ دور میں جہاں کہیں بھی مذہبی وحدت کے تصور کا قومی یا طبقاتی وحدت کے عمل سے تصادم ہوا ہے وہاں لامحالہ جیت آخر الذکر کی ہوئی ہے اس کا ثبوت سوویٹ یونین میں سوشلسٹ قوموں کی تشکیل ہے جو اسلامی تنظیموں کی مخالفت کے باوجود کامیاب رہی ، اس کا ایک اور ثبوت مشرقی پاکستان کی قومی آزادی کی تحریک کی کامیابی ہے جس کے نتیجے میں بنگلہ دیش کی ریپبلک قائم ہوئی ۔

اس وقت جب کمیونسٹ پارٹی اور سوویٹ یونین کے محنت کش ریپبلکوں کو ایک واحد سوشلسٹ ریاست کی شکل دینے میں مصروف تھے جو ان کے نزدیک سوشلزم کی تعمیر اور ملک کی تمام قومی تہذیبوں کی ترقی اور ملک کے اقتصادی نظام کے نشوونما کے لئے ضروری تھا مسلم تنظیموں اور مولویوں نے اس عمل کی زبردست مخالفت کی ، ایسا کرتے وقت وہ بین الاقوامی سامراج کے حلیف بن گئے جو ہر طریقے سے سوویٹ یونین کے قیام کو روکنا چاہتا تھا ، وسطی ایشیا ، کاکیشیا اور وولگا میں انھوں نے مسلمانوں سے یہ نہیں کہا کہ وہ اس یوکرین اور بیلو روس کے مزدوروں کے ساتھ تعاون کریں ، بلکہ انھیں یہ سبق دیا کہ وہ ترکی کے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کا ساتھ دیں ، ان کے ایک نمائندے مصطفیٰ چوکیو کا کہنا تھا کہ " ہم سب مسلمان خواہ وہ کرگز ہوں خواہ باشکی ، خواہ تاتاری ایک ترکی خاندان کے رکن ہیں ، ہم ایک ترکی قوم اور ایک واحد مسلم ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں "

بعد کے واقعات نے ثابت کر دیا کہ سوویٹ مشرقی خطے کے عوام اگر ان لوگوں کی بات مان لیتے جو انھیں پان اسلام ازم یا ترک وحدت کی تلقین کر رہے تھے تو ان کا حال برا ہوتا ، ان کا وہی حال ہوتا جو ان دونوں " اسلامی " دنیا کے بہت سے لوگوں کا ہے ، اسلامی دنیا کی یہ قومیں سامراج کی مکمل طور پر ماتحت بن گئیں اور اقتصادی اور تہذیبی طور پر پسماندہ رہیں ۔

پان اسلام ازم اور ترک وحدت کے جو حامی باہر بھاگ گئے تھے وہ اب بھی یہ حقیقت ماننے سے انکاری ہیں کہ سوویٹ یونین کے سابق عوام نے اپنی اپنی ریاستیں قائم کر لی ہیں ۔

اسلامی تنظیموں اور مولویوں نے روس کے میں ریاستوں کی تشکیل اور ان کی حد بندی کی جو مخالفت کی اور سماجی اقتصادی نظام کی بنیادی تبدیلیوں کی جو مزاحمت کی اس کی بنا پر محنت کش مسلمانوں نے اجتماعی طور پر اسلام کو خیرباد کہنا شروع کر دیا انھیں

یقین ہوگیا تھا کہ اسلامی تنظیموں کا رویہ عوام دشمن ہے ، بعد میں حامیان اسلام نے اپنے رویہ پر نظر ثانی بھی کی لیکن اس کے بعد بھی انھوں نے واقعات کو ایسی شکل میں پیش کرنا شروع کیا جو ان کی حقیقی شکل سے مختلف تھی ـــــ اب اسلام کے حامی یہ ظاہر کرنے کی کوششیں کرتے ہیں کہ اسلام قومیت کا حامی ہے اور مشرقی عوام کی قومی تہذیبوں اور ان کی ترقی کی ہر پہلو سے حمایت کرتا رہا ہے ۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کے بعد بھی اسلامی تنظیموں اور مولویوں نے مسلمانوں کو تہذیبی طور پر علٰحدگی پسندی ہی کا درس دیا اور یہ کوشش کی کہ سوویٹ یونین کے مشرقی خطوں کے عوام کی رسائی یورپ کے ترقی یافتہ کلچر تک نہ ہو سکے ۔

مسلمان مولویوں نے کوشش کی کہ مسلمانوں اور قوم کے غیر مسلم ممبروں میں رابطہ قائم نہ ہو اور اس سلسلہ میں وہ قرآن کے اس قسم کے احکام کا حوالہ دیتے رہے کہ مومنوں اور منکروں یا کسی اور مذہب کے ماننے والوں کے درمیان دوستی اسلام کے منافی ہے ۔ قرآن کا حوالہ دے کر مولویوں نے یہ بھی کہا کہ غیر مسلم قوموں کی زبان سیکھنا بھی مسلمانوں کے لئے جائز نہیں ۔ بہر حال اس سوال پر عوام نے مولویوں کی بات ماننے سے انکار کر دیا ، انھیں رفتہ رفتہ احساس ہوگیا کہ روسی زبان کو سیکھنے سے انکی ترقی کے مواقع بہت بڑھ جائیں گے ، روسی زبان سیکھ کر مشرقی خطوں کے عوام کے لئے عالمی ترقی کے تاریخی عمل اور ایک عالمی تہذیب میں حصہ دار بننا ایک آسان امر ہو جائے گا ۔

عوام کی اس ذہنی تبدیلی نے مسلمان مولویوں کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے پرانے نعروں کو خیرباد کہہ دیں ، ان دنوں وہ اپنے وعظ میں دوسری زبانوں کو سیکھنے کی تلقین کرتے ہیں اور سب سے زیادہ زور روسی زبان کو سیکھنے پر دیا جاتا ہے ، بہت سے مولوی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسلام کے جو چالیس احکام ہیں ان میں اب اکتالیسویں حکم کا بھی اضافہ ہونا چاہیئے اور اس حکم کے ذریعہ روسی زبان کا سیکھنا فرض قرار دیا جانا چاہیئے ۔

بہت سے مسلمان مولوں نے ان خطوں میں جہاں اسلام بہت موثر تھا صنعتی ترقی کی بھی بہت مخالفت کی ، کاشت کو تو مشترکہ بنانے کی انھوں نے خاصی مخالفت کی اور عورتوں کی آزادی کی تحریک میں بھی رخنے ڈالے ـــــ اس آزادی کو وہ روک تو کیا سکتے تھے لیکن ان کی کوششوں سے اس میں تاخیر ضرور ہوئی ۔

اب اسلام کے معتقدوں کا یہ دعویٰ ہے کہ وہ قومی مفادات کے محافظ ہیں لیکن تاریخی شواہد سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی تعلیمات نے صدیوں تک قوموں میں نفاق ہی ڈالا ہے اور قوم کے مختلف حصوں میں عناد پیدا کیا ہے ۔

مسلمان مولوی اپنے وعظوں میں بسا اوقات کہتے ہیں کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ اپنے بچوں

کو اپنی زبان سکھائے ، وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں ان کی مادری زبان کے تحفظ سے یا تو مسجد کو دلچسپی ہے یا مولویوں کو ـــــ اسی طرح وہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قومی روایات کی پاسبانی صرف مذہبی تنظیمیں ہی کر سکتی ہیں۔ مولویوں کے اس طرز عمل سے اسلام کے ماننے والوں میں اپنے ان ہم مذہبوں کے خلاف جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اپنے بچوں کو مادری زبان کے بجائے کسی اور زبان میں تعلیم دیتے ہیں اور آپسی بات چیت کے لئے بھی اسی زبان کو ترجیح دیتے ہیں اس طرح ایک ہی قوم کے مختلف افراد میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔

یہی معاملہ ناموں کا ہے ، مسلمان مولوی مسلمانوں کو بار بار یہ یقین دلاتے رہتے ہیں کہ مسلمان قوم کے ہر فرد کو اپنے بچے کا نام اسلامی رکھنا چاہئے ، اس طرح ان مسلمانوں کے لئے حقارت کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو اپنے بچوں کے روسی نام رکھتے ہیں۔

کئی معاملوں میں مسلمان مولویوں نے اپنے رویہ میں تبدیلی کی ہے اس کے پیش نظر بعض لوگ یہ سوال پوچھ سکتے ہیں کہ کیا اسلامی تنظیموں کی سرگرمیاں مختلف قوموں کے روابط کی بہتری کے لئے اب بھی خطرہ ہیں ، آخر انھوں نے اپنے بہت سے پرانے تصورات کو خیر باد کہہ دیا ہے اور سائنس ، ٹیکنالوجی اور آرٹ کی ترقی کی حمایت شروع کر دی ہے۔ مختلف قوموں کی دوستی کے بھی اب وہ مخالف نہیں رہے۔

اس قسم کے سوالوں کے جواب کیلئے چند باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ مسلمان مولویوں کے رویہ میں جو تبدیلی پیدا ہوئی ہے وہ سوشلسٹ سماج کے ماحول کا نتیجہ ہے ، سماجی ترقی اور قومی روابط کے بارے میں مسلمان مولوی جو نئی نئی باتیں کہتے ہیں وہ اسلام کا جزو نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات کی ضد ہے۔

مولوی جو باتیں اپنے وعظوں میں کہتے ہیں بسا اوقات وہ ان سوشلسٹ تصورات کا اعادہ ہوتی ہیں جو اب ہر سوویٹ شہری کو دل سے عزیز ہیں ، اور کبھی ... ایسا بھی ہوتا ہے کہ مسلمان مولوی ان کی شکل بگاڑ کر پیش کرتے ہیں۔

یہ تبدیلیاں یہ ثابت نہیں کرتی کہ اسلام قدامت پسند نہیں اور اس کی تعلیمات رجعت پسندانہ نہیں۔

سوویٹ سماج کی اقتصادی اور تہذیبی ترقی کے بارے میں مسلمان جو کچھ بھی کہتے ہیں ، اس لہجہ میں کہتے ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر چیز کا فیصلہ خدا ہی کرتا ہے اور اس طرح وہ عوام کے ذہن کو مارکسزم ، لینن ازم سے دور لے جاتے ہیں اور سائنٹیفک آیڈیالوجی کے بجائے ان کے ذہن کو غیر سائنٹیفک آیڈیالوجی کی

طرف راغب کرتے ہیں۔

وہ لوگوں کے دلوں میں ماورائی طاقتوں پر بھروسہ کرنے کا رجحان پیدا کرتے ہیں اور اس طرح سماجی ترقی کے راستہ میں رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ اسلامی مذہبی تنظیمیں اور مولوی خواہ کوئی بھی بہروپ بھر کر سامنے آئیں لیکن ان سے قومی علحدگی کے عناصر کو تقویت ملتی ہے اور مختلف قوموں میں مفاہمت کے عمل میں ضعف پہونچتا ہے، ان کی مذہبی آئیڈیالوجی رجعت پسندانہ رسم ورواج کو تقویت پہونچاتی ہے اور عالمگیر رسم ورواج کی پذیرائی کو مشکل بنا لیتی ہے۔

ان کی تعلیمات سے مختلف فرقوں میں شادی بیاہ میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، اور قوموں کے باہمی میل جول میں بھی رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

(بشکریہ "تحریک" دہلی)

وحید رائے بریلوی

صبح آتا ہے مدینے سے کہ شام آتا ہے
دھڑکنیں دل کی یہ کہتی ہیں پیام آتا ہے

دل یہ کہتا ہے کہ اب اذن حضوری لے کر
دیکھئے زندگیٔ نو کا پیام آتا ہے

دل دھڑکتا ہے تو لب پر پئے تسکین حیات
بے ارادہ مرے سرکارؐ کا نام آتا ہے

اشک آنکھوں سے رواں ہیں تو زباں پر ہے درود
اور لغزیدہ قدم ایک غلام آتا ہے

رخصت اے ہوش و خرد خلوتِ ناز آہی گئی
یہ وہ منزل ہے جہاں عشق ہی کام آتا ہے

ناز ہے ساقیٔ کوثر کی غلامی پہ مجھے
دیکھئے کب مری تقدیر کا جام آتا ہے

جب وہ چاہیں در اقدس پہ بلائیں ورنہ
موت آتی ہے نہ جینا مرے کام آتا ہے

سر بسجدہ ہیں عقیدت سے جہاں ماہ و نجوم
دل یہ کہتا ہے کہ اب وہ بھی مقام آتا ہے

کاش یہ نسبت عالی مری جانب ہو وحید
سب کہیں سید عالم کا غلام آتا ہے

تاجدار حرم

خوشتر مکرانوی

تم سے فریاد ہے تاجدار حرم
قلب ناشاد ہے تاجدار حرم
وقتِ امداد ہے تاجدار حرم

زندگی کا سفینہ ہے منجدھار میں
بہہ رہا ہوں میں امواج دشوار میں
ساحلوں کا نہیں جیسے حقدار میں

تم نے ظلمت مٹائی ہے سنسار سے
تم نے دوزخ چھڑائی گنہ گار سے
تم نے ساحل دیا اپنے پتوار سے

تیرہ خانوں میں تم نے جلائے چراغ
تم نے صحرا بصحرا کھلائے ہیں باغ
کر دیئے علم و عرفاں سے روشن دماغ

زندگی کا سفینہ ہے منجدھار میں
بہہ رہا ہوں میں امواج دشوار میں
ساحلوں کا نہیں جیسے حقدار میں

تم سے فریاد ہے تاجدار حرم
وقت امداد ہے تاجدار حرم

آخر ناراضگی کا سبب ؟
مرمت کے قابل نہ ہونے پر بھی میں آپ کے
کام آسکتی ہوں ، آپ کی دولت میں اضافہ کر سکتی ہوں اور
دوسرا جنم لیکر پھر آپ کے پیروں کی زینت بن سکتی ہوں
اختر بھائی نئی زندگی عطا کردیں گے ، پتہ نوٹ کرلیں
۷۷/۳/۸۸ محمد اختر ہمایوں باغ کانپور
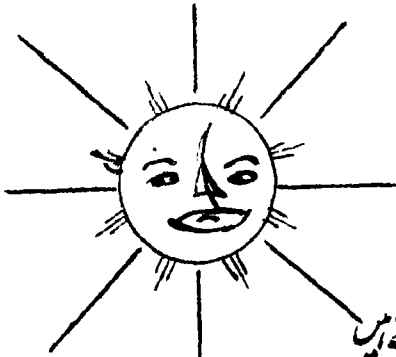
گرمیاں شروع ہو گئیں
گویا بیماریوں کا موسم آگیا ـــ لیکن
اگر آپ چاہیں تو اس ناگوار موسم کو خوشگوار بنا سکتے ہیں
اور بیماریوں کو رفع کر سکتے ہیں بشرطیکہ آپ اپنے کمرے دالان آنگن اور نالیاں فنائل سے
دھلوائیں
خالص فنائل کیلئے
فنائل
کے ، بی ، انڈسٹریز مکھنیا بازار کانپور
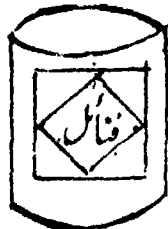
...... سے معذرت

کے ساتھ

—— رئیس انصاری
(بی، اے، ایل، ٹی)

آہستگی سے چلتی ہوئی جیپ میں لگے ہوئے لاؤڈ اسپیکر سے آواز آرہی تھی؛
"جیتے گا بھئی جیتے گا"
اور لڑکے گلا پھاڑ پھاڑ کر جواب میں چلا رہے تھے؛
"حقہ والا جیتے گا"
جیپ کے سامنے بونٹ پر ایک بڑا حقہ لگا ہوا لیکن چلم سے دھواں نہیں نکل رہا تھا ــ (کاش کہ نکل رہا ہوتا !!)

جب جیپ میرے نزدیک آئی تو میں نے دیکھا کہ ڈرائیور کی بغل میں "بدلو میاں" مائک لئے بیٹھے تھے —— کئی دنوں کے بڑھے ہوئے شیو اور ہونٹوں پر خشک کتھئی پان کی پپڑی کے باوجود گلا وہی دہاڑ والا تھا —— خوب کھینچ کر چیخے —— "مہر ہماری کہاں لگیگی؟"

اور جواب میں لڑکے چلائے —— "حقہ والے خانے میں"

بدلو میاں کو دیکھ کر میرا خون کھول اٹھا ــ یہی وہ شخص ہے جو ابھی کچھ دنوں پہلے اسکوٹر رکشہ پر میرے لئے نعرہ لگایا (لگوایا) کرتا تھا، یعنی —— "جیتے گا بھائی جیتے گا، مرغے والا جیتے گا!"

پندرہ روپیہ روز لے کر وہ واقعی میرے لئے "مخالف شکن" قسم کے زبردست نعرے لگایا کرتا تھا —— پھر نہ معلوم کیا ہوا —— ایک دن وہ میرے دروازہ پر وہ میرا تام جھام کھڑا کر کے ایسا غائب ہوا جیسے .....

پھر ایک روز میں نے اسے "اُلو" والے تانگہ پر آواز لگاتے ہوئے دیکھا تھا "بھائیو! اگر آپ واقعی اُلو نہیں بننا چاہتے تو اپنے نوجوان

ساتھی لکشمی پرشاد کو کامیاب بنائیے"۔

میں بدلو میاں سے دو دو باتیں کرنے کے لئے لپکا تو وہ الوؤں کی طرح دیدے گھما کر زور سے چیخے —— "آپ کا چناؤ نشان الو ہے —— یاد رکھئے یہی الو ......"

ان کی اس الو چشمی پر مجھے غصہ تو بہت ہاتھ آیا، مگر کرتا کیا، دل ہی دل میں ان کے مادر پدر کو یاد کیا اور اپنا راہ لی۔

اس کے ایک ہفتہ بعد میں نے بدلو میاں کو بیل گاڑی والے ٹھیلے پر دیکھا —— ہاتھ میں چھوٹا سا مائک لئے وہ آواز لگا رہے تھے:

"اپنے حلقہ کے عوامی خادم گاڑی بان سنگھ کو یاد رکھئے، اگر آپ ملک سے غریبی اور بدتمیزی دور کرنا چاہتے ہیں تو بیل گاڑی کو یاد رکھئے"۔

بدلو میاں کی اس دل بدلی پر مجھے بہت غصہ آیا مگر پھر یہ سوچ کر کچھ اطمینان ہوا کہ وہ نہ صرف مجھے بلکہ الو اور گاڑی والے کو بھی چونا لگا کر اب حقہ والے کے پان کھا رہے تھے۔

مگر ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جس زمانہ میں وہ میرے لئے نعرہ لگوایا کرتے تھے تو میری تعریفوں کے ایسے پل باندھتے تھے کہ اگر اسی وقت الیکشن ہو جاتا تو سارے ٹھپے میرے ہی ماتھے پر لگتے۔

الو والے کا مقرر ہاتھ نچا نچا کر میری ایسی پول پٹیں کھول رہا تھا کہ جو مجھے خود بھی نہیں معلوم تھیں —— اس کی معلومات جواہر لال کے بارے میں کم سہی لیکن نٹور لال کے بارے میں بہر طور زیادہ تھیں۔

جب مقرر نے اپنی بوچھار کو گاڑی والے کی طرف موڑا تب کہیں میں نے چین کی سانس لی اور بڑھ کر بدلو میاں کا ہاتھ پکڑ لیا،

اخاہ! رئیس بھائی، بہت دنوں بعد ملے" —— دانت نکال کر بدلو میاں بولے،

"کہئے کیسے ...."

"یار تم نمبری ...."

"دیکھئے دغا باز نہ کہئے گا" —— انھوں نے میری بات کاٹ دی۔

"الکشن کے کام کی بسم اللہ آپ ہی کا باجا بجا کر کی تھی اسلئے دلی ہمدردی اب بھی آپ ہی سے ہے"۔

پھر ذرا ایک لمبی سانس لے کر بولے:

"معاف کیجئے گا رئیس بھائی! سب کچھ پیسوں کے لئے کرنا پڑتا ہے۔ آج کل سیزن ہے اور آپ بھی خوب جانتے ہیں کہ یہ سیزن پانچ سال بعد آتا ہے، ہاں تو بات تھی آپ کے باجے کی —— دراصل آپ دیتے تھے پندرہ روپیہ روز، اس کے بعد لکشمی پرشاد نے تیس روپیہ روز دینا منظور کیا، کام کو دیکھ کر گاڑی والا اتنا متاثر ہوا کہ اس نے پچاس

روپیہ روز کا آفر دیا ، پھر میں نے جو حقہ والے کا بخیہ ادھیڑنا شروع کیا تو وہ بلبلا اٹھا ـــــ اس نے پینسٹھ روپیہ روز اور بالائی خرچ الگ سے دینے کا وعدہ کیا "

وہ ایک لمحہ رکے اور کھنکھارتے ہوئے بولے :

" رئیس بھائی ! آئندہ بھی گڈ یور کی لالچ میں دل بدلی ہوگی ہی ، پھر اگر میں ان گڈیوں کیلئے ذرا ادھر ادھر ہو رہا ہوں تو اس میں ایسی بری بات کیا ہے "

میں کیا کہتا ، خود میرا اپنا ارادہ یہی تھا کہ کامیاب ہونے کے بعد جس پارٹی سے جتنی تگڑی گڈی ملے گی اسی سے چپک جاؤں گا ـــ

لیکن رئیس بھائی !" ـــــ انھوں نے میرے خیالات کے دھارے پر بند باندھتے ہوئے اپنی بات پھر چھیڑ دی ـــــ " آپ گھبرائیے نہیں میں آپ ہی کو جتاؤں گا اور بہت سستے میں "

میں نے انھیں گھورا اور آنکھوں ہی آنکھوں میں پوچھا کہ وہ کیسے ؟

" آپ کل ٹھیک دس بجے الیکشن اسپیشل اسٹور پہونچ جائیے ، میرے بھائی بدلو نے اسے کھولا ہے ، ویسے میں خاص ہی خاص لوگوں کو اس کا پتہ بتاتا ہوں

ـــ ـ ـــ ـ ـــ

مجھے اپنے چن لئے جانے کی پوری پوری امید تھی ، حلقہ کے ہر محلے سے شام کو رات کے اندھیرے میں چھپتے چھپاتے ، میرے کچھ غم گسار آتے کچھ غم ابھار ـــ کچھ الکشنی چمچے تو کچھ دائی کرچھے ، کچھ ٹٹ پونجیا اخباروں کے رپورٹر تو کچھ مخالفوں کے سی آئی ڈی کبھی کبھار محلہ ٹولہ کے ڈھائی لیڈر یا ان کے کچھ لگوے ـــــ مٹھائی اور چائے کے کلھڑ صاف کرتے ہوئے بڑے رازدارانہ انداز میں پھسپھساتے :

" رئیس بھائی ! گھبرائیے نہیں ، اس بار بس آپ ہی کا ٹیمپو ہائی ہے "

دوسرے دن میں " اسپیشل الیکشن اسٹور " پہونچ گیا ـ

ایک تہہ خانے نما گیرج میں ایک دبلا پتلا آدمی ایک موٹا سا رجسٹر سامنے رکھے کرسی پر اکڑوں بیٹھا تھا ، بائیں طرف دو ٹیلیفون رکھے تھے ـ مجھے دیکھتے ہی وہ ہڑبڑا کر کھڑا ہوگیا اور بڑے تپاک سے بولا :

" آئیے آئیے رئیس بھائی ـــ بدلو نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تھا "

پھر ایک اسٹول دیتے ، میری طرف کھسکاتے ہوئے بڑے دلآویز لہجہ میں بولا :

" دیکھئے رئیس بھائی ! ہم ہر طرح کی بڑی بے لوث خدمت کرسکتے ہیں جیسے الیکشن

مٹنگ جمانا، مٹنگ اکھاڑنا یا مٹنگ پچھاڑنا ــ
آپ تو جانتے ہی ہیں کہ آج کل لوگوں کو اتنا
وقت کہاں کہ کھڑے ہو کر کسی کی بات سنیں اور
تعریف میں تالیاں پیٹیں، اسلئے ہم مٹنگ جمانے
والے آدمی سپلائی کرتے ہیں ـــــ دوسری جانب
ہم مٹنگ اکھڑوانے کا بھی ٹھیکہ لیتے ہیں ـــــ
(کنٹریکٹ کے بعد) اپنے مخالف کی مٹنگ کی خبر
پاتے ہی ہم ایسی کارروائی کرتے ہیں کہ کیا مجال
جو اس کی مٹنگ ہو جائے ــ مختلف پارٹیوں کی
مٹنگ اکھڑوائی کی فیس کا ریٹ الگ الگ ہے
دیکھئے یہ رہا اس کا ریٹ کارڈ۔

یہ کارڈ کچھ اس طرح تھا

ریٹ فی شخص

ایک گھنٹہ	ڈیڑھ گھنٹہ	دو گھنٹہ
1-75	2-35	250

(نوٹ ۱) ایک گھنٹہ سے کم کا سودا نہیں
کیا جاتا ــ ۲۔ پچیس آدمیوں سے کم کا سودا نہیں
ہوتا ــ ۳۔ مارپیٹ کی نوبت آجانے پر عدالت
اور علاج کا خرچ الگ۔

وہ ایک سگریٹ سلگانے کیلئے رکا اور
پھر مجھے متوجہ کرتے ہوئے بولا،

"تقریر کیلئے آپ کرایہ کے آدمی پسند
کریںگے یا گھنٹہ یا آدھے گھنٹے کے ٹیپ؟ ــ
میرا تو خیال ہے ٹیپ سستا رہیگا، نصف
گھنٹہ کا ٹیپ فی عدد پچاس روپئے، اس طرح
کے ٹیپ بیک وقت کئی مٹنگوں میں بجائے جا
سکتے ہیں، ویسے تقریر کرنے کے لئے آپ کیلئے
پندرہ روپیہ فی گھنٹہ کے حساب سے ہم آدمی بھی
سپلائی کر دیں گے اور ان تقریروں کے سامنے
مجال ہے جو پبلک ٹس سے مس ہو جائے
بس ٹیپ اور آدمی آپ کو دو دن پہلے بک
کرانا پڑیں گے۔

میری خواہش پر سدلو نے زور سے
ہانک لگائی "ارے پلٹو! ذرا ادھر آنا"
اندھیرے سے نکل کر ایک ذات شریف
نمودار ہوئے ـــ "بھئی ذرا ایک سیمپل تو بتانا"
پلٹو صاحب نے سامنے لٹکے ہوئے ایک
اشتہار کو جس میں اہل کانپور کو نہایت پائدار قسم
کے مضبوط جوتوں کا مژدہ سنایا گیا تھا، عوام
اور جنتا فرض کرتے ہوئے نہایت پاٹ دار آواز
میں مخاطب کیا۔

دوستو اور بزرگو! ہم دیش میں
بہت سے ڈیم اور باندھ بنا رہے ہیں افسوس
ہے کہ کئی مکمل اور نامکمل باندھ سیلابوں کو
روکنے کے بجائے سیلابوں کے ساتھ بہہ نکلے،
اب ہمارا اس میں کیا قصور، مخالف پارٹیاں
ہمیں بدنام کرنے کیلئے ایسی ہوائیاں چھوڑتی ہی
رہتی ہیں، یہ نہیں دیکھتیں کہ ان باندھوں کا سارا
اسٹاف بیکار ہونے والا تھا، چنانچہ اب انھیں
پھر سے روزگار مل جائے گا اور یہ یوجنا نیر دیش

سے بے روزگاری ختم کرنے ہی کیلئے تو جنتا آئی تھی —— کچھ لوگ دیش میں بھائی بھتیجا واد اور کنبہ پروری بڑھنے کا الزام لگاتے ہیں لیکن اگر اپنے قریبی اور تجربہ کار لوگوں کو کچھ کوٹے لائسنس اور نوکریاں نہ دیتے تو کیا ناتجربہ کار اور مخالف لوگوں یا مخالفوں کے رشتہ داروں کو دیتے؟ ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ واقف کار آدمی زیادہ با اعتبار ہوتے ہیں، آج اگر ہمارے رشتہ دار اپنی محنت اور لگن سے لکھ پتی ہو گئے ہیں تو پارٹی فنڈ میں لاکھوں کا چندہ دے کر بلیدان اور تیاگ نہیں کر رہے ہیں؟ کیا مخالفوں کے رشتہ دار بھی ہماری پارٹی کو اتنا ہی چندہ دیتے (اک نعرۂ شرم)

لوگ آئے دن سماج دشمن سرگرمیوں کا ذکر کیا کرتے ہیں —— حضرات! آپ یہ بھی تو دیکھئے کہ بدمعاش اور جرائم پیشہ اب ناجائز شراب کشید کرنے اور اسمگلنگ جیسے منافع بخش دھندوں میں لگ کر جنتا کی کتنی بڑی سیوا کر رہے ہیں۔

لوگوں کو آج کل ریلوے حادثات پر سخت اعتراض ہیں، کیا جہالت ہے، آخر یہ لوگ ان معمولی گاڑیوں میں سفر کرنے کے بجائے ہوائی جہازوں میں سفر کیوں نہیں کرتے دنیا آج کل بیل گاڑی اور گائے کے گوبر کے عہد سے بہت آگے نکل چکی ہے۔

کچھ لوگوں کو ہمارے ترقیاتی ٹیکسوں پر اعتراض ہے، ان کو سوچنا چاہئے کہ آنے والی نسلوں کیلئے کچھ نہ کچھ قربانی دینا ہی پڑتی ہے، میں آپ کو پورا یقین دلاتا ہوں کہ ایک دن جب ہماری روحیں یا ہماری اولادوں کی روحیں یا ان اولادوں کی اولادوں کی روحیں یا ان اولادوں کی اولادوں کی اولادوں کی اولادوں کی ...... (یہاں پر پلٹو صاحب نے سدلو کو ہاتھ سے تالی پیٹنے کا اشارہ کیا۔

میں نے اس سین کے خاتمہ پر سدلو سے بڑے درد مندانہ لہجہ میں اپیل کی کہ وہ جلد از جلد کسی ایسے امیدوار کا پتہ لگائے جو میرے اب تک کے نصف اخراجات ادا کرنے پر تیار ہو جائے تو میں بیس فیصد کمیشن سدلو کو دیکر اپنا نام واپس لے لونگا

(الیکشن نتائج کے بعد ایک رپورٹر کی خفیہ رپورٹ جو غلطی سے شائع کی جا رہی ہے۔ یاد دلانے والے قارئین کا پتہ مع حسب نسب شائع کیا جائے گا، نوٹ کر لیں)

گڑبڑ داس بانسریا کے نام کی طرح آج انکی بیٹھک میں سب کچھ گڑبڑایا سا نظر آتا تھا، سارا ماحول اداس تھا اور چمچے پھٹے پوسٹر جیسے منہ لٹکائے بیٹھے تھے، واکر خالی بیلٹ بکسوں کی طرح اوندھے پڑے تھے اور خود گڑبڑ داس جی چار خانے کی تہمد پر ایک کھدر کی بنیائن پہنے ضمانت ضبط کرانے کے بعد دل میں نہ جانے کیا کیا ضبط کئے بیٹھے تھے ——

سب ملا کر کچھ ایسا ماحول تھا جیسے کسی کا جوان بیٹا مر گیا ہو یا گھر والی سب زیور سمیٹ کر کہیں بھاگ گئی ہو، یہ ہوٹلی چکی باز بھلا اس درد کو کیا سمجھ سکتے تھے جبکہ پردہ میں ضمانت ضبط کرانے کا آبلہ پھوٹتا ہے وہی اس کی جلن جانتا ہے، ان کے ساتھ ان کے بچے لنگوؤں تک کی عزت چنچ گئی تھی، کتنے سہانے سپنوں کا خون ہو گیا تھا، تخت کا تختہ ہو جانا اسی کو کہتے ہیں لوگوں نے انکے خانہ میں مہر لگا کر جیسے ان کی خانہ خرابی پر مہر لگائی تھی

چند آنیوالوں کے سلام کا جواب انھوں نے اس انداز میں دیا گویا اس جہان فانی کو الوداع کہہ رہے ہوں، کوئی ذرا بھی ہمدردی کر دیتا تو وہ بہہ نکلتے اسلئے کسی نے زیادہ کریدنا مناسب نہ سمجھا ___ ہائے جو کہیں گڑبڑ داس جی جیت جاتے تو آج گیندے، گلابوں میں دبے بیٹھے ہوتے راگ اور نغمہ چل رہا ہوتا، لہنگا بھی لچک رہا ہوتا، سب گڑ گوبر ہو گیا ___ سب خاموش بیٹھے تھے، چالیسواں کا سا سماں تھا، ابھی دو دن پہلے اسی کمرے میں چھٹی کی سی گہما گہمی تھی، لسٹیں چیک ہو رہی تھیں، لسٹیں اب بھی گڑبڑ داس جی کے سامنے پڑی تھیں، ووٹروں کی نہیں بلوں کی۔

اچانک گڑبڑ داس جی کا پیٹ کچھ گڑبڑایا اور پھر فوراً ہی ہونٹ کپکپائے۔ چمچے اور مکھن کے ڈبے متوجہ ہو گئے۔

" میرے پیارے ہمدردو! " ___ آواز پھٹے بانس جیسی تھی ___ " مجھے اپنی ہار کا غم نہیں ملک کے مستقبل کی فکر ہے، ہم " پہلے " ہو جاتے تو (جہت تو دیکھ کر) تم کو کہیں کا پہونچا دیتے ___ بھوسہ کے بھاؤ گیہوں اور گیہوں کے بھاؤ دیسی گھی بکواتے، قومی زبان کو ترقی دیتے اور مرزا (غالب ہی ہو سکتے ہیں) کو پدم شری دلواتے، بیروزگار اور فقیر ڈھونڈے نہ ملتے اور سب برابر کے غریب ہوتے (اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس جملے کے اندر کون سا یوجنا پوشیدہ تھی، ڈالڈا، پٹرول اور اخباری کاغذ کو ترسنا پڑتا) گر نہیں کیا، ہمیں اپنا کون لالچ تھا کرسی کا، بھگوان کی دیا سے ہمیں کرسیوں کی کیا کمی ہے چوتھا کلاس پاس ہیں، کام ہمارا چل ہی جاتا ہے ہمارے نہ جیتنے سے ہماری مٹی پلید ہونا تھی وہ ہو گئی دیش کا ستیاناس ہونا تھا وہ بھی ہو گیا، اب جہاں تک ان بل والوں کا سوال ہے ہم مناسب وقت آنے پر یہ بھی چکا دیں گے "

کوئی کچھ نہیں بولا، سب چپکے سے کھسک لئے صرف ان کی پرائیویٹ سکریٹری مس مینکا کمرہ میں رہ گئیں، اس دھما چوکڑی میں اس نے بھی دو چار نئی ساڑیاں جھپٹ لی تھیں، دو چار منٹ میں یہ حلال ہو جائیں تو کیا فرق پڑتا ہے، گھڑی دو گھڑی کا دل بہلاوا تو پہلے بھی ہوتا رہا ہے۔

الماری سے مینکا نے بوتل اٹھائی اور انھیں سہارا دیکر پرائیوٹ کمرے میں لے گئیں اور کمرے کے دروازے بند ہو گئے ___ افسوس ووٹروں کی ناسمجھی کی وجہ سے کیسے کیسے مہاپرش برباد ہو رہے ہیں (مرکزی خیال راشٹر دھرم کی ہندی کہانی سے ماخوذ)

آپ کے ذوق آرائش کی
مکمل تسکین کیلئے
ہم آپ کو فراہم کرتے ہیں
بندے
ہار
چوڑیاں
اور
نت نئے ڈیزائنوں میں ہول سیل
میں خریدیں
رشمی بنگل اسٹور ہول سیلر مکھنیا بازار، کانپور

مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں :-

جلسۂ سالانہ فیض عام نسواں انٹر کالج کانپور کی ایک رپورٹ

(مرتبہ سروداسلام پرنسپل)

الحمد للہ کالج کا سالانہ جلسہ اپنے مقاصد کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کو پہونچا۔ اس کو جلسہ کہئے یا تعلیمی انجمن کی ایک محفل جو ۲۲ر دسمبر ۱۹۷۳ء کو منعقد ہوئی، سب سے پہلے میں اپنی طالبات، معلمات اور دیگر کارکنان ادارہ کو اس جلسہ کی کامیابی پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں اور اس کے بعد اس ذرہ نوازی کا کہ اس سالانہ جلسہ کی رپورٹ مرتب کرنے کی خدمت میرے سپرد کی گئی دلی شکریہ ——— اپنی بے بضاعتی کے علم کے باوجود اس لئے خوش ہوں کہ سب سے پہلے میں نے جب ادارے کے جلسے کا پروگرام، یہاں کی نظمیں، مکالمے اور دیگر عنوانات پر غور کیا تو نہ تو یہ پروگرام پسند آیا اور نہ اس کے پیش کرنے کا ڈھنگ، طرح طرح کے شکوک میرے ذہن میں پیدا ہوتے رہے اور شاید آپ کو بھی یہ پروگرام ابالی کھچڑی یا بے مرچ کا سالن نظر آتا ہو لیکن پہلی مرتبہ یہ موقع میرے ہاتھ آیا کہ میں آپ کو بتا سکوں کہ کس طرح یہ پروگرام، یہ سادی نظمیں، یہ بامقصد مکالمے میرے دل میں گھر کرتے گئے اور آخر کار میں اس بامقصد پروگرام کی روحانی رعنائیوں میں گم ہو گئی ——— مجھے وہ دن خوب یاد ہے جب ادارے میں میرا انٹرویو ہوا، انٹرویو سادہ سا تھا۔ اس میں میری گفتگو ناظمۂ تعلیم صاحبہ اور محترمہ صدر صاحبہ سے کیا ہوئی مجھے یاد نہیں، آخری جملے جو بہت پر معنی تھے وہ آج تک یاد ہیں ——— محترمہ صدر صاحبہ نے مجھے وہ پہلا سبق دیا تھا ——— "دریا کی روانی پر کشتی کو چھوڑ دینا آسان ہے لیکن جب رفتار دریا کے خلاف چلنا ہو تو ذرا سوچئے کشتی کو ساحل تک پہونچانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے، زمانہ کی رفتار کے ساتھ بہ جانا حصول زندگی نہیں بلکہ مخالف قوتوں سے ٹکر لینا ہی حیات ہے، اس کا مقصد ہے اور اس کی تکمیل" ——— اس سبق پر میں پوری طرح عمل پیرا تو نہ ہو سکی تھی، ہاں ان الفاظ کو بھول بھی نہ سکی، چند مہینوں کے بعد اسکول کا سالانہ جلسہ ہوا جس کی کل کائنات تھی قرآن برحق کی آیات کی تلاوت، ان کا ترجمہ، حمد باری تعالیٰ، نعت بحضور رسول اکرمؐ۔ چند بچوں کی نصیحت آمیز نظمیں، چند بامقصد طویل نظمیں، چند مکالمے جن میں حالات حاضرہ کے مسائل

پر گفتگو اور آخر میں دعا ـــــ میں نے یہ پروگرام دیکھا اور ایک معلمہ سے پوچھا: "یہ کیسا جلسہ ہے؟ پھیکا پھیکا، بے روح سا، اس میں نہ ڈرامے ہیں نہ قوالی، نہ کامک ہیں، نہ نقلیں، نہ دلچسپ نظمیں ہیں نہ غزلیں" ـــــ شاید وہ سادہ مزاج اس جلسے کی روح تک نہ پہونچی تھیں، نہایت نرمی سے بولیں، ـــــ "صدر صاحبہ ڈرامے کامک کرنے نہیں دیتیں، ان کو پسند نہیں" ـــــ لیکن آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آنے لگا کہ اگر زندگی کا ایک تقاضا ہے تو ہماری تعلیم کا بھی ایک تقاضا ہے اور شاید صدر محترمہ اسی نظریہ کے تحت جلسے کے پروگرام کو بامقصد اور بارفعت بنانا چاہتی ہیں۔

میں خود ایک کالج کی فضا سے نکل کر آئی تھی جہاں ڈرامے ہوتے تو باقاعدہ ٹکٹ سے لوگ اس کو دیکھنے آتے، غزلیں اور گانے ہوتے تو ساز کے ساتھ دوران تعلیم مجھے خود بھی ان ڈراموں میں دو بار ہیرو کا رول ادا کرنا پڑا، موسیقی سے دلچسپی نے جب اسلامی اور غیر اسلامی طریقۂ تعلیم کا احساس نہ تھا مجھے ساز سیکھنے پر آمادہ کر دیا تھا ـــــ جہاں چنگ و رباب کا تصور ہو، جہاں بادۂ شبینہ کا خمار ہو، جہاں حرف و صوت کے دل نشیں نغمے کی جھنکار کانوں میں گونج رہی ہو وہاں سادہ جذبات، معصوم خیالات، ستھری نظمیں، اسلامی ترانے کیا اثر کرتے لیکن ذہن ان محصور خیالات سے جلد ہی گریزاں ہوا اور انداز فکر خود بخود بدلنے لگا ـــــ اسی دوران مجھے آگرہ اور دلی کی تاریخی مسلم عمارتوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، دو عمارتوں نے میرے محصور تصورات کے دریچے کھولے تو دور تک نظر آنے لگا، ایک مقصد حیات، ایک شعوری نصب العین اور ایک اسلامی فریضہ۔ قطب مینار کے نزدیک ہی ایک مندر دیکھا جس کو قطب الدین ایبک نے مسجد میں تبدیل کرنے کیلئے اپنے ذہنی و فکری سرمایہ سے کام لیا ہے اور وہ عمارت نامکمل سہی لیکن زبان حال سے کہہ رہی ہے ـــــ قطرۂ خون جگر سل کو بنا دیتا ہے دل

شوق کی نگاہوں نے تاج محل کو دیکھا، اس کی دوشیزگی کو دیکھا، حسن اور رعنائی کے پیکر کو دیکھا ـــــ عمارت کا نقشہ سادہ ہے، اس میں جو پتھر ہیں وہ بھی سفید ہیں، ان پتھروں پر بنے ہوئے نقش و نگار بھی پھول اور پتیوں اور آیات قرآنی کی زینت تک محدود ہیں ـــ پھر خود بخود یہ سوالات ذہن میں آنے لگے، کیا شاہجہاں کے سامنے ہندوستان کی بت تراشی کے مجسمے نہ تھے کہ ان سے تاج محل کو زینت دیتا؟ کیا شاہجہاں کی نظروں نے مندروں اور بت خانوں پر بنی ہوئی تصویروں کو نہیں دیکھا تھا کہ تاج محل کا ان سے حسن بڑھ جاتا؟ کیا وجہ ہے کہ اس نے تاج کو سجانے کے لئے صرف پتھروں پر پھول اور پتی کے نقش و نگار ہی بنائے اور با شعور ذہن ایک طاقت غیبی کی طرح بول اٹھا: شاہجہاں ایک مرد مومن تھا، اسلام کے اصولوں پر کاربند، امر کا پابند اور نہی کا منکر، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ بت تراشی کے مجسموں اور حسین تصویروں کو تاج محل میں جگہ دیتا، نعوذ باللہ اس کے دماغ میں بھی یہ بات نہ آئی ہوگی جیسا کہ تمہارا دماغ تمہیں شکوک میں مبتلا کر رہا ہے۔

اینٹ، مٹی، گارا، لوہے سے ہی ایک عمارت کو معمار تشکیل کرتا ہے، ان سے ہی عبادت خانہ بنتا ہے، ان سے ہی حرم، ان سے ہی مسافر خانے اور ان سے ہی میخانے، مصالحہ وہی ہے صرف معمار کا ذہنی شعور، اس کا فکری نظریہ ہی عمارت کی تشکیل میں اس کو مقدس یا ناپاک بنا دیتا ہے، اس تعمیر کیلئے ایک شعوری مقصد کی ضرورت ہے ایک ہا ارتقاء ذہن کی، عمارت خود ہی مقدس ہو جائے گی ؎

رنگ ہو یا خشت و سنگ چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

موسیقی کے زیر و بم سے سجے ہوئے گیتوں نے بھی آہستہ آہستہ اپنا اثر کھویا، جب میں نے مشاعروں میں دیکھا کہ شاعر نہ خوش آواز ہے، نہ موسیقی کے ترنم سے حسن غزل بڑھاتا ہے لیکن اس کے بعض اشعار دل میں پیوست ہو جاتے ہیں اور سمجھ میں آنے لگا کہ نغمہ کی دلکشی جذبہ کی گرمی میں ہے موسیقی میں نہیں، اب اس سالانہ جلسہ کی بامقصد نظموں میں حسن بھی نظر آیا، جاذبیت بھی اور اخلاق کی روح بھی اور میرا جذبِ باطن پکار اٹھا:-

وہ نغمہ سردیٔ خونِ غزل سرا کی دلیل　　＊　　کہ جس کو سن کے ترا چہرہ تابناک نہیں

اس روشنی میں سمجھ میں آنے لگا کہ ہم سب معلم ہیں جو اپنے بچوں کو، اپنے چھوٹوں کو، اپنے بڑوں کو کچھ سکھایا کرتے ہیں اور ان سے بھی سیکھتے رہتے ہیں ——— تعلیم کا مقصد تمدن کی تفسیر ہے، اخلاق کی ترجمانی ہے اور راہ حق کی تلاش ہے تو کیوں نہ ہم اصلاحی پروگرام کے ذریعہ اپنے جلسے میں بھی ایک رنگ بھر دیں — ایک تکمیل مقصد کی جستجو کو جگہ دیں۔ طالبات کے اندر تنقیدی قوت بھی پیدا کریں، اس مسلک کی تکمیل کے لئے اس شعور کو ابھاریں جو انھیں صحیح راستہ سے بھٹکنے نہ دے، اسلام صرف انفرادی ترقی نہیں چاہتا، اسلام کی مذہبیت رسمی اور خارجی نہیں، اس لئے ہمارے اصلاحی پروگرام اپنے ماحول کی ترجمانی کرنے والے اور جماعتی زندگی کے مقاصد کو پورے کرنے والے ہوں۔

خدا کا شکر ہے کہ محترمہ صدر صاحبہ کی مخلصانہ جد و جہد سے ہمارے اندر بھی ایک شعور پیدا ہوا ہے ہم اپنی ملی ہستی کی اخلاقی اساس کو سمجھنے لگے ہیں، ہم دین کی خارجی رسمیت کے ہی قائل نہیں رہتے بلکہ دین کی تخلیقی اور تعمیری قوتوں کی طرف بھی آنکھ اٹھانے لگے ہیں جو ساری زندگی کو بامعنی بناتی ہے، اب ہماری سمجھ میں آنے لگا کہ طالبات ایک قیمتی متاع ہیں جو ملت نے ہمارے سپرد کی ہیں، ہمارا کام ان کو بہکانا نہیں، ہمارا کام [illegible] دلوں کو حیات تازہ بخشنا ہے، ان کی راتیں تاریک نہ ہوں بلکہ راہنما تاروں سے جگمگا جائیں۔ مجھے مہاتما گاندھی کی ایک بات نہیں بھولتی ——— "ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے اور صاف شفاف دودھ کی طرح ہے جس میں تھوڑا سا زہر ملا دیا گیا ہے"

ہماری قوم کے ایک مشہور لیڈر نے کہا تھا۔ " مسلمانوں کے درسگاہوں میں جہاں علوم عصریہ کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے اگر طلباء اپنے مذہب سے بے خبر ہوں ، اپنے قومی محسوسات کو بھول جائیں ، اسلامی فرائض کو نظر انداز کر دیں تو یوں سمجھو کہ وہ درسگاہ مسلمانوں کی قوت کو ضعیف بنانے کا ایک آلہ ہے "

ہاں تو میں آپ کو یہ بتانا چاہتی ہوں کہ ہم حسن کے ایک مانوس جلوے کے پجاری ہیں ، ہزار شیوۂ حسن کو نظر انداز کر جاتے ہیں ، ایک پھول کی پنکھڑی میں اگر رنگ ہے ، بُو ہے تو ایک کانٹے میں بھی تازگی ہے بہارہے ، سینماؤں کے فحش مناظر ، کلبوں کے کیبرے ڈانس ، ہوٹلوں کی رنگینیاں ، موسیقی کی دلکشی اگر ہمارے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے تو روح کی بالیدگی ، تصوف کی پاکیزگی ، خیالات کی رفعت ، نیت کا خلوص بھی جب ہمارے دلوں میں گھر کر جاتا ہے تو دل کی دنیا ہی بدل جاتی ہے ۔

آج جب کہ ہر طرف رقص وسرود کی محفلیں جمی ہیں ، ڈرامے اور پکچر کا زور ہے لیکن یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ادارے کے اصلاحی جلسے کے اصلاحی پروگرام کو بڑی دلچسپی سے سنا جاتا ہے ، بامقصد چیزوں کو پوری توجہ سے دیکھا جاتا ہے یہ ضرور ہے کہ یہ اثر محدود ہے اور ایک خاص حد تک خواتین ہی اس سے محظوظ ہوتی ہیں لیکن اس محدود علاقے میں ہی پسند عام اور قبولیت کی سند اس کو مل گئی ہے ۔

ہمارے سالانہ جلسہ کا پروگرام

۲۲ر دسمبر کو جلسے کے آغاز کا وقت مقرر کیا گیا تھا ار بجے دوپہر ، اس جلسے میں شرکت کی دعوت کو نہ اخباروں میں شائع کیا گیا نہ دعوتی کارڈوں سے ، نہ کسی اور دیگر ذریعہ سے لیکن حیرانی ہوتی ہے کہ جلسہ کے دن اس کثرت سے مہمان آجاتے ہیں کہ ان کی نشست کا انتظام کرنا مشکل ہو جاتا ہے ، مہمانوں کا اشتیاق دیکھ کر اور اپنی مجبوری پر نظر ڈال کر جی چاہتا ہے کہ دل میں جگہ دیں ، مگر ہائے مجبوری یہاں بھی مجبور ہیں ، جگہ کی قلت کے پیش نظر دل میں آتا ہے کہ ادارے کے کارکنوں سے کچھ کہیں ، ادارے کے معاونوں سے کچھ التجا کریں ۔ کیا التجا ؟ ـــــ یہی کہ اپنے مقاصد تعمیر میں فیض عام نسواں ھال کا بنانا بھی شامل کر لیجئے تاکہ یہ دشواری جلسے کے شائقین کو پیش نہ آئے اور ہمیں بھی جگہ کی قلت سے اپنی کم مائگی کا احساس نہ رہے ، اللہ رب العزت کی تائید غیبی پر بھروسہ ہے ، ان شاء اللہ یہ آرزو بھی پوری ہو جائے گی ، آمین ۔

بہر حال ایک بجے سے قبل جلسے کی تیاری پوری ہو چکی تھی ، اسٹیج نہ ہونے کے سبب سے ایک صحن کا تنگ حصہ پردے لگا کر اسٹیج کی شکل میں بدل دیا گیا تھا ، اسٹیج سادہ تھا لیکن اس پر جو پردے فٹ کئے گئے تھے

وہ نظروں کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہ رہتے جن پر نہایت مختصر الفاظ میں کچھ جامع اور معنی خیز کلمات لکھے ہوئے تھے

زندگی پابندگی تابندگی پائندگی

زندگی بے بندگی افسردگی

ٹھیک ایک بجے کالج کی پہلی، دوسری اور تیسری منزل میں مہمانوں کی خاصی تعداد جمع ہو چکی تھی، پہلی منزل میں چھوٹے بچے جمع تھے جو اسٹیج پر آنے جانے والوں کی صرف ایک جھلک دیکھ پاتے تھے، ہاں آواز سن سن کر ہی قناعت کرتے تھے ـــــ دوسری منزل میں زیادہ تر باہر سے آنے والی مہمان خواتین تھیں، اسٹیج کے بالکل سامنے فیض عام نسواں ممبران کی نشست تھی ـــــ تیسری منزل پر نوعمر تماشائی لڑکیاں کھڑکی سے کھڑی سب کچھ دیکھ لینے، سب کچھ سمجھ لینے اور سب کچھ سن لینے کے لئے ایک دوسرے پر امڈی پڑتی تھیں ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ اس کو وہ ندا کی آواز میں کچھ بات ضرور ایسی ہے کہ ہمارے دیوانے ہوں یا فرزانے مخالف ہوں یا مددگار کشاں کشاں کھنچے چلے آتے ہیں۔

کالج کی منتظمہ قیصر بیگم نیازی صاحبہ چونکہ پابندی اوقات کی شدت سے معترف ہیں اس لئے ایک بجے پروگرام کا آغاز کیا گیا، نوشاد راضیہ کو صدارت کے فرائض کی انجام دہی سپرد کی گئی، طالبہ سنجیدہ مزاج اور شرمیلی سی ہے، بہت اصرار پر کرسی صدارت کو قبول کیا اور ایک چھوٹی سی تقریر سے اپنی بہنوں کا شکریہ ادا کیا:-

"محترم ماؤں اور بہنو! سلام مسنون، آپ نے کالج کے سالانہ جلسہ کی صدارت کا منصب مجھے عطا کیا اس کے لئے میں آپ سب کی بے حد ممنون ہوں، مجھے اپنی کوتاہیوں کا بھی احساس ہے اور اپنی کم مائیگی کا بھی لیکن آپ سب کے فیصلے کا احترام بھی ضروری سمجھتی ہوں، ایک منٹ بعد ہی ہمارے پروگرام کا آغاز ہوگا، میری التجا ہے کہ آپ سب ہم طالبات کی پیش کی ہوئی نظمیں مکالمے اور دوسرے اصلاحی فیچر سنیں اور ان کے مقاصد کو پیش نظر رکھیں، ہم نے جو کچھ بھی پیش کیا ہے اس میں اسلام کی روح نظر آئے گی اور اخلاق کا ضمیر خدا آپ کا دامن بصیرت چاک کردے، آمین!!"

پردہ کھلا تو اسٹیج پر صدیقہ بیگم اور رضوانہ امین کھڑی تھیں، صدیقہ بیگم نے سورۂ بقرہ کی چند آیتیں تلاوت کیں، آواز میں سوز ہے، قرأت کا انداز دلوں میں پانی کی طرح سرایت کر رہا ہے اور یہ اثر آفرینی اور بڑھ جاتی ہے جب رضوانہ امین ان آیات کا ترجمہ پڑھ کر حکیمانہ بصیرت کو اور زیادہ روشن کر دیتی ہیں بشریٰ اختر اناؤنسر کے فرائض انجام دے رہی ہیں، صورت میں بھی پیاری ہیں اور انداز بیان

یں بھی پیاری، میٹھی میٹھی آواز میں بتاتی ہیں کہ کون سی طالبہ کس آئٹم کو پیش کرے گی اور ساتھ میں کچھ تمہید بھی باندھ دیتی ہیں، انداز دلنشیں ہے ——— نوبت تسلیم اسٹیج پر کھڑی ہیں، ان کو کچھ پڑھنا ہے لیجئے انھوں نے اللہ بزرگ و برتر کی ثنا شروع کر دی، وہ خدائے بزرگ و برتر کو پکار رہی ہیں کیسے پیارے پیارے ناموں سے آیئے ہم سب بھی ان کے ساتھ اس حمد میں شریک ہوں، وہ لیجئے طالبات کے ایک زمرے سے چند آوازیں بھی نوبت تسلیم کی حمد کے چند شعر دہرا رہی ہیں:

بے مثل ذات تیری، اعلیٰ صفات تیری ؛ رب رحیم ہے تو، داتا کریم ہے تو

اے خالق دو عالم، اے مالک مکرم

اناؤنسر نے صدیقہ بیگم کو پکارا تو سر سے دوپٹہ اوڑھ کر ایک حوصلے کے ساتھ اسٹیج پر آگئیں، یہ ایک نعت پڑھ رہی ہیں، انداز بھی اچھا ہے اور آواز بھی حضور سرورکائنات کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت پیش کر رہی ہیں، ماحول تھا موش ہو چکا ہے، عقیدت مندان رسول خاموش زبان سے گنگنا رہے ہیں:

لائے تشریف دنیا میں جب مصطفےٰ ؛ سارے عالم کو پھر بندگی آگئی

روبینہ رشید ایک ننھی سی معصوم جان ہے، آج اس کی باجی نے کچھ سبق سکھایا ہے وہ آپ کو سنانے آرہی ہیں، وہ اللہ سے کیوں ڈرتی ہیں:

غیبت مت کر اللہ سے ڈر ــــ چوری مت کر اللہ سے ڈر

اناؤنسر طالبہ آگے بڑھی وہ کہہ رہی ہے کہ رضیہ خاتون ایک پیاری سی بچی اپنی توتلی زبان میں آپ کو کچھ کام کی باتیں بتائے گی وہ باتیں کیا ہیں، سب نہیں تو ایک دو تو آپ نے بھی سنی ہوں گی:

آپس میں مل جل کر رہنا ــــ جھوٹی بات نہ منہ سے کہنا

رضیہ تمرانہ اسٹیج پر آچکی ہیں، کچھ جھجک رہی تھیں، باجی نے سمجھا کر آگے بڑھایا، حسن رخسار اور حسن آواز نے مل کر ایک سماں باندھ دیا ہے، آج یہ ایک چڑیا کے دو ننھے بچوں کی کہانی سنا رہی ہیں چڑیا دانے لانے سے پہلے سمجھا کر گئی تھی کہ دیکھو گھونسلہ سے باہر نہ جانا، ایک بچے نے ماں کی بات نہ مانی اس کا انجام خراب ہوا، رضیہ تمرانہ کو اس بات نے سبق سکھایا کہ ماں باپ کی فرماں برداری بچوں کے لئے بہت ضروری ہے: ــــ گر کر جان گنوائی اپنی ؛ جیسی کرنی ویسی بھرنی

اسٹیج پر دو بچیاں کھڑی ہیں، فلسفی کو خدا کی تلاش ہے مگر اس کو خدا نہیں ملتا، سائنس داں نئے تجربات کرتے ہیں لیکن خدا کے وجود پر کوئی تجربہ نہ کر سکا اسلئے وہ سرے سے خدا کے وجود کا منکر ہے، یہ بچیاں بھی دو چار ثبوت لائی ہیں وحدت وجود کے، ہم کو بتا رہی ہیں: پھول کی خوشبو کو ہم نہیں دیکھ

گئے ۔ ماں باپ کی محبت کو ہم نہیں دیکھ سکتے ، ہواؤں کی رفتار کو ہم نہیں دیکھ سکتے ، لیکن خوشبو بھی ہے محبت بھی ہے اور ہوا بھی ہے ، خدا اگر ان نظروں سے دکھائی نہیں دیتا تو کیا ہوا ، عالم محسوسات میں بہت سے اشارے ملتے ہیں جو خدا کے وجود کی گواہی دیتے رہتے ہیں ۔

عاقبہ رئیس ننھی نمازن ہیں ، ایک سفید دوپٹہ سے سر کو ڈھکے کھڑی ہیں ، روز فجر کے وقت اپنی امی اور ابو کے ساتھ نماز کے لئے اٹھتی ہیں اور بڑے شوق سے نماز کیلئے تیاری کرتی ہیں ؛

کیسے کروں وضو میں اچھی طرح بتا دو ——— کرلوں گی یاد وہ بھی جو کچھ رہا ہے باقی

میں بھی نماز پڑھ کر اللہ کو خوش کرونگی ۔

عمرانہ کوکب سامعین کے سامنے آئیں تو اپنی گڑیا بھی ساتھ لیتی آئیں ۔ انھیں اپنی گڑیا سے بہت پیار ہے ، کیوں ؟ یہ ان سے ہی پوچھئے ، سوال کی ضرورت بھی نہ آئی اور یہ خود ہی بتانے لگی ہیں ؛

ننھی سی ہے جان تمھاری ——— دلکش ہے مسکان تمھاری

کچھ بچے اپنی دادی اماں سے ناراض رہتے ہیں لیکن دادی اماں پیار بھی تو کرتی ہیں ۔ انجم آرا کو اپنی دادی اماں میں بہت سی خوبیاں نظر آتی ہیں ۔ دادی اماں کی خوبیاں گنانے اسٹیج پر آپہونچی ——— لیجئے سنئے ، نظم کا لہجہ گانے کا ہے اور گاگا کر دادی اماں کی باتیں بتا رہی ہیں ، جلسے میں سبھی دادی اماں خوش ہو رہی ہیں ۔

زرینہ خاتون اور بشریٰ تسنیم آپ کے سامنے ایک چھوٹا سا اخلاقی فیچر پیش کر رہی ہیں ، عنوان ہے " اب ضد نہ کرو " ——— زرینہ خاتون ایک دینی اجتماع میں شرکت کے لئے تیار ہو رہی ہیں ، اسی اثنار میں ان کی ایک سہیلی بشریٰ تسنیم آجاتی ہیں اور انھیں اپنے ساتھ پکچر دکھانے کیلئے دعوت دیتی ہیں وہ جلدی کرتی ہیں کہ ان کی ممی اور ڈیڈی تیار بیٹھے ہیں دیر ہو جائے گی جلدی چلنا ہے ، لیکن زرینہ خاتون ان کی ضد سے پکچر دیکھنے کو راضی نہیں ہوتیں ، بشریٰ تسنیم ان سے ناراض ہو کر چلی جاتی ہیں لیکن ننھی بچی کی قوت ارادی مضبوط ہے اس ناراضگی سے وہ ذرا بھی دلگیر نہیں ہوتی ۔

فرخندہ ناہید ایک طوطا لے کر آئی ہیں ، ان کو اپنا طوطا بہت پیارا لگتا ہے اور اس کی باتیں بھی ——— انھوں نے اپنی نظم شروع کر دی ، ہاتھ پر طوطا بیٹھا ہے ، اس کی طرف نظریں ڈال کر طوطے کی تعریف میں کچھ کہہ رہی ہیں ، آہیں قدرت الٰہی کی کرشمہ سازیوں کا ذکر ہے ۔ طوطے کے سامنے اتنے لوگ ہیں وہ حیران ہو کر بے چاری ناہید کی انگلیوں پر چونچ مار رہا ہے لیکن وہ چونچ کی ضربوں سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف ہیں ؛

منہ جب اس کو کوئی چڑھائے ——— وہ بھی اس کی نقل اتارے

نبوت تسلیم اور بشریٰ تسنیم اپنی چند ساتھیوں کے ساتھ اسٹیج پر آئیں ، نظم بہت مزاحیہ اور پرلطف ہے ؛

مجاز کی نظم کے انداز پر لکھی گئی ہے

اے غم دل کیا کروں اے وحشت دل کیا کروں

رات کو سب لوگ سوئیں اور میں پڑھتی رہوں ۔۔۔ نیند سے بوجھل ہوں پلکیں اور میں رٹتی رہوں

ابھی اس مزاحیہ نظم کا چٹخارہ لے ہی رہے ہیں کہ فضیلت تبسم کچھ چٹخارہ اور لے کر آئیں ۔ عنوان ہے "بدلی ہو جو ٹیچر کی نظر دیکھئے کیا ہو" ۔

میں گول جو اسکول سے ہو جاتی ہوں اکثر ۔۔۔ ہو جائے جو ابو کو خبر دیکھئے کیا ہو

نوخیز طالبات کا یہ پروگرام ختم ہوا ۔ پروگرام کا دوسرا جزو شروع ہونے میں چند منٹ باقی ہیں ۔ بنوت تسلیم آپ کے سامنے سر جھکائے کھڑی ہیں ، دونوں ہاتھ معبود حقیقی کے سامنے پھیلائے ہیں اس سے کچھ التجا کر رہی ہیں کچھ دعا کر رہی ہیں ، آئیے ہم سب بھی ان ننھی زبانوں کے ہم زبان ہو جائیں :۔

ایماں سے میرا سینہ روشن تو اتنا کر دے ؛ جس شے میں ہو برائی یارب وہ مجھ کو کھٹکے

چھوٹی چھوٹی معصوم طالبات اپنا پروگرام سنا کر اسٹیج سے ملحق گیلری میں جا کر بیٹھ چکی ہیں ، بڑے درجوں میں پڑھنے والی سمجھدار طالبات آئیں وہی سبق لے کر جس میں اسلام کی روح ہے ، اسلام کا اخلاق ہے اور اسلام کی زندگی ۔ پروگرام کی ابتداء قرآن حکیم کی تلقین سے ہوتی ہے ، اعوذ باللہ کہہ کر عصمت انجم نے کلام برحق کی تلاوت شروع کر دی ، آواز ایک فضا میں گونج رہی گوش عبرت میں جا کر کچھ پیغام سنا تی ہے ، مختلف تصورات ہیں ، مومنین کے لئے نصیحت ہے ۔ غافلین کے لئے صرف بے توجہی ۔۔۔ طاہرہ قرۃ العین ایک ایک آیت کی تشریح کر کے سمجھا رہی ہیں کہ عربی زبان کے نہ سمجھنے والے کلام برحق کی چند ہی آیتوں سے متاثر ہو جائیں ۔۔۔ طاہرہ قرۃ العین ترجمہ ختم کر کے اسٹیج کے باہر چلی گئی ہیں ، اسٹیج پر عصمت انجم کھڑی ہیں حمد وثنا کا ایک دلکش انداز لے کر ۔

تو ہی رب العالمیں تو ہی الہ العلمیں ۔۔۔ کوئی بھی ساجھی ترا فرماں روائی میں نہیں

اے مرے پروردگار اے مرے پروردگار

بشریٰ اختر نے بتایا کہ صدیقہ بیگم ایک نعت سنانے آ رہی ہیں ، جلد ہی صدیقہ نے نعت ایک خوش آواز لہجے میں شروع کر دی ، نعت کے تین جزو ہیں ، پہلے میں حضور کی پیدائش سے قبل عرب کی جہالت کا ذکر ہے ۔ دوسرے جزو میں دور نبوت کی تکالیف ، ان کے صبر آزما مقابلے کا تذکرہ ہے اور تیسرے جزو میں مسلمانوں کا اظہار تشکر ہے

ایک عالم بھی ہو گیا شاداب ؛ رحمت حق کا جب سحاب آیا

پھر تو سب کو ہی بندگی آئی ؛ آپ آئے تو زندگی آئی

اسٹیج پر پردہ ڈال دیا گیا تھا ، چند ہی لمحوں کے بعد پردہ کھلا تو ایک نیا منظر تھا ، عصمت انجم مطالعے

میں غرق ہیں، ان کا انہماک ٹوٹ جاتا ہے جب نوبت تسلیم ایک اخبار پڑھتی ہوئی آتی ہیں اور ان کو بھی پڑھنے کیلئے رجوع کرتی ہیں، خوش ہیں کہ وی آئی آر کے تحت اب کھانے کی اشیاء میں ملاوٹ کو سختی سے روکا جائے گا اور آمیزش کرنے والوں کو سخت سزائیں دی جائیں گی، عصمت انجم ان کو سمجھاتی ہیں کہ قانون ذہنیت نہیں بدل سکتا، قانون دھوکے بازیوں کو نہیں روک سکتا، قانون تو صرف ظاہری چیزوں پر پابندی لگا سکتا ہے ــــ یہ کام تو صرف روحانی تعلیم سے ہو سکتا ہے، خدا کے خوف سے ہو سکتا ہے اور جذبۂ انسانیت سے ہو سکتا ہے ــــ نوبت تسلیم دراصل انکے فون سے آٹے کی شکایت کرنے آئی ہیں جو ان کی امی خرید کر لائی تھیں، آٹے میں کیڑے ہیں اور آٹا بہت کڑوا ہے، وہ فون کرنے کا سلسلہ شروع کرتی ہیں لیکن ہر محکمہ دوسرے محکمہ پر شکایت لکھنے کی ذمہ داری ڈال دیتا ہے، بیچاری حکومت کی اس کمسن لڑکی اور قوانین کی نا اہلی کی شکایت کرتی ہوئی چلی جاتی ہیں۔

ایک اسلامی ترانہ کورس میں سنئے، بشریٰ تسنیم اور فضیلت تبسم کو اسلام ہی سچا دین نظر آتا ہے، طالبات انکی ہمنوا ہیں، آواز کالج کی دیواروں کے باہر بھی گونج رہی ہے اسے

سچا دین اسلام ہمارا ــ سب سے پیارا نام ہمارا
جیسا اپنا دین ہے نغمہ ــ ایسا کوئی دین نہیں ہے

انسان کے پاس طاقت ہے پھر بھی وہ مجبور ہے، اس کے پاس تدبیر ہے لیکن تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہو جاتا ہے، وہ حکمت عملی سے کام لیتا ہے لیکن اگر حکم ربانی نہ ہو تو اس کی دانائی بے کار ہو جاتی ہے، لہلہاتے کھیت کثرت باراں سے سڑ جاتے ہیں، تیز رفتار سواریوں پر آپ کو ناز ہے تو وہ بھی کسی حادثہ کا شکار ہو جاتی ہیں، زردار اپنی مضبوط عمارتوں میں محفوظ ہیں تو وہ بھی کسی برق کی نظر آتش سے جھلس جاتے ہیں، مزدوروں کے ہاتھ بھی سرمایہ داروں کی گردن پر ہو سکتے ہیں، انسان نازاں ہے لیکن خدا کچھ اور چیلنج دے رہا ہے، صدیقہ بیگم نے شروع کردی ایک نظم: تم کھیتوں میں پانی کے بورنگ تو لگا لوگے ؛ ہم کثرت باراں سے غلہ کو سڑا دیں گے تو

اسٹیج ایک بار پھر پردے کے پیچھے چھپ گیا، آہستہ آہستہ پردہ ہٹا، ایک شہزادی کرسی زریں پر جلوہ افروز ہے، آس پاس دو کنیزیں ہیں، ایک ماہی گیر کی بیٹی کو اس کے سامنے لایا جاتا ہے جو دو دن پہلے دریا کی لپیٹ میں آ گئی تھی، شہزادی اس سے اصرار کرتی ہے کہ ماہی گیری کا پیشہ خطرناک ہے وہ اور اس کے گھر والے اس پیشہ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے، اس کا ایک چچا دریا میں مچھلیاں پکڑتے ہوئے مرا، اس کے باپ اور بھائی کو بھی دریا کی خونخوار لہریں نگل گئیں، لڑکی آہ بھرتی ہے اور شہزادی سے سوال کرتی ہے کہ آپ کے دادا جان اور بھائی جان کو کس طرح موت آئی، شہزادی سمجھ لیتی ہے کہ موت جھونپڑی میں بھی اور محل میں بھی ــ شہزادی کی آواز میں تمکنت ہے وقار ہے اور طنطنہ ــــ ماہی گیر لڑکی کی آواز میں عاجزی ہے اور التجا "موت سے فرار ناممکن" ایک

اسلامی اصلاحی مکالمہ پیش کر رہی ہیں بشریٰ اختر اور نصرت جہاں ـــــ بشریٰ اختر ہی ایک نظم پیش کر رہی ہیں آخرت کی زندگی کی ایک تصویر ہے، اپنی گناہوں پر ندامت کا پیغام ہے، جہنم کے عذاب کا خوف ہے لیکن ابھی اشک ندامت بہانے کا وقت ہے، توبہ کرنے کی مہلت ہے تو کیوں نہ اپنے دل کو ادھر پھیر دیا:۔

کچھ اس کی خبر ہے تجھ کو وہ سوز جہنم کیا ہوگا ـــــ جس آگ کا ایندھن انسان ہیں اس آگ کا عالم کیا ہوگا

ایک دلچسپ لطیفے کی عملی تصویر پیش کر رہا ہیں، رضوانہ امین، طاہرہ قرۃ العین اور شاہینہ بیگم، ماں باپ کی یہ لڑکی شکاگو تعلیم حاصل کرنے جاتی ہے، کسی بوڑھے کیمسٹ کے پاس ایک ٹکیہ دیکھتی ہے، کیمسٹ بتاتا ہے کہ اس ٹکیہ کے کھانے سے عمر تیس سال گھٹ جاتی ہے، لڑکی کو فوراً پردس کے دادا کا خیال آتا ہے جو ضعیفی سے بڑے لاچار ہو گئے ہیں، لڑکی چار ٹکیاں ماں کو روانہ کر دیتی ہے، ماں باپ بجائے دادا کو دینے کے وہ ٹکیاں خود ہی کھا لیتے ہیں ـــــ دو چار ماہ بعد لڑکی واپس آتی ہے۔ گھر آتی ہے تو حیران ہے کہ گھر میں کوئی نہیں ـــــ تھوڑی دیر میں ایک اٹھارہ سال کی نوعمر لڑکی اس کو گلے سے لگا کر بہت پیار کرتی ہے، اسکی گود میں ایک دو سال کا لڑکا ہے۔ لڑکی حیران ہے کہ یہ نیا آدمی کون ہے؟ آنے والی لڑکی بتاتی ہے کہ میں ہی تیری ماں ہوں، اور یہ دو سال کا بچہ تیرا باپ ـــــ میں ۴۸ سال کی تھی۔ ایک ٹکیہ استعمال کی تو ۱۸ سال کی رہ گئی اور تیرے باپ ۹۲ سال کے تھے ہوس میں دو ٹکیاں کھا گئے عمر ساٹھ سال گھٹ گئی اور صرف دو سال کے رہ گئے۔

سامعین میں قہقہوں کی جھنکار سی گونجتی ہے لیکن کنیز فاطمہ کی دلسوز آواز مجمع پر ایک سکوت طاری کر دیتی ہے نظم کا عنوان ہے " اے دختر اسلام " ـــــ ہم نوعمر ہوں، عمر دراز، سبھی اسلامی بیٹیاں ہیں، ہم سب ہی ایک پیغام لے کر آئے ہیں، مردہ دلوں میں زندگی بخشنے کا، سوئی ہوئی روح کو جگانے کا، ڈگمگاتے ہوئے ایمان کو مستحکم کرنے کا، اسلئے شاعر پکار اٹھا ہے:

اے غیرت دین، آبروئے مذہب و ملت ـــــ اے دختر اسلام!

ایک اور مکالمہ پیش کیا جا رہا ہے، عنوان ہے:

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی ؛ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

ایک مسلمان کی بیٹی ایک آتش پرست رانی کے روبرو لائی جاتی ہے، رانی اس کو طرح طرح سے ڈراتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کو بدل دے، لڑکی کی رگوں میں حرارت ایمانی کا لہو رواں ہے وہ نہ رانی کی سزاؤں سے خائف ہے نہ اسلام کے انعام و اکرامات سے خوش، اس کے سامنے صرف اللہ کی رضا ہے، ایمان کا تقاضا ہے آخرت کا خوف ہے، وہ دنیاوی عیش کو جو رانی کی طرف سے عطا کیا جائے گا حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے، رانی اسکی بے باکی پر سزائے موت کا حکم سناتی ہے، لڑکی موت کی سختی سے بے نیاز ہے، رانی اس جرأت رندانہ سے

حیران ہے ، لڑکی سے پوچھتی ہے تجھ میں یہ بے باکی کیوں کر آئی ؟ لڑکی جواب دیتی ہے ، میری نظر دوسری زندگی کی کامیابی پر ہے اور رانی کو سمجھاتی ہے کہ مومن کی شان کیا ہے ، ایمان کسے کہتے ہیں ؟ قرآن کیا ہے آخرت کیا ہے ؟

کنیز فاطمہ کی آواز پھر ایک بار ہوا میں گونج رہی ہے : ــــــ " او مانجھی چل " دو لڑکیاں ہاتھوں میں پتوار لئے کھڑی ہیں آنے والی آواز کو سن کر وہ اپنے پتوار چلانا شروع کر دیتی ہیں ۔ نظم زندگی کی ایک بسیط حقیقت کا پتہ دے رہی ہے ۔ یہ دنیا کا ایک سمندر ہے ، انسان ایک مانجھی ہے جو زندگی کی کشتی کو بحیرۂ کائنات میں چلا رہا ہے ۔ ساحل تک پہونچنے کیلئے بے چین ہے ، ساحل تک پہونچنا آسان نہیں ، موجوں کے تھپیڑے ہیں ، تند ہواؤں کے طوفان ، مد و جزر کا شور ، کون جانے کہ وہ کشتیٔ حیات کو ساحل مراد تک لے بھی جائے گا کہ گرداب کے تھپیڑوں میں ہی اس کی کشتی پاش پاش ہو جائے گی ، پھر بھی ہمت ساتھ دیتا ہے ، مانجھی کو ساحل کی طرف بڑھنے کے لئے پکارتی رہتی ہے ۔ ہمت کی آواز پھر آنے لگی :

طوفانوں میں کشتی کھینا ــ پھنس کر بھنوریں ہنستے رہنا ــ موجوں کا احسان نہ لینا
تھام لے ہاتھوں میں پتوار
مانجھی طوفاں سے ہشیار ! ــــ او مانجھی چل

ایک ایک کر کے ذخیرہ ختم ہوتا گیا ، مہمانوں کو سنجیدہ فضا سے نکالنے کے لئے آخر میں ایک دلچسپ ڈرامہ خاکہ پیش کیا گیا ــــ چچی چھمن کے دلچسپ کردار نے مہمانوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیر دی ، کچھ دیر میں چچی نے ایسی پھلجڑیاں چھوڑیں کہ سامعین ہنس ہنس کر لوٹ گئے ، کبھی وہ اپنے زمانے کے خستہ ناپوں کا ذکر کریں ، کبھی وہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی بول کر خوش ہو لیتیں ــ وکیل صاحب کے یہاں دعوت میں گئیں تو سیور کو انگریزی چولھا سمجھ بیٹھیں ــــ ایک دلچسپ خاکہ تھا جس کو سلطانہ حبیبہ نے بہت ہی حسن و خوبی سے انجام دیا ، ان کی وضع قطع ، بول ، چال ، لباس نے چچی چھمن کا ایک مضحکہ خیز حلیہ پیش کر دیا تھا ۔

جلسے سے متعلق پروگرام کا پہلا اور دوسرا جزو ختم ہو چکا ، اس بار کچھ وقت رنگ ہوم کی تعمیر اور تکمیل اور سرمایہ کی فراہمی کی ایک رپورٹ کیلئے وقف کر دیا گیا ہے ، مہمانوں میں کچھ ہلچل ہوئی ، اسٹیج پر دو جانی پہچانی شکلیں نظر آ رہی ہیں ، اسٹیج مجھ سے دور ہے لیکن اب شکلیں صاف نظر آ رہی ہیں ــــ پہلی خاتون تو محترمہ اختر بانو صاحبہ ہیں جو فیض عام نسواں مطلب کی انچارج ہیں ــــ دوسری خاتون صدر فیض عام نسواں ایسوسی ایشن ہیں ، اسٹیج پر دونوں کے آتے ہی خاموشی طاری ہو گئی ، محترمہ اختر بانو صاحبہ نے فیض مطب سے متعلق اپنی رپورٹ پیش کی ، رپورٹ طویل ہے یہاں صرف اس کے اجمال پر ہی اکتفا کرنا ہے : ــــ اختر بانو صاحبہ نے قرآن پاک کی چند آیتوں کی تلاوت کے

بعد ایک پرجوش تقریر کی جس میں نرسنگ ہوم کے قیام کی اشد ضرورت، اس کی اہمیت اور مقاصد پر روشنی ڈالی، نیز دین کے بنیادی تقاضے واضح کئے، غربا کی مدد، صدقۂ جاریہ کا ثواب، ایصال ثواب کا شوق اور آخرت کی کامیابی کی طرف متوجہ کیا ——— کارکنوں کی حوصلہ افزائی، اس کار خیر میں حصہ لینے والوں کی ہمت افزائی اور ان میں جوش و ولولہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ موصوف نے نرسنگ ہوم کے حالات سے باخبر کرتے ہوئے فرمایا کہ جگہ کا انتظام ہونے کے بعد اس کی تعمیر اور سامان کی فراہمی کیلئے کافی سرمایہ کی ضرورت ہے، اہل خیر حضرات اور خواتین نے بڑی رقمیں دے کر اس کار خیر میں معاونت کی۔ محترمہ بیگم تہذیب مقیم صاحبہ نے ایک بڑی رقم سے مدد کی ہے۔ اس جلسہ کے موقع پر ایک بار پھر آپ لوگوں سے اپیل کرتی ہوں، ہماری خواہش ہے کہ کانپور شہر کے کل مسلمانوں تک یہ پیغام پہونچا دیں تاکہ ہر شخص فیضی نرسنگ ہوم سے دونوں جہان میں فیضیاب ہو سکے ——— اجتماعی طور پر کافی روپیہ جمع ہو چکا ہے لیکن ایک نرسنگ ہوم کے لئے ایک کثیر رقم کی ضرورت ہے۔ اس لحاظ سے یہ روپیہ ناکافی ہے، ہم آپ کی مدد اور توجہ کے طالب ہیں، خدا کی تائید غیبی پر بھروسہ ہے، ان شاء اللہ وہ اس کار نیک میں ہماری مدد فرمائے گا۔ آمین ——— محترمہ اختر بانو صاحبہ کی تقریر ختم ہوئی تو مائک صدر صاحبہ کے آگے رکھا ہوا ہے۔ اس موقع پر محترمہ صدر صاحبہ کے تعارف کی ضرورت تو نہیں سمجھتی لیکن پھر بھی اتنا بتانا ضروری ہے کہ آپ اپنا زیادہ تر وقت فیض عام نسواں انٹر کالج کے متعلقہ امور میں صرف کرتی ہیں، مسلمان خواتین میں تبلیغ دین کی انجام دہی میں معروف ہیں اور آج کل فیضی نرسنگ ہوم کے قیام کیلئے کوشاں ہیں۔ ارادے پختہ ہیں، اللہ رب العزت کی مدد پر بھروسہ کرتی ہیں، فرض شناس ہیں اور امانت داری کے تقاضوں کو خوب سمجھا ہے، قوم کو ان کی دیانت پر بھروسہ ہے اسی لئے ان کی ایک آواز پر ہزاروں روپئے کا چندہ جمع ہو جاتا ہے۔ مجمع کی نظریں صدر صاحبہ محترمہ کی جنبش لب کی منتظر ہیں، سب کی نظریں ان کے چہرے کی طرف ہیں، ایک عرق آور پیشانی جو قوم کی فلاح کا منصوبہ بناتی رہتی ہے اور آگے بڑھ کر پیچھے نہ ہٹنے والے قدم، جذبۂ ایمانی اور قوت عمل نے آپ کے منصوبوں کو استحکام بخشا ہے، یہی وجہ ہے کہ فیض عام نسواں ایسوسی ایشن کی کئی اسکیمیں کامیاب ہوئی ہیں، تقریر مختصر تھی:۔

معزز خواتین! سلام مسنون ——— فیضی نرسنگ ہوم سے متعلق اپنی مکمل رپورٹ اختر بانو صاحبہ آپ کے سامنے پیش کر چکی ہیں، میں آپ کو نسواں ایسوسی ایشن کے خاص مقاصد بتانا چاہتی ہوں:

۱۔ تعلیمی ادارہ جات قائم کرنا (یہ کام ہو رہا ہے) ——— ۲۔ غیر مستطیع طالبات کو وظائف جاری کرنا (یہ کام ابتدائی شکل میں ہے) ——— ۳۔ مسلم خواتین میں دینی و علمی ذوق پیدا کرنے کے لئے تقاریر کا سلسلہ قائم کرنا (کام جاری ہے) ——— ۴۔ فیض عام نسواں طبیہ مدرسہ اور نسواں مطب اور نرسنگ ہوم کا جاری کرنا (کام کا آغاز کیا جا چکا ہے) ——— ۵۔ زبان اردو نیز دینی خدمات کیلئے علمی اور ادبی ادارہ کا قیام۔

بھی کوئی کام نہ ہو سکا) ـــــــ ۶. زکوۃ اور بیت المال کا اجتماعی نظام قائم کرنا (کام ہو رہا ہے) ـ
فیضی نرسنگ ہوم کیلئے جو رقم اب تک جمع ہوئی ہے وہ ناکافی ہے آج کانپور کے مختلف حصوں سے خاصی
تعداد میں خواتین جمع ہوئی ہیں، میرا روئے سخن ان کی طرف بھی ہے کہ وہ بھی فیضی نرسنگ ہوم کے قیام میں دامے
درمے مدد فرمائیں، اللہ سب کو جزائے خیر دے، آمین ــــ صدر محترمہ کی تقریر کا کلائمکس اس وقت آتا ہے
جب وہ اپنا ایک فاؤنٹین پین نکال کر ناظرین کے سامنے پیش کرتی ہیں: ـــــ مہمانان محترم! آج میں اپنا
پین فروخت کرنا چاہتی ہوں، ایک عرصہ سے میں اس پین سے ادارے کے مختلف کام انجام دیتی رہی ہے اسکا
کوئی خریدار ہے۔ مجمع پر سکوت طاری تھا ـــ ایک پین وہ کسی، ہمارے قوم کا جس نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ
بلا معاوضہ ادارے کے کام میں صرف کیا ہو، لگتا تھا کہ یہ کوئی قلم نہ ہو ایک بہت عظیم شئے ہے جس کی خریداری
سے زیادہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہے، سبھی اس غیر متوقع نیلام پر مبہوت سے ہیں اسلئے کہ صدر صاحبہ
کی خدمات کا عطر سمٹ کر اس پین اور اس کے نیلام میں آگیا ہے، ان کی آواز گونجتی رہی: ـــ " اس بھرے
مجمع میں ہے کوئی جو میری خدمات کے صلے میں اس پین کو فیضی نرسنگ ہوم کیلئے خرید ے " ــ اس آواز پر سارے
بدن میں ایک جھرجھری سی محسوس ہوتی اور ذہن نہ جانے کن کن تصورات میں ڈوب رہا ہے، کبھی سر سید احمد خاں
کی وہ تصویر سامنے آرہی ہے جبکہ وہ مسلم یونیورسٹی کے قیام کیلئے ملک کے دور دراز گوشوں میں جاتے اور طرح
طرح سے چندہ وصول کرتے ـــ کبھی یہ خیال آتا کہ سر سید کے مقاصد اور صدر صاحبہ محترمہ کے مقاصد تعلیم
میں تھوڑا سا فرق ہے ـ ایک کے یہاں دنیوی ترقی کا تخیل ہے اور دوسرے کے یہاں دینی تکمیل کا ـــ کبھی
خیال آتا کہ سر سید فرنگی دور حکومت میں مسلم نوجوانوں میں تعلیم کو عام کر رہے تھے اور صدر صاحبہ محترمہ مسلم
طالبات میں جمہوری دور حکومت میں آزاد تعلیم کا ایک نمونہ پیش کر رہی ہیں ـــ کبھی تصور سرگوشی کرتا کہ سر
سید اور صدر صاحبہ محترمہ کی مثال برابر نہیں ہو سکتی، علی گڑھ یونیورسٹی اور فیض عام نسواں ادارے کا مقابلہ نہیں
کیا جا سکتا اور چند لمحات میں یہ خیال آجاتا کہ ہر دور میں موسیٰ اور فرعون، ابراہیم اور نمرود پیدا ہوتے ہی رہتے
ہیں جن کے نام تو یہ نہیں ہوتے لیکن ایک ظلم کرتا ہے تو دوسرا ظلم کے خلاف کھڑا ہو کر اپنی قوم کو بچاتا ہے، ایک
خدائی قوتوں کا دعویٰ کرتا ہے تو دوسرا تن تنہا اس دعویٰ خدائیت کو غلط ثابت کر دیتا ہے، سر سید اور
صدر صاحبہ محترمہ کی برابری نہ سہی لیکن دونوں کی زندگی کے مقاصد بار بار اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ دونوں
کے پیش نظر تعمیر قومی کی اسکیم ہے، فیض عام نسواں ادارے اور مسلم یونیورسٹی کی برابری نہ سہی لیکن دونوں اپنے
رہنماؤں کے تعلیمی مقاصد کو انجام دے رہے ہیں ـــ مسلم یونیورسٹی کی جس وقت تعمیر کی گئی اور مسلم اینڈ انگلش
کالج کے نام سے منسوب ہوا اس وقت وہ ابتدائی شکل تھی، اس کے اسٹریچی ہال کو دیکھ کر لوگ مذاق اڑاتے

کہ چند اساتذہ اور گنتی کے طالب علم اور ان کے لئے اس قدر بڑا ہال، آج جب یونیورسٹی کا کوئی پروگرام ہوتا ہے تو وہی اسٹریچی ہال صرف یونیورسٹی اسٹاف کے بیٹھنے کیلئے ناکافی ہوتا ہے۔

ہاں تو میں بتا رہی تھی کہ ادارے اور نرسنگ ہوم کا یہ کام ادنیٰ پیمانے پر سہی مگر ناامیدی نہیں، برگد کا تنا ور درخت ننھے سے بیج میں پنہاں ہوتا ہے، ابر نیساں کا ایک حقیر قطرہ ایک خالص موتی کی تخلیق کا موجب ہوتا ہے، جب قدرت کے یہ اسرار و رموز بے نقاب ہوں تو پھر مایوسی کا کیا قیام۔

دلم بجوئے تو با صد ہزار نو میدی — بایں خوش است کہ امیدواری گذرد

لیجئے میں اپنے تصورات کے ساتھ آپ کو کہاں سے کہاں لے گئی، آیئے لوٹ چلیں اسی طرف — جی ہاں یہ فیض عام نسواں اسکول ہے، یہ اس کا اسٹیج اور اس کا سالانہ جلسہ ہے اور صدر صاحبہ محترمہ کے ہاتھ میں ایک مینا ہے جسکو وہ نیلام کر رہی ہیں فیضی نرسنگ ہوم کیلئے، وہ بار بار آواز لگا رہی ہیں "کیا اس کا کوئی خریدار نہیں ؟" — خریدار تو بہت ہیں محترم اماں لیکن فرط عقیدت سے زبانیں خاموش ہیں وہ آواز لگاتی ہیں اور مجمع میں حال یہ ہے کہ :

یاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں — واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

کچھ ہمت کر کے ڈاکٹر جمیلہ بیگم صاحبہ آگے بڑھتی ہیں اور خریداری کیلئے ۱۰۱ روپے کی رقم لگاتی ہیں، اب مجمع کی خاموشی ختم ہو چکی ہے ایک کے بعد ایک عقیدت مند آگے بڑھ کر کچھ اور بڑی بولی لگاتے رہے۔ آخری بولی ۵۰۰ روپے پر بیگم محمد متین صاحب پر ختم کی گئی، اب مینا ان کے ہاتھ میں جا چکا ہے اور میرا ذہن ایک بار پھر مجھے مولانا آزاد لائبریری کی طرف لے جا رہا ہے، مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ لائبریری کے سرسید روم میں کھڑی ہوں، یہ کمرہ سرسید کی ذاتی چیزوں کیلئے مخصوص ہے، گائیڈ کہہ رہا ہے یہ سرسید کا صوفہ ہے اور یہ ان کی میز ہے جس پر بیٹھ کر تصنیف و تالیف کا کام انجام دیتے۔ یہ ان کا قلمدان ہے۔ یہ ان کا کتب خانہ ہے۔ یہ ان کے رسالے ہیں۔ یہ وہ کھاتا ہے جس سے مسلم اورینٹل کالج کی بنیاد رکھی گئی تھی — میرا مضطرب ذہن پھر منصوبے بنانے لگا، کاش ایسا ہی کوئی میوزیم ادارے میں بھی ہوتا تاکہ رہنمائے قوم اور ہمدردان ملت کی قلم جیسی بیش بہا چیزوں کو محفوظ رکھا جا سکتا۔

محترمہ تہذیب النساء صاحبہ جو ادارے کی نائب صدر ہیں اور محترمہ صدر صاحبہ کی دست راست انھوں نے اپنی طلائی انگشتری بھی نرسنگ ہوم کے لئے پیش کی، اس طرح اس کا نیلام بھی کیا گیا اور آخری بولی بیگم ریحانہ احسانا صاحبہ پر ۲۵۰ روپے پر ختم ہوئی، محترمہ نائب صدر صاحبہ نہ صرف ادارے کے کاموں میں معاونا ہیں بلکہ ادارے کو کافی بڑی رقمیں عطیہ میں دے چکی ہیں اور دیتی رہتی ہیں، ان کی مالی امداد اور تعاون کو دیکھ کر کچھ

سر آغا خان کی یاد آجاتی ہے، آغا خان اسمٰعیلیہ فرقے کے سربراہ تھے، ان کی قوم انھیں سالگرہ کے موقعوں پر سونے چاندی اور ہیروں سے تولتی لیکن وہ سر سید کی مہم میں اس طرح چندہ وصول کرتے جیسے کہ وہ کوئی مزدور ہوں ـــ ایک جگہ لکھتے ہیں :ـــ "دوسروں کو اپنا ہمخیال بنانے اور سرمایہ فراہم کرنے کا کام جوئے شیر لانے سے کم نہ تھا، میں نے پورے ہندوستان کی خاک چھانی۔ عظیم مسلم لیڈروں، غریبوں اور امیروں۔ راجاؤں اور کسانوں کے سامنے دست طلب بڑھایا، میں نے کل تیس لاکھ روپئے جمع کئے۔ یہ کام میں نے برسوں کی جانفشانی اور محنت سے کیا، میں ہفتوں سفر میں رہتا، ٹرینوں میں ہی کھاتا، پیتا اور سوتا، جس جگہ بھی ٹرین رکتی میں پلیٹ فارم پر جمع ہونے والے مسلمانوں کو خطاب کرتا"

اس نیلام کے بعد کچھ اور رقمیں جمع ہوئیں امید تو زیادہ رقم کی تھی لیکن ایسا نہ ہو سکا لیکن ادارے کی کارکن قیام نرسنگ ہوم اور اس کے اخراجات کی طرف سے مایوس نہیں ہیں، آگے بڑھنے کے لئے جس حوصلہ اور جرأت کی ضرورت ہے وہ ان میں موجود ہے، وہ ارتقاء کے فرمان کو پہونچاتی ہیں۔ اس لئے ادارے کے اخراجات میں، تبلیغ کے کاموں میں، نرسنگ ہوم کے قیام میں مصالح عناصر ہی نظر آتے ہیں۔

بہت سے کام ابھی نامکمل ہیں۔ ان کے لئے نوجوانوں کے حوصلے، تعلیم یافتہ دماغوں کی کاوشیں اور تعمیری کاموں سے دلچسپی لینے والی خواتین اور طالبات کی ضرورت ہے، جو کام اس وقت ہمارے ادارے کی ممبران خواتین کر رہی ہیں اس میں ہم بھی تعاون کر سکتے ہیں، بہت نہ سہی کچھ ہی سہی۔

اے طالبات خیر آئیے ان کاموں پر غور کیجئے، بن پڑے تو ان سے بہتر کام کیجئے، ان کے کاموں پر اعتراض اور نکتہ چینی آپ کو ہی کمزور کر دے گی، ان کی ہمت، بے غرض خدمت کا تصور، آپ کی حوصلہ افزائی کے لئے ضروری ہے۔ جس وادئ پرخار میں ادارے کی مائیں اور بہنیں برہنہ پا چل رہی ہیں وہاں قدم قدم پہ کانٹے ہیں لیکن اعلیٰ تمناؤں کا چہرہ صعوبتوں کے جھرمٹ میں دکھائی دیتا ہے۔

مرحبا اے خواتین معزز اور آفریں اے ہمدردان ادارہ! رب رحیم آپ کو ان خدمات کا بہتر اجر عطا فرمائے اور آپ کی کوششیں بارآور ہوں۔

ایک بار پھر اس محترم ہستی کی طرف لوٹ چلیں جو ہمہ تن مصروف ہیں ادارے اور "نرسنگ ہوم" کی ذمہ داریوں میں اپنے کو بھولی ہوئی ہیں، اپنے آرام کو بھولی ہوئی ہیں، بڑھاپے کی کمزوریوں کو بھولی ہوئی ہیں ـــ آئیے ہم سب ادھر چلیں، ان سے اپنی عقیدتمندی کا اظہار کرنے، ان کے جذبۂ خلوص کو مبارکباد دینے اور ان کے منصوبوں کی تکمیل میں دعائیں کرنے ـــ یہ ہیں ادارے کی محترم ماں جنھیں بچے اماں بی کہہ کر پکارتے ہیں۔

ہماری قوم کے پاس سرمایہ تھا لیکن اس کے مصرف کا کوئی بہترین طریقہ نہ تھا ، قوم کے پاس شعور تھا لیکن اسے راستی پر لگانے کے لئے کوئی راہ نہ تھی ، قوم کے پاس بیٹیاں تھیں لیکن انھیں اسلامی قدروں سے روشناس کرانے کا کوئی ذریعہ نہ تھا ، قوم کی خواتین کے پاس صلاحیتیں تھیں لیکن ان سے کام لینا کسی کو نہ آتا تھا ——— اور آج جب ہم ان کے تعمیری کاموں پر نظر ڈالتے ہیں تو روح پکار اٹھتی ہے

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں ہے ۔

مورخہ ۲۹ر مارچ کو شب میں حسب معمول شمسی بیت المال کی ماہانہ میٹنگ شروع ہوئی، تمامی اراکین موجود تھے اِلاّ قاری محمد الٰہی صاحب کے جو غالباً کسی شرعی مجبوری کی بنا پر نہیں تشریف لا سکے تھے ——

یہ اللہ رب العزت کا خاص کرم ہے کہ اراکین بیت المال کے قلوب میں احساس ذمہ داری بدرجۂ اتم موجود ہے، کسی بھی ادارے کی بقا، کیلئے یہ بات کافی اہمیت رکھتی ہے، ورنہ آپ جانئے کسی دل جلے نے خوب کہا ہے کہ "یہ میٹنگیں اور نشستیں کام نہ کرنے کے منظم طریقے ہیں" —— مگر الحمد للہ بیت المال اس معاملہ میں خاصا خوش نصیب واقع ہوا ہے، درحقیقت اس کو اللہ میاں کا فضل ہی کہنا چاہئے۔

سب سے پہلے الحاج محمد نفیس و فیروز الدین صاحبان کی رضاکارانہ بنیاد پر استعفوں کی پیش کش پر سنجیدگی سے غور کیا گیا، یہ معاملہ کافی عرصے التوا میں پڑا ہوا تھا، مزید آٹھ اراکین نے بھی رضاکارانہ طور پر اپنے استعفے پیش کر دئیے، بعدہ کافی غور و خوض و بحث و مباحثہ کے بعد تمامی اراکین نے یہ متفقہ فیصلہ کیا کہ پہلے اس دستور کو جس میں سابقہ نشستوں میں کافی ترمیمیں کی گئی تھیں اس کو مکمل کر کے پیش کیا جائے اسکے بعد فیصلہ کیا جائے گا۔

شمسی اسپتال کی تعمیر کے سلسلہ میں تاخیر پر سخت اضطراب ظاہر کیا گیا اور یہ طے کیا گیا کہ ان چاروں حضرات کی ایک ہنگامی نشست بلائی جائے ـــ اسپتال کی جگہ خریدنے کے ساتھ ساتھ اسکی تعمیر میں بیش از بیش تعاون کا وعدہ فرمایا تھا۔

شمسی مسلم فنڈ کے سلسلہ میں ابتدائی خطوط کی تیاری کیلئے طے کیا گیا کہ اراکین بیت المال کی ایک ہنگامی نشست جلد از جلد حافظ محمد عقیل صاحب جوہری بلائیں تاکہ اس سلسلہ میں بھی پیش رفت ہوسکے

بعدہٗ آئی ہوئی درخواستوں پر کمال سنجیدگی و دردمندی کے ساتھ غور و خوض کیا گیا، الحمدللہ اس نشست میں ایک بھی درخواست ایسی نہیں تھی جو مسترد کی گئی ہو۔

۱ ـــ ماہانہ وظائف کی سابقہ دس درخواستوں کی تجدید کی گئی۔

۲ ـــ شادی کیلئے دو درخواستوں پر اثباتی رویہ اختیار کیا گیا۔

۳ ـــ علاج کیلئے تین درخواستیں منظوری کی حامل ٹھیریں۔

۴ ـــ قرض کے سلسلہ میں ایک درخواست قابل پذیرائی تصور کی گئی

۵ ـــ وقتی امداد کیلئے آئی ہوئی ایک درخواست پر مثبت رویہ اختیار کیا گیا

۶ ـــ دیگر مدات کی تیرہ درخواستیں مزید تحقیق کیلئے مناسب خیال کی گئیں اور مختلف حضرات کو ان کی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

اختتامی دعا حسب معمول حاجی اشتیاق حسین صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں کی ـــ صاحب خانہ کی میزبانی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس نشست کا اختتام ہوا۔

دو نعتیں

یونس قنوجی

تفسیر الم نشرح چہرہ ہے محمدؐ کا — آئینۂ قرآں میں نقشہ ہے محمدؐ کا
مقصودِ نظر یونس روضہ ہے محمدؐ کا — تسکینِ دلِ محزوں کوچہ ہے محمدؐ کا
رشکِ مہ و انجم ہیں محسودِ ملائک ہیں — وہ خاک نشیں جن پر سایہ ہے محمدؐ کا
شبنم کی لطافت سے خورشید کی گرمی تک — با شانِ دلآویزی جلوہ ہے محمدؐ کا
یہ حسن یہ رعنائی یہ انجمن آرائی — فردوسِ بریں شاید کوچہ ہے محمدؐ کا
تنقید سے بالاتر ترمیم سے بالاتر — سیرت ہے محمدؐ کی اسوہ ہے محمدؐ کا
تا عرشِ بریں جس سے پُر کیف اجالا ہے — وہ مرکزِ نورانی روضہ ہے محمدؐ کا
لا کہتے ہی کٹتی ہیں آلام کی زنجیریں — کس درجہ سکوں پرور کلمہ ہے محمدؐ کا
خورشید کی تابانی ممنونِ کفِ پا ہے — مہتاب کے سینے پہ ٹھپہ ہے محمدؐ کا
صدیقی و شبیری فاروقی و سلمانی — جس رنگ میں جو چاہے تحفہ ہے محمدؐ کا

میدانِ حوادث میں باوصفِ تہی دستی
یونس کی رجز خوانی صدقہ ہے محمدؐ کا

واحد پریمی

اللہ اللہ! کتنا اونچا ہے مقامِ مصطفیٰؐ
شاہوں کا بھی شاہ ہوتا ہے غلامِ مصطفیٰؐ

ساری دنیا کو کیا انسانیت سے آشنا
ساری دنیا پر ہے واجب احترامِ مصطفیٰؐ

اسکو دنیا کی کوئی طاقت مٹا سکتی نہیں
جسکے دل پر ہو گیا ہے نقش نامِ مصطفیٰؐ

کسلئے وہ ہاتھ پھیلائے کسی کے سامنے
آبِ کوثر کا امیں ہے تشنہ کامِ مصطفیٰؐ

ذرہ ذرہ یہ گواہی دے رہا ہے دہر کا
انبیاء میں سب سے افضل ہے مقامِ مصطفیٰؐ

انبیاء میں اولیں ہیں اور ختم المرسلیں
ہے ازل سے تا ابد اوجِ دوامِ مصطفیٰؐ

آفتیں ٹل جائینگی سب گردشیں تھم جائینگی
صدقِ دل سے کر لے واحد وردِ نامِ مصطفیٰؐ

صرف

زلفی ہیر ٹانک اور زلفی شمپو پاوڈر

ھی ضروری ھے کیونکہ یہی وہ واحد تیل ہے جو بالوں کو گرنے سے روک سکتا ہے اور بال بڑھانے میں مدد دے سکتا ہے کیونکہ زلفی صرف تیل ہی نہیں بالوں کی غذا بھی ہے۔

تیار کردہ:۔ شمع (یونانی اینڈ آیورویدک) لیبارٹریز دھلے

سول ایجنٹ:۔ کانپور میڈیکل اسٹورس، مول گنج۔ کانپور

تنقید و تبصرہ

قدر و قیمت

تبصرہ نگار کے قلم سے

نام کتاب ——— شہپر
مصنف ——— حرمت الاکرام
ناشر ——— پی، کے پبلیکیشنز ۲۰۷۲۔ پرتاپ اسٹریٹ ، دریا گنج ، دہلی۔
ضخامت ——— ۲۴۰ صفحات
قیمت ——— ۸ روپئے

شہپر سید حرمت الاکرام کی پابند و آزاد نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے جو اتر پردیش اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوا ہے۔

جوہر مرئی ہو یا غیر مرئی، جب تجربات و مشاہدات اور فنکارانہ صلاحیت کی آنچ سے پگھل کر کوئی پیکر اختیار کرتا ہے تو ہمیشہ ایک شاہکار بنتا ہے ——— شہپر بھی ایک شاہکار ہے جسے حرمت الاکرام نے اپنے جوہر جذبات کو فکر و فن کی آگ پر تپا کر شعریت کے حسین پیکر میں ڈھالا ہے۔

حرمت الاکرام کی شاعری قدیم و جدید انداز فکر اور اسلوب بیان کا ایک خوبصورت امتزاج ہے ، ان کی نظموں کا انداز بڑی حد تک فلسفیانہ ہے تاہم فلسفہ کی خشکی اور قنوطیت پر الفاظ کی نغمگی و رجائیت غالب ہے جسے بجا طور پر فنکارانہ صلاحیت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

غزل میں حرمت کا رنگ و آہنگ زیادہ شوخ اور تیکھا، زیادہ دلنشین اور زیادہ دلآویز ہے۔ زندگی کے تلخ اور کربناک حقائق کو غزل کے سانچے میں اس طرح ڈھالنا کہ تغزل اور شعریت کی آب و تاب نمایاں رہے کوئی آسان بات نہیں لیکن یہاں بھی حرمت الاکرام نے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے ——— اردو ادب کی ترقی پذیر صلاحیت کا اندازہ کرنے والوں کے لئے شہپر کا مطالعہ ایک افادی اہمیت کا حامل ہوگا۔

نام کتاب ——— علماء کی نئی نسل کہاں ہے؟
مصنف ——— ندیم الواجدی
شائع کردہ ، مجلس فکر، لال مسجد ، دیوبند۔

قیمت ——— چالیس پیسے
ضخامت ——— ۲۴ صفحات

ندیم الواجدی کا تعلق علماء کی اسی نسل سے ہے جس سے وہ اس کتابچہ کے ذریعہ مخاطب ہیں مذکورہ کتابچہ درا صل اس مضمون کی ایک دوسری شکل ہے جسے شائع کرنے کی عزت سب سے پہلے الف رنگ کو حاصل ہوئی۔

بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مصنف نے آنے والے خطرات کو بر وقت محسوس کرتے ہوئے اس گروہ کو توجہ دہانی کے ساتھ ساتھ تنبیہ کیا ہے جس کے کاندھوں پر اسلامی اقدار کے تحفظ اور اس کے اصولوں کو عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے جاری و ساری کرنے کی ذمہ داری ہے، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ فکری انتشار اور ذہنی انارکی کے اس دور میں بھی عام مسلمانوں کے دلوں میں علماء کرام کی عزت، وقعت اور احترام کے جذبات کار فرما ہیں ——— پھر یہ بھی ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ علماء کرام نے اپنے اردگرد برتری و تقدس کے نام پر ایک ایسا حصار قائم کر لیا ہے جہاں عام لوگوں کی رسائی ممکن نہیں، اصلاح ملت کے لئے اس حصار کو توڑنا اور علماء کو عام مسلمانوں کی صفوں تک لانا از بس ضروری ہے۔

ندیم صاحب نے خوبصورت پیرایۂ بیان کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی ہے جسے ایک مبارک آغاز کہا جا سکتا ہے لیکن گمراہی کے سرچشموں کی نشاندہی کرنا صرف مرض کی تشخیص کے مترادف کہا جائے گا، علاج اسی وقت ممکن ہے جب گمراہی اور لادینیت کے سرچشموں کے بالمقابل ایک مضبوط حصار تعمیر کیا جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب ان اسلام دشمن تحریکوں کا ہر اس میدان میں مقابلہ کیا جائے جہاں جہاں یہ اقدامیت کی پوزیشن میں ہیں، صرف مضامین، تقاریر اور کتابچوں سے ان حریف قوتوں کا مقابلہ ممکن نہیں جو زندگی کے تمام شعبوں میں قول و عمل کے ذریعہ ہلچل پیدا کر رہی ہیں۔

مجموعی طور پر یہ ایک فکر انگیز اور توجہ طلب کتابچہ ہے جس کے ذریعہ اس طوفان کی نشاندہی کی گئی ہے جو دین برحق کی روشن تعلیمات، آفاقی اصول اور صالح روایات کو غرق کر دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے۔

نام کتاب ——— مجموعۂ حمد و نعت
مرتب ——— مولانا فدا حسین صاحب
فاضل ادب، منشی فاضل اٹاوہ
ملنے کا پتہ ——— مکتبۂ قرآن کٹرہ شہاب خاں (اٹاوہ)
ضخامت ۳۲ صفحات
قیمت ——— ایک روپیہ،

حمد و نعت کا یہ مجموعہ مختلف قدیم و جدید شعراء کے نعتیہ کلام کا ایک خوبصورت گلدستہ ہے جسے مولانا فدا حسین صاحب نے مختلف اخبارات و رسائل سے انتخاب کر کے کتابی شکل دی ہے۔ نعتیں اگرچہ زیادہ تر روایتی انداز کی ہیں تاہم افراط و تفریط سے بڑی حد تک پاک ہیں۔

"چالیس حدیثیں" مرتبہ مولانا فدا حسین صاحب
ملنے کا پتہ ـــــ مدرسہ عربیہ قرآنیہ اٹاوہ
ـــــ مدرسہ اسلامیہ نسواں کٹرہ شہاب خاں
ضخامت ۱۶ صفحات ۔ قیمت ۲۵ پیسے

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ چالیس مستند احادیث جن کا تعلق اصلاح معاشرہ اور ہماری روزمرہ کی زندگی سے ہے منتخب کر کے شائع کی گئی ہیں، یہ ایک ایسا کتابچہ ہے جس کا ہر مسلمان گھرانے میں رہنا اور پڑھا جانا ضروری ہے۔

The Spirit of the Holy Quran
مولانا فدا حسین صاحب کی انگریزی تصنیف ہے جس میں سورہ فاتحہ، عصر، اخلاص، فلق، ناس اور آیۃ الکرسی کا نہایت سادہ مگر شستہ انگریزی میں ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔ ۱۶ صفحات کی ضخامت کے ساتھ قیمت صرف ۵۰ پیسے۔ ملنے کا پتہ:۔ مولوی فدا حسین کٹرہ شہاب خاں۔ اٹاوہ۔

مجھے پہلو رنگی والے شاعر حرمت الاکرام کی یہ ادا پسند ہے کہ وہ کلاسکیت میں جدت اور جدیدیت میں کلاسکیت کو شیر و شکر کرکے پیش کر سکتے ہیں۔ ان کی طویل نظم "کلکتہ ایک رباب" کو دیکھئے، قاموس کو بلیغ شعریت میں ملفوف کر دیا ہے۔ جب کبھی اس نظم کو دیکھنے لگتا ہوں ہر بار ایک نئی دنیا کی دریافت کرتا ہوں "شہپر" فکر و اسلوب کی اس انفرادیت کا ایک خوشنما روپ ہے۔

ڈاکٹر گیان چند جین

شہپر ——

اردو کے منفرد شاعر حرمت الاکرام کی مفکرانہ نظموں اور غزلوں کا تازہ مجموعہ جو اپنے نام کی مانند دو رس شعری معنویتوں کا مظہر ہے۔

ضخامت: ۲۴۰ صفحات — دلکش گٹ اپ۔ قیمت ۸ روپے

رجسٹری کے مصارف بذمہ خریدار

حرمت الاکرام، رام باغ، مرزاپور یو۔پی

میری رائے میں حرمت الاکرام اس عہد کے ان چند گنے چنے شاعروں میں سے ہیں جو بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ —— ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

پروفیسر کرامت علی کرامت

شہپر ——

اردو کے منفرد شاعر حرمت الاکرام کی مفکرانہ نظموں اور غزلوں کا تازہ مجموعہ جو اپنے نام کی مانند دو رس شعری اڑانوں کا مظہر ہے

ضخامت: ۲۴۰ صفحات دلکش گٹ اپ قیمت ۸ روپے

رجسٹری کے مصارف بذمہ خریدار

حرمت الاکرام، رام باغ، مرزاپور یوپی

نعتیں

وارث ریاضی

زباں پر پھر مری بے ساختہ یہ کس کا نام آیا
زمیں نے دی دعائیں آسمانوں سے سلام آیا
جلو میں رحمتیں ہیں، برکتیں ہیں شادمانی ہے
خوشا صلِ علیٰ یہ کون سوئے بزم عام آیا
الٰہی آج مینا نے میں کس کے فیض کے صدقے
لبوں تک میکشوں کے بادۂ عرفاں کا جام آیا
مٹیں گمراہیاں تاریکیاں، روشن ہوئی دنیا
جہاں میں آج وہ رشد و ہدایت کا امام آیا
غریبوں کی مدد کی بیکسوں کی دستگیری کی
مریضوں کے لئے لے کر شفا کا وہ پیام آیا
نوید انسانیت کو اور خوشخبری زمانے کو
امام الانبیاء، خیر الوریٰ خیر الانام آیا
منور کیوں نہ ہو جائیں دو عالم آج اے وارث
جہاں میں آسمان رشد کا ماہ تمام آیا

قمر سنبھلی

فیض ان کے آستان پاک سے پانے چلے
ہر قدم کہتے ہوئے "لبیک" دیوانے چلے
سوئے طیبہ آنسوؤں کے لے کے نذرانے چلے
کاروان درکا رواں آج ان کے متانے چلے
ان کی خوش بختی پہ کیوں کونین کو آئے نہ رشک
جو شہ بطحا کے دامن میں سکوں پانے چلے
سوز دل کا اقتضار شمع نبوت کی کشش
جانب ارض حرم کھنچ کھنچ کے پروانے چلے
نور لے کر آستاں کی خاک سے اہل نظر
دل کے زنگ آلود آئینوں کو چمکانے چلے
ان سے پہلے کس قدر بے رنگ تھے اوراق زیست
ان کے آنے سے جہاں میں حق کے افسانے چلے
اے قمر بن کر نقیب عظمت انساں حضور
جلوہ گاہ قدس کے پردوں کو سرکانے چلے

مکتوبات

کچھ لوگ کچھ باتیں

آپ کے خطوط

دار العلوم / دیوبند

محترمی! سلام مسنون

مارچ ۷۷ء کا شمارہ موصول ہوا بہت بہت شکریہ!

احمد علی کرسی صاحب کا مضمون پڑھا — زبان و ادب کا مذاق ہمیشہ برقرار رہتا ہے — احمد علی صاحب کا مضمون تقریباً پچاس برس پہلے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے ، ویسے مواد اچھا ہے۔

محترم مظہر الاسلام حسینی صاحب کا مضمون پسند آیا ، موصوف نے اقبالیات پر بہت کچھ لکھا ہے ۔ غالباً ان کی دوسری بھی تحریریں ناموں کے فرق کے ساتھ دوسرے رسالوں میں پڑھی ہیں۔

حسنِ نظم کو اور بلند فرمائیں۔

محترم انجم اعظمی نے ندیم الواجدی صاحب کے مضمون کو غور سے نہیں پڑھا ہے اور اگر پڑھا ہے تو کچھ سمجھ نہیں سکے ہیں —

وسیم احمد اعظمی۔

محترمی جناب فیروز صاحب

تسلیم و نیاز!

الحمد للہ مارچ کا رنگ رنگ نظر نواز ہوا —

بہت بہت شکریہ ، رسالہ کا ورق الٹتے ہی میری نظر اسلام کا نظریۂ معاش مضمون پر پڑی ، شروع سے آخر تک کئی بار پڑھا ، یہ مضمون ایک طرف تو اسلام دشمنوں کے لئے تازیانہ ہے ، دوسری طرف ان لوگوں کیلئے جو اسلام کو فقط رہبانیت اور تنگ نظری کی عینک سے دیکھتے ہیں ، بصیرت اور ہدایت کا ذریعہ ہے ، قرآن و حدیث کی روشنی میں معاشی اور اخروی نظریہ کو جو نذرِ قرطاس کیا ہے لائق تحسین ہے — نیز ساتھ ہی صاحب ترجمہ عزیزم مولوی وسیم احمد سلمہٗ نے جو قلمکاری کا پورا پورا حق ادا کیا ہے باعثِ صد افتخار ہے ۔ اللہ تعالیٰ موصوف کے علم و عمل میں ترقی عطا فرمائے نیز اس رسالہ کو بام عروج پر پہونچائے۔

عبید الرحمٰن اعظمی۔

دیوبند ۱۶ر مارچ ۷۲ء

فیروز بھائی! سلام مسنون

مارچ کا رگ سنگ ملا، اگرچہ بڑی تاخیر ہوگئی مگر کاغذ کی اس ہوش ربا گرانی اور قلت کے زمانہ میں آپ کو الزام دینا حماقت ہے۔

محترم سالک صاحب کا "قطرہ سمندر میں" ختم ہوگیا جس کا بے حد افسوس ہے ــــ عشق رسول میں ڈوبے ہوئے جذبات جب تحریر کا جامہ پہن لیتے ہیں تو وہ اتنے ہی اثر آفریں ہوا کرتے ہیں، محترم سالک صاحب نے ہم جیسے کتنے لوگوں کو اس مقام کی سیر کرادی جہاں پہونچنا ہر ایک کی قسمت میں نہیں ہے۔

وسیم احمد صاحب اعظمی کا ترجمہ "اسلام کا نظریۂ معاش" پیش نظر ہے، مضمون میں اچھا مواد جمع کر دیا گیا ہے، صاحب ترجمہ نے ترجمہ کا حق ادا کیا ہے جس کیلئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں ــ "حقوق والدین اور شریعت بیضا" کی زبان بہت ہی پھیکا ہے، اونچے اونچے الفاظ استعمال کرنے سے تحریر میں حسن نہیں پیدا ہوتا، کیونکہ وہ الفاظ ٹھونسے ہیں اسلئے تحریر میں یکسانیت سے ہی نہیں عنوان بھی سادہ ہونا چاہئے۔

انجم عثمانی صاحب نے میرے مضمون ــ "جاہلیت کے نئے روپ" (شائع شدہ فروری ۷۲ء) پر اظہار خیال کیا ہے، مضمون انھیں پسند آیا اسکا شکریہ ادا کرتا ہوں، مگر افسوس یہ ہے کہ انھوں نے میرا یہ مضمون غور سے پڑھنے کی کوشش نہیں کی، اگر وہ غور سے پڑھتے تو شاید ان سوالات کو چھیڑنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی جو موضوع سے خارج ہیں مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے کہ مضمون اس لئے سے متاثر ہوکر لکھا گیا ہے کہ مدارس اسلامیہ سے فارغ شدہ حضرات لادینیت کا لٹریچر پڑھ کر ملحد ہوجاتے ہیں ــــ میں اسکا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ جو لوگ اسلامی مدارس میں تعلیم پائیں وہ اس طرح گمراہ ہوجائیں، ہاں کچھ ایسے غیر صالح عناصر ـ جن کی معاشرے میں کمی نہیں ہے ــ مدارس میں آجاتے ہیں جو کچھ لینے یا حاصل کرنے نہیں آتے بلکہ اپنی عمریں گنوانے آتے ہیں ــــ مضمون میں ایک عظیم مدرسے کے ایک طالب علم کی جو مثال دی گئی ہے وہ ایسا ہی غیر صالح اور فاسد عنصر تھا، اس نے کچھ حاصل نہیں کیا، مگر کیونکہ اس نے ایک عظیم مدرسہ میں زندگی گذاری تھی، اس کے نہ چاہنے کے باوجود اسے کچھ مل گیا تھا، ایسے شخص بہرحال ان افراد سے فائق ہیں جو دین کے معاملہ میں صفر کی حیثیت رکھتے ہیں بات بے دین لٹریچر اور نصابوں کے نفوذ، جاذبیت اور کشش کی تھی اور وہیں یہ مثال دی گئی تھی ــــ اس سے مطلب نہیں نکالا جاسکتا جو نکالا گیا ہے۔

یہ بات بہرحال اہم ہے کہ مدارس سے نکلنے والے جو افراد ذہنی، روحانی اور تربیتی خلا رلے کر نکلتے ہیں وہ بعد میں غیر صالح اختیار سے پر ہوتا ہے، یہ خلا کیوں وجود میں آتا ہے؟ یہ کمی کہاں ہے کس میں ہے اور اس کو کس طرح دور کریں؟ یقیناً بہت اہم سوال

از جل گاؤں

محترم بوہرہ صاحب! السلام علیکم
رگ سنگ پابندی کے ساتھ مل رہا ہے لیکن ادھر کچھ دنوں سے شاید اشاعت میں بے ربطی پیدا ہو گئی ہے جس کی وجہ سے گذشتہ چند شمارے تاخیر سے پہونچے ہیں تاہم یہی بہت ہے کہ پرچہ آپ شائع کر رہے ہیں ـــــ حقیقت یہ ہے کہ رگ سنگ کا اپنا ایک لہجہ اور آہنگ ہے ـــــ خدا سے دعاء ہے کہ رگ سنگ برابر ترقی کے مدارج طے کرتا رہے

والسلام

خیر اندیش غلام نبی

کانپور / کھنیا بازار

جناب ایڈیٹر صاحب ماہنامہ رگ سنگ
السلام علیکم ـــــ لوگوں کی عام معلومات کیلئے آپ کے موقر جریدے کے ذریعہ اطلاع دیتا ہوں کہ میرے یہاں تقسیم کار کے پرچے بلا کسی قیمت و معاوضہ کے ملتے ہیں۔
علاوہ ازیں چونکہ علیل چل رہا ہوں اسلئے تقریبات کے سلسلہ میں تقسیم کار کے جو پرچے میرے نام آتے ہیں ان کے مطابق میں اپنے فرائض کی انجام دہی سے معذور رہتا ہوں اور تقریبات میں شرکت بھی نہیں کر پاتا اس لئے فی الحال مجھے اس قسم کی خدمت سے معذور سمجھ کر معاف فرمایا جائے ـــــ انوار حسین چاند کمپنی

ناگپور

مکرمی! السلام علیکم
مارچ کا تازہ شمارہ ملا، شکریہ!
احمد علی خاں کرستی کا مضمون "حقوق والدین، اور شریعت بیضاء" پڑھ کر حیرت ہوئی، موصوف نے چین کے واقعہ سے منسوب کرتے ہوئے جس عورت اور اس کے بیٹے کی کہانی بیان کی ہے اسکا حقیقت سے دور کا بھی واسطہ نہیں، ایک ایسے عنوان کے ساتھ اس طرح کا لایعنی اور بعید از عقل واقعہ جوڑ دینا کم از کم دار العلوم کے طالب علم کو زیب نہیں دیتا۔
سلیمان سالک صاحب نے "قطرہ سمندر میں" کے اختتام کا اعلان کر کے ایک خلش سے دوچار کر دیا ہے ـ کاش یہ لذیذ حکایت کچھ اور دراز ہوتی ـــــ "شاہینہ" اکتا دینے والا افسانہ ہے ـــــ "اسلام کا نظریۂ معاش" اچھا مضمون ہے وسیم احمد اعظمی نے ترجمہ کی نزاکت کا بڑی حد تک لحاظ رکھا ہے۔
بہر حال آپ کی جد و جہد اور کاوش قابل ستائش ہے کہ اس دور میں اتنا اچھا پرچہ نکال رہے ہیں، خدا کرے آپ بخیر ہوں والسلام

خلوص کار محمد نعیم

ہیں اور ان کا جواب بھی ضروری ہے ، مگر ان سوالوں کا جواب کسی ایسے ہی شخص کو تلاش کرنے کا حق ہے جو مدارس کی اہمیت سے واقف ہوں اور اس پہلو پر بھی ان کی نظر ہو کہ مدارس میں بدقسمتی سے کچھ لوگ ایسے بھی گھس آتے ہیں جن میں قبول کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی ، نتیجہ وہ خلا وجود میں آتا ہے جو بعد میں غیر صالح اشیاء سے پر ہوتا ہے ۔ مگر غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جو مدارس میں آتے ہیں اور خود اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے خلا لے کر نکلتے ہیں اگر مدارس پر لب بر تنقید وا کرتے ہیں تو کیا وہ اپنی تنقید میں مخلص ہو سکتے ہیں ـــــ میرا خیال ہے کہ انجم صاحب اس سے اتفاق کریں گے ، اصل میں ہمیں اس کا حل تلاش کرنا چاہئے کہ آخر ایسے لوگوں سے مدارس کو کس طرح نجات ملے جو کچھ لینے کیلئے نہیں آتے بلکہ کھونے کیلئے آتے ہیں اور پھر جب نامراد واپس جاتے ہیں تو مدارس کو الزام دیتے ہیں ، اگر انجم عثمانی خود سے میرا مضمون پڑھتے تو شاید وہ اس طبقہ کو ملامت نہ کرتے جو خود اپنی ذات پر تنقید نہیں کرتا ، یہ مضمون خود اپنی ذات پر تنقید ہے ، دوسرے بہت سے مضمونوں میں یہ تنقید کر چکا ہوں لیکن اگر تنقید کا مفہوم "بھٹکتی نسلوں" کی تنقید ہے تو شاید کوئی عاقل آدمی نہ کر سکے ۔

والسلام

ندیم الواجدی

قنوج

۲۵ مارچ ۱۹۷۴ء

مکرمی فیروز صاحب : سلام مسنون

رگ سنگ برابر پہونچ رہا ہے ۔ آپ کی ہمت اور حوصلہ کی داد دینی پڑتی ہے ۔ گذشتہ شمارہ میں سیرت نمبر اشاعت کا اعلان دیکھا ، ظاہر ہے کہ آپ رگ سنگ کی سابقہ روایات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے سیرت نمبر شائع کریں گے ، ایسے عالم میں جبکہ کاغذ کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں سیرت نمبر کی اشاعت کا اعلان آپ کی جواں حوصلگی کا مظہر ہے ، خدا آپکے ارادوں میں برکت عطا فرمائے ، امید کہ مع الخیر ہوں گے

والسلام

خلوص کیش ۔ محمد ناظر

احمد نگر

۷ مارچ سنہ ۱۹۷۴ء

عالی مرتبت فیروز بوبجہ صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ۔

آپ کا موقر ماہنامہ رگ سنگ اپنے ایک دوست کے یہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا ، سرسری مطالعہ کے بعد مجبور ہونا پڑا کہ باقاعدہ طور پر دیکھا جائے ایک شمارہ دیکھنے کے بعد دوسرا اور پھر تیسرا شمارہ دلچسپی کے ساتھ پڑھا اور پھر اس کے بعد مجبور ہونا پڑا کہ اپنے تاثرات قلم بند کر کے آپ کی خدمت میں ارسال کروں رگ سنگ نہ صرف ایک معیاری پرچہ ہے بلکہ حقیقتاً اعلیٰ اخلاقی و پاکیزہ اجتماعی قدروں کا ترجمان ہے ـــ مضامین صاف ستھرے اور معیاری ہونے کے ساتھ افادیت کے حامل ہیں ، حصۂ نظم لایعنی اور مکروہ خیالات سے پاک ہے ۔ اس دور میں آپ کی جدوجہد قابل صد مبارکباد ہے ۔

عبدالکبیر

س۔ انسانیت اور آدمیت میں کیا فرق ہے؟

ج۔ جواب کے طور پر غالب کے دو شعر پڑھئے اور خود فیصلہ کر لیجئے۔

بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

•

آدمی بننا بہت دشوار ہے
پھر فرشتے حرص آدم کیا کریں

س۔ کریم و لئیم اور سخی و بخیل کا فرق واضح کیجئے

ج۔ کریم وہ ذات جو خود نہ کھائے، دوسروں کو کھلائے۔ یہ صفت خداوند تعالیٰ کی ہے — لئیم اس کے بالکل برعکس یعنی ایسا شخص جو نہ تو خود کھائے اور نہ دوسروں کو کھلائے — خود کھائے اور دوسروں کو بھی کھلانے والا سخی کہلاتا ہے اور جو خود تو کھائے مگر دوسروں کو نہ کھلائے اسے بخیل کہتے ہیں۔

س۔ منافق کی پہچان بتائیے۔

ج۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کے بارے میں مندرجہ ذیل چار خصائل بیان فرمائے ہیں، جس شخص میں ان میں ایک بھی خصلت پائی جائے سمجھ لیجئے کہ وہ منافق ہے۔

۱۔ امین ہونے کی صورت میں خیانت کرے
۲۔ بات چیت کے دوران جھوٹ بولے
۳۔ معاہدے کی خلاف ورزی کرے اور
۴۔ جھگڑے کی صورت میں حد سے تجاوز کرے۔

محمد عمران۔ کلکتہ

س۔ آدمی کی سب سے بڑی غلطی کیا ہو سکتی ہے؟

ج۔ دوسروں کیلئے ایسی بات کا پسند کرنا جسے خود نہ پسند کرے۔

س۔ بافراغت زندگی گذارنے کا طریقہ بتائیے۔

ج۔ اپنے فرائض کو محنت کے ساتھ ادا کیجئے، حلال روزی کمائیے۔ اور جو کچھ میسر ہو اس پر خدا کا شکر ادا کیجئے۔

س۔ راز کو راز کیسے رکھا جائے

ج۔ اپنے دل کی بات زبان پر بھی نہ لائیے ورنہ آپ جانتے ہیں کہ "دیوار ہم گوش دارد"۔

عبدالرشید، گلبرگہ

س۔ رنگ رنگ کی اشاعت معمول کے مطابق نہیں چل رہی ہے۔ وجہ؟

ج۔ بعض دشواریوں کی وجہ سے رنگ رنگ کی اشاعت متاثر ہوئی ہے جن پر ان شاء اللہ جلد ہی قابو پا لیا جائے گا۔

س۔ کیا فلم بینی کردار سازی کا ذریعہ ہے؟

ج۔ کردار سازی کا ہے اگر آپ کی مراد فلمی کردار ہے تو یقیناً ورنہ فلم بینی کا کردار سازی سے کوئی تعلق نہیں۔

س۔ خوشی کی تعریف کیجئے۔

ج۔ ایک شعر ملاحظہ فرمائیں ؎

خوشی کیا ہے یہ جاکر پوچھ لو اس شخص کے دل کی
تمنا جس کی نکلی ہو مگر نکلی ہو مشکل سے

ظہورالدین، رانچی

س۔ کیا رنگ رنگ کے زرسالانہ میں اضافہ ہوگیا ہے؟

ج۔ جی ہاں! کاغذ کی گرانی سے مجبور ہو کر رنگ رنگ کا زرسالانہ دس روپیہ سے بڑھا کر پندرہ روپیہ کر دیا گیا ہے۔

س۔ عمل کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ج۔ ہمارے خیال کے مقابلہ میں اقبال کا خیال سنئے جو زیادہ معتبر ہے ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

س۔ انسان اپنا اعتماد کب کھو دیتا ہے؟

ج۔ جب اپنے قول و فعل میں تضاد کا نمونہ پیش کرتا ہے۔

منیب الرحمٰن، گوہاٹی

س۔ سچے دوست کی پہچان بتائیے۔

ج۔ سعدی کی زبان میں سنئے ؎

دوست آں دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

س۔ دنیا کا بدترین انسان کون ہو سکتا ہے؟

ج۔ وہ شخص جو اپنے سوا سب کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہو۔

س۔ ایثار کسے کہتے ہیں؟

ج۔ اپنی ضرورت کو پس پشت ڈال کر دوسرے کی ضرورت پوری کرنا

س۔ زندگی کب وبال جان بن جاتی ہے؟

ج۔ جب حد اعتدال سے تجاوز کیا جاتا ہے۔

Monthly Rag-e-Sang Kanpur
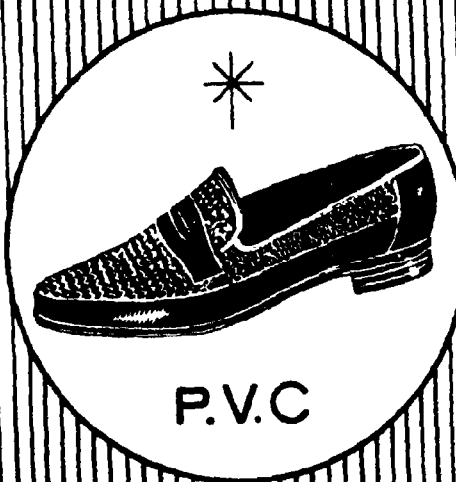
Registered No. L. 1797 APRIL 1974 Phones : 62871, 60472, 63883

Registered with the Registrar of Newspaper R No. 1939/70

پاکیزہ اجتماعی قدروں کا ترجمان ادبی جریدہ

July 1974

ڈائمنڈ جوبلی سال
لیدرگڈس، اسپورٹس لیدرگڈس
پورٹ فولیوز و سفری سامان
خصوصاً
ہارنس اینڈ سیڈلری
تیار کرنے میں اپنی نظیر نہیں رکھتے.
تشریف لاکر خدمت کا موقع فراہم کریں.
ایس محمد اسمعیل اینڈ کمپنی
حسرت موہانی روڈ، کانپور، پوسٹ بکس
ٹیلیگرام : "زین"
فون : ۶۲۷۰۸
بینکرس :
• الہ آباد بینک
• چارٹرڈ بینک
• اسٹیٹ بنک آف انڈیا
اپنی معیاری مصنوعات
کے لئے
دنیا کے گوشہ گوشہ میں
۷۲ برسوں سے
شہرت یافتہ

ماہنامہ رگِ سنگ کانپور

پیاسا تھا رات بھر کا، طلوعِ سحر کے بعد
سورج نے پی لیا ہے رگِ سنگ سے لہو

بیت المال کا قیام
مسلم اقتصادیات کا اہم ترین اقدام ہے

مدیر
فیروز الدین بویجہ

معاون مدیر
شاہد سرور

سرورق:- آرٹیکو
خطاط:- ملک ابوالحسنات الاعظمی

طابع، ناشر، مالک:- فیروز الدین بویجہ

سال چہارم
شمارہ ۵۰

جولائی ۱۹۷۴ء مطابق جمادی الثانیہ ۱۳۹۴ھ

عام شمارہ:- ایک روپیہ پچاس پیسے
سالانہ:- پندرہ روپے

دفتر اشاعت و پتہ برائے ترسیل زر:-
۸۹/۴۲ مکھنیا بازار، کانپور، (یو، پی)

فون
۶۲۸۸۳
۶۰۴۷۲
۶۲۸۷۱

مطبوعہ:- لیتھو برقی پریس نئی سڑک کانپور

الحمد للہ درسگاہ اسلامی آگرہ کی جدید عمارت کا سنگ بنیاد ۱۴ اپریل ۱۹۷۷ء کو اعلیٰ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمان صاحب عثمانی صدر آل انڈیا مسلم مجلس مشاورت کے دستِ مبارک سے رکھا جا چکا ہے، کام بہت تیزی سے ہو رہا ہے۔ ابتک آگرہ کے اہل خیر حضرات کا تقریباً ۲۵۰۰۰ روپیہ لگ چکا ہے اور اب کچھ تھکے تھکے سے نظر آنے لگے ہیں، اسلئے اب ضرورت محسوس ہو رہی ہے کہ آگرہ سے باہر نکلا جائے۔

درسگاہ کے کارکنان عمارت کی تعمیر میں آپ سے تعاون کیلئے جلد ہی حاضر ہوں گے، آپ حضرات ان سے ہر ممکن تعاون فرمائیں اور دینی و ملی کام میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیکر درسگاہ کی عمارت کو جلد از جلد مکمل کردیں تاکہ آپ کے نونہال درس اسلامی حاصل کر کے دنیا کو اسلامی درس دیں۔

مسلمانان ہند نے اپنے وطن عزیز کے ساتھ ہمیشہ اپنی گہری دلچسپی اور مخلصانہ وابستگی کا ثبوت دیا، اس کی خدمت علمی صنعتی وثقافتی ترقی میں انھوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اسی کے ساتھ اپنے مذہب اور اسلامی وعربی تہذیب سے بھی ان کی وفاداری برقرار رہی، اسلامی دنیا سے کبھی ان کا رشتہ منقطع نہیں ہوا بلکہ تاریخ اسلام کے بعض ادوار میں ان کی حیثیت سالار کارواں کی رہی ہے۔ دو مختلف تہذیبوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنا اور مختلف (مادی اور روحانی) وطنوں سے یکساں وفاداری نباہنا بڑا مشکل کام ہے، ملت اسلامیہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی طرح کامیابی کے ساتھ اس نازک اور دوہری ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے والی کوئی دوسری قوم نظر نہیں آتی ———— (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

فہرست مضامین

ایک نام — جسکی اہمیت اور افادیت تسلیم کی جا چکی ہے :
کیمیکلس
جاجمو
کلنڈرس
ربر انڈسٹریز
ڈائنگ اینڈ پروفنگ کمپنی
رحیم برادرز انڈسٹریز
فون :
۶۲۶۲۸
۶۱۴۴۴
۶۴۴۸۹
جاجمو — کانپور

اداریہ
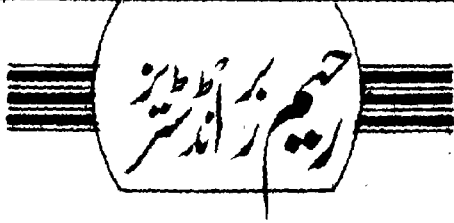
۱۹ رمئی کو بذریعہ ٹیلی فون لکھنؤ سے ہمکو اطلاع ملی کہ ڈاکٹر محمد عبد الجلیل فریدی کا انتقال پر ملال ہو گیا۔ تھوڑی دیر کیلئے تو ایسا لگا کہ پیچ پیچ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا۔ سماعت پر یقین نہیں آرہا تھا۔ ۷ رمئی کو ضرور طبیعت بگڑ گئی تھی مگر ۱۸ رمئی کو تقریباً سنبھل گئی تھی مالک حقیقی نے بلاوہ بھیجدیا تھا، اتفاق دیکھئے کہ اس وقت کوئی ڈاکٹر بھی موجود نہیں تھا۔ درحالیکہ ہمہ وقت ان کے پاس کوئی نہ کوئی ڈاکٹر موجود رہتا تھا مسکراتے ہوئے اپنے کارساز حقیقی سے جا ملے۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کیا ڈاکٹر فریدی کا ابھی جانا مناسب تھا یا خدا سے شکوہ کروں کہ اتنی جلد اس مخلص رہنما کو کیوں اپنے پاس بلالیا؟ مگر پھر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جب ہم اس نعمت پر کماحقہ شکر ادا نہیں کر سکے تو ہم کو شکوہ کرنے کا حق بھی کیا ہے؟

مالک حقیقی نے اتنی پیاری شخصیت کو زیادہ دیر اس ناقدر دنیا میں رکھنا مناسب نہیں سمجھا اچھا ہی کیا ہم فانی لوگ کیا سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے لئے کیا بھلا ہے کیا برا؟ وہی بہتر سمجھ سکتا ہے۔

ڈاکٹر تھے ہی اور ایسے ویسے ڈاکٹر؟ اپنے فن کے ماہر، جانتے تھے کہ اب زیادہ دن جئیں گے نہیں، اکثر کہتے تھے کہ اب ان کی جگہ دوسری شخصیت کو لاؤ۔ ہم لوگ دلاسہ دیتے کہ وہ ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائیں گے تو جھنجھلا کر کہتے "تم لوگ حقیقت سے فرار کیوں اختیار کرتے ہو، میں ڈاکٹر ہوں اور اپنی حالت سے بخوبی واقف"۔۔۔۔۔۔ مگر اس کے باوجود اپنے اوپر جو ذمہ داریاں لی تھیں ان سے کماحقہ عہدہ برآ ہوئے۔ اس بیماری میں بھی اپنی قوم اور پسماندہ اقوام کیلئے جتنی محنت اور صعوبت مرحوم نے اٹھائی ہے اسکی مثال خال خال ہی ملیگی۔ لندن میں جس ڈاکٹر کے زیر علاج تھے اسکا ایک خط جو ڈاکٹر فریدی کے نام تھا میں نے بھی پڑھا تھا جس میں ان کو محنت اور تھکن سے بچنے کی شدت سے ہدایت کی گئی تھی، اس خط کا اختتام اس جملہ پر ہوا تھا "ڈاکٹر فریدی! جینے کا سلیقہ سیکھئے"۔۔۔۔۔۔ مگر مرحوم سیاست میں ساری صعوبات

فرض سمجھ کر برداشت کر رہے تھے ان کو اپنا عہد یاد تھا۔

رانچی اور جمشید پور کے بھیانک فساد کے بعد مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب نے ڈاکٹر فریدی کو بہت سمجھایا تھا کہ " ہم لوگ کب تک اپنے اپنے خولوں میں خوف کے مارے سمٹے رہیں گے ؟ میں نے مسلمانوں کے سر اس طرح بکھرے دیکھے ہیں جس طرح کھیتوں میں ککڑی اور تربوز بکھرے رہتے ہیں۔ فریدی ! کمیونزم اور سوشلزم تمہاری قوم کے مسائل کا حل نہیں ہیں "۔

ڈاکٹر صاحب نے ان سے عہد کیا تھا کہ " آج سے میں خود کو اپنی قوم کیلئے وقف کرتا ہوں " ــــــ اس مرد شریف نے اپنا عہد نبھا دیا اور ساتھ ساتھ یہ بھی دکھا دیا کہ سیاست، ایمانداری اور دیانت داری سے بھی کی جا سکتی ہے۔

مجھے علم ہے کہ ایک بار ایک بہت بڑی شخصیت مرحوم کے دولت کدہ پر ایک بہت بڑی پیشکش لیکر پہونچی تھی اور مرحوم نے انتہائی برہمی کے عالم میں ان سے صرف اتنا کہکر گھر سے نکال دیا تھا کہ " تم کو اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ مجھے خریدنے چلے آئے ؟ " ــــــ اور مرحوم کی شرافت دیکھئے کہ نہ تو منظر عام پر ان ناموں کا انکشاف کیا اور نہ ہی اس واقعہ سے کوئی سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

ان کو کس چیز کی کمی تھی ؟ مگر اپنی قوم کیلئے، قوم کی عزت کیلئے اور حق کیلئے قصبہ قصبہ، گاؤں گاؤں شہر شہر پھرتے تھے، جیل تک گئے ــــ کبھی کبھی ایک منظر میری آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ مسلم یونیورسٹی تحریک کے سلسلہ میں ہم بھی ان کے ساتھ لکھنؤ جیل میں مقید تھے۔ ایک دن سول سارجن ڈاکٹر سیٹھی حکومت کی ہدایت پر ڈاکٹر صاحب سے ملنے آئے اور اصرار کرنے لگے کہ اس خستہ اور کھپریلا بیرک کو چھوڑ کر بلرام پور اسپتال چلیں جس میں ایک ایرکنڈیشنڈ کمرہ ان کیلئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ مگر مرحوم اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہنے پر بضد تھے۔ ڈاکٹر سیٹھی کا بنگلہ ڈاکٹر فریدی کے بنگلے سے ملا ہوا ہے۔ ایک پڑوسی کی اپنائیت سے ڈاکٹر سیٹھی نے مرحوم سے پوچھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ فریدی تمکو کس چیز کی کمی ہے ؟ دولت ہے، فن ہے تمہاری عزت ہے وقار ہے آخر تم سیاست جیسی لغویت میں کیوں پڑ گئے ہو ؟ مجھے تم کو اس بیرک میں دیکھ کر سخت کوفت ہو رہی ہے " ــــــ ڈاکٹر صاحب نے اپنی بڑی بڑی خوبصورت مگر اس وقت سنجیدگی سے بھرپور آنکھیں اٹھائیں اور ڈاکٹر سیٹھی کی نگاہوں پر نگاہیں گڑوتے ہوئے رنجیدہ لہجہ میں بولے :-

ڈاکٹر ! تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آئے گی کیونکہ تمہاری قوم کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں، مگر مشکل یہ ہے

کہ میری قوم کے مسائل بے شمار ہیں" —— ڈاکٹر سیٹھی نے فوراً اپنی آنکھیں جھکالی تھیں۔
آج بھی میں ان کی آنکھوں میں بھری حسرت کو یاد کرتا ہوں تو یقین کیجئے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، آنکھیں ان کی تھیں بھی بڑی بڑی، یوں تو ہر شخص کی آنکھوں میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے مگر ان کی آنکھوں میں یہ فرق خاصا نمایاں تھا تاہم کمال ہے اس فرق سے ان کی آنکھوں کا حسن مزید بڑھ گیا تھا، آنکھوں کے اس فرق کی انھوں نے وجہ بھی ایک بار بیان کی تھی۔ ڈاکٹر فریدی مرحوم کا سلسلۂ نسب حضرت بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سبب سے (سبب مجھے یاد نہیں رہا۔ ڈاکٹر صاحب نے تو بتایا تھا) بابا فرید کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ وہ جب اپنے پیر کے پاس گئے تو چھپانے کیلئے انھوں نے اس آنکھ پر پٹی باندھ لی۔ پیر نے دریافت کیا تو حضرت بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ "کچھ نہیں، ذرا آنکھ آگئی ہے"۔ تو پیر نے فرمایا "آنکھ آگئی ہے تو پٹی کیوں نہیں کھول دیتا"۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کی تعمیل میں پٹی کھول دی۔ خدا کی قدرت آنکھ واپس آگئی مگر دونوں آنکھوں میں خاصا فرق تھا، ڈاکٹر فریدی مرحوم نے انکشاف کیا کہ ان کے خاندان میں سب کی آنکھوں میں ایسا فرق ہے، ان کے صاحبزادے فرید میاں کی آنکھوں میں بھی یہ فرق بدرجۂ اتم موجود ہے۔

مسلم لیگ کی مقبولیت دیکھ کر اکثر ہمدردان نے قائد ملت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلم مجلس کو مسلم لیگ میں ضم کر دیا جائے مگر انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ انھوں نے فرمایا کہ اگر میں قیادت کا بھوکا ہوتا تو نمایانِ مسلم لیگ کی پیش کش کو قبول کرلیتا مگر میں خدا کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ وجہ یہ ہے کہ مسلم لیگ کو یوپی میں کبھی بھی کامیابی نہیں مل سکتی، شمالی ہند کے مسلمانوں کے مسائل مسلم لیگ کے پرچم تلے حل ہونا فی الوقت ناممکن ہیں۔
حالیہ یو۔پی۔ اسمبلی کے الیکشن میں قائد ملت کی پالیسی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھی جاسکتی تھی اگر قوم مسلم جذباتی انداز فکر چھوڑ کر ان کے ہاتھوں کو مضبوط کرتی، آزاد ہندوستان کی تاریخ میں پہلی بار (یو۔پی میں) غالب ہندو اور مسلم پارٹیوں نے جماعتی حیثیت سے ایک ساتھ مل کر الیکشن لڑا، گو گذشتہ پارلیمانی الیکشن میں مسلم لیگ کا داخلہ مسلم مجلس کو خاصا ضعف پہونچا چکا تھا تب بھی یہ قائد ملت کی مقناطیسی اور پرعزم شخصیت ہی تھی کہ جس نے مسلم مجلس کے جماعتی تشخص کو برقرار رکھنے میں مدد دی۔ اتحاد ثلاثہ کے تینوں عظیم قائدین نے پہلی بار اس کی کوشش کی کہ کانگریس کے بنائے ہوئے اس جال کو توڑ دیا جائے جس سے وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر اپنے اقتدار کی عمارت کو مستحکم کرتی رہی تھی، اگر مسلم لیگ

درمیان میں نہ آجاتی تو شاید شمالی ہند کا ماحول ہی کچھ بدلا بدلا ہوتا۔ مسلم مجلس مشاورت کی اولین کوشش کے بعد مسلموں اور غیر مسلموں کے درمیان منافرت ختم کرنے کی یہ مہم بجا طور پر دوسری کوشش کہی جا سکتی ہے۔ دوران الیکشن ان علاقوں میں بھی مسلم مجلس کے پرچم لہرا رہے تھے جہاں پہونچنا ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا مگر ہم میں سے کس کو اس عظیم زیان کا احساس ہے؟

بیمار تو کافی عرصہ سے تھے مگر الکشنی دوروں نے ان کو بالکل صاحبِ فراش کر دیا تھا۔ ایک دن ٹیلی فون پر بات ہو رہی تھی۔ الکشنی نتائج سے کافی دل گرفتہ تھے میں نے بتایا کہ اب لوگوں کو احساس ہو رہا ہے کہ واقعی ڈاکٹر فریدی کی پالیسی صحیح ہے اور یہ کہ مسلم لیگ کو واقعی یہاں کامیابی ہونا مشکل ہے۔ تو طنزیہ بولے "اماں چھوڑو بھی فیروز صاحب! جب کھیت ہی جل گیا تو برسات ہوئی بھی تو کیا"

جنازہ اٹھا تو ہزاروں کا مجمع تھا۔ تدفین میں پتہ نہیں کیوں اتنی تعجیل کی گئی کہ ہزاروں لوگ آخری دیدار سے محروم رہ گئے۔ ابتدائی دو دنوں میں تعزیتی ٹیلی گراموں کی تعداد دو ہزار تھی، اب تک کتنے پیغامات آچکے ہیں خدا ہی کو علم ہے۔ تعزیت کیلئے کون نہیں آیا تھا؟ سیکڑوں کاریں مرحوم کے بنگلے کے ارد گرد ایستادہ تھیں ہزاروں لوگ جن میں غریب مرد و عورتیں شامل تھیں جن کے یا تو وہ مسیحا تھے یا بالا ہی بالا انکی امداد کیا کرتے تھے تقریبًا سبھی وزراء، جماعتوں کے رہنمایان، وزیر اعلیٰ یو، پی، بہوگنہ تو دو بار آئے تھے، پہلی بار تو بہوگنہ صاحب کی چیخیں نکل گئی تھیں، شاید یہ چیخیں اس اعتماد شکنی کا اعتراف تھیں جو قائد ملت کے ساتھ روا رکھی گئی۔ (یاد رہے کہ اندرا گاندھی نے پارلیمانی الیکشن سے پہلے ڈاکٹر فریدی مرحوم سے مسلمانوں کے سلسلہ میں جو وعدے کئے تھے اس کے شاہد بہوگنہ بھی تھے)

مرد مومن کیلئے اقبال نے کہا تھا کہ موت کے وقت اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہوتی ہے۔ خدا علیم ہے موت کے بعد جتنی شادابی ان کے چہرے پر تھی زندگی میں بھی نہیں تھی، ہونٹوں پر بھرپور مسکراہٹ ہم کو یہ یاد دلا رہی تھی کہ محبوب حقیقی سے ملنے کی خوشی ہی مرد مومن کی اصل خوشی ہے ؎

نشانِ مردِ مومن با تو گویم!
چو مرگ آید تبسم برلبِ اوست

اسلام اور قرآن کے بارے میں

مسلمانوں کے مختلف نظریات

ندیم الواجدی

ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اس دور کے اسلام کے متعلق مسلمانوں کا تصور قرون اولی کے مسلمانوں کے تصور سے مختلف ہے۔ عربوں کی سادہ، سہل اور آسان زندگی پیچیدہ ہوگئی ہے۔ دوسرے ادیان ان میں سرایت کر گئے ہیں، وہ عجمی لوگ جو بتوں کو پوجا کرتے تھے اسلام میں داخل ہوئے تو ان کے سروں میں پرانے دینوں کا سودا سمایا ہوا تھا وہ ملی جلی اور الجھی الجھی زندگی گذارنے لگے۔ انھوں نے اسلام کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، عربوں کی آنکھ سے نہیں، صحیح کہا گیا ہے کہ قومیں اگر دینی طور پر متحد بھی ہو جائیں تو ہر قوم دین کو دوسری قوموں سے مختلف ہوکر دیکھے گی — وہ دین کو اپنی تاریخ، اجتماعیت، اپنے دین، اپنے رسوم ورواج اور ثقافت وتعلیم کی عینک لگا کر دیکھے گی

تمام مسلمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے ہیں مگر دین کے بارے میں ایک تعلیم یافتہ شخص کی نظر ایک ایسے شخص کی نظر سے مختلف ہے جو عامی اور جاہل ہے اور ان دونوں کی نظر ایک صوفی کی نظر سے مختلف ہے، یہی نہیں بلکہ مصری مسلمانوں کا اسلام کے بارے میں تصور ہندوستان اور ترکی کے مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے مختلف ہے، اسلئے کہ ہر قوم پر دوسری قوم سے مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں، یہی اصول تھا جو لوگوں کے نظریات اور سوچنے کے ڈھنگ پر اثر انداز ہوا اور لوگوں نے مختلف عینکوں سے اسلام کو دیکھنا شروع کردیا۔

اسی ذیل میں مجھے بخاری اور ترمذی میں انس ابن مالک رض کی روایت کردہ یہ حدیث بے حد پسند ہے:

حضرت انس رض نے فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کی چیزوں میں سے کس چیز کو میں جانتا ہوں؟ — کہا گیا نماز! — حضرت انس رض

نے جواب دیا : کیا تم نے اس میں تبدیلیاں نہیں کیں ؟ حضرت انس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے علاوہ اموی عہد حکومت بھی پایا تھا ، دونوں دور ایک دوسرے سے مختلف تھے ۔ اختلاف عمل بھی تھا اور اختلاف نظر بھی ۔

اسلام بیحد سہل اور آسان تھا ، ادھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض صحابہ رضا کا رجحان یہ تھا کہ وہ دین میں انتہائی غلو پسند کرتے تھے ، آنحضرت نے یہ رجحان ختم فرمادیا جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عمر کا واقعہ مشہور ہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے بارے میں یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ رضا عبادت میں ہمہ وقت مشغول رہنے کی وجہ سے نہ سوتے ہیں اور نہ افطار کرتے ہیں اور نہ اپنے گھر والوں کے حقوق ادا کرتے ہیں ، آپؐ نے ان سے فرمایا ؛ عبداللہ ! تمھارے لئے رسول کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے ، اس لئے کہ وہ روزہ بھی رکھتے ہیں اور افطار بھی کرتے ہیں ، گوشت بھی کھاتے ہیں اور گھر والوں کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں ، اے عبداللہ ! تم پر تمھارے اللہ کے اور تمھارے گھر والوں کے حقوق ہیں ۔

اسکے بعد دین میں تشدد پیدا ہوگیا ، رسوم و رواج کی اتباع شروع ہوگئی اور مختلف معاملات میں غلو اختیار کیا جانے لگا ۔ بعض ایسے لوگ تھے جو اون پہننا لازم سمجھتے تھے اور بعض لوگ اس کا شدت کے ساتھ انکار کرتے تھے ، حماد بن مسلم بصرہ تشریف لائے تو ان کی خدمت میں فرقد سنجی نے حاضری دی ، اون پہنے ہوئے تھے ، حماد نے ان سے کہا : یہ نصرانیت ختم کردو اور ابن سماک اپنے ساتھیوں سے فرمایا کرتے تھے : تمھارا لباس چارپائیوں کی طرح کھردرا ہونا چاہئے ۔

یہاں اس سے بھی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگ قرآن پاک پڑھتے یا سنتے تو اس کی روح سمجھنے کی کوشش کرتے اسکے بعد اگر کسی چیز کی طرف توجہ تھی تو یہ کہ آیت کا شان نزول کیا ہے ؟ باریک باتوں کی وضاحت اور لفظی طور پر عرب شہروں سے استشہاد بھی کرتے تھے تفسیر طبری وغیرہ میں صحابہ سے جو کچھ منقول ہے وہ اسی قبیل کا ہے ، قرن اول میں ہم صحابہ کو دینی مذاہب اور مسالک کی طرف مائل نہیں دیکھتے ، اموی دور کے آخر میں قدر سے متعلق کلام شروع ہوگیا ، متکلمین اپنے عقائد کیلئے قرآن کی طرف دیکھنے لگے جس نے جبر کا نظریہ اختیار کیا اس نے اختیار کی آیات کی تاویل کی ۔ جس کا نظریہ اختیار تھا اس نے ایسی آیات کی تاویلیں کیں جو جبر کے نظریے پر دال ہوں ۔

اس طرح کا ایک سیلاب تھا جو عباسی دور حکومت میں آیا ، ہر مذہب اور ہر جماعت سے متعلق افراد قرآن کا سہارا لینے لگے اور علمائے کلام نے یونانی فلسفہ کو سامنے

رکھ کر قرآن کا مطالعہ شروع کر دیا۔

قرآن پاک کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ وہ انسان کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق بیان کرتے ہوئے شعور پیدا کرے متکلمین حضرات اس مقصد کیلئے منطق کا سہارا لیتے ہیں مگر قرآن صرف روحانی غذا فراہم کرتا ہے یہ دونوں طریقے مختلف ہیں، منطق دلوں میں جوش بھر سکتی ہے اور نہ ایمان کی حرارت پیدا کر سکتی ہے، یہ کام صرف روحانی زندگی ہی کا ہے۔

جس زمانے کی ہم بات کر رہے ہیں اس میں حیرت ناک طریقے پر فرقوں اور مذاہب کی کثرت ہوگئی تھی، مامون ان کے بارے میں کہا کرتا تھا، ہر جماعت کے ہر فرد نے اپنی حیثیت بنالی ہے یہاں تک کہ میں اس شخص کو اس جماعت کا سربراہ سمجھنے لگتا ہوں۔

شہرستانی کی کتاب " الملل والنحل " میں ہم ان مذاہب اور فرقوں کا مطالعہ کر سکتے ہیں، یہ سب فرقے قرآن کریم کو اپنی مذہب کی آنکھ سے دیکھتے تھے اور اپنے مذہب کے مطابق تفسیر بیان کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

معتزلہ اختیار، صفات، تحسین عقلی اور تقبیح عقلی جیسے مسائل میں قرآن سے استشہاد کرتے ہیں اور ایسی تاویلات کرتے ہیں جو مشکل ہی سے ان کے مذاہب پر منطبق ہو سکتی ہیں، شیعہ حضرات کا حال بھی یہی ہے۔

قرآن نے ایمان کے دو داعیوں پر زیادہ زور دیا ہے۔ دنیا کی چیزوں پر غور و فکر کیا جائے، قرآن کے خیال میں اگر انسان عالم کی تکوین پر غور کرے تو اس کا ایمان مضبوط ہو سکتا ہے، آخر کو زمین و آسمان کے درمیان یہ مسخر بادل اور ہوائیں، اونٹ کی تخلیق۔ آسمان کی بلندی، پہاڑوں کی مستحکم تنصیب اور زمین کی ہمواری اور سب چیزیں کیا ہیں؟ یہ اللہ کی نشانیاں ہیں جو ایمان کی طرف بلاتی ہیں۔

اس داعیہ کے بعد قرآن نے سب سے زیادہ زور انبیاء اور سابقہ امتوں کی تاریخوں پر دیا ہے۔

یہ طریق نظر یا دوسرے لفظوں میں داعیہ ایمان سب لوگوں کیلئے ـــ اختلاف نظر اور اختلاف فکر کے باوجود ـــ مناسب ہے، عالم اور جاہل دونوں ہی اس راستے سے ایمان تک پہونچ سکتے ہیں۔

روحانی زندگی کی دعوت ہی ایک ایسی دعوت ہے جو سب لوگوں کو بلا امتیاز پیش کی جا سکتی ہے، مگر جب عباسی دور حکومت میں علماء یونانی علوم اور فلسفہ کی طرف متوجہ ہوئے تو انھوں نے قرآن کا رخ عقلی تعلیم اور منطقی انداز نظر یا دلائل کی جانب موڑ دیا انھوں نے علم الحساب، علم الہندسہ اور علم الہیئۃ کے طرز پر قرآن کا مطالعہ شروع کیا، یہ ایک زبردست نقصان تھا جسے برداشت کرنا پڑا، اس کا متوقع

نتیجہ یہ مرتب ہوا کہ اسلامی علم کلام جو بے حد آسان، سہل اور سادہ تھا، بے حد دشوار، مشکل اور پیچیدہ بنا دیا گیا اور علم کلام کی نمائندگی قرآن و حدیث کے ہاتھوں سے نکل کر معتزلہ اور اشعریہ کے پاس آگئی۔ آخر میں تو "العقائد النسفیہ" اور "متن السنوسیہ" ہی اسلامی علم کلام کا ماخذ سمجھی جانے لگیں، مخلص صوفیاء کی ایک جماعت نے یہ کمی محسوس کی تو انھوں نے اسے دور کرنا چاہا اور اسلام کی طرف بالکل اسی انداز پر دعوت کا کام شروع کیا جیسا کہ صدر اول میں ہو چکا تھا، مگر وہ لوگ بھی فلسفہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

علوم جدیدہ میں مسلمانوں نے جتنی ترقی حاصل کی قرآن کو ان ہی علوم کے آئینے میں دیکھنے کی کوشش اسی کے بقدر تیز ہوتی گئی۔ بادلوں اور بجلیوں کے بارے میں کوئی آیت آئی تو اس کی شرح میں وہ سب کچھ لکھا جانے لگا جو فضا کے بارے میں لکھا جا سکتا ہے۔ ستاروں یا آسمان کا ذکر آتا تو علم الہیئۃ کے تمام مسائل کو منطبق کیا جانے لگا، نحوی مسائل میں بصری اور کوفی اختلافات کا ذکر ضروری سا ہو کر رہ گیا۔ زمانے کے ساتھ ساتھ قرآن کو اس انداز سے دیکھنے کا رجحان بڑھتا ہی رہا جیسا کہ بعد میں امام فخر الدین رازی کی تفسیر ہے اس میں آپ کو سب کچھ مل جائے گا مگر قرآن کی روح نہیں ملے گی۔

علوم جدیدہ اور فلسفہ کا صرف یہی ایک رخ نہیں ہے اس کا ایک اور رخ بھی ہے جو کہ وہ بھی نہیں، اس فلسفہ کی وجہ سے دین میں جہاں بہت سی خرابیاں در آئی ہیں وہاں دینی طور پر موثر کردار بھی ادا کیا ہے، عباسی دور حکومت میں مسلمانوں نے ایک زبردست مشکل کا سامنا کیا تھا، انھوں نے مختلف قوموں کی مختلف تہذیبوں کو ورثے میں پایا۔ ان کا مشاہدہ کیا، شعبہائے حیات میں ان کے رسوم و رواج اور شعائر کا مطالعہ کیا، تجارتی اور پرسنل معاملات سے واسطہ پڑا، یہ سب قومیں مختلف دینوں سے وابستہ رہنے کے بعد اسلام کی حلقہ بگوش ہوئی تھیں، دوسری طرف اقتصادی اور سیاسی میدانوں کے بھی کچھ مسائل تھے، مسلمانوں کو اس کا بھی احساس تھا کہ اسلام ابدی اصولوں کا امین ہے، وہ جزئی معاملات پر بھی نصوص پیش کرتا ہے مگر ہر زمانہ نئے تقاضے اور نئے مسائل ساتھ لاتا ہے اور ان میں کوئی واضح نص نہیں ملتی۔ یہ بھی ضروری تھا کہ جو بھی مسائل ہوں وہ اسلامی اصولوں کے معیار پر پورے اتریں، لیکن یہ کام آسان نہیں تھا، اس قسم کی مشکل عباسی دور حکومت سے پہلے حضرت عمر کے زمانے میں بھی پیش آچکی ہے، فتوحات کے بعد جب مختلف قومیں اور تہذیبیں اسلامی حکومت کے زیر اثر آگئیں تو فتح، جہاد اور ٹیکس کے مسائل سامنے تھے، اس سلسلہ میں حضرت عمر رض اور دوسرے صحابہ رض

نے قابل قدر جدوجہد کی تھی ، اموی دور حکومت بھی ان ہی مشکلات کے ساتھ آیا اور گذر گیا مگر عباسی دور حکومت میں یہ مشکلات اپنے دامن میں پیچیدگی لئے ہوئے آئیں اسلام کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا ، جو قوم اپنے دین کو ترک کر کے اسلام قبول کرتی وہ اپنا تہذیبی ورثہ اپنے ساتھ لاتی اور اسے سینے سے لگائے رکھتی ، اس صورت حال سے نمٹنا بہر حال مشکل طلب مسئلہ تھا ، ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک نظام ترتیب دیا جائے جس سے ان مشکلات کا مقابلہ کیا جائے اور اسلامی اصولوں اور نصوص کی روشنی میں کوئی اصولی حل تلاش کیا جائے ، اسی دور میں ان علوم نے علمار کے ساتھ تعاون کیا۔ "الخراج" میں امام ابو یوسف نے ہارون رشید کی حکومت کیلئے مالی نظام مرتب کیا ، زمین کی ساحت کی تعیین کی ، غیر ارضی چیزوں پر ٹیکس لگائے ، کنوؤں اور نہروں سے کھیتوں کی سیرابی کے قوانین تشکیل دئے ، چاروں دوسرے ائمہ نے اسلامی پرسنل لا مرتب کیا ، پولیس اور فوج سے متعلق معاملات بھی اسی وقت طے کر گئے۔

اس حیثیت سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس زمانے میں اسلامی قانون سازی کی گئی اور اسلام ایک عصری متمدن حکومت کے نظام کی حیثیت سے سامنے آیا اور ان سب کاموں میں ان علوم سے پورا پورا تعاون لیا گیا ، اگر یہ علوم حاصل نہ کئے جاتے تو معاملہ بڑا سنگین ہو جاتا۔●

(مصری مصنف ڈاکٹر احمد امین کی کتاب "ضحی الاسلام" کے ایک باب کا خلاصہ)

کل کی عالمی قیادت کس کے ہاتھ میں ہوگی؟

تحریر
ڈاکٹر عبد المنعم خفاجی

تلخیص و ترجمہ
وسیم احمد اعظمی

کوئی باشعور شخص اس مغربی تہذیب سے متعلق جو گذشتہ تین صدیوں سے اب تک انسانیت کی نام نہاد قیادت کا دم بھر رہی ہے یہ کہنے کی جرأت نہیں کرسکتا کہ یہ حقیقت میں کوئی مثالی تہذیب ہے یا انسانی اصولوں کی محافظ اور اس کے حقیقی تقاضوں کی امین، یا یہ ایک ایسی تہذیب ہے جس کے سائے میں لوگ چین و سکون کی زندگی گذار سکتے ہیں ؟

اسلئے کہ یہ مغربی تہذیب بلند بانگ دعوے تو کرتی ہے مگر اس کو عملی شکل و صورت دینے سے یکسر قاصر ہے ۔ ایک طرف تو امن و سلامتی، صلح و آشتی کی امین کہلانے کیلئے بیقرار ہے تو دوسری جانب جنگ کے شعلے بھڑکاتی ہے ۔ ایک طرف عدم تشدد اور اخوت و بھائی چارگی کی مبلغ ہے تو دوسری جانب رنگ و نسل کے نئے نئے فتنے کھڑے کئے ہوئے ہے ۔ ایک طرف آزادی مساوات اور عدل و انصاف کی صدا لگاتی ہے تو دوسری جانب اپنی توانائی کی بھٹی میں انسانیت کو خاکستر کردینے میں مصروف ہے ۔

یہ کہاں کی انصاف پسندی ہے کہ ایک ملک کے باشندوں کو ان کے اپنے وطن سے نکلنے اور پناہ گزینوں کی زندگی بسر کرنے پر مجبور کردیا جائے اور انکی مقدس سرزمین ان صہیونیوں اور ظالموں کے حوالہ کردیجائے جن کا مشن ہی ظلم، زبردستی اور دوسروں کی زمین پر قبضہ کرنا ہے ۔

موجودہ تہذیب میں انسانی قدروں کی کوئی حیثیت نہیں رہی، شخصی اور سماجی آزادی اب قوت بازو کی رہین ہوکر رہ گئی ہے ۔ اب اسی کا سب کچھ ہے جو معاشی اور اقتصادی طور پر خود کفیل ہے ۔ ہمارے دور کی تہذیب کی بنیاد جس اصول پر رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ طاقتور ہر جگہ طاقتور ہے اور کمزور ہر مرحلے پر کمزور ـــــ بے خدا بد دین اور مادہ پرست تہذیب ہر قسم کی اخلاق سوز

حرکات کو روا قرار دیتی ہے۔ اس کے یہاں زنا کاری حرام نہیں ہے، جنسی بے راہ روی، تعیش کی قانونی اجازت ہے، یہ ایسے قوانین، نظریات اور اصولوں کی پاسبان ہے جو تمام معاملات میں انسانی فطرت کی کھلے بندوں مخالفت کرتی ہے۔ ذاتی ملکیت کو اشتراکی اور کمیونزم خیالات کے حامل ممالک میں ختم کر دیا گیا ہے، مرد وعورت کے درمیان مساوات کا کھوکھلا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے۔

در اصل اس معاشرہ اور تہذیب کے اجزائے ترکیبی میں کوئی ایسا روشن اور صالح جز نہیں ہے جس پر اس جدید معاشرہ کی بنیاد رکھی جاتی اور یہ قائم و دائم رہتا۔ انھوں نے بنی نوع انسان کو نہ صرف اس بات کا حکم دیا بلکہ مجبور بھی کیا کہ وہ بری چیزوں کی طرف متوجہ ہوں اور معیشت میں ظلم و زیادتی کا سہارا لیں۔ اس آواز کو عام کیا کہ "کرو تو کھاؤ" اور کہا "قوت ہی حق اور اصل ہے" اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کے اوامر و نواہی سے یکسر عاری ہو کر مارکسی اور لا دینی تحریکوں کی بنیاد ڈالی تاکہ زمانہ کو نکیل لگا کر جس طرف چاہے موڑ دے۔ اس کی بنیاد اسلام دشمن عناصر پر رکھی گئی ہے، اسلامی روایات کی بیخ کنی اور اسلامی ممالک کو پسماندہ رکھنے کی خوفناک سازش کی سربراہ یہ تہذیب کسی سنجیدہ اور باشعور شخص کیلئے باعث کشش نہیں ہو سکتی۔

(۲)

کوئی پڑھا لکھا، سلیم الطبع اس تہذیب جدید سے مطمئن اور اس کی ہمیشگی کا خواہاں نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس تہذیب کی بنیاد ہی انسانی قدروں کی پامالی اور قوت وطاقت پر ہے، مگر کسی تہذیب معاشرہ کی دائمی بقاء صرف قوت وطاقت سے خریدی نہیں جا سکتی، فارسی تہذیب وتمدن، مقدونی، افریقی، رومی، قدیم مصری، فینیقی آشوری، بابلی اور کلدانی کلچرز کا حشر ہماری نظروں کے سامنے ہے، عجب نہیں کہ موجودہ تہذیب کل کے انسان کو ایسے دوراہے پر کھڑا کر دے جہاں سے اسکے لئے آگے بڑھنا مشکل ہو جائے، بلا شبہہ اس دم توڑتی اور بوڑھی تہذیب سے عدل کی توقع رکھنا بنجر زمین سے پھول کھلانے کی خواہش سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا یقیناً آنے والا کل اس تہذیب پر لعنت بھیجے گا، کل جو کسی طرح آج پر مہربان نہ ہوگا، کل جو آج کے ظالموں سے مظلوموں کے خون کا بدلہ لیگا اور تمام مظلوم ومقہور اس سے عدل وانصاف کی فریاد کریں گے۔

(۳)

ہمیں پوری قوت اور اعتماد کے ساتھ کہنا چاہئے کہ کل انسانیت کا محافظ اور انسانی قدروں کا امین اسلام ہوگا، کیونکہ اسلام کے علاوہ دور جدید کی اصطلاح کے مطابق کوئی تحریک یا ازم ایسا نہیں دکھائی دیتا جو اس معاشرہ کی برائیوں کا علاج کر سکے اور عالمی قیادت کی ذمہ داری بھی سنبھال سکے۔ اسلام کے علاوہ جو ایک لافانی دین ہے جس نے دنیا کو امن و

امان اور صلح و آشتی کا مژدہ سنایا، آزادی وحریت، حرمت ومروت کا پیغام دیا۔ اس دنیا کے انسانوں کو حقیقی سلامتی کی ضمانت دی جسکی بنیاد عدل وانصاف اور ایمان باللہ پر ہے ۔ کوئی ایسی تہذیب نہیں ہے جو انسانیت کو اس کا کھویا ہوا وقار واپس دلا سکے ۔ اسلام کے علاوہ کسی تحریک یا ازم کے پاس کوئی ایسی روشن اور واضح تاریخ نہیں جس کے اوراق میں انسان اپنی عظمت رفتہ تلاش کر سکے

(۴) (ماضی میں)

اسلامی تہذیب ہی سے لوگوں نے ایفائے عہد، امانت داری اور معاملہ فہمی کے مفہوم کو سمجھا ہے ۔ انسانیت کی صحیح توضیح، مساوات و بھائی چارگی کے صحیح اصول اور مقام کو پہچانا ہے ۔ اسی کلچر کے زیر سایہ رہ کر نوع انسانی نے توحید و ایمان سے سرشار ہوئی ہے اور انسانیت کے صحیح لب ولہجہ ۔ ثقافت کی پاکیزہ روح کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کی ہے ۔ اسی کی سرگردگی میں صحیح تہذیب اور شائستہ کلچر کی بنیاد رکھی ۔ جس نے عالم کے بے نور اور تاریک گوشوں کو اپنی ضیا، بار کرنوں سے منور کر دیا اور بڑے بڑے دانشوروں، تعلیم گاہوں، رصد گاہوں، زبان وادب اور فنون لطیفہ کو جنم دیا جس سے پوری دنیا اپنے ظرف کے بقدر فائدہ اٹھاتی رہی ہے، اسی کی تعلیم کے طفیل بڑی بڑی اکیڈمیاں اور بحث وتحقیق کے مراکز وجود میں آئے جنھوں نے مردہ فنون کو جلا بخشی ۔ طب وجراحت، صنعت وزراعت ۔ سائنس وفلسفہ اور اس کے مبادیات کی نشأۃ ثانیہ اسلام ہی کی رہین منت ہے

(۵)

گرچہ صلیبی اور صیہونی طاقتوں نے تمام بے راہ رو اور تخریب کار عناصر کو یکجا کر کے اسلامی ثقافت کے لافانی اصولوں کو فنا کے گھاٹ اتارنے کی لاحاصل کوشش کی ہے پھر بھی اسلامی ثقافت اور اس کا مخصوص کلچر اسی طرح مضبوط اور ناقابل تسخیر ہے اور زندگی کے ہر میدان میں صحیح رہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے اور اب اسلام ہی وہ آسمانی مذہب باقی رہا ہے جس کی صالح تعلیمات، واضح اصول ہر زمانے میں اور ہر جگہ یکساں قیادت کر سکتے ہیں اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا نائب اور اس کا خلیفہ پیدا کر سکتا ہے، یہی عدل وانصاف کا امین ہے اور مساوات وبرابری کا نقیب بھی ۔

انسان اس وقت تک مامون نہیں رہ سکتا اسکا گم گشتہ وقار اسے دوبارہ نصیب نہیں ہو سکتا اس کی روحانی سعادت نہیں مل سکتی جب تک یہ مغربی تہذیب اس پر مسلط رہے گی ـــــ ھاں ! عہد رفتہ کے زریں نقوش پھر اس کی جبین پر روشن ہو سکتے ہیں ۔ اس کا اپنا کھویا ہوا سرمایہ واپس مل سکتا ہے اگر وہ اسلام کی واضح اور مکمل تعلیمات اپنالے اور اس کو اپنی زندگی کا لازمی جزء بنالے

کیا تم نے وہ آواز نہیں سنی ، وہ نغمے نہیں سنے جو آج بھی فضاؤں میں گونج رہے ہیں ، اس دور کے سرمدی نغمے جس کے دم سے بغداد ، قاہرہ ، دمشق ، قرطبہ ، قیروان اور فارس کی گلیوں میں رونق ہے ۔

یورپ کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک سرسبز اور خوش پوش میدان تک جانے کیلئے بیقرار ہے مگر وہاں تک پہونچنے کیلئے ایک ایسی راہ گذر کا انتخاب کیا ہے جو بے آب و گیاہ اور لق و دق صحرا تک پہونچتی ہے ۔ یورپ کے لوگ آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی روشنی میں رہتے ہوئے بھی جہالت اور اخلاقی رذائل کی شدید ظلمت میں زندگی گذار رہے ہیں ۔ وہ اسلامی قوانین کی وسعت اور ہمہ گیری کو جانتے ہیں اور اپنے دور سے اس قدر گھبرا گئے ہیں کہ اسلامی تعلیمات کے سائے میں پناہ کی تلاش میں ہیں کیونکہ اسلامی تعلیمات اور اس کی ثقافت نے انھیں باور کرادیا ہے کہ اگر کوئی مذہب انسانیت کو دوبارہ زندہ کرسکتا ہے اور اس کا کھویا ہوا وقار منصب واپس دلا سکتا ہے تو وہ اسلام ــــ اس کی بلند کرداری اور وحدانیت باللہ کی تعلیم ہے ۔ انھیں یہ بھی معلوم ہے کہ انسانیت کی بے چین اور مضطرب روح کو اگر کہیں اطمینان و سکون نصیب ہوسکتا ہے تو وہ اسلام کے سائے میں رہ کر ۔

وہ جو نوجوانوں کا ازم ہے اور جس کو عالمی اضطراب کا مظہر کہہ کر نظر انداز کیا جارہا ہے ، میں کہتا ہوں یہ ازم بے چینی کا ازم ہے ۔ اس کو سکون صرف اسلام ہی میں مل سکتا ہے ۔

(۶)

آنے والا کل اسلام کا ہوگا ،

اس کی مستقل تہذیب اور ہمیشہ رہنے والے دین کا ہوگا اسلئے کہ یہی واحد تہذیب ہے جس نے نظم و ضبط عدل و انصاف ، مساوات و برابری کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں کہ رنگ و نسل ، ملک و وطن اور قوی و ضعیف کا فرق خود سے ختم ہوگیا ۔ اسلام ہی دراصل امن و امان ، صلح و آشتی ، مودت و رحمت ، چین و سلامتی اور امداد و تعاون کا پاسبان ، محافظ اور نقیب ہے ، روشنی کا مینارہ اور اس کا سرچشمہ اسلام ہے ، علم و معرفت ۔ رشد و ہدایت کا مصدر اور اس کا مبدأ اسلام اور اس کی مثالی تہذیب ہے ، حریت و آزادی اسلام سے علیحدہ ہوکر کوئی چیز نہیں ، امن و سلامتی اسلامی تعلیمات کی مرہون منت ہے ، حبشی غلام بلال ، روم کے صہیب ، فارس کے سلمان اور قریش کے عمر گلشن نبوی کے خوشہ چین علی حیدر نبوی سے سرشار معاویہ میں کوئی فرق نہیں ، رنگ و نسل مال و دولت ، حسب و نسب کا کوئی امتیاز نہیں ، حکمراں کو رعایا سے زیادہ مراعات نہیں ، مالدار کو غریب سے زیادہ عزت نہیں ـــــ مستقبل اسلام کی واضح تعلیمات کا ہے ، حقیقی قوت اسلامی قوت ہے قبل اسکے کہ دنیا تباہ ہوجائے اسلام کو ایک بار پھر عالم کی قیادت کرنی چاہئے ۔

بے نشاں بے صدا ہیں ہم...

نصر قریشی

فصیلِ وقت میں بھٹکی ہوئی صدا ہیں ہم
لبِ حیات پہ سہمی ہوئی دعا ہیں ہم

حصارِ زیست میں امید کا چراغ بجھا
دیارِ نور میں جیسے کوئی گپھا ہیں ہم

ہر ایک سمت ہے بیگانگی کی سرد فضا
خود اپنے شہر میں اب صورتِ گدا ہیں ہم

ہمارے پیچھے بھی پرچھائیوں کا رقص نہیں
اندھیری وادی میں بے سایہ بے صدا ہیں ہم

لہولہان دریدہ گلوں کے پیراہن
لٹی بہار کے ہونٹوں پہ مرثیہ ہیں ہم

بلند ہونے لگے شعلے نامرادیوں کے
ہوا کی زد میں بھڑکتی ہوئی چتا ہیں ہم

دریچے یادوں کے ویران ہو چکے کب کے
کسی منڈیر پہ بجھتا ہوا دیا ہیں ہم

شکارِ گردشِ ایام تاجدار ہوئے
سیاہ جبر کا جیتا ہوا قلعہ ہیں ہم

وحید رائے بریلوی

ہر لمحہ احساسِ حضوری
پوچھے ہم سے لذتِ دوری

سوز و گدازِ دل بھی ضروری
عشق میں ہے یہ شرطِ حضوری

حسنِ طلب کا اک آئینہ
دل کی تڑپ اپنی مجبوری

ٹھہر دلِ بیتاب چلیں گے
سیکھ تو لیں آدابِ حضوری

ان کی تمنا ان کی توجہ
یہ بھی ضروری وہ بھی ضروری

دل میں جب انکی یاد بسی ہو
دوری بھی ہے عینِ حضوری

آ کہ تجھے سینے سے لگا لوں
اے غمِ دوری اے غمِ دوری

بے خبرانِ سوزِ تمنا
کرتے ہیں تلقینِ صبوری

کس کو سنائیں کون سنیگا
شرحِ تمنا وہ بھی ادھوری

سوزِ طلب سے دل تو ہو روشن
اٹھ جائیگا پردۂ دوری

پیش کئے جانے کے قابل
دل کی تمنا ہوگی پوری

بھیج درود ولی کی گوشیں
یہ بھی ہے آئینِ حضوری

دیکھ وحیدِ زار و پریشاں
قرب کا آئینہ ہے دوری

زہر آلود مسکراہٹ

جبیب احمد صدیقی

طاہرہ افضل کے ساتھ رنگون پہونچی، شروع شروع تو نجے طاہر کی جدائی اسے آبدیدہ کردیتی، وہ نہ جانتی تھی امی جان اور ابا جی پر کیا گذری۔ افضل اس کی دلدہی کرتا، اسے نت نئی دلچسپیوں میں الجھائے رہتا، سال پورا نہ ہوا تھا کہ امی جان وابا جی کو بھول گئی انور اور طاہر کو بھول گئی، افضل کے یہ کہنے پر کہ اب تمھیں اپنے آپ کو میرے قابل بنانا ہے، اس نے اپنے آپ کو افضل کے شایاں شان بنانے کے لئے اپنی تمام تر توجہ تعلیم پر مرکوز کردی، اسنے مغربی مشرقی ڈانس سیکھے، مغربی تہذیب کے رکھ رکھاؤ سیکھے اور ہر وہ بات سیکھی جو اعلی سوسائٹی کیلئے ضروری تھی۔ تعلیمی اعتبار سے اس نے رنگون یونی ورسٹی سے امتیاز کے ساتھ بی، اے، کیا، پانچ سال کی مختصر مدت میں وہ افضل کے قدم بقدم شانہ بشانہ رنگون کی رنگین فضاؤں میں بڑے بڑے ہوٹلوں کلبوں میں رئیسوں کی جانِ محفل بن گئی، جب وہ بیزار ہوکر افضل سے تقاضا کرتی کہ آخر وہ دن کب آئیگا جب آپ ایک دوست کی حیثیت سے نہیں بیوی کی حیثیت سے متعارف کراؤگے ـــ افضل کہتا اب وہ دن بہت قریب آگیا ہے، اباجان حج بیت اللہ شریف جانے والے ہیں، جانے سے پہلے وہ تمام تر کاروبار میرے حوالے کرجائیں گے، اگر میں نے اس سے پہلے تم سے شادی کرلی تو ہوسکتا ہے اباجان ناراض ہوکر سب کچھ ثمینہ اور اس کے شوہر کے نام کردیں ـــ طاہرہ مطمئن ہوجاتی۔

ایک دن طاہرہ بے وقت افضل کے بیڈ روم میں جا پہونچی، میز پر ایک لفافہ پڑا تھا جسپر ہندوستان کی مہریں لگی تھیں، بھیجنے والے کا نام شیخ محمد اکرم تھا، اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ نام افضل کے والد صاحب کا ہے اور وہ خط کھول کر مضمون کی لائنوں پر آنکھیں دوڑانے لگی، خط کا مضمون تھا:

برخوردار افضل!

چاہتا ہوں تمام تر کاروبار تمھارے حوالے کرنے سے پہلے تمھارا گھر بھی بسا دوں، تمھاری شادی کئے بغیر میں حج بیت اللہ بھی نہیں جاسکتا، لڑکی میں نے پسند کرلی ہے تمھاری امی اسے دیکھ چکی ہیں اور خوش ہیں، ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہے باپ کے

چھ بڑے بڑے کارخانے ہیں، اندازہ ہے نقد و املاک ملا کر دس کروڑ کی مالیت ہے۔ مجھے امید ہے میرے انتخاب سے تمہیں اتفاق ہوگا۔

فقط محمد اکرم

خط طاہرہ کے ہاتھوں میں لرزنے لگا، اسکے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ اچانک ردی کی ٹوکری پر اس کی نظر پڑی، ایک مڑا تڑا نامکمل خط اس میں سے اٹھایا جسے سیاہی پھیل جانے کی وجہ سے شاید افضل نے کینسل کر دیا تھا اور دوسرا لکھ کر بھیج دیا تھا۔ ادھورا مضمون تھا:

ابا جی! آپ کا خط ملا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی میں آپ کی اور امی جان کی خواہشوں کو ٹھکرانا نہیں چاہتا میں آپ لوگوں کے انتخاب سے مطمئن ہوں۔

خط اور خط کے جواب سے طاہرہ پر بجلی گری۔ وہ نڈھال ہو کر کرسی پر گر گئی۔ اس وقت وہ برسوں کی بیمار نظر آ رہی تھی ـــــ یکایک ماضی میں بیتی ہوئی زندگی کے صفحے الٹنے لگے۔ اس کے تصور میں پیکر خلوص انور کا چہرا ابھرا، نہایت نرم لب و لہجہ میں طاہرہ کو ہمیشہ کی طاہرہ سمجھاتے ہوئے طاہرہ یہ نوکری جسے میں کر رہا ہوں اس کی جڑ زمین سے تین گز اوپر ہوتی ہے یہ ترقی کا راستہ نہیں ہے، دنیا میں آدمی کی عزت صرف پیسے سے ہوتی ہے اور پیسہ نوکری سے نہیں بلکہ پیسہ ملتا ہے تجارت سے، ذاتی کاروبار سے۔ اس کے لئے علم و تجربہ چاہیئے اور پھر یکایک انور کے چہرے کی جگہ امی جان کا چہرہ ابھرا۔ طاہرہ! یاد رکھو۔ عورت کے دامن میں لگا ہوا بدچلنی کا داغ اس کی موت بھی نہیں دھو پاتی ـــ پھر اسے نظر آیا۔ نہا لیچہ پر لیٹا ہوا ہاتھ پیر مارتا ہوا ننھا طاہر، منظر کے سامنے آتے ہی اس کے منہ سے بے تابانہ نکلا طاہر! اور اس نے چاہا میں دوڑ کر طاہر کو بھینچ لوں مگر وہاں طاہر نہ تھا بلکہ وہ خود کرسی سے گر گئی تھی ـــ آج اسے پہلی بار اپنے انتہائی اقدام پر افسوس ہوا، دل کی گہرائیوں سے اٹھتی ہوئی ہوک وہ دبا نہ سکی اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی ـــ وہ کافی دیر تک روتی رہی، جب طبیعت کو ذرا سکون ہوا کچھ دل کی بھڑاس نکل گئی تو اسنے اپنے آپ کو سنبھالا ہی تھا کہ افضل بھی آگیا تھا، اس نے جب طاہرہ کے ہاتھوں میں اپنے ابا جان کا خط دیکھا تو ٹھٹھک گیا طاہرہ افضل کو دیکھ کر طنزیہ لہجہ میں بولی آئیے آئیے تشریف لائیے، رک کیوں گئے؟ شادی مبارک ہو ـــــ ہوں! تو تمہیں سب معلوم ہو گیا۔

طاہرہ: جب ہی تو مبارکباد دے رہی ہوں افضل یقیناً تم ایک بہترین دوست ہو، مبارک بادی کا شکریہ

طاہرہ! لیکن تم تو مجھ سے شادی کا وعدہ کر کے

لائے تھے کیا ہوئے تمہارے وعدے، کیا ہوئیں تمہاری قسمیں، تمہارے لئے میں نے اپنے بچے کو چھوڑا، ماں باپ کو چھوڑا

افضل: اس کے باوجود تم سمجھتی ہو میں تمھیں اپنی بیوی بنا لوں گا۔ تم نے اپنے عیش و عشرت کیلئے فرشتہ صفت شوہر کو چھوڑا، ضعیف العمر ماں باپ کو چھوڑا، اپنے چھ ماہ کے بچے کو چھوڑا جسے تم نے پوری مدت دودھ بھی نہ پلایا تھا صرف حسین و رنگین زندگی کیلئے میں نے سب کچھ تمھیں دیا، جب بھی تم سے شادی کا وعدہ کیا اس وقت اپنے وعدے کی قیمت ادا کی۔ یہ ہزاروں روپے کے قیمتی کپڑے، کار، نوکر چاکر اور ہاں طاہرہ! تم داشتہ ہو داشتہ کو کوئی بیوی نہیں بناتا، تم چاہو تو ہمیشہ میرے ساتھ اسی طرح رہ سکتی ہو۔ یقین کرو میں شادی کے بعد بھی اپنی مہربانیوں میں کمی نہیں کروں گا۔

طاہرہ: نہیں! مجھے تمہاری صورت سے نفرت ہو چکی ہے، میں تمہارے جیسے شرابی، بدکار انسان کے سائے سے بھی دور رہنا چاہتی ہوں۔

افضل: میں شرابی بدکار ہوں، یہ تمھیں آج معلوم ہوا، تم جا سکتی ہو اور یہ سب کچھ لے جاؤ جو تمہارے گناہوں کی کمائی ہے۔

طاہرہ حیرت زدہ اسے دیکھتی رہی اور افضل مسکراتا ہوا چلا گیا ـــــ اس پر گریہ کا عالم طاری ہوا وہ بے تحاشہ بستر پر گر پڑی افضل زہر آلود مسکراہٹ بکھیرتا ہوا چلا گیا، وہ تکیئے میں منہ چھپا کر رونے لگی اور روتے روتے سو گئی۔

افضل ہوٹل پہونچا، شہر رنگون کا سب سے شاندار ہوٹل جہاں افضل کی اکثر راتیں گذرتی تھیں۔

ہوٹل کی بالائی منزل کے ایک اس کے نام ریزرو کمرے میں اس کی نئی محبوبہ منتظر تھی اس کی لیڈی سکریٹری کمرے میں پہونچتے ہی افضل نے اسے بانہوں کے دائرے میں جکڑ لیا اور وہ کسما کر گھبرا کر الگ ہو گئی

لیڈی سکریٹری: آپ نے مجھے بہت مجبور کر دیا، میں بہت ڈرتے ڈرتے آئی ہوں، خدانخواستہ میرے ...... میرے شوہر کو پتہ چل گیا تو وہ مجھے مار ڈالے گا جو بہت جلاد انسان ہے۔

افضل: ڈرو نہیں میں پھولوں سے کھیلنے سے پہلے اس کے کانٹے دور کر دیا کرتا ہوں ـــــ اس وقت تمہارا شوہر میرے ایک خاص آدمی کے ساتھ شہر سے دور تھیٹر ہال میں مشہور بری رقاصاؤں کا رقص دیکھ رہا ہے، وہ آدھی رات سے پہلے واپس نہیں آئیگا، اسکی محبوبہ نے اطمینان کا سانس لیا اور افضل کی بانہوں میں جھول گئی، اس وقت جبکہ افضل کی دوسری بوتل ختم ہو چکی تھی پلنگ پر نیم دراز اس سے لپٹی ہوئی نیم عریاں اس کی محبوبہ تھی، دونوں پر مدہوشی اور خود فراموشی طاری تھی، یکایک ایک تیز دھماکہ کے ساتھ کمرے کا

بند دروازہ ٹوٹ گیا، قبل اس کے کہ افضل صورتحال کو سمجھتا اندر آنے والے خوش پوش نوجوان کے پستول کی تابڑتوڑ دو گولیاں افضل کے سینہ کو پار کر گئیں ـــــ ایک لمحہ نہ بیتا تھا کہ دو گولیوں نے افضل کی محبوبہ کے بھی سینے میں سوراخ کر دئے، تڑپتی ہوئی لاشوں کا نظارہ کرتا ہوا قاتل دروازہ پر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

بالائی منزل سے پستول کی چار آوازوں نے ہال میں موجود ہر شخص کو سراسیمہ کر دیا تھا۔ دھیمے سروں میں بجتا ہوا آرکسٹرا خاموش ہو گیا ـــ بدحواس منیجر نے بامشکل اپنے آپ کو قابو میں کرتے ہوئے پولیس کو فون کیا اور چند لمحوں میں پولیس آ گئی، پولیس کی سمت میں تیزی سے اوپر چڑھنے والا پولس افسر اس وقت لڑکھڑا گیا جب اس نے قاتل کو پستول بکف دیکھا۔

(قاتل پستول کی نال تھام کر پولیس افسر کی طرف بڑھاتے ہوئے) آؤ انسپکٹر مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔

انسپکٹر (رومال سے پستول تھامتے ہوئے) میں تمہیں دو قتل کے جرم میں گرفتار کرتا ہوں۔

قاتل: انسپکٹر! دو نہیں تین۔

انسپکٹر: تیسرا کون؟

قاتل، تیسرا اس عیاش تاجر کا دلال جو مجھے تھیٹر سے گیا تھا اس کی لاش تھیٹر ہاؤس کے پیچھے اندھیرے میں پڑی ہے۔ (لیڈی سکریٹری کی طرف انگلی اٹھاتے ہوئے) انسپکٹر! یہ بدکار عورت میری بیوی تھی، اس عیاش کروڑپتی کی لیڈی سکریٹری تھی اور اس کی بے پناہ مہربانیوں کے جواب میں اس کی داشتہ بن گئی تھی، مجھے پہلے ہی سے ان لوگوں پر شک ہو گیا تھا اور ان دونوں کے آج کے پروگرام کا مجھے علم ہو گیا تھا۔

صبح رنگون کے اخبار میں یہ خبر شاہ سرخی تھی کہ مشہور ہندوستانی تاجر کا قتل ہو گیا۔

گھبرائے ہوئے نوکر نے جب لرزتے ہاتھوں سے طاہرہ کو اخبار دیا تو طاہرہ کی نظر شاہ سرخی پر پڑتے ہی اس پر جیسے بجلی گری ہاتھ سے گرا ہوا اخبار پھر اسے جھک کر اٹھا لیا، خبر کو پڑھا، اسکے ہونٹوں پر ایک زہر آلود مسکراہٹ بکھر گئی۔

ظفر مراد آبادی

ہر دلفریب یاد سے ہستی سجایئے
بجھتے ہوئے چراغِ تمنا جلایئے

یوں اعتبارِ شوق کی وسعت بڑھایئے
دل میں سما کے میرے تصور میں آیئے

دیکھیں گے اپنا جذبِ وفا دل کا حوصلہ
آپ اور میری راہ میں کانٹے بچھایئے

گلچیں کے ساتھ خارِ چمن بھی رقیب ہیں
کیسے کہوں کہ رنگِ بہاراں میں آیئے

طے کس طرح کریں گے محبت کے فاصلے
کہتے ہو تم "فریبِ تمنا" نہ کھایئے

پھر بے خودی میں آ ہی گیا تیرا تذکرہ
اے دوست کس طرح سے تجھے بھول جایئے

ظلمت ہے ہر چراغِ محبت میں اے ظفر
گر ہو سکے تو "خونِ تمنا" جلایئے

سوز حسنی

چہرے سے نقاب اپنے اٹھا کیوں نہیں دیتے
اک شمع اندھیرے میں جلا کیوں نہیں دیتے

یہ طنز، یہ تنقید ہے نفرت کی علامت
ہر مشورہ اخلاص سنا کیوں نہیں دیتے

تم حامیٔ تہذیب ہو تم وقت کے رہبر
ننگا ہے مرا جسم قبا کیوں نہیں دیتے

بہتی ہیں رگِ سنگ سے جذبات کی موجیں
ان پر بھی کوئی روک لگا کیوں نہیں دیتے

مے خانے میں اب لاؤ تو انکار کے ساغر
یہ ٹوٹے ہوئے جام اٹھا کیوں نہیں دیتے

ان شعلہ نفس شعلہ بیاں لوگوں سے پوچھو
بے حس ہے یہ ماحول صدا کیوں نہیں دیتے

اے سوز نہیں فکر میں جذبات کی گرمی
احساس کو رنگوں کی قبا کیوں نہیں دیتے

غزل

منوہر لال ہادی

بہلاتے رہے دل تری یادوں کے صنم سے
دنیا کی مسرت نہ سمیٹی گئی ہم سے

ہستی کے سمندر سے تو قطرہ بھی نہ پایا
پھر کیا کوئی امید رکھوں بحر عدم سے

آتا ہے مرے ذہن کو بھی پھول اُگانا
دیکھو تو ذرا کرکے رہا بندش غم سے

یوں ہی بھی، ہو جاتی ہے کچھ آتش غم سرد
بے وجہ پریشان ہوں کیوں دیدۂ نم سے

یہ تند ہوائیں یہ جگر سوز بلائیں
پاتی رہیں تحریک تری خوئے ستم سے

میخانۂ دل ہو کہ صنم خانۂ عشرت
سب چھوٹ گئے گردش دوراں کے کرم سے

یہ خون کے دھبیا یہ لپکتے ہوئے شعلے
زندہ ہے شہنشاہی جمہور کے دم سے

تیشے سے بھی اسرار کی دیوار نہ ٹوٹی
پھر کیا جو گرائی نہ گئی دیر و حرم سے

کیا سوچ کے پہنی تھی یہ زنجیر تقدس
اک بار بھی آئی نہ ہوا باغ ارم سے

دامن میں بصیرت ہے نہ زنبیل میں سودا
ہادی ملے کیا فیض کسی نقش قدم سے

غزل

واصل شفائی

فاصلہ پیار میں اب یوں ہی مٹایا جائے
ان کی خوشیوں کو مرے غم سے ملایا جائے

•

پھر کسی خار پہ تنقید کے پتھر پھینکیں،
پھر کسی پھول پہ الزام لگایا جائے

•

جن کا دعویٰ ہے وہ معصوم نہیں ہو سکتے
ایسے لوگوں کو مرا چہرہ دکھایا جائے

•

میرے دل نے بھی کسی دل سے محبت کی ہے
دوستو مجھ کو بھی سولی پہ چڑھایا جائے

•

درد و آلام کا احساس مٹانے کے لئے
ان کی صورت کو نگاہوں میں بسایا جائے

•

جن کے ہاتھوں میں مقید ہو شفا کی دولت
ان طبیبوں سے غم دل کو چھپایا جائے

•

بغض و تفریق کی دیوار گرا کر واصل
آؤ اک جشن مساوات منایا جائے

افسانہ

ایک بوند ساگر

اختر کاظمی

اس نے اکثر ڈیڈی اور ممی سے کامل کا ذکر سنا تھا ـــ ہوگا کوئی ـــ یہ سوچ کر رہ جایا کرتی تھی لیکن ایک دن چودھری صاحب کے یہاں بھی اس کا تذکرہ آیا ـــ فرشتہ صفت ہے، نیک دل اور رحم دل ہے، حسین ہے، بہادر ہے، محنتی ہے شفیق و مخلص ہے، سراپا ایماندار ہے وغیرہ وغیرہ نہ جانے کس کس خصوصیت کا واحد مالک ہے وہ ـــ کالج میں بھی اکثر اس کے متعلق سہیلیوں میں چرچے ہونے لگے ـــ اس کا تجسس بڑھتا ہی جا رہا تھا، اسکو دیکھنے، اس سے ملنے کی خواہش دل میں پیدا ہو چکی تھی ڈیڈی سے اتنا معلوم ہوا تھا کہ ان کی کرائے پر اٹھی ہوئی پچاس کھولیوں میں سے ایک کا وہ بھی کرایہ دار ہے اس کی بیمار بہن ہے اور بس!

ایک دن وہ یونہی کالج سے واپس ہوتے وقت کار ڈرائیو کرتی ہوئی کھولیوں کی طرف چل پہونچی سامنے سے دونوں طرف جھونپڑوں کی قطاریں تھیں۔ گلی اتنی چوڑی نہیں تھی کہ گاڑی آگے لے جائی جا سکتی اتر کر پیدل چلنے لگی ـــ دور سے تو ان جھونپڑوں کو اکثر دیکھا تھا، آج قریب سے انھیں دیکھ رہی تھی اتنے تنگ جھونپڑے میں لوگ کیسے رہ لیتے ہیں ـــ اس کی رگ احساس تیز ہو گئی ـــ کس طرح جیتے ہیں کچھ لوگ ـــ اسے آج سوچنا پڑ رہا تھا، کیسی بستی ہے یہ؟ نہ روشنی نہ پانی ـــ اتنی کھولیوں کیلئے صرف ایک جگہ دو نل لگے ہوئے تھے ـــ جن کو پانی تک ٹھیک سے میسر نہ ہو سکے انھیں دوسری چیزیں کہاں سے ضرورت کے مطابق نصیب ہو سکتی ہوں گی ـــ اس کے پاؤں من من بھر کے ہو گئے وہ یہ بھول ہی گئی کہ یہاں کس مقصد کیلئے آئی ہے ـــ معاً اسے یاد آیا تو قریب سے گذرتے ہوئے ایک ضعیف العمر آدمی سے کامل کی جھونپڑی کے متعلق پوچھا دوسرے لمحہ وہ ایک جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی تھی، دروازہ اندر سے بند تھا۔

کھٹ کھٹ ..... اس نے زنجیر کھڑکائی۔

کون؟ اندر سے نحیف نسوانی آواز آئی۔

دروازہ کھولو بہن!

کسی کی چارپائی سے اٹھنے کی آہٹ ہوئی، دروازہ کھل گیا، دروازہ کھلتے ہی آواز آئی "نسرین تم؟"

"جی!" اسے حیرت ہوئی کہ یہ اسے کیسے جانتی ہے؟

"آؤ آؤ، اندر آ جاؤ" وہ بیمار لبوں پر

زبردستی تبسم لاتی ہوئی بولی ۔ " تم نے مجھے نہیں پہچانا؟ میں ماہ جبین ہوں ، میٹرک کی تمھاری کلاس فیلو !

" اوہ مجو تم ... یہ ... یہ تم ؟ "

" ہاں میری بہن "

دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئیں ، نسرین کی آنکھیں بھر آئیں ——— ایک وقت وہ تھا کہ کلاس کی لڑکیوں نے اس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر چاندنی بی کا خطاب دیا تھا ، چند سالوں میں اسے بیماری کھا گئی سارے زمانے کا درد اس کے دل میں سمٹ آیا ہمدردی کا بے پایاں سمندر امڈ پڑا ، اس سے علحدہ ہو کر آہستہ سے اسے اسٹریچر نما چارپائی پر بٹھاتی ہوئی بولی ———

" یہ کیسی حالت تمھاری ہو گئی مجو ؟ کب سے بیمار ہو ؟ تمھیں تو اسپتال میں ہونا چاہئے ———

وہ بھی قریب بیٹھ گئی ۔

" یہ بات نہیں نسرین ! یہ دیکھو دوائیں ڈھیروں ہیں " ——— وہ قریب کے اسٹول کی طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی :

" بھائی جان میرا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں اب تو پہلے سے کہیں بہتر ہوں "

" اُف ! " نسرین کو اپنا سر چکراتا ہوا محسوس ہوا کیا دیکھنے آئی تھی ، کیا دیکھنے کو ملا ——— اسی شہر میں رہتی ہوئی تم مجھ سے نہیں ملیں ؟ "

اس نے پوچھا

" تمھارا شکوہ ٹھیک ہے نسو " وہ خفیف آواز میں بولی اور خاموش ہو گئی ۔

تبھی دروازے پر آہٹ ہوئی :

کوئی پردے والی ہیں کیا مجو ؟ مردانہ آواز میں پوچھا گیا ۔

" پردہ کرو گی کیا ؟ " ماہ جبین نے نسرین سے پوچھا ۔

یہاں تک بے نقاب آئی ہوں تو کیا تم سمجھتی ہو پردہ کرتی ہوں ؟ بلا لونا ! "

اندر بلانے سے قبل کامل اندر آ گیا ، مردانہ حسن کا مالک ، خوبرو نوجوان اس کے سامنے کھڑا تھا ، وہ سوچنے لگی ، لوگوں نے ایک صفت تو اس کی تعریف میں چھوڑ ہی دی تھی ، وہ جواب دیکھ رہا ہے ۔

" معاف کرئے گا محترمہ " ——— کامل بلا تمہید کے بولا ۔ " بات یہ ہے کہ آپ کیسے بھلا پردہ کر سکتی ہیں ، پردہ تو ہمارے یہاں کی عورتوں پر جائز ہے ، بڑے لوگ تو دولت کے نقاب میں ڈھکے ہوتے ہیں ، انھیں کپڑے کے پردے کی کیا ضرورت ہے ، کیوں مجو ؟ اور ہاں تم نے چار بجے دوا پی تھی ؟

" جی ہاں پی تھی ——— وہ مسکرائی ۔ " یہ میری پرانی سہیلی ہیں ، نسرین نام ہے ، ناصر صاحب کی اکلوتی صاحبزادی "

نسرین نے جو کامل کی کٹیلی بات سے بے حد متاثر ہوئی تھی جیسے خواب میں سلام کیلئے ہاتھ اٹھایا کامل نے جواباً اسی طرح سلام کیلئے پیشانی تک ہاتھ اٹھایا اور لکڑی کی الماری سے کھانے کا سامان نکال کر کونے میں رکھی ہوئی چھوٹی میز پر سجا کر بیٹھ گیا ۔

اس وقت کھانا ؟ ——— مدھم آواز میں نسرین

نے مہ جبین سے سوال کیا۔
"صبح ہی دونوں وقت کا اپنے ہاتھوں سے پکا کر کھاتے ہیں اور اس وقت کیلئے رکھ جاتے ہیں، جلدی کھا کر پھر چلے جاتے ہیں، چھ بجے سے تین چار جگہ ٹیوشن پڑھانا ہوتا ہے، بارہ بجے فرصت ملتی ہے اسلئے جلدی ....."

اور جب تک وہ کھانا کھاتا رہا کوئی کچھ نہ بولا کھانے کے بعد تولیہ سے ہاتھ صاف کرتا ہوا بولا۔
"دودھ، دلیہ اور پھل وغیرہ الماری میں رکھا ہوا ہے، ٹھیک چھ بجے لے لینا۔
ایک لمحہ کیلئے نسرین کی طرف دیکھتا ہوا بولا،
"محترمہ آپ کی شان میں اگر کوئی گستاخی ہوئی ہو تو ہمیں معاف کر دیجئے گا" اور وہ چلا گیا۔
نسرین کو محسوس ہوا جیسے کوئی سرد سی شے اس کے وجود میں اترتی چلی گئی ہو، وہ سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

کشش آدمی کو آدمی سے قریب لاتی ہے خواہ کسی بھی زاوئیے سے ہو، ورنہ آدمی آدمی سے ملنا تو دور بات تک نہ کرے۔
نسرین کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا، وہ وہاں سے ایک خلش لے کر گئی تھی، فطری کشش تھی جو مہ جبیں اور کامل کی طرف مائل کر رہی تھی، اس نے ڈیڈی سے ان لوگوں کے حالات بتائے اور کھولی کا کرایہ معاف کرنے کی سفارش بھی کی، وہ سرد آہ بھر کر بولے:
بیٹی! تمھاری سفارش سے بیشتر میں نے اس سے کہا تھا، کہتا ہے وہ کبھی کسی کا احسان نہیں لیتا۔

"پر ڈیڈی! یہ تو ایک احمقانہ بات ہے"
"اسی پر تو اس کی بلندی کا انحصار ہے، وہ انسان نہیں واقعی فرشتہ ہے، تم ابھی اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جان سکی ہو، جانتی ہو وہ بہت بڑا ادیب ہے، ایک ناکام ادیب کتنے ہی بڑے آتھرس کیلئے معاوضے پر لکھتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم اپنے محبوب اور ہر دلعزیز فنکار کی کوئی خوبصورت سی چیز پڑھ رہے ہیں، دراصل وہ ہوتی ہیں کامل کی"
"ایسا کیسے ڈیڈی؟"
"بیٹی! ایسا ہی ہونے لگا ہے، وہ ایک کامیاب ادیب ہے لیکن گمنامی کا لیبل اس پر چسپاں ہے، میں سمجھتا ہوں ہر روز کسی نہ کسی پرچے اور اخبار وغیرہ میں اس کے مضمون شائع ہوتے رہتے ہیں" ایک بوند ساگر ناول تم نے پڑھی ہے؟
ہاں ڈیڈی، وہ تو ادب کا ذخیرہ ہے اور کیوں نہ ہو محسن جیسے مشہور و معروف آتھر کا لکھا ہوا
نہیں بیٹی! دراصل اس کا رائٹر کامل ہے۔
ایک روز میں کھولیوں کے قریب دو ایک اور نئی کھولنے کی جگہ دیکھنے کی غرض سے اُدھر گیا تھا، وہ مجھے زبردستی اپنی کھولی پر گھسیٹ لے گیا، تب وہ اس کا دو تہائی حصہ مکمل کر چکا تھا، میں نے اپنی آنکھوں سے "ایک بوند ساگر" کا مطالعہ کیا تھا، یہ پوچھنے پر کہ کس کے لئے لکھ رہے ہو؟ مسکرا کر اس نے کہا تھا نام مت پوچھئے، کیوں کسی کی شہرت پر دھبہ لگے بیٹی! وہ بذات خود ادب کا ایک ساگر ہے جو سمٹ

کر ایک قطرہ بنا ہوا ہے اور قطرے کی بھلا کیا وقعت ہوتی ہے۔ مفلسی کی چادر میں لپٹی ہوئی اس کی زندگی بس کچھ ایسی ہی ہے۔"

"اف ڈیڈی! کیا ہم لوگ اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتے؟"

بہت کچھ کر سکتے ہیں بیٹی لیکن وہ کسی کا احسان نہیں لیتا، کسی کی امداد کو احسان سمجھتا ہے، بھیک سمجھتا ہے، تمھیں معلوم ہوا ہوگا کہ وہ کسی جونیر ہائی اسکول میں قلیل سی تنخواہ پہ ٹیچر ہے اور فالتو وقت میں ادھر ادھر ٹیوشن پڑھاتا ہے، مہنگائی کے اس دور میں کھانے کے ساتھ دوسری ضروریات پوری کرتا ہے، اوپر سے سیکڑوں روپے کی مہینہ میں بہن کی دوا دارو لاتا ہے۔

نسرین ڈیڈی کی باتوں میں کھوئی ہوئی اسکے متعلق سوچتی ہی رہ گئی۔

نسرین کچھ کپڑے دوائیں اور پھل وغیرہ لیکر جبین کے یہاں جا پہونچی، کامل کے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔

مہ جبین نے اسے اتنا سامان لاتی ہوئی دیکھا تو سوچ میں پڑ گئی۔

"بھائی جان سخت ناراض ہوں گے نسو!۔ تمھیں یہ سب لانے کی کیا ضرورت تھی، تم مجھے دیکھنے آگئیں، یہی کیا کم تھا؟"

"اس میں ناراض ہونے کی کیا بات ہے؟۔ میں ان کیلئے نہیں تمھارے لئے لائی ہوں اور تم میری سہیلی ہو، تم کہدو تو یہ سب لے کر میں چلی جاتی ہوں"

"ناراض ہو گئیں؟" وہ بیمار لبوں پر زبردستی تبسم لاتی ہوئی بولی:

"میں کیا کروں میری بہن! بھائی جان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے کہ اب کیا کہوں۔ ان کی خوشنودی کے سوا اور مجھے کیا چاہئے بھلا، وہ میرے بھائی ہیں۔ ان سے مجھے باپ کی بھی شفقت اور محبت ملی ہے۔ سوتیلی ماں نے ساری ہی پراپرٹی ہڑپ لی، ہم تو بے گھر ہو کر رہ گئے تھے، تمھارے ڈیڈی کا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی جو سر چھپانے کو جگہ مل گئی، بڑے ستم ہم پر ٹوٹے ہیں نسو" اسکی آنکھیں بھر آئیں — بھائی جان تب ایم، اے، پریویس میں تھے تعلیم ادھوری رہ گئی، فکر معاش میں سرگرداں ہو گئے اللہ بڑا کرم والا ہے، اسکول میں انھیں جگہ مل گئی، روٹی کا سہارا ہو گیا، میری تعلیم جاری رکھنے کی انھوں نے بھرسک کوششیں کیں لیکن حالات نے سارے راستے ناہموار کر دئے، اُدھر تمھارے بھائی جان کی ٹھوکر نے میری دنیا ہی لوٹ لی، وہ سسکنے لگی، نسرین نے اس کا سر اپنے سینے میں چھپا لیا وہ اسے تسلیاں دینے لگی "سب کچھ بھول جاؤ میری بہن، وہ دوسری لڑکی سے شادی کر کے خوش تھوڑے ہی ہیں، لیکن تم نے اتنی سی بات پر اپنی یہ حالت بنا ڈالی، انھوں نے تمھیں کبھی پیار نہیں کیا، صرف ہمدردی تھی وہ ان کی، جسے تم نے پیار سمجھا، یہ بات انھوں نے مجھ سے پہلے بھی بتائی تھی اور اب بھی کہتے ہیں، خدا کیلئے اب تو اس بھولی ہوئی یاد کو دفن کر دو، تم اب بھی زندہ ہو سکتی ہو، صحت ہی زندگی ہے مجو سب کچھ سوچنا چھوڑ دو۔

مہ جبین کچھ نہ بولی، سسکیاں لیتی رہی، نسرین اسے برابر تسلیاں دے رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور کامل اندر آگیا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، بولا:

"تو یہ روگ ہے میری پیاری گڑیا سی بہن کو تو نے پہلے ہی کیوں نہ بتایا مجھے۔ میں شوکت سے گڑگڑا کر تیرے لئے منتیں کرتا، ہر مشکل مراحل سے گذر جاتا تیرے لئے اور تو؟ تو نے کیا سمجھ کر ایک دولتمند سے پیار کا رشتہ جوڑا تھا پگلی؟ جانتی ہے یہ کسی کے نہیں ہوتے؟ ان کی ہر ہمدردی، ہر احسان میں ان کا اپنا مفاد پوشیدہ ہوتا ہے۔" وہ اپنے بال مٹھیوں میں بھینچ کر رہ گیا۔

ذرا دیر بعد نسرین سے بولا: "محترمہ آپ جا سکتی ہیں، مجھے ہر اس چیز سے نفرت ہے جو میری بہن کی آنکھوں میں اشک لا دے، اور آپ یہ سامان ساتھ لے جائیے۔ میں اگر کسی کی ہمدردی یا احسان لیا ہوتا تو آج میں ایشیا کا مشہور ترین رائٹر ہوتا میرے پاس بھی بینک بیلنس ہوتا، کاریں، بنگلہ اور نوکر چاکر ہوتے۔ میں کہتا ہوں آپ جا سکتی ہیں۔"

نسرین نے جیسے کچھ سنا ہی نہیں اور وہ بے بسی میں ہاتھ ملنے لگا۔

وہ بے حس بنی بیٹھی رہی، کامل غصہ کے عالم میں تھوڑی دیر وہیں ٹہلتا رہا، بعد ازاں کھانے بیٹھ گیا، وہ کھانے لگا تو نسرین نے کہا: "کامل صاحب مانتی ہوں کہ مہنگائی کا زمانہ ہے لیکن اخلاقاً جھوٹ ہی کو پوچھ لینا انسان کا فرض ہے۔"

اس کی بات پر صرف ایک اچٹتی سی نظر اس نے اس پر ڈالی اور بدستور کھانے میں مصروف رہا، نہ جانے کیا سوچ کر وہ زیر لب مسکرا رہی تھی، کھانے کے بعد حسب معمول کامل نے مہ جبین سے دوا کے متعلق ہدایت کی اور باہر جاتے ہوئے نسرین کی طرف دیکھ کر "ویری سوری میڈم" کہا اور تیزی سے چلا گیا۔

مہ جبیں بھی اس وقت مسکرائے بغیر نہ رہ سکی مسکراتی ہوئی بولی: "میرے خیال میں بھائی جان کو تم چاہو تو بدل سکتی ہو!"

"مجو! تم پہلے اپنی صحت کو سنبھالو، باقی میں ٹھیک کر لوں گی۔"

"میں کوئی جان بوجھ کر علالت کی چادر اوڑھے تھوڑے ہی لیٹی ہوں میری بہن! میں کب چاہتی ہوں کہ چل پھر نہ سکوں، کتنی بدنصیب ہوں کہ بھائی کو کھانا تک پکا کر کھلا پلا نہیں سکتی، اُف!"

شب و روز گذرتے گئے، نسرین کا معمول بن چکا تھا وہ کالج سے چھٹی کے بعد اور دیگر چھٹیوں میں مہ جبین کی کھولی میں موجود ہوتی، کامل میں کوئی تبدیلی نہ آئی، البتہ وہ خود اپنے اندر کسی تبدیلی کو محسوس کر رہی تھی، ہر گھڑی کامل کی حرکتیں اور اسی کا خیال دل و دماغ میں سایہ فگن رہتا تھا، مہ جبین کی حالت اور گرتی جا رہی تھی، نسرین سے ملاقات کے بعد اس کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے تھے، نسرین کے بھائی شوکت کی وہ محبت و عہد و پیمان اور وہ بے وفائی اسے یاد آ رہے تھے اور یہی سبب تھا اس کی بیماری کا۔

شوکت سے بچھڑنے کے بعد اس میں جینے کی خواہش
باقی نہ رہی تھی اور جس کسی میں جینے کی تمنا نہ ہو وہ کبھی اچھا
نہیں ہو سکتا، اس پر کوئی دوا کوئی دعا کارگر نہیں ہو سکتی
نسرین اس کی ہر ممکن خدمت اور امداد کرتی تھی، اسے
ان دونوں سے اپنے جسم میں دوڑتے ہوئے لہو کا سا
رشتہ محسوس ہوا تھا، کامل تو اس کے خوابوں کا مرکز بن
چکا تھا، دوسرے لفظوں میں وہ اس سے محبت کرنے
لگی تھی۔ ایک دن اس نے مہ جبین کے روبرو ہی کامل کا
ہاتھ تھام کر کہدیا: "میں نے اپنی زندگی کا مالک آپ کو
چن لیا ہے، ڈیڈی، ممی، بھائی جان اور بھابی سبھی سے
میں نے اپنی پسند بتادی ہے، آخری فیصلہ آپ کے ہاتھ
میں ہے اور مجھے یقین ہے آپ مجھے قبول کرلیں گے"
"زندگی کے فیصلے اتنی عجلت میں نہیں کئے جاتے
نسرین!" ــــ وہ اسے سمجھانے لگا "ہمدردی
کے جذبات میں بہہ کر تمھیں کوئی ایسا غلط فیصلہ نہیں
کرنا چاہئے جو تمھاری زندگی کی راہوں میں پھول کے
بجائے کانٹے بھر دے، تم اپنا فیصلہ بدل دو، میں
تمھیں کچھ نہ دے سکوں گا، میرے پاس کچھ بھی تو نہیں ہے"
"آپکے پاس دنیا کی سب سے قیمتی شے ہے، پیار بھرا
ایک خوبصورت سا دل۔ بس مجھے یہی چاہئے، میں شوکت
بھائی کے لگائے ہوئے اس داغ کو اس طرح مٹا دینا
چاہتی ہوں، مجھے دولت کی کمی نہیں، دو ملیں میرے
اپنے نام ہیں، ایک بنگلہ میرے نام ہے، دو دو کاریں
میرے نام ہیں، بنک میں میرا لاکھوں کا بیلنس ہے"
مہ جبین نسرین کے اس فیصلے سے بے حد خوش
تھی، البتہ کامل کو جیسے اس میں کوئی دلچسپی ہی نہ تھی۔
وہ تو کسی اور ہی نئی دنیا کی کھوج میں سرگرداں تھا، اس
وقت وہ کئی کاموں میں مصروف تھا، وہ ایک ٹیوشن
پڑھا رہا تھا، باقی وقت میں اندھوں کے اسکول میں مفت
پڑھانے جا رہا تھا، ایک یتیم خانہ چلانے کا ذمہ
لے رکھا تھا، ادھر چالی میں غریب بچوں کی تعلیم کا بھی
ایک مرکز قائم کر دیا تھا جس میں اس کے کئی دوست
ساتھیوں نے پورا تعاون دیا تھا ایک بار اور اسپر
بڑھ گیا تھا، کہیں سے کوئی بیوہ عورت اس چالی میں
آبسی تھی، اس کے دو بچوں کا اور اسکا خرچ اس نے
اپنے سر لے رکھا تھا۔ نسرین کو بڑی حیرت تھی، اتنا
مصروف ترین آدمی کم از کم اس کی نظروں سے تو نہیں
گذرا تھا۔ اتنا سب کچھ تھا لیکن بدنصیبی دامن چھوڑنے
پر تیار نہیں تھی ایک کاری ضرب اسپر اور آلگی۔
ایک شب مہ جبین یوں سوئی کہ سوتی ہی رہ گئی
سارے دکھ درد اپنے دامن میں سمیٹ کر اپنی آخری
منزل کی طرف سفر کر گئی، کامل نیم پاگل سا ہوگیا، لوگوں
نے جنازے کو یوں اٹھایا جیسے مہ جبین کی لاش نہیں
پھولوں کو دفنانے لئے جا رہے ہوں۔
وقت کے نازک ریشمیں رشتے میں آگ لگ
گئی اور وہ دھوئں دھوئں کر جلنے لگا ــــ درد! ہاں درد
کی ڈیوڑھی پر سہاگ کا پھول کیسے کھل سکتا تھا، اسکی
آخری منزل تو اسے پکار چکی تھی، کوئی بھی بندھن کارگر
نہیں ہو سکتا تھا۔
نسرین نے بھر سک کوششیں کیں کہ وہ اسکی
حویلی چلا آئے، اس طرح اسکا غم ہلکا ہو جائے گا،
شوکت اور ناصر صاحب خود اسے لینے آئے لیکن وہ جانے
پر آمادہ نہ ہوا بس یہی کہتا رہا کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دو
اپنے غموں کو برداشت کرنے کا مادہ مجھ میں ہے۔

نسرین کے نہ دن کٹتے تھے نہ رات، وہ اپنا ہر قیمتی لمحہ اس کے قرب میں گذارنا چاہتی تھی، بہرطرف وہ یوں بیزار سی ہوگئی کہ ایم، اے، کے امتحانات ہوئے اور ختم بھی ہو گئے اس نے امتحان نہ دیا اس کی تو صرف ایک ہی لگن تھی۔ کامل اپنے آپ سے سمجھوتہ کرلے، اپنے حالات سے سمجھوتہ کرلے، دکھ درد تو ہر کسی کو ملتے ہیں۔

کامل کی بس ایک ہی لگن تھی وہ اپنی ادبی صلاحیتوں کا مالک خود بن جائے، اس نے پھر سے زوروں سے لکھنا شروع کر دیا تھا، وہ دنیا کو دکھا دینا چاہتا تھا، وہ دنیا سے انتقام لینا چاہتا تھا، خدا جانے اور کیا کیا اس کی تمنائیں تھیں لیکن نصیب کی موٹی موٹی لکیروں نے اسے ہر طرف سے مایوسیوں سے ہمکنار کیا، اس کی کوئی کاوش کامران نہ ہو سکی، کوئی سپنا سچا نہ ہوا، اس نے نسرین کو اپنے راستے بدل دینے کو سیکڑوں بار کہا لیکن وہ بھی قسم کھا چکی تھی، وہ اس کی ہر دکھ درد میں برابر کی شریک رہنے کو ہمیشہ تیار تھی، کئی بار اسے کوشش کی کہ وہ خوابوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں آجائے، دیکھے کہ لوگ یوں اپنے آپ پر ظلم و ستم نہیں کرتے، اس چند روزہ زندگی کا احترام و اکرام کرتے ہیں، اپنے خرچ سے اس نے اسکی وہ تازہ تخلیق جسے لیکر وہ پبلشرس کے پاس آج کل چکر لگایا کرتا تھا چھپوانے کا ذمہ لینا چاہا، صاف انکار کر گیا،

" تم کیوں یا میں کیوں چھپواؤں — پورا ناول ہے — کسی بڑے کا لکھا ہوا ہو تو پبلشر چھاپ دیگا

"میرے نام سے کیوں نہیں چھاپتے ؟"

" عجیب سی ضد ہے آپ کی "

" عجیب سی کیوں ؟ "

" اب دیکھونا کل تمھارے ساتھ " ہند پریس " میں گیا تو جانتی ہو وہاں کیا جواب ملا ؟ تمھارے نام سے شائع کرنے پر تیار ہیں کیوں ؟ کیونکہ تم ایک مشہور دولت مند کی بیٹی ہو "

" میں کہتی ہوں آپ کو ناول اپنے نام سے شائع کرانے سے مطلب ہونا چاہئے، خواہ آپ چھپوائیں، میں چھپواؤں یا کوئی پبلشر اپنے پیسوں سے چھاپے، کیا میں غلط کہہ رہی ہوں ؟ "

" غلط تو تم کبھی کوئی بات نہیں کہتی ہو — وہ زیر لب مسکرایا — اب دیکھونا رات بھیگ چکی ہے اور تم میرے پاس تنہا بیٹھی ہو "

" میری اپنی خوشی ہے بیٹھوں یا چلی جاؤں، آپ کو کیا اعتراض ہے ؟ "

" جی اعتراض تو ویسے کوئی خاص نہیں آپ اپنی مرضی کی مالک ہیں لیکن لکھنے میں ڈسٹرب ہوتا ہے "

" جب سب بے سود ہے تو لکھتے ہی کیوں ہو " — اس نے غصہ کی حالت میں رجسٹر اور قلم دور پھینک دیا

" اُفوہ! اتنا ناراض مت ہو بھئی! — وہ اٹھ کر رجسٹر اور قلم اٹھا لایا۔

" مجھے لکھنے دو، میں جانتا ہوں کہ گردش ایام ہمیشہ نہیں رہتے، میرا عزم پست نہیں ہوا ہے نسرین جانتی ہو محنت کبھی رائگاں نہیں جایا کرتی، ایک نہ ایک دن کامرانی میرے قدم چومے گی "

" کبھی پیار کی باتیں کیا کرئیے اللہ! کیسا دل ہے آپ کا ؟ "

" پیار کی باتیں میں صرف کاغذ پر لکھ سکتا ہوں محترمہ رہی بات دل کی تو آپ ہی کہتی ہیں کہ بڑا خوبصورت ہے میرے خیال میں آپ غلط سوچتی ہیں، میرا دل تو ایسا

زخمیدہ ہے کہ آپ اسے دیکھ لیں تو ڈھونڈے راستہ نہ ملے،،

وہ اس کے سینے سے لگ گئی، ساری کائنات کی خوشیاں سمٹ کر اس کے قدموں میں آگئیں۔

نسرین کی سالگرہ پارٹی تھی، ویسے تو وہ شام کو ہی اسے اچھی طرح سے راضی کرکے آئی تھی لیکن پھر بھی سویرے چھ بجے ہی اپنے خاص ملازم کے ہاتھ اپنا لا بھیج کر اسے بلانے کی ہدایت کی۔

ناصر صاحب کی حویلی میں مہمانوں کا جمگھٹ تھا، آج بڑا خوشی کا دن تھا، انھوں نے مثال قائم کرنے کیلئے کامل جیسے مفلس آدمی کو اپنی خوبصورت بیٹی نسرین کا رشتہ جوڑنے کا فیصلہ کیا تھا، پارٹی میں آج وہ اس بات کا اعلان کرنے جارہے تھے، نسرین مسرور و مگن اتراتی پھرتی تھی، اس کی دلی مراد پوری ہو رہی تھی۔

مگر ایک لمحہ میں ہواؤں کا رخ بدل گیا، کائنات کی گردش تھم گئی، ملازم اکیلا واپس آیا تھا اس نے ایک پیکٹ اور ایک لفافہ دیا اور بتایا کہ اس کی کھولی میں ایک بیوہ عورت دو بچوں کے ساتھ موجود ملی تھی ـــ اس نے یہ پیکٹ اور خط دے کر کہا کہ کامل صاحب کا حکم ہے کہ اسے جو کوئی بھی لینے آئے یہ دونوں چیزیں دے کر آپ تک پہونچا دی جائیں اور وہ خود ذات ہی سے کہیں غائب ہے۔

نسرین نے جلدی جلدی پیکٹ پھاڑا تو دم بخود رہ گئی، ایک ناول تھی " ٹوٹا ہوا تاج محل "، اسی کو لیکر وہ کچھ دنوں پہلے اس کے ہمراہ "ہند پریس" گیا تھا، تو کیا ان لوگوں نے اسے شائع کردیا؟ اس کی مسرت کی انتہا نہ رہی،

الٹ پلٹ کر ناول کو دیکھنے لگی، خوبصورت کور کے ساتھ خوبصورت طباعت تھی اور اچانک اس نے جو رائٹر کا نام دیکھا تو اس کا سانس رک گیا۔ ناول پر لکھنے والے کا نام نسرین چھپا ہوا تھا۔

شوکت اور ناصر صاحب اس کے قریب ہی کھڑے حیرت سے سب دیکھ رہے تھے۔

نسرین پاگلوں کی طرح لفافہ پھاڑ کر کامل کا خط پڑھنے لگی، مختصر سا خط تھا جو اس پر برق بن کر گرا۔

نسرین!

افسوس ہے کہ تمھاری سالگرہ پر کوئی تحفہ نہ دے سکا، رنجیدہ خاطر نہ ہونا، دیکھو تو دنیا والوں کی ستم ظریفی، میری جگہ تمھارا نام چھاپ دیا ہے۔ چلو کوئی بات نہیں " ٹوٹا ہوا تاج محل " کو ایک تحفہ سمجھ کر قبول کرلو، میں اچھی طرح جان گیا ہوں کہ دنیا والے مجھے جینے نہ دیں گے، اب تم مجھ سے ملنے کبھی نہ آنا۔ میں جارہا ہوں، بہت دور جارہا ہوں، افق کے اس پار جہاں تھک کر سورج سوجاتا ہے، غم مت کرنا نسرین! ایک بوند ساگر کو کسی نہ کسی لمحہ اس دنیا کے وسیع و عریض صحرا کی ریت کے کسی ذرے میں جذب ہونا ہی تھا سو جذب ہو گیا

اچھا خدا حافظ

کامل

نہیں نہیں ڈیڈی!

وہ چیخ کر باپ سے لپٹ گئی ـــ ہدا اے بچائیے،، •

اکبر الہ آبادی کی پیشگوئیاں

عبدالباقی عباسی

اکبر الہ آبادی کا دور ہندوستانی معاشرت میں انقلاب کا دور تھا۔ قدیم تہذیب کی بساط اٹھ چکی تھی اور جدید تہذیب کی بساط بچھائی جا رہی تھی۔ مشرقی تمدن کا آفتاب غروب ہو چکا تھا اور مغربی تمدن کا آفتاب افق مشرق پر پڑی تابانی سے چمک رہا تھا۔ ہندوستانی سیاست کے چشمے سوکھ رہے تھے اور مغربی سیاست کے چشمے ابل رہے تھے۔ شہنشاہیت اور شخصی حکومت کا چراغ گل ہو گیا تھا اور فرنگی حکومت کی شمع روشن تھی۔ مغربی تہذیب کے حکمراں سمندر پار سے آئے اور اپنے جلال و جمال کے ساتھ پورے ملک (ہندوستان) پر چھا گئے۔ ہندوستانیوں کیلئے یہ نو وارد حکمراں بالکل نئے تھے ان کی شکل و صورت نئی تھی، ان کا رنگ روپ نیا تھا، ان کی سیرت نئی تھی، ان کی وضع قطع نئی تھی۔ ان کی معاشرت نئی تھی، ان کی زبان نئی تھی، یہ نئے حکمراں اپنے محکوموں کیلئے تہذیب جدید کا ایسا نیا کھلونا لائے تھے جو دیدہ زیب بھی تھا اور ہوشربا بھی۔ اس نئے کھلونے کی تابانی اور اس کا رنگ روپ دیکھ کر وہ ایسا لٹو ہوئے وہ اس طرح مسحور ہوئے کہ ان کی ساری عملی قوت ختم ہو گئی اور وہ ان کے ہاتھوں کا کھلونا اور کٹھ پتلی بن گئے اور ان کی سیاست کے جال میں اس طرح پھنس گئے کہ ہاتھ پیر مارنے کی بھی ان میں قوت نہیں رہی۔ غلام بن کر، اسیر رہ کر انھیں کی زبان سے بولنے، انھیں کی آنکھوں سے دیکھنے، انھیں کے دماغ سے سوچنے لگے، ان میں اتنی طاقت نہ تھی کہ ہاتھ پیر مار کر جال کے پھندوں کو توڑ کر جال سے باہر نکلتے۔ ہندوستانی سیدھے سادے تھے، ان کی تہذیب میں مغربی تہذیب کے مصنوعی نگوں کی سی چمک نہ تھی اس لئے چراغ اور لالٹین کی روشنی کے سامنے جب بجلی کی تیز روشنی آئی تو ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، کنویں کے پانی کے بجائے بمبے کا پانی، قلم کے بجائے ٹائپ، پوری اور چپاتی کی جگہ بسکٹ اور سوئیوں کے بجائے کیک، پاجامے کی جگہ پتلون، شیروانی کی جگہ کوٹ، ہندوستانی ٹوپی کی جگہ ہیٹ، سلیم شاہی جوتے کی جگہ ڈاسن کے جوتے سے سابقہ پڑا تو زندگی میں اس نئے انقلاب اور معاشرت

میں نئی تبدیلی نے انھیں پوری طرح مسحور کرلیا اور وہ انکی تہذیب پر لٹو ہوگئے ، یہ فرنگی حکام بڑے شاطر تھے ہی انھیں اپنی تہذیب کی چمک دکھاکر اپنی سیاست کا طلسم دکھاکر انھیں ایسا مسحور کیا کہ وہ محو حیرت ہوکر اس میں کھو گئے ، انھیں غافل پاکر یہ سیاسی بازیگر اپنی حکومت کی بنیاد مستحکم کرنے اور اپنے قدم جمانے کی کوشش کرنے لگے ، ان کے اس تدبر نے اسیروں اور غلاموں کی غلامی کی زنجیر کو مضبوط سے مضبوط تر بنا دیا جن کے پہلو میں دل تھا اور اس دل میں اپنی قوم کی بدحالی کی تڑپ تھی وہ کبھی خاموش تماشائی نہیں بن سکتا تھا۔

اکبرؔ قدیم تہذیب کے جذبے سے سرشار تھے ہی، اپنے اہل وطن کا یہ حال دیکھ کر سر پیٹ لیا وہ کٹر مشرقی تھے ، حب وطن کا سودا سر میں اور اپنی معاشرت کا جذبہ سینے میں محفوظ رکھے ہوئے اسلئے مشرقیت سے ایک انچ پیچھے ہٹنا گوارہ نہیں کر سکتے تھے اسلئے انھوں نے مغربی تہذیب کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا چاہا اسلئے فرط جوش میں قلم اور کاغذ لیکر بیٹھ گئے اور مغربی تہذیب کا جو ڈراونا خواب دیکھ رہے تھے اس کی تعبیر سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے لگے ۔ ان اشعار میں اکبر کی پیشگوئیاں ملاحظہ ہوں؛

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملک عدم ہونگے
نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے

نئے انداز سے شوخی دکھائیں گے حسیں اپنی
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ یہ گیسو میں خم ہونگے

نہ خاتونوں میں رہ جائے گی پردے کی یہ پابندی
نہ گھونگھٹ اس طرح سے حاجب روئے صنم ہونگے

عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے

ہماری اصطلاحوں سے زباں ناآشنا ہوگی
لغات مغربی بازار کی بھاکھا میں ضم ہونگے

بدل جائے گا معیار شرافت چشم دنیا میں
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب کے کم ہونگے

گزشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائینگے
کتابوں میں ہی دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے

تمھیں اس انقلاب دہر کا کیا غم ہے اے اکبرؔ
بہت نزدیک ہے وہ دن نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

اگر یہ سچ ہے کہ شاعری پیغمبری کا جزو ہے تو ہم کہینگے کہ اکبرؔ شریعت شاعری کے ایک بڑے پیغامبر تھے اس لئے کہ انھوں نے جو خواب اپنی زندگی میں دیکھا تھا آج اس کی تعبیر ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور شاعر نے جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہ آج حرف بحرف صحیح ثابت ہو رہی ہیں ، پردہ اٹھ چکا ہے حرم سراؤں کا حجاب ان کی شرم و حیا بے نقاب ہو چکی ہے ، گھونگھٹ جو پردہ حجاب تھا وہ کھل چکا ہے ، نئے نئے صنم خانوں میں نئے نئے اصنام

نظر آتے ہیں، مغربی طرز معاشرت ہی ہماری شرافت کا معیار ہے ۔ پرانے میخانوں کی جگہ نئے میخانے قائم کئے گئے ہیں اور نئی شراب اور نئے ساقی کا دور ہے ۔ پرانی بوتلوں میں نئی شراب میکشوں اور رندوں کو بدمست کئے بغیر نہ رہ سکی ، حرم سرا کی مستورات اپنے مکانات کی چہار دیواری سے نکل نکل کر نہایت آزادانہ مردوں کو دعوت نظر دے رہی ہیں ، مسلمانوں کے جسم سے شیروانی اور ہندوستانی ٹوپی اتر چکی ہے کوٹ اور پتلون مردوں کی زیبائش کا سامان ہیں ۔ ہندوستانی عورتوں کی معاشرت کا سامان مسّی ، سرمہ ، حنا اور عطر تھے وہ سب ختم ہو چکے ہیں انکی جگہ پاؤڈر ، غازہ ، لپ اسٹک اور لونڈر موجودہ دور کی عورتوں کا سامان آرائش ہیں ،

اللہ اللہ ! یہ کیسا انقلاب ہے ، ہماری آنکھیں کیا دیکھ رہی ہیں ، آج اگر اکبر زندہ ہوتے تو وہ اپنے خواب کی تعبیر اپنی آنکھوں سے دیکھتے ۔

اکبر ایک شریف گھرانے کے فرزند تھے غریب ماں باپ کے بیٹے تھے ، شرافت ہی انکا سرمایۂ حیات تھی ، مزید براں مذہبیت نے انکی مشرقیت کو اور زیادہ پختہ کر دیا تھا اس لئے مسلمانوں کی معاشرت خون کی طرح ان کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی اس لئے مغربی تہذیب اور اس کی معاشرت کے محاسن کی طرف سے ان کی آنکھیں بالکل بند تھیں وہ دیکھ رہے تھے کہ مغربی تہذیب کا سیلاب اگر ایک طرف مشرقی تہذیب کی معدنیات (عناصر) کو بہا لے گیا ہے تو دوسری طرف اس نے زمین کو زرخیز بھی کر دیا ہے مگر ہندوستانی معاشرت بالخصوص مسلم تمدن کے جذبے سے سرشار ہو کر ایک ٹھوس حقیقت کو بھول بیٹھے تھے ۔ انھیں قلم کے مقابلے میں ٹائپ اور کنویں کے مقابلے میں پائپ پسند نہ تھا صرف اسی وجہ سے کہ کنویں کا پانی اور قلم مشرقی تہذیب کے عناصر ہیں اور ٹائپ اور پائپ مغربی تہذیب کے لوازمات ہیں ۔

دیکھئے لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کس خوبصورتی سے مغربی تہذیب پر طنز کر رہے ہیں

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

یہاں یہ حقیقت صاف صاف بیان کر دی گئی ہے کہ مغربی تہذیب کے عناصر نے ہندوستانیوں کی صحت کو خراب کر دیا ہے ، پائپ کے پانی نے عوام کا معدہ خراب کر دیا ہے اور ٹائپ کے حروف اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں کہ ان کے پڑھنے سے آنکھوں پر زور پڑنے کی وجہ سے آنکھ آنے کی بیماری عام ہو گئی ہے دوسرے الفاظ میں وہ مغربی تمدن سے ان الفاظ

میں بیزاری کا اظہار کرتے ہیں ۔

مشرقی تہذیب کا یہ فدائی انھیں مثالوں ہی پر اکتفا نہیں کرتا وہ اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر اپنی تہذیب کا نغمہ اس طرح گاتا ہے :

دھُن دیس کی تھی جسمیں گاتا تھا اک دیہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

"دیس" ہندی گانے کی ایک قسم ہے ۔ یہاں بھی لسان العصر اکبر الہ آبادی مشرقی تہذیب کو مغربی تہذیب پر فوقیت دیتے ہیں اور نہایت دلچسپ انداز میں دونوں معاشرت کا مقابلہ کر کے اورمشرقی تہذیب کو بہتر ثابت کرتے ہیں، ان کا تصور ہے کہ بسکٹ خواہ کتنا ہی لذیذ کیوں نہ ہو پوری اور چپاتی کی سی نرمی کہاں سے لائے گا، پوری اور چپاتی زود ہضم غذا ہیں اور مشرقی معاشرت کے صحتمند عناصر ہیں ، لسان العصر محض وطن دوست اور مشرقی تمدن کے دلدادہ ہی نہ تھے وہ شاعر کا دل اور حکیم کا دماغ بھی رکھتے تھے انھیں احساس تھا کہ بما خواہ کتنا ہی آرام دہ کیوں نہ ہو اس کا پانی کنوئیں کے پانی کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوتا ہے اس لئے کہ ان کا مشاہدہ یہ ہے کہ جب سے لوگ بمبے کا پانی پینے لگے ہیں ان کے اعصاب کمزور ہوگئے ہیں اور اسکے نتیجے میں ضعف بصارت کی شکایت عام ہو گئی ہے اس حقیقت کو اکبر الہ آبادی کس خوبصورت انداز میں بیان کرتے ہیں :

نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے
ضرورت کیا ہے پردے کی جناب بمبے کا پانی ہے

ویسے بھی مغربی تہذیب نے پردہ دار عورتوں کو پردہ سے بے نیاز کر دیا ہے مگر انھیں مغربی تہذیب کے دور میں پردے کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی اس لئے کہ لوگوں کی آنکھوں سے بصارت ہی غائب ہو گئی ہے تو پردہ والیوں پر نظر ڈال کر کوئی کیا پائے گا ۔

لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی مشرقیت کو اوڑھنا بچھونا بنائے ہوئے تھے ، مشرقی تہذیب کے جذبے سے اس قدر سرشار تھے کہ انھیں دوسری تہذیب کے محاسن بھی معائب معلوم ہوتے تھے ۔ اس شدت احساس نے انھیں بہت حد تک کوتاہ نظر اور تنگ خیال بنا دیا تھا اسی وجہ سے جب وقت سر سید احمد خاں نے علی گڑھ تحریک چلائی اور اس کے تحت مسلمانوں کو انگریزی تعلیم دینے کی آواز بلند کی تو اکبر الہ آبادی نے اس کے محاسن کی طرف سے آنکھیں بند کر کے سرسید کی پر زور مخالفت کی ، یہ دور اودھ پنچ کا دور تھا اور اودھ پنچ کے نورتن (منشی سجاد حسین ایڈیٹر اودھ پنچ) مرزا محمود بیگ ، ستم ظریف ، احمد علی شوق ترھون ناتھ ہجر ، نواب سید محمد آزاد ، منشی جوالا پرشاد برق ، رتن ناتھ سرشار ، احمد علی کسمنڈوی اور اکبر

الہ آبادی) سب کے سب کٹر مشرقی تھے۔ لسان العصر کے ساتھ اودھ پنچ کے دوسرے نورتنوں نے بھی سر سید کی تحریک کی مخالفت کی اور ان کی تحریک کے خلاف اور خود سر سید کی مخالفت میں اودھ پنچ اخبار میں مضامین لکھے۔

لسان العصر شاعر تھے ان کے ترکش میں جتنے بھی ظرافت کے تیر تھے سب چلا ڈالے مگر اپنے مقصد میں سر سید چٹان کی طرح قائم رہے۔ لسان العصر نے مغربی تہذیب کی مخالفت آنکھیں بند کر کے کرنی شروع کی، وہ یہ نہ سوچ سکے کہ گلاب کی خوشبو اگر ایک طرف نزلہ پیدا کرتی ہے تو دوسری طرف اس سے عرق گلاب وعطر بھی میسر آتے ہیں اور یہی گلاب زینتِ گلدستہ ہو کر آرائشِ محفل کا ذریعہ بنتا ہے۔ وہ مشرقی تہذیب و معاشرت کی الفت میں مغربی زبان کی تعلیم کے مفید نتائج کو یکسر نظر انداز کر گئے، سر سید نے ان کو لاکھ سمجھایا مگر کسی طرح ان کی حقیقت کی آنکھیں نہ کھلیں مگر خیر سے وہ وقت بھی آیا جب اکبر الہ آبادی کا تبادلہ علی گڈھ کا ہوا اور لسان العصر کو سر سید مرحوم کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، سر سید کا یہ کمال تھا کہ انھوں نے لسان العصر کو ایسا جرعہ پیش کیا اور ایسی زود اثر گولیاں کھلائیں کہ وہ سر سید کی گفتگو سے متاثر ہو گئے اور وہ دن بھی آیا کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے عشرت حسین کو ولایت بھیجا جہاں کی تہذیب اور معاشرت پر وہ تبرّا کہتے تھے، یہی عشرت حسین وہاں کے ہوٹلوں میں کیک کھا کر اور موم کی پتلیوں (فرنگن) سے وابستہ ہو کر ان پر ایسا فریفتہ ہوئے کہ وطن کی سوئیوں اور چمن ہند کی پریوں کی اداؤں کو بھول گئے اور اس وابستگی اور فریفتگی میں وہ برسوں گھر کو بھولے رہے، جب انتظار کی حد ختم ہو گئی اور بیٹے کی مفارقت نے باپ کے دل میں چٹکیاں لینی شروع کیں تو مجبور ہو کر بیٹے کو ایک منظوم خط لکھا جس کے چند اشعار یہاں پیش کئے جاتے ہیں، ان سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاعر نے اپنی معاشرت کا مقابلہ مغربی معاشرت سے کس خوبصورت انداز میں کیا ہے اور باتوں باتوں میں بیٹے سے اس کی بے راہ روی کی بھی شکایت کی ہے، ان اشعار کے آئینے میں لسان العصر کے جذبات کا عکس دیکھئے

عشرتی گھر کی محبت کا مزہ بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہد و وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزہ بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

فرنگن کو موم کی پتلی اور ہندوستانی عورت کو پری سے تشبیہ دی ہے۔

لسان العصر اور اودھ پنچ کے دوسرے رفقار

نے اپنے اپنے طور پر پوری کوشش کی مگر یہ لوگ
مغربی تہذیب کے اس سیلاب کو کسی طرح نہ روک
سکے ، یہ سیلاب اپنی پوری طاقت سے آیا اور ہندوستانی
معاشرت اور مشرقی تہذیب کی قیمتی اجناس کو بہالے
گیا اور لسان العصر اکبر الہ آبادی نے جو پیشین گوئی
کی تھی اور مغربی تعلیم کے جن برے نتائج کو اپنے
شعار کے ذریعہ بیان کیا تھا وہ سب ایک ایک کر کے
آج سچ ثابت ہوئے اور آج ہم مغربی تہذیب کی
تباہ کاریوں کی مہیب تصویر اپنی آنکھوں سے دیکھ
رہے ہیں، کیا اس حقیقت سے کوئی انکار کر سکتا ہے
کہ نئی تہذیب اور جدید معاشرت نے ہمارے نوجوانوں
کے ذہن پر قفل لگا دیا ہے اور ان کی آنکھوں پر
پٹی باندھ دی ہے جو مذہب سے بالکل غافل ہو
گئے ہیں، مسجدیں خالی پڑی رہتی ہیں، مغربی تمدن کے
پجاری فیشن پرست مسلمان نماز سے بے نیاز ہو گئے
ہیں، محض جمن اور وفاتی (غربا) سے مسجدیں آباد ہیں
یہ شکوہ حضرت اکبر کی زبانِ قلم سے سنئے:

شانِ نمازِ اکبر شاہانہ ہو چلی ہے
مسجد الگ بنائیں اپنی میاں وفاتی

اسی خیال کو علامہ اقبال صاف صاف
ان الفاظ میں ادا کر رہے ہیں:-

جا کے مسجد میں جو ہوتے ہیں صف آرا تو غریب
زحمت روزہ جو کرتے ہیں گوارا تو غریب
نام لیتا ہے اگر کوئی ہمارا تو غریب
پردہ رکھتا ہے اگر کوئی تمہارا تو غریب
امراء نشۂ دولت میں ہیں غافل ہم سے
زندہ ہے ملت بیضا غربا کے دم سے

اکبر کو اس کا خوب اندازہ تھا کہ ہندوستانی تقلید کے
بڑے عادی ہوتے ہیں بالخصوص مسلمان نوجوانوں
پر تقلید کا رنگ زیادہ گہرا ہوتا ہے ، انگریزوں کو
فیشن میں ڈوبا ہوا دیکھ کر وہ بھی اس طرح فیشن پرست
ہو گئے کہ نماز اور وظیفے کو چھوڑ بیٹھے ، بنگلے کی
آرائش اور کالج کی زندگی پر اس طرح فریفتہ ہوئے
کہ قانون الٰہی (شریعت) سے بیگانہ ہو گئے اسکا
شکوہ حضرت اکبر سے سنئے :

بنگلوں سے نماز اور وظیفہ رخصت
کالج سے امام ابو حنیفہؒ رخصت !

آج ہماری آنکھیں یہی دیکھ رہی ہیں کہ اسکول اور
کالجوں سے دینیات کی تعلیم جو دینی مدارس میں رائج
تھی وہ رخصت ہو چکی ہے جس کا انجام یہ ہوا کہ مسلمان
مذہب سے بیگانہ نظر آتا ہے ، آج مسلمان بچوں
کو یہ بتانے میں تکلف ہوتا ہے کہ مسلمان پر کتنے
اوقات کی نماز فرض ہے ۔

اس کے پہلے یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ اکبر کٹر
مشرقی تھے ، ایک تو وہ فطری طور سے مذہب کی طرف
مائل تھے اس پر سے ان کے ماحول (مشرقیت) نے

اس شراب کو دوآتشہ بنا دیا تھا اس لئے وہ اپنے خیالات میں بہت متشدد ہو گئے تھے۔ انھوں نے اس گھر میں پرورش پائی تھی جہاں وضعداری اور شرافت کی بڑی قیمت تھی، وہ گھر کے بڑے غریب تھے مگر طبعاً بڑے شریف تھے اور شرافت کو طرۂ امتیاز سمجھتے تھے اس لئے اپنی معاشرت کو جس پر شرافت کا گہرا رنگ غالب تھا ایک ترکہ یا میراث سمجھتے تھے،

وہ زندگی کے ہر دور سے گذرے، مزاج رنگین اور دل باغ و بہار پایا تھا، جوانی رنگ رلیوں میں گذری در و بام کی سیر بھی کی اور بڑھاپا آیا تو واعظ اور صوفی کا لباس پہن لیا۔ اس شعر میں وہ اپنے حالات زندگی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں:

لکھو لائف مری ایام جوانی کے سوا
سب بتا دونگا تمھیں افندودانی کے سوا

کسی عالم میں بھی لسان العصر نے شرافت خاندانی اور وضعداری کے دامن پر داغ نہیں لگنے دیا، اسی پاس شرافت اور وضعداری نے انھیں مشرقی بنائے رکھا، اور اپنی مشرقیت کی آنکھوں سے جب وہ دوسروں کو دیکھتے تھے اور مشرقی معاشرت کی شاہراہ سے ہٹا ہوا دیکھتے تھے تو ان کے احساسات کو ٹھیس لگتی تھی تو وہ بے چین ہو جاتے تھے اور ایسے احساسات کا اظہار اپنے اشعار کے ذریعے کرتے تھے۔ مشرقی تہذیب میں پردہ شرافت کا زیور رہا ہے، عورت کا چہار دیواری کے اندر مقید رہنا ہی اس کی شرافت کی دلیل اور اسکے تحفظ عصمت کی ضمانت ہے، اکبر کے نزدیک عورت کی آزادی شرافت کے دامن پر ایک بدنما داغ تھی۔

برج نرائن چکبست بھی اکبر کے ہمنواؤں میں تھے وہ بھی عورت کو اپنے سماج کی آبرو اور اپنے ملک کی زینت سمجھتے تھے، انھیں بھی عورتوں کی آزادی سے نفرت تھی اسلئے کہ یہ آزادی انھیں بے شرم بنا دیتی ہے انھیں عورتوں کی ایسی تعلیم سے نفرت تھی جس سے عورتیں بے نقاب اور بے حجاب ہو کر بے غیرت ہو جائیں دیکھئے ان اشعار میں چکبست کس طرح اکبر کی ہمنوائی کر رہے ہیں:

روش خام پہ مردوں کے نہ جانا ہرگز
داغ تعلیم میں اپنی نہ لگانا ہرگز
رنگ ہے جن میں مگر بوئے وفا کچھ بھی نہیں
ایسے پھولوں سے نہ گھر اپنا سجانا ہرگز!
رخ سے پردے کو اٹھایا تو بہت خوب کیا
پردۂ شرم کو دل سے نہ اٹھانا ہرگز!
ہم تمھیں بھول گئے اسکی سزا پاتے ہیں
تم ذرا اپنے تئیں بھول نہ جانا ہرگز

اکبر نے اپنے لڑکے عشرت حسین کو ولایت بھیجا، خود بھی سشن جج کے عہدے سے پنشن لی، اپنے دور ملازمت میں انگریزی داں احباب اور آزاد خیال لوگوں کا ساتھ رہا مگر وضعداری کا یہ عالم تھا کہ اپنے

تصورات سے ایک انچ بھی پیچھے نہ ہٹے ۔ ان کا تصور تھا کہ عورت کو تعلیم یافتہ اسی حد تک بنایا جائے کہ وہ باپ دادا کی قدیم روایت اور شرافت کو قائم رکھے نہ کہ ایسی تعلیم دی جائے کہ وہ کھل کھیلے جیسی دور حاضر کی تعلیم یافتہ لڑکیاں نظر آتی ہیں ۔

پردہ جو میراث اجداد رہا ہے اسے اٹھا کر اپنی تعلیم کی قیمت ادا کرتی ہیں ۔ اس کا شکوہ لسان العصر سے سنئے :

مجلس نسواں میں دیکھو عزت تعلیم کو
پردہ اٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

پردہ اٹھنا اردو کا محاورہ ہے ۔ یہاں اس محاورے کو استعمال کر کے شاعر نے اس شعر کو نہایت بلیغ بنا دیا ہے ۔

اکبرؔ کا تصور تھا کہ جب تک عورتوں کو گھر پر تعلیم دی گئی وہ سنجیدہ اور باحیا ہو کر گھر کی زینت اور چراغ خانہ بنی رہیں مگر جب عورتیں گھر کی چہار دیواری سے نکل کر مردوں کے دوش بدوش اسکولوں ، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پہونچیں تو سنجیدگی اور حیا کا لباس اتار کر آزاد ، تیز و طرار اور شوخ ہو گئیں ، اسکول و کالج کی زندگی میں انھیں گھر کی چہار دیواری قیدخانہ معلوم ہونے لگی اور اپنی نزاکت اور رعنائیوں سے زیب محفل ہو کر مجالس کی زینت بڑھانے لگیں ، اب انھیں شمع انجمن بن کر زندگی گذارنے میں جو لطف آتا ہے وہ گھر کی چہار دیواری میں وہ کر نہیں آتا ۔

یہ منظر اکبرؔ کیلئے بڑا دلخراش اور ان کے احساس کیلئے ایک تازیانہ تھا ، اس کا ماتم وہ اس انداز میں کرتے ہیں :

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب ہے شمع انجمن پہلے چراغ خانہ تھی

لفظ " چمک " پر نظر ڈالئے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں بڑی معنویت پوشیدہ ہے ۔ نئی تہذیب کی پالش نے مغربی تہذیب کے چھوٹے اور مصنوعی نگوں سے انھیں چمکا دیا ہے ، یہ چمک دمک یہ تراش خراش انھیں چہار دیواری کے اندر حاصل نہ تھی مگر یہ تراش خراش چند روزہ ہے ، جوریت کی دیوار کی طرح ناپائدار ہے ۔ اسی خیال کو ڈاکٹر اقبال اس طرح ادا کرتے ہیں :

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

لسان العصر اکبرؔ الہ آبادی کا کلام دو عناصر کا مجموعہ ہے ۔ اس میں سعدی شیرازی کی حکمت اور خواجہ الطاف حسین حالیؔ کا اصلاحی جذبہ ملتا ہے انھیں دو اجزا رسے اکبر نے اپنی شاعری کا معجون لغوا انھیں دو پھولوں سے اپنے کلام کا گلدستہ تیار کیا ہے ، ان کا تصور تھا کہ عورت کی اخلاقی ذمہ داری اور اس کا فرض یہ ہے کہ وہ گھر کی بہترین ملکہ اور شوہر کی خدمت گذار

ہو، یہ دونوں وہ صفات ہیں جو ایک عورت کی مقبولیت اور اپنی سسرال والوں کی نگاہ میں محبوب ہونے کی سند ہیں۔ قدیم زمانے میں شادی کے وقت سسرال والے یہی دو خوبیاں بالخصوص عورت میں تلاش کرتے تھے جن میں یہ دونوں خوبیاں ہوتیں انھیں سسرال والے خوشی سے بیاہ لاتے تھے، آج مغربی تعلیم سے مزین عورتوں نے ان دونوں محاسن کو کھو دیا ہے نہ وہ گھر کی ملکہ بن کر رہنا پسند کرتی ہیں نہ ہی وہ اپنے شوہر کی خدمت کی ذمہ دار ہونا پسند کرتی ہیں وہ بجائے ازدواجی زندگی بسر کرنے کے عوام سے وابستہ رہنا پسند کرتی ہیں۔ وہ پبلک پسند لیڈی بنکر، وہ عوام کی نظر نواز بن کر کبھی مجالس میں شریک ہوتی نظر آتی ہیں، کبھی پارک کی زینت کا سامان بنتی ہیں، کبھی بازار کو رونق افروز کرتی ہیں، جہاں جہاں ان کو نمائش حسن کے مواقع حاصل ہوتے ہیں وہ وہاں پہونچتی رہتی ہیں رہا گھر کی دیکھ بھال کا مسئلہ وہ ان کے ملازمین کرتے ہیں ــــ

اکبر کا تصور ہے کہ عورتوں میں جو انقلاب پیدا ہوا ان کی زندگی میں جو تبدیلی آئی اس کی ذمہ دار مغربی تعلیم ہے، مغربی تعلیم شوہر پرست بیوی کو پبلک پسند لیڈی بنا دیتی ہے جس کا شکوہ اکبر اس انداز میں کر رہے ہیں: تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر
شوہر پرست بیوی پبلک پسند لیڈی

اکبر نے جس ماحول میں آنکھیں کھولیں وہ مشرقی تھا ان کی مذہبیت نے کریلے کو اور زیادہ کڑوا یا تلخ بنا دیا تھا اس لئے وہ معاشرت کی ہر چیز کو مذہبی آنکھوں سے دیکھتے تھے اور جو چیز انھیں مذہب کے راستہ سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی تھی تو اس سے آزردہ اور بیزار ہو جاتے تھے۔ پردہ مشرقی معاشرت سے آراستہ عورت کا حسن ہے اور ہندوستان کی مسلمان عورتوں کی شان امتیازی ہے اسلئے اکبر کو پردہ اٹھا دینا کسی طرح گوارا نہ تھا اپنی معاشرت کی عورتوں کو بے پردہ دیکھ کر ان کی آنکھیں شرم سے جھک جاتیں، غیرت سے رگوں میں خون سرد ہو جاتا اور خجالتِ قومی سے گڑ جاتے اپنے احساسات اور جذبات کو یہاں اس طرح بے نقاب کر رہے ہیں:

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو میں نے آپ کے پردہ کو کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

عقل پر پردہ پڑنا اردو کا ایک محاورہ ہے جس کے معنی ہیں عقل سے محروم ہو جانا، اکبر نے اس محاورے کو موقع کے ساتھ استعمال کر کے شعر کو نہایت دلچسپ بنا دیا ہے۔ حقیقت ہے کہ اپنے مردوں کی کوتاہی عقل اور ان کے زن مرید ہونے کے باعث عورتیں آسانی سے پردہ ترک کر دیتی ہیں ورنہ ہندوستان

کے شریف گھرانوں کی عورتوں کو کوئی پردے سے باہر کب دیکھ سکتا ہے۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب مستورات کی بولی سننے کو غیر مرد ترستے تھے آج اسی طبقے کی عورتیں بے لگام ہوکر سڑکوں پر گھومتی نظر آتی ہیں۔ اس آزادی کی وجہ سے نہ مردوں میں پاس شریعت رہ گیا ہے نہ عورتوں میں مذہب کا احساس رہا، ترقی کے راستے میں نکل کر مذہب کے راستے سے دونوں بیگانہ ہوگئے ہیں، میاں نے مسجد کو خیرباد کہا اور بی بی نے پردے کو؛

ترقی کی نئی راہیں جو زیر آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

اکبر الہ آبادی اس گھر کے فرزند تھے جو مشرقی تہذیب اور ہندوستان کی مسلم معاشرت پر اٹل اور راسخ عقیدہ رکھتا تھا۔ اکبر الہ آبادی کے والد خود کٹر مشرقی تھے یہی رنگ اکبر پر بھی غالب تھا، سادگی، سنجیدگی، وضعداری، قدامت پسندی جو قدیم مشرقیت کے لوازمات رہے ہیں سب ان میں موجود تھے، امور خانہ داری میں صلاحیت رکھنا، میکے میں رہ کر والدین اور سسرال میں رہ کر شوہر نواز رہنا، پرورش اطفال کی صلاحیت رکھنا مشرقی عورت کے اخلاقی زیور تھے عورت کی یہی خوبیاں اس کے محاسن کی سند تھیں۔ جو اکبر کے نزدیک مقبول اور پسندیدہ تھیں مگر جب مغربی تہذیب کا سیلاب آیا جہاں وہ تمام مشرقی تہذیب کے درِ نایاب کو بہالے گیا وہاں عورتوں کے پردے کو بھی اپنے ساتھ لیتا گیا اور آزادی و بے شرمی کا غازہ ان کے منہ پر ملتا گیا۔ نئی تہذیب نے عورتوں میں آزادی کا احساس پیدا کیا اور آزادی کا خیال آتے ہی نمائش حسن کا سودا سروں میں سمایا تو بے تحاشا گھر کی چہار دیواری سے نکل پڑیں، مغربی تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ لیڈی بن کر اپنے مردوں پر ان کی بیبیاں چھا گئیں، اب انکے مردوں میں ان کو روکنے ٹوکنے کی ہمت کہاں؟ اسلئے اب عورتوں کو پردے میں بٹھانے کا تصور ہی جاتا رہا، اس منزل پر عورتوں کی بے باکی اور مردوں کی بے بسی دیکھ کر اکبر کس خوبصورتی سے عورتوں کی آزادی پر طنز کرتے ہیں

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہوگے تم اس ملک میں میاں کب تک
جو منہ دکھانے کی ہے رسم پر مصر ابلیس
تو منہ چھپائیں گی حوا کی بیٹیاں کب تک

جب عورتوں نے مغربی تعلیم کو گلے لگایا تو جو اس تعلیم کے لوازمات تھے ان سے کیسے بچتیں، ان کو بھی اختیار کرنا ہی پڑا۔ اب اس کے بعد مغربی تعلیم کے ساتھ تفریح جو اس تعلیم کا جزو ہے اس سے وہ کیسے الگ رہتیں لہذا اس جذبے کو بھی انھوں نے سینے سے لگایا تاکہ انھیں آزادی کا لائسنس پوری طرح مل جائے اور وہ بے لگام ہوکر رونمائی کرتی رہیں۔ اکبر نے اس خیال کو کس خوبصورتی سے پیش کیا ہے؛

دودھا بھائی کی یہ ہے رائے نہایت عمدہ
ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
خود تو گٹ پٹ کیلئے جان دیئے دیتے ہیں
ہم پہ تاکید ہے پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید

عورتیں جب آزاد خیال ہوگئیں تو اپنے مردوں پر نہایت بے باکی سے اعتراض کرنے لگیں کہ یہ لوگ خود تو انگریزی پڑھتے ہیں اور مغربی تہذیب کا جھنڈا اپنے ہاتھوں سے لہراتے ہیں اور ہمیں اس سے دور رہنے کو کہتے ہیں، یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اگر ان میں مذہب کا پاس ہوتا تو ہم بھی ان کے دوش بدوش کھڑے ہوکر ان کی ہمنوائی کرتے۔ خود تو انگریز بن کر انگریزی بولنا فخر سمجھتے ہیں اور ہم سے کہتے ہیں کہ تم مذہبی بنی رہو اور چہار دیواری کے اندر بیٹھ کر قرآن مجید پڑھتی رہو۔ اکبر نے مغربی تہذیب سے دور رکھنے کیلئے ان کی ترکش میں جتنے تیر تھے سب چلا ڈالے مگر ان تیروں سے بچنے کے لئے ان کی قوم نے زرہ بکتر پہن لیا، ان کا یہ رنگ دیکھ کر اکبر کو بڑی مایوسی ہوئی اور وہ یوں گویا ہوئے:

سنا ہے حضرت اکبر ہیں حامیٔ پردہ
مگر وہ کب تک اور انکی رباعیاں کب تک

اکبر نے مغربی تعلیم کے خلاف جب آواز بلند کی اور علی گڑھ تحریک کی پر زور مخالفت کی، تو انگریزی تعلیم کے حامیوں نے بڑے فلک شگاف قہقہے بلند کئے تھے اور اسے اکبر کی بکواس تصور کیا تھا مگر آج لوگ حقیقت کی آنکھیں کھولیں تو انھیں معلوم ہوگا کہ اکبر نے جو پیشین گوئیاں کی تھیں وہ لفظ بلفظ صحیح نکلیں، ویسے ہم ہٹ دھرمی کریں تو اس کا کیا جواب ہے۔

ہندوستان کی معاشرت میں بالخصوص مسلمانانِ ہند کی معاشرت میں یہ دستور رہا ہے کہ ولادت کے وقت مکان کے ایک مناسب حصے میں زچہ خانہ منتخب کیا جاتا تھا، بچہ جنوانے والی دائی وقت کے ساتھ آتی تھی اور جب تک عورت ولادت باسعادت سے فارغ نہیں ہو جاتی تھی، دائی برابر اپنی خدمت میں لگی رہتی تھی، آج نہ وہ میخانہ رہا نہ وہ رندہی۔ آج تہذیب جدید کے پجاری مے نوشی کے آراستہ ہوٹلوں میں جوق در جوق جاتے ہیں اور اپنا شوق پورا کرتے ہیں ـــــ آج زچہ خانوں کے بجائے ہسپتال ہیں جہاں بچہ جننے والی عورتیں بڑے شوق سے جاتی ہیں وہاں گھر کی بے تکلفی، آزادی اور آرام کے بجائے ہسپتال کے قواعد وضوابط اور دوسرے ضروری تکلفات کو مجبوراً اختیار کر کے اپنے گھر کے آرام و چین کو چھوڑ دیتی ہیں اس لئے یہ مغربی معاشرت کا ایک عنصر ہے جہاں سامانِ معاشرت اپنے بجٹ سے زیادہ ہیں اور کارآمد بھی ہیں، قدیم زمانے میں مکاتب ہماری تعلیم کا ذریعہ تھے اور قوم کی امانت سمجھ کر اساتذہ

اپنے بچوں کو پڑھاتے تھے، ماں باپ کی شفقت اور محبت سے اپنے شاگردوں کے ساتھ برتاؤ کرتے تھے بچے بھی بڑے شوق اور انہماک سے پڑھتے تھے اور تعلیم یافتہ ہوکر آسمان علم پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکتے تھے، آزاد، حالی، نذیر احمد اور شبلی دنیائے اردو ادب میں آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے۔ ان لوگوں نے اپنی تحریر سے اردو ادب کو آراستہ کیا اور اردو زبان جو بقول مہدی افادی آٹھ دن کی چھوکری ہے اسے اس قابل بنایا کہ وہ اپنی ثقہ بہنوں سے آنکھیں ملا سکے، جب تک اردو زبان کا وجود ہے ان ہستیوں کو اردو نوازوں سے خراج عقیدت ملتا رہیگا۔ مگر آج تعلیم کا معیار ہی کچھ اور ہے، اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں طلباء آزادی کے نعرے بلند کر رہے ہیں، اس تعلیم کا یہ اثر ہوا کہ طلباء اور طالبات مذہب سے بیگانہ نظر آتے ہیں اس کا شکوہ اکبر کی زبانِ قلم سے سنئے اور فیصلہ کیجئے کہ یہ دیوانے کی بکواس ہے یا اس میں کوئی حقیقت بھی ہے۔

وہ کہتے ہیں :

باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا ان کو کام
ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

اکبر نقاد معاشرت رہے ہیں ان کی آنکھیں بڑی بینا تھیں، اپنے دور کا جائزہ لیتے ہوئے اور اپنی قوم کا مزاج پہچانتے ہوئے انھوں نے مستقبل کی نشان دہی کی ہے، انھوں نے یہ اندازہ اچھی طرح لگایا کہ مغربی تہذیب کا طلسم اور جادو مشرقی تہذیب پر غالب آکر رہے گا اور مشرقی تہذیب کے حسن کو ختم کر کے رہیگا، مسلمان مذہب سے بیگانہ ہو جائینگے اپنی معاشرت کو بھول جائینگے، مغربی تہذیب کا تصنع، ان کی تراش خراش اور اس کی چمک ان کی نظر کو اس طرح خیرہ کر دیگی کہ وہ اپنی معاشرت کی سادگی، بے تکلفی اس کے آرام و آسائش کو بھول جائیں گے، اس وقت اکبر کی یہ پیشینگوئیاں بکواس معلوم ہوتی تھیں لوگ اسے بے بنیاد بات سمجھتے تھے مگر دور حاضر کے لوگ یہ دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ شاعر نے جو خواب اپنی زندگی میں دیکھا تھا اس کی تعبیر آج سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔

لسان العصر اکبر الہ آبادی بڑے حساس اور بڑے دور بین تھے وہ اپنے دور کی معاشرت کے برے نتائج کو سوچ سوچ کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ عورتیں مغربی تعلیم حاصل کر کے خود فریبی کے مرض میں مبتلا ہیں، انھیں گھر کا کام خود کرتے ہوئے شرم آتی ہے جو کام ان کے کرنے کا ہے وہ نوکروں کے ذمہ ہے اس طرح انتظام خانہ داری جو ان کا فرض ہے اور پرورش اطفال جس کی تنہا وہ ذمہ دار ہیں ان تمام فرائض سے سبکدوش ہوکر وہ آزاد اور بے فکر ہو گئی ہیں۔

خدمت خاوند جس کیلئے وہ میکہ سے سسرال آئیں
اسے بھول بیٹھیں، انگریزی تعلیم سے مزین ہو کر گریجویٹ
ہونے کا ٹیکہ ماتھے پر لگا کر انھیں بال روم میں جا کر ناچنا
نمائش حسن کرنا زیادہ مرغوب ہے، وہ شوہر پرست بیوی
ہونے کے بجائے پبلک پسند لیڈی بننا زیادہ پسند
کرتی ہیں:

اعزاز بڑھ گیا ہے آرام گھٹ گیا ہے
خدمت میں ہے وہ لیڈی اور ناچنے کو ریڈی

تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر
شوہر پرست بیوی پبلک پسند لیڈی

حقیقت یہ ہے کہ مغربی تعلیم ہی کے اثر سے شوہر
پرست بیوی جو مشرقی تہذیب کی روحِ رواں ہے
آزادی کا پروانہ حاصل کر کے پبلک پسند لیڈی بن گئی
ہے۔

مستقبل کی تاریکیوں پر وضاحت کے ساتھ
روشنی ڈالنے کے بعد اور آنے والے زمانے کی معاشرت
کے ڈراؤنے خواب دکھانے کے بعد نقاد معاشرت
اور سماج کے مصلح اور حکیم لسان العصر نے علاج بھی تجویز
کیا ہے اور صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اگر صحیح طور سے
چارہ جوئی نہ کی گئی اور مناسب فکر سے نہ کام لیا گیا تو یہی
پھوڑا ایک روز ناسور بن جائے گا جسے بقراط اور جالینوس
بھی اچھا نہ کر سکیں گے۔

اگر مسلمان اپنی لڑکیوں کو تعلیم ہی دینا چاہتے
ہیں تو یہ بڑی خوبی کی بات ہے، عورت کا تعلیم یافتہ
ہونا بہت ضروری ہے اس کی وجہ سے وہ اپنے فرائض
کو پہچان سکے گی، شوہر کے حقوق اور بچوں کی پرورش
کی اہمیت کو سمجھے گی اس خصوصیت کی وجہ سے
برادری میں اس کی قدر ہوگی اس سے بھی بڑھ کر یہ
کہ وہ خدا ترس اور شریعت کی پابند ہو کر رہے گی مگر یہ
باتیں مغربی تعلیم سے اسے حاصل نہ ہوں گی، یہ باتیں
اسے دینی تعلیم سے حاصل ہوں گی، اگر عورت کو گھر کی
ملکہ، باشعور، شوہر نواز اور اولاد پرور بنانا ہے تو اسے
مذہبی تعلیم دینا چاہئے اس تعلیم سے عورت میں استغنا،
سنجیدگی، تابعداری، فرض شناسی، خوش سلیقگی
پیدا ہوتی ہے اور ظاہر داری، بیجا تکلف، شوخی
طراری جو موجودہ دور کی عورتوں کا شعار ہے اس سے
اس کو نفرت ہوتی ہے:

دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم
قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر —
خاتون خانہ ہو وہ سبھا کی پری نہ ہو

خاتون خانہ اور سبھا کی پری کے الفاظ میں بڑی
معنویت ہے، خاتون خانہ سے شاعر کی مراد مشرقی
تمدن کے زیور سے آراستہ، سنجیدہ، سادہ لوح
اطاعت گذار اور خانہ داری سے مزین عورت ہے
اور سبھا کی پری انھوں نے آزاد، بیباک، شوخ

تندخو، رنگین، اداؤں سے بھرپور مغربی لباس سے ملبوس عورت کو کہا ہے ۔ اس شعر میں مشرقی تہذیب کا مغربی تمدن سے نہایت خوبصورت انداز میں موازنہ کیا ہے تشریح کیلئے ایک دفتر بے پایاں درکار ہے آگے وہ اس طرح گل افشانیاں کر رہے ہیں :

ذی علم و متقی ہوں جوان کے منتظم
استاد ایسے ہوں مگر استاد جی نہ ہوں

دوسرے مصرعے میں استاد اور استاد جی کا فرق پیدا کر کے شعر کو بہت بلیغ اور معنی خیز بنا دیا ہے ۔ استاد کے معنی سے تو ہر شخص واقف ہے مگر استاد جی ہارمونیم طبلہ اور سارنگی کے استاد کو کہتے ہیں جنھیں ارباب نشاط بھی کہا جاتا ہے ۔ آج مغربی تعلیم حاصل کرنے والی عورتیں گھر پر ارباب نشاط سے گانا بجانا سیکھتی نظر آتی ہیں یہ بھی ان کے لئے ایک سند ہوتی ہے ۔

عورتوں کی تعلیم پر لسان العصر کی ایک طویل نظم کلیات اکبر میں ملے گی ، یہاں اس نظم کے چند اشعار پیش کئے جاتے ہیں ان سے عورتوں کی تعلیم کے متعلق لسان العصر کے خیالات کا اندازہ ہو جائیگا کہ وہ عورتوں کو کس قسم کی تعلیم دینا چاہتے ہیں :

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے
لڑکی جو بے پڑھی ہے تو وہ بے شعور ہے
ایسی معاشرت میں سراسر فتور ہے
اور اس میں والدین کا بیشک قصور ہے
لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت
جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں لائیں نہ تمکنت
ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت
ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ !
شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ
عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
اور حسن عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے

دانا نے دھن دیا ہے تو دل سے غنی رہو
پڑھ لکھ کے اپنے گھر میں دیوی بنی رہو
مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے
مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے
دنیا میں لذتیں ہیں نمائش ہے شان ہے
ان کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبر سے یہ سنو کہ جو اس کا بیان ہے
دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے

اکبر کی پیشین گوئیاں آج ہم ایک ایک کر کے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے ہیں ، ہم اگر انکے کلام کو الہامی کہیں تو مبالغہ نہ ہوگا ۔

غزلیں

(شمیمؔ فتحپوری)

جلوۂ یار آنکھوں میں مستور ہے
ہر نظر میری "نورٌ علیٰ نور" ہے

ہر طرف روشنی ہر طرف نور ہے
میری نظریں ہیں اور جلوۂ طور ہے

میری ہر سانس ممنون ہے عشق کی
زندگانی ترے غم سے مسرور ہے

اب صدائیں "اناالحق" کی آتی نہیں
آج خاموش کیوں سازِ منصور ہے

ہر قدم پر نظر آئی منزل مجھے
میں یہ سمجھا تھا منزل بہت دور ہے

ننگ ہے عشق میں زندگی کی ہوس
جان دینا محبت کا دستور ہے

شوق دیدار رکھتا ہو کوئی اگر ـــ
آج بھی رقص میں شعلۂ طور ہے

منزل یار کو کیا بتائے کوئی
کتنی نزدیک ہے کس قدر دور ہے

شکوۂ جور کیا یہ تو سوچو ذرا
حسن بھی اپنی فطرت سے مجبور ہے

رنگ نکھرا ہوا مہکی مہکی ادا
پردۂ گل میں یہ کون مستور ہے

کعبہ و دیر کیا عشق میں کچھ نہیں!
اے شمیمؔ اپنی منزل بہت دور ہے

(م اخلاق فتحپوری)

زندگی آج کی شب غرق مے ناب کرو،
دوستو وقت ہے جشنِ شب مہتاب کرو

کھل اٹھیں گے ابھی یادوں کے مہکتے ہوئے پھول
دل کے زخموں کو کسی آگ سے شاداب کرو

کوئی مطرب کوئی ساقی کوئی نغمہ کوئی جام
آج کچھ دل کے بہلنے کے بھی اسباب کرو

بجھ نہ جائیں کہیں ہونٹوں پہ تبسم کے چراغ
اور کچھ دیر ابھی دلداریٔ احباب کرو

دے کے دیکھو مجھے تجدید وفا کی قسمیں
ناصحو یوں بھی علاجِ دلِ بے تاب کرو

بشارت حسین بشارت

سطحِ احساس پہ اک نقش تمنا سا ہوں
رکھ کے جس طرح کسی چیز کو بھولا سا ہوں

وقت کو دیکھ کے سائے بھی بدل جاتے ہیں
چھوڑ بیٹھے ہیں مجھے جیسے پرایا سا ہوں

میرے اپنے مجھے ٹھکرائیں گے امید نہ تھی
اس تغیر پہ میں حیرت کا ہیولا سا ہوں.

وقت نے دور کیا میری نگاہوں سے انہیں
پھر بھی میں ان کے خیالات میں کھویا سا ہوں

ساتھ جبتک وہ رہے نورِ مجسم تھا میں
آج وہ پاس نہیں ہیں تو میں دھندلا سا ہوں

لٹ گیا جن کے تصور میں بشارتؔ وہ بھی
یوں مجھے دیکھتے ہیں جیسے تماشہ سا ہوں

اے دوست!

ایمن جعفری

کون محوِ خرام ہے اے دوست
دل کا برہم نظام ہے اے دوست

لذت سعیٔ ناتمام نہ پوچھ
زندگی غم کا نام ہے اے دوست

عشق مغلوب کیوں ہے کیا کہیے
حسن کا احترام ہے اے دوست

ان کی ہر شام صبح عیش و نشاط
میری ہر صبح شام ہے اے دوست

ان کی حسرت امانتِ دل ہے
زندگی شادکام ہے اے دوست

عاشقی وہ مقام ہے کہ جہاں
خواہشِ دل حرام ہے اے دوست

کل بھی تھی ناتمام شرحِ حیات
آج بھی ناتمام ہے اے دوست!

وقت کی پکار

اور آپ کا تعاون

از اقبال رفیق ایم اے

آج کے دور میں گرانی اپنے شباب پر ہے اور یہ گرانی سماج واد کی دین ہے۔ سماج واد لیڈران کی دین ہے اور لیڈر حضرات ہماری اور آپ کی کوششوں کی دین ہیں۔

یہ کمر توڑ مہنگائی کس رفتار سے بڑھ رہی ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ جو چیز ایک ہفتہ قبل دس روپیے کی تھی ایک ہفتہ بعد پندرہ اور بیس کی ہو جاتی ہے اور کچھ دنوں بعد مارکیٹ سے بالکل غائب ہو جاتی ہے۔ ایک بڑی دلچسپ خوبی ہماری سرکار میں یہ ہے کہ جرائم کو ختم کرنے پر لاکھوں روپیہ صرف کرتی ہے لیکن جرائم کرنے والوں پر کوئی پابندی عائد نہیں ہو پاتی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا مصیبت ہے تمام ضرورت کی اشیاء کی دو گنی اور تین گنی پیداوار ہو گئی ہے لیکن مارکیٹ سے چیز غائب کیوں ہو جاتی ہے۔ آج کی یہ حالت ہے کہ ۶۰ فیصد لوگ رات کو بھوکے سو جاتے ہیں یا ایک وقت کا کھانا تھوڑا تھوڑا کر کے دو وقت کھاتے ہیں۔ جس گھر میں صرف ایک کمانے والا ہو اس کا خرچ کیونکر چل سکتا ہے۔ اب تو وہ وقت آگیا ہے کہ گھر کے دوسرے لوگ بھی خواہ وہ بچے ہوں یا گھر کی عورتیں کچھ کام کریں تب کہیں دو وقت کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔

اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ جب مہنگائی اس قدر ہو اور خرچ کی یہ حالت ہو تو کہاں سے زر کثیر لایا جائے کہ کچھ دوسرا کام کیا جائے۔ آخر کوئی گھریلو صنعت شروع بھی کی جائے تو روپیے کی ضرورت سب سے پہلے پڑے گی۔

میں آپ کی توجہ ایسے کاموں کی طرف دلانا چاہتا ہوں جن میں کم سے کم پیسہ لگتا ہے اور مستقل مزاجی اور استقلال سے کیا جائے تو بڑی اچھی رقم اکٹھی کی جا سکتی ہے اور یہ کام بھی ایسے ہیں جن میں

گھر کے بچے اور عورتیں مل کر کر سکتی ہیں ۔ باہر سے کسی کاریگر کی ضرورت نہیں ہوگی ۔

بہت سی ایسی اشیاء ہیں جن کو ہم پھینک دیا کرتے ہیں یا کم قیمت میں خرید کر کوئی معمولی سے کام میں استعمال کر لیتے ہیں ، کبھی اس کے آگے ہمارا دھیان بھی نہیں گیا ۔

سجاوٹ کا سامان

آپ نے دیکھا ہوگا کہ آرا مشین کی دوکانوں سے یا ٹمبر والوں کے یہاں سے لوگ بے کار لکڑی خرید کر جلانے کے کام میں لاتے ہیں کبھی آپ نے سوچا کہ اس سے دوسرے کیا کام نکل سکتے ہیں ، میں آپکو کچھ ضروری سامان بنانا بتاتا ہوں :

آپ جلانے کی غرض سے لکڑی خرید لائیے اس میں سے ایسی لکڑی جو بکل لگی بھی ہوں تو کوئی حرج نہیں لیکن چوڑی ہوں الگ کر لیجئے ، آدھی لکڑی کا پر لمبائی میں بکل لگا رہنے دیجئے اور آدھی لکڑی کو رندے سے چھیل کر صاف کر لیجئے اسکو ریگ مال سے رگڑ کر چکنا کر لیجئے اس چکنے حصے کو ہلکا کھتئی اور بکل لگے حصے کو گہرا کھتئی رنگ دیجئے ، اب اس چکنے حصے پر خوبصورت سینری بنوا لیجئے ، یہ سینری بنانے کا کام آپ کے گھر کی لڑکیاں جو اسکولوں میں پڑھتی ہیں بخوبی کر سکتی ہیں ۔ اسی طرح اگر ہفتہ میں دس سینریاں تیار کر لیں تو کم از کم ۲۵ روپے کا کام ہوگیا ۔

ابھی ان لکڑیوں کو جلائیے نہیں جو خریدی تھیں اس میں سے موٹے موٹے بے ڈھنگے ٹکڑے نکال لیجئے ان کو آری سے تکونہ یا چوکور جیسے بن سکیں کاٹ لیجئے پھر ان کو ریتی سے رگڑ کر ہر طرف سے برابر کر لیجئے اب آپ ان کو ریگ مال سے چکنا کر لیجئے ان پر خوبصورت پھول بنا لیجئے یہ کام بھی گھر کی لڑکیاں کر سکتی ہیں ۔ یہ پھول آئل پینٹ سے بنیں گے ۔ اب یہ آپ کے میز پر رکھنے والے پیپر ویٹ تیار ہوگئے اب خالی اوقات میں یہ جنیٹس کی دوکانوں پر سپل کر دیجئے ۔

نئے ڈیزائن کے گلدان

بانس کی دوکانوں سے موٹے بانس کے ٹکڑے خرید لائیے بہت سستے مل جاتے ہیں ، ان کو گانٹھ پر سے کاٹ لیجئے یہ گانٹھیں تقریباً ایک فٹ لمبی ہوتی ہیں ان ٹکڑوں کو قلم کی طرح آری سے کاٹ لیجئے ۔ اب اس قلم نما ٹکڑے کو ریگ مال سے رگڑ کر چکنا کر لیجئے ، یہ ٹکڑے صرف ایک طرف سے قلم کی طرح ترچھے کاٹے جائیں گے دوسری طرف کا حصہ ویسا ہی ہوگا ورنہ آپ کا گلدان کھڑا کیسے ہوگا ۔ اب ان پر ریگ مال کرنے کے بعد خوبصورت پھول بنا دیجئے یا خوبصورت سینری بنا لیجئے ۔ عمدہ قسم کے نئے فیشن کے کم لاگت پر یہ گلدان

ہونگے اور اچھی قیمت میں فروخت ہونگے ۔

ویسلین

جاڑوں کے دنوں میں ویسلین کی بہت ضرورت پڑتی ہے چونکہ سرد ہوائیں ہاتھ پیروں میں خشکی پیدا کر دیتی ہیں جس کی وجہ سے ہاتھ پھٹنے لگتے ہیں ۔ جاڑے کے موسم میں آپ گھر میں عمدہ قسم کی ویسلین تیار کر سکتے ہیں ۔

موم لائیے اسکو کسی برتن میں گرم کر لیجئے ، جب پگھل جائے تو اس میں سستا والا موم کیلی کا تیل ڈال دیجئے ، یوں سمجھئے کہ دو چھٹانک تیل ہو تو تین چھٹانک موم ہو ۔ اب ٹھنڈا ہونے کو رکھ دیجئے ۔ ٹھنڈا ہونے پر اس میں کوئی معمولی سی خوشبو ملا دیجئے ویسلین تیار ہو گئی اس کو شیشیوں میں بھر کر فروخت کر دیجئے ۔

اسنو

اسنو کا استعمال تو بارہ مہینے ہوتا ہے فیشن کی اشیاء میں یہ اہم چیز ہے ۔ ہر لڑکا ہیرو بننے کیلئے اسنو کا استعمال ضرور کرتا ہے ، اس کو بنانا بھی آسان ہے ۔

اسٹیریک ایسڈ لائیے اس کو کسی برتن میں رکھ کر اس برتن کو کسی بڑے برتن میں پانی بھر کر آگ پر رکھ دیجئے یعنی اس بڑے برتن میں پانی گرم ہوتا رہے گا اور اسٹیریک ایسڈ والا برتن اس گرم پانی میں رکھا رہے گا پانی گرم ہونے پر ایسڈ موم کی طرح پگھل جائے گا اس کو اتار لیجئے اور وہ عمدہ خوشبو جو آپ پسند کرتے ہیں ملا دیجئے ہینڈ سے اسکو خوب پھینٹیے خوشبو ساری اسنو میں مل جائے تو اسکو شیشیوں میں بھر کر بازار میں فروخت کر دیجئے ۔

اب آپ خود فیصلہ کیجئے ان چھوٹی صنعتوں میں کتنا خرچ آیا جو کچھ ان میں خرچ آیا اس قدر پیسہ تو کم از کم آپ جمع کر ہی سکتے ہیں اگر اس کام میں زیادہ پیسے کی ضرورت پڑ رہی ہے تو بینک آف بڑودہ آپ کی صنعتوں کیلئے مالی مدد کرنے کو تیار ہے ۔ وہ ہزاروں تک کی رقم آپ بہ آسانی فراہم کر سکتے ہیں ۔

آج کے دور میں وہی ملک اور وہی قوم آگے بڑھ سکتی ہے جو صنعت کو اپنائے گی ۔

جاپان کی حالت ہندوستان سے بدتر تھی لیکن اس ملک کے باشندوں نے محنت اور ایمانداری سے کام کیا آج وہ ملک تمام عالم پر چھایا ہوا ہے امریکہ میں امریکہ کا مال بکنا مشکل ہوتا ہے جاپان کا مال بآسانی بک جاتا ہے ۔

بہر حال کچھ تو کرنا ہے ورنہ کوئی نہیں جانتا کہ یہ گرانی کی کشتی کب اور کہاں کنارے لگے ۔ ابھی تو آگے ہی بڑھ رہی ہے ۔

اگر آپ کوئی صنعتی کارخانہ کھولے ہوئے ہیں تو اس کو زیادہ ترقی دینے کیلئے چھوٹی صنعتوں کے سروس اداروں سے رابطہ قائم کیجئے۔ اول آپکو اپنے کارخانے کا نام درج کرانا ہوگا۔ نام درج کرانے کیلئے آپ کو چھوٹی صنعتوں کے دفتر سے ایک فارم لے کر بھرنا ہوگا پھر آپ کے کارخانے کا معائنہ ہوگا اور آپ کا رجسٹریشن ہو جائیگا —

رجسٹریشن کے [illegible] کو خام مال (کچا مال) اور [illegible] ملتی ہے۔ چھوٹی صنعتوں کے دفتر ایریا ڈیولپمنٹ آفس (Area Development) کے نام سے مندرجہ ذیل مقامات پر ہیں :-

آندھرا پردیش :- سورن والاس برکت پورہ حیدرآباد

آسام :- بالمقابل انڈسٹریل اسٹیٹ ڈاکخانہ بھوانی میدان گوہاٹی۔

بہار :- پرسادمنشن راجندر پتھ پٹنہ نمبر ۱

دہلی :- بالمقابل انڈسٹریل اسٹیٹ اوکھلا نئی دہلی ۲۰

گجرات :- ۵ سرا جگناتھ پلاٹ، راجکوٹ

جموں کشمیر :- اسکول آف ڈیزائن بلڈنگ کرن نگر۔ سری نگر۔

کیرل :- کیرل ورما کالج روڈ، تریچور

مدھیہ پردیش :- انڈسٹریل اسٹیٹ پولو گراونڈ

میسور :- راجہ جی نگر بنگلور ۱۰ باچی لاج گلوب روڈ ہبلی۔

اتر پردیش :- ۱۰۷ انڈسٹریل اسٹیٹ کالپی روڈ کانپور

حکومت ہند نے تمام کارخانے جو رجسٹرڈ ہیں ان کا سروے کرنے کی اسکیم چلائی ہے تاکہ کچے مال کی کسقدر ضرورت ہے اسکا اندازہ ہو سکے۔

دوسرے وہ کارخانے جو صرف نام نہاد چلتے ہیں اور کچا مال لے کر بلیک کر دیتے ہیں ان کو ختم کر دیا جائے۔

اگر آپ رجسٹرڈ ہیں تو سروے کرنے والوں کا پورا انتظام کیا جا سکے۔ اگر سروے کرنے والے آپ تک نہ پہونچ سکے ہوں تو اپنے صنعتی دفتر میں اطلاع کر دیجئے۔ ایسے کارخانے جو صرف نام نہاد ہیں مال بلیک کرتے ہیں ان کی اطلاع بھیجئے اس کام میں آپ کو حکومت کی مدد کرنی ہوگی، تب ہی آپ کو کچا مال کافی تعداد میں مل سکے گا

دی مغل لائن لمٹیڈ

(حکومت ہند کا تجارتی ادارہ)

پروگرام حج سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء

بمبئی سے بحری جہازوں کی روانگی :۔ ہم انتہائی مسرت کے ساتھ ذیل میں حج سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء کیلئے جہازوں کی روانگی کا عارضی پروگرام پیش کرتے ہیں

بمبئی سے روانگی	جدہ سے روانگی
۱۔ ”ایس۔ ایس۔ محمدی“ ۵ر ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء (قبل رمضان)	۱۔ ایس۔ ایس ”محمدی“ ۳۰ر دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء
۲۔ ”ایم۔ ڈی اکبر“ ۸ر ستمبر سنہ ۱۹۷۴ء	۲۔ ایس۔ ایس ”مظفری“ ۱ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
۳۔ ”ایم۔ ڈی اکبر“ ۲۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء (بعد رمضان)	۳۔ ”ایم وی اکبر“ ۴ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
۴۔ ”ایس۔ ایس۔ محمدی“ ۲۵ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء	۴۔ ”ایس ایس محمدی“ ۱۸ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
۵۔ ”ایس ایس مظفری“ ۳۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۷۴ء	۵۔ ”ایس ایس مظفری“ ۲۰ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
۶۔ ”ایم ڈی اکبر“ ۶ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء	۶۔ ”ایم وی اکبر“ ۲۳ر جنوری سنہ ۱۹۷۵ء
۷۔ ”ایس ایس محمدی“ ۱۴ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء	۷۔ ”ایس ایس محمدی“ ۶ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء
۸۔ ”ایس ایس مظفری“ ۱۹ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء	۸۔ ”ایس ایس مظفری“ ۸ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء
۹۔ ”ایم وی اکبر“ ۲۳ر نومبر سنہ ۱۹۷۴ء	۹۔ ”ایم۔ وی اکبر“ ۱۱ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء
۱۰۔ ”ایس ایس محمدی“ ۳ر دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء	۱۰۔ ”ایس ایس محمدی“ ۲۵ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء
۱۱۔ ”ایس ایس مظفری“ ۸ر دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء	۱۱۔ ”ایس ایس مظفری“ ۲۷ر فروری سنہ ۱۹۷۵ء
۱۲۔ ”ایم۔ ڈی اکبر“ ۱۰ر دسمبر سنہ ۱۹۷۴ء	۱۲۔ ”ایم وی اکبر“ ۲ر مارچ سنہ ۱۹۷۵ء

کرایہ جہاز بمبئی جدہ بمبئی کے سفر کا کرایہ مندرجہ ذیل ہے صرف واپسی ٹکٹ جاری کئے جائیں گے۔

فرسٹ کلاس
بالغ

کرایہ مع خوراکی	محاصل خدمات جدہ و کرایہ مکان	فارن ٹریول ٹیکس	پلگرم پاس وغیرہ کی فیس	مجموعی رقم
۲۵۰۰ روپے	۱۸۰ روپے	۵۲۵ روپے	۲۰ روپے	۴۲۲۵ روپے

اسپیشل ڈیک کلاس (بالغ) صرف ایم وی اکبر میں — یہ انتظام مزید سہولتوں مثلاً آرام دہ بستر اور ۶ تا ۱۲ بنکس کے علاحدہ علاحدہ کمپارٹمنٹ کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اسپیشل ڈیک کلاس (بالغ)	۱۴۰۰ روپے	۱۸۰ روپے	مستثنیٰ	۲۰ روپے	۱۶۰۰ روپے
ڈیک کلاس (بالغ)	۱۲۵۰ روپے	۱۸۰ روپے	مستثنیٰ	۲۰ روپے	۱۵۵۰ روپے

بچے جن کی عمر ایک اور سولہ سال کے درمیان ہوگی ان کو حج پر جانے کی قطعی اجازت نہیں دی جائے گی البتہ والدین اپنے ساتھ صرف ۱۲ ماہ تک کے عمر کے بچے لے جا سکتے ہیں ان کیلئے ۲۰ روپے بلگرم پاس کے ادا کرنے ہوں گے۔ ایسے بچوں کی عمر جہاز پر سوار ہونے کی تاریخ تک بارہ ماہ سے زیادہ نہیں ہونی چاہیے۔

پابندیاں حکومت ہند نے عازمین حج کے مفاد عامہ اور ان کی بھلائی کے پیش نظر بعض پابندیاں عائد کی ہیں لہذا عازمین حج کو مشورہ دیا جاتا ہے کہ ان عائد کردہ پابندیوں کو اچھی طرح سمجھ کر درخواست دیں۔ درج ذیل عازمین کی درخواست قبول نہیں کی جائیں گی (الف) وہ افراد جو گذشتہ پانچ سال یعنی ۱۹۶۸ء تا ۱۹۷۲ء (جزوی) کے درمیان ہندوستان کے کسی بھی حصے سے فریضہ حج ادا کر چکے ہیں۔ ایسے افراد حج بدل پر بھی نہ جا سکیں گے۔ (ب) بچے جن کی عمر ایک اور سولہ سال کے درمیان ہوگی (ج) وہ عازمین حج جن کے پاس غیر ملکی زرمبادلہ ۱۱۰۰ (ایک ہزار ایک سو)، سعودی ریال سے کم ہوگا جو تقریباً ہندوستانی ۲۴۰۰ روپیوں کے برابر ہوگا (ح) وہ خواتین جن کو جہاز پر سوار ہوتے وقت پانچ ماہ یا اس سے زیادہ کا حمل ہوگا (ھ) درج ذیل بیماریوں اور معذوریوں میں مبتلا افراد (۱) دماغی امراض (۲) تپ دق یا سل (۳) قلبی امراض (۴) شدید دمہ (۵) متعدی جذام (۶) دیگر شدید متعدی بیماریاں یا جسمانی کمزوریاں — شدید بیماری یا خاتون کے حمل پر شبہہ کی حالت میں بمبئی میں ان کا طبی معائنہ کیا جائیگا لہذا عازمین حج غلط بیانی سے درخواست نہ دیں۔

درخواست بھیجنے کا طریقہ

حج ۱۹۷۳ء کے تمام عازمین کیلئے انتہائی ضروری ہے کہ وہ مغل لائن سے بلا قیمت تقسیم کئے جانے والے نئے درخواست فارم ہدایات کا پرچہ حاصل کریں۔ پرانے فارم پر دی گئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

عازمین حج جن کی درخواستیں گذشتہ پانچ سال میں مسترد ہو چکی ہیں ان کو اعلان کے مطابق فوقیت دی جائے گی بشرطیکہ وہ گذشتہ نامنظور درخواستیں نئی درخواست کے ساتھ منسلک کریں — (۱) ریاست جموں و کشمیر (۲) منی پور (۳) جزائر انڈمان نکوبار اور (۴) لکشا دیپ سے آنے والی درخواستوں کا انتخاب ریاستی حج کمیٹی ایڈمنسٹریٹر کرتے ہیں لہذا ان ریاست کے عازمین حج صرف مقامی حکام کو درخواستیں دیں گے۔

درخواستیں وصول ہونے کی آخری تاریخ:- حج سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء کیلئے مقررہ فارم پر تمام درخواستیں ہدایات کے مطابق ہر اعتبار سے مکمل اور رجسٹرڈ پوسٹ کے ذریعہ اس طرح روانہ کی جائیں کہ وہ کمپنی کے رجسٹرڈ آفس پر ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۷۴ء یا اس سے قبل پہونچ جائیں۔ دستی طور پر کوئی درخواست دفتر کے کاونٹر پر قبول نہیں کی جائیگی۔ ۲۶ جولائی سنہ ۱۹۷۴ء کے بعد پہونچنے والی کوئی درخواست قبول نہیں کی جائیگی اور اسے بھیجنے والے کو لوٹا دیا جائے گا۔

درخواست فارم:- نئے جاری کردہ درخواست فارم اور ہدایات کا پرچہ برائے حج سنہ ۱۹۷۴ء صرف عازمین حج کو انکی گذارش پر مغل لائن مفت مہیا کرتی ہے۔ عازمین حج کیلئے لازمی ہے کہ وہ حج سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء کیلئے چھپے ہوئے فارم کا استعمال کریں اور پرانے فارم قطعی استعمال نہ کریں۔ یہ بات خاص طور پر یاد رکھنا چاہئے کہ فارم مہیا کرنے، درخواستیں اور کرایہ کی رقم وصول کرنے یا اس طرح کا کوئی کام انجام دینے کیلئے مغل لائن نے اپنی کوئی شاخ نمائندہ یا ایجنٹ مقرر نہیں کیا ہے ——— **مذکورہ بالا معلومات حج سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء کیلئے مغل لائن کے جاری کردہ اعلان کا اختصار ہے۔ مکمل تفصیلات اور درخواست فارم کیلئے لکھئے** ———

مغل لائن لمیٹڈ، ۱۶ بنک اسٹریٹ فورٹ بمبئی نمبر ۲۳ ۴۰۰۰۰۰

تار کا پتہ:- مغل بمبئی MOGUL BOMBAY
ٹیلیفون ۲۵۶۸۲۵ ٹیلیکس ۹-۴۹-۴۰-۱۱

کہ لوگ کہتے ہیں....

آپ کے خطوط

(یو. ایس. اے)

۱۶ جنوری ۱۹۷۳ء

السلام علیکم

کس دل سے آپ کا شکریہ ادا کروں کیونکہ الفاظ نہیں ہیں یوں کہیئے بیحد خوشی کے مارے۔

آپ نے مجھے یاد تو کیا رنگ رنگ کے ذریعہ کیونکہ ماہانہ نمبر کا ہے اور جنوری میں ملا شاید اسلئے کہ میرا پتہ اب نیا ہے ــ ۲۴ مئی ۱۹۷۲ء اسکے بعد مجھے تین اور رنگ رنگ ملے ہیں. بہت بہت شکریہ!

بھائی میاں! جنوری کے بعد آج پھر آپ کو خط لکھنے بیٹھا ہوں. خط صرف اسی لیئے میں کبھی نہیں لکھتا جب تک کچھ کہنے کو نہ ہو اور کہنے کیلئے اتنی ساری باتیں ہیں کہ ایک خط تو کیا ایک ناول لکھ سکتا ہوں بشرطیکہ ایسے موڈ میں ہوں جیسے کہ اس وقت ہوں۔

یہاں سے اردو میں ایک میگزین نکلتی ہے کچھ ہندوستانی اور پاکستانی مل کر نکالتے ہیں لیکن کبھی مجھے دیکھنے کو نہیں ملی۔

ایک بات بتاتا ہوں. یہاں یونیورسٹی میں دنیا کے ہر میگزین اور نیوز پیپرس آتے ہیں، ہندوستان سے کئی اخبار اور ہفت روزہ آتے ہیں جن کے پاس بڑی بڑی مشینیں اور روپیہ ہے لیکن اب کوئی بھی اخبار یا میگزین پڑھنا اچھا نہیں لگتا، نہ جانے کیوں من بالکل اچاٹ ہوگیا ہے اس طرف سے ایسا نہیں کہ وقت نہیں ملتا۔

بھائی میاں! اب سادہ سا خط لکھنے میں مزا نہیں آتا اسلئے اب خط ختم کر رہا ہوں، آئندہ آپکو برابر خط لکھونگا بشرطیکہ آپ کچھ پوچھیں. یعنی کہ آپ یہاں کی زندگی دن کی، رات کی، نائٹ کلب کام کے بارے میں گھومنے پھرنے، لوگوں کے بارے میں ان کی سماجی زندگی، معاشی، مذہبی کسی بھی طرح کا کوئی ایک سوال کریں. وعدہ کرتا ہوں کہ صرف ایک ہی تاریخ میں آپ کو ایک مزیدار خط روانہ کردوں گا، اگر آپ میری زندگی کے بارے میں پوچھیں گے تو بہت سا جھوٹ تو نہیں لکھونگا

لیکن سچائی چھپا جاؤں گا ۔ ہاں جتنا خط میں لکھوں گا
سچ ہوگا ، وجہ یہ ہے کہ ان چار سالوں میں باہری
روپ سے میری زندگی میں تبدیلی آچکی ہے اور آری
سے میک تو وہی ہے اور نہ میں اسے بدلنا چاہتا
ہوں اور نہ ہی بدلنا چاہوں گا ۔ شاید یہی وجہ ہے
کہ اس شاپنگ سینٹر کا ہر دوکاندار یا کام کرنے
والے (خاص طور سے عورتیں) مجھے اچھی طرح سے
جانتی ہیں کچھ تعریف بھی کرتے ہیں اور کچھ برائی
بھی ۔ تعریف کرنے والوں میں ابھی تک تو
کافی لوگ تھے اب پتہ نہیں کیا رنگت ہے ۔

اچھا بھائی میاں سب کو میرا سلام

آپ کا ہی شیوگوپال سیٹھ

●

از ماکولہ

محترمی ! تسلیم و نیاز

شدید انتظار کے بعد ۲۰ ر مئی کو رسالہ رنگ رنگ
کا سالنامہ سیرت نمبر موصول ہوا ۔ بہت بہت شکریہ
محترم آپ کا یہ سیرت نمبر میری حقیر نگاہ میں
ایک امتیازی شان کا متحمل ہے کیونکہ اس رسالے
میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس زندگی پاک
پر روشنی ڈالی گئی ہے جس پر عموماً لوگ کم لکھتے ہیں
لہٰذا اس سلسلہ میں جہاں مولٰینا محمد انجم ادیب صاحب
کا مضمون قابل ستائش ہیں وہیں انجم عثمانی بھی قابلِ
تعریف ہیں اور مولانا وسیم احمد اعظمی نے تو ایک

ایسا پیرایہ اور انداز اختیار کیا ہے کہ جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ سادہ نعتوں اور حمدوں نے تو رسالہ میں چار چاند لگا دیا۔ ہاں آخر میں گذارش کروں گا کہ ان شاء اللہ اب آئندہ رسالہ رگ سنگ وقت پر ملتا رہا تو آپ کا کرم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مضمون نگاروں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

عبید الرحمن اعظمی

•

گورکھپور ۴ جون ۱۹۸۶ء

محترمی! سلام مسنون!

رگ سنگ پابندی سے مل رہا ہے تازہ شمارہ قدرے انتظار کے بعد موصول ہوا۔

زیر نظر شمارہ دیرینہ خصوصیات کا حامل ہے اقبال رفیق کا مضمون "چھوٹی صنعتوں کی اہمیت" خصوصیت سے تاجرانہ معلومات میں اضافہ ہے، لیکن ابھی یہ تشنہ ہے اور مزید روشنی درکار ہے واحد پریمی، قمر سنبھلی، نازش پرتاپگڈھی کی تخلیقات پسند آئیں۔ ان کو میری طرف سے مبارکباد پیش کیجئے۔

والسلام

خلوص کار:۔ ماشاء اللہ خاں

رُوداد شمسی بیت المال کھنیا بازار کانپور

ترجمان بیت المال کے قلم سے

شمسی بیت المال کی عمومی ماہانہ نشست مورخہ ۵ رجون ۱۹۷۶ء کو شب میں ۹½ بجے ہوئی۔ حافظ محمد عقیل صاحب جوہری نے افتتاحی تلاوت فرمائی۔ الّا حاجی محمد عادل صاحب و غلام خواجہ صاحب تمامی اراکین موجود تھے۔ شمسی پیتھالاجیکل اسپتال کے سلسلہ میں بھی کافی غور و خوض ہوا مگر بات کسی نتیجے پر نہیں پہونچ سکی۔ خدا جانے کیا بات ہے یہ معاملہ روز بروز الجھتا جا رہا ہے۔ حالات ضرور تبدیل ہو گئے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ ہم کو اپنا محاسبہ بھی کرتے رہنا چاہیے ہم کوشش کریں گے کہ قوم کے سامنے سارے کوائف آجائیں کہ اس پانچ سال کے عرصے میں کیا کیا رکاوٹیں پیش آئیں اور ان سے ہم کس طرح عہدہ برآ ہوئے مگر پھر بھی کیا بات ہے جو یہ بیل منڈھے نہیں چڑھ رہی ہے۔

بعد میں پیش آمدہ درخواستوں پر سنجیدگی و احساس ذمہ داری سے غور فرمایا گیا، اس نشست میں خاصی درخواستیں مسترد کی گئیں اس کو ہماری کم مائیگی کہہ لیجئے کہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلانے پڑتے ہیں یا احساس ذمہ داری کہہ لیجئے جو دراسختگی پر مجبور ہونا پڑتا ہے ورنہ خدا جانتا ہے کہ جی تو یہی چاہتا ہے کہ کوئی بھی درخواست دہندہ تعاون سے محروم نہ رہنے پائے۔ حسب ذیل درخواستوں پر مثبت یا منفی رویہ اختیار کیا گیا۔

۱۔ ادائیگی قرض کے سلسلے میں دو درخواستوں پر اثباتی انداز فکر مناسب سمجھا گیا۔
۲۔ کاروباری تعاون کے مدنظر ایک درخواست پر صاد کیا گیا۔
۳۔ علاج کیلئے آئی ہوئی تین درخواستیں قابل اعتنا تصور کی گئیں۔
۴۔ شادی میں تعاون کی تین درخواستیں منظوری کے قابل سمجھی گئیں۔
۵۔ شادی کی ایک درخواست تحقیق کیلئے مناسب خیال کی گئی۔
۶۔ مختلف قسم کی چھ درخواستوں پر منفی انداز فکر انسب سمجھا گیا۔
۷۔ وقتی اعانت کے سلسلہ میں ایک درخواست مثبت رویہ کی حامل سمجھی گئی

قاری محمد الٰہی صاحب نے اپنی دعا سے اختتام فرمایا۔ رات کافی جا چکی تھی، صاحب خانہ کی مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے ہوئے اراکین شمسی بیت المال رخصت ہوئے۔

سوال و جواب
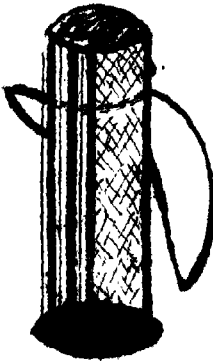
لیجئے جواب حاضر ہے

علامہ معلومی کے قلم سے

محمد نسیم حیدر آباد۔

س موت کی آرزو کب کرنی چاہئے ؟

ج موت کی آرزو مت کیجئے اس لئے کہ ممکن ہے کہ آپکے اعمالِ صالحہ میں اضافہ ہوجائے یا آپ کی توبہ کو اللہ پاک قبول کرلے۔

س جھوٹ بولنا کب جائز ہے ؟

ج جب جھوٹ بولنے سے کسی مومن بھائی کی جان محفوظ رہ سکے۔

س سچائی کے فائدے ؟

ج سچائی نیکی کا راستہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کا۔

شمیم احمد (عرف شمّا) نور پور

س زندگی کیا ہے ؟

ج زندگی جد وجہد کا نام ہے۔ خاموش زندگی موت کے مترادف ہے۔

س بلند مرتبہ حاصل کرنے کیلئے کیا کرنا چاہئے ؟

ج زندگی کا احتساب اور اعمال کا تجزیہ انسان کو بلند مقام پر لے جاتا ہے۔

س بہادر انسان کی پہچان ؟

ج جو اپنے غصّہ کو ضبط کر سکے۔

س انسان کس طرح ہر دلعزیز بن سکتا ہے ؟

ج دوسروں کے غم میں شریک ہو کر۔

حبیب اللہ ٹیلر - الہ آباد

س دورِ حاضر میں تعلیم نسواں کی اہمیت ؟

ج دورِ حاضر ہی میں نہیں اسلام نے روز اول ہی سے ہر مرد و زن پر علم حاصل کرنے کو واجب قرار دیا ہے

س شمسی بیت المال سے کیا صرف شمسی برادری کے ہی افراد استفادہ کر سکتے ہیں ؟

ج جی نہیں برادری کی کوئی قید نہیں !

س کیا بیت المال کے ذریعہ کانپور کے باہر لوگوں کی بھی مدد کی جاتی ہے ؟

ج جی ہاں ! لیکن مقامی درخواست دہندگان کو ترجیح دی جاتی ہے۔

مسرور احمد ۔ بمبئی

س کیا وجہ ہے کہ رگ سنگ میں ہر سوال کا جواب نہیں دیا جاتا
ج ایک شمارے میں کسی بھی فرد کے زیادہ سے زیادہ تین معیاری سوال کے جوابات دئے جاتے ہیں۔
س کیا سوالات بھیجنے کیلئے رگ سنگ کی ممبر کی شرط ہے؟
ج جی نہیں! سوال معیاری ہونا شرط ہے۔

ڈاکٹر محمد اسلم ۔ نئی دہلی

س مرحوم ڈاکٹر فریدی کا سب سے بڑا سیاسی کارنامہ؟
ج مسلم اور اچھوت قوم میں اپنے حقوق کیلئے زندگی پیدا کی۔
س مسلم مجلس کے قیام سے پہلے ڈاکٹر فریدی کس سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے؟
ج ڈاکٹر موصوف پرجا سوشلسٹ پارٹی کے ایک اہم رکن تھے۔

کلیم اللہ چار باغ لکھنؤ

س کامیابی کا راز؟
ج محنت اور ایمانداری کامیابی کی کنجی ہیں
س مسلمانوں میں جہیز کی لعنت اور اسکا علاج؟
ج اگر جہیز بغیر کسی مطالبہ اور معروف حد کے اندر ہو تو صحیح ہے ورنہ بری چیز ہے۔ عام سماجی اصلاح اور اسلامی تعلیمات کے فروغ سے یہ مسئلہ خود بخود حل ہو سکتا ہے۔

نزہت فاطمہ ۔ علی گڈھ

س اندرا حکومت کا غریبی ہٹاؤ پروگرام کس حد تک کامیاب ہو رہا ہے؟
ج "غریبی ہٹاؤ" صرف ایک نعرہ ہے۔
س مسلمانوں کو دورِ حاضر میں کس طرح ترقی حاصل ہو سکتی ہے؟
ج مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ احساس کمتری اور شکست خوردگی کو ترک کر دے اور اقبال کے اس شعر پر عمل کرے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

معین الدین خاں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

س کیا موجودہ دور میں ہندوستان میں مسلم تنظیم کی ضرورت ہے؟
ج مسلمان اپنے مسائل خود محسوس کرتا ہے، اور ان کے حل کرنے کی سبیل وہ خود ہی نکال سکتا ہے اسلئے مسلم تنظیم کی ضرورت مسلم ہے۔
س کوئی ولولہ انگیز شعر سنائیے۔
ج لیجئے سنئے:

قیامت بن کے اس عالم پہ چھا جا
بنا بیٹھا ہے طوفاں، در نفس کیا
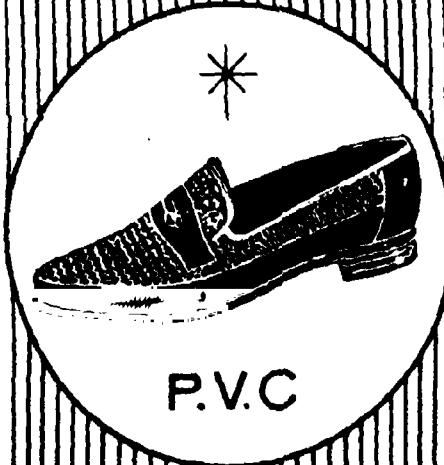
ڈیلائٹ ..
Delite
FOOT WEAR
مضبوط ...
MAZBOOT
پرنس ....
PRINCE
P.V.C
باوقار لباس پر موزوں
عمدہ جوتے
سوسائٹی میں آپ کی شان وشوکت کو دوبالا کرتے ہیں
اپنی پسند کے مطابق ہر قسم کے جوتے، چپل اور سینڈل
زنانہ، مردانہ، دیرپا اور مضبوط
خریدنے کیلئے ہمیشہ ہماری دوکان کو یاد رکھئے
تھوک وپھٹکر
گوہر سٹور
میدہ بازار
مکھنیا بازار کانپور فون 57857 کانپور

Monthly Rag-e-Sang Rampur
Registered No. L. 1797 JULY 1974 Phones : 62871, 60472, 63883
Registered with the Registrar of Newspapers R No. 19397/70